تفسیر
مظہری
تالیف
ضیاء القرآن پبلیکیشنز
لاہور ۰ کراچی ۰ پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر مظہری جلد دوم

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ تفسیر

زیر اہتمام: ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور — کراچی — پاکستان

نام کتاب	تفسیر مظہری (جلد دوم)
تالیف	حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ متن	ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	الاستاذ مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ
	مولانا محمد انور مگھالوی
	فضلاء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف
تعداد	ایک ہزار
اشاعت	دسمبر 2002ء (رمضان المبارک 1323 ہجری)
کمپیوٹر کوڈ	1Z348

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

فیکس:۔ 042-7238010

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست

سورۂ آل عمران

آیاتہا ۲۰۰ — سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ ۳ — رکوعاتہا ۲۰

سورۂ آل عمران مدنی ہے۔ اس کی دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ابن ابی حاتم نے ربیع بن انس سے روایت نقل کی ہے کہ نصاریٰ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ سے جھگڑا کیا تو اللہ تعالیٰ نے آل عمران کی اسّی سے اوپر آیات نازل فرمائیں۔ ابن اسحاق نے کہا مجھے محمد بن سہل بن ابی امامہ نے بیان کیا جب نجران کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ سے سوال کریں تو انہیں کے متعلق سورۂ آل عمران کے آغاز سے اسّی آیات تک نازل ہوئیں۔ بیہقی نے دلائل میں اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔ اسی طرح بغوی نے ربیع بن انس اور دوسرے لوگوں سے نقل کیا ہے کہ یہ آیات نجران کے وفد کے حق میں نازل ہوئیں، وہ ساٹھ کے قریب سوار تھے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے چودہ اشراف سے تعلق رکھتے تھے، ان چودہ افراد میں سے تین اشخاص ایسے تھے جو ان کے معاملات کے ذمہ دار تھے۔ عاقب ان کا امیر اور صاحب مشورہ تھا جس کی رائے کے بغیر وہ کوئی کام نہ کرتے جس کا نام عبد المسیح تھا۔ امیر سفر سید تھا جس کا نام ایہم تھا اور ابو حارثہ بن علقمہ ان کا اسقف اور عالم تھا۔ وہ اس وقت مسجد نبوی میں داخل ہوئے جب حضور ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی۔ انہوں نے علماء کے جبے پہنے ہوئے تھے جبکہ ان پر خوبصورت چادریں بھی تھیں۔ وہ ایسے بھلے لگ رہے تھے کہ جس نے بھی انہیں دیکھا کہا کہ ہم نے اس جیسا وفد نہیں دیکھا۔ ان کی عبادت کا وقت ہو گیا، وہ مسجد نبوی کے اندر ہی نماز پڑھنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا انہیں چھوڑ دو۔ پس انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ سید اور عاقب نے انکی طرف سے گفتگو کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا اسلام قبول کر لو۔ انہوں نے کہا ہم آپ سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے سچی بات نہیں کی کیونکہ تمہارا اللہ تعالیٰ کیلئے بیٹا قرار دینا، صلیب کی عبادت کرنا اور تمہارا خنزیر کو کھانا تمہیں اسلام سے روکتا ہے۔ ان دونوں نے کہا اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں تو ان کا باپ کون ہے؟ ان سب نے مل کر حضور ﷺ سے جھگڑا کیا۔ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا کیا تم جانتے نہیں کہ ہمارا رب زندہ ہے جسے موت نہیں آتی جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اوپر فنا طاری ہو گی؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا کیا تم اس بات کا علم نہیں رکھتے کہ ہمارا رب ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے، ہر چیز کی حفاظت بھی کرتا ہے اور اسے رزق بھی بہم پہنچاتا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان میں سے کسی چیز کے بھی مالک ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر زمین و آسمان میں سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں؟ انہوں نے کہا بالکل ایسے ہی ہے۔ آپ نے فرمایا کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے طور پر ان میں سے کسی چیز کو جانتے ہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں سکھا دے؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا ہمارے رب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رحم میں ایسی شکل بنائی جیسی اس نے چاہی اور ہمارا رب نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا تم جانتے نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت مریم نے اپنی رحم میں اٹھائے رکھا جس طرح ایک عورت بچے کو رحم میں

اٹھائے رکھتی ہے اور ماں نہیں اس طرح جنا جس طرح دوسری عورتیں بچوں کو جنم دیتی ہیں، پھر آپ کو اس طرح غذا دی گئی جس طرح دوسرے بچوں کو غذا دی جاتی ہے، پھر آپ کھاتے، پیتے اور گفتگو فرماتے تھے؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا تو پھر وہ کیسے ہو سکتا ہے جس کا تم گمان کرتے ہو تو وہ سب خاموش ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران کی اسی سے اوپر آیات نازل فرمائیں۔(1)

الٓمٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾

"الف لام میم اللہ۱ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے۲ زندہ ہے سب کو زندہ رکھنے والا ہے۔۳"

۱ قرأت: الم اللہ، ابو یوسف یعقوب بن خلیفہ اعمش نے ابوبکر سے روایت کرتے ہوئے الم پر وقف کی بناء پر میم کو ساکن کرتے ہوئے الگ پڑھا ہے جس طرح تمام حروف مقطعات کو پڑھنے کا طریقہ ہے، پھر ابتداء میں ہونے کی وجہ سے ہمزہ کو قطعی پڑھا ہے۔ باقی قراء نے وصل کرتے ہوئے میم کو مفتوح پڑھا ہے۔ سیبویہ کے نزدیک دو ساکنوں (میم اور لفظ اللہ کا لام) کے جمع ہونے کی وجہ سے میم کو مفتوح پڑھا گیا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ دو ساکنوں کا اجتماع وقف میں ممنوع ہے کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وقف جمہور علماء کے نزدیک مروی نہیں، یہ صرف ابو یوسف اور یعقوب کے نزدیک ہے جس طرح ذکر کیا جا چکا ہے جس طرح یعقوب کی قرأت ہے۔ وقف میں لفظ میم میں دو ساکنوں (یاء اور میم ثانی) کا اجتماع تو قابل برداشت ہے مگر تین ساکنوں کا اجتماع۔ اب میم کو فتحہ اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ یہ حرکتوں میں سے خفیف ترین حرکت ہے، اس کے نیچے کسرہ اس لئے نہیں دیا گیا کیونکہ اس سے قبل یاء اور یاء سے پہلے میم مکسور ہے تو اس طرح کئی پے در پے کسرے جمع ہو جاتے ہیں، اس سے بچنے کے لئے میم پر فتحہ دیا ہے۔ زمخشری نے کہا میم کے اوپر زبر لفظ اللہ اسم جلالت کے ہمزہ وصل کی ہے جسے میم کی طرف منتقل کر دیا گیا، یہ بھی جائز ہے جبکہ ہمزہ وصلی کو حرکت کے ساتھ ہی حذف کر دیا جاتا ہے کیونکہ میم کا حق تو یہ تھا کہ اس پر وقف کیا جائے اور وقف کا تقاضا یہ تھا کہ ہمزہ وصلی کو باقی رکھا جاتا جس طرح یعقوب کی قرأت ہے لیکن تخفیف کے طور پر اسے ساقط کر دیا گیا صرف حرکت کو باقی رکھا گیا تا کہ اس پر دلیل ہو جائے کہ ہمزہ ثابت کے حکم میں ہے اور اس لئے بھی کہ میم موقوف کے حکم میں ہے، حقیقت میں موقوف نہیں۔ قراء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ میم کی مد میں مد طویل جائز ہے جو چھ حرکتوں کے برابر ہوتی ہے اور چھوٹی مد دو حرکتوں کے برابر ہوتی ہے واللہ اعلم۔

۲ لفظ اللہ اسم جلالت مبتدا ہے اور مابعد اس کی خبر ہے۔ لا الہ الا ھو، یہاں لائے نفی جنس کی خبر محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے لَا اِلٰهَ فِي الْوُجُوْدِ اِلَّا هُوَ۔ الا کے بعد ھو ضمیر مستثنیٰ رفع کے محل میں ہے جو لائے نفی جنس اور اس کے اسم کے محل سے بدل ہے۔

۳ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ یا تو یہ ھو ضمیر سے بدل ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی ھو الحی القیوم ہم نے ان دونوں اسماء کی مفصل وضاحت آیۃ الکرسی میں کر دی ہے۔ ابن ابی شیبہ، طبرانی اور ابن مردویہ ابی امامہ کی مرفوع حدیث نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم تین سورتوں بقرہ، آل عمران اور طٰہٰ میں ہے۔ قاسم جو ابی امامہ کے ساتھی تھے، انہوں نے کہا میں نے تلاش کیا تو میں نے پایا کہ یہ اسم اعظم الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ہے کیونکہ سورۂ بقرہ میں آیۃ الکرسی کے اندر، سورۂ آل عمران میں اس آیت کے اندر اور سورۂ طٰہٰ میں وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ہے جزری جو حصین کے صاحب ہیں، نے کہا میرے نزدیک لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ہے میں دونوں حدیثوں ان میں سے ایک یہ ہے اور دوسری اسماء بنت یزید کی حدیث ہے، کو جمع کرتے ہوئے یہ کہتا ہوں کہ اسم اعظم لا الہ الا ھو ہے۔ حضرت اسماء کی حدیث یہ ہے، کہا میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ اور اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (2) اسے امام ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے اور حضرت سعد بن ابی

1۔ تفسیر بغوی برحاشیہ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 266 (التجاریہ)　　2۔ سنن ابن ماجہ صفحہ 282 (وزارت تعلیم)

وقاص کی حدیث طیبہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ذی النون جب مچھلی کے پیٹ میں تھے ان کی دعا یہ تھی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کوئی مسلمان ان کلمات کے ساتھ دعا نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے اسے امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے حاکم کی مستدرک میں ہے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم وہ ہے جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو اسے قبول کیا جائے جب اس کے ساتھ سوال کیا جائے تو اسے عطا کیا جائے وہ یہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اور بریدہ کی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو احد اور صمد ہے، جس نے کسی کو جنا نہ اسے جنا گیا اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا اس نے اسم اعظم کے وسیلہ سے یہ دعا کی، جس کے وسیلہ سے جب سوال کیا جائے تو اسے عطا کیا جاتا ہے اور جب اس کے ساتھ دعا کی جاتی ہے تو اسے قبول کیا جاتا ہے۔ اسے احمد، سنن اربعہ کے مصنفین، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا یہ حسن غریب ہے۔ حاکم نے کہا شیخین کی شرطوں پر یہ صحیح ہے۔ ان تمام نے حضرت انس سے بھی روایت کیا ہے، حضرت انس نے کہا میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک آدمی دعا مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ تو نبی کریم نے فرمایا اس نے اسم اعظم کے ساتھ دعا کی، جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ دعا کو قبول کرتا ہے اور جب اس کے ساتھ سوال کیا جائے وہ عطا فرماتا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے یا حی یا قیوم کا ذکر نہیں کیا۔ میں یہ کہتا ہوں یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اسم اعظم ان کے درمیان مشترک ہے وہ تہلیل نفی اور اثبات ہے اور لا الله الاهو تینوں سورتوں بقرہ، آل عمران اور اسی طرح سورۂ طٰہٰ میں موجود ہے۔ لا الله الاهو افضل الذکر ہے۔ اسے ترمذی اور دوسرے محدثین نے حضرت جابر سے مرفوع روایت کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یہ جنت کی چابی ہے۔ اسے امام احمد نے حضرت معاذ سے مرفوعاً نقل کیا ہے اور اس کا معنی تواتر سے ثابت ہے۔

فائدہ: اسم اعظم والی احادیث میں تہلیل کا صیغہ لا الله الاهو اور لا الله الاانت کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ یہ الفاظ لا الله الا اللّٰه کے الفاظ سے درجہ میں بلند ہیں کیونکہ ضمیریں صرف ذات کے لئے وضع کی گئی ہیں، لا الله الاهو کے کلمہ میں ذہن پہلے ہی ذات کی طرف منتقل ہوتا ہے نہ کہ کسی اسم صفت کے واسطہ سے ذات کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اللہ کا کلمہ اگرچہ اسم ذاتی ہے لیکن اس میں ذہن پہلے اسم کی طرف منتقل ہوتا ہے پھر مسمیٰ کی طرف اور بعض اوقات ذہن اشتقاق کے اعتبار سے الوہیت کی طرف منتقل ہوتا ہے، تو اس صورت میں یہ لفظ اسماء صفات میں سے ہوا نہ کہ اسم ذات میں سے۔ تاہم یہ لفظ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے اور نقص وعیب کی تمام آمیزشوں سے پاک ہے۔ پس یہ اسماء صفات میں سے کامل ترین اسم ہوا۔ صوفیاء نے ذکر کے لئے لا الله الا اللّٰه کے کلمات مبتدی کے لئے منتخب کئے ہیں کیونکہ مبتدی کیلئے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ ذات تک پہنچے مگر وہ اس کے اسماء میں سے کسی اسم کے واسطہ سے یا صفات میں سے کسی صفت کے واسطہ سے۔ میں یہ کہتا ہوں نفی واثبات کے اعظم الاسماء ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے الوہیت کا اثبات بالذات تمام صفات کمال کے ثبوت اور تمام نقائص کے سلب کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ جو اس شان کا حامل نہ ہو وہ عبادت کا مستحق نہیں ہوسکتا اور اس کے غیر سے الوہیت کی نفی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ان صفات ایجابیہ اور سلبیہ کو اسی ذات میں محصور کیا جائے۔ پس یہ اسماء میں سے سب سے عظیم اسم ہوا واللہ اعلم۔

نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۙ

"نازل فرمائی اس نے[1] آپ پر یہ کتاب[2] حق کے ساتھ[3] تصدیق کرنے والی ہے ان (کتابوں) کی جو اس سے پہلے (اتری) ہیں[4] اور اتاری اس نے تورات اور انجیل[5]"

[1] نزل یعنی اس نے نازل کیا۔

[2] کتاب سے مراد قرآن ہے یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا کیونکہ نزول باب تفعیل سے آئے تو اس میں تکثیر کا معنی پایا جاتا ہے۔

[3] یہ ترکیب میں الکتب سے حال ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ خبر دینے میں سچائی کا حامل ہے یا اس دین کا حامل ہے جو دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق ہے۔ بَیْنَ یَدَیْهِ سے مراد ما قبل کتب ہیں۔ پس اس کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ جو اس سے پہلی کتابوں پر ایمان لایا وہ اس پر بھی ایمان لائے اس حوالے سے یہ آیت کریمہ یہود و نصاریٰ کے خلاف دلیل ہوگی جب انہوں نے قرآن کا انکار کیا۔

[5] یعنی تورات و انجیل کو یک بارگی نازل کیا، اس وجہ سے صیغہ کو تنزیل سے انزال کی طرف پھیرا کیونکہ انزل تنزیل سے عام ہے۔ ابو عمرو، ابن ذکوان اور کسائی نے تمام قرآن میں تورات کو امالہ (1) کے ساتھ پڑھا ہے۔ نافع اور حمزہ نے بین بین کر کے پڑھا ہے اور باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ تورات عبرانی زبان کا لفظ ہے یہ اس کتاب کا نام ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی اور انجیل سریانی زبان کا لفظ ہے اور اس کتاب کا نام ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی۔ یہ عربی زبان کے الفاظ نہیں جس نے اس وری الزند سے فوعلہ یا تفعلہ اور انجیل نجل سے افعیل کے وزن پر تسلیم کیا ہے اس نے محض تکلف کیا ہے۔

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝

"اس سے پہلے[1] لوگوں کی ہدایت کے لئے[2] اور اتارا فرقان کو[3] بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ[4] ان کے لئے سخت عذاب ہے[5] اور اللہ تعالیٰ غالب ہے[6] بدلہ لینے والا ہے[7]"

[1] مِنْ قَبْلُ یعنی قرآن نازل کرنے سے پہلے تاکہ لوگوں میں قرآن پر ایمان لانے کی استعداد پیدا ہو جائے۔

[2] ناس سے مراد تمام لوگ ہیں یہاں اس لفظ کو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی قوم کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ تمام سماوی کتب تمام لوگوں کو توحید اور تمام انبیاء پر ایمان لانے کی طرف دعوت دیتی ہیں، مبداء اور معاد کے علم کو ثابت کرتی ہیں اور ہدایت کے راستہ کی طرف راہنمائی کرتی ہے جو (راستہ) اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت اور نواہی سے رک جانا ہے تورات، انجیل اور زبور کا حضور ﷺ کی بعثت کی خبر دینا اور ان میں سے بعض آیات کا منسوخ ہونا ان کتابوں کے ہدایت ہونے کے منافی نہیں، جس طرح قرآن حکیم کی بعض آیات بعض آیات کے ساتھ منسوخ ہو گئیں کیونکہ نسخ تو حقیقت میں پہلے حکم کی مدت کا بیان ہوتا ہے۔ پس یہ آیت ہمارے حق میں دلیل ہے کہ پہلے انبیاء کی شریعتیں بھی ہم پر لازم ہیں کیونکہ وہ بھی ہمارے نبی ﷺ کی شریعت ہیں، جبکہ امام شافعی فرماتے ہیں وہ ہم پر لازم نہیں۔ ھدی کا لفظ یہ تورات اور انجیل سے حال ہے۔ مصدر کو مبالغہ کے لئے ان پر محمول کیا گیا یا اسم فاعل کے معنی میں ہو کر اس پر محمول ہے، کیونکہ یہ مصدر ہے اس لئے اس کا تثنیہ نہیں بنایا۔

[3] یہاں فرقان سے مراد تمام آسمانی کتابیں ہیں اور اس کے اوپر الف لام استغراقی ہے۔ تین کتابوں کے بعد اسے اس لئے ذکر کیا تاکہ یہ باقی

(1)۔ الف کو یاء کی طرف مائل کر کے پڑھنا۔

کتابوں کو شامل ہو جائے۔ گویا یوں فرمایا تمام کتابیں نازل فرمائیں تا کہ یہ حق اور باطل میں فرق کریں۔ یا اس سے مراد قرآن حکیم ہے، اس کا دوبارہ ذکر مدح، تعظیم اور اس کی فضیلت کو ظاہر کرنے کیلئے کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے کی بناء پر یہ دوسری کتابوں کیساتھ شریک ہے۔ تاہم اپنے الفاظ کے اعجاز کی بنا پر حق اور باطل کے درمیان فرق کرنی والی ہے۔ معطوف علیہ کے بعید ہونے کی وجہ سے یہاں فعل انزل کو دوبارہ ذکر کیا تا کہ عطف کے ساتھ کسی قسم کا التباس واقع نہ ہو کیونکہ واؤ سے پہلے عدی ہے جو مفعول لہ ہے۔ یا اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے فعل دوبارہ ذکر کیا کہ قرآن حکیم کا نزول لیلۃ القدر کو آسمان دنیا کی طرف ہوا اور تنزیل سماء دنیا سے آہستہ آہستہ آپ ﷺ پر ہوا۔ سدی نے کہا آیت میں تقدیم و تاخیر ہے، تقدیر کلام یوں ہے: وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ وَالْفُرْقَانَ هُدًى لِّلنَّاسِ۔

ے یعنی کتابوں میں نازل شدہ چیزوں میں سے کسی چیز کا انکار کیا۔

ھ ان کے کفر کی وجہ سے عذاب شدید ہوگا جس کا اہل کتاب اعتراف کرتے ہیں۔

لے عزیز کا معنی غالب ہے، اسے عذاب دینے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

ے کوئی انتقام لینے والا اس کی مثل انتقام لینے پر قدرت نہیں رکھتا۔ نقمہ مجرم کی سزا کو کہتے ہیں، اس سے فعل نَقَمَ اور نَقِمَ دونوں طرح آتا ہے توحید کو ثابت کرنے کے بعد وعید فرمائی اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سچے ہیں کیونکہ جو آپ پیغام حق لائے ہیں وہ سماوی کتابوں کے مطابق ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ معجزہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝

"بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پوشیدہ رہتی اس پر کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں لے"

لے اس سے مراد کائنات میں کوئی بھی واقع ہونے والی چیز ہے، خواہ کلی ہو یا جزئی عالم کو ان دونوں سے تعبیر کیا گیا کیونکہ حس ان دونوں سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ یہاں زمین کو آسمان پر مقدم کیا گیا ہے کیونکہ اس کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کو جانتا ہے پس انہیں اس کی جزا دے گا۔ یہ جملہ اس بات پر دلیل ہے کہ وہ حی ہے اور بعد والا جملہ اس کے قیوم ہونے پر دلیل ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

"وہی جو تمہاری تصویریں بناتا ہے (ماؤں کے) رحموں میں جس طرح چاہتا ہے لے کوئی معبود نہیں بغیر اس کے ۲ (وہی) غالب ہے حکمت والا ہے ۳"

لے یعنی صورت رنگ اور مختلف شکلیں مذکر یا مونث جس کا ارادہ کرے۔

۲ اس کی تعلیم کے بغیر نہ کوئی جانتا ہے اور اس کی قدرت عطا کرنے کے بغیر کوئی قادر نہیں اس چیز کے حاصل کرنے پر جس کا وہ ارادہ کرے۔

۳ یہ ہو ضمیر مستثنیٰ سے بدل ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اس میں اللہ کی کمال قدرت اور حکمت کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ جو صادق و مصدوق ہیں، نے بیان فرمایا کہ تمہاری پیدائش ماں کے رحم میں چالیس دن نطفہ کی صورت میں پھر چالیس دن جمے ہوئے خون کی صورت میں، پھر چالیس روز لوتھڑے کی صورت میں، پھر اللہ تعالیٰ اسکی طرف چار چیزوں کے ساتھ ایک فرشتہ بھیجتا ہے، وہ اس کا رزق، عمل موت کا وقت شقی یا سعید لکھتا ہے۔ فرمایا تم میں سے ایک جنتیوں کا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ذراع کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر غالب آ جاتی ہے، وہ جہنمی کا عمل کرتا

ہے، پس اس میں داخل ہو جاتا ہے اور بے شک ایک جہنمی کا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ذراع کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر غالب آ جاتی ہے، پس وہ جنتی کا عمل کرتا ہے اور اس میں داخل ہو جاتا ہے (1) متفق علیہ۔ حضرت حذیفہ بن اسید نبی کریم ﷺ سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا نطفہ جب ماں کے رحم میں قرار پکڑ لیتا ہے تو چالیس یا پینتالیس دنوں کے بعد فرشتہ اسکے پاس آتا ہے، وہ کہتا ہے اے رب کیا یہ شقی ہے یا سعید، پس دونوں لکھ دیے جاتے ہیں۔ وہ عرض کرتا ہے مذکر یا مؤنث، پس دونوں لکھ لیے جاتے ہیں۔ اس کا عمل، اثر، موت کا وقت اور رزق لکھ لیا جاتا ہے، پھر صحائف کو لپیٹ لیا جاتا ہے، پس اس میں اضافہ کیا جاتا ہے نہ کمی کی جاتی ہے (2) اسے امام بغوی نے روایت کیا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

"وہی ہے جس نے نازل فرمائی آپ پر کتاب [1] اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں [2] وہی کتاب کی اصل ہیں [3] اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں [4] پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے [5] سو وہ پیروی کرتے ہیں (صرف) ان آیتوں کی جو متشابہ ہیں قرآن سے [6] (ان کا مقصد) فتنہ انگیزی ہے اور (غلط) معنی کی تلاش ہے [7] اور نہیں جانتا ان کے صحیح معنی [8] کو بغیر اللہ تعالیٰ [10] کے اور پختہ علم والے [11] کہتے ہیں ہم ایمان لائے ساتھ اس کے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے [12] اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر عقلمند۔ [13]"

[1] کتاب سے مراد قرآن حکیم ہے۔

[2] جن کی عبارات محکم ہیں جن کا مفہوم منطوق اور مقتضیٰ کسی بھی ایسے سننے والے پر مشتبہ نہیں ہوتا جو لغت کو جاننے والا ہو یا تو تامل کے بغیر ہی جس طرح یہ فرمان ہے: قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ فرما دیجیے آؤ میں تلاوت کروں تم پر وہ جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے اور اس کا فرمان وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ تیرے رب نے فیصلہ کیا ہے کہ تم عبادت نہ کرو مگر اس کی اور اس کا ارشاد: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع بصیر ہے) یا طلب اور تامل کے بعد اس کا مفہوم واضح ہوتا ہے جبکہ شارع کی طرف سے وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی جس طرح رب العالمین کا فرمان ہے وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ یہ طرار (جیب تراش) کے حق میں ادنیٰ تامل کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے کیونکہ جیب تراش کے حق میں سرقہ کے معنی کی زیادتی پائی جاتی ہے اور ادنیٰ تامل سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ کفن چور کو یہ حکم شامل نہیں کیونکہ اس میں معنی کی کمی پائی جاتی ہے کیونکہ چوری کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ کسی کی مملوکہ چیز کو مخفی طریقہ سے لینا، جبکہ میت کا کفن کسی کی ملکیت نہیں ہوتا کیونکہ میت دنیاوی احکام کے اعتبار سے جماد کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے جس کا مالک بننا صحیح نہیں ہے اور وارثوں کا حق تکفین کے بعد باقی نہیں رہتا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ کیونکہ تامل کے بعد یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کا عطف دھونے والے اعضاء پر ہوتا ہے کیونکہ دونوں میں اپنی غایت کے لئے ہے اور جو

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 332 (قدیمی) 2۔ تفسیر بغوی، برحاشیہ تفسیر خازن جلد 1، صفحہ 268 (التجاریہ)

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ کیونکہ تامل کے بعد ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد حیض ہے طہر نہیں کیونکہ طلاق طہر میں مشروع ہے اس لئے پورے تین کا تصور حیض معنی لینے میں ہی ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: قَوَارِيْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ (دھر: 16) تامل سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان برتنوں کی صفائی شیشے کی مانند ہے جبکہ وہ چاندی کی جنس سے ہیں۔ اس بناء پر محکم میں فقہاء کے نزدیک ظاہر، نص، مفسر، محکم، خفی اور مشکل بھی داخل ہوں گی۔ ہم نے محکم کی جو تفسیر بیان کی ہے یہ حضرت عبداللہ بن عباس کے قول سے مستفاد ہے، محمد بن جعفر بن زبیر کے قول کا بھی یہی مفہوم ہے، آپ نے فرمایا محکم وہ آیت ہوتی ہے جس کا ایک ہی مفہوم ہو۔ ایک قول یہ بھی کیا گیا ہے کہ محکم وہ ہوتی ہے جس کا معنی معلوم ہو جو واضح حجت ہو اور جس کے دلائل ظاہر ہوں۔

1۔ قاموس میں ہے ام والدہ کو کہتے ہیں، ہر چیز کی اصل اس کے ستون، قوم کے رئیس اور ہر وہ چیز جس کے ساتھ اور چیزیں ملی ہوں اس کو ام کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہاں کتاب بمعنی فرض ہے جیسے آیت کریمہ میں ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (بقرہ: 183) تم پر روزے فرض کئے گئے اس میں اضافت لامیہ ہے۔ یہاں ام والد یا اصل کے معنی میں ہے یعنی محکم آیات ہی ہمارے فرائض و محرمات میں اصل ہیں۔ کتاب قرآن کے معنی میں ہے۔ اس صورت میں اضافت یا تو بیانیہ ہے تو معنی ہوگا یہ کتاب کے احکام کی اصل ہیں، ان سے احکام حاصل کئے جا سکتے ہیں جبکہ ان میں شارع کے بیان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یا اضافت لامیہ ہوگی، معنی یہ ہوگا یہ قرآن کا ستون ہیں، ان کی حیثیت وہی ہے جس طرح قوم کے رئیس کی ہوتی ہے اور تمام دوسری آیات ان کی محتاج ہوتی ہیں اور ان کے مراد کو جاننے کے لئے انہیں محکمات کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ام کی جگہ امہات کا لفظ استعمال ہوتا لیکن مفرد کا لفظ ذکر کیا تا کہ اس پر دلالت کرے کہ تمام محکم آیات ایک آیت کے قائم مقام ہیں کیونکہ فرائض ان کے مجموعہ سے اخذ کئے جاتے ہیں نہ کہ الگ الگ سے، اس طرح متشابہات کا مرجع انکا مجموعہ ہے نہ کہ ان میں سے ہر ایک علیحدہ ان کا مرجع ہے۔

1۔ اخر کا کلمہ الاٰخر یا اُخریٰ سے معدول ہے۔ یہ غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں دو موانع عدل اور وصف پائے جاتے ہیں۔ اس کی مراد ایسے سامع پر مشتبہ ہو جاتی ہے جو لغت سے واقف ہو اس طرح کہ اسے طلب اور تامل سے بھی اس کا ادراک نہیں کیا جا سکتا مگر اسی صورت میں جب شارع کی جانب سے محکم عبارت کی صورت میں بیان آ جائے۔ اگر شارع کی طرف سے بیان آ جائے اور اس کی مراد ظاہر ہو جائے تو اصولیین کی اصطلاح میں اسے مجمل کہتے ہیں، جس طرح نماز، حج، زکوۃ، عمرہ، ربا والی آیات اور دوسری آیات۔ اگر شارع کی جانب سے بیان اور تعلیم نہ آئے تو اصولیین کی اصطلاح میں اسے متشابہات کہتے ہیں۔ یہ قسم صرف ان چیزوں کے متعلق ہوتی ہے جن کا اعمال سے تعلق نہیں ہوتا کیونکہ اگر ایسا ہو تو تکلیف مالا یطاق لازم آتا ہے یہ قرآن حکیم کے حروف مقطعات کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ (فتح: 10) اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طہ: 5) اس قسم کی مراد اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے بذریعہ الہام بعض عرفاء کو معلوم ہو جاتی ہے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم دینا اور شرح صدر کے بعد نبوت کے انوار کا اخذ کرنا، اگرچہ اس کی مراد بعض اوقات اس حیثیت میں ہوتی ہے کہ زبان سے اس کی تعلیم و تعلم ممکن نہیں ہوتی کیونکہ عوام کا خزینہ علم اس کو شامل نہیں ہوتا اور نہ اس کے برابر کوئی لفظ وضع کیا گیا ہے۔ رہی وہ چیزیں جو مکلف بنانے سے تعلق رکھتی ہیں تو ضرورت کے وقت اس کے بیان کو موخر کرنا جائز نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں وہ تکلیف مالا یطاق سے متعلق ہو جاتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ (ہود: 1) اور دوسری جگہ فرمایا: كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا (الزمر: 23) تو پھر یہاں ان دونوں میں فرق کیسے درست ہے مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ اور اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ؟ ہم جواب دیں گے قرآن کو محکم بنانے کا مطلب یہ ہوگا یہ فساد معنی اور رکاکت لفظ سے مضبوط اور محفوظ ہے کوئی بھی اس کا مقابلہ کرنے اور اس پر طعن

کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور جب اسے متشابہا فرمایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کا بعض حسن و کمال میں بعض کے مشابہ ہے۔ یہاں معنی کی وضاحت اور خفاء کے اعتبار سے فرق کیا ہے۔

1۔ زیغ کا معنی حق سے اعراض کرنا ہے۔ ربیع نے کہا یہ نجران کا وفد تھا جنہوں نے حضور ﷺ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جھگڑا کیا، انہوں نے کہا تم یہ نہیں کہتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام "کلمۃ اللہ" اور "روح منہ" ہیں؟ آپ نے فرمایا جی ہاں۔ انہوں نے کہا یہی ہمارے لئے کافی ہے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ کلبی نے کہا اس سے مراد یہودی ہیں جنہوں نے حضرت محمد ﷺ سے اس امت کی مدت کے بارے میں دریافت کیا تھا اور حساب جمل سے اس کا استخراج کیا (1)۔ ابن عباس نے کہا یہودیوں کی ایک جماعت جن میں حیی بن اخطب، کعب بن اشرف اور ان جیسے لوگ تھے، حضور ﷺ کی خدمت میں آئی حیی نے کہا ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ پر الم کو نازل کیا گیا ہے، ہم آپ کو اللہ کا واسطہ دیتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو آپ پر نازل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ تو کہنے لگا اگر یہ بات سچی ہے تو میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کی اس امت کی مدت اکہتر سال ہے، کیا اس کے علاوہ آپ پر کچھ اور بھی نازل کیا ہے؟ فرمایا ہاں، اس نے المص نازل فرمایا ہے۔ اس نے کہا یہ ایک سو اکسٹھ سال سے بڑھ کر ہے، کیا اس کے علاوہ بھی ہے؟ فرمایا ہاں، الر کہنے لگا یہ دو سو اکتیس سال سے زائد ہے، کیا اس کے علاوہ بھی ہے؟ فرمایا ہاں، المر۔ یہ دو سو اکہتر سال سے زائد ہے، آپ نے ہم پر معاملے کو خلط ملط کر دیا ہے، ہم نہیں جانتے کہ کثیر کو اپنائیں یا قلیل کو، ہم تو اس پر ایمان نہیں لاتے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ ابن جریج نے کہا اس سے مراد منافقین ہیں۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا اس سے مراد خارجی ہیں۔ اس کی مثل امام احمد بن حنبل اور دوسرے محدثین نے ابی امامہ کے واسطہ سے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے۔ جب قتادہ اس آیت کریمہ کی تلاوت کرتے تو فرماتے اگر حروریہ اور سبائیہ نہ ہوتے تو میں نہ جان سکتا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد تمام بدعتی فرقے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ لفظ عام ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے اور اس کے علاوہ بھی بدعتی کی جتنی بھی اقسام ہیں ان سب کو یہ شامل ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ...... اُولُوا الۡاَلۡبَابِ الآیۃ تلاوت فرمائی فرمایا جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو کہ وہ متشابہ کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، پس ان سے بچو (2)۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔ ابو مالک اشعری سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا مجھے اپنی امت پر کسی چیز کا خوف نہیں مگر تین چیزوں کا، ان تین چیزوں میں سے ایک یہ بھی ذکر کیا کہ ان لوگوں کے لئے کتاب کھول دی جائے گی، پس وہ اس کی تاویل چاہتے ہوئے شروع کریں گا جبکہ اس کی تاویل کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور راسخ فی العلم یہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، یہ سب ہمارے رب کی جانب سے نازل شدہ ہے اور اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتا مگر دانشمند۔

2۔ یعنی وہ متشابہات کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں۔ اس میں احتمال ہوتا ہے کہ مبتدع خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، وہ انہیں محکم آیات اور احادیث کی طرف نہیں لوٹاتا، اور نہ ہی ان کو ایسے معانی پر محمول کرتا ہے جو محکمات کے معانی سے مطابقت رکھتے ہوں یا ایمان لانے کے ساتھ سکوت اختیار کریں اور اس کی مراد کو تسلیم کریں۔ جب تک ہو سکے متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹانا ضروری ہوتا ہے یہاں تک کہ مجمل کی مراد واضح ہو جائے، پس اس پر عمل کیا جائے جس طرح نماز، زکوٰۃ اور سود وغیرہ یا سکوت کرتے ہوئے اس پر ایمان لائے اور اس کی مراد کو تسلیم کرے۔ جب اجماع امت اور متواتر احادیث کی محکم نصوص سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آخرت میں مومن اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے جس طرح وہ چودھویں کی رات میں چاند کو دیکھتے ہیں تو ضروری ہے کہ ایمان رکھا جائے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 270 (التجاریہ)　　2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 652 (وزارت تعلیم)

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ﴿۲۳﴾ میں رؤیت اور نظر کو آنکھ سے دیکھنے پر محمول کیا جائے، جس طرح رب العالمین کا فرمان ہے: يَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَيۡدِيۡهِمۡ ۚ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى اس پر ایمان رکھتے ہوئے خاموشی اختیار کی جائے اسے ظاہر پر محمول نہ کیا جائے، اور محکم کی اتباع کی جائے، قولہ تعالیٰ لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ کیونکہ اللہ تعالیٰ ممکن کی صفات سے پاک ہے، ساتھ ہی ساتھ مومن اپنے آپ کو حروف مقطعات کی تعبیر میں نہ تھکا تا پھرے کیونکہ اسے اس بات کی اجازت نہیں۔

ے یہ مفعول لہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی وہ یہ کام اس لئے کرتے ہیں کہ لوگوں میں تشکیک (۱) اور تلبیس پیدا کر کے دین سے آزمائش میں ڈال دیں اور متشابہ کو محکم کی ضد ثابت کریں یہ منافقوں کا طریقہ ہے جس طرح بیان کیا گیا ہے جب یہودیوں نے اسلام کو روز بروز ترقی کرتے ہوئے دیکھا، اس پر ضد کرنے لگے اور انہیں یقین ہو گیا کہ دنیا میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید حاصل ہے۔ انہوں نے نفاق سے کام لیا، وہ ظاہر میں تو اسلام میں داخل ہو گئے لیکن غلط تاویلات کے ذریعے متشابہات کی پیروی کرنے لگے، مذاہب باطلہ پیش کرنے لگے، پس ان میں سے کوئی حروری کوئی معتزلی اور کوئی رافضی بن گیا۔

ﮧ اس کا عطف ابتغاء الفتنہ پر ہے، یعنی انہوں نے اس کا ایسا معنی کرنے کی طلب کی جس کی وہ خواہش کرتے ہیں۔ بعض اوقات اس کے معنی کی طلب جہالت کی بناء پر ہوتی ہے۔ یہ بعض متاخرین بدعتیوں کا انداز تھا مگر پہلے منافقین وہ عموماً ان دونوں طلبوں کی وجہ سے متشابہات کی پیروی کرتے۔

ﯨ اللہ تعالیٰ کے ہاں متشابہ آیات کا جو معنی ہے اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ﮯ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کسی غیر کے لئے اس کا جاننا جائز نہیں اور کسی کا عربی زبان سے آگاہ ہونا کافی نہیں۔ یہاں حصر اضافی ہے، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَّا يَعۡلَمُ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الۡغَيۡبَ اِلَّا اللّٰهُ ‌ؕ یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی

---

(۱) دارمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت عمر بن خطاب سے روایت نقل کی ہے کہ تمہارے پاس ایسے لوگ بھی آئیں گے جو قرآن کی متشابہ آیات کے بارے میں تمہارے ساتھ جھگڑا کریں گے۔ جب ایسا ہو تو حدیث کو لازم پکڑو کیونکہ حضور ﷺ کی سنتوں سے آگاہ لوگ کتاب اللہ کو زیادہ جاننے والے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضرت عمر بن خطاب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ایک آدمی آیا جو آپ سے یہ پوچھ رہا تھا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے حضرت عمر اٹھے اور سائل کو پکڑ لیا اور حضرت علی شیر خدا کے پاس لے گئے فرمایا اے ابو الحسن! سنو، یہ کیا کہتا ہے؟ آپ نے پوچھا یہ کیا کہتا ہے؟ حضرت عمر نے فرمایا یہ میرے پاس آیا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیا قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ حضرت علی شیر خدا نے فرمایا یہ وہ بات ہے جس کا کوئی نہ کوئی فتنہ پیدا ہوگا، جس منصب پر آپ فائز ہیں اگر میں اس پر فائز ہوتا تو میں اس کی گردن اڑا دیتا۔

دارمی نے سلیمان بن یسار سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی جسے صبیغ کہتے تھے وہ مدینہ طیبہ آیا، وہ قرآن کی متشابہات کے بارے میں پوچھنے لگا۔ حضرت عمر نے اس کی طرف پیغام بھیجا جبکہ آپ کھجور کی لکڑیاں سیدھی کر رہے تھے، آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا میں عبد اللہ صبیغ ہوں۔ حضرت عمر نے فرمایا میں اللہ کا بندہ عمر ہوں۔ آپ نے کھجور کی لکڑیوں میں سے ایک لکڑی پکڑی، اسے مارا یہاں تک کہ اس کے سر سے خون بہنے لگا۔ کہنے لگا اے امیر المومنین یہی کافی ہے، میں اپنے سر میں جو فتور پاتا تھا وہ نکل چکا ہے۔

حضرت ابو عثمان نہدی سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے بصرہ کے لوگوں کی طرف خط لکھا کہ وہ صبیغ کے پاس نہ بیٹھا کریں، فرمایا اگر وہ آئے اور ہم سو ہوئے تو وہ ہمیں جدا جدا کر دے گا۔

محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی طرف خط لکھا کہ تم صبیغ کے پاس نہ بیٹھا کرو اور نہ ہی اسے کوئی وظیفہ دیا کرو۔

حضرت امام شافعی نے فرمایا اہل کلام کے بارے میں میرا وہی فیصلہ ہے جو حضرت عمر نے صبیغ کے بارے میں کیا تھا کہ انہیں مارا جائے، اونٹ پر بٹھایا جائے اور قبائل میں گھمایا جائے اور لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ جو آدمی کتاب اللہ اور سنت کو ترک کرے گا اور علم کلام کی طرف متوجہ ہوگا اس کی یہ جزا ہے۔ از مؤلف رحمۃ اللہ

غیب اس کو بتائے بغیر نہیں جان سکتا۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے کامل متبعین بھی متشابہات کے معانی نہیں جانتے، یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ اللہ کا ارشاد ہے: ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ پھر ہمارے ذمہ کرم پر ہے اس کا بیان۔ یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ قرآن محکم ہو یا متشابہ، اس کا بیان حضور ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ضروری ہے۔ یہ جائز نہیں کہ قرآن میں سے کوئی ایسی چیز بھی ہو جس کی حضور ﷺ حضور کے لئے وضاحت نہ کی گئی ہو، ورنہ خطاب فائدہ سے خالی ہوگا اور وعدہ خلافی بھی ثابت ہوگی۔ صحیح بات وہی ہے جو ہم نے سورۂ بقرہ کے آغاز میں ثابت کردی ہے کہ متشابہات اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان راز ہیں، عام لوگوں کو ان سے آگاہ کرنے کا قصد نہیں کیا گیا بلکہ صرف حضور ﷺ اور آپ کے متبعین میں سے کاملین کو آگاہ کرنے کا قصد کیا گیا ہے اور یہ ان چیزوں میں سے ہیں جن کا عام لوگوں کے لئے بیان ممکن ہی نہیں، ان کا ادراک اخص الخواص ہی علم لدنی کے ذریعے کرسکتے ہیں جو علم لدنی بیئت ذاتیہ یا معیت صفاتیہ غیر متکیفہ سے حاصل ہوتا ہے۔

۱؎ یعنی جو علم میں یوں راسخ ہوئے کہ انہیں کوئی شبہ لاحق نہیں ہوسکتا، وہ اہل السنۃ والجماعۃ ہیں جنہوں نے کتاب وسنت کے محکمات کو مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے اور جنہوں نے قرآن حکیم کی تفسیر میں سلف صالحین یعنی صحابہ اور تابعین جو ضیاء امت ہیں، کے اجماع کی پیروی کی، انہوں نے متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹایا اور خواہشات وتلبیسات کو چھوڑ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ راسخ فی العلم سے مراد اہل کتاب میں سے مومنین ہیں۔ میں کہتا ہوں ان کی تخصیص کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ عظیم صوفیاء نے کہا کہ راسخ فی العلم سے مراد وہ لوگ ہیں جو دل، نفس اور عناصر کو فنا کرنے کے بعد خواہش نفس سے مطلقاً الگ تھلگ ہوچکے ہیں، تجلیات ذاتیہ سے فیض یاب ہورہے ہیں، انہیں کسی قسم کا شبہ لاحق نہیں ہوتا۔ جس طرح ان صوفیاء کا قول ہے اگر پردے اٹھا بھی دیئے جائیں تو میرے یقین میں کچھ اضافہ نہ ہو۔ طبرانی اور ابو درداء نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے راسخ فی العلم کے بارے میں پوچھا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا جس نے قسم پوری کی ہو، جس کی زبان نے سچ بولا ہو، اس کا دل مستقیم ہو، جس کا بطن اور شرمگاہ عفت مآب ہو وہ راسخ فی العلم ہیں۔ میں کہتا ہوں یہی صوفیوں کی شان ہے۔

پھر علماء نے اس آیت کی ترکیب میں اختلاف کیا ہے، ایک طبقہ کا خیال ہے واؤ عاطفہ ہے، تو پھر اس کا معنی یہ ہوگا کہ متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات اور راسخ فی العلم جانتے ہیں۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ حال ہوگا یعنی اس حال میں کہ وہ کہتے ہیں آمنا ہم ایمان لائے۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ۔ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ۔ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ (نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لئے ہے جنہیں (جبراً) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے، یہ (نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا اور (ہر وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی یہی راست باز لوگ ہیں اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین (کی آمد) سے پہلے، محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کرکے ان کے پاس آتے ہیں اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں (انہیں) اپنے آپ پر، اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو اور جس کو بچالیا گیا اپنے نفس کو حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں اور اس مال میں ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے، جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں بغض اہل ایمان کے لئے۔

یہ مجاہد اور ربیع کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے وہ اس آیت کے ضمن میں کہتے ہیں میں راسخ فی العلم لوگوں میں سے ہوں۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے میں ان لوگوں میں سے ہوں جو اس کی تاویل کو جانتے ہیں (1) اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہاں واؤ مستانفہ ہے اور کلام یہاں مکمل ہو جاتی ہے وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ۔ اس صورت میں الراسخون فی العلم مبتدا ہوگا اور اس کا مابعد اس کی خبر ہوگی۔ یہ ابی بن کعب، حضرت عائشہ اور عروہ بن زبیر کا قول ہے۔ طاؤس کی ابن عباس سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ حضرت حسن بصری اور اکثر تابعین کا بھی یہی قول ہے۔ کسائی، فراء اور اخفش نے بھی اسے ہی پسند کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت بھی اس کی تائید کرتی ہے، وہ قرأت یہ ہے اِنْ تَاْوِيْلُهٗ اِلَّا عِنْدَ اللّٰهِ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ۔ اور حضرت ابی بن کعب کی قرأت وَيَقُوْلُ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ اٰمَنَّا بِهٖ اسی لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا راسخ فی العلم کے علم کی قرآن کی تاویل میں انتہاء یہ ہے کہ وہ کہے آمنا بہ یعنی محکم متشابہ، ناسخ منسوخ اور جس کی مراد ہم جانتے ہیں اور جس کی مراد ہم نہیں جانتے، وہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔

12 میں کہتا ہوں راسخ فی العلم کی حالت ان لوگوں کی حالت سے مختلف ہے جن کے دل خواہشات کی وجہ سے کجی کا شکار ہو چکے ہیں وہ مختلف آراء کی پیروی کرتے ہیں، جب بھی ان کے لئے کوئی روشنی ہوتی ہے اور نصوص ان کی آراء کے موافق ہوتی ہیں وہ چلنا شروع کر دیتے ہیں اور اس پر ایمان لے آتے ہیں اور جب ان پر نصوص کی تاویلات مخفی ہو جاتی ہیں اور ان کی آراء کے موافق نہیں ہوتیں وہ ٹھہر جاتے ہیں اور اس پر ایمان نہیں لاتے۔ بغوی نے کہا یہ قول عربی زبان کے زیادہ مناسب ہے اور ظاہر آیت کے زیادہ مشابہ ہے یعنی نیا جملہ بنانا اور عطف نہ کرنا۔ میں کہتا ہوں اس قول کی توجیہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ نفی سے استثناء کرنا اثبات کا فائدہ دیتا ہے۔ اس پر اہل عرب کا اجماع ہے۔ راسخون میں الف لام استغراق کے لئے ہے۔ اگر الراسخون فی العلم کا عطف لفظ اللہ اسم جلالت پر ہوتا تو یہ لازم آتا کہ متشابہات کا علم ہر راسخ فی العلم رکھتا ہے جب کہ معاملہ ایسا نہیں کیونکہ بداہت عقل اور روایت دونوں اس کی تائید نہیں کرتی ہیں۔

13 اس کی اصل یتذکر ہے، یعنی قرآن میں جو کچھ ہے اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتا۔ مگر وہ لوگ جو عقل سلیم رکھتے ہیں، کیونکہ عقل کی سلامتی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ جسے نہیں جانتے اسے ایسی ذات کے سپرد کر دیں جو متکلم، علیم و حکیم ہے اور وہ جہل مرکب میں نہ پڑیں جہل مرکب والے وہ ہوتے ہیں جو ہر وادی میں بھٹکتے رہتے ہیں اکابر نے کہا لا ادری (میں نہیں جانتا) نصف علم ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸

"اے ہمارے رب! نہ ٹیڑھے کر ہمارے دل 1 بعد اس کے کہ تو نے ہدایت دی ہمیں 2 اور عطا فرما ہمیں اپنے پاس سے رحمت 3 بے شک تو ہی سب کچھ بہت زیادہ دینے والا ہے 4"

1 ہمارے دلوں کو حق سے نہ پھیر دے جس طرح تو نے مائل کر دیا تھا ان لوگوں کے دلوں کو جن میں کجی تھی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ راسخ فی العلم کا قول ہو۔ پھر تقدیر کلام یوں ہوگی یقولون آمنا بہ و یقولون ربنا، تاہم یہ بھی جائز ہے کہ جب کوئی قاری متشابہ پر پہنچے تو اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں سوال کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے، پھر تقدیر کلام یوں ہوگی قُوْلُوْا رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا

2 کتابیں نازل فرمائیں، ہدایت عطا فرمائی اور محکم و متشابہ پر ایمان لانے کی توفیق نصیب فرمائی۔ بعد کا لفظ ظرف ہونے کی وجہ سے

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 271 (التجاریہ)

منصوب ہے۔اذ کالفظ محل جر میں ہے کیونکہ بعد کالفظ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے،اذ کالفظ محل جر میں ہے کیونکہ بعد کالفظ اس کی طرف مضاف ہے۔ایک قول میں یہ کہا گیا ہے کہ یہاں اذ اَنْ مصدریہ کے حکم میں ہے۔

۲؎ رحمت سے مراد توفیق اور تثبیت ہے۔

۳؎ ہر سوال پر عطا فرمانے والا ہے۔اس آیت میں اس پر دلیل موجود ہے کہ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی طرف سے رسوائی کی وجہ سے ہوتی ہے،وہ بندوں پر فضل و احسان فرماتا ہے،اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔نواس بن سمعان سے مروی ہے،انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر دل رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے،جب وہ اسے سیدھا کرنے کا ارادہ کرتا ہے سیدھا کر دیتا ہے اور اگر اسے ٹیڑھا کرنا چاہے تو ٹیڑھا کر دیتا ہے رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِکَ اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دل اپنے دین پر مضبوط کر دے۔میزان اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ایک قوم کے حق میں بلند فرماتا ہے،دوسرے کے حق کو جھکا دیتا ہے۔یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہتا ہے(1) اسے امام بغوی نے روایت کیا ہے۔اسی کی مثل امام احمد اور امام ترمذی نے ام سلمہ سے امام مسلم نے عبداللہ بن عمر سے ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت انس کی حدیث سے اور صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دل کی مثال اس پر کی مانند ہے جو کھلی جگہ پڑا ہوا ہو جسے ہوائیں الٹ پلٹ کرتی ہیں۔اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

"اے ہمارے پروردگار! بے شک تو جمع کرنے والا ہے سب لوگوں کو اس دن کے لئے ۱؎ نہیں کوئی شبہ جس (کے آنے) میں ۲؎ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں پھرتا اپنے وعدہ سے ۳؎"

۱؎ یوم سے پہلے قضاء کا لفظ محذوف ہے،یعنی اس دن کے فیصلہ کے لئے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں لام بمعنی فی ہے۔

۲؎ یعنی اس دن اور اس میں واقع ہونے والی جزاء میں کوئی شک نہیں۔

۳؎ میعاد وعدہ سے مفعال کے وزن پر ہے۔وعدہ خلافی اللہ تعالیٰ سے محال ہے کیونکہ یہ ایک رذیل عمل ہے جو الوہیت کے منافی ہے۔جہاں تک وعید کا تعلق ہے تو ہمارے نزدیک توبہ کے بغیر بھی بخش دینا جائز ہے۔معتزلہ کہتے ہیں وعید میں بھی وعدہ خلافی جائز نہیں مگر وہ توبہ کے بعد ہی بخشتا ہے۔وہ اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں،ہم کہتے ہیں فساق کیلئے عذاب جس طرح توبہ نہ کرنے کی صورت میں سب کے نزدیک متفق علیہ ہے،اسی طرح یہ معافی نہ ملنے کی صورت کے ساتھ بھی مشروط ہے کیونکہ رب العالمین کا یہ حکم مطلق ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا شرک کو اور بخش دیتا ہے اس کے علاوہ جسکے حق میں چاہتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ جس کے حق میں چاہتا ہے اسے بخش دیتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے اسے عذاب دیتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ اور گمراہوں کے بغیر کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوتا ہے۔اس کے علاوہ اور آیات بھی ہیں۔اس باب میں احادیث بے شمار ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَ

1۔تفسیر بغوی،جلد 1،صفحہ 271 (التجاریہ)

اُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾

"بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا۱ نہ بچا سکیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ہی ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) ۲ سے کچھ بھی ۳ اور وہی (بدبخت) ایندھن ہیں آگ کا ۴"

۱ اس سے مراد مشرک اور اہل کتاب دونوں ہیں۔

۲ یعنی ان کے اموال اور اولاد اس کی رحمت اور طاعت کا کچھ بدلہ نہ دیں گے۔

۳ شیئاً مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے، مفعول بہ کی حیثیت سے منصوب نہیں کیونکہ اغنافعل متعدی نہیں، لیکن ایک صورت میں متعدی ہوسکتا ہے کہ جب یہ کہا جائے کہ لن تغنی اپنے ضمن میں لا تدفع کا معنی لئے ہوئے ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ ان کے اموال اور اولاد ان سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور نہ کرسکیں گے۔ اس صورت میں شیئاً مفعول بہ کی حیثیت سے منصوب ہوگا اور جار مجرور ظرف مستقر ہوکر حال بنے گا یعنی شبہ فعل محذوف کے متعلق ہوکر حال بنے گا۔

۴ یعنی یہی لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ اس کا لن تغنی عنھم پر عطف ہے۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾

"(ان کا طریقہ) مثل طریقہ آل فرعون کے ۱ اور ان لوگوں کے تھا جو ان سے پہلے تھے انہوں نے جھٹلایا ۲ ہماری آیتوں کو پس پکڑ لیا انہیں اللہ تعالیٰ نے ۳ ان کے گناہوں کی وجہ سے ۴ اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے ۵"

۱ داب دَأَبَ فِی العمل کا مصدر ہے۔ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی انسان کام میں کوشش کرے۔ یہ جار مجرور محل رفع میں ہے اور مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی دابھم کداب آل فرعون۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کفر اور رسولوں کی تکذیب میں ان کا فعل آل فرعون کے فعل کی طرح ہے۔ ابن عباس، عکرمہ اور مجاہد نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسے معنی فعل سے معنی شان کی طرف نقل کیا گیا ہے اور ابوعبیدہ نے کہا اس کا معنی ہے آل فرعون کے طریقہ کی طرح۔ اخفش نے کہا آل فرعون کے امر کی طرح، اور ان کے عمل کی طرح۔ نضر بن شمیل نے کہا آل فرعون کی عادت کی طرح۔ معنی یہ ہوگا رسولوں کی تکذیب اور عذاب کے نازل ہونے میں ان کفار کی عادت، طریقہ اور حالت آل فرعون کی حالت طریقہ اور سنت کی طرح ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ جار مجرور ناقل کے ساتھ متصل ہو یعنی ان کے ساتھ اس طرح آگ بھڑکائی جائے گی جس طرح آل فرعون کے ساتھ آگ بھڑکائی جائے گی۔ اس صورت میں وقود النار کے واؤ پر ضمہ ہوگا، یعنی ان کی شان بھی ایسی ہی ہوگی جس طرح آل فرعون کی شان ان کے اموال اور اولاد انہیں کچھ نفع نہ دے گی جس طرح آل فرعون کو ان چیزوں نے کچھ نفع نہ دیا۔ پس عذاب کے نازل ہونے کے وقت ان کی شان ان کی شان جیسی ہوگی۔

۲ یعنی عاد، ثمود اور قوم لوط کی مثل اس کا عطف آل فرعون پر ہے۔ اس صورت میں كَذَّبُوْا یا تو حرف قد کے مقدر ماننے کے ساتھ حال ہوگا یا جملہ مستانفہ ہوگا تاکہ ان کی حالت بیان کرے۔ گویا یہ ما شانھم کا جواب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول مبتدا ہوگا، مابعد اس کی خبر ہو۔

۳ اور انہیں عتاب دی۔

۴ ان کے گناہوں کے سبب۔

۵ یعنی اس کی پکڑ اور سزا سخت ہے۔ ابوداؤد نے اپنی سنن میں ابن جریر، بیہقی نے دلائل میں ابن اسحاق سے، وہ محمد بن ابی محمد سے، وہ سعید بن جبیر سے اور عکرمہ سے، وہ دونوں حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اہل بدر کو جو زخم لگایا اور پھر مدینہ طیبہ کی طرف پلٹے آپ نے یہودیوں کو سوق قینقاع میں جمع کیا، فرمایا اے یہودیوں کی جماعت اسلام قبول کرلو قبل اس کے کہ تمہیں بھی مصیبت پہنچے جیسی مصیبت قریش کو پہنچی۔ تو یہودی کہنے لگے اے محمد ﷺ آپ کو یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ آپ نے قریش کے چند افراد کو قتل کر دیا، وہ جو فن حرب سے ناآشنا تھے، اگر آپ نے ہمارے ساتھ جنگ کی تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ ہم ہی جوانمرد ہیں، آپ ہم جیسے بہادروں سے پہلے نہیں ملے، تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔(1)

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

"(اے میرے رسول) فرما دو ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا [1] کہ عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے [2] اور ہانکے جاؤ گے جہنم کی طرف [3] اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے [4]"

[1] الذین کفروا سے مراد یہودی ہیں۔

[2] اللہ تعالیٰ نے اپنی وعید کو سچ کر دکھایا کہ بنی قریظہ کو قتل کر دیا گیا، بنی نضیر کو جلاوطن کر دیا گیا، خیبر کو فتح کر لیا گیا اور ان لوگوں پر جزیہ لازم کیا گیا۔ مقاتل نے کہا یہ آیت غزوہ بدر سے پہلے نازل ہوئی، اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔ معنی یہ ہوگا آپ کفار مکہ کو فرما دیں کہ بدر کے روز تم پر غلبہ پایا جائے گا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے انہیں بدر کے روز فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ تم پر غالب آنے والا ہے اور تمہیں جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ کلبی نے ابو صالح سے، وہ ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کے یہودیوں نے اس وقت کہا جب اللہ تعالیٰ نے بدر کے روز مومنوں کو فتح نصیب فرمائی، قسم بخدا یہی وہ نبی ہے جس کی موسیٰ علیہ السلام نے ہمیں بشارت دی تھی، آپ کا جھنڈا نہیں لوٹایا جا سکتا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی اتباع کا ارادہ کیا مگر پھر بعض نے بعض سے کہا جلدی نہ کرو یہاں تک کہ ایک اور واقعہ دیکھ لو۔ جب احد کا دن آیا اور اصحاب رسول ﷺ کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو وہ شک میں مبتلا ہو گئے، بدبختی ان پر غالب آ گئی، پس وہ مسلمان نہ ہوئے۔ ان کے درمیان رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک عرصہ تک عہد رہا، یہودیوں نے اس وعدہ کو توڑ دیا۔ کعب بن اشرف ساٹھ سواروں کو لے کر مکہ مکرمہ گیا اور قریش سے مدد طلب کی، سب نے حضور ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے پر اتفاق کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل کی (2) حمزہ اور کسائی نے اسے سیغلبون پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ جس وعید کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کیا آپ ان یہودیوں کو اس کے بارے میں بتا دیں۔

[3] آخرت میں تمہیں جہنم کی طرف اٹھایا جائے گا۔ باقی قراء نے سیغلبون اور یحشرون کو تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ قل کا مقولہ ہوگا۔

[4] مہاد کا معنی فراش ہے، یہاں اس سے مراد جہنم ہے، جو انہیں بات کہی جائے گی یہ اس کا اختتام ہے۔ یا یہ جملہ مستانفہ ہے، یعنی کتنا برا ہے جو انہوں نے اپنے لئے تیار کر رکھا ہے، یا ان کے لئے جو تیار کیا گیا ہے وہ کتنا برا ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰیَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 66، مطبوعہ وزارت تعلیم اسلام آباد

2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 272 (التجاریہ)

يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

"بے شک تھا تمہارے لئے (عبرت کا) نشان ۱ (ان) دو گروہوں میں ۲ جو ملے تھے ۳ (میدان بدر میں) ایک گروہ ۴ لڑتا تھا اللہ کی راہ میں ۵ اور دوسرا کافر تھا ۶ دیکھ رہے تھے (مسلمان) انہیں ۷ اپنے سے دو چند ۸ (اپنی) آنکھوں سے ۹ اور اللہ مدد کرتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے یقیناً اس واقعہ (بدر) میں ۱۰ بہت بڑا سبق ہے آنکھ والوں کے لئے ۱۱"

۱ یہ خطاب بھی یہودیوں کو ہوگا اس شرط پر کہ سابقہ آیت ان کے متعلق ہو یعنی اے یہودیو جو میں تمہیں کہتا ہوں کہ تم پر غلبہ پالیا جائے گا اس کی صداقت کی اس میں تمہارے لئے واضح دلیل موجود ہے۔ یا یہ خطاب مشرکین کیلئے ہوگا اگر یہ تصور کیا جائے کہ پہلی آیت کفار کے بارے میں ہے یعنی اے کفار تمہارے لئے اس میں واضح نشانی ہے اور نبوت پر دلیل ہے۔

۲ یعنی دو جماعتوں میں فرقہ کو فئة کہتے ہیں کیونکہ جنگ میں ہر ایک دوسرے کی پناہ لیتا ہے۔

۳ بدر کے روز جنگ کے لئے یہ دو جماعتیں ملیں۔

۴ مومن جماعت سے مراد حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ ہیں۔

۵ جو دشمن سے جنگ کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں۔ اس جماعت کی تعداد تین سو تیرہ مردوں پر مشتمل تھی، 77 افراد مہاجر تھے، ان کے علمبردار حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ یہی صحیح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان کے علمبردار مصعب بن عمیر تھے اور دو سو چھتیس انصاری تھے، ان کے علمبردار حضرت سعد بن عبادہ تھے، ان کے پاس ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے، ایک گھوڑا مقداد بن عمر اور دوسرا گھوڑا مرثد بن ابی مرثد کا تھا، ان کی اکثریت پیدل تھی، ان کے پاس چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔(1)

۶ اور دوسری جماعت کافر تھی جو کہ مکہ کے مشرک تھے، ان کی تعداد نو سو پچاس جنگجوؤں پر مشتمل تھی جن کا سردار عتبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس تھا، اس لشکر میں سو گھوڑے تھے۔ جنگ بدر وہ پہلی جنگ تھی جس میں حضور ﷺ ہجرت کے بعد بنفس نفیس شامل ہوئے تھے جبکہ رمضان دو ہجری کو ہجرت کیے ہوئے انیس ماہ گزر چکے تھے۔(2)

۷ نافع اور یعقوب نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔ اگر خطاب یہودیوں کو ہو تو معنی یہ ہوگا اے یہودیوں کی جماعت! تم کفار مکہ کو دیکھتے ہو۔

۸ یعنی مسلمانوں سے دوگنا۔ یہ اس طرح ہوا کہ یہودیوں کی ایک جماعت غزوۂ بدر میں حاضر ہوئی تا کہ یہ دیکھیں فتح کس کو نصیب ہوتی ہے؟ انہوں نے مشرکین کو مسلمانوں سے دوگنا دیکھا۔ اس کے باوجود فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ اگر یہ سوال کیا جائے انہوں نے کس طرح انہیں دوگنا دیکھا جبکہ ان کی تعداد تو تین گنا تھی؟ ہم جواب دیں گے یہاں مثلی سے مراد کثرت ہے، محض تثنیہ نہیں، جس طرح رب العالمین کے اس ارشاد میں ہے ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ یعنی بار بار نظر لوٹاؤ۔ اگر خطاب مشرکین کو ہو تو معنی یہ ہوگا اے کفار تم مومنوں کو ان کی تعداد سے دگنا دیکھتے ہو۔ اس تعبیر اور رب العالمین کے اس ارشاد میں کوئی تضاد نہیں جس میں فرمایا وَيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کی نظر میں تھوڑا دکھاتا ہے کیونکہ وہ ان کی نظر میں جنگ سے قبل تھوڑے ہی تھے، تبھی تو کفار نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرات کی، جب دونوں لشکر

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 273 (التجاریہ)

2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 273 (التجاریہ)

ملے اور جنگ شروع ہوگئی، مسلمانوں کی تعداد ان کی نظروں میں زیادہ ہوگئی، یہاں تک کہ بزدل ہوگئے اور ان پر غلبہ پالیا گیا۔ جمہور نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس وجہ سے یہ جائز ہے کہ فعل کی ضمیر مرفوع مشرکین کی طرف لوٹے۔ معنی یہ ہوگا مشرک مسلمانوں کو مشرکوں سے دگنا یا مسلمانوں کی تعداد سے دگنا دیکھتے تھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر مرفوع مسلمانوں کی طرف لوٹ رہی ہو، تو معنی یہ ہوگا مسلمان مشرکوں کو مسلمانوں کی تعداد سے دگنا دیکھتے تھے اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو قلیل دکھایا، یہاں تک کہ مسلمانوں نے انہیں اپنے سے دوگنا دیکھا جبکہ حقیقت میں وہ تین گنا تھے تاکہ مومن ثابت قدم رہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس مدد کا وعدہ کیا ہے اس کا انہیں یقین ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ (اگر تم میں سے ایک سو صابر ہوئے تو دوسو پر غالب آجائیں گے) پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد کو مزید کم کر کے دکھایا، یہاں تک کہ مومنوں نے کفار کو اپنی مثل دیکھا۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہم نے مشرکین کو دیکھا تو پایا کہ وہ ہم سے کمزور ہیں، پھر ہم نے انہیں دیکھا تو ہم نے انہیں ایک فرد بھی زائد نہ پایا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد کو مزید کم کر دیا، یہاں تک کہ ہم نے انہیں اپنے سے بھی کم دیکھا، یہاں تک کہ میں نے اپنے پہلو میں کھڑے آدمی کو کہا میں انہیں ستر کے قریب خیال کرتا ہوں۔ اس نے کہا میں انہیں سو کے لگ بھگ خیال کرتا ہوں (1) یہاں رؤیت علم کے معنی میں ہے تاکہ مثلی اس کا مفعول ثانی بن جائے کیونکہ معنی اس کے حال ہونے کی تائید نہیں کرتا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبالغہ پر مبنی ہے کہ وہ کفار کو دو مثل دیکھتے تھے۔ اس حاصل شدہ علم کو آنکھ سے دیکھنے کے علم سے تشبیہ دی ہے۔ اسی وجہ سے یہاں رای العین کا ذکر کیا اور اس سے مراد وہ علم لیا ہے جو اس سے حاصل ہوتا ہے۔ مسبب کو سبب کا نام دیا ہے۔ یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ حرف جار کے حذف کی وجہ سے منصوب ہو۔ عبارت یوں ہوگی کرای العین۔

۱۰۔ یہاں ذٰلِکَ سے مراد قلیل کو کثیر دکھانا ہے قلیل جن کے پاس کچھ قدرت نہ تھی انہیں مسلح کثیر تعداد پر غلبہ دینا ہے۔

۱۱۔ یہاں اولی الابصار سے مراد ذوی العقول ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دو جمعیتوں کو دیکھا۔

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِیْنَ وَ الْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

"آراستہ کی گئی لوگوں کے لئے ان خواہشوں کی محبت ۱۔ یعنی عورتیں اور بیٹے اور خزانے ۲۔ جمع کئے ہوئے ۳۔ سونے ۴۔ چاندی کے ۵۔ اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے ۶۔ اور چوپائے اور کھیتی ۷۔ یہ سب کچھ سامان ہے دنیوی زندگی کا ۸۔ اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے ۹۔"

۱۔ زین (زینت) شین (برائی) کی ضد ہے اور زین کا معنی ہے کسی چیز کا حسن و جمال والا ہونا اس حال میں کہ وہ مدح کا مستحق ہو اور محبوب ہو۔ یہ چیز کبھی تو صفات نفسانیہ کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے علم و عقل وغیرہ، یا صفات بدنیہ کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے قوت، قامت اور حسن منظر، یا صفات خارجیہ ہوتی ہیں جیسے لباس، سواری، مال اور جاہ وغیرہ۔ تزئین کسی چیز کو اس طرح بنا دینا یا تو حقیقت میں ایسا ہوتا ہے جس طرح رب العالمین کا فرمان ہے: زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین کر دیا یا جس کیلئے مزین کیا گیا ہے اس کے اعتقاد میں امر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 273 (التجاریہ)

ایسا ہے، خواہ وہ اعتقاد واقع کے مطابق ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت رکھ دی اور اس نے ایمان کو تمہارے دلوں میں مزین کر دیا۔ یا وہ واقعہ کے مطابق نہ ہو زَیَّنَّا لَهُمْ سُوْٓءَ اَعْمَالِهِمْ ان کے لئے ان کے برے اعمال مزین کر دیئے گئے، شہوت نفس کا مشتعل ہونا اور اس کا کسی چیز کی طرف سخت رغبت رکھنا۔ یہاں شہوات سے مراد شہوت دلانے والی چیزیں ہیں۔ حقیقت میں یہی مزین کرنے والی محبوب ہوتی ہیں لیکن انہیں شہوات کا نام دیا گیا شہوات کی محبت کی تزیین کو مورد بنایا نہ کہ بذات خود شہوات کو، توبیخ میں مبالغہ کے لئے اور اس طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ وہ اس کی محبت میں منہمک ہو گئے ہیں کہ وہ اس کی شہوات سے محبت کرنے لگے بلکہ شہوات کی محبت کو بھی محبوب جاننے لگے۔ گویا تقدیر کلام یوں ہے لوگوں کے لئے عورتوں کی محبت کو محبوب بنا دیا گیا۔ اس کی مثال یوں بھی ہے اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ میں نے خیر کی محبت کو محبوب جانا۔ صاحب کشاف نے کہا ان کا نام شہوات اس لئے رکھا تا کہ ان سے نفرت دلانے میں مبالغہ کیا جائے کیونکہ شہوات خست کی علامت ہوتی ہیں اور صفت بہیمیہ پر شاہد ہوتی ہیں کیونکہ یہاں مقام مقام تنفیر ہے اور رغبت تو ان چیزوں میں ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہیں۔ بعض فضلاء نے کہا اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے ساتھ مخالطت اور ان کی طرف کمال توجہ سے ڈراتا ہے کیونکہ مشتبہات ہونے کی وجہ سے یہ انسان کو کلی طور پر اپنی طرف مشغول کر لیتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو اس کے لئے خزانہ شدہ ہیں اس سے مطلقاً اسے روک دیتی ہیں۔ زینت بخشنے والا اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہی جواہر اعراض بندوں کے افعال اختیاریہ اور تمام قسم کے دواعی کا خالق ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ نے بطور ابتلا انہیں مزین کیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اسے زینت بنا دیا ہے تا کہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں سے کون اچھا عمل کرتا ہے اور اس لئے کہ مومنین کے مجاہدہ کا سبب ہے اور نعمت کا شکر بجا لانے پر جزا عطا کرنے والا ہے اور ضروری سعادت کا وسیلہ ہے اور بشر کو فرشتوں پر فضیلت عطا کرنے کا موجب ہے، کافروں کی رسوائی کا باعث ہے، ان کے حق میں گمراہی مقدر کرنے کا موجب ہے، جس کے حق میں چاہتا ہے گمراہی مقدر کر دیتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے ہدایت مقرر کر دیتا ہے۔ مزین کرنے میں بھی تعیش اور بقاء نوع کی حکمت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ (فرما دیجئے کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی زینت کو حرام کیا جو اس نے بندوں کے لئے پیدا کی) ایک قول یہ کیا گیا مزین کرنے والا شیطان ہے کیونکہ آیت مذمت کے ضمن میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کبھی تو تزیین کی نسبت اپنی طرف کی ہے کیونکہ وہی خالق ہے جب فرمایا: كَذٰلِكَ زَیَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ۔ زَیَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ یَعْمَهُوْنَ یعنی اس طرح ہم نے ہر جماعت کیلئے ان کے اعمال کو مزین کر دیا۔ ہم نے ان کے اعمال کو مزین کیا پس وہ بے بصیرت ہیں۔ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ اور اس نے اس عمل کو تمہارے دلوں میں مزین کر دیا اور بعض اوقات کسب کے اعتبار سے فعل کی نسبت شیطان کی طرف کر دی کیونکہ وہ دلوں میں وسواس ڈالتا ہے فرمایا: زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ جب اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے انکے اعمال کو مزین کیا اور اس کا فرمان: لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ میں ان کے لئے ضرور مزین کروں گا: وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ (اور شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو مزین کیا پس شیطان نے انہیں سیدھی راہ سے روک دیا)

لے قناطیر قنطار کی جمع ہے۔ یہ مال کثیر کو کہتے ہیں جو بعض بعض پر جمع ہو مضبوط ہونے کی وجہ سے اس کا نام قنطار رکھا گیا ہے۔ عربوں کا مقولہ ہے قنطرت الشئی جب تو اس چیز کو مضبوط کر دے۔ اسی سے پل کو قنطرہ کہتے ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل نے فرمایا قنطار بارہ سو مثقال کو کہتے ہیں۔ ابن عباس نے کہا بارہ سو مثقال کو یا بارہ ہزار درہم یا ہزار دینار کو قنطار کہتے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت عکرمہ نے کہا ایک لاکھ اور ایک سو میر ایک سو طل، ایک سو مثقال اور ایک سو درہم کو بھی قنطار کہتے ہیں۔ سدی سے مروی ہے چار ہزار مثقال کو قنطار کہتے ہیں حکم

نے کہا زمین اور آسمان کے درمیان کو قنطار کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے بیل کی کھال میں بھرا ہوا مال (1) اس میں اختلاف ہے کہ قنطار کا وزن فعلال ہے یا فنعال ہے۔

۲ یہ قنطار سے ماخوذ ہے اسے تاکید کے لئے ذکر کیا گیا ہے، جس طرح عربوں کا قول ہے بدرۃ مبدرۃ یعنی مال کثیر جس کا بعض بعض سے ملا ہوتا ہے۔ ضحاک نے کہا اس کا معنی محفوظ اور محکم ہے۔ یمان نے کہا اس کا معنی دفن شدہ ہے۔ سدی نے کہا جس کو ٹکسال میں بنایا گیا ہو۔ فراء نے کہا اس کا معنی کئی گنا اضافہ کیا ہوا۔ قناطیر، یہ قنطار کی جمع ہے، مقنطرۃ جمع کی جمع ہے۔

۳ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسے ذہب اس لئے کہتے ہیں کیونکہ ذھب کا معنی "جانا" ہے اور سونا بھی آنے جانے والی چیز ہے۔

۴ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کو فضہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ بکھر جاتی ہے۔

۵ الخیل کی جمع کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس کا لفظ میں کوئی واحد نہیں ہوتا۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد جن کے جسم مضبوط اور جمال والے اور تسویم سے مراد ان کا حسن ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا چرنے والی۔ حسن اور ابو عبیدہ نے کہا نشان زدہ۔ یہ سامہ سے مشتق ہے جس کا معنی علامت ہے۔ پھر انہیں علماء میں سے بعض نے کہا ان کی علامت سے مراد جلد کا دھبہ ہے اور رنگ ہے۔ یہی قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد الکی (داغنا ہے)

۶ یہ نعم کی جمع ہے۔ نعم بھی جمع ہے جس کا لفظ میں واحد نہیں ہے۔ اس کا اطلاق اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریوں پر ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس لفظ کا اطلاق وحشی جانوروں پر ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ (مائدہ: 95) یعنی وحشی جانوروں میں سے جسے قتل کیا گیا۔ والحرث یعنی کھیتی۔

۷ اس کا مشار الیہ مذکورہ چیزیں ہیں۔ متاع سے مراد دنیا میں جن چیزوں سے وہ لطف اندوز ہوتا ہے، پھر وہ چیز فنا ہو جاتی ہے۔

۸ حُسْنُ الْمَاٰبِ کا معنی اچھی لوٹنے کی جگہ ہے۔ گویا وہ حسن کا عین ہے۔ اس میں انسان کو برانگیختہ کیا جا رہا ہے کہ وہ دنیا کی فانی شہوات کو اللہ تعالیٰ کے ہاں باقی رہنے والی نعمتوں سے بدل لے۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿ۚ۱۵﴾

"(اے میرے رسول) آپ فرمایئے کیا بتاؤں میں تمہیں اس سے بہتر چیز ۱ ان کے لئے جو متقی بنے ان کے رب کے ہاں باغات ہیں ۲ رواں ہیں ان کے نیچے نہریں ۳ ہمیشہ رہیں گے (متقی) ان میں اور ۴ (ان کے لئے) پاکیزہ بیویاں ہوں گی ۵ اور حاصل ہوگی انہیں خوشنودی اللہ کی ۶ اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو ۷"

۱ اس میں جن چیزوں کا ذکر کیا گیا اس میں کفار کو زجر و توبیخ کرنا ہے اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ متردد تھے کہ ان پر شفقت کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لاتے ہوئے انہیں آگاہ کریں یا قبول حق سے ان کی دوری کے باعث آگاہ نہ کریں۔ نیز اس بات کی مزید وضاحت بھی ہے جس کی طرف پہلے اشارہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدلہ دنیا کی لذتوں سے بہتر ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 274 (اختصار یہ)

۲؎ اس میں جنت مبتدا اور ظرف خبر مقدم ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور ضمیر کا بیان ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ظرف خبر کے متعلق ہو یا شبہ فعل محذوف کے متعلق ہو جو شبہ فعل خبر کی صفت بنے۔ یہاں متقین کو خاص کرنے کی حکمت یہ ہے کیونکہ وہی اس سے نفع حاصل کرتے ہیں اور جنات مبتدا محذوف کی خبر ہے اور مبتدا محذوف ہو جو ضمیر ہے۔

۳؎ یہ جنات کی صفت ہے۔

۴؎ جب وہ اس میں داخل ہو جائیں گے تو ان کا وہاں رہنا ہمیشہ کے لئے مقدر کر دیا جائے گا۔

۵؎ یعنی ان چیزوں سے پاک ہوں گی جن کی وجہ سے عورتوں کو ناپسند کیا جاتا ہے جیسے حیض، نفاس، پیشاب، بڑا پیشاب، پاخانہ وغیرہ۔

۶؎ ابوبکر نے عاصم سے روایت کرتے ہوئے رضوان کی راء پر پورے قرآن میں ضمہ پڑھا ہے، سوائے سورۂ مائدہ میں دوسرے حرف کے، وہاں مکسور ہے یعنی اتبعَ رضوانہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ۔ باقی قراء نے لام کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح عُفْوَان اور عِفْوَان۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے انسان جن چیزوں کی خواہش رکھتا ہے ان میں سے جنات کا ذکر کیا جو کھیتی سے تعلق رکھتے ہیں ازواج مطهرة (پاکیزہ بیویاں) کا ذکر کیا جو عورتوں سے تعلق رکھتی ہیں، بیٹیں کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اولاد سے دنیا میں مقصود مدد کرنا اور نوع کی بقا ہے نہ ہی گھوڑوں، چوپاؤں، سونے اور چاندی کا ذکر کیا کیونکہ گھوڑوں کی سواری کی مشقتوں اور چوپاؤں کی مشقتوں سے مستغنی ہو چکے ہیں کیونکہ وہ مقاصد حاصل کر چکے ہیں، وہ بیع و شراء سے مستغنی ہیں جس کے لئے یہاں رقم کی ضرورت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اس چیز کا اضافہ کیا جس سے مزید اضافہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا وہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے رضوان کو نکرہ ذکر کیا یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ایسا امر ہے جس کا علم اپنے ادراک کے ذریعے حاصل نہیں کر سکتا حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا اے جنتیو! وہ عرض کریں گے (ہم حاضر ہیں اے ہمارے رب) لَبَّیْکَ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ وَ الْخَیْرُ فِیْ یَدَیْکَ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کیا میں تمہیں اس سے افضل عطا نہ کروں؟ وہ عرض کریں گے اس سے افضل چیز کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا میں تم پر اپنی رضا نازل کرتا ہوں میں اس کے بعد تم سے کبھی ناراض نہ ہوں گا (1) متفق علیہ۔

میری رائے یہ ہے کہ جنات کا ذکر ان تمام چیزوں کے مقابلہ میں ہے جس کی وہ خواہش کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ ۚ اور جنت میں وہ کچھ ہے جس کی نفس خواہش کرتے ہیں اور آنکھیں لذت حاصل کرتی ہیں بے شک بیٹے اور قریبی رشتہ دار جنت میں جمع ہوں گے اور ان کی ملاقات دائمی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ (ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ہم کمی نہیں کریں گے ان کے عملوں (کی جزاء) ذرہ بھر)

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا بے شک اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک اور انتہائی خوشی کا باعث ہے، کیا جنتیوں کی اولاد بھی ہو گی؟ فرمایا مومن جب جنت میں اولاد چاہے گا تو حمل، وضع حمل اور اس کی عمر ایک ساعت میں ہو گی جس طرح وہ چاہے گا (2) اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا۔ بیہقی نے اور ہناد نے زہد میں ابوسعید سے حاکم نے تاریخ میں اور اصبہانی نے ترغیب میں روایت کیا ہے۔ رہا سونے اور چاندی کے خزانوں کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ نے ایک جنت کو یوں بنایا کہ اس کی ایک اینٹ سونے اور دوسری اینٹ چاندی کی اور اس کا گارا مشک کا بنایا ہے۔ بزار طبرانی اور بیہقی نے ابوسعید سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ حدیث مرفوع میں ہے دو جنتیں ہیں اس کے برتن اور جو کچھ اس میں ہے سب چاندی کا ہے اور دو جنتیں ہیں جس کے برتن اور جو کچھ اس میں ہے سب سونے کا ہے (3) یہ روایت

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1121 (وزارت تعلیم)　2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 80 (و۔ت)　3۔ مشکاۃ جامع الترمذی، جلد 2، صفحہ 75 ایضاً

متفق علیہ ہے اور حدیث ابو موسیٰ سے مروی ہے جہاں تک گھوڑوں اور چوپاؤں کا تعلق ہے تو ایک بدو نے حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں گھوڑوں سے محبت کرتا ہوں، کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تو جنت میں داخل ہوگا تو یاقوت کے گھوڑے کے پاس آئے گا جسکے دو پر ہوں گے، تو اس پر سوار ہوگا پھر تو جہاں چاہے گا وہ تجھے لے کر اڑ جائے گا(1) اسے امام ترمذی نے ابو ایوب سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی اور بیہقی نے اسی کی مثل بریدہ سے مرفوع روایت کی۔ طبرانی اور بیہقی نے عمدہ سند کے ساتھ عبدالرحمٰن بن ساعدہ سے مرفوع روایت کی۔ ابن مبارک نے شفی بن مانع سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے جنت کی نعمتوں کے بارے میں فرمایا کہ جنتی باہم ملاقات کے لئے گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہوں گے، جمعہ کے روز انہیں گھوڑے پیش کئے جائیں گے جن پر زینیں کسی ہوں گی لگامیں ڈالی ہوں گی، جو لید کریں گے نہ پیشاب کریں گے، وہ ان پر سوار ہوں گے، یہاں تک کہ وہ وہاں تک پہنچیں گے جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ ابن ابی الدنیا، ابو الشیخ اور اصبہانی نے حضرت علی شیر خدا سے مرفوع روایت نقل کی ہے، فرمایا بے شک جنت میں ایسا درخت ہوگا جس کے اوپر والے حصہ سے حلے اور نیچے والے حصہ سے ابلق گھوڑے نکلیں گے، جو سونے کے ہوں گے، جن کی زینیں اور لگامیں موتیوں اور یاقوت کی ہوں گی، وہ پروں والے ہوں گے، ان کا قدم حد نگاہ پر پڑے گا، جو لید کریں گے نہ پیشاب کریں گے، اللہ تعالیٰ کے اولیاء اس پر سوار ہوں گے، وہ انہیں اڑا کر لے جائیں گے جہاں وہ چاہیں گے، جو لوگ ان کے پیچھے ہوں گے وہ کہیں گے انہوں نے ہمارا نور بجھا دیا ہے، یہ کون لوگ ہیں؟ وہ (اللہ یا فرشتہ) جواب دے گا بے شک یہ لوگ خرچ کرتے تھے، اور تم بخل کرتے تھے وہ جنگ کرتے تھے اور تم گھروں میں بیٹھے رہتے تھے۔ ابن مبارک نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے بے شک جنت میں عمدہ گھوڑے ہوں گے جن پر جنتی سواری کریں گے۔ ابن وہب نے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنتیوں میں سے از روئے مقام و مرتبہ سب سے ادنیٰ وہ شخص ہوگا جو دس لاکھ ایسے خادموں کے درمیان سرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہوگا جس کے پر سونے کے ہوں گے (2) رہی کھیتیاں تو امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک جنتی اللہ تعالیٰ سے کھیتی باڑی کرنے کی اجازت طلب کرے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو اس حالت میں نہیں جو تو چاہتا ہے وہ عرض کرے گا کیوں نہیں لیکن میں کھیتی باڑی کو پسند کرتا ہوں۔ فرمایا وہ کھیتی باڑی کرے گا تو اس کی نباتات، اس کا پکنا اور کاٹنا آنکھ جھپکنے سے بھی تیز ہوگا۔ پس وہ پہاڑ جیسی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم سے لے لو، تجھے کوئی چیز سیر نہیں کرے گی (3) طبرانی اور ابو الشیخ نے اسی کی مثل روایت کیا ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ اس کی بالی بارہ ذراع ہوگی، پھر وہ اپنی جگہ میں رہے گا، یہاں تک کہ پہاڑ کی مثل اس سے رکام (غلے کے ڈھیر) ہوں گے۔

جنت کی نعمتوں میں عورتوں کے ذکر کرنے کی وجہ شاید یہ ہو کیونکہ عرب عورتوں کے سخت حریص تھے یا اس لئے کہ عورتیں تمام جنتیوں کے لئے ہوں گی۔ رہے بیٹے اور دوسری نعمتیں تو یہ صرف ان کے لئے ہوں گے جن کے اس دنیا میں بیٹے تھے یا صرف ان کے لئے ہوں گے جو ان کی خواہش کریں گے جبکہ ان میں سے اکثر اس کی خواہش نہ کریں گے، کیونکہ حضرت ابو سعید خدری سے روایت مروی ہے جب مومن جنت میں بچے کی خواہش کرے گا وہ اسی لمحے اس کا پیدا ہو جائے گا لیکن وہ ایسی خواہش نہیں کرے گا۔ اسے امام ترمذی اور دارمی نے روایت کیا ہے یعنی وہ عموماً اس کی خواہش نہیں کرے گا۔ اسی طرح روایات کو جمع کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ دنیاوی نعمتوں پر جو زیادہ کرے گا اس کا ذکر فرمایا جب اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا وہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے کیونکہ یہ چیز حقیقت میں دنیاوی اور اخروی نعمتوں میں فرق کرنے والی ہے کیونکہ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے سب پر لعنت کی گئی ہے سوائے اس کے جس کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہے اور ایک روایت میں اللہ تعالیٰ

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 77 (وزارت تعلیم) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 78 (ت) 3۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1121۔ ایضاً

کا ذکر چاہیے کے الفاظ ہیں ایک روایت میں جو اس کا مددگار ہو (دین کا) عالم ہو اور متعلم ہو کے الفاظ ہیں۔ اسے طبرانی نے اوسط میں ابن مسعود سے نقل کیا ہے اور صغیر میں ابوالدرداء سے ابن ماجہ نے ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے(1) جہاں تک جنت کی نعمتوں کا تعلق ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ ربیعہ الجرشی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خواب میں مجھے کہا گیا ایک سردار ہے جس نے گھر بنایا، کھانا تیار کیا، ایک بلانے والے کو بھیجا جس نے دعوت دینے والے کی آواز پر لبیک کہی، وہ گھر میں داخل ہوا اور کھانا بھی کھالیا، سردار بھی اس سے راضی ہو گیا۔ جس نے دعوت دینے والے کی آواز پر لبیک نہ کہی وہ گھر میں داخل نہ ہوا، کھانا بھی نہ کھایا اور اس کا آقا بھی اس پر ناراض ہو گیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ سید ہے، حضرت محمد ﷺ دعوت دینے والے ہیں، گھر اسلام ہے اور کھانا جنت ہے۔ اسے دارمی نے روایت کیا۔ میں کہتا ہوں دنیا کی نعمتیں اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث نہیں ہیں اس لئے مناسب نہیں کہ انسان اس کی طرف متوجہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا "اور آپ مشتاق نگاہوں سے نہ دیکھئے ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا کافروں کے چند گروہوں کو یہ محض زیب و زینت ہیں دنیوی زندگی کی" اور جنت کی نعمتیں سب اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ ہیں جو بھی ان کی طمع کرتا ہے اس کی مدح کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ "چاہئے کہ مقابلہ کرنے والے اسی میں مقابلہ کریں۔"

دنیاوی زندگی کے تعینات کے مبادی عموماً معدوم ہیں جو علم کے مرتبہ میں ثابت ہیں اور ان میں کچھ روشنی محض ان کے اضداد کے مقابل ہونے کی وجہ سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، جس طرح جہالت علم کے مقابلہ میں، عجز قدرت کے مقابلہ میں، اسی طرح دوسری چیزیں۔ اسی وجہ سے دنیاوی نعمتوں کو ظلال کا نام دیا گیا ہے، اسی وجہ سے ان پر فنا جلدی طاری ہوتی ہے اور معدوم ہونا فی نفسہ خالص برائی ہے، حسن و جمال، خیر اور کمال میں سے اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا مگر ملمع سازی کرنے سے جبکہ اخروی زندگی، اس کے تعینات کے مبادی، یہ اللہ تعالیٰ کی اچھی صفات ہیں، ان کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، ان سے محبت رکھنا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح حضرت مجدد الف ثانی نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ محبت کے راز کا ذکر کیا ہے جبکہ انبیاء بلکہ اولیاء اللہ بھی غیر اللہ کی طرف متوجہ تک نہیں ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں کسی کو خلیل بناتا، تو میں ابوبکر کو بناتا تحقیق تمہارے صاحب نے اللہ تعالیٰ کو خلیل بنا لیا ہے(2) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے کہا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن جنتیوں کے حسن کی جنس میں سے تھا، آپ کے ساتھ محبت اور عشق کرنا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور عشق تھا۔

یہ کلام سابقہ کلام کے لئے علت کے قائم مقام ہے۔ العباد پر الف لام یا تو استغراقی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو دیکھنے والا ہے، وہ اچھے اعمال کرنے والے ہوں یا برے عمل کرنے والے ہوں، وہ ان کے اعمال کے مطابق انہیں بدلہ دے گا۔ یا یہ الف لام عہد خارجی کا ہے یعنی انہیں دیکھنے والا ہے جو متقی ہوئے، اسی وجہ سے ان کے لئے جنتیں تیار کیں۔

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾

"یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب یقیناً ہم ایمان لائے تو معاف فرما ہمارے لئے ہمارے گناہ اور بچالے ہمیں آگ کے عذاب سے [1]"

[1] الَّذِينَ محل جر میں ہے کیونکہ یہ متقین یا عباد کی صفت ہے۔ یہ بھی جائز ہے بطور مدح منصوب یا مرفوع ہو فَاغْفِرْ لَنَا میں فاء سببیہ ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ صرف ایمان مغفرت کا مستحق ہونے کیلئے سبب ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

1۔ سنن ابن ماجہ صفحہ 312 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 273 (قدیمی)

بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ ان میں سے جو شرک نہ ہوا سے عذاب میں مبتلا نہ کرے۔ حضرت معاذ نے عرض کی کیا میں لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سنا دوں؟ آپ نے فرمایا انہیں بشارت نہ دو کہیں، وہ اس پر بھروسہ ہی نہ کریں، متفق علیہ۔

اَلصّٰبِرِیْنَ وَ الصّٰدِقِیْنَ وَ الْقٰنِتِیْنَ وَ الْمُنْفِقِیْنَ وَ الْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ۝

"(یہ مصیبتوں میں) صبر کرنے والے ہیں [1] اور (ہر حالت میں) سچ بولنے والے ہیں [2] اور (عبادت میں) عاجزی کرنے والے ہیں [3] (اور اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے ہیں [4] اور (اپنے گناہوں کی) معافی مانگنے والے ہیں سحری کے وقت [5]"

[1] نفس کے خلاف کام کرنے والے ہیں۔ اسے مصائب میں جزع فزع سے شہوات اور رذائل کی اتباع سے روکتے ہیں اور طاعات وفضائل پر نفس کو پابند رکھتے ہیں۔

[2] گفتگو، احوال کا دعویٰ کرنے دوسرے تمام دعوؤں، روایات اور شہادات میں سچ بولتے ہیں۔ سب سے بڑی سچائی اس بات کی گواہی دینا ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

[3] طاعت پر دوام اختیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں۔

[4] اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں۔ یہ کلام اخلاق، اموال، بدنی اور مالی اعمال سب کو شامل ہے۔

[5] اس کے باوجود کہ وہ ظاہری اور باطنی طاعت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں، اپنے بارے میں کوتاہی ولغزش کا اعتراف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہوتے ہیں۔ یہ کیسے نہ ہو، بندوں کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کریں جس طرح عبادت کرنے کا حق ہے، بلکہ جب ایک انسان اس بات کا ملاحظہ کرتا ہے کہ اس کے افعال بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ احسان کیا ہے کہ اسے اپنی عبادت کی توفیق نصیب فرمائی اور اپنی رضا کا طالب بنایا، اس طرح کہ اسے غیر کے لئے نہیں چھوڑا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ انسان سے جو بھی عمل صادر ہو رہا ہے، اگر وہ قبولیت کے لائق ہے تو وہ شکر کا تقاضا کرتا ہے، اس کی نعمتوں کا شکر بجالانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا مگر اسی صورت میں کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی مغفرت اور رضا کے ساتھ ڈھانپ لے۔ کیا یہ درست ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام لانے کے بعد احسان جتلاتے پھریں، بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان کرتا ہے کہ تمہیں ایمان کی ہدایت نصیب فرمائی اگر تم سچے ہو۔ یہاں استغفار کے لئے سحری کے وقت کو خاص کیا کیونکہ یہ قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے جبکہ اس کا تیسرا حصہ باقی ہوتا ہے، ارشاد فرماتا ہے میں بادشاہ ہوں، جو مجھ سے التجا کرے گا میں اس کی التجا کو قبول کروں گا، جو مجھ سے سوال کرے گا میں اسے عطا کروں گا، جو مجھ سے بخشش طلب کرے گا میں اسے بخش دوں گا[1] متفق علیہ۔ امام مسلم کی روایت میں ہے پھر وہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کون قرض دے گا (اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے گا) جبکہ اس کے پاس خزانوں کی کمی نہیں اور نہ ہی وہ ظلم کرنے والا ہے، یہ ندا جاری رہتی ہے، یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ امام بغوی نے کہا حضرت حسن بصری سے حکایت کی گئی کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے بیٹے کبھی اس مرغ سے عاجز نہ بننا جو سحری کے وقت آواز لگاتا ہے جبکہ تو اپنے بستر پر سویا ہوا ہو۔ حضرت زید بن اسلم سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 258 (قدیمی)

صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ سحری کی قید اس لئے ذکر کی کیونکہ وہ صبح کے قریب ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا نماز کو سحری تک طویل کرو پھر دعا مانگو۔ نافع نے کہا حضرت عبداللہ بن عمر رات کو قیام کرتے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔ درمیان میں حرف عطف کو لانا اس پر دلیل ہے کہ ان میں سے ہر ایک وصف کمال میں مستقل ہے اور وہ لوگ بھی اس میں کامل ہیں یا اس وجہ سے کہ ان کے موصوفین میں تغایر پایا جاتا ہے۔ صابرین سے مراد صوفی ہیں جو صاحب دل اور پاکیزہ نفس والے ہیں۔ نیز ان سے مراد جنگ کرنے والے اور شہید ہیں۔ صادقین سے مراد ایسے علماء ہیں جو سچی روایات کرنے والے ہیں۔ قانتین سے مراد زاہدین ہیں جو طویل قیام کرتے ہوئے نماز ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے خوف و امید کی حالت میں نماز ادا کرتے ہیں۔ منفقین سے مراد غنی لوگ ہیں جو مومنین میں سے صالح ہیں، جو مباح طریقوں سے مال کماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسے خرچ کرتے ہیں اور سحری کے وقت اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے ہیں، یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے وہ نادانی سے برائی کر بیٹھتے ہیں پھر وہ جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کر دے اور تمہاری جگہ ایک ایسی قوم لے آئے جو گناہ کریں پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش کے خواستگار ہوں، پس اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے(1) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ امام احمد اور ابو یعلیٰ نے حضرت ابو سعید سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پہلے افضل ترین گروہ کا ذکر کیا پھر اس سے کم افضل پھر اس سے کم افضل علیٰ ہذا القیاس۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۸﴾

"شہادت دی اللہ تعالیٰ نے (اس بات کی کہ) ۱؎ بیشک نہیں کوئی خدا سوائے اس کے ۲؎ اور (یہی گواہی دی) فرشتوں نے اور اہل علم نے (ان سب نے یہی گواہی دی کہ وہ) ۳؎ قائم فرمانے والا ہے ۴؎ عدل و انصاف کو ۵؎ نہیں کوئی معبود سوائے اس کے ۶؎ (جو) عزت والا ہے حکمت والا ہے ۷؎"

۱؎ اللہ تعالیٰ نے دلائل عقلیہ متعین فرمائے اور آیات سمعیہ نازل کرنے کے ساتھ بیان فرمایا انه لا اله الا هو۔

۲؎ امام بغوی نے کلبی سے حکایت بیان کی ہے کہ شام کے علماء میں سے دو عالم نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، جب انہوں نے مدینہ طیبہ کو دیکھا تو ایک نے دوسرے سے کہا یہ شہر اس شہر کے کتنا مشابہ ہے جس میں نبی آخر الزمان تشریف لائیں گے۔ پھر جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کی صفات سے آپ کو پہچان لیا۔ دونوں نے عرض کی آپ محمد ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ دونوں نے عرض کی آپ احمد ہیں؟ آپ نے فرمایا میں محمد اور احمد ہوں۔ انہوں نے کہا ہم آپ سے ایک چیز کے بارے میں پوچھیں گے، اگر آپ نے بتا دیا تو ہم ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے۔ آپ نے فرمایا پوچھو انہوں نے کہا ہمیں سب سے بڑی اس شہادت کے بارے میں بتاؤ جو کتاب اللہ میں موجود ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اجسام کے پیدا کرنے سے چار ہزار سال پہلے روحوں کو پیدا فرمایا اور روحوں کی تخلیق سے چار ہزار سال پہلے رزق پیدا فرمائے اور مخلوقات کی تخلیق سے پہلے اپنے بارے میں خود گواہی دی جس وقت نہ آسمان تھا نہ زمین تھی نہ سمندر تھا نہ خشکی تھی(2) فرمایا شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 355 (قدیمی)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 276 (التجاریہ)

۳؎ یعنی فرشتوں، اور جن وانس میں سے تمام مومنین نے گواہی دی، سب دل سے ایمان لائے، زبان سے اس کی توحید کی گواہی دی۔

۴؎ اپنی مصنوعات کی تدبیر کرتے ہوئے یہ لفظ اللہ اسم جلالت جو شہد کا فاعل ہے، اس سے حال ہے۔ اگرچہ حال اور ذوالحال کے درمیان فاصلہ ہے، تاہم التباس نہ ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔ تو معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے گواہی دی اس حال میں کہ وہ اپنی مصنوعات کی تدبیر فرماتا ہے۔ اس کا اپنی مصنوعات کی یوں تدبیر کرنا اس کی توحید پر واضح دلیل ہے۔ یا یہ ہو ضمیر سے حال ہے، اس صورت میں عامل جملہ کا معنی ہوگا یعنی تفرد قائماً یا احقہ کیونکہ یہ حال موکدہ ہے یا یہ بطور مدح منصوب ہے۔ اس صورت میں یہ مشہود بہ میں داخل ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ علم کا مفعول بہ ہو۔ معنی ہوگا اولو المعرفۃ قائماً، یہ علم عرف کے معنی میں ہوگا جس کا ایک مفعول ہوتا ہے۔

۵؎ باء حرف جار مصاحبت کے معنی میں ہے یعنی وہ قسم اٹھانے اور فیصلہ کرنے میں عدل سے کام لیتا ہے، اس سے ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مالک الملک ہے، جس طرح چاہتا ہے اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے، اس پر اطاعت کرنے والے کا ثواب واجب نہیں ہوتا بلکہ یہ اس کا فضل ہے نہ اس پر گناہگار کو عذاب دینا واجب ہے کیونکہ وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔ اس آیت میں معتزلہ کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں۔

۶؎ تاکید توحید کی معرفت کے زیادہ اعتناء اور حجت قائم کرنے کے بعد اس کا فیصلہ دینے کے لئے اسے دوبارہ ذکر کیا ہے۔

۷؎ وہ اپنے ملک میں غالب ہے۔

۸؎ وہ بنانے میں حکیم ہے۔ یہ دونوں ان لفظ اللہ اسم جلالت کی صفتیں ہیں جو شہد کا فاعل ہے۔ یا ھو سے بدل ہیں عزیز کی صفت کو مقدم کیا ہے تا کہ اس کی قدرت کا علم ان کی حکمت کے علم سے پہلے ہو۔

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾

"بے شک دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے ۱؎ اور نہیں جھگڑا کیا جن کو دی گئی تھی کتاب ۲؎ مگر بعد اس کے کہ آ گیا تھا ان کے پاس صحیح علم ۳؎ (اور یہ جھگڑا) باہمی حسد کی وجہ سے تھا ۴؎ اور جو انکار کرتا ہے اللہ کی آیتوں کا تو بیشک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے ۵؎"

۱؎ بے شک پسندیدہ دین اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہے۔ کسائی نے فتحہ کے ساتھ اَنَّ پڑھا ہے کہ اگر اسلام کی تعبیر ایمان سے کی جائے تو یہ بدل کل ہوگا۔ حضرت قتادہ کا قول ہے لا الہ الا ھو اور جو اس کے رسول اللہ کی طرف سے لائے اس کی گواہی دینا، یہی وہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے جس کا اس نے حکم دیا، اس کے لئے اپنے رسول بھیجے اور اپنے اولیاء کی جس پر راہنمائی کی اس کے علاوہ وہ کوئی دین نہ قبول کرتا ہے اور نہ اس پر بدلہ دے گا۔ یا اس کی تفسیر اس قول سے کی جائے جس کو حضور ﷺ کا یہ ارشاد اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو یہ گواہی دے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، حج بیت اللہ کرے اگر تو اس کی طاقت رکھے(1) متفق علیہ۔ یہ حدیث حضرت عمر سے مروی ہے۔ حضرت جبرئیل کے سوال کے قصہ میں طویل حدیث ہے۔ اگر اسلام کی تعبیر شریعت محمدیہ سے کی جائے تو یہ بدل اشتمال ہوگا کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین ہے کیونکہ سابقہ تمام ادیان منسوخ ہو چکے ہیں حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے ان کے لئے میری اتباع کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔ اسے احمد اور

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 6

بیہقی نے حضرت جابر کی حدیث سے روایت کیا ہے جبکہ جمہور قراء نے ان کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ نئی کلام ہے اعمش سے مروی ہے کہ وہ تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو اس آیت کی تلاوت کی، پھر کہا اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میری امانت ہے اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین اطاعت ہے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے، آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا حضرت ابو وائل نے مجھے حضرت عبداللہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت والے دن اس ودیعت والے کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس بندے کا میرے پاس ایک وعدہ ہے، میں سب سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا ہوں، میرے بندے کو جنت میں داخل کر دو۔ امام بغوی نے اسے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ طبرانی اور بیہقی نے شعب میں ضعیف سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔

۲؎ یعنی یہودیوں اور نصرانیوں نے حضور ﷺ کی نبوت اور اسلام کی حقانیت کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے تو اس کی مطلق نفی کر دی اور بعض نے اسے عربوں کے ساتھ خاص کیا۔

۳؎ مگر بعد اس کے انہیں یہ علم ہو چکا تھا کہ پسندیدہ دین اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو تورات اور انجیل میں بیان کر دیا تھا۔

۴؎ یہ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے بینھم ظرف مستقر ہے، یعنی شبہ فعل محذوف کی ظرف ہو کر بغیا کی صفت ہے۔ یعنی انہوں نے حق کو نہیں چھوڑا اور کسی امر میں شبہ اور خفاء کی وجہ سے اختلاف نہیں کیا، بلکہ یہ جاننے کے بعد کہ یہ حق ہے محض سرکشی کی وجہ سے اور اس حسد کی وجہ سے جو ان کے درمیان تھا۔ نیز ملک اور ریاست کے حصول کے لئے انہوں نے ایسا کیا۔ ابن جریر نے محمد بن جعفر سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت نجران کے عیسائیوں کے حق میں نازل ہوئی اور اس کا معنی یہ ہے کہ اہل کتاب نے اختلاف نہیں کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں، یہاں تک کہ بعض نے کہا کہ یہ ابن اللہ ہیں مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کی کوئی اولاد نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں۔ یہ بات انہوں نے یہودیوں سے دشمنی اور مخالفت کی وجہ سے کی کیونکہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا اور آپ کی ماں پر بہتان باندھا جبکہ ان کے پاس تورات میں یہ بات آ چکی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ربیع سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مرض الموت میں بنی اسرائیل کے ستر علماء کو بلایا، انہیں تورات عطا کی اور حضرت یوشع بن نون کو نائب بنایا۔ جب تین صدیاں گزر گئیں تو ان کے درمیان اختلاف پڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ان ستر علماء کی اولاد مراد ہے، یہاں تک کہ انہوں نے باہم خون بہائے اور ان میں جنگ عام ہو گئی جب کہ سب کچھ انہیں معلوم تھا یعنی تورات میں اس کی وضاحت تھی محض حسد کرتے ہوئے انہوں نے ایسا کیا، پس اللہ تعالیٰ نے ان پر جابر لوگوں کو مسلط کر دیا۔

۵؎ اللہ تعالیٰ ان کے کفر پر انہیں جزا دے گا۔ یہ کفار کے لئے وعید ہے۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰

"پھر اگر (اب بھی) جھگڑا کریں آپ سے ۱؎ تو آپ کہہ دیجئے کہ میں نے جھکا دیا ہے اپنا سر ۲؎ اللہ کے سامنے ۳؎ اور جنہوں نے میری پیروی کی ۴؎ اور کہئے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی ۵؎ اور ان پڑھوں سے ۶؎ کہ کیا تم اسلام لائے ۷؎ پس اگر وہ اسلام لے آئیں ۸؎ جب تو ہدایت پا گئے ۹؎ اور اگر منہ پھیر لیں ۱۰؎ تو اتنا ہی آپ کے ذمہ تھا کہ آپ پیغام پہنچا دیں ۱۱؎ (جو آپ نے پہنچا دیا) اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے (اپنے) بندوں کو ۱۲؎"

۱؎ ک ضمیر سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ یہودیوں اور نصرانیوں نے کہا کہ ہمارا دین ہی اسلام ہے، یہودیت اور نصرانیت تو محض نسبتیں ہیں۔

۲؎ فرما دیجئے لفظوں میں کوئی نزاع نہیں (بلکہ بحث طلب امر اسلام کی حقیقت ہے) ابن عامرؒ نافع اور حفص نے وجہی کے یاء کو منصوب پڑھا ہے اور باقی قراء نے ساکن پڑھا ہے۔

۳؎ میں نے اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دیا۔ ان نے مجھے جس چیز کا بھی حکم دیا ہے میں اپنی زبان، دل اور دوسرے اعضاء سے اسے بجا لانے کی کوشش کرتا ہوں، میں اپنی خواہش نفس کی اتباع نہیں کرتا۔ یہاں وجہ کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے کیونکہ یہ انسانی اعضاء میں سے معزز ترین عضو ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے اپنی توجہات ظاہری یعنی اعضاء اور زبان اور باطنی یعنی نفس اور قلب کو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کیا ہے، میں کسی غیر کی طرف متوجہ نہ ہوں گا۔ یا اس کا معنی یہ ہوگا میں نے اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے، اس سپردگی اور تفویض کا مقتضی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اس کے احکام کی اطاعت اور نواہی سے رکنے میں جلدی کرے اور سیاس شریعت کی اتباع کرے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، جب تک وہ منسوخ نہ ہو۔

۴؎ اس کا عطف اسلمت کی ضمیر مرفوع پر ہے، درمیان میں کیونکہ فاصلہ ہے اس لئے ضمیر منفصل کی تاکید نہ لگانا ٹھیک ہے۔ کلام یوں ہوگی وَاَسْلَمَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول معہ ہوتا۔ نافع اور ابو عمرو نے وصل میں یاء کو اصل پر باقی رکھا ہے اور باقی قراء نے خط کی تبع میں دونوں حالتوں میں یاء کو حذف کیا ہے۔

۵؎ اس کا عطف قل اسلمت پر ہے۔ یعنی یہ ہوگا کہ اپنے نفس کو کہو کہ میں اسلام لے آیا اور اسلام کو اپنے دل میں حاضر کرو اور دل کو اس کے ساتھ مطمئن کرو اور یہود و نصاریٰ کو کہو۔

۶؎ یعنی وہ لوگ جو سماوی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے جیسے مشرکین عرب۔

۷؎ کیا تم بھی اسلام لے آئے جس طرح میں اسلام لے آیا، بعد اس کے کہ دلائل عقلیہ اور تورات و انجیل کی آیات سے حقیقت واضح ہو چکی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے، یا تم اس کے بعد بھی جہالت کفر پر ہو۔ یہ صیغہ کے اعتبار سے استفہام ہے، تاہم معنی کے اعتبار سے امر ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ یعنی رک جاؤ اس میں انہیں کند ذہنی اور سرکشی پر شرمندہ کیا گیا ہے۔

۸؎ اگر وہ اسی طرح اسلام لے آئے جس طرح آپ اسلام لائے ہیں۔

۹؎ پس وہ ہدایت پا گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی تو اہل کتاب نے کہا ہم اسلام لے آئے۔ حضور ﷺ نے یہودیوں سے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے، اس کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کی پناہ آپ نے نصاریٰ سے فرمایا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں؟ انہوں نے کہا اللہ کی پناہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بندے ہوں، تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

۱۰۔ اگر وہ اس اسلام سے روگردانی کریں جو آپ اسلام لائے ہیں۔
۱۱۔ وہ آپ کو کچھ تکلیف نہ پہنچا سکیں گے۔ بے شک آپ کے ذمہ رسالت کی تبلیغ ہے، ہدایت پیدا کرنا نہیں۔ تحقیق آپ نے رسالت کا حق ادا کر دیا ہے۔
۱۲۔ اللہ تعالیٰ مومن و کافر دونوں کو دیکھنے والا ہے، وہ ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزا ضرور دے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾

"بے شک جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا ۱ اور قتل کرتے ہیں انبیاء کو ۲ ناحق اور قتل کرتے ہیں ۳ ان لوگوں کو جو حکم کرتے ہیں عدل و انصاف ۴ کا لوگوں میں سے ۵ تو خوشخبری دو انہیں دردناک عذاب کی ۶"

۱۔ الَّذِينَ سے مراد یہودی ہیں جو قرآن، انجیل اور تورات کی ان آیات کا انکار کرتے ہیں جن میں حضور ﷺ کی نعت تھی۔
۲۔ ان کے آباؤ اجداد نے انبیاء کو قتل کیا اور یہ لوگ ان کے فعل پر راضی تھے۔ یہ حضور ﷺ کے ساتھ وہی طرز عمل اپنانا چاہتے تھے جو ان کے پہلوں نے انبیاء کے ساتھ اپنایا تھا۔ آپ کے ساتھ جنگ کی، آپ پر جادو کیا، آپ کے کھانے میں زہر ملایا۔ جب آپ نے اس جہاں سے پردہ فرمایا تو شہید کی حیثیت سے پردہ فرمایا۔ جادو اور زہر کا قصہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔
۳۔ وہ اپنے اعتقاد میں سچے نہ تھے اور نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کرنا تو ناحق تھا، جبکہ ریاست کی محبت نے انہیں آپ کے قتل پر برانگیختہ کیا۔ انہوں نے انبیاء میں کوئی ایسی چیز نہ دیکھی جس کے ساتھ ان کا قتل جائز ہوتا۔
۴۔ قسط کا معنی عدل ہے۔
۵۔ النَّاس سے مراد انبیاء کی اتباع کرنے والے ہیں۔ حمزہ نے باب مفاعلہ سے اسے یقاتلون پڑھا ہے۔ ابن جریج نے کہا بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرف وحی آتی ان کے پاس کوئی کتاب نہ آتی۔ وہ قوم کو یاد دلاتے، پس قوم ان کو قتل کر دیتی انبیاء کے متبعین میں سے ایک قوم کھڑی ہوتی اور ان کی تصدیق کرتی اور اپنی قوم کے افراد کو نصیحت کرتی تو یہ انہیں بھی قتل کر دیتے۔ یہی وہ لوگ تھے جو لوگوں کو انصاف کا حکم دیتے۔
امام بغوی نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا قیامت کے روز کن لوگوں کو سخت عذاب دیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا ایسا آدمی جس نے نبی کو قتل کیا ہو گا یا ایسے آدمی کو جو برائی کا حکم دیتا تھا اور نیکی سے روکتا تھا پھر حضور ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ ۔ إِلَى قَوْلِهِ فَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ سے فرمایا کہ بنو اسرائیل کے عبادت گزاروں میں سے ایک سو بارہ افراد تھے، انہوں نے قتل کرنے والوں کو نیکی کا حکم اور برائی سے منع کیا، تو بنی اسرائیل نے اسی دن کے پچھلے پہر ان سب کو بھی قتل کر دیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور ان کے بارے میں اپنی آیات کو نازل فرمایا۔(1)
۶۔ یعنی اے محمد ﷺ انہیں خبر دیجیے۔ یہاں بشارت کا لفظ بطور استہزاء مذکور ہے۔ الیم سے مراد دردناک ہے۔ سیبویہ نے کہا فبشرھم کا جملہ إِنَّ کی خبر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور اُن کے نزدیک إِنَّ کی خبر پر فاء کا داخل کرنا بھی جائز نہیں، وہ اسے لیت اور لعل کی خبر پر قیاس

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 279 (التجاریہ)

کرتے ہیں۔اس صورت میں اِنَّ کی خبر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اولئک اللذین ہوگی اور فبشرھم کا جملہ جملہ معترضہ ہوگا۔اس کی مثل زَیْدٌ فَافْهَمْ رَجُلٌ صَالِحٌ ہے یا اس کی خبر محذوف ہوگی اور مسبب کو سبب کے قائم مقام کیا۔تقدیر کلام یوں ہوگی لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ جمہور علماء نے کہا فبشرھم اِنَّ کی خبر ہے امام بغوی نے کہا فاء کو اِنَّ کی خبر پر اس لئے داخل کیا گیا ہے کیونکہ اِنَّ ملغاء ہو چکا ہے۔تقدیر کلام یوں ہوگی اَلَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ وَيَقْتُلُوْنَ فَبَشِّرْهُمْ۔ اکثر نحویوں نے کہا اِنَّ کی خبر پر فاء کا داخل کرنا جائز ہے کیونکہ اس کا اسم جو اسم موصول ہے،شرط کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے،جس طرح جب مبتدا اسم موصول ہو تو اس کی خبر پر فاء کا لانا جائز ہوتا ہے،لیکن لیت اور لعل کے اسم کا معاملہ اس سے مختلف ہے کیونکہ یہ دونوں جملہ خبریہ کو جملہ انشائیہ کی طرف پھیر دیتے ہیں،اس لئے اِنَّ کی شرط کے ساتھ مشابہت نہیں ہوتی۔ اس صورت میں بعد والا جملہ خبر کے بعد خبر ہوگی۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۝

"یہ ہیں وہ (بدنصیب) اکارت گئے جن کے اعمال دنیا میں اور آخرت میں اور نہیں ہے ان کے لئے کوئی مددگار ۱ "

۱ یعنی ضائع ہو گئے ان کے اعمال،پس ان کے لئے لعنت اور رسوائی ہے دنیا میں اور آخرت میں ان کے لئے عذاب ہے،ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا جو ان کے اعمال ضائع ہونے سے بچائے اور عذاب کو ان سے دور کرے۔

ابن منذر،ابن اسحٰق،ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے عکرمہ سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہودیوں کے مدرسہ میں تشریف لے گئے۔آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی،تو نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے آپ سے پوچھا اے محمد ﷺ آپ کس دین پر ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا میں حضرت ابراہیم کی ملت اور دین پر ہوں۔دونوں کہنے لگے حضرت ابراہیم علیہ السلام تو یہودی تھے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آؤ تورات کی طرف وہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والی ہے۔دونوں اس سے انکاری ہو گئے،پس اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝

"کیا نہیں دیکھا آپ نے ۱ ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا کچھ حصہ ۲ کتاب کا ۳ (جب) بلائے جاتے ہیں ۴ کتاب الٰہی کی طرف ۵ تاکہ تصفیہ کر دے ۶ ان کے باہمی جھگڑوں کا تو پیٹھ پھیر لیتا ہے ایک گروہ ان میں سے ۸ درآں حالیکہ وہ روگردانی کرنے والے ہوتے ہیں ۹ "

۱ یہاں استفہام تقریر اور تعجب کے لئے ہے،یعنی امر کو ثابت کرنے اور تعجب کے اظہار کے لئے ہے۔

۲ یہاں نصیب سے مراد حقیر حصہ ہے یعنی ان کے لئے کتاب اور ایمان میں سے کوئی حصہ نہیں ہے۔

۳ یہاں مِن تبعیضیہ ہے یہ بھی جائز ہے۔کہ مِن بیانیہ ہو۔کتاب سے مراد تورات یا تمام آسمانی کتابیں ہوں۔

۴ یہ اس اسم موصول سے حال ہے جو الم تر کا مفعول ہے،یعنی حضرت محمد ﷺ انہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

۵ یعنی تورات۔جس طرح ہم نے روایت ذکر کی اسی طرح کلبی نے ابو صالح سے اور انہوں نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اہل خیبر میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے بدکاری کی،تورات میں ان کے لئے رجم کا حکم تھا۔یہودیوں نے ان کے معزز خاندان کی وجہ سے رجم کرنا

پسند نہ کیا، تو انہوں نے ان کا معاملہ حضور ﷺ کی طرف بھیج دیا۔ امید یہ تھی کہ آپ کے ہاں کچھ رخصت ہوگی۔ آپ نے ان دونوں کے بارے میں رجم کا فیصلہ سنایا۔ نعمان بن اوفی اور بحری بن عمرو نے آپ سے کہا اے محمد ﷺ آپ نے ان پر رجم کا فیصلہ سنایا ہے، جبکہ ان پر رجم کا حکم جاری نہیں ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے اور میرے درمیان تورات کا فیصلہ ہوگا۔ انہوں نے کہا پھر آپ ہمارے ساتھ انصاف کرنے والے ہوں گے۔ آپ نے پوچھا تم میں سے کوئی تورات کے بارے زیادہ جانتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ایک کانا آدمی ہے، جو فدک میں رہتا ہے جسے ابن صوریا کہتے ہیں۔ انہوں نے اسے بلا بھیجا، وہ مدینہ طیبہ آیا۔ جبرئیل امین نے سب کچھ حضور ﷺ کے گوش گزار کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو ابن صوریا ہے؟ اس نے عرض کی جی ہاں۔ آپ نے دریافت کیا تو یہودیوں میں سے عالم ہے؟ اس نے کہا لوگ میرے بارے میں یہی خیال کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تورات کا وہ حصہ منگوایا جس میں رجم کا حکم تھا۔ آپ نے اسے فرمایا اسے پڑھو جب وہ پڑھتے ہوئے آیت رجم پر پہنچا تو اپنا ہاتھ اس آیت پر رکھ لیا اور مابعد حصہ پڑھا۔ ابن سلام نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ اس نے آیت رجم کو چھوڑ دیا ہے۔ آپ اٹھے اس کی ہتھیلی کو اس جگہ پر سے ہٹایا، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں پر اس حصہ کو پڑھا کہ شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب بدکاری کریں اور ان پر گواہیاں قائم ہو جائیں تو انہیں رجم کر دیا جائے، اگر عورت حاملہ ہو تو اسے مہلت دی جائے گی، یہاں تک کہ وہ وضع حمل کر لے۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں یہودیوں کے بارے میں حکم دیا، انہیں رجم کر دیا گیا۔ یہودی اس وجہ سے ناراض ہو گئے اور واپس چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(1)

ا یہاں فعل کی نسبت کتاب کی طرف کی ہے کیونکہ یہ حکم کا سبب ہے یا فعل کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے۔

ے یعنی کتاب کے مطابق ان کے درمیان۔

۸ اس کا عطف یدعون پر ہے۔ اس میں ان کے اعراض کرنے کو عجیب جانا گیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔

۹ یعنی وہ ایک ایسی قوم ہے جن کی عادت ہی اعراض کرنا ہے۔ یہ جملہ فریق سے حال ہے کیونکہ وہ صفت کی وجہ سے نکرہ مخصوصہ بن چکا ہے۔ قتادہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ یہودیوں کو کتاب اللہ کے فیصلہ کی طرف دعوت دی گئی، انہوں نے اس سے اعراض کیا۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کے متعلق روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو ان کے درمیان اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان حکم بنایا، پس قرآن نے یہودیوں اور نصرانیوں کے خلاف فیصلہ دیا کہ وہ ہدایت پر نہیں، پس انہوں نے اس سے اعراض کیا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَّ غَرَّهُمْ فِیْ دِیْنِهِمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

”اس بیباکی کی ۱؎ وجہ یہ تھی ۲؎ کہ وہ کہتے تھے کہ بالکل نہ چھوئے گی ہمیں دوزخ کی آگ مگر چند دن گنے ہوئے ۳؎ اور فریب میں مبتلا رکھا انہیں ان کے دین کے معاملہ میں ان باتوں نے جو وہ خود گھڑا کرتے تھے ۴؎“

۱ یعنی سب کچھ جاننے کے بعد انہوں نے کتاب اللہ سے روگردانی اور حق سے اعراض کیا۔

۲ اعتقاد فاسد کے ساتھ انہوں نے اپنے بارے میں عذاب کے امر کو آسان خیال کیا تھا۔ ان کا اعتقاد فاسد یہ تھا ہمیں آگ چند دن چھوئے گی۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 280-279 (التجاریہ)

۳؎ ایام معدودات سے مراد وہ چالیس روز لیتے تھے جن دنوں میں ان کے آباء نے بچھڑے کی پوجا کی تھی، جس طرح سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

۴؎ یعنی اس قول کا افتراء باندھتے کہ یہ ان کے آباء جو انبیاء تھے ان کی شفاعت کریں گے۔ یا یہ کہ حضرت یعقوب نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ لیا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا۔

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۟ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

"سو کیا حال ہوگا ۱؎ (ان کا) جب ہم جمع کریں گے انہیں اس روز جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ۲؎"۔

۱؎ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیر کلام یوں ہوگی فکیف حالھم۔

۲؎ یعنی اس نے جو اچھا یا برا عمل کیا اس کی اسے جزاء ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ھم کی ضمیر لفظ کل کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یہ کل کے معنی کا اعتبار کرنے کی وجہ سے ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا کسی انسان کی نیکیوں میں کمی نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اس کی برائیوں میں اضافہ کیا جائے گا۔

ابن ابی حاتم نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے انہوں نے ہمارے لئے یہ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے سوال کیا کہ روم اور فارس ملک کو آپ کی امت میں بنادے۔ بغوی نے کہا ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا، اپنی امت سے فارس اور روم کے ملکوں کا وعدہ کیا۔ منافقوں اور یہودیوں نے کہا دیکھو حضرت محمد ﷺ کے لئے فارس اور روم کے ملک کیسے ہو سکتے ہیں، وہ ان سے بہت طاقتور ہیں، کیا محمد ﷺ کے لئے مکہ اور مدینہ کافی نہیں، یہاں تک کہ انہوں نے فارس اور روم کی بادشاہت کی طمع شروع کر دی (1) تو ان دو روایات کے اختلاف پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا قل اللھم ان دونوں کو جمع کرنا ممکن ہے۔ امام بیضاوی نے ذکر کیا روایت کی گئی ہے کہ جب حضور ﷺ نے خندق کے لئے نشان لگائے اور ہر دس آدمیوں کے لئے چالیس گز معین فرمائے، انہوں نے خندق کھودنا شروع کی، اس میں ایک بڑی چٹان سامنے آئی جس میں کدالیں کام نہ کرتی تھیں۔ صحابہ نے حضرت سلمان کو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں بھیجا تا کہ صورت حال سے آپ کو آگاہ کریں۔ آپ تشریف لائے تو آپ نے کدال لی، آپ نے ایک ضرب لگائی جس نے اس چٹان کو توڑ دیا اور ایک بجلی چمکی جس نے لابتین مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیانی حصہ کو منور کر دیا، گویا تاریک رات میں ایک روشن چراغ ہو۔ آپ نے اللہ اکبر کہا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کہا۔ آپ نے فرمایا میرے لئے اس سے حیرہ کے محلات روشن ہو گئے، گویا وہ کتے کی انیاب (لمبے دانت) ہیں۔ پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی آپ نے فرمایا میرے لئے روم کی سرزمین کے سرخ محلات روشن ہو گئے۔ پھر آپ نے تیسری ضرب لگائی، آپ نے فرمایا میرے لئے صنعاء کے محلات روشن ہو گئے۔ جبرئیل امین نے مجھے خبر دی میری امت ان سب پر غالب آئے گی، تمہیں خوشخبری ہو۔ منافقین نے کہا کیا تمہیں تعجب نہیں کہ یہ تمہیں جھوٹی آرزوئیں دلاتا ہے اور باطل وعدے کرتا ہے اور تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ وہ یثرب سے حیرہ کے محلات جو فارس میں ہیں، دیکھتا ہے اور تمہیں یہ بتاتا ہے کہ یہ تمہاری مفتوحات میں شامل ہوں گے جبکہ تمہارا حال یہ ہے کہ تم خوف کی وجہ سے خندق کھود رہے ہو تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (2) بیہقی اور ابونعیم نے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 280 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ کازرونی، جلد 2، صفحہ 24، دارالفکر بیروت

دلائل میں اس قصہ کا ذکر کیا ہے، جبکہ نزول آیت کا ذکر نہیں کیا۔ ابن خزیمہ نے قتادہ سے مختصر ذکر کیا ہے، اس میں نزول آیت کا ذکر ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ؗ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۶﴾

"(اے حبیب! یوں) عرض کرو[1] اے اللہ![2] اے مالک سب ملکوں کے[3] تو بخش دیتا ہے ملک جسے چاہتا ہے اور چھین لیتا ہے ملک جس سے چاہتا ہے[4] اور عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ذلیل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے[5] تیرے ہی ہاتھ میں ہے ساری بھلائی[6] بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے"

[1] اے محمد، مقولہ بعد والا جملہ ہے۔

[2] اَللّٰهُمَّ کی اصل یا اللہ ہے۔ حرف ندا حذف کر دیا گیا اور میم اس کے عوض میں زائد کی گئی اس وجہ سے کہ یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔ یہ اس اسم رفیع کے خصائص میں سے ہے، جس طرح حرف ندا اس پر داخل ہوتا ہے اسی طرح اس پر الف لام داخل ہوتا ہے۔ اس کا ہمزہ قطعی ہوتا ہے، اسکے اوپر تاء قسمیہ داخل ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کی اصل یا اَللّٰهُ اُمَّنَا بِخَیْرٍ یعنی ہمارا بھلائی کے ساتھ ارادہ کر پھر حرف نداء متعلقات فعل اور اس کے ہمزہ کو حذف کرنے کے ساتھ اس میں تخفیف کی گئی، پھر اللھم باقی رہ گیا۔ بعض اوقات علماء نے اس میں تخفیف کی اور لا ھم کیا۔ یہ سب کچھ کثرت استعمال کی وجہ سے ہے۔ اس کی مثال ھلم الینا اسکی اصل ھَلْ اُمَّ اِلَیْنَا ہے جس کا معنی ہے ہمارا قصد کیا گیا۔ جب اللھم اغفرلی کہا جائے تو اغفرلی امنا بخیر کا بیان ہوتا ہے یہی صورتحال ہوگی اللھم العن رعلا و ذکوان کیونکہ دشمنوں کے لئے بددعا کرنا امنا بخیر کا بیان بننا صحیح ہے۔

[3] یہ منادی کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ نداء، کے بعد نداء ہے اس سے حرف نداء حذف کر دیا گیا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی یا مالک الملک اسے پہلے منادی کی صفت بنانا صحیح نہیں کیونکہ پہلا منادی محذوف ہے، جس طرح اسم صوت ہوتا ہے کیونکہ اسے ہو کا کلمہ لاحق ہے اور اس جیسے اسم کی صفت ذکر نہیں کی جاتی۔ سیبویہ نے بھی اسی طرح کہا۔ سیبویہ نحوی نے اس سے مختلف نقطہ نظر اپنایا اور یہ وضاحت کی کہ یہاں اسم صوت اپنے معنی پر باقی نہیں کیونکہ یہ کلمہ کا جزء ہے، جبکہ جس میں ہم بحث کر رہے ہیں وہ اس سے مختلف ہے۔ مِلْک مصدر ہے جس سے مُلْک بنا ہے۔ یہاں مصدر سے اسم مفعول مراد ہے اور اس سے عالم الامکان مراد ہے۔ اس پر الف لام استغراقی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق اور مالک ہے، جس طرح چاہتا ہے اس میں تصرف کرتا ہے، جسے چاہتا ہے، جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، کسی کو یہ جائز نہیں کہ اس کے حکم کے بغیر کسی چیز میں تصرف کرے۔

[4] دونوں لفظوں میں لام عہد ذہنی کے لئے ہے۔ معنی اس کا یہ ہے تو ملک عطا کرتا ہے جتنا چاہتا ہے، جسے چاہتا ہے، اسے تو واپس لے لیتا ہے یہاں اسم ضمیر کو اسم ظاہر کی طرف پھیرا گیا ہے۔

[5] دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں میں دنیا میں غلبہ عطا کر کے شکست دے کر توفیق دے کر اور رسوا کر کے اور آخرت میں ثواب اور عذاب کے طریقہ پر۔

[6] ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ تقدیر کلام یوں ہے بِیَدِكَ الْخَیْرُ وَالشَّرُّ لیکن صرف خیر کا ذکر کیا جس طرح ارشاد میں ہے: سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمُ الْحَرَّ یعنی سردی اور گرمی سے تمہیں بچاتا ہے، جبکہ متن میں صرف گرمی کا ذکر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے خیر کا ذکر اس لئے خاص کیا گیا

کیونکہ کلام خیر کے بارے میں ہو رہی ہے کیونکہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ نے اپنی امت سے فارس اور روم کے ملکوں کا وعدہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہاں خیر کا ذکر صرف اس لئے کیا گیا ہے کیونکہ بالذات اس کا فیصلہ کیا گیا ہے اور شر کا فیصلہ بالعرض ہوتا ہے کیونکہ جزئی شر نہیں پایا جاتا جب تک کلی خیر کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے نہ ہو۔ خطاب میں ادب کی رعایت کرتے ہوئے فرمایا۔ میرا خیال یہ ہے یہاں خیر سے مراد وجود ہے اور وجود حقیقی جس پر عدم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، وہ واجب لذاتہٖ کے ساتھ خاص ہے جو خیر محض ہے جس میں شر کا شائبہ تک نہیں اور ظلی وجود جس کیساتھ خارج ظلی میں ممکن کا تحقق ہوتا ہے یہ واجب سے مستفاد ہوتا ہے اور عدم جو شر کا حصہ ہے، ممکن میں ذاتی ہوتا ہے، علت سے مستفاد نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف شر کی نسبت کرنے کا معنی یہ ہوگا کہ وہ ممکن جسکے مفہوم میں شر داخل ہوتا ہے اور اس کے بعض افراد شر میں بعض افراد سے بڑھ کر ہیں، اس کے وجود کا حصہ وجود حق کی طرف منسوب رہا، اس میں شر کا حصہ وہ ذاتی ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کس قدر سچا ہے بیدک الخیر۔

؂ تیرے سوا کوئی بھی حقیقت میں کسی چیز پر قادر نہیں، بندوں کی قدرت حقیقت میں قدرت متوہم ہے جس کے ذریعے ایک انسان کاسب کہلاتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ انسانوں اور ان کے اعمال کا خالق ہے۔ امام بیضاوی نے کہا اس جملہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ شر بھی اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ہم کہتے ہیں یہاں معاملہ اسی طرح ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے شر پر قادر ہونے کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ خیر کا فیضان نہ کرنے پر بھی قادر ہے، یعنی اگر چاہے تو کرے چاہے تو نہ کرے، اور جب وہ بھلائی اور احسان نہ کرے تو ممکن شر اصلی باقی رہے گا۔

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۫ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

"تو داخل کرتا ہے رات (کا حصہ) دن میں اور داخل کرتا ہے تو دن (کا حصہ) رات میں ؂ اور نکالتا ہے تو زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے ؂ اور رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے بے حساب ؂"

؂ یعنی اے اللہ تو ہی ایک کو دوسرے میں داخل کرتا ہے آگے پیچھے لا کر یا ایک میں زیادتی کر کے اور دوسرے میں کمی کر کے۔

؂ نافع حمزہ کسائی اور حفص نے عاصم سے المیت کو یاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے، اسی طرح سورۂ انعام، یونس، روم، اعراف میں لبلد میت اور فاطر میں الی بلد میت اور نافع نے ان مقامات پر بھی یاء کو مشدد پڑھا ہے اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ، لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا، الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ اَحْيَيْنٰهَا اور باقی تمام قراء نے تمام جگہوں میں تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور یعقوب نے ان مقامات پر بھی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اَلْحَيُّ مِنَ الْمَيِّتِ اور لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ حیوان کو نطفہ اور انڈا سے اور نطفہ اور انڈے کو حیوان سے تر نباتات کو خشک دانے سے اور خشک دانے کو تر نباتات سے پیدا فرماتا ہے۔ ابن مسعود، سعید بن جبیر، مجاہد، قتادہ، عکرمہ، کلبی، زجاج نے اسی طرح کہا حضرت حسن اور عطاء نے کہا کافر کو مومن سے اور مومن کو کافر سے پیدا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ ابن ابی حاتم نے حضرت عمر بن خطاب سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

؂ یعنی بغیر تنگی اور کمی کے تو رزق بہم پہنچاتا ہے اس طرح کہ مخلوق اس کی تعداد اور مقدار کو نہیں جانتی، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے سب علم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مذکور پانچ جملوں کو اس لئے بعد میں ذکر کیا تاکہ ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی اس قدرت پر استدلال کیا جائے کہ وہ جس کے حق میں چاہتا ہے اسے ملک عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس سے ملک چھین لیتا ہے۔

امام بغوی نے اپنی سند سے جعفر بن محمد سے، وہ اپنے باپ سے، وہ دادا سے، وہ حضرت علی شیر خدا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فاتحۃ الکتاب آیۃ الکرسی اور اس آیت سے پہلے والی دو آیتیں ان کی سفارش قبول کی جاتی ہے، ان کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔ انہوں نے عرض کیا اے ہمارے رب تو نے ہمیں زمین پر اور اپنے نافرمانوں پر نازل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی ذات کی قسم میرے بندوں میں سے کوئی بھی نماز کے بعد ان کی تلاوت نہیں کرے گا مگر میں جنت کو اس کا ٹھکانہ بنادوں گا۔ خواہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں اور اسے اپنی بارگاہ اقدس میں سکونت عطا کردوں گا، میں ہر روز ستر دفعہ اس کی طرف نظر کرم کروں گا، ہر روز ستر اس کی حاجتیں پوری کروں گا جن میں سے ادنیٰ ترین مغفرت ہوگی، میں اسے ہر دشمن اور حاسد سے پناہ دوں گا اور اسے ان پر غالب کروں گا(1) طبرانی نے حضرت معاذ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ سے فرمایا کیا میں تمہیں دعا نہ سکھاؤں جو تو کیا کرے، اگر تیرے اوپر ثبیر پہاڑ جتنا بھی قرض ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے دور فرمادے گا، پھر فرمایا قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ سے بغیر حساب تک رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا تُعْطِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُمَا وَتَمْنَعُ مَنْ تَشَآءُ اِرْحَمْنِيْ رَحْمَةً تُغْنِيْنِيْ بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ، وَاللّٰهُ اعلم (2) (اے دنیا و آخرت کے رحمٰن اور دونوں کے رحیم، ان میں سے جو جس کے حق میں چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ میرے اوپر ایسی رحمت نازل فرما جس کے ذریعے مجھے ہر کسی کی رحمت سے بے نیاز کردے) واللہ اعلم۔

ابن جریر نے سعید اور عکرمہ کی سند سے انہوں نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ حجاج بن عمرو جو عمرو بن اشرف کا حلیف تھا اور ابن ابی الحقیق اور قیس بن زید تینوں نے انصار کی ایک جماعت کے بارے میں خفیہ پروگرام بنایا کہ انہیں ان کے دین سے برگشتہ کردیں، تو رفاعہ بن منذر، عبداللہ بن جبیر اور سعید بن خیثمہ نے انصار کی اس جماعت سے فرمایا ان یہودیوں سے بچ کر رہا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کردیں تو اس جماعت نے ان کی بات ماننے سے انکار کردیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(3)

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

"نہ بنائیں مومن کافروں کو اپنا دوست [1] مومنوں کو چھوڑ کر [2] اور جس نے کیا یہ کام [3] تو نہیں رہا (اس کا) [4] اللہ سے [5] کوئی تعلق [6] مگر اس حالت میں کہ تم کرنا چاہو ان سے اپنا بچاؤ [7] اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے (یعنی غضب سے) [8] اور اللہ ہی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے [9]"

[1] ان سے رشتہ داری یا دوستی اور اس جیسے کسی اور سبب کی وجہ سے ان کے ساتھ رشتہ قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ یا جنگ اور دینی امور میں ان سے مدد طلب کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

[2] اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی دوستی اور مومنوں کی دوستی جمع نہیں ہوسکتی کیونکہ دو دشمنوں کی دوستی جمع نہیں ہوسکتی۔ کفار کے ساتھ دوستی قبیح بالذات اور قبیح بالعرض ہے کیونکہ اس طرح انسان مومنوں کی ولایت سے محروم ہوجاتا ہے۔ امام بغوی نے مقاتل کا قول ذکر کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ حاطب بن ابی بلتعہ کے حق میں نازل ہوئی یہ کفار مکہ کے لئے اپنی محبت کا اظہار کرتے تھے۔ اور کلبی کا قول ابو صالح سے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 282 (التجاریہ) 2۔ معجم کبیر از طبرانی، جلد 20، صفحہ 155 (الامت) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 282 (التجاریہ)

ذکر کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ منافقین یعنی عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی جو مشرکوں اور یہودیوں سے موالات رکھتے تھے، انہیں خبریں دیتے اور یہ امید رکھتے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ پر فتح حاصل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا اور مومنین کو اس جیسا فعل کرنے سے منع کر دیا۔(1)

فصل: صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کسی سے محبت کرنا اور کسی سے ناراض ہونا ایمان کے ابواب میں سے ایک عظیم باب ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی کا انجام اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا تھا(2) متفق علیہ۔ اور حضرت انسؓ سے مرفوع روایت موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں تیرا انجام اس کے ساتھ ہوگا جس سے تو محبت کرتا ہے، متفق علیہ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے اچھے اور برے ہم مجلس کی مثال کستوری بیچنے والے اور بھٹی والے کی طرح ہے، کستوری بیچنے والا یا تو آپ کو تحفۃً عطا کر دے گا یا تو اس سے خرید سکے گا یا اس سے اچھی خوشبو حاصل کرے گا اور بھٹی والا یا تو تیرے کپڑے جلا دے گا یا تو اس سے بدبو پائے گا(3) متفق علیہ۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر سے پوچھا اے ابوذر ایمان کے حلقوں میں سے کونسا حلقہ زیادہ مضبوط ہے؟ عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی خاطر دوستی کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ناراضگی اختیار کرنا۔ اسے امام بیہقی نے شعب میں روایت کیا ہے۔ حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل الحب فی اللہ اور البغض فی اللہ ہے۔ اسے امام احمد اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ اس باب میں بے شمار احادیث ہیں۔

۳؎ جو انہیں دوست بنالے۔

۴؎ لیس میں ضمیر مرفوع من یفعل کی طرف لوٹ رہی ہے۔

۵؎ یہ شئی سے حال ہے کیونکہ ذوالحال نکرہ ہے، اس وجہ سے حال کو مقدم ذکر کیا۔

۶؎ یہ لیس کی خبر ہے۔ یہاں تنکیر تحقیر کے لئے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے معمولی محبت کا مستحق بھی نہ ہوگا، یا اللہ تعالیٰ کے دین میں سے کسی حصہ کا مستحق نہ ہوگا۔ مفہوم اس کا یہ ہے کہ کفار کے ساتھ دوستی جس طرح مومنوں کے ساتھ دوستی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ بھی جمع نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ ارشاد ہوتا من دون اللّٰہ والمومنین تو یہ اختصار کے ساتھ اس مفہوم کا فائدہ بھی دیتا لیکن مقصود اللہ تعالیٰ کی ولایت سے دوری میں کمال بلاغت ہے۔

۷؎ یہ استثناء مفرغ ہے جو ظرف ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یہ معنی کی حیثیت سے سابقہ دونوں جملوں کے ساتھ متعلق ہے، لفظ کی حیثیت سے ایک کے ساتھ متعلق ہے، جبکہ دوسرے کے لئے یہ کلام مقدر کی جائے گی، جس طرح تنازع فعلین کی صورت میں طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ مفہوم یہ ہوگا کفار کے ساتھ دوستی کسی وقت بھی جائز نہ ہوگی مگر اس وقت جب تمہارے لئے ان کی تکالیف سے بچنے کے لئے کوئی اور صورت نہ ہو، جس نے ایسا کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کا کسی حوالے سے بھی دوست نہیں مگر اس صورت حال میں جب وہ اپنا تحفظ کرنے کے لئے ایسا کرے۔ اتقاء یہ وقایت سے افتعال کے وزن پر ہے جس کا معنی ہے اپنے آپ کو ان کے شر سے بچانا، اس میں خوف لازم ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے مگر اس صورت میں کہ تمہیں خوف ہو۔ جمہور قراء نے متن کے مطابق پڑھا ہے۔ مجاہد اور یعقوب نے اسے تقیۃ پڑھا ہے۔ یہ فعیلۃ کے وزن پر ہوگا۔ دونوں تقدیروں کی صورت میں یہ خلاف قیاس مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے توقیتہ تقاۃ وتقی وتقیۃ و تقوی جب تو اتقیت کہے تو اس کا مصدر اتقاء ہے۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مصدر اپنے مصدری معنی میں ہو اور مصدر کی بنا پر منصوب ہو۔ معنی یہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 282 (التجاریہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 332 (قدیمی) 3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 330 (قدیمی)

ہوگا کہ کفار کے ساتھ کسی وقت بھی دوستی اور تعلق جائز نہیں مگر اس وقت کہ تم ان کے شر سے اپنے آپ کو بچانا چاہتے ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مصدر مفعول کے معنی میں ہو اور معنی یہ ہو کہ صرف اس وقت ان سے تعلق جائز ہے جب ان کی طرف ایسا خوف ہو جس سے بچنا ضروری ہو۔ اس استثناء کا فائدہ یہ ہے کہ ان کے شر کے خوف کے وقت کفار کے ساتھ موالات کرنا مباح ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ضروری امر بقدر ضرورت مقدر مانا جاسکتا ہے۔ اس صورت میں صرف ظاہری دوستی ہی جائز ہوگی، باطنی محبت جائز نہ ہوگی۔ اس وقت یہ جائز نہ ہوگا کہ حرام خون، حرام مال یا نافرمانی کے ارتکاب کو حلال جانے یا کفار کو مسلمان کی پوشیدہ باتوں پر آگاہ کرے، یا مومنوں کے رازوں سے انہیں آگاہ کرے۔ ایک قوم نے اسلام کے غالب آجانے کے بعد تقیہ کو ناپسند کیا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل نے کہا تقیہ اسلام کے ابتدائی دنوں میں تھا، جبکہ دین کو استحکام اور اسلام کو قوت حاصل نہ ہوئی تھی، مگر آج اہل اسلام میں سے کسی کے لئے زیبا نہیں کہ وہ اپنے دشمنوں سے ڈریں (1) پھر اللہ تعالیٰ نے کفار سے دوستی اختیار کرنے سے منع کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آدمی سے مومنوں اور اللہ تعالیٰ کی ولایت کی نفی کو وعید کے ساتھ زیادہ کیا ہے جو کفار کے ساتھ دوستی رکھتا ہے۔

8 یعنی کفار کے ساتھ دوستی اختیار کرنے میں تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی اور سزا سے ڈراتا ہے۔ یہاں نفس کا ذکر فرمایا تاکہ یہ بتا دے کہ جس چیز سے ڈرایا جارہا ہے وہ ایسا عقاب ہے جو اللہ تعالیٰ سے صادر ہوتا ہے، تم میں سے جو کفار سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ یہ شدید وعید ہے جو منہی عنہ کی قسم میں انتہا درجے تک پہنچے ہونے کا شعور دلاتی ہے۔

9 تمہارا لوٹنا اسی کی طرف ہے، تم اس سے غائب نہیں ہوسکتے۔ یہ ایک دوسری وعید ہے۔

قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾

"فرما دیجئے 1 اگر تم چھپاؤ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے 2 یا ظاہر کرو اسے 3 جانتا ہے اسے اللہ تعالیٰ 4 اور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے 5"

1 اے محمد ﷺ

2 صُدُورِكُمْ سے مراد تمہارے دل ہیں، یعنی اگر تمہارے دلوں میں کفار کی محبت اور اس جیسی کوئی اور چیز ہے۔

3 ضمیر سے مراد قول یا فعل ہے۔

4 اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ اس کلام کی غرض یہ ہے کہ اظہار کرنے والے یا چھپانے والے علم الٰہی میں برابر ہیں ورنہ جب مخفی کا علم ظاہر کے علم کا بدرجہ اولیٰ تقاضا کرتا ہے تو اس صورت میں أَوْ تُبْدُوهُ کے ذکر کی حاجت نہ تھی۔

5 يَعْلَمُ والا جملہ مستانفہ ہے، یہ شرط کی جزاء پر معطوف نہیں، یہ سابقہ کلام کے لئے علت کے قائم مقام ہے، یعنی جب اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے تو اس پر تمہارے دل کیسے مخفی ہوسکتے ہیں۔ اس آیت میں مافی السموات ومافی الارض کے ذکر پر انحصار کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ عوام کی نظر یہاں تک ہی پہنچتی ہے۔ اس کلام کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر موجود کو محیط ہے اور ہر چیز کا وجود اسی سے حاصل کیا گیا ہے تو اس پر وہ چیز کیسے مخفی ہوسکتی ہے اس کے علم وعید کے ذکر میں کل شی کا ذکر اور قدرت کاملہ کے اظہار کے لئے علی کلی شی کا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 282 (التجاریہ)

ذکر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا بیان ہے جس میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے کیونکہ وہ اپنے علم شامل اور قدرت کاملہ کے ساتھ متصف ہے اس وجہ سے عقلی طور پر اس کی نافرمانی کی جرات کرنا جائز نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ لا یخفی علیه شیٔ کی مراد یہ ہو کہ اس کے لئے تمہیں دنیا و آخرت میں عذاب دینا ممکن ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس وہ تمہیں عذاب دے گا جس کے ساتھ چاہے گا، دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں میں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کفار کے ساتھ دوستی اور دین میں کمزوری کا اظہار دنیا میں عذاب کو لازم کر دیتا ہے کہ ان لوگوں پر ذلت مسلط کر دی جاتی ہے اور مملکت چھین لی جاتی ہے۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِن سُوٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ
أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُۥٓ أَمَدًۢا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ ٱللَّهُ نَفْسَهُۥ ۗ وَٱللَّهُ رَءُوفٌۢ بِٱلْعِبَادِ ﴿٣٠﴾

"جس دن موجود پائے گا ہر نفس جو کی تھی اس نے نیکی اپنے سامنے اور جو کی تھی اس نے برائی تمنا کرے گا کہ کاش اس کے درمیان اور اس دن کے درمیان (حائل ہوتی) مدت دراز[1] اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ اپنے (عذاب) سے[2] اور اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر[3]"

[1] یوم ظرف تَوَدُّ فعل کے متعلق ہے۔ اس میں ما موصولہ ہے شرطیہ نہیں، کیونکہ تمام قراء کا اس پر اتفاق ہے کہ تود مرفوع ہے۔ اگر ما شرطیہ ہوتا تو بعض قراء ضرور اس کے جزم کی طرف جاتے کیونکہ شرط جب ماضی ہو تو جزاء فعل مضارع میں رفع اور جزم دونوں جائز ہوتے ہیں، جبکہ مبرد سے یہ مروی ہے کہ رفع پڑھنا شاذ ہے، یعنی جب شرط ماضی ہو اور جزاء مضارع ہو اسم موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر تجد کا مفعول ہے اور یہاں تجد تصیب کے معنی میں ہے، اس لئے یہ ایک مفعول چاہے گا اور محضر اس مفعول سے حال ہے اور ما عملت من سوء یہ ما عملت من خیر کا معطوف ہے۔ یہاں کل نفس سے مراد نفس مومنہ ہے جس نے اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ کو خلط ملط کر دیا ہے، مگر جب کہ صرف اعمال حسنہ ہوں یا صرف اعمال سیئہ ہوں انہیں اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رافت کے باعث مومن کے لئے اس کے اچھے اعمال کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرے گا، جبکہ اس کے برے اعمال کو ظاہر نہ کرے گا، یا اللہ تعالیٰ اس مومن پر برے عمل کو ظاہر تو کرے گا مگر پردہ پوشی کی صورت میں، جس طرح صحیحین میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب کرے گا، اپنا دست قدرت اس کے کندھے پر رکھے گا اور اسے پردہ میں لے لے گا، ارشاد فرمائے گا کیا تو فلاں گناہ کو جانتا ہے، کیا تو فلاں گناہ کو جانتا ہے؟ وہ کہے گا جی ہاں ہائے میرے رب! یہاں تک کہ وہ تمام گناہوں کا اقرار کرے گا، وہ خیال کرے گا کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا دنیا میں تیرے گناہوں کو چھپائے رکھا، آج میں انہیں بخش دیتا ہوں۔ پس اسے اچھے اعمال کا نامہ دے دیا جائے گا، مگر کافر اور منافق کو تمام لوگوں کے سامنے بلایا جائے گا، کہا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا، خبردار ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے(1) اگر تجد تعلم کے معنی میں ہو تو اس صورت میں محضرا مفعول ثانی ہو گا اور ما عملت پر محمول ہو گا اور جس پر اس کا عطف کیا گیا اس میں اس کی مثل کلام مقدر کی جائے گی جس طرح آپ کے قول عَلِمْتُ زَيْدًا فَاضِلًا وَّ عَمْرًوا میں فاضلا کو عمرو کے بعد مقدر مانا جاتا ہے۔ معنی یہ ہو گا کہ تو خیر اور شر کو حاضر پائے گا لو کا کلمہ زائدہ ہے، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر تود کا مفعول ہے یا لو لیت کے معنی میں ہے۔ یہاں کے محبت کرنے کی حکایت ہے ان اپنے اسم اور خبر کے ساتھ مل کر لیت کے اسم خبر کے قائم مقام ہو اور تود کا مفعول محذوف ہو کیونکہ ما بعد

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 330 (وزارت تعلیم)

کلام اس پر دلالت کر رہی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ لو مصدریہ ہو اس کے مابعد فعل مقدر ہو، اس کا فاعل اَنَّ ہو جو اپنے اسم اور خبر سے مل کر مصدر کی تاویل میں ہو اور فعل مصدر کی تاویل میں ہو کر تود کا مفعول ہو بینہٗ کی ضمیر یوم کی طرف لوٹ رہی ہے یا ما عملت من سوء کی طرف لوٹ رہی ہے۔ تقدیر کلام کا معنی پھر یہ ہوگا جب ہر نفس اپنے عمل کا صحیفہ یا اس کی جزاء پائے گا۔ اس حال میں کہ وہ حاضر ہوا اور وہ اپنے برے عمل کو پائے گا یا اپنے اچھے عمل یا برے عمل کی جزاء پائے گا، اس حال میں کہ وہ حاضر ہوں گی وہ خواہش کرے گا کہ کاش اس کے صحیفہ اور اس کے دن اور اس کی ہولناکی کے درمیان بعید مسافت ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس نے اپنا برا عمل دیکھا ہوگا اگرچہ وہ اس کے ساتھ اپنے اچھے اعمال کا بدلہ بھی دیکھے گا کیونکہ نفع کا لالچ نقصان کے خوف کے عالم میں مطمع نظر نہیں ہوتا۔ یا وہ یہ تمنا کرے گا کہ اس کے صحیفہ اور اس کے برے اعمال اور اپنے درمیان مسافت کے ثبوت کی تمنا کرے گا۔ الامد کا معنی مدت اور غایت ہے، جس غایت پر وہ مدت ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا ان میں سے کسی کو یہ امر خوش کرے گا کہ وہ اپنے برے عمل سے کبھی بھی ملاقات نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے وہ پسند کرے گا کہ کاش اس نے یہ عمل نہ کیا ہوتا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یوم کو قدیر کے متعلق کیا جائے، قدرت کو اس دن کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ ہے، جبکہ اس کی قدرت تمام زمانوں کو شامل ہے کہ ثواب اور عذاب اس دن واقع ہوگا۔ معنی یہ ہوگا کہ جس دن تو اس چیز کو پائے گا اللہ تعالیٰ تمہیں ثواب اور عذاب دینے پر قادر ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یوم کا لفظ اذکر فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہو۔ بہتر یہ ہے کہ یحذرکم اللہ کو مقدر مانا جائے تو پھر یحذرکم پر عطف میں کسی قسم کا خفا نہیں ہوگا۔ ان صورتوں میں تَوَدُّ ما عملت من سوء کی ضمیر سے حال ہوگا۔ معنی یہ ہوگا ہر نفس پائے گا جو اس نے برا عمل کیا ہوگا اس حال میں کہ مقدر ہوگی وہ محبت قیامت کے روز۔ یہ بھی جائز ہے کہ تَوَدُّ ماعملت من سوء کی خبر ہو۔ اس صورت میں وما عملت میں واؤ مستانفہ ہوگی اور پہلا جملہ ما عملت من خیر پر مکمل ہو جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ واؤ عاطفہ اور تود مکمل جملہ ہو کر تجدکا مفعول ثانی ہو، اس حال میں کہ یہ ماعملت من سوء پر محمول ہو (یعنی اس کی خبر ہو)۔ معنی پھر یہ بنے گا ہر نفس پائے گا جو اس نے اچھا عمل کیا اسے حاضر اور جو اس نے برا عمل کیا اسے ہولناک، اس حیثیت سے کہ وہ نفس خواہش کرے گا کہ کاش اس بدترین اعمال اور اس کے درمیان بہت مدت ہوتی ہے۔ حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک سے تمہارا رب ہم کلام ہوگا، اس کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان ہوگا، نہ کوئی حجاب ہوگا وہ اپنی دائیں طرف نہیں دیکھے گا مگر وہ اعمال جو اس نے کئے، وہ اپنی بائیں جانب نہیں دیکھے گا مگر وہ اعمال جو اس نے کئے، وہ اپنے سامنے دیکھے گا تو جہنم ہوگی۔ پس اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ اگرچہ کھجور کے ایک حصہ سے۔(1)

2؎ یہ جملہ مستانفہ ہے جو واجبات کو ترک کرنے اور برائیاں کرنے سے ڈرانے کے لئے ہے، جبکہ اس سے پہلے کی کلام کفار کے ساتھ دوستی رکھنے سے ڈرانے کے لئے تھی اس لئے کوئی تکرار نہیں یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف یود پر ہو معنی پھر یہ ہوگا کہ وہ اس دن سے ڈرے گا یا اپنے برے عمل سے ڈرے گا اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اپنی قہاریت کا اظہار فرما کر۔ اگر یہ ظرف اذکر کے متعلق ہو تو اس جملہ کو تجد کا معطوف بنانا بھی جائز ہے۔ معنی یہ ہوگا یاد کرو اس دن کو جس روز تم پاؤ گے اور اس دن کو جس میں اللہ تعالیٰ اپنی قہاریت کا اظہار کر کے تمہیں ڈراتا ہے یہ جملہ کفار کے ساتھ معاملہ کا بیان ہے۔

3؎ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر حد درجہ شفقت فرمانے والا ہے۔ یہ کلام مسلمانوں کے ساتھ معاملے کا بیان ہے۔ پہلی تاویل کی صورت میں جائز ہے کہ یہ جملہ پہلے جملہ کے لئے علت بیان کرنے کے قائم مقام ہو۔ معنی یہ ہوگا بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے کیونکہ

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1109 (دو حدیثوں کا مجموعہ) (وزارت تعلیم)

وہ بندوں پر رؤف ہے اور وہ ان کی اصلاح کا ارادہ فرماتا ہے۔

ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت حسن سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ ایک قوم نے نبی کریم ﷺ کے زمانے میں یہ کہا اے محمد ﷺ ہم اپنے رب سے محبت کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والی آیت قل ان کنتم کو نازل فرمایا۔ ابن اسحاق اور ابن جریر نے محمد بن جعفر بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت نجران کے وفد کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے یہ کہا ہم مسیح علیہ السلام کی عبادت اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اور امام بغوی نے کہا یہ آیت یہود ونصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی جب انہوں نے یہ کہا ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ حضرت ضحاک نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ قریش کے پاس کھڑے ہوئے جبکہ وہ مسجد حرام میں تھے جنہوں نے اپنے بت نصب کئے ہوئے تھے، ان پر شتر مرغ کے انڈے لٹکائے ہوئے تھے اور ان کے کانوں میں شنوف (بالیاں) ڈالے ہوئے تھے اور قریش ان بتوں کو سجدے کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے قریش قسم بخدا تم نے اپنے باپ حضرت ابراہیم کے دین کی مخالفت کی۔ قریش نے کہا ہم ان بتوں کی عبادت محض اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے کرتے ہیں تا کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کریں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔(1)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

"(اے محبوب) آپ فرمائیے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے [1] تو میری پیروی کرو [2] (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ [3] اور بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے [4]"

[1] حب کا لفظ حاء کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح حباب کا لفظ بھی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ حب اور حباب خلاف قیاس احبہ یحبہ کے مصادر ہیں اس سے مفعول کا وزن محبوب کے وزن پر آتا ہے، محب کے وزن پر قلیل آتا ہے۔ مجرد کا باب ضرب یضرب کے وزن پر آنا بھی شاذ ہے۔ اس کا معنی محب کے دل کا محبوب کیساتھ مشغول ہونا اور انس کرنا ہے، اس طرح کہ اسے کسی اور کی طرف متوجہ ہونے سے بھی روک دیتا ہے، اس کے لئے اس کی طرف ہمیشہ متوجہ ہونے اور مشغول ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ عربوں کے اس قول کا بھی یہی معنی ہے العشق نار فی القلوب تحرق ما سوی المحبوب عشق ایک آگ ہے جو محبوب کے سوا ہر چیز کو جلا دیتی ہے، یعنی محبوب کے علاوہ غیر کی طرف توجہ کو مطلقاً ختم کر دیتی ہے، اور اسے نسیاً منسیا بنا دیتی ہے، گویا محبوب کے علاوہ کوئی چیز موجود ہی نہ تھی یہاں تک کہ نظر بصیرت سے اس کا اپنا وجود بھی گر جاتا ہے، وہ جس طرح کسی اور چیز کو نہیں دیکھتا اسی طرح اپنے نفس کو بھی نہیں دیکھتا۔ اس صفت کا مقصود محبوب کی رضا کو چاہنا اور جسے وہ ناپسند کرے اس کو طبعاً اور بالذات ناپسند کرنا اس میں نہ ثواب کی طمع ہو، نہ عقاب کا خوف ہو، اگرچہ اس کے ساتھ طمع اور خوف جمع ہو جائیں۔ یہ بندے کی طرف سے محبت کی تعریف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ تو دل اور اس کے اشتغال سے پاک ہے، اس کا کوئی عمل کسی دوسرے عمل کے لئے مانع نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حق میں محبت کا مفہوم یہ ہے کہ ایسا انس جو بندے کو اس کی جناب میں جذب مکمل نہ چھوڑنے اور غیر کی طرف متوجہ ہونے کے لئے نہ چھوڑنے کا تقاضا کرے۔ اللہ تعالیٰ کا بندے کو اپنی جناب کی طرف جذب کرنا، یہ بندے کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا سبب ہے، پس بندے کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا، یہ اللہ تعالیٰ کا بندے سے محبت

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 284 (التجاریہ)

کرنے کی فرع اور ظل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں نے تم پر اپنی خصوصی محبت کا القاء کیا اور فرمایا وہ ان سے محبت کرتا ہے۔ اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کو بندوں کی محبت پر مقدم کیا ہے۔ جس محبت کا میں نے ذکر کیا ہے یہ محبتِ ذاتیہ ہے اور امام بیضاوی نے جو ذکر فرمایا ہے کہ محبت کا معنی نفس کا کسی شے کی طرف مائل ہونا اس کمال کی وجہ سے جو اس نے محبوب میں پایا، اس طرح کہ یہ اسے برانگیختہ کرے ایسی چیز پر جو اسے محبوب کے قریب کر دے (1) یہ محبت صفاتیہ کا بیان ہے۔ یہ محبت ذاتیہ سے کئی مراحل دور واقع ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ ماں اپنے بچے سے کسی کمال کا ملاحظہ کئے بغیر محبت کرتی ہے، اسی لئے محبت ذاتیہ کے قریب ہے۔ تاہم اس میں سے نہیں ہے کیونکہ ماں کی محبت اس وجہ سے جنم لیتی ہے کہ وہ جانتی ہے کہ یہ بچہ اس کی طرف منسوب ہے مگر اللہ تعالیٰ کی محبت اس سے بہت بڑھ کر اور بلند ہے۔

صحیحین اور دوسری احادیث کی کتب میں حضرت ابو ہریرہؓ ابن عباس اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ سے مختلف الفاظ کے ساتھ مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں، ان میں سے ایک کو لوگوں کے درمیان اس نے تقسیم کر دیا ہے جس کے باعث لوگ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور اپنے اولیاء کے لئے ننانوے رحمتوں کو خاص کیا ہے۔ مگر جو امام بغویؒ نے ذکر کیا ہے کہ مومنین کی اللہ تعالیٰ سے محبت یہ ہے کہ وہ اس کے حکم کی اتباع کریں، اس کی اطاعت کو ترجیح دیں اور اس کی رضا کے طالب ہوں اور اللہ تعالیٰ کی مومنین سے محبت یہ ہے کہ وہ ان کی تعریف کرے، انہیں اعمال پر بدلہ دے اور ان کے گناہ بخش دے۔ یہ حقیقت میں محبت نہیں بلکہ یہ تو اس کا نتیجہ ہے اور اس کا بیان ہے جو اس محبت پر دلالت کرتی ہے۔

2 یہاں فاء سببیہ ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ محبت اللہ تعالیٰ کی رضا کو چاہنے کا سبب ہے۔ پسندیدہ چیز کو غیر پسندیدہ چیز سے رائے کے ذریعے ادراک نہیں کیا جا سکتا بلکہ رسولوں کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کے بتانے سے ہی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ محبت رسولوں کی اتباع کا سبب ہے اور اتباع محبت کے موجود ہونے پر دلیل ہے اور اس کا عدم محبت کے معدوم ہونے پر دلیل ہے، جس نے رسول اللہ ﷺ کی محبت کی مخالفت کرتے ہوئے محبت کا دعویٰ کیا وہ کذاب ہے، کتاب اللہ اس کی تکذیب کرتی ہے۔

3 یہ جواب امر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اِنْ تَتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت، یہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا نتیجہ ہے، جو بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت سے پہلے ہوتی ہے تو اس طرح تو دور لازم آتا ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ محبت اس محبت سے مختلف ہے۔ پس بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو محبتوں سے گھری ہوئی ہے جن میں سے ایک بندے کی محبت سے پہلے اور دوسری بعد میں ہوتی ہے پہلی محبت تو وہی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی بعد والی محبت وہ ہے جو اس رحمت و فضل کا تقاضا کرتی ہے جو اس حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے اس ایک حصہ کو بندوں میں تقسیم کیا ہے اور اپنے اولیاء کے لئے ننانوے حصوں کو خاص کیا ہے۔ بعد والی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے اور رحم فرمائے۔

4 امام بغوی نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تو عبد اللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں سے کہا حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے اپنی طاعت کو اللہ تعالیٰ کی طاعت قرار دیا ہے اور ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم ان سے اس طرح محبت کریں، جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ۝۳۲

"آپ فرمایئے اطاعت کرو اللہ کی اور (اس کے) رسول کی 1 پھر اگر وہ منہ پھیریں 2 تو یقیناً اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کفر

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 71 (فراس)

کرنے والوں کو ہے"

۱؎ یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی اطاعت ایک ہے کیونکہ رسول اللہ کی اطاعت اس حیثیت سے کہ وہ رسول اللہ ہیں، بیشک یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، کسی غیر کی اطاعت نہیں۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی مگر جس نے انکار کیا۔ صحابہ نے عرض کی کون انکار کرتا ہے یا رسول اللہ؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جس نے میری نافرمانی کی پس اس نے انکار کیا(1) متفق علیہ۔ یہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں جنت میں داخل ہونے کو آپ کی طاعت کا نتیجہ قرار دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے حضرت محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد ﷺ لوگوں میں فرق کرنے والے ہیں(2) اسے امام بخاری نے حضرت جابر سے ایک طویل حدیث میں نقل کیا ہے۔

۲؎ تو لوا میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ ماضی کا صیغہ ہو اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ مضارع کا صیغہ ہو۔ اس صورت میں مضارع کی تاء محذوف ہو گی۔ اس کی اصل یہ ہوگی فان تو لوا یعنی تم اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طاعت سے اعراض کرو۔

۳؎ یہاں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا ہے، یہ نہیں فرمایا لا یحبہم مقصود عموم اور یہ دلالت کرنا تھا کہ اعراض کرنا کفر ہے۔ اور کفر محبت کو ختم کر دیتا ہے اور محبت تو صرف مومنین کے لئے خاص ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ شرط کی جزاء محذوف ہو اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ اس کا سبب اور اس پر دلیل ہے جو اس کے قائم مقام ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّهُمْ لِاَنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ۔ یہ جملہ شرطیہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ طاعت سے اعراض کرنا اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت نہ ہونے کی دلیل ہے اور بندے کی محبت اللہ تعالیٰ کی دو محبتوں (سابق اور لاحق) سے گھری ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾

"بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کے گھرانے کو اور عمران کے گھرانے کو سارے جہان والوں پر"

۱؎ یہ صفوۃ سے باب افتعال ہے، یہ ہر چیز میں سے خالص چیز کو کہتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات، اپنی محبت اور اپنی رسالت کے لئے چن لیا۔

۲؎ اس سے مراد ابو البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، اپنی جنت میں بسایا، آپ کی اولاد میں سے تمام انبیاء کو مبعوث فرمایا، آپ سب سے پہلے نبی ہیں۔

۳؎ جب لوگوں نے اختلاف کیا اور کافر بن گئے، جبکہ اس سے پہلے وہ شریعت حقہ اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین پر تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوسروں پر پسند کیا اور آپ کی بددعا سے تمام کفار کو ہلاک کر دیا اور آپ کی اولاد کو باقی رکھا۔

۴؎ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں آل ابراہیم اور آل عمران سے مراد ان کی ذاتیں ہیں، جس طرح کہ رب العالمین کے اس ارشاد میں ہے: بَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ یہاں آل موسیٰ اور آل ہارون سے مراد ان کی ذاتیں ہیں۔ دوسرے علماء نے کہا کہ یہاں آل ابراہیم سے مراد اسماعیل، اسحاق، یعقوب، ان کی اولاد اور تمام بنی اسرائیل کے انبیاء اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اور مقاتل نے کہا عمران سے مراد عمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب ہیں، جو حضرت موسیٰ کے والد ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد عمران بن ماثان

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1081 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1081 مطبوعہ اسلام آباد (وزارت تعلیم)

جو حضرت سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے ہیں، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم کے والد ہیں(1) حضرت حسن اور وہب نے بھی یہی کہا ہے لیکن دونوں نے کہا حضرت مریم کے والد عمران بن اشہم ہیں، دونوں عمرانوں کے درمیان ایک ہزار اسی سال کا فاصلہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے دونوں کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ یہاں عمران سے مراد حضرت مریم کے والد عمران ہیں کیونکہ سیاق کلام اسی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ، سابقہ کلام میں جو اصطفاء کا ذکر ہوا تھا اس کے بیان میں واقع ہے۔ ان کو خصوصاً اس لئے ذکر کیا چونکہ انبیاء ورسل میں سے کثیر تعداد انہیں کی نسل سے تھی۔

ؒ جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر یہ ہمارے نبی ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی شامل ہے جس طرح کہ یہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو شامل ہے تو ان کا تمام جہانوں پر اصطفاء ظاہر ہے۔ اس آیت سے خاص بشر کی خاص ملائکہ پر فضیلت کا استدلال کیا گیا ہے، ورنہ عالمین سے مراد ان کے زمانے ہوں گے بغوی نے کہا حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہودیوں نے کہا ہم حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کی اولاد ہیں اور ہم ان کے دین پر ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اسلام کے ساتھ منتخب کر لیا اور تم دین اسلام پر نہیں ہو۔ امام بیضاوی نے کہا جب اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی اطاعت کو لازم کیا اور اس کی وضاحت کی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا باعث ہے، اسکے پیچھے ان کے مناقب کو بیان کیا تا کہ لوگوں کو انبیاء کی اطاعت پر برانگیختہ کیا جائے(2) بعض فاضل لوگوں نے کہا جب لوگوں کو حضور ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا اور آپ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب قرار دیا اور آپ کی نافرمانی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی محبت کے سلب کا باعث بنایا تو اس کلام کو بعد میں لاکر اس امر کو مؤکد کیا جیسے اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو ان کے مخالفین پر منتخب فرماتا ہے، انہیں رفعتیں عطا کرتا ہے، ان کے دشمنوں کو ذلیل ورسوا کرتا ہے اور انہیں نیست ونابود کر دیتا ہے تا کہ انہیں ڈرایا جائے جو آپ کی طاعت سے سرکشی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے اصطفاء کا ذکر کیا، یہاں تک کہ آپ کو مسجود ملائکہ بنادیا اور آپ کے دشمن ابلیس کو اپنی رحمتوں سے دور کر دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو جہان بھر کے کفار پر اصطفاء میں فضیلت عطا کی، یہاں تک کہ سب کو طوفان کے ساتھ ہلاک کر دیا اور آپ کی ذریت کو ہی باقی رکھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو جہان پر فضیلت عطا کی، جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تمام لوگ کافر تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے دین کو عام کیا، آپ کے مخالفین کو ذلیل ورسوا کیا۔ حضرت موسیٰ وہارون کو منتخب فرمایا، یہاں تک کہ جادوگر سجدہ ریز ہو گئے، فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کیا، کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود ان میں سے کوئی بھی نہ بچا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کو تا قیامت غالب کر دیا، جبکہ آپ کو اٹھایا گیا تو اس وقت وہ مغلوب تھے جیسے فرمایا اور وہ بنانے والا ہے ان کو جنہوں نے تیری اتباع کی ان پر غالب جنہوں نے کفر کیا قیامت تک اس وجہ سے حضرت آدم، حضرت نوح اور آپ کی آل کو خصوصاً ذکر کیا، حضرت ابراہیم اور ہمارے پیارے آقا سید المرسلین کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ حضرت ابراہیم کو عالم پر مکمل طور پر غلبہ عطا نہیں کیا۔ یہ کلام اس حوالے سے ہے کہ ہمارے پیارے آقا حضور پرنور ﷺ کو عنقریب غلبہ عطا کیا جائے گا۔

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

"یہ ایک نسل ہے[1] بعض ان میں سے بعض کی اولاد ہیں[2] اور اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔[3]"

[1] یہ فعول سے فعیلۃ کے وزن پر ہے۔ چھوٹی چیونٹی کو ذر کہتے ہیں۔ آخر میں یاء نسبت کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے چیونٹیوں کی صورت میں نکالا گیا ہے یا یہ فعولۃ کے وزن پر ہے جس کی اصل ذرء ہے، جس کا معنی پیدا کرنا ہے، اس کے ہمزہ کو یاء

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 285 (التجاریہ)　2۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 71 (فراس)

سے بدلا، پھر اس کی واؤ کو یاء سے بدلا، اس کے ماقبل کو کسرہ دیا، پھر یاء کو یاء میں ادغام کر دیا، اس طرح اولاد اور آباء کو ذریت کا نام دیا گیا۔ اولاد ذریت ہے کیونکہ یہ ان سے پیدا ہوئے۔ آباء کے لئے بھی ذریۃ کا لفظ درست ہے کیونکہ بیٹوں کی پیدائش ان سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے " ان کے لئے نشان ہے کہ ہم نے ان کی ذریت کو مشحون (بھری) کشتی میں سوار کیا، یعنی ان کے آباء کو سوار کیا۔ یہ واحد جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، حال ہونے یا دونوں آل اور نوح سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

۲؎ یہ جملہ مبتدا خبر ہے، محل نصب میں واقع ہے اور ذریۃ کی صفت بن رہا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور دونوں آل کو چن لیا اس حال میں کہ دونوں مخلوق ہیں نکالی گئی، جس طرح چیونٹیاں بعض کو بعض کی نسل سے بنایا گیا، یا بعض بعض کی مدد کرنے اور اتحاد دین میں ایک دوسرے کے حامی ہیں۔ جیسا کہ وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ (الصافات:83) کے ارشاد میں ہے۔

اگر ذریت میں اشتقاق کے معنی کا اعتبار کیا جائے جبکہ اس سے پہلے ذوالحال ہے تو پھر یہ کوئی بعید نہیں کہ بعضھا ذریت کا فاعل ہو اور من بعض اس کے (ذریۃ کے) متعلق ہو۔ تقدیر کلام یوں ہوگی مَخْلُوقَةٌ مَخْلُوقَةٌ اَوْ مُسْتَخْرَجَةٌ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ۔ یہ بھی جائز ہے بعضھا من بعض کا معنی یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ وہ قوم میں سے ایک فرد کو چنتا ہے تو قریش کو چاہئے کہ اس امر کو بعید خیال نہ کریں کہ نبی کریم ﷺ کو چنا گیا ہے جبکہ آپ انہیں میں سے ایک فرد ہیں۔

۳؎ اللہ تعالیٰ جب بعض کو بعض سے منتخب کرتا ہے تو اس کے منتخب ہونے کے متعلق لوگوں کی باتوں کو سنتا ہے۔ اصطفاء کے کون لائق ہے اس کو جانتا ہے یا اس کا معنی یہ ہوگا کہ عمران کی بیوی کے قول کو سنتا ہے اور اس کی نیت کو جانتا ہے۔

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

" جب عرض کی ۱؎ عمران کی بیوی نے ۲؎ اے میرے رب میں نذر مانتی ہوں تیرے لئے جو میرے شکم میں ہے (سب کاموں سے) آزاد کر کے ۳؎ سو قبول فرمالے (یہ نذرانہ) ۴؎ مجھ سے بے شک تو ہی (دعائیں) سننے والا (نیتوں کو) جاننے والا ہے۔ ۵؎ "

۱؎ یہ (اذ) علیم کے متعلق ہے یا اذکر فعل کی وجہ سے منصوب ہے۔

۲؎ یہاں عمران سے مراد ابن ماثان یا ابن اشہم ہے۔ بنو ماثان بنی اسرائیل کے سردار تھے، ان کے علماء اور بادشاہ تھے، عمران کی بیوی کا نام حنہ بنت فاقودا تھا۔ یہ بانجھ تھیں اور سن رسیدہ بھی۔ اسی اثناء میں ایک روز یہ درخت کے سائے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے ایک پرندہ دیکھا جو ایک بچے کو خوراک دے رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر ان کے نفس نے بچے کی خواہش کی۔ یہ اس خاندان سے تعلق رکھتی تھی جو اللہ تعالیٰ کا بڑا برگزیدہ خاندان تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بچے کے لئے دعا کی تو وہ حضرت مریم کیساتھ حاملہ ہو گئیں۔ ابن جریر نے ابن اسحاق اور عکرمہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

۳؎ محررا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی وہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا۔ دنیا کے کسی کام کے لئے میں اسے مشغول نہ کروں گی، وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فارغ ہوگا۔ یہ نذر ان کے دین میں بچوں کے بارے میں جائز تھی۔ ابن جریر نے قتادہ اور ربیع سے نقل کیا ہے کہ جب کسی بچہ کو دنیاوی مشاغل سے آزاد کر دیا جاتا تو اسے گرجا گھر میں چھوڑ دیا جاتا تا کہ وہ اس کو صاف کرے، اس کی

خدمت کرے، وہ اس وقت تک وہاں سے نہ جاتا۔ جب تک وہ بالغ نہ ہو جاتا پھر اس کو اختیار ہوتا چاہے تو وہاں ہی مقیم رہے، چاہے تو چلا جائے۔ انبیاء واولیاء میں سے کسی کی اولاد نہ ہوتی مگر اسے بیت المقدس کے لئے وقف کیا جاتا۔ صرف بچوں کو ہی وقف کیا جاتا۔ شاید حنہ نے معاملہ تقدیر پر چھوڑ دیا ہو یا انہوں نے بچہ طلب کیا ہو۔

۴ نافع، ابو عمرو نے منی کی یاء کو فتحہ دیا ہے اور باقی قراء نے اس کو ساکن پڑھا ہے، یعنی میں نے جو نذر مانی ہے اسے مجھ سے قبول فرمالے۔

۵ یعنی تو میرے قول کو سنتا ہے اور میری نیت کو جانتا ہے۔ آپ کے خاوند نے کہا تجھ پر افسوس تو نے کیا کیا، بتاؤ اگر تیرے پیٹ میں بچی ہو جو اس کام کے لئے مناسب نہیں، دونوں اس وجہ سے پریشان ہو گئے۔ عمران تو فوت ہو گئے اور حنہ حضرت مریم کیساتھ حاملہ ہو گئیں۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ط وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ط وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ج وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾

" پھر جب اس نے جنا اسے ۱ (تو حیرت وحسرت سے بولی) ۲ اے رب! میں نے تو جنم دیا ایک لڑکی کو ۳ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اس نے جنا ۴ اور نہیں تھا لڑکا (جس کا وہ سوال کرتی تھی) مانند اس لڑکی کے ۵ اور (ماں نے کہا) میں نے نام رکھا ہے اس کا مریم ۶ اور میں بے تیری پناہ میں دیتی ہوں اسے ۷ اور اس کی اولاد کو ۸ شیطان مردود (کے شر) سے ۹ "

۱ ھا ضمیر ما فی بطنھا کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ضمیر مؤنث اس لئے ذکر کی گئی ہے کیونکہ پیدا بچی ہوئی تھی یا نفس یا جبلہ کی تاویل کرتے ہوئے مؤنث ذکر کی ہے۔

۲ اس نے حسرت کرتے ہوئے کہا جب کہ بچے کی امید کر رہی تھی۔

۳ یا اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور معذرت کرتے ہوئے یہ کلمات کہے کہ اس نے اسے بیت اللہ شریف کی خدمت کے لئے وقف کیا تھا۔

۴ ابن عامر، ابو بکر اور یعقوب نے وضعت پڑھا ہے جو واحد متکلم کا صیغہ ہوگا۔ اس صورت میں یہ عمران کی بیوی کا قول ہوگا جو اپنے آپ کو تسلی دے رہی ہوگی، یعنی اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی راز ہوگا اور مؤنث بہتر ہے۔ باقی سب نے غائب کا صیغہ پڑھا ہے یعنی وَضَعَتْ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جملہ مستانفہ ہوگا۔ مقصود پیدا ہونے والے کی عظمت بیان کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ اس کی والدہ اس کی شان سے غافل تھی۔

۵ یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ عمران کی بیوی کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں معذرت کے طور پر ہو کہ اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے پیش کرے یعنی مذکر اپنی قوت اور صلاحیت کی وجہ سے عبادت گاہ کی خدمت کے لئے عورت جیسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اسے پردہ لازم ہے، یہ کمزور ہوتی ہے، ساتھ ہی ساتھ اسے حیض اور نفاس کے عوارض لاحق ہوتے ہیں پھر دونوں کلموں میں لام جنس کے لئے ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو۔ معنی یہ ہو کہ وہ مذکر جس کو تو نے طلب کیا تھا وہ اس مؤنث کی طرح نہیں جو تجھے عطا کی گئی، بلکہ یہ مؤنث اس مذکر سے افضل ہے۔ اس میں الف لام عہدی ہے۔ یہ تاویل پہلی تاویل سے بہتر ہے۔ اگر یہ کلام معذرت کے طور پر ہوتی تو وہ کہتی لَيْسَتِ الْأُنْثَىٰ كَالذَّكَرِ

۶ اس کا عطف عمران کی بیوی کے کلام پر ہے اور درمیان میں کلام جملہ معترضہ کے طور پر ہے۔ مریم ان کی لغت میں عبادت کو کہتے ہیں، انہوں نے یہ نام اس لئے رکھا تا کہ اللہ تعالیٰ اسے اسم بامسمیٰ بنا دے۔ مسند الیہ کو مقدم کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ نام انہوں نے ہی رکھا، یعنی

اس کا والد موجود نہیں اور وہ یتیم ہے۔ اس میں بچی کے لئے مہربانی طلب کرتا ہے۔

؎ نافع نے انی کی یاء کو فتح اور باقی قراء نے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔

؎ اعیذھا بک میں اسے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

؎ اور اس کی اولاد کو بھی۔

؎ رجیم کا معنی دھتکارہ ہوا ہے۔ رمی کا اصل معنی پتھر مارنا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا، مگر اس کی پیدائش کے وقت شیطان اسے چھوتا ہے، شیطان کے چھونے سے وہ بچہ چیختا چلاتا ہے مگر حضرت مریم اور آپ کے بیٹے کو شیطان نے نہ چھوا(1) متفق علیہ۔ یعنی اس دعا مانگنے کی برکت سے شیطان انہیں نہ چھو سکا۔ حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا شیطان ہر بچے کی پیشانی میں دو انگلیاں مارتا ہے، مگر عیسیٰ بن مریم کو نہ ماریں وہ مارنے لگا تو آپ کو حجاب میں کر لیا گیا(2) میں کہتا ہوں یہ درست ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ کے بارے میں بھی کہا جبکہ آپ کی شادی حضرت علی سے کی اے اللہ میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان کے شر سے تیری پناہ میں دیتا ہوں(3) اسی طرح حضرت علی نے فرمایا جسے ابن حبان نے حضرت انس سے روایت کیا، حضور ﷺ کی دعا حضرت عمران کی بیوی کی دعا سے زیادہ قبولیت کے لائق ہے، میں آپ کی اور آپ کی اولاد کی شیطان مردود کے چھونے سے محفوظ ہونے کی امید رکھتا ہوں۔ حضرت مریم اور آپ کے بیٹے کو شیطان کے نہ چھونے کا حصر حدیث سے ثابت ہے۔ یہ حصر اضافی ہوگا جب ہم اسے ام کی طرف منسوب کریں گے۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

"پھر قبول فرمایا اسے ؎ ان کے رب نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ ؎ اور پروان چڑھایا اسے اچھا پروان چڑھانا ؎ اور نگران بنا دیا اس کا ؎ زکریا کو ؎ جب بھی جاتے مریم کے پاس زکریا ؎ (اس کی) عبادت گاہ میں ؎ (تو) موجود پاتے اس کے پاس کھانے کی چیزیں ؎ (ایک بار) بولے اے مریم! کہاں سے تمہارے لئے آتا ہے یہ (رزق) مریم بولیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے ؎ بے شک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے بے حساب ؎"

؎ یہ قبلھا کے معنی میں ہے، یعنی مریم کو مذکر کی جگہ حنہ سے قبول کر لیا۔ یا یہ استقبلھا کے معنی میں ہے، یعنی جونہی اس نے جنا اس وقت اسے لے لیا جس طرح تعجل استعجل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

؎ یہاں قبول مفعول مطلق نہیں، ورنہ کلام قبولا حسنا ہوتی، بلکہ یہ نام ہے اس کا جس کے ساتھ کسی چیز کو قبول کیا جاتا ہے جیسے السعوط واللدود یعنی اچھے طریقے سے جس سے نذریں قبول کی جاتی ہیں۔ قبول حسن یہ محبوبین کا قبول ہے جو اہل اجتباء (چنے ہوئے) ہیں (ا) نہ

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 265 (قدیمی) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 286 (التجاریہ) 3۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 652 (وزارت تعلیم)

(ا) وہ مقام محبوبیت پر فائز ہیں، ان کے اعمال کو دیکھتے ہوئے اس شان سے انہیں نوازا۔

مریدین کا قول ہے جو اہل ہدایت (ا) ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی عبادت کے لئے چن لیا اور جہاں بھر کی عورتوں پر اسے فضیلت دی اسے گناہوں اور حیض سے پاک کیا جب کہ پہلے نہ ان کا عمل تھا، نہ ان کی کوئی کوشش تھی۔ اگر قبول مفعول مطلق ہو تو پھر تقدیر کلام یوں ہوگی بامر ذی قبول حسن اور وہ اختصاص ہے۔ اس کے تعین کا مبدأ اہل اصطفاء کے تعینات کے مبادی میں سے ہے۔

۳؎ نباتا مفعول مطلق ہے جو فعل کے باب سے نہیں۔ معنی اس کا یہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے اسے پروان چڑھایا پس وہ اچھی طرح پروان چڑھا ہے، وہ ایک دن اتنی بڑھتیں جتنا بچہ ایک سال میں بڑھتا ہے۔ ابن جریر نے عکرمہ، قتادہ اور سدی سے نقل کیا ہے جب حنہ نے مریم کو جنا، اسے ایک کپڑے میں لپیٹا اور مسجد کی طرف لے گئیں اور اسے حضرت ہارون کی اولاد کے علماء کے پاس رکھا۔ فرمایا اس نذر کو قبول کرو۔ علماء نے اس میں باہم مقابلہ شروع کر لیا کیونکہ یہ ان کے امام اور قربانیں والے کی بیٹی تھی۔ حضرت زکریا نے کہا میں تم سب سے اس کو کفالت میں لینے کا زیادہ حق رکھتا ہوں کیونکہ اس کی خالہ میرے عقد میں ہے، جن کا نام اشیاع بنت فاقود تھا جو حضرت یحییٰ کی والدہ تھی۔ علماء نے قرعہ کے بغیر اسے حضرت زکریا کی کفالت میں دینے سے انکار کر دیا، وہ سب دریا کی طرف چل پڑے، جبکہ ان کی تعداد ستائیس تھی۔ سدی نے کہا یہ دریا اردن تھا۔ انہوں نے اپنی قلمیں اس پر پھینک دیں کہ جس کی قلم ٹھہر گئی اور پانی پر بلند ہوگی۔ یہ بچی اس کی کفالت میں رہے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ اپنی قلموں سے تورات لکھتے تھے، انہوں نے وہی قلمیں پھینکی تھیں جو ان کے پاس تھیں، حضرت زکریا کی قلم ٹھہر گئی اور پانی پر چڑھ آئی، باقی قلمیں نیچے اتر گئیں اور نہر میں بہہ گئیں۔ محمد بن اسحاق نے بھی یہی کہا ہے۔ سدی اور ایک جماعت نے کہا بلکہ حضرت زکریا کی قلم اپنی جگہ پر ثابت رہی اور پانی پر قائم ہو گئی، گویا کہ وہ مٹی میں گڑھی ہوئی ہے جبکہ دوسری قلمیں بہہ گئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے حضرت زکریا کی قلم پانی کی اوپر والی سطح کی طرف بلند ہوئی اور ان کی قلمیں پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہہ گئیں اور پانی انہیں لے گیا۔ حضرت زکریا نے قرعہ ڈالا تھا، آپ علماء کے سردار اور نبی تھے۔(1)

۴؎ حمزہ، کسائی اور عاصم نے کفل کی فاء کو مشدد پڑھا ہے۔ یہ باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کیونکہ ذہنوں میں وہ راسخ ہے، اس لئے اسم کے ذکر کے بغیر بھی ضمیر لانا صحیح ہے یا اس میں پوشیدہ ضمیر ربھا کی طرف لوٹ رہی ہے۔ باقی قراء نے اس کو مخفف پڑھا ہے، اس صورت میں یہ مجرد ہوگا اور فاعل زکریا ہوگا۔

۵؎ جمہور علماء نے زکریا کو الف ممدودہ کیساتھ پڑھا ہے۔ یہ لفظ مرفوع ہے اور اور حمزہ کسائی اور حفص نے عاصم سے الف مقصورہ کیساتھ پڑھا ہے۔ یہ مفعول ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے اور ابو بکر نے عاصم سے الف ممدودہ کے ساتھ لفظاً منصوب پڑھا ہے۔ جمہور کی قرأت کے مطابق اسکا معنی یہ ہوگا اس کے معاملات کے نگران حضرت زکریا بنے۔ کوفیوں کی قرأت کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قرعہ کے ساتھ حضرت زکریا کے ساتھ ملا دیا جو حضرت سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے تھے حضرت زکریا نے ان کے لئے ایک الگ کمرہ بنوایا، اس کیلئے دودھ پلانے کے لئے اہتمام کیا۔ محمد ابن اسحاق نے کہا حضرت زکریا نے حضرت مریم کو اس کی خالہ کے سپرد کر دیا جو حضرت یحییٰ کی والدہ تھیں، یہاں تک کہ جب وہ جوان ہوئیں اور عورتوں کی عمر کو پہنچیں تو حضرت زکریا نے ان کے لئے مسجد میں عبادت کی جگہ بنا دی، اس کا دروازہ اس کے درمیان میں رکھا جس میں سیڑھی کے ذریعے ہی داخل ہوا جا سکتا تھا، جس طرح بیت اللہ شریف کا دروازہ ہے۔ حضرت زکریا کے علاوہ کوئی بھی وہاں نہیں جا سکتا تھا، حضرت زکریا ہی ان کے پاس کھانا، مشروب اور تیل ہر روز لاتے۔

۶؎ یہاں بھی لفظ زکریا کو الف ممدودہ اور الف مقصورہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے، جس طرح تمام قرآن میں موجود ہے۔ اس جملہ سے پہلے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 287 (التجاریہ) (ا) وہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہیں، پھر جا کر انہیں قبولیت نصیب ہوتی ہے۔

حرف عطف ذکر نہیں فرمایا کیونکہ یہ جملہ بھی ماقبل جملہ کی وضاحت کرتا ہے، یعنی تقبلها بقبول حسن یا مسند اور مسند الیہ کے اعتبار سے جامع نہ ہونے کی وجہ سے عطف نہیں کیا گیا۔ کلما ظرف زمان ہے جس میں شرط کا معنی موجود ہے جو چیز اس کا جواب ہوتی ہے وہ اسے نصب دیتی ہے یعنی وجد۔

ے اس سے مراد وہ کمرہ ہے جو حضرت زکریا نے حضرت مریم کے لئے بنایا تھا۔ محراب بیٹھنے کی معزز ترین جگہ یا اگلے حصہ کو کہتے ہیں۔ مسجد کو بھی محراب کہتے ہیں کیونکہ یہ شیطان کیساتھ جنگ کرنے کی جگہ ہے۔ مبرد نے کہا اس وقت تک کوئی جگہ محراب نہیں بن سکتی جب تک اس تک پہنچنے کے لئے زینہ نہ چڑھنا پڑے۔ ابن جریر نے ربیع بن انس سے روایت نقل کی ہے، کہا جب حضرت زکریا حضرت مریم کے پاس سے واپس آتے تو آپ پر سات دروازے بند کر دیتے جب آپ کے پاس کمرے میں جاتے،

۸ تو غیر موسمی پھل پاتے، موسم گرما کے پھل موسم سرما اور موسم سرما کے پھل موسم گرما میں۔

۹ حضرت زکریا نے اسے مستبعد جانتے ہوئے کہا اے مریم یہ کس جگہ سے یا کیسے تمہارے پاس آتا ہے؟ ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ان کا رزق جنت سے آتا تھا۔ حضرت حسن بصری نے کہا جب سے حضرت مریم کی ولادت ہوئی آپ نے کسی کا پستان اپنے منہ میں نہیں لیا، ان کا رزق جنت سے آتا تھا، آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح چھوٹی عمر میں کلام کی تھی۔

۱۰ بغیر اندازہ کے عطا فرماتا ہے، یعنی کثیر عطا فرماتا ہے، یا بغیر استحقاق کے فضل و احسان فرماتے ہوئے عطا کرتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حضرت مریم کا کلام ہو اور یہ بھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو۔ یہ قصہ اولیاء اللہ کی کرامت پر دلیل ہے۔ اسے حضرت زکریا کا معجزہ بتانا درست نہیں کیونکہ ان کے اوپر معاملہ کا مشتبہ ہونا ان کے معجزہ ہونے کو رد کرتا ہے۔ جب آپ نے یہ کہا تھا انی لک هذا۔ ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں حضرت جابر کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں دو روٹیاں اور گوشت بطور ہدیہ بھیجا۔ آپ وہ کھانا حضرت فاطمہ کے پاس لائے اور فرمایا میری بیٹی ادھر آؤ۔ حضرت فاطمہؓ نے تھال سے پردہ ہٹایا تو روٹیوں اور گوشت سے بھرا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا یہ کہاں سے آیا؟ حضرت فاطمہ نے عرض کی یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے بغیر حساب کے دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تمام تعریفیں اس ذات پاک کے لئے ہیں جس نے تجھے بنی اسرائیل کی عورتوں کی سردار کے مشابہ بنایا۔ پھر آپ نے حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین، اور تمام گھر والوں کو جمع کیا، وہ سب سیر ہو گئے اور کھانا اسی طرح باقی بچ گیا۔ حضرت فاطمہؓ نے اسے پڑوسیوں پر تقسیم کر دیا۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُۥ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَآءِ ﴿٣٨﴾

"وہیں ۱ دعا مانگی زکریا نے اپنے رب سے عرض کی اے میرے رب! عطا فرما مجھ کو اپنے پاس سے ۲ پاکیزہ اولاد بے شک تو ہی سننے والا ہے دعا کا ۳"

۱ ھنا سے مراد وہ جگہ ہے یا وہ وقت ہے جب حضرت زکریا نے حضرت مریم کی کرامت اور اللہ تعالیٰ کے انعام کو دیکھا اور یہ خیال کیا کہ ان کا خاندان تو ختم ہوا چاہتا ہے کیونکہ آپ کا کوئی بچہ نہ تھا جو علم و نبوت کا وارث ہوتا اور اپنے چچازاد بھائیوں کے بارے میں خوف محسوس کیا کہ کہیں اس کے بعد دین کو ضائع ہی نہ کر دیں۔ محراب میں داخل ہوئے اور دروازوں کو بند کر دیا۔

۳؎ حضرت زکریا نے یہ دعا کی اے میرے رب! عام قانون سے ہٹ کر اپنی بارگاہ اقدس سے بیٹا عطا کر" یہ اس لئے عرض کی تھی کیونکہ آپ کی بیوی بانجھ ہو چکی تھی اور آپ خود بوڑھے ہو چکے تھے" جس طرح تو حضرت مریم کو خلاف عادت رزق عطا فرماتا ہے۔

۴؎ یعنی بچہ یہ لفظ واحد، جمع مذکر مونث سب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ طیبۃ کے لفظ کو مونث اس لئے ذکر کیا کیونکہ ذریۃ کا لفظ مونث ہے یعنی صالح معصوم گناہوں سے پاک۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

"پھر آواز دی ان کو فرشتوں نے ۱؎ جبکہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے (اپنی) عبادت گاہ میں ۲؎ کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتا ہے آپ کو ۳؎ یحییٰ کی ۴؎ جو تصدیق کرنے والا ہوگا ۵؎ اللہ کی طرف سے ایک فرمان کی ۶؎ اور سردار ہوگا ۷؎ اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ہوگا ۸؎ اور نبی ہوگا صالحین سے ۹؎۔"

۱؎ حمزہ اور کسائی نے اس فنادی کو الف اور امالہ کے ساتھ مذکر کا صیغہ پڑھا ہے، کیونکہ فاعل اسم ظاہر مونث غیر حقیقی ہے۔ باقی قراء نے تاء کے ساتھ مونث غائب کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ ملائکہ کا لفظ جمع مکسر ہونے کی بناء پر مونث ہے۔ ابراہیم سے مروی ہے فرمایا عبداللہ قرآن حکیم میں ملائکہ کو مذکر ذکر کرتے۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ عبداللہ نے ملائکہ کو مشرکین سے اختلاف کرنے کی بناء پر مذکر ذکر کیا کیونکہ مشرکین کہتے ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، نعوذ باللہ۔ ندا کرنے والے حضرت جبرئیل امین تھے۔ جریر نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے یہاں جمع کا صیغہ لانے میں یہ حکمت کارفرما ہے جیسے مفضل بن سلمہ نے کہا جب فاعل رئیس ہو تو اس کو جمع کے ساتھ ذکر کرنا درست ہوتا ہے کیونکہ اس کے ساتھی بھی اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ حضرت جبرئیل امین ملائکہ کے رئیس تھے۔ شاید ہی کوئی ایسا موقعہ ہو جب آپ کے ساتھ فرشتوں کی جماعت نہ ہو۔ اس وجہ سے اس کو جمع ذکر کیا۔ ایک معنی یہ کیا گیا ہے کہ فرشتوں کی جنس میں سے کسی نے ندا دی، جس طرح تیرا یہ کہنا زید گھوڑے پر سوار ہوتا ہے۔

۲؎ یعنی حضرت زکریا علیہ السلام قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ محراب سے مراد یہاں مسجد ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زکریا بہت بڑے عالم تھے، قربانی کی جگہ کے قریب ہوتے مذبح کا دروازہ کھولتے، کوئی آدمی بھی داخل نہ ہوتا جب تک آپ اسے اجازت نہ دیتے۔ اسی اثناء میں کہ آپ مذبح کے نزدیک مسجد میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے لوگ انتظار کر رہے تھے کہ آپ انہیں داخل ہونے کی اجازت دیں کہ ایک نوجوان آدمی جس نے سفید کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے آپ کے پاس آ گیا، آپ گھبرا گئے، وہ جبرئیل امین تھے، اس نے یا زکریا کہہ کر ندا دی۔

۳؎ حمزہ اور ابن عامر نے انّ کو ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہاں قول مضمر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ فَقَالَتْ اِنَّ اللّٰهَ۔ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حمزہ نے اسے پیش کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی یاء پر فتحہ باء کو ساکن اور شین کو مضموم پڑھا ہے۔ جہاں بھی قرآن میں یہ لفظ واقع ہوا ہے وہ تخفیف کے ساتھ واقع ہوا ہے۔ کسائی نے یہاں دو مواقع پر اور سورۂ سبحان، کہف اور عسق میں موافقت کی ہے۔ ابن کثیر اور ابوعمرو نے عسق میں ان کے ساتھ موافقت کی ہے۔ باقی قراء نے یاء کو ضمہ، باء کو فتحہ اور شین کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

۴؎ ان کا یہ نام اس لئے رکھا کیونکہ اس کے ذریعے سے ان کی ماں کے بانجھ پن کو ختم کر کے دوبارہ زندہ کیا۔ ابن عباس نے اس طرح کہا حضرت قتادہ نے کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو ایمان اور طاعت کے ساتھ زندہ کیا، یہاں تک کہ انہوں نے نہ نافرمانی کی اور نہ ہی نافرمانی کا قصد کیا[1]

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 289 (التجاریہ)

۵ یہ حال مقدرہ ہے۔

۶ یعنی عیسیٰ علیہ السلام ان کا یہ نام اس لئے رکھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فرمایا بغیر باپ کے ہو جا تو وہ ہو گیا۔ ان کا کلمہ نام اس لئے واقع ہوا کیونکہ اسی کے ساتھ ان کی پیدائش ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو کلمہ اس لئے فرمایا گیا کیونکہ ان کے ساتھ بھی اس طرح ہدایت حاصل کی جاتی تھی جس طرح اللہ تعالیٰ کی کلام سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ صوفیاء کرام نے کہا ان کے تعین کا مبدا صفت کلام ہے حضرت یحییٰ علیہ السلام وہ پہلے شخص تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور تصدیق کی تھی۔ حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عمر میں چھ ماہ بڑے تھے۔ صحیحین میں حدیث معراج میں ہے یہ دونوں خالہ زاد تھے۔ سابقہ بحث میں گزر چکا ہے کہ حضرت یحییٰ حضرت مریم کی خالہ کے بیٹے تھے۔ اس روایت کے صحیح ہونے کی صورت میں ان دونوں کا خالہ زادہ ہونا مجاز پر محمول ہوگا جس طرح حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا تیرا چچا زاد کہاں ہے، یعنی حضرت علی شیر خدا، جبکہ حضرت علی شیر خدا حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے سے قبل حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا تھا۔

۷ آپ اپنی قوم کے رئیس تھے، علم، عبادت، تقویٰ اور تمام بھلائی کے کاموں میں ان سے بڑھ کر تھے۔ مجاہد نے کہا سید کا معنی اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کا معنی حلیم ہے جسے کوئی چیز غصہ نہیں دلاتی۔ سفیان نے کہا جو حسد نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی قناعت کرنے والا ہے۔ ایک اور یہ قول کیا گیا ہے کہ اس کا معنی سخی ہے۔ جنید نے کہا مکون (پیدا کرنے والا) کے بدلہ میں کونین کی سخاوت کر دے۔

۸ اس کی اصل حصر ہے جس کا معنی روکنا اور منع کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا وہ عورتوں کے پاس نہ آتے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ اس خواہش سے ہی بے نیاز تھے، جس طرح کہ ایک روایت میں آیا ہے۔ میں کہتا ہوں اگر وہ عنین تھے بھی تو یہاں یہ لفظ عنین کے معنی میں نہیں کیونکہ یہ مدح نہیں جبکہ یہ مقام مدح ہے۔ بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ انہیں روک دیا گیا (وہ محفوظ تھے) اپنے نفس کو خواہشات اور لہو ولعب کے کاموں سے روکنے والے تھے۔ ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابن عساکر نے عمرو بن عاص سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا جو بندہ بھی اللہ سے ملاقات کرے گا اس نے گناہ کیا ہو گا مگر یحییٰ بن زکریا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے سیدا و حصورا۔ یہ بھی کہا گیا وہ عنین تھے اور انگلیوں کے پوروں سے اشارہ کرتے تھے۔ حضور ﷺ کا ارشاد کَانَ ذَكَرُهُ مِثْلَ هُدْبَةِ الثَّوْبِ(1) یہ حصور کا بیان نہیں بلکہ یہ معصوم کا بیان ہے اور یہ امر واقعہ کا بیان ہے۔ ابن ابی شیبہ اور احمد نے زہد میں، ابن ابی حاتم نے ایک اور سند سے ابن عمر سے موقوف نقل کیا ہے، یہ موقوف روایت مرفوع روایت سے سند میں زیادہ قوی ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر بنی آدم اللہ تعالیٰ سے گناہ گار حالت میں ملے گا، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے عذاب دے، اگر چاہے تو اس پر رحم فرمائے مگر یحییٰ بن زکریا، کیونکہ وہ سید اور صالح نبی تھے(2) پھر آپ نے اپنا ہاتھ زمین پر پڑے تنکے کی طرف بڑھایا اور اسے اٹھا لیا فرمایا ان کا آلۂ تناسل اس تنکے جیسا تھا۔ عبد الرزاق نے اپنی تفسیر میں قتادہ سے موقوفاً نقل کیا ہے۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں معاذ بن جبل سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ حضرت یحییٰ اپنے بچپن میں بچوں کے پاس سے گزرے، ان بچوں نے آپ کو کھیلنے کی دعوت دی۔ آپ نے فرمایا ہم کھیل کے لئے پیدا نہیں کئے گئے۔

۹ اور نبی پیدا ہوئے صالحین کی اصلاب سے مراد اس کی یہ ہے کہ وہ معصوم انبیاء سے پیدا ہوئے یا ایسے افراد سے شمار ہوتے جو گناہ صغیرہ اور نہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 39 (العلمیہ)　　2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 39 (العلمیہ)

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝٤٠

"زکریا کہنے لگے ۱ اے رب! کیونکر ہوگا میرے ہاں لڑکا ۲ حالانکہ آ گیا ہے مجھے بڑھاپے نے ۳ اور میری بیوی بانجھ ہے ۴ فرمایا بات اسی طرح ہے (جیسی تم نے کہی) لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے ۵"

۱ حضرت زکریا نے جبرئیل امین کی طرف متوجہ ہوئے بغیر اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہوئے کہا

۲ آپ سے یہ قول طبیعت کے تقاضا کے طور پر صادر ہوا کیونکہ یہ عادت کے خلاف تھا۔ یا آپ نے اسے عظیم جانتے ہوئے اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا جو طبیعت کا تقاضا تھا کیونکہ بعض اوقات طبیعت کا تقاضا عقل کے تقاضا پر غالب آ جاتا ہے، ورنہ عقل اور علم دونوں یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں اور نہ ہی اس میں تعجب کی بات ہے، جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ تو وعدہ کرنے کے باوجود آپ پر اعتراض کیا اور کہا تو مجھے پائے گا صابر، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔ عکرمہ اور سدی نے کہا کہ جب فرشتوں کی ندا کو سنا تو شیطان آپ کے پاس حاضر ہوا، کہا اے زکریا یہ آواز اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہے بے شک یہ تو شیطان کی جانب سے ہے، اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی تو وہ ضرور وحی کرتا تو آپ نے یہ کلام کی تاکہ وسوسہ کو دور کردیں۔ حضرت حسن نے کہا کہ حضرت زکریا نے یہ جملہ اس لئے کہا تاکہ اس بچے کی پیدائش کی کیفیت کے بارے میں سوال کریں، یعنی کس طرح ہمارا بچہ ہوسکتا ہے، کیا اس طرح کہ تو مجھے اور میری بیوی کو جوان بنا دے، اس کے بانجھ پن کو ختم کردے، یا اس کی صورت یہ ہو کہ تو مجھے کسی اور عورت سے بچہ عطا فرمائے، یا ہمیں پہلی حالت پر رکھتے ہوئے ہمیں بچہ عطا فرما دے۔

۳ ترکیب کلام مقلوب ہے۔ یعنی میں بوڑھا ہو چکا ہوں یا اس کا معنی یہ ہے مجھے بڑھاپے نے آ لیا اور مجھے کمزور کر دیا۔ ان دنوں آپ کی عمر بانوے سال تھی۔ کلبی نے اسی طرح کہا ہے۔ ضحاک نے کہا آپ کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور آپ کی زوجہ کی عمر اٹھانوے سال تھی (1)

۴ یعنی میری بیوی بچہ نہیں جن سکتی۔ عاقر کا لفظ مذکر اور مونث میں برابر استعمال ہوتا ہے۔

۵ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے، یعنی معاملہ اس طرح ہے یعنی تیرا بچہ پیدا ہوگا جبکہ آپ بوڑھے ہیں اور آپ کی بیوی بانجھ ہے۔ یا یہ خبر ہے اور مبتدا لفظ اللہ ہے۔ پھر ترکیب کلام یوں ہوگی کذلک اللّٰہ یفعل مایشاء۔ اس کا بیان ہوگا یا لفظ اللہ اسم جلالت مبتدا ہوگا اور مابعد جملہ اس کی خبر ہوگا اور کذلک مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہوگا۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو فعل چاہے ایسا کرتا ہے جس طرح یہ فعل یعنی اس کی مثل جو ہم نے آپ سے وعدہ کیا، اگرچہ خلاف عادت ہے۔ یا یہ مایشاء سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝٤١

"عرض کی اے میرے رب! مقرر فرما دے میرے لئے ۱ کوئی نشانی ۲ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ نہ بات کر سکو گے لوگوں سے ۳ تین دن مگر اشارہ سے ۴ اور یاد کرو اپنے پروردگار کو بہت ۵ اور پاکی بیان کرو ۶ (اس کی) شام کے اور صبح ۷"

۱ حضرات نافع، ابو عمرو نے لی کی یاء کو فتحہ اور باقی قراء نے اسے سکون دیا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 290 (التجاریہ)

۲؎ یعنی علامت جس کے ذریعے سے میں اپنی بیوی کے حمل کے وقت کو پہچان لوں، پس تیرا شکر بجالانے کے لئے عبادت میں زیادتی کروں۔(1)

۳؎ یعنی تو لوگوں کے ساتھ بات چیت کرنے پر قادر نہ ہوگا جب کہ تو ذکر پر قادر ہوگا۔

۴؎ مگر اشارہ کے ذریعے جیسے ہاتھ اور سر کے ساتھ اشارہ۔ اس کا (رمز) اصل معنی حرکت دینا ہے۔ یہاں مستثنیٰ منقطع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ مستثنیٰ متصل ہے۔ یہاں کلام سے مراد وہ چیز ہے جو مافی الضمیر پر دلالت کرے۔ عطاء نے کہا اس سے مراد تین دن کے روزے ہیں کیونکہ جب وہ روزے رکھتے تو اشاروں کے ساتھ کلام کرتے۔

۵؎ یعنی جب تیرے لئے نشانی ظاہر ہو تو شکر بجالاتے ہوئے زیادہ ذکر کر۔

۶؎ اور نماز پڑھ

۷؎ اس سے مراد زوال شمس سے لے کر رات کے بعض حصہ تک گزرنا یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء سب کہ یہ شامل ہے۔

۸؎ یعنی فجر کی نماز سے لے کر چاشت تک۔

وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓىٕكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ۝

"اور جب کہا ۱؎ فرشتوں نے ۲؎ اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے تمہیں ۳؎ اور خوب پاک کر دیا ہے تمہیں ۴؎ اور پسند کیا ہے تجھے سارے جہان کی عورتوں سے ۵؎"

۱؎ اس کا عطف اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ پر ہے۔

۲؎ یعنی جبرئیل امین نے براہ راست بات کی۔

۳؎ یعنی تجھے تجلیات ذاتیہ دائمہ کے ساتھ اپنے لئے منتخب کر لیا جسے صوفیاء نے کمالات نبوت سے تعبیر کیا ہے۔ یہ اصل میں تو انبیاء کے لئے ہوتا ہے جبکہ بالتبع صدیقین کے لئے بھی ہوتا ہے۔ آپ صدیقہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ

۴؎ تجھے گناہوں سے پاک کیا حفاظت کرنے، بخشنے اور شیطان کو راہ نہ دینے کے ساتھ، جس طرح شیخین کی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی روایت میں گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آپ کو مردوں کے مس کرنے اور ایک قول میں حیض سے پاک کیا گیا ہے۔

۵؎ یعنی تجھے فضیلت دی تیرے زمانے کی عورتوں پر حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرمایا کہ عورتوں میں سے بہترین مریم بنت عمران ہیں اور عورتوں میں سے بہترین خدیجہ الکبریٰ ہیں، متفق علیہ۔ ایک روایت میں ہے ابو کریب نے کہا اور وکیع نے آسمان اور زمین کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جہاں کی عورتوں میں سے از روئے عزو شرف کے تیرے لئے مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد ﷺ اور آسیہ زوجہ فرعون کافی ہیں(2) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مردوں میں سے تو کثیر کمال پر فائز ہوئے عورتوں میں سے کمال پر فائز نہ ہوئی مگر بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون اور حضرت عائشہ کی فضیلت عورتوں پر یوں ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے(3) متفق علیہ۔ میری رائے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا معنی یہ ہوگا کہ سابقہ امتوں میں سے کوئی عورت کمال پر فائز نہیں ہوئی مگر مریم اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 290 (التجاریہ) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 229 (وزارت تعلیم) 3۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 532 (و۔ت)

آسیہ اس پر حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی فضیلت ایسی ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ یہ جملہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حضرت مریم اور حضرت آسیہ پر فضیلت پر دلالت کرتا ہے اور صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے فاطمہ کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تو جنتی عورتوں یا (فرمایا) مومنوں کی عورتوں کی سردار ہو۔ ابوداؤد، نسائی اور حاکم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنتی عورتوں میں سے افضل حضرت خدیجہ بنت خویلد اور حضرت فاطمہؓ بنت محمد ﷺ ہیں (1) احمد، ترمذی، نسائی ابن حبان اور حاکم نے حضرت حذیفہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا، اس نے مجھ پر سلام کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی، اس نے مجھے خوشخبری سنائی کہ حضرت فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے۔ یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ حضرت مریم سے فضیلت رکھتی ہیں کیونکہ جنتی عورتیں عام ہیں یہ کسی زمانہ کی تخصیص پر دلالت نہیں کرتیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان "اس نے تجھے عالمین کی عورتوں پر چن لیا کیونکہ یہ کلام اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس سے مراد اس زمانہ کی عورتیں ہوں جس طرح ہم نے کہا لیکن ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے جسے ابو یعلی، ابن حبان، حاکم اور طبرانی نے ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں سوائے حضرت مریم کے۔ امام ترمذی نے ام سلمہ سے انہوں نے حضرت فاطمہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے خبر دی کہ میں جنتی عورتوں کی سردار ہوں سوائے حضرت مریم کے۔ یہ دونوں احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مفضولہ عورتوں سے حضرت مریم حضرت فاطمہ سے افضل ہیں اور جو صحیحین میں مسعود بن مخرمہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ امام احمد، ترمذی اور حاکم کے ہاں ابن زبیر سے اسی کی مثل مروی ہے جو حضرت فاطمہ کی تمام مردوں اور عورتوں پر فضیلت کا تقاضا کرتی ہے، جس طرح امام مالک نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ٹکڑے کے ساتھ کسی کو ہم پلہ نہیں جانتے لیکن جمہور اہل سنت کے نزدیک اس سے وہ لوگ خاص ہیں جن کی فضیلت قطعی طور پر ثابت ہے جیسے انبیاء اور صدیقین باقی عموم میں رہیں گے، واللہ اعلم۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

"اے مریم! خلوص سے عبادت کرتی رہا اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ ۱؎"

۱؎ یعنی اے مریم شکر بجا لانے کے لئے نماز میں قیام کو لمبا کرو اور جماعت میں نمازیوں کے ساتھ نماز ادا کرو یہاں راکعات مؤنث کا صیغہ ذکر نہیں کیا کیونکہ عورتیں مردوں کے تابع ہوتی ہیں، اس کے برعکس نہیں ہوتا پس یہ حکم عورتوں کو بھی شامل ہوگا۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

"یہ ۱؎ (واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں ۲؎ ہم وحی کرتے ہیں ان کی آپ کی طرف ۳؎ اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب پھینک رہے تھے وہ (مجاور) اپنی قلمیں ۴؎ (یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ) کون ان میں سے سرپرستی کرے مریم کی ۵؎ اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے ۶؎"

۱؎ یہ مبتدا ہے۔ اس کا مشار الیہ وہ قصے ہیں جو ذکر کئے گئے

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 228 (وزارت تعلیم)

۲؎ انباء سے مراد خبریں ہیں۔
۳؎ یہ خبر کے بعد خبر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ایک خبر ہو دوسرا جملہ حال ہو۔
۴؎ یہ قرعہ اندازی کے لئے جھگڑا کر رہے تھے۔ یہ سابقہ کلام کرد وحی ہے، اس کی وضاحت کے لئے ہے اور منکرین کے استہزاء کے لئے ہے کیونکہ علم کے اسباب تین چیزوں میں محصور تھے 1۔ عقل 2۔ خبر کا سماع اور 3۔ حواس، قصوں کا عقل کے ذریعے ادراک نہ ہونا بدیہی امر ہے، سماع کا نہ ہونا یہ بھی معلوم ہے۔ اس کے بارے میں ان کے نزدیک کوئی شبہ نہ تھا کیونکہ حضور ﷺ امی تھے خبریں بھی منقطع تھیں۔ پس ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ آنکھوں سے دیکھنے کا احتمال ہو کوئی عقلمند اس کا گمان بھی نہیں کر سکتا پس حضور ﷺ کا واقعہ کے مطابق قصوں کو بیان کرنا آپ کا معجزہ ہے اور آپ کے نبی ہونے اور جو آپ ان لوگوں پر تلاوت کرتے ہیں اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر دلیل قطعی ہے۔
۵؎ یہ جملہ استفہامیہ ہے اور محذوف کلام کے متعلق ہے جس پر ماقبل کلام دلالت کرتی ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی مُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ يَقُوْلُوْنَ اَيُّهُمْ مُكْفِلُ مَرْيَمَ
۶؎ یعنی اس کفالت میں جھگڑا کرتے تھے۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾

"جب کہا فرشتوں نے ۱؎ اے مریم! اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے تجھے ایک کلمہ کی اپنے پاس سے اس کا نام ۲؎ مسیح ۳؎ عیسیٰ ۴؎ بن مریم ۵؎ ہوگا معزز پیدا ہوگا ۶؎ دنیا ہے اور آخرت میں ۷؎ اور (اللہ کے) مقربین سے ہوگا۔ ۸؎"

۱؎ إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ، یہ پہلے اذ قالت سے بدل ہے اور ان کے درمیان جملے معترضے ہیں جو نبی کریم ﷺ پر وحی کر کے بطور احسان ذکر کئے گئے ہیں، ساتھ ہی ساتھ کفار کی جہالت اور ان کے عناد پر آگاہ کرنے کے لئے انہیں ذکر کیا گیا ہے۔
۲؎ اسمه مبتدا ہے اور اس میں ہ ضمیر کلمۃ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ضمیر مذکر لانے کی وجہ اس کا معنی ہے کیونکہ کلمہ سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں۔
۳؎ یہ اسمہ کی خبر ہے اور جملہ کلمہ کی صفت بن رہا ہے۔ قاموس میں ہے کہ مسیح اضداد میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو مبارک پیدا فرمائے یا ملعون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برکت کی وجہ سے مسیح کہا گیا اور دجال کو اس کی نحوست اور ملعونیت کی وجہ سے مسیح کہا گیا۔ قاموس کی کلام ختم ہوئی۔ عبرانی زبان میں اس کی اصل مشیح ہے جس کا معنی مبارک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح اس لئے فرمایا کیونکہ آپ سے آلودگیوں کو دور کر دیا گیا اور گناہوں سے پاک کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح اس لئے کہا گیا کہ آپ زمین میں سیاحت فرماتے اور کسی جگہ بھی مقیم نہ ہوتے۔ قاموس میں یہ بھی ہے مسیح زیادہ سیاحت کرنے والے کو کہتے ہیں۔ ابراہیم نخعی نے کہا مسیح سے مراد صدیق ہے اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور جھوٹا مسیح وہ دجال ہے۔ یہ کلمہ اضداد میں سے ہے۔ اسی طرح قاموس میں ہے۔ صحاح کے اندر ہے بعض نے کہا مسیح اسے کہتے ہیں جس کی ایک آنکھ نہ ہو روایت بیان کی گئی ہے کہ دجال اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے اس کی دائیں آنکھ نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا گیا کہ آپ کی بائیں آنکھ متاثر تھی۔ دونوں قولوں کا معنی یہ ہے کہ دجال سے اچھی خصلتیں زائل کر دی گئیں جیسے ایمان، علم، عقل، حلم اور تمام اچھے اوصاف اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تمام مذموم صفات زائل کر دی گئیں جیسے جہالت، حرص، بخل اور اسی طرح کی دوسری چیزیں۔ صاحب قاموس نے کہا میں نے لفظ مسیح کے اشتقاق کی وجہ سے شرح مشارق

الانوار میں پچاس اقوال ذکر کیے ہیں۔

۳؎ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ ایک قول یہ کہا گیا کہ یہ یسوع سے معرب ہے جس کا معنی سید ہے۔ یہ خبر کے بعد خبر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو۔ تقدیر کلام یوں ہوگی ہو عیسیٰ یہ آپ کا علم ہے اور مسیح آپ کا لقب ہے اور اسم دونوں سے اور کنیت سے بھی عام ہے کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے جو کسی چیز کو ماسوا ہی سے ممتاز کر دے۔

۵؎ جب یہ صفت اسماء کے تمیز دینے کی طرح تمیز دیتی ہے تو اسے اسماء کے ضمن میں ذکر کر دیا۔ یہ نہیں فرمایا اسماء ہ المسیح عیسیٰ ابن مریم کیونکہ اسم اسم جنس ہے اور استغراق کے لئے مضاف ہے۔ استغراق اگرچہ کل فرد کے معنی میں ہوتا ہے لیکن یہ بھی جائز ہے کہ استغراق افرادی کے مجموعہ پر متعدد کو محمول کیا جائے جس مجموعہ کو استغراق اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہو جو کلمہ واحد کے معنی میں ہو جس طرح اس آیت کریمہ میں مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ یہ بھی جائز ہے کہ ابن مریم مبتدا محذوف کی خبر ہے جو ہو ہے۔ یہ جائز نہیں کہ ابن مریم ترکیب میں عیسیٰ کی صفت بنے کیونکہ آپ کا نام عیسیٰ ہے۔ پس یہ تیز تمیز دینے کے لئے کافی ہے کیونکہ آپ کا نام عیسیٰ بن مریم نہیں۔ یہاں ابن مریم فرمایا جبکہ خطاب حضرت مریم کو ہے اس بات پر آگاہ کرنے کے لئے کہ آپ کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی کیونکہ عموماً اولاد کو آباء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، ماں کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا مگر اس صورت میں جب اس کا باپ مفقود ہو۔ واللہ اعلم۔

۶؎ یہ کلمہ سے حال مقدرہ ہے اگرچہ کلمہ نکرہ ہے لیکن موصوف ہونے کی وجہ سے ذوالحال بن سکتا ہے۔ حال کو مذکر لانا معنی (عیسیٰ علیہ السلام) کے مذکر ہونے کی وجہ سے ہے، یعنی شریف رفیق جو قدر و شان والے ہیں۔

۷؎ دنیا میں نبوت کے عطا کرنے اور مخلوق کے مقتدیٰ ہونے کی وجہ سے۔

۸؎ امتوں کی شفاعت کرنے اور جنت میں بلند مقام کے حامل ہونے کی وجہ سے۔

۹؎ اللہ تعالیٰ کا ذاتی قرب حاصل کرنے والے اور ذاتی دائمی تجلیات سے مالا مال اس کا عطف وجیہا پر ہے۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝

''اور وہ گفتگو کرے گا لوگوں سے گہوارے میں ۱؎ اور پکی عمر میں بھی ۲؎ اور نیکوکاروں میں سے ہوگا ۳؎''

۱؎ یعنی دودھ پینے کی حالت میں فی المهد، یکلم کی ضمیر سے حال ہے۔

۲؎ یہ فی المهد پر معطوف ہے، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام دودھ پینے اور کہولت کی عمر میں انبیاء کی کلام کے مطابق کلام کرتے ہیں اول عمر اور آخری عمر میں کوئی فرق نہیں۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ آپ سن رسیدہ ہوں گے اور آپ کو موت نہیں آئے گی یہاں تک کہ آپ کہولت کی عمر کو پہنچیں گے، جبکہ آپ کی عمر ابھی کہولت کو نہ پہنچی تھی۔ حسن بن فضل نے کہا کھلا سے مراد یہ ہے کہ آسمان سے نازل ہونے کے بعد آپ گفتگو کریں گے کیونکہ کہولت کی عمر سے قبل ہی آپ کو آسمان پر اٹھالیا گیا تھا۔ مجاہد نے کہا کَهْلًا کا معنی حلیم ہے عرب کہولت کی تعریف کرتے کیونکہ عقل کی استحکام اور جودۃ رائے تجربہ کی عمدگی میں درمیانی حالت ہے کیونکہ اس سے قبل تجربہ کم ہوتا ہے یا عقل اپنے کمال تک نہیں پہنچی ہوتی اور اس کے بعد کی عمر میں عقل کمزور ہو جاتی ہے۔ یکلم الناس کا من المقربین پر عطف ہے اور دودھ پینے کی عمر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گفتگو کرنے میں حضرت مریم کے لئے بھی تسلی ہے کہ آپکو جو قوم کی طرف سے ملامت کا خوف تھا کہ آپ نے خاوند کے بغیر بچہ جنا ہے۔

۳؎ یہ جائز ہے کہ اس کا عطف یکلم الناس پر کیا جائے، یعنی صالحین میں سے ہوتے ہوئے کہ دین میں کسی قسم کا نقص اور فساد داخل نہ ہو، یہ

انبیاء کی شان ہے، گویا نص کا معنی یہ ہوا کہ آپ انبیاء میں سے ہیں۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

"مریم بولیں [1] اے میرے پروردگار! کیونکر ہو سکتا ہے میرے ہاں بچہ حالانکہ ہاتھ تک نہیں لگایا مجھے کسی انسان نے [2] فرمایا [3] بات یونہی ہے (جیسے تم کہتی ہو لیکن) اللہ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے جب فیصلہ فرماتا ہے کسی کام (کے کرنے) کا [4] تو بس اتنا ہی کہتا ہے اسے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے [5]"

[1] یعنی مریم نے کہا

[2] استفہامیہ کلام تعجب اور عادت سے بعید ہونے کے اظہار کے لئے ہے۔ یا استفہام اس حوالے سے ہے کہ کیا بچہ شادی کی صورت میں یا بغیر شادی کی صورت میں ہوگا۔

[3] یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل امین کی زبان سے فرمایا۔

[4] قضی امرا کا معنی ہے کسی چیز کے ہونے کو مقدر کرنا

[5] یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اشیاء کو تدریجاً عادی اسباب اور مادہ کے ساتھ پیدا کرے، وہ اس پر بھی قادر ہے کہ وہ اشیاء دفعۃً بغیر سبب کے بھی پیدا کرے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝

"اور اللہ تعالیٰ سکھائے گا اسے [1] کتاب [2] و حکمت اور تورات اور انجیل [3]"

[1] نافع، عاصم اور یعقوب نے غائب کا صیغہ پڑھا ہے اور یخلق پر اس کا عطف ہے یا یبشرک پر اس کا عطف ہے۔ باقی قراء نے نون کے ساتھ متکلم کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس کا عطف بھی مذکورہ افعال پر ہوگا، تاہم التفات کا قاعدہ جاری ہوگا، یا یہاں سے کلام کو نئے سرے سے شروع کیا ہے تاکہ ان کے دل کو پاک کیا جائے اور اس غم کو دور کیا جائے جو اس ملامت کے خوف کی وجہ سے لاحق تھا۔ جب آپ نے یہ جانا کہ وہ بغیر خاوند کے بچہ جنیں گی۔

[2] یعنی کتاب اور خط آپ لوگوں سے از روئے خط کے بہترین تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں اس سے مراد تمام نازل شدہ کتابیں ہیں۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ انہیں کتب سماویہ کا علم سکھاتا ہے۔ دو کتابوں کا ذکر مزید اہتمام کے لئے ہے کیونکہ ان پر یہ فرض تھا کہ اعمال فرعیہ میں ان کی اقتدا کریں جبکہ اصول دین میں تمام کتابوں کا مقتضی ایک ہی ہے۔

[3] یعنی فقہ تورات اور انجیل۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ

بُیُوْتِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۴۹﴾

"اور (بھیجے گا اسے) رسول بنا کر[1] بنی اسرائیل کی طرف[2] (وہ انہیں آ کر کہے گا کہ) میں[3] آ گیا ہوں تمہارے پاس ایک معجزہ لے کر[4] تمہارے رب کی طرف سے[5] (وہ معجزہ یہ ہے کہ) میں[6] بنا دیتا ہوں تمہارے لئے کیچڑ سے[7] پرندے کی سی صورت[8] پھر پھونکتا ہوں اس (بے جان صورت) میں[9] تو وہ فوراً ہو جاتی ہے پرندہ[10] اللہ کے حکم سے[11] اور میں تندرست کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو[12] اور (لاعلاج) کوڑھی کو[13] اور میں زندہ کرتا ہوں مردے کو اللہ کے حکم سے[14] اور بتلاتا ہوں تمہیں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم جمع کر رکھتے ہو اپنے گھروں میں[15] بے شک ان معجزوں میں (میری صداقت کی) بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان دار رہو[16]"

[1] رسولاً فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس کا عطف یعلمہ پر ہے اس پر تنوین تعظیم کے لئے ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی وَنَجْعَلُہٗ رَسُوْلًا عَظِیْمًا۔

[2] ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آپ بچپنے میں ہی رسول تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ بلوغت کے بعد آپ کو یہ منصب تفویض ہوا۔ بنی اسرائیل کے پہلے نبی حضرت یوسف علیہ السلام تھے اور آخری حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔

[3] حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے اور جار مجرور مل کر رسولاً کے متعلق ہے، یعنی رسولاً بانی یا یہ مقدر احوال پر معطوف ہے جو نطق کا معنی اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہیں، یعنی ناطقا بانی۔

[4] آیت سے مراد معجزہ ہے۔ جو میری رسالت پر دال ہے۔ یہاں آیت فرمایا جب کہ آپ کئی آیات (معجزات) لائے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام معجزات آپ کی صداقت پر دلالت کرنے کے لئے ایک آیت کی طرح ہیں۔

[5] یہ بھی جائز ہے کہ یہ ظرف مستقر ہو اور آیۃ کی صفت ہو یا یہ بھی جائز ہے کہ جئتکم کے متعلق ہو۔

[6] نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو نے یاء کو مفتوح پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ نافع نے انی کے ہمزہ کو مکسور پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے اور باقی قراء نے اسے مفتوح پڑھا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ سے بدل ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ آیۃ سے بدل ہونے کی وجہ سے محل جر میں ہو یہ بھی جائز ہے کہ محل رفع میں ہو اور تقدیر کلام یوں ہو اور ہی انی۔

[7] لکم من الطین میں تمہارے لئے مٹی سے ایک صورت بناتا ہوں، یعنی اخلق کا مفعول بہ صورت محذوف ہے اور اخلق اصور (میں تصویر بناتا ہوں) یا اقدر (میں مقدر کرتا ہوں) کے معنی میں ہے۔

[8] ہیئت تیار شدہ صورت کو کہتے ہیں۔ الطیر کو ابو جعفر نے یہاں اور مائدہ میں طائر پڑھا ہے۔

[9] ضمیر سے مراد الطین (مٹی) ہے، یا ضمیر کھیئۃ کے کاف کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی اس پرندہ کی شکل میں پھونک مارتا ہوں

[10] اکثر قراء نے یہاں طیر کو جمع پڑھا ہے کیونکہ انہوں نے بہت سارے پرندے بنائے تھے نافع، یعقوب اور ابو جعفر نے طائر کو مفرد پڑھا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک طائر تھا۔ امام بغوی نے کہا آپ نے چمگادڑ کے علاوہ کوئی پرندہ نہ بنایا چمگادڑ کو اس لئے خاص کیا کیونکہ یہ پرندوں میں سے کامل ترین ہے کیونکہ اس کے پستان اور دانت ہوتے ہیں۔ اسے حیض آتا ہے۔ وہب نے کہا جب تک لوگ اسے دیکھتے رہتے وہ اڑتا رہتا جب لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہوتا تو مر کر گر جاتا۔ ایسا صرف اس لئے ہوتا تھا کہ براہ راست خدائی تخلیق اور بندہ کی وساطت

سے تخلیق میں فرق واضح ہو جائے۔(1)

1۔ اللہ تعالیٰ کے امر سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کن اس پر آگاہ کرتا ہے کہ اسے زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے۔

2۔ اکمہ کا معنی جو پیدائشی اندھا ہو یا جس کی آنکھیں ہی نہ ہوں۔ ابن عباسؓ نے یہی کہا ہے۔ حسن اور سدی نے کہا اس سے مراد نابینا ہے۔ عکرمہ نے کہا اس سے مراد اعمش ہے۔ اعمش وہ ہوتا ہے جس کی نظر کمزور اور آنسو زیادہ بہتے ہوں مجاہد نے کہا جو دن کو دیکھے اور رات کو نہ دیکھے۔

3۔ یہ ایسا مرض ہے جس کی وجہ سے جسم پر سفید داغ بن جاتے ہیں یعنی کوڑھ یہ دونوں ایسی امراض ہیں جن سے طبیب عاجز آ چکے تھے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اکثر مرض تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی حوالہ سے انہیں معجزہ دکھایا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو عام تھا تو آپ نے ہر ماہر جادوگر کو عاجز کرنے کا معجزہ دکھایا نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بلاغت اپنے عروج پر تھی تو قرآن حکیم نے ان سب کو عاجز کر دیا اور فرمایا: فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وہب بن منبہ نے کہا بعض اوقات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پچاس ہزار مریض جمع ہو جاتے جو آپ تک پہنچنے کی طاقت رکھتا، وہ آپ تک پہنچتا اور جو آپ تک نہ پہنچ پاتا حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اس کے پاس تشریف لے جاتے آپ مریضوں، اپاہجوں، اندھوں اور دوسرے لوگوں کے لئے یہ دعا کرتے اے اللہ تو زمین و آسمان میں رہنے والوں کا معبود ہے ان میں تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو زمین و آسمان میں رہنے والوں پر غالب ہے، تیرے سوا ان میں کوئی جبار نہیں تو زمین و آسمان میں رہنے والوں کا مالک ہے، تیرے سوا ان میں کوئی بادشاہ نہیں، تیری زمین میں قدرت اس طرح نافذ ہے جس طرح آسمان میں تیری زمین میں اس طرح بادشاہت ہے جس طرح آسمان میں تیرے معزز نام، روشن چہرے اور قدیم بادشاہت سے سوال کرتا ہوں، بیشک تو ہر شے پر قادر ہے۔ وہب نے کہا یہ دعا خوف اور جنون کے لئے موثر ہے۔ اسے مریض پر پڑھے اور لکھے اور اس کا پانی پیا جائے ان شاء اللہ وہ تندرست ہو جائے گا۔

4۔ الوہیت کے وہم کو دور کرنے کے لئے باذن اللہ کے لفظ کو مکرر ذکر فرمایا کیونکہ زندگی عطا کرنا انسانوں کے افعال میں سے نہیں۔ امام بغوی نے کہا ابن عباس نے کہا آپ نے چار آدمیوں کو زندہ کیا تھا جن کے نام یہ ہیں: عاذر، ابن عجوز، بنت عاشر اور سام بن نوح۔ عاذر آپ کا دوست تھا، اس کی بہن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ کا بھائی عاذر فوت ہوا چاہتا ہے۔ عاذر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان تین دن کی مسافت تھی، آپ خود اور آپ کے صحابہ تشریف لائے، آپ نے دیکھا کہ اسے مرے ہوئے تین دن گزر چکے ہیں۔ آپ نے اس کی بہن سے فرمایا میرے ساتھ اس کی قبر تک چلو، وہ آپ کے ساتھ اس کی قبر تک گئی، آپ نے دعا کی تو عاذر اٹھ کھڑا ہوا جبکہ چمڑے سے تیل قطرات کی صورت میں بہہ رہا تھا۔ وہ قبر سے نکلا، وہ زندہ رہا اور اس کی اولاد بھی ہوئی رہا۔ ابن عجوز تو اسے لوگ چار پائی پر اٹھا کر آپ کے پاس سے گزرے آپ نے دعا کی تو وہ چار پائی پر بیٹھ گیا اور لوگوں کی گردنوں سے نیچے اتر آیا، اپنے کپڑے پہنے اور چار پائی خود اٹھا لایا، گھر پلٹا زندہ رہا اور اس کی اولاد ہوئی۔ بنت عاشر اس کا والد عشر (ٹیکس وصول کرتا تھا) ایک دن پہلے اس کی بیٹی مرگئی، آپ نے اس کے لئے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا وہ زندہ رہی اور اس کی اولاد بھی ہوئی رہا۔ سام بن نوح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کی قبر کے پاس تشریف لائے اللہ تعالیٰ کے نام کے وسیلہ سے دعا کی، وہ قبر سے نکلا جبکہ اس کا نصف سر قیامت کے خوف سے سفید ہو گیا جبکہ اس زمانے میں لوگوں کے بال سفید نہ ہوتے تھے اس نے پوچھا کیا قیامت برپا ہو گئی؟ فرمایا نہیں، لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کے نام کے وسیلہ سے دعا کی پھر فرمایا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 294 (التجاریہ)

اب مرجااس نے عرض کی اس شرط پر کہ موت کی سختیوں سے اللہ تعالیٰ مجھے محفوظ رکھے۔ آپ نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی۔(1)

۵ لے جسے میں نے دیکھا نہیں ہوتا، اس کی خبر دیتا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک آدمی کو اس چیز کی خبر دیتے جو اس نے گزشتہ رات کھایا، جو وہ آج کھائے گا اور جو اس نے رات کے لئے ذخیرہ کیا ہے۔ سدی نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کتاب کی تعلیم کے دوران بچوں سے اس بارے میں باتیں کرتے جو ان کے آباء عمل کرتے تھے۔ آپ ایک لڑکے سے فرماتے جاؤ، تیرے گھر والوں نے فلاں فلاں چیز کھائی ہے اور تیرے لئے یہ چیز رکھی ہے وہ بچہ گھر جاتا وہ روتا یہاں تک کہ گھر والے اسے وہ چیز دے دیتے گھر والے کہتے تجھے یہ کس نے بتایا؟ تو بچہ کہتا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے۔ تو لوگوں نے بچوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانے سے منع کر دیا اور کہا تم اس جادوگر سے نہ ملا کرو۔ لوگوں نے اپنے بچوں کو ایک گھر میں جمع کر دیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچوں کی تلاش میں ان کے پاس آئے۔ لوگوں نے کہا بچے یہاں نہیں ہیں۔ آپ نے پوچھا اس گھر میں کیا ہے؟ لوگوں نے کہا خنازیر ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا چلو ایسے ہی سہی۔ جب لوگوں نے دروازہ کھولا تو سب بچے خنزیر بن چکے تھے۔ یہ بات بنی اسرائیل میں پھیل گئی تو بنو اسرائیل نے آپ کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا، آپ کی والدہ ان کے ارادہ کو بھانپ گئیں آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک سواری پر سوار کیا اور سرزمین مصر کی طرف چلی گئیں۔ قتادہ نے کہا یہ واقعہ مائدہ (دستر خوان) کے بارے میں ہوا جہاں کہیں وہ ہوتے من وسلوی جیسا کھانا ان پر نازل ہوتا انہیں حکم دیا گیا اس میں خیانت نہ کریں اور نہ ہی اس کو چھپائیں انہوں نے اس میں خیانت بھی کی اور کھانا بھی چھپالیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس کے بارے میں بھی آگاہ کیا جو انہوں نے کھانا کھایا تھا اور اس کے بارے میں بھی آگاہ کیا جو انہوں نے ذخیرہ کیا تھا پس اللہ تعالیٰ نے انہیں خنزیروں کی صورت میں مسخ کر دیا۔(2)

۶ لے یہاں اسم اشارہ سے مراد ایسے امور ہیں جو خارق للعادۃ ہیں جو دعوی نبوت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی دلیل ہیں تا کہ تم اس کے ذریعے ہدایت پا جاؤ، یعنی تمہیں ایمان لانے کی توفیق دی گئی پس تم ایمان لاؤ۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝

"اور میں تصدیق کرنے والا ہوں لے اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتاب تورات کی ۲ے اور تا کہ میں حلال کر دوں تمہارے لئے بعض وہ چیزیں جو (پہلے) حرام کی گئی تھیں تم پر ۳ے اور لایا ہوں تمہارے پاس ایک نشانی تمہارے رب کی طرف سے ۴ے سو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو ۵ے"

لے اس کا عطف رسولاً پر ہے یا یہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے جس پر قد جئتکم دلالت کرتا ہے، یعنی کلام یوں ہے وَ جِئْتُكُمْ مُصَدِّقًا

۲ے انبیاء کی یہی شان تھی جو تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتے اور بعض بعض کی تصدیق کرتے۔

۳ے یعنی بعض وہ چیزیں جو تورات میں حرام تھیں جیسے کچھ گوشت اور چربی ان کی حرمت کو منسوخ کرنے والا ہوں۔ نسخ تصدیق کے منافی نہیں ہوتا جس طرح قرآن حکیم کا بعض حصہ بعض حصہ کو منسوخ کر دیتا ہے۔ جار مجرور کا تعلق فعل محذوف قد جئتکم کے ساتھ ہے یا اسے سابقہ قد جئتکم کی طرف ہی لوٹایا جائے گا، یا یہ معنوی طور پر مصدقاً کے اوپر معطوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی لِاُصَدِّقَ وَلِاُحِلَّ

۴ے یہ بھی جائز ہے کہ یہاں آیت سے مراد انجیل کی آیات ہوں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسے تاکید کے لئے اور حکم کے قریب کرنے کے لئے مکرر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 294 (التجاریہ)

2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 295 (التجاریہ)

لایا گیا ہو۔ اسی وجہ سے اس پر اس حکم کو مرتب کیا گیا۔

ھ یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو جو تم میری مخالفت کرتے ہو اور مجھے جھٹلاتے ہو جو میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں اس میں تم میری اطاعت کرو۔

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٥١﴾

"بے شک اللہ مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے مجھے اور مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے تمہیں سو اس کی عبادت کرو لہ یہی سیدھا راستہ ہے ۲"

لہ فَاتَّقُوا اللهَ وَاَطِيْعُوْنِ میں جو حکم مجمل تھا یہاں اس کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے، کیونکہ رب العالمین کے ارشاد اِنَّ اللهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قوت نظریہ کا کمال اعتقاد حق کے ساتھ ہوتا ہے جس کی غایت توحید ہے۔ اس جملہ میں پہلے اپنی ذات کے بارے میں عبودیت کا اقرار کیا تا کہ اس فتنہ کا سد باب ہو جو ان کی قوم کی طرف سے اس قول سے پیدا ہوتا ہے کہ آپ نعوذ باللہ ابن اللہ یا ثالث ثلاثہ ہیں اور فاعبدوہ میں اشارہ قوت عملیہ کی طرف ہے جو اوامر کو بجالانے اور مناہی سے رکنے پر حاصل ہوتا ہے۔ پھر اس قول کے ساتھ ان دونوں کی تاکید بیان کی۔

۲ یعنی دونوں امروں کو جمع کرنے والا راستہ ہی وہ راستہ ہے جس کے خیر ہونے کے بارے میں شہادت دی گئی۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا معنی بھی یہی ہے قُلْ اٰمَنْتُ بِاللهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ یہ ارشاد آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب آپ سے ایک صحابی نے یہ عرض کی تھی کہ اے پیارے آقا مجھے اسلام کے بارے میں ایسی تعلیم ارشاد فرمائیں کہ آپ کے بعد کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ اسے اصحاب سنن، احمد اور بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٥٢﴾

"پھر جب لہ محسوس کیا عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے ۲ کفر (و انکار) ۳ (تو) آپ نے کہا کون ہیں میرے مددگار ۴ اللہ کی راہ میں ۵ (یہ سن کر) کہا حواریوں نے ۶ کہ ہم مدد کرنے والے ہیں اللہ (کے دین) کی ۷ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور (اے نبی) آپ گواہ ہو جائیے کہ ہم (حکم الٰہی کے سامنے) سر جھکائے ہوئے ہیں ۸"

لہ یہ ظرف زمان ہے جس میں شرط کا معنی پایا جاتا ہے جس کا جواب مَنْ اَنْصَارِيْ اِلَى اللهِ

۲ ھم ضمیر سے مراد بنی اسرائیل ہیں

۳ یعنی جب ان کی طرف سے جھٹلانے کو سنا اور ان کے قول عزیر بن اللہ کو سنا اور ان سے ایسے آثار دیکھے جو کفر پر دلالت کرتے تھے۔ کلام کے اندر حذف کے ساتھ اختصار ہے۔ سابقہ کلام اس کے حذف کے اوپر دلیل ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے فَوَلَدَتْ مَرْيَمُ عِيْسٰى وَكَلَّمَ عِيْسٰى قَوْمَهٗ فِي الْمَهْدِ وَ بَلَغَ الْكَمَالَ حَتّٰى صَارَ نَبِيًّا عَالِمًا بِالتَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَ دَعَا النَّاسَ اِلَى الْهُدٰى وَاَتٰى بِالْمُعْجِزَاتِ الْمَذْكُوْرَاتِ وَاَنْكَرَهٗ بَنُوْ اِسْرَآءِيْلَ وَكَذَّبُوْهُ وَاَتَوْا بِمَا يَدُلُّ عَلَى الْكُفْرِ فَلَمَّا اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ یعنی حضرت مریم نے حضرت عیسیٰ کو جنم دیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پنگھوڑے میں اپنی قوم سے کلام کی اور کمال پر فائز ہوئے یہاں تک کہ وہ نبی ہوئے، جو تورات

اور انجیل کے عالم تھے، آپ نے لوگوں کو ہدایت کی طرف دعوت دی، مذکورہ معجزات دکھائے۔ جو اسرائیل نے آپ کا انکار کیا اور تکذیب کی اور ایسا طرز عمل استعمال کیا جو کفر پر دلالت کرتا ہے تو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کفر کو محسوس کیا تو فرمایا کون ہیں میرے مددگار؟

۳؎ نافع نے انصاری کی یا کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے سکون پڑھا ہے۔

۴؎ یہاں الیٰ مع کے معنی میں ہے، جس طرح اس آیت کریمہ میں ہے: لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ یا الی فی یا لام کے معنی میں ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا اللہ تعالیٰ کی راہ یا اس کی رضا کی خاطر میرا کون مددگار ہے، یعنی کون میرا مددگار ہوگا اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے التجا کرنے والا ہو یا اس نے جو حکم دیا ہے اس کو بجالانے والا ہو یا اس کو ساتھ ملانے والا ہو۔

۵؎ حواری سے مراد خالص دوست ہے۔ یہ حور سے مشتق ہے جس کا معنی خالص سفیدی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ کلمات تین دفعہ ارشاد فرمائے جب آپ نے لوگوں کو غزوۂ خندق میں دعوت دی، ہر دفعہ حضرت زبیر بن عوام نے لبیک کہی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر نبی کا کوئی نہ کوئی حواری ہوتا ہے، میرا حواری زبیر بن عوام ہے (1) متفق علیہ۔

قاموس میں ہے حواری سے مراد مددگار یا انبیاء کا مددگار، دھوبی اور گہرا دوست ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ کو دین میں ان کی خلوص نیت اور آپ کے مددگار ہونے کی وجہ سے حواری کہا گیا۔ اس قسم کا قول حضرت حسن اور سفیان کا بھی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ لوگ بادشاہ تھے جن سے آپ نے مدد طلب کی تھی، یہ یہودی تھے، انہیں حواری اس لئے کہا گیا کیونکہ وہ سفید لباس زیب تن کرتے تھے۔ ابن جریر نے ابی ارطاۃ سے ایک روایت نقل کی ہے یہ لوگ دھوبی تھے جو کپڑے دھوتے تھے (2) ضحاک نے کہا انہیں یہ نام دل کی صفائی کی وجہ سے دیا گیا کیونکہ وہ گناہوں سے پاک تھے۔ ابن مبارک نے کہا انہیں یہ نام اس لئے دیا گیا کہ ان پر عبادت کا اثر اور اس کا نور عیاں تھا۔ عربوں کے نزدیک حور کا اصل معنی سفیدی کی زیادتی ہے۔ کلبی اور عکرمہ نے کہا اس سے مراد اصفیاء ہیں۔ یہ کل بارہ افراد تھے۔ روح بن قاسم نے کہا میں نے قتادہ سے حواریین کے بارے میں پوچھا۔ اس نے جواب دیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو خلافت کے لائق ہوں۔ انہیں سے ایک قول یہ بھی مروی ہے حواری سے مراد وزراء ہیں۔ مجاہد اور سدی نے کہا یہ مچھلی کے شکاری تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ ملاح تھے۔

۶؎ یعنی ہم اس کے دین کے حمایتی ہیں۔

۷؎ اے عیسیٰ علیہ السلام اس روز گواہی دینا جس روز رسول اپنی قوموں کے حق میں اور ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں ایک چیز ہیں۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٣﴾

"اے ہمارے رب ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے نازل فرمایا ۱؎ اور ہم نے تابعداری کی رسول کی ۲؎ تو لکھ لے ہمیں (حق پر) گواہی دینے والوں کے ساتھ ۳؎"

۱؎ اس سے مراد آسمانی کتابیں، یعنی انجیل اور دوسری کتب ہیں۔

۲؎ یہاں رسول سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، انہوں نے جو بھی ہمیں حکم دیا۔

۳؎ یعنی ہم تیری وحدانیت کی اور تیرے انبیاء کی صداقت کی گواہی دینے والے ہیں۔ عطاء نے کہا یہاں شاہدین سے مراد انبیاء ہیں کیونکہ

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 527 (وزارت تعلیم)
2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 63 (العلمیہ)

ہر نبی اپنی امت کے حق میں گواہ ہوتا ہے۔ ابن عباس نے کہا یہاں شاہدین سے مراد حضور ﷺ اور آپ کی امت ہے کیونکہ یہ انبیاء کے حق میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی قوموں کو تبلیغ کی۔(1)

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۖ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴿٥٤﴾

"اور یہودیوں نے بھی (مسیح کو قتل کرنے کی) خفیہ تدبیر کی ۱؎ اور (مسیح کو بچانے کے لئے) اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی ۲؎ اور اللہ سب سے بہتر (اور موثر) خفیہ تدبیر کرنے والا ہے ۳؎"

۱؎ وہ لوگ جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کفر محسوس کیا جب ان لوگوں نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ کلبی نے ابوصالح سے اور اس نے ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں کی ایک جماعت کو ملے جب انہوں نے اسے دیکھا تو کہا جادوگرنی کا بیٹا آیا ہے انہوں نے آپ پر اور آپ کی ماں پر تہمت لگائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی حق میں بددعا کی، اللہ تعالیٰ نے انہیں خنزیر بنا دیا۔ جب یہودیوں کے رئیس اور اس کے امیر نے یہ دیکھا تو وہ گھبرا گیا اور آپ کی دعوت سے خوف کھانے لگا تو تمام یہودی آپ کو قتل کرنے پر متفق ہو گئے اور قتل کرنے میں جلدی کی تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کو بھیجا جبرئیل امین نے آپ کو کھڑکی سے اندر داخل کیا اور چھت کے روشن دان سے آسمانوں کی طرف اٹھا لیا۔ یہودیوں کے سردار نے آپ کے ایک ساتھی طیطیانوس کو اندر بھیجا تا کہ آپ کو قتل کر دے، وہ اندر داخل ہوا تو اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی گئی۔ جب وہ آدمی باہر نکلا تو یہودیوں نے گمان کیا کہ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو لوگوں نے اسے قتل کر دیا(2) اسی چیز کی طرف اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

۲؎ مکر اصل میں ایسے حیلہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی غیر کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اس فعل کی نسبت مقابلہ کے طور پر ہوتی ہے زجاج نے کہا اللہ تعالیٰ کے مکر سے مراد ان کے مکر کی انہیں سزا دینا ہے تو جزاء کو بھی فعل کا نام دیا گیا کیونکہ جزاء بھی اس کے عمل کے مقابلہ میں ہوتی ہے۔

۳؎ یعنی ان سے زیادہ قوت والا اور زیادہ قدرت والا ہے کہ انہیں وہاں سے تکلیف پہنچائے جس کا وہ اندازہ بھی نہ کر سکیں۔

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۖ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٥٥﴾

"یاد کرو جب فرمایا اللہ نے ۱؎ اے عیسیٰ! یقیناً میں پوری عمر تک پہنچاؤں گا تمہیں اور اٹھانے والا ہوں تمہیں اپنی طرف ۲؎ اور پاک کرنے والا ہوں تمہیں ان لوگوں (کی تہمتوں) سے جنہوں نے (تیرا) انکار کیا ۳؎ اور بنانے والا ہوں ان کو جنہوں نے تیری پیروی کی غالب کفر کرنے والوں پر قیامت تک ۴؎ پھر میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے ۵؎ تم نے پس (اس وقت) میں فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان (ان امور کا) جن میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے ۶؎"

۱؎ یہ مکر اللہ کی ظرف ہے یا یہ فعل محذوف کی ظرف ہے جیسے وقع۔

۲؎ الی سے مراد کرامت کی جگہ یا فرشتوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ حسن بصری، کلبی اور ابن جریج نے کہا اس کا معنی ہے میں تجھے قبض کرنے والا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 298 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 299 (التجاریہ)

ہوں اور دنیا سے بغیر موت کے اٹھانے والا ہوں جبکہ انہوں نے آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچایا۔ یہ عربوں کے اس قول سے مشتق ہے توفیت کذا یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو پورا پورا حق وصول کرے۔ دوسری تاویل میں تجھے قبض کرنے والا ہوں۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے تَوَفَّیْتُ مِنْهُ كَذَا یعنی جب تو اس سے وہ چیز قبض کرے۔ ابن جریر نے ربیع بن انس سے روایت کیا ہے۔ یہاں توفی سے مراد نیند ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سو گئے تھے پس اللہ تعالیٰ نے انہیں نیند کی حالت میں ہی آسمانوں کی طرف اٹھا لیا۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا میں تجھے نیند عطا کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ بعض نے کہا یہاں توفی سے مراد موت ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی ہے میں تجھے موت عطا کرنے والا ہوں۔ بغوی نے کہا اس صورت میں بھی اس کی دو تاویلیں ہیں (1)۔ وھب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دن کی تین ساعتیں موت عطا کی پھر انہیں آسمانوں کی طرف اٹھا لیا۔ محمد بن اسحاق انصاری نے کہا لوگوں کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سات ساعتیں موت عطا کی پھر زندہ کیا پھر آسمانوں کی طرف اٹھا لیا(1) ابن جریر نے بھی ان سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ضحاک نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ آسمان سے اتارنے کے بعد تجھے موت عطا کرنے والا ہوں اور تیری معین مدت تک مہلت دینے والا ہوں اس حال میں کہ تجھے یہودیوں سے محفوظ رکھتے ہوئے اور اس سے قبل ہی آسمانوں کی طرف اٹھانے والا ہوں۔ یہاں واؤ مطلق جمع کے لئے ہے، ترتیب کے لئے نہیں سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ" اس کی نفی کرتا ہے کیونکہ یہ ارشاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کی قوم آپ کی وفات کے بعد نصرانی ہوئی۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ آپ کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد وہ نصرانی بنے۔ اس سے یہ معلوم ہوا یہاں توفی سے مراد یا تو آسمانوں کی طرف اٹھانا ہے یا اٹھانے سے قبل موت کا آنا ہے۔ میرے نزدیک ظاہر بات یہ ہے کہ یہاں توفی سے مراد بغیر موت کے آسمانوں کی طرف اٹھانا ہے کیونکہ رب العالمین کے اس ارشاد: وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کے ملاحظہ کے بعد وجدان اسی بات کی گواہی دیتا ہے کیونکہ اگر موت کی نفی نہ کی جائے تو قتل کی نفی کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ قتل سے غرض بھی تو موت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی وہ ضرور تم میں عیسیٰ بن مریم کو عادل حاکم بنا کر بھیجے گا جو صلیب کو توڑ یں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ختم کریں گے، مال بہائیں گے، یہاں تک کہ کوئی لینے والا نہ ہوگا(2) اتنا یہ ہوگی کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔ پھر حضرت ابوہریرہ نے کہا اگر چاہو تو پڑھو، بے شک اہل کتاب آپ کی وفات سے پہلے ایمان لائیں گے، متفق علیہ۔ انہیں سے ایک اور روایت میں ہے تمہاری کیا حالت ہوگی جب عیسیٰ بن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔ امام مسلم کی روایت ہے اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی، ان پر سوار ہو کر دوڑ نہیں کی جائے گی۔ بخل، باہم بغض اور باہم حسد جاتا رہے گا، لوگوں کو مال کی دعوت دی جائے گی، کوئی قبول نہ کرے گا۔ آپ سے ہی مروی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اسلام کے علاوہ تمام دین ختم ہو جائیں گے، آپ دجال کو ہلاک کریں گے، پھر آپ چالیس سال تک رہیں گے پھر آپ کا وصال ہوگا تو مسلمان آپ کی نماز جنازہ پڑھیں گے(3) بغوی نے بھی اسی طرح کہا ابن جوزی نے کتاب الوفاء میں عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین کی طرف نازل ہوں گے شادی کریں گے ان کی اولاد ہوگی آپ پینتالیس سال یہاں رہیں گے، پھر ان کا وصال ہوگا، پھر انہیں حضور ﷺ کے ساتھ آپ کے روضۂ اقدس میں دفن کیا جائے گا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 299 (التجاریہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 87 (قدیمی) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 300 (التجاریہ)

پس میں اور عیسیٰ بن مریم ایک ہی قبر میں رہیں گے۔ یہ جگہ ابوبکر و عمر کی قبروں کے درمیان ہوگی۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ایک جماعت حق پر جہاد کرتی رہے گی، یہ قیامت تک ظاہر رہیں گے۔ فرمایا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے۔ اس مومن جماعت کا امیر انہیں کہے گا آؤ ہمیں جماعت کراؤ تو فرمائیں گے نہیں تم میں سے بعض بعض پر امیر ہیں۔ یہ اس امت کی تعظیم کے لئے فرمائیں گے(1) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حدیث معراج میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دوسرے آسمان میں عیسیٰ بن مریم کو دیکھا، متفق علیہ۔

۳ یعنی ان کے بدلے پڑوس سے تمہیں پاک کرنے والا ہوں۔

۴ یعنی اکثر طور پر دلیل اور تلوار سے غالب رہیں گے۔ آپ کی اتباع کرنے والے حواری ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو حضور ﷺ کی امت میں سے مسلمان جنہوں نے آپ کی تصدیق کی، جنہوں نے توحید میں آپ کے دین کی اتباع کی اور حضور ﷺ کی اتباع میں آپ کی وصیت پر عمل کیا جب فرمایا وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد نصاریٰ ہیں، قیامت تک وہ یہودیوں پر غالب رہیں گے، آج تک یہودیوں کا نصاریٰ پر غلبہ نہیں ہوا۔ یہودیوں کی حکومت ختم ہوگئی۔ اب ان کی لئے حکومت و سلطنت نہیں رہی۔ اب حکومت و بادشاہت نصاریٰ کی طرف چلی گئی۔ اس وجہ سے یہاں اتباع ادعا اور محبت کے معنی میں ہوگا دین کی اتباع میں نہ ہوگا(2)۔

۵ یہاں مخاطب کی ضمیر حضرت عیسیٰ اور آپ کے پیروکاروں اور آپ کا انکار کرنے والوں کے لئے ہے یہاں مخاطبین کو غائبین پر غلبہ دیا گیا ہے۔ یعنی دین کے معاملہ میں تم اختلاف کرتے ہو پھر اس حکم کی وضاحت کی۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

"تو وہ جنہوں نے کفر کیا میں عذاب دوں گا انہیں سخت عذاب دنیا میں اور آخرت میں اور نہیں ہوگا ان کے لئے کوئی مددگار ۱۔"

۱ دنیا میں عذاب شدید سے مراد قتل کرنا، قیدی بنانا، جزیہ لگانا اور ذلیل و رسوا کرنا ہے عذاب آخرت سے مراد آگ ہے مددگاروں سے مراد ایسے لوگ ہیں جو انہیں عذاب سے محفوظ رکھ سکیں۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾

"اور وہ جو ایمان لائے اور کیے نیک کام تو اللہ پورے پورے دے گا انہیں ان کے اجر اور اللہ تعالیٰ نہیں محبت کرتا ظلم کرنے والوں سے ۱۔"

۱ حفص نے فیوفیھم غائب کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے۔ لا یحب الظلمین سے مراد یہ ہے کہ وہ کافروں پر رحم نہیں فرماتا، جب وہ رحم نہیں فرماتا تو ان کے کفر کے نتیجہ میں انہیں عذاب دے گا۔

اہل تاریخ کا کہنا ہے جب حضرت مریم کی عمر تیرہ سال ہوئی تو حاملہ ہوئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت جنا جب اسکندر کو بابل پر غلبہ پائے پینسٹھ سال ہو گئے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا، جب آپ کی عمر تیس سال تھی۔ بیت المقدس

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 87 (قدیمی)   2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 300 (التجاریہ)

سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے رمضان شریف میں لیلۃ القدر میں اٹھایا تھا، اس وقت آپ کی عمر تینتیس سال تھی۔ آپ کی نبوت کا زمانہ تین سال پر محیط ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد حضرت مریم چھ سال تک زندہ رہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے جب اس آدمی کو قتل کر دیا گیا اور سولی پر لٹکا دیا گیا جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈالی گئی تھی، تو حضرت مریم اور ایک عورت روتے ہوئے آئیں جس کے حق میں حضرت عیسیٰ نے دعا کی تھی اور وہ صحت یاب ہو گئی تھی۔ ان دونوں کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے، ان سے پوچھا تم دونوں کیوں رو رہی ہو؟ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے آسمانوں پر اٹھا لیا، ہے مجھے تو خیر کے سوا کچھ نہیں پہنچا۔ بے شک جسے سولی پر لٹکایا گیا ہے اس پر تو میری شبیہ ڈالی گئی۔ جب سات دن گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا حضرت مریم کے پاس جاؤ جو پہاڑ میں اپنے بیٹے کا سوگ منا رہی ہے، ان جیسا نہ کوئی رویا نہ کسی نے سوگ منایا اور نہ ہی ان جیسا کوئی غمگین ہوا۔ پھر آپ کے حواری جمع ہوں گے، آپ انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دینے کے لئے زمین پر پھیلا دینا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت مریم کے پاس اتارا، جب سراپا نور بن کر آپ اترے تو سارا پہاڑ روشن ہو گیا۔ آپ کے حواری جمع ہو گئے، آپ نے انہیں داعی بنا کر زمین میں پھیلا دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھا لیا۔ یہی وہ رات ہے جس میں نصاریٰ جمع ہوتے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو ہر حواری ان کی زبان میں گفتگو کر رہا تھا جن کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں بھیجا تھا۔

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

"یہ[1] جو ہم پڑھ کر سناتے ہیں[2] آپ کو آیتیں ہیں[3] اور نصیحت حکمت والی ہے[4]"

[1] یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر مابعد کلام ہے۔

[2] یہاں ہ ضمیر سے مراد حضرت عیسیٰ، حضرت مریم اور آپ کے حواریوں کا ذکر ہے جس کی ہم تم پر تلاوت کرتے ہیں۔

[3] یہ کلام نتلوہ میں ضمیر غائب سے حال ہے۔ یہ بھی جائز ہے نتلوہ یا اسم اشارہ سے حال ہو، اس میں عامل اسم اشارہ کا معنی ہو اور مبتدا کی خبر من الایت ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ دونوں خبریں ہوں اور ذلک اس فعل مضمر کے ساتھ منصوب ہو جس کی تفسیر نتلوہ کر رہا ہے۔ یہاں آیات سے مراد یا تو قرآن حکیم کی آیات ہیں یا وہ معجزات ہیں جو نبی کریم ﷺ کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ آپ ان واقعات سے آگاہ نہ تھے اور آپ نے اس طرح خبر دی جس طرح ان کے علماء کے ہاں یہ موجود تھے۔

[4] ذکر سے مراد قرآن ہے جو حکمت والا ہے۔ مقاتل نے کہا یہاں حکیم سے مراد محکم ہے جو باطل سے محفوظ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ذکر حکیم سے مراد لوح محفوظ ہے جو عرش کے ساتھ معلق ہے، جو سفید موتی کی بنی ہوئی ہے جس کی طوالت زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ جتنی ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾

"بے شک مثال عیسیٰ (علیہ السلام) کی[1] اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی مانند ہے[2] بنایا اسے[3] مٹی سے پھر فرمایا اسے[4] ہو جا[5] تو وہ ہو گیا[6]"

[1] یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی عجیب شان۔

[2] آدم علیہ السلام کی شان کی طرح ہے۔ پھر وضاحت فرمائی اور وجہ شبہ کو بیان فرمایا

[3] یعنی آدم علیہ السلام کے ڈھانچہ کو بنایا۔

ہے یعنی اس ڈھانچہ کو فرمایا۔

ھے زندہ بشر ہو جا۔

لا مضارع کا صیغہ حالت ماضیہ کی حکایت کے لئے ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت کو مٹی سے مقدر کیا، پھر اسے فرمایا کن فیکون۔ یہ بھی جائز ہے یہاں ثم تراخی خبر کے لئے، ہونہ کہ مخبر سے تراخی کے لئے یعنی پہلے یہ خبر دی کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا، پھر یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق کی کہ اسے فرمایا کن (ہو جا) فکان (تو وہ ہو گیا)، یعنی وہاں کوئی باپ تھا، نہ ماں اور نہ ہی کوئی حمل، نہ رضاعت اور نہ ہی دودھ چھڑانا۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شانِ غرابت میں حضرت آدم علیہ السلام کی شان جیسی ہے کیونکہ آپ کی پیدائش باپ کے بغیر ہوئی اور حضرت آدم علیہ السلام کی شان کئی وجوہ سے ان سے زیادہ عجیب و غریب ہے تو غریب کو اغرب سے تشبیہ دی اور جو خارق للعادۃ ہے اسے اخرق سے تشبیہ دی تاکہ خصم کے نزاع کو ختم کر دے اور شبہ کے مادہ کو جڑ سے اکھیڑ دے۔ یہ آیت نجران کے وفد کے حق میں نازل ہوئی جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ ہمارے رسول کو گالی دیتے ہیں آپ نے فرمایا میں کس بات سے گالی دیتا ہوں؟ انہوں نے کہا آپ کہتے ہیں کہ وہ بندہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا واقعی وہ اللہ تعالیٰ کے بندے، اس کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو کلمہ اللہ تعالیٰ نے پاکدامن اور دنیا سے منہ موڑنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والی میں القاء کیا۔ تو وہ غصے ہو گئے اور کہا کیا آپ نے کوئی ایسا انسان دیکھا ہے جو بن باپ کے پیدا ہوا ہو؟ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں لاجواب کرنے اور حجت تمام کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی (1) ابن ابی حاتم نے عوفی کی سند سے ابن عباس سے اس کی مثل نقل کیا ہے اور حضرت حسن بصری سے یوں نقل کیا ہے کہ نجران کے دو راہب حضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے ایک نے سوال کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کون ہے؟ حضور ﷺ جواب دینے میں جلدی نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ رب العالمین کا حکم نازل ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیات ذٰلِکَ نَتْلُوْهُ عَلَیْکَ سے مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ تک نازل ہوئیں (2) کیونکہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی ماں باپ کے بغیر تخلیق کا اعتراف کرتے تھے۔ نصاریٰ کس قدر جاہل نکلے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کون ہے؟ انہوں نے اپنی ذاتوں میں غور و فکر نہیں کیا انہوں نے یہ دیکھا تھا کہ ایک انسان بکری جنتا ہے یا بکری انسان جنتی ہے جب کہ جنس حیوانیت دونوں کی ایک ہے اور نوع میں مختلف ہیں تو انہوں نے یہ کیسے فیصلہ کر لیا کہ اللہ تعالیٰ جو احد صمد ہے، قدیم لذاتہ ہے اس جیسا کوئی نہیں، اس نے حضرت عیسیٰ کو کیسے جنم دیا جو جسم ہیں، مخلوق ہیں، حادث ہیں، جو کھانا کھاتے ہیں، سوتے ہیں، انہیں موت آتی ہے، بلکہ اس کی تو یہ شان ہے۔ لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ۙ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

فائدہ اس آیت میں قیاس کے حجت ہونے پر دلیل موجود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کا حکم حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پر قیاس کرتے ہوئے لگایا ہے۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۶۰﴾

"(اے سننے والے) یہ حقیقت لے (کہ عیسیٰ انسان ہیں) تیرے رب کی طرف سے ۲ے (بیان کی گئی ہے) پس تو نہ ہو جا شک کرنے والوں سے ۳ے"

لے یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ فعل محذوف کا فاعل ہے، یعنی تقدیر کلام یوں ہے هُوَ الْحَقُّ یا جَاءَ الْحَقُّ۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا ہو۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 301 (التجاریہ)　　2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 66 (العلمیہ)

۲؎ اور من ربک اس کی خبر ہو۔ مراد یہ ہے کہ مذکور حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پہلی دونوں تقدیروں کی بناء پر من ربک فعل محذوف جاء کے متعلق ہے۔ یا حق میں جو ضمیر موجود ہے اس سے حال ہے۔

۳؎ اے مخاطب جو منکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جا۔ جس طرح یہودیوں نے شک کیا، یہاں تک کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات پر بہتان باندھا اور نصاریٰ نے یہ بات گھڑ لی اور کہا کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ۫ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾

"پھر جو شخص ۱؎ جھگڑا کرے آپ سے ۲؎ اس بارے میں ۳؎ اس کے بعد کہ آ گیا آپ کے پاس (یقینی) علم ۴؎ تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ۵؎ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی ۶؎ پھر بڑی عاجزی سے (اللہ کے حضور) التجا کریں ۷؎ پھر بھیجیں اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر ۸؎ "

۱؎ من شرطیہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ استفہامیہ ہو اور انکار کا معنی دے کہ کوئی ایسا آدمی بھی ہو سکتا ہے کہ نصاریٰ کے عاجز آنے کے بعد آپ سے جھگڑا کرے۔

۲؎ یعنی (تم سے جھگڑا کرے) نصرانیوں میں سے تمہارے ساتھ جھگڑا کرے۔

۳؎ ضمیر سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یا حق مراد ہے۔

۴؎ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ مباہلہ کے لئے اس قید کے ذکر کرنے میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ مسلمان کو زیبا نہیں کہ وہ بغیر یقین کے مباہلہ کرے۔

۵؎ اے محمد ﷺ فرما دیجئے۔ یہ باب تفاعل سے امر کا صیغہ ہے جو علو سے مشتق ہے۔ فراء نے کہا اس کا معنی یہ ہے گویا فرمایا اوپر چڑھو (1) میں کہتا ہوں گویا اس سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ بلند جگہ پر چڑھے تا کہ اس کی آنکھوں سے جو کچھ مخفی ہے وہ دیکھے۔ پھر اس میں مجاز جاری ہوا اور مخاطب سے اس رائے جو اس سے مخفی ہے میں تامل اور توجہ کو طلب کرنے میں عام استعمال ہونے لگا۔ خلاصہ کلام یہ ہے پختہ رائے اور عزم مصمم کی طرف آؤ۔ بعض اوقات اس مکان کی طرف بلانے کے لئے استعمال ہوتا ہے جو داعی کے قریب ہو۔

۶؎ یہ جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہے۔ یعنی ہم سب اپنے آپ کو اور خاندان کے معزز ترین افراد جیسے بیٹے اور مستورات کو بلائیں اور انہیں اپنے ساتھ ملائیں تا کہ جھوٹ بولنے پر جو عذاب نازل ہو، وہ ان سب کو شامل ہو۔ دوسرے رشتہ داروں کو اپنی ذات پر مقدم رکھا ہے کیونکہ انسان عموماً ان کے لئے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتا ہے اور ان کے لئے جنگ کرتا ہے۔ اس کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ دعا میں اصل دعا کرنے والے اور جس کے حق میں دعا کی جاتی ہے ان میں مغائرت ہوتی ہے۔ انسان اور اس کے بیٹوں اور عورتوں میں مغائرت حقیقی ہے اور اس کے اور اس کے نفس کے درمیان اعتباری ہے۔ تو یہاں حقیقی مغائرت کو اعتباری مغائرت پر مقدم کیا ہے۔ امام مسلم اور ترمذی نے سعد بن ابی وقاص سے روایت نقل کی ہے، فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی شیر خدا، حضرت فاطمہ، حضرات حسن و

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 302 (التجاریہ)

حسین کو بلایا اور عرض کی اے میرے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔(1)

ے یہ باب افتعال سے ہے، تاہم معنی تفاعل کا دے رہا ہے۔ یہاں تفاعل کی جگہ باب افتعال کا ذکر ہے کیونکہ یہاں مقصود بددعا کو اپنے لئے کرنا ہے اگر وہ جھوٹا ہے، اگر سچا ہے تو بددعا کو اپنے مد مقابل کی طرف کرنا ہے اور نقصان کو اپنی طرف کھینچنا، یہ وقوع کے اعتبار سے جلدی ہوتا ہے بنسبت اسے غیر کی طرف لوٹایا جائے، تاہم اس کی غرض لعنت (بددعا) کا حصول ہوتا ہے بہلۃ کو باء کے ضمہ اور فتحہ دونوں صورتوں میں پڑھا گیا ہے۔ اس کا اصل معنی ترک کرنا ہے۔ عربوں کا مقولہ ہے بھلت الناقة، یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو اسے بغیر اصرار کے چھوڑ دے۔ جس کے حق میں لعنت کی جاتی ہے اسے دنیا و آخرت میں رحمت سے دور کر دیا جاتا ہے۔ یہ عذاب کے واقع ہونے کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ عذاب سے محفوظ رکھنے کا تصور رحمت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ثم کے کلمہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دانشمند آدمی کو زیبا یہی ہے کہ وہ مباہلہ میں تاخیر اور تراخی سے کام لے۔

ے اس کا نبتھل پر عطف عطف تفسیری ہے اور فاء سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لعنت کا وقوع دعا سے مؤخر نہیں ہوتا بلکہ مہلت کے متصل بعد میں واقع ہوتا ہے۔ بغوی نے کہا جب رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو نجران کے وفد پر تلاوت کیا، انہیں مباہلہ کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا ہم واپس جائیں گے اور معاملہ میں غور کریں گے اور کل آئیں گے۔ تو ان میں سے بعض بعض کے پاس گئے۔ انہوں نے عاقب سے کہا جو ان میں سے بڑا دانا تھا، اے عبد المسیح تیری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا قسم بخدا تم پہچان چکے ہو کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، قسم بخدا کسی قوم نے بھی نبی سے کبھی مباہلہ نہیں کیا مگر ان کے بوڑھے ہلاک ہو گئے اور ان کے بچوں میں سے کوئی بھی نہ بچا، اگر تم ایسا کرو گے تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ اگر تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اسی بات پر قائم رہنا چاہتے ہو جس پر اب ہو تو اس ہستی سے بحث و تمحیص کو چھوڑ دو اور اپنے شہروں کی طرف لوٹ جاؤ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب حضور ﷺ حضرت حسین کو گود میں لئے ہوئے حضرت حسن کا ہاتھ پکڑے ہوئے تشریف لائے، جبکہ حضرت فاطمہ آپ کے پیچھے تھیں اور حضرت علی شیر خدا ان کے پیچھے تھے جبکہ آپ انہیں ارشاد فرما رہے تھے جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ نجران کے اسقف نے کہا اے نصاریٰ کی جماعت بے شک میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں، اگر یہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کریں کہ وہ اس پہاڑ کو اپنی جگہ سے زائل کر دے تو وہ ضرور ہٹا دے گا۔ ان سے ہرگز مباہلہ نہ کرنا، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور تا قیامت روئے زمین پر کوئی نصرانی نہیں رہے گا انہوں نے کہا اے ابو القاسم ہم نے یہ رائے قائم کی ہے کہ آپ سے مباہلہ نہ کریں آپ کو آپ کے دین پر چھوڑ دیں اور ہم اپنے دین پر قائم رہیں رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا اگر مباہلہ کرنے سے انکار کرتے ہو تو اسلام لے آؤ تمہارے لئے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں اور تمہارے اوپر وہی فرائض ہوں گے جو مسلمانوں پر لازم ہیں، تو انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تمہارے ساتھ جنگ کروں گا۔ انہوں نے کہا ہم عربوں سے جنگ کی طاقت نہیں رکھتے بلکہ ہم آپ سے صلح کرتے ہیں کہ آپ ہم پر حملہ نہیں کریں گے، ہمیں ڈرائیں گے نہیں، ہمیں دین سے پھرنے پر مجبور نہیں کریں گے اس شرط پر کہ ہم آپ کو دو ہزار حلے دیں گے، ایک ہزار صفر میں اور ایک ہزار رجب میں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس شرط پر صلح کر لی آپ نے فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں اس کی جان ہے بے شک عذاب نجران کے قریب آ چکا تھا، اگر وہ مباہلہ کرتے تو انہیں بندروں اور خنزیروں کی شکلوں میں مسخ کر دیا جاتا، وادی آگ سے بھر جاتی اور اللہ تعالیٰ نجران اور ان کے باسیوں کی جڑ اکھیڑ دیتا یہاں تک کہ درختوں پر پرندہ بھی نہ بچتا۔ ان نصرانیوں پر ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ سب ہلاک ہو گئے(2) ابو نعیم نے دلائل میں ابن

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 278 (قدیمی)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 302-303 (التجاریہ)

عباس سے یونہی نقل کیا ہے۔

اس آیت سے رافضیوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ اس سے خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی نفی ہوتی ہے اور حضرت علی شیر خدا ہی حقیقت میں حضور ﷺ کے بعد خلیفہ برحق تھے۔ انہوں نے کہا یہاں ابناء سے مراد حضرات حسن و حسین ہیں، نساء سے مراد حضرت فاطمہ ہیں اور انفسنا سے مراد حضرت علی شیر خدا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کو محمد ﷺ کا نفس بنایا اور اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت علی شیر خدا کو فضائل میں حضور ﷺ کے ہم پلہ بنادے اور رسول اللہ ﷺ لوگوں میں ان کی ذاتوں سے بھی بڑھ کر تصرف کا حق رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ پس حضرت علی شیر خدا بھی ایسے ہی ہوئے، پس وہی امام ہوئے۔

اس کا جواب کئی طریقوں سے دیا جاتا ہے۔

(1) انفس جمع کا صیغہ ہے جو حضور ﷺ کی ذات اور آپ کے متبعین پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ ان دونوں کی ذات ایک ہے کیونکہ اس کا بطلان ظاہر ہے۔

(2) یہ بھی جائز ہے کہ حضرت علی شیر خدا ابناء میں شامل ہوں جس طرح حسن و حسین ابناء میں شامل ہیں کیونکہ یہاں ابناء سے عموم مجاز مراد ہے کیونکہ عرف میں داماد پر ابن کا اطلاق ہوتا ہے۔

(3) یہ جائز ہے کہ انفس سے مراد وہ لوگ ہوں جو نسب اور دین میں آپ کے ساتھ متصل ہوں جس طرح رب العالمین کا ارشاد ہے: وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا۔ ان سب آیات میں یہی معنی موجود ہے۔ اس وجہ سے ان میں مساوات کے معنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(4) حضرت علی شیر خدا کی حضور ﷺ کے ساتھ تمام صفات میں مساوات باطل ہے۔ اس میں دونوں فریقوں کا اتفاق ہے۔ بعض چیزوں میں مساوات اس مساوات کا فائدہ نہیں دیتی جس میں ہم بحث کر رہے ہیں۔

(5) اگر یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علی شیر خدا زیادہ تصرف کرنے والے ہیں تو یہ اس کو بھی لازم ہوگی کہ وہ آپ کی زندگی میں ایسے ہی ہوں گے جبکہ تم اس قسم کا قول نہیں کرتے۔ لیکن یہ قصہ اس بات پر ضرور دلالت کرتا ہے کہ یہ پانچوں ہستیاں اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین افراد تھے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾

"بے شک یہی ہے واقعہ سچا[1] اور نہیں کوئی معبود[2] سوائے اللہ کے اور بے شک اللہ ہی غالب (اور) حکمت والا ہے[3]"

[1] جو حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کا قصہ ذکر کیا گیا ہے۔ ھو ضمیر فصل ہے، جو اِنَّ کے اسم اور خبر میں فرق کرنے کے لئے آئی ہے۔ یا یہ مبتدا ہے اور القصص اس کی خبر ہے اور پورا جملہ اِنَّ کی خبر ہے۔ ضمیر فصل پر لام کا داخل کرنا جائز ہے کیونکہ لام میں اصل یہ ہے کہ مبتدا پر داخل ہو، اسی وجہ سے اسے لام ابتدائیہ کہتے ہیں۔ خبر پر بھی داخل کرنا جائز ہوتا ہے جب ان کے درمیان ضمیر فصل نہ ہو، اگرچہ یہاں ضمیر فصل ہے، تاہم یہ خبر کی بنسبت مبتدا کے زیادہ قریب ہے، اس لئے اس پر لام ابتدائیہ کو داخل کر دیا۔

[2] یہاں مِنْ زائدہ نفی کے استغراق کی تاکید کے لئے ہے اور نصاریٰ تثلیث کا قول کرتے تھے، اس کے رد کے لئے ہے۔

[3] یہ ترکیب میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مثل ہے اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ یعنی اللہ تعالیٰ کا عزت، قدرت تامہ اور حکمت بالغہ میں کوئی

شل نہیں ہوتا تو پھر الوہیت میں کوئی کیسے اس کا شریک ہو سکتا ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾

”پھر اگر وہ منہ پھیریں [1] تو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے فساد برپا کرنے والوں کو [2]“

[1] اگر وہ دلائل سے روگردانی کریں اور توحید سے اعراض کریں۔

[2] یہ ان لوگوں کے لئے وعید ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے فَاِنْ تَوَلَّوْا يُعَذِّبُهُمْ یہاں سے یعذبہم کو حذف کر دیا گیا اور علیم بالمفسدین کو اس کے قائم مقام رکھ دیا گیا جس طرح علت کو معلول کے قائم مقام رکھا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے فساد سے آگاہ ہے کہ وہ کفر و معاصی کو پھیلا کر اور لوگوں کو ایمان سے روک کر دنیا میں فساد برپا کرتے ہیں اور منعم کی ناشکری اور نافرمانی، اس کے شکر کو چھوڑنا اور اس کے رسول کی مخالفت یہ ان کی ذاتوں میں فساد برپا کرنے کا سبب ہے اور یہی ان کے عذاب کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حق سے اعراض کرنا فساد برپا کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مفسرین نے کہا نجران کا وفد مدینہ آیا، یہ یہودیوں سے ملا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ان سے جھگڑا کیا۔ نصاریٰ نے گمان کیا کہ وہ نصرانی تھے اور نصرانی آپ کے دین پر ہیں اور لوگوں میں سے آپ کے زیادہ قریب ہیں۔ یہودیوں نے کہا بلکہ وہ تو یہودی تھے اور وہ آپ کے دین پر ہیں اور لوگوں میں سے آپ کے زیادہ قریب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دونوں فریق حضرت ابراہیم اور آپ کے دین سے بری ہیں، آپ تو حق کی طرف رجوع کرنے والے اور اطاعت شعار تھے، میں آپ کے دین پر قائم ہوں۔ پس تمہیں چاہیے کہ آپ کے دین اسلام کی پیروی کرو اور یہودیوں نے کہا آپ ہم سے کچھ ارادہ نہیں کرتے مگر یہ کہ ہم آپ کو رب بنا لیں، جس طرح نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ کو رب بنالیا ہے۔ نصاریٰ نے کہا آپ ہم سے کسی اور بات کا ارادہ نہیں کرتے مگر اس بات کا کہ ہم تمہارے بارے میں وہی بات کہیں جو یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کے متعلق کہی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آنے والی آیات کو نازل کیا۔(1)

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

”(میرے نبی!) آپ کہئے اے اہل کتاب [1] آؤ اس بات کی طرف [2] جو یکساں ہے [3] ہمارے اور تمہارے درمیان [4] (وہ یہ کہ) ہم نہ عبادت کریں (کسی کی) سوائے اللہ کے [5] اور نہ شریک ٹھہرائیں اس کے ساتھ کسی چیز کو [6] اور نہ بنائے کوئی ہم میں سے کسی کو رب اللہ کے سوا۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں (اس سے) تو تم کہہ دو گواہ رہنا (اے اہل کتاب) کہ ہم مسلمان ہیں [7]“

[1] یہاں خطاب یہود و نصاریٰ دونوں کو ہے۔

[2] بغوی نے کہا عرب ہر ایسے قصہ جس کی وضاحت کی جاتی ہو اسے کلمہ کہتے ہیں، اسی وجہ سے قصیدہ کو بھی کلمہ کہتے ہیں۔(2)

[3] یہ مصدر ہے اور مستویۃ کے معنی میں ہے اور اس کی مؤنث ذکر نہیں کی جاتی کیونکہ مصدر کی تانیث، جمع اور تثنیہ ذکر نہیں کیا جاتا۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 303 (التجاریہ)　　2۔ ایضاً

۴؎ یہ ظرف ہے جو سواء کے متعلق ہے یعنی یہ ایسی بات ہے جس میں قرآن تورات اور انجیل میں کوئی فرق نہیں۔

۵؎ یعنی ہم اس کے ساتھ کسی انسان، بت، فرشتے اور شیطان کو عبادت میں شریک نہیں کرتے۔ اَنْ محل رفع میں ہے کیونکہ اس کا مبتدا محذوف ہے، یا کلمہ سے بدل ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی بِاَنْ لَا نَعْبُدَ

۶؎ واجب الوجود ہونے میں کسی چیز کو بھی ہم اس کا شریک نہیں ٹھہراتے، جس طرح یہودیوں اور نصرانیوں نے کیا کیونکہ انہوں نے کہا عزیز بن اللہ مسیح بن اللہ، نعوذ باللہ من ذلک۔ انہوں نے ان دونوں کی عبادت بھی کی۔ نصاریٰ نے کہا ثالث ثلاثہ۔

۷؎ یعنی ہم میں سے بعض بعض کی اطاعت نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذن کے بغیر حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی: اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ تو عدی بن حاتم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا وہ تمہارے لئے چیزوں کو حلال و حرام نہیں کرتے تھے اور تم ان کے قول کو تسلیم کرتے تھے؟ تو انہوں نے عرض کیا ہاں۔ حضور نے ارشاد فرمایا یہاں یہی مفہوم ہے۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، کسی غیر کی اطاعت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ یہی حکم ہوگا جو علماء، اولیاء، سلاطین اور حکماء کی اطاعت کی جاتی ہے، جبکہ وہ شرع کے مطابق ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ اور جو اطاعت شرع کے تقاضوں کے برعکس ہو وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بعض کا بعض کو رب بنانے کے حکم میں ہوگی۔ حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں، بیشک طاعت تو اچھے عمل میں ہے(1) اسے شیخین نے صحیحین میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا، عمران بن حصین اور حکیم بن عمرو غفاری سے مروی ہے لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت کرنا صحیح نہیں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اگر کسی آدمی کے پاس نبی کریم ﷺ سے مرفوع حدیث ظاہر ہو جائے جو معارضہ سے محفوظ ہو، اس کے لئے کوئی ناسخ بھی ظاہر نہ ہو اور امام ابو حنیفہ کا فتویٰ اس حدیث کے خلاف ہو جبکہ ائمہ میں سے کسی ایک نے بھی حدیث طیبہ کے موافق رائے قائم کی ہو، اس آدمی پر حدیث طیبہ کی اتباع لازم ہے، آپ کے مذہب پر جمود حدیث کی اتباع سے اسے نہ روکے تاکہ بعض کو بعض کا رب بنانے والا حکم ثابت نہ ہو۔ امام بیہقی نے مدخل میں سند صحیح کے ساتھ عبداللہ بن مبارک سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا میں نے امام ابو حنیفہ کو یہ ارشاد فرماتے سنا جب حضور ﷺ کی طرف سے کوئی ارشاد مجھ تک پہنچے تو میرا سر آنکھوں پر، جب صحابہ میں سے کسی کا ارشاد ہم تک پہنچے تو ہم ان میں سے کسی ایک کا قول اپنائیں گے اور جب کسی تابعی کا قول ہم تک پہنچے گا تو ہم مزاحمت کریں گے اور پوری پوری تحقیق کریں گے۔ روضۃ العلماء میں مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے فرمان اور صحابہ کرام کے اقوال کے مقابلہ میں میرے قول کو چھوڑ دو۔ آپ سے یہ بھی منقول ہے جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ میں نے حدیث پر عمل کرنے کے اعتبار سے جو یہ کہا کہ ائمہ حدیث میں سے کوئی اس طرف گیا ہو تاکہ عمل اجماع کے خلاف نہ ہو کیونکہ اہل سنت تیسری یا چوتھی قرن کے بعد ان چار مذاہب میں تقسیم ہو گئے تھے اور فرعی مسائل میں ان کے علاوہ کوئی مذہب باقی نہ رہا۔ تو پھر وہ قول جو ان سب کے خلاف ہو اس کے باطل ہونے پر اجماع منعقد ہو گیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 125 (قدیمی)

مُصۡلِیۡہٖ اور جو مومنوں کے راستہ کے علاوہ کسی راہ پر چلا تو ہم اسے پھیر دیتے ہیں جس راہ وہ پھرے اور ہم اسے جہنم میں داخل کر دیتے ہیں او روہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ نیز یہ احتمال بھی نہیں ہوسکتا کہ یہ حدیث ائمہ اربعہ اکابر علماء جو ان ائمہ کے شاگرد تھے، ان سے مخفی رہی، انہوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑا ہوگا کہ کوئی اور ایسی حدیث ہوگی جس نے اسے منسوخ کر دیا ہوگا یا اس میں کوئی تاویل ہوگی۔

فائدہ: کسی آدمی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ایسا امر "جس میں علماء شرع نے حرمت یا کراہت کا فتوی دیا ہو" میں یہ کہے کہ مشائخ صوفیہ نے یہ طریقہ اپنایا ہے اور ہم ان کے طریقے پر عمل کرتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ مشائخ صوفیہ نے شرع کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کیا، یہ سب فساد ان کے جاہل متبعین کا پیدا کردہ ہے۔

فائدہ: جہلاء کی طرح اولیاء وشہداء کی قبروں کو سجدہ کرنا، ان کے گرد طواف کرنا، دیئے جلانا (ا) ان پر مساجد بنانا، سال کے بعد عید کی طرح ان پر اجتماع کرنا جسے وہ عرس کہتے ہیں جائز نہیں (ب) حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے جب رسول ﷺ بیمار ہوئے، آپ اپنے چہرہ پر چادر ڈالے ہوئے تھے، جب تکلیف زیادہ ہوئی تو اسے اپنے چہرے سے ہٹا دیا اور اسی حالت میں فرمایا اللہ تعالیٰ کی یہود ونصاریٰ پر لعنت ہو، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا ہے، حضور ﷺ نے ان جیسا عمل کرنے سے ڈرایا ہے، متفق علیہ۔ امام احمد اور طیالسی نے اسی کی مثل اسامہ بن زید سے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے ابن عباس سے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا، تو قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں ان کی قبروں کو مساجد بنانے والوں اور چراغ روشن کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ امام مسلم نے جندب بن عبدالملک سے ایک روایت نقل کی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے وصال سے پانچ دن پہلے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا خبر دار انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، بے شک میں تمہیں اس چیز سے منع کرتا ہوں۔

۸ یعنی اگر اہل کتاب اس صحیح مستقیم مستوی اور متفق علیہ امر سے روگردانی کریں تو اے نبی مکرم ﷺ اور مومنو ان سے کہو اے اہل کتاب گواہ بن جاؤ، ہم تمام سماوی کتابوں پر ایمان لائے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ابوسفیان بن حرب نے انہیں یہ بات بتائی کہ ہرقل نے اسے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ اپنے دربار میں طلب کیا، جب کہ قریش کے یہ افراد تجارت کی غرض سے گئے ہوئے تھے، جبکہ یہ وہ زمانہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ اور کفار مکہ کے درمیان صلح حدیبیہ ہو چکی تھی۔ قریش کے یہ افراد ہرقل کے پاس گئے، جبکہ وہ ایلیا میں تھا۔ اس نے اپنی مجلس میں ان کو طلب کیا، جبکہ اس کے ارد گرد روم کے سردار موجود تھے۔ پھر اس نے وہ خط منگوایا جو رسول اللہ ﷺ نے حضرت دحیہ کلبی کے ہاتھ بصریٰ کے حاکم کے پاس بھیجا تھا۔ اس نے یہ خط ہرقل کو روانہ کر دیا تھا جس میں یہ الفاظ تھے۔ ترجمہ: "سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ امابعد، میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، تو اسلام قبول کرے تو خود بھی سلامتی پائے گا اور اللہ تجھے دو گنا اجر دے گا، اگر تو نے روگردانی کی تو بے شک تجھ پر رعایا کا گناہ بھی ہوگا۔ اے اہل کتاب آؤ ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا رب نہ بنائیں۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو تم کہہ دو گواہ رہنا ہم مسلمان ہیں" (1) متفق علیہ۔

فائدہ: حضور ﷺ کا اس آیت کو نجران کے وفد پر پڑھنا، ہرقل کی طرف اسے لکھ کر بھیجنا، ان کا اسے تسلیم کرنا اور اس طرح رد نہ کرنا کہ یہ کلمہ

(ا) نیت یہ ہو کہ اس سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے تو یہ حکم ہوگا، اگر مقصد زائرین کی سہولت ہو تو حکم یہ نہ رہے گا۔

(ب) جس طرح میلوں ٹھیلوں پر انداز اپنایا جاتا ہے، جبکہ اصل مقصد آخرت کو یاد کرنا اور دعائے مغفرت ہے۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 574 (وزارت تعلیم) تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 304-303 (التجاریہ)

ہماری کتابوں میں نہیں ہے، یہ حضور ﷺ کی نبوت تمام کتب اور رسولوں کے اس کلمہ پر مجتمع ہونے پر حجت قاطعہ ہے۔ اس سے یہ امر بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان کا یہ قول کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں، یہ سب ان کی اپنی فاسد آراء اور تقلید پر مبنی تھا۔ یہ کتابوں کی طرف منسوب نہ تھا۔ اسی وجہ سے تو انہوں نے آقائے دو عالم ﷺ سے اس انداز میں بات کی، کہا آپ نے کوئی ایسا انسان دیکھا ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا ہو (نقلی دلیل سے استدلال نہیں کیا)۔ امام بیضاوی نے کہا دیکھو تو سہی کہ اس قصہ میں ہدایت دینے اور استدلال میں درجہ بدرجہ دلیل لانے میں کس قدر مبالغہ سے کام لیا گیا ہے، سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوال بیان کئے، ساتھ ہی ساتھ ان مراحل کا ذکر کیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر گزرتے رہے جو آپ کی الوہیت کی نفی کر رہے تھے، پھر اس چیز کا ذکر کیا جو ان کے عقدہ کو حل کر دے اور شبہ کو زائل کر دے، جس طرح فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے ہی ہے جس طرح آدم علیہ السلام، پھر جب ان کے عناد اور سرکشی کو دیکھا تو انہیں مباہلہ کی دعوت دی جو اعجاز کی ایک صورت تھی، پھر جب یہ دیکھا کہ وہ اس سے بھی اعراض کرنے والے ہیں اور کچھ اطاعت کا اظہار کر رہے ہیں، راہنمائی کی طرف پھر رجوع کیا اور ایک آسان راہ کا انتخاب کیا کہ انہیں ایسے امر کی دعوت دی جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام، انجیل تمام انبیاء اور کتابیں سب متفق تھیں، پھر جب یہ بھی ان کے لئے فائدہ مند نہ ہوئی اور یہ جان لیا کہ آیات اور انذار انہیں کچھ فائدہ نہیں دے رہیں تو ان سے بھی اعراض کر لیا اور فرمایا گواہ رہنا، ہم تو مسلمان ہیں۔(1) واللہ اعلم

ابن اسحاق نے اپنی مسلسل سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ نجران کے عیسائی اور یہود کے علماء رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جمع ہوئے یہودیوں کے علماء نے کہا حضرت ابراہیم صرف یہودی تھے نصرانیوں نے کہا آپ صرف نصرانی تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔(2)

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

"اے (اہل کتاب) کیوں جھگڑتے ہو تم ابراہیم کے بارے میں حالانکہ نہیں اتاری گئی تورات اور انجیل مگر ان کے بعد کیا (اتنا بھی) تم نہیں سمجھ سکتے۔1"

1۔ یہ خطاب دونوں فریقوں کو ہے۔ تم کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم علیہ السلام کے دین میں، جبکہ یہودیوں کا دین تو بعد میں آیا اور عیسائیوں کا دین بھی تو بعد میں ہوا، کیونکہ حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فرق تھا اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان بھی ایک ہزار سال کا فاصلہ تھا۔ کیا تم اب بھی اپنے قول کے بطلان کو نہیں سمجھتے۔ شاید وہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بعض اعمال فرعیہ میں تورات یا انجیل کے احکام جیسا عمل کرتے تھے، بلکہ دونوں فریقوں نے حضرت موسیٰ کے وصال اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد اپنی طرف سے گھڑ لئے تھے اور کتابوں میں جو انہوں نے تحریف کی تھی۔ یہی حقیقت میں دونوں فریقوں میں محل نزاع اور ظاہر بطلان تھا کیونکہ اعمال فرعیہ زمانہ گزر جانے کے بعد منسوخ ہو جاتے ہیں، جس طرح قانون قدرت سے مقصود مختلف زمانوں کے مصالح ہوتے ہیں، تو پھر ابراہیم علیہ السلام کا دین یہودیت اور نصرانیت کیسے ہو سکتا ہے۔ رہا دین کے اصول کا معاملہ یا فروعات میں سے جو منسوخ ہونے کا احتمال نہیں رکھتے جس طرح غیر اللہ کی عبادت جھوٹ اور ظلم ان پر تمام شریعتیں اور دین

1۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شہاب، جلد 3، صفحہ 65 (العلمیہ) 2۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 304 (التجاریہ)

متفق ہیں تو ان میں اختلاف کا احتمال نہیں ہوتا۔

هَاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۶

" سنتے ہو[1] تم وہ لوگ ہو[2] جو جھگڑتے رہے ہو (اب تک)[3] ان باتوں میں جن کا تمہیں کچھ نہ کچھ علم تھا[4] پس (اب) کیوں جھگڑنے لگے ہو[5] ان باتوں میں نہیں ہے تمہیں جن کا کچھ علم[1] اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہے "

[1] قرأت: نافع اور ابو عمرو نے ھا کو بغیر ہمزہ کے مد کے ساتھ پڑھا ہے، جہاں بھی قرآن حکیم میں یہ لفظ واقع ہوا ہے، ورش نے مد میں قلت کے ساتھ پڑھا ہے اور قنبل نے ہمزہ کے ساتھ، جبکہ ھاء کے بعد الف نہیں پڑھا۔ باقی قراء نے مد اور ہمزہ دونوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ بزی منفصل میں اپنے قاعدہ کے مطابق مقصور کر کے پڑھتے ہیں، جبکہ باقی قراء اپنے قواعد کے مطابق مد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ کوفیوں، بزی اور ذکوان کی قرأت کے مطابق ھاء تنبیہ کے لئے ہے۔ قنبل کی قرأت کے مطابق اس کی اصل ءانتم ہے۔ ہمزہ استفہام کو ھاء سے بدل دیا گیا، جس طرح عربوں کے قول ہرقت کو ھرقت سے بدل دیا جاتا ہے۔ پس یہ ھانتم بن گیا۔ ورش کی قرأت کے مطابق بھی یہی ہے فرق اس قدر ہے کہ ان کے نزدیک دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دیا جاتا ہے، جس طرح اجتماع ہمزتین کے موقع پر ان کا قاعدہ ہے جبکہ وہ دونوں مفتوح ہوں، ابو عمرو، قالون اور ہشام کی قرأت کے مطابق دونوں امر جائز ہیں، اگر اس کی اصل ءانتم ہو تو پہلے ہمزہ کو ھاء سے بدلا جائے گا جس طرح قنبل اور ورش کی قرأت کے مطابق کیا جاتا ہے اور دونوں ہمزوں کے درمیان الف فاصل کا اضافہ کر دیا جاتا ہے جس طرح ان کا قاعدہ ہے۔ پھر ابو عمرو اور قالون قرأت کے مطابق دوسرے ہمزہ کو تخفیف کے لئے حذف کر دیا جاتا ہے اور ہشام کی قرأت کے مطابق اسے باقی رکھا جاتا ہے۔ اگر اس کی اصل ھا انتم جملہ خبریہ کی بنا پر ہو تو ہشام کی قرأت کے مطابق اس میں کوئی تغیر نہ ہوگا اور ابو عمرو اور قالون کے نزدیک ہمزہ کو تخفیف کے لئے حذف کر دیا جاتا ہے۔ پھر اس صورت میں کلام یا تو استفہام انکاری کے لئے ہوگی، یا انہیں اس حالت پر تنبیہ کرنے کے لئے ہوگی جس سے وہ غافل ہو چکے تھے اور انتم ضمیر مبتدا ہوگی۔

[2] مبتدا کی خبر ہوگی، مابعد ایک اور جملہ ہوگا جو پہلے جملہ کی ہی وضاحت کرے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ ھؤلاء منادی ہو جس کا حرف ندا حذف ہو اور آنے والا جملہ انتم کی خبر ہو، تقدیر کلام یوں ہو یا ھٰؤلآء انتم یٰھٰا انتم

[3] یعنی تم نے جھگڑا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے ھؤلاء الذی کے معنی میں ہے اور اسکا مابعد اس کا صلہ ہے اور صلہ موصولہ انتم کی خبر ہے۔ کوفہ کے نحویوں نے کہا یہ بھی جائز ہے کہ اسم اشارہ کو اسم موصول کی جگہ رکھا جائے، کلام یوں ء انتم الذی یٰھا انتم الذی جادلتم

[4] موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تمہارے پاس علم ہو اور تم نے دعویٰ کیا کہ تم ان کے دین پر ہو جبکہ تم جانتے ہو کہ ان کا دین تو تورات و انجیل تھا اور اگرچہ تم نے خلط ملط کر دیا ہے بعض ان چیزوں کو جو تورات اور انجیل میں حضور ﷺ کی نعت وغیرہ تھی اور جو یہ خبر تھی کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو حضور ﷺ کے دین کے ساتھ منسوخ کر دیا جائے گا، جو نبی امی ہیں، جنہیں آخری زمانہ میں مبعوث کیا جائے گا جو تم نے جانتے بوجھتے تورات و انجیل میں غلط کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کر دے گا جس کے باعث تم ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے۔

[5] اے بے وقوفو! جو اپنے قول کے باطل ہونے سے غافل ہو، تم کیوں جھگڑتے ہو۔

۱؎ یہاں بہ سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین اور آپ کی شریعت ہے کیونکہ تورات اور انجیل میں ان کے دین اور شریعت کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا جبکہ وہ تم سے کئی ہزار سال پہلے تھے۔

۲؎ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی پر جو احکام نازل فرمائے ہیں وہ انہیں خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے مگر وہی جو اس نے تمہیں کتاب میں سے تعلیم دی ہے بلکہ تم تو مطلقاً کچھ جانتے ہی نہیں، جب تم نے اسے چھوڑ دیا جو اللہ تعالیٰ نے تم پر نازل فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا، یہاں تک کہ تم حضور ﷺ پر بھی ایمان نہ لائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے تم سے پختہ وعدہ لیا تھا تو بطریق اولیٰ تم اس مخاصمت میں ذلیل و رسوا ہو گئے کیونکہ جاہل کو زیبا نہیں کہ وہ عالم سے جھگڑا کرے۔ اس میں اس بات پر آگاہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بحث کرنا صحیح تھا کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے عالم تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی وضاحت کی۔

مَا كَانَ إِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٦٧﴾

"نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی ۱؎ بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے ۲؎ مسلمان تھے ۳؎ اور نہ ہی وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے ۴؎"

۱؎ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین بہت سارے معاملات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کے موافق نہ تھا۔

۲؎ حنیف سے مراد غلط عقائد سے اعراض کرنے والا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حنیف سے مراد وہ ہوتا ہے جو موحد ہو قربانی دے، ختنہ کرائے اور کعبہ معظمہ کی طرف منہ کرے جبکہ یہود و نصاریٰ میں یہ چیزیں نہ تھیں۔

۳؎ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع کرنے والا، نہ کہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والا، جبکہ تم اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت نہیں کرتے کیونکہ تم نبی امی پر ایمان نہیں لاتے جس کا ذکر تم تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہو اور تم ثالث ثلاثہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہو اور تم کہتے ہو عزیر ابن اللہ اور مسیح ابن اللہ تو پھر تم کس طرح دعویٰ کرتے ہو کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین اور ملت پر ہو۔

۴؎ یعنی ابراہیم علیہ السلام مشرک نہیں تھے بلکہ آپ تو موحدین میں سے تھے۔

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٨﴾

"بیشک نزدیک تر لوگ ۱؎ ابراہیم (علیہ السلام) سے وہ تھے جنہوں نے انکی پیروی کی نیز یہ نبی کریم ۲؎ اور جو (اس نبی پر) ایمان لائے ۳؎ اور اللہ تعالیٰ مددگار ہے مومنوں کا ۴؎"

۱؎ اولیٰ کا لفظ ولی سے مشتق ہے جس کا معنی ہے قریب ہے یعنی دین کے اعتبار سے زیادہ خاص اور زیادہ قریبی۔

۲؎ آپ کی امت کیونکہ یہ بلاشبہ آپ کے دین پر ہے وَهٰذَا النَّبِيُّ یعنی مُحَمَّدًا ﷺ۔

۳؎ جو حضور ﷺ پر ایمان لائے کیونکہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ شریعت کے اکثر احکام میں موافقت کرنے والے ہیں کیونکہ یہ موحد ہیں، قربانی دیتے ہیں، عمرہ کرتے ہیں اور ان تمام امور کو سرانجام دیتے ہیں جن کا حضرت ابراہیم کو مکلف بنایا گیا۔

سے اللہ تعالیٰ ان کا دوست ہے جو حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے کیونکہ یہی اول سے لے کر آخر تک تمام انبیاء پر ایمان لائے جبکہ یہود و نصاریٰ کا معاملہ مختلف ہے۔

بغوی نے کہا کلبی نے ابوصالح سے، وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں اور اسے محمد بن اسحاق نے ابن شہاب سے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب جعفر بن ابی طالب اور دوسرے صحابہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اور بدر کے واقعہ نے قریش کو دار الندوہ میں جمع کیا انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ بے شک اصحاب نبی ﷺ میں سے وہ لوگ جو نجاشی کے پاس ہیں ان سے انتقام کی صورت بنتی ہے تا کہ ہم بدر میں مارے گئے، لوگوں کا خون چکا سکیں۔ پس مال جمع کرو اور نجاشی کی طرف بھیجو تا کہ تمہیں وہ لوگ دے دے جو اس کے پاس موجود ہیں اس کام کے لئے انہوں نے دو ذہین آدمیوں کا انتخاب کیا۔ انہوں نے عمرو بن عاص اور عمارہ بن معیط کو کچھ (تحائف کے) چمڑے بطور ہدیہ دے کر بھیجا۔ یہ دونوں کشتیوں پر سوار ہوئے اور حبشہ پہنچے۔ جب نجاشی کے پاس آئے تو اسے سجدہ کیا، سلام کیا اور اسے کہا ہماری قوم آپ کے لئے مخلص ہے، آپ کی شکر گزار ہے، تیری سلامتی کو پسند کرتی ہے، انہوں نے آپ کی طرف ہمیں بھیجا ہے تا کہ ہم ان کے بارے میں آپ کو آگاہ کریں جو لوگ آپ کے پاس آئے ہیں کیونکہ یہ کذاب (نعوذ باللہ) کے ساتھی ہیں جو ہمارے درمیان ظاہر ہوا، وہ یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ ہم میں سے بے وقوفوں کے سوا کسی نے بھی اس کی اتباع نہیں کی۔ ہم نے ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور انہیں ایک گھاٹی میں محصور کر دیا، ہم میں سے کوئی ان پر نہ داخل ہوتا ہے، نہ ان میں سے کوئی باہر نکلتا ہے۔ انہیں بھوک اور پیاس نے ہلاک کر دیا۔ جب اس پر معاملہ سخت ہوا تو اس نے اپنا چچا زاد بھائی آپ کی طرف بھیج دیا تا کہ تیرے دین، ملک اور رعیت میں فساد برپا کر دے۔ ان سے محتاط رہیے، انہیں ہمارے حوالے کر دیجئے تا کہ ہم آپ کی طرف سے انہیں کافی ہو جائیں۔ درباریوں نے کہا وہ وہی لوگ ہیں، جب آپ کے پاس آتے ہیں تو سجدہ نہیں کرتے اور اس طرح کا سلام بھی نہیں کرتے جس طرح دوسرے لوگ سلام کرتے ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ آپ کے دین اور طریقہ سے نفرت کرتے ہیں۔ راوی نے کہا نجاشی نے انہیں بلا بھیجا جب وہ حاضر ہوئے تو حضرت جعفر نے دروازہ پر بلند آواز سے کہا اللہ تعالیٰ کی جماعت حاضری کی اجازت چاہتی ہے۔ نجاشی نے کہا اس چیخنے والے کو کہو دوبارہ یہ کلمات کہے۔ حضرت جعفر نے پھر ایسا ہی کہا۔ نجاشی نے کہا ہاں اجازت ہے۔ پس انہیں اللہ تعالیٰ کے اذن اور حفاظت میں داخل ہونا چاہئے۔ عمرو بن عاص نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور کہا تو سنتا نہیں کہ وہ کس طرح کلام کرتے ہیں اور نجاشی انہیں کس طرح جواب دیتا ہے۔ دونوں کو یہ بات بری لگی۔ پھر یہ لوگ نجاشی کے پاس آئے، اسے سجدہ نہ کیا۔ عمرو بن عاص نے کہا دیکھتے نہیں، ہو یہ سجدہ کرنے سے تکبر کرتے ہیں۔ نجاشی نے کہا کس چیز نے تمہیں روکا کہ تم مجھے سجدہ کرو اور اس طرح سلام کرو جس طرح دوسرے لوگ سلام کرتے ہیں؟ صحابہ نے جواب دیا ہم صرف اسے سجدہ کرتے ہیں جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں ملک عطا کیا، بے شک وہی سلام کا طریقہ تھا جب ہم بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان نبی صادق مبعوث کیا اور ہمیں ایسے سلام کا حکم دیا جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہے، یہ جنتی لوگوں کا سلام ہے۔ نجاشی پہچان گیا کہ یہی حق ہے اور یہی تورات اور انجیل میں ہے۔ نجاشی نے پوچھا تم میں سے حزب اللہ کہہ کر اجازت طلب کرنے والا کون تھا؟ حضرت جعفر نے کہا میں۔ نجاشی نے کہا گفتگو کرو۔ آپ نے فرمایا تو اہل زمین اور اہل کتاب کا بادشاہ ہے، آپ کے پاس نہ کلام زیادہ ہونی چاہیے نہ ہی ظلم۔ میں پسند کرتا ہوں کہ میں اپنے ساتھیوں کی طرف سے جواب دوں۔ آپ ان دو آدمیوں کو حکم دیں کہ ان میں سے ایک گفتگو کرے اور دوسرا خاموش رہے اور آپ ہماری گفتگو کو سنیں۔ تو عمرو بن عاص نے کہا آپ گفتگو کریں۔ تو حضرت جعفر نے نجاشی سے کہا ان سے پوچھئے کیا ہم غلام ہیں یا آزاد؟ عمرو بن عاص نے کہا غلام نہیں بلکہ معزز آزاد ہیں۔ نجاشی نے کہا یہ غلامی سے آزاد ہوئے، پھر حضرت

جعفر نے کہا ان سے پوچھئے کیا ہم نے ناحق خون بہایا ہے کہ یہ ہم سے خون بہا چاہتے ہیں؟ تو عمرو بن عاص نے کہا نہ انہوں نے کسی کو قتل کیا نہ ایک قطرہ خون بہایا۔ حضرت جعفر نے نجاشی سے کہا ان سے پوچھئے کیا ہم نے کسی کا ناحق مال لیا جس کی وجہ سے مال دینا ہم پر لازم ہے؟ نجاشی نے کہا اگر وہ بہت بڑا خزانہ بھی ہوا تو میں دوں گا۔ عمرو بن عاص نے کہا کوئی مال انہوں نے نہیں لیا۔ بلکہ ایک قیراط بھی نہیں لیا نجاشی نے کہا تو پھر تم ان سے کیا چاہتے ہو؟ عمرو بن عاص نے کہا ہم اور یہ بس ایک طریقہ اور اپنے آباء کے دین پر تھے، ان لوگوں نے اسے چھوڑ دیا اور ایک اور دین کی اتباع کرنے لگے، ان کی قوم نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے تا کہ آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیں تو نجاشی نے کہا وہ دین کونسا ہے جس پر تم پہلے تھے اور وہ دین کونسا ہے جس کی تم اب اتباع کرتے ہو؟ مجھے سچ سچ بتا دو۔ حضرت جعفر نے فرمایا وہ دین جس پر پہلے ہم تھے، جس کو ہم نے اب چھوڑ دیا ہے وہ شیطان کا دین تھا، ہم اللہ تعالیٰ کے منکر تھے، پتھروں کی پوجا کرتے تھے۔ رہا وہ دین جس کو اب ہم نے قبول کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دین اسلام ہے، اللہ تعالیٰ کا رسول جسے ہمارے پاس لایا ہے اور ایک کتاب ہے جو ابن مریم کی کتاب کے موافق ہے۔ نجاشی نے کہا تو نے عظیم گفتگو کی ہے، ٹھہر جاؤ۔ پھر نجاشی نے کہا کہ ناقوس بجایا جائے تو اس کے پاس تمام علماء اور راہب اکٹھے ہو گئے۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو نجاشی نے کہا میں تمہیں اس اللہ کا واسطہ دیتا ہوں جس نے انجیل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا کیا تم حضرت عیسیٰ اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی پاتے ہو؟ سب نے کہا ہاں، ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی بشارت دی ہے، آپ نے یہ فرمایا تھا جو اس پر ایمان لایا وہ مجھ پر ایمان لایا اور جس نے اس کا انکار کیا اس نے میرا انکار کیا۔ نجاشی نے حضرت جعفر سے فرمایا وہ شخصیت تمہیں کیا کہتی ہے، کس چیز کا حکم دیتی ہے اور کس چیز سے تمہیں روکتی ہے؟ حضرت جعفر نے کہا وہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہیں، ہمیں نیکی کا حکم دیتے ہیں برائی سے روکتے ہیں، پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی، یتیم کے ساتھ نیکی کا حکم دیتے ہیں، وہ ہمیں حکم دیتے ہیں ہم صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں۔ نجاشی نے کہا ہمیں وہ سنائیں جو وہ تمہیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ تو حضرت جعفر نے سورۂ عنکبوت اور سورۂ روم کی آیات پڑھ کر سنائیں، تو نجاشی اور اس کے ساتھیوں کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں سب نے یک زبان ہو کر کہا اس خوبصورت کلام کو مزید پڑھیے تو آپ نے ان کو سورۂ کہف کی آیات سنائیں۔ تو عمرو بن عاص نے نجاشی کو غصہ دلانے کے لئے کہا یہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کو گالی دیتے ہیں۔ تو نجاشی نے کہا تم حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تو حضرت جعفر نے سورۂ مریم کی آیات پڑھیں۔ جب حضرت جعفر حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے ذکر پر پہنچے تو نجاشی نے اپنے مسواک میں سے ایک باریک ریزہ جیسے آنکھ میں تنکا پڑ جاتا ہے، اٹھایا اور کہا جو کچھ یہ کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے اتنا زیادہ بھی نہ تھے۔ پھر نجاشی حضرت جعفر اور آپ کے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا جاؤ تم یہاں امن میں ہو، جس نے تمہیں گالی دی یا اذیت پہنچائی اس کو سزا دی جائے گی۔ پھر کہا تمہیں بشارت ہو، تمہیں کوئی خوف نہیں، آج سے حضرت ابراہیم کی جماعت پر کوئی نقصان نہیں۔ عمرو نے نجاشی سے کہا ابراہیم کی جماعت کون ہے؟ نجاشی نے کہا یہ لوگ اور ان کے سردار جس کے پاس سے یہ یہاں آئے ہیں اور جس نے بھی ان کی پیروی کی اور مشرکوں نے اس کا انکار کیا اور دین ابراہیمی میں غلط دعویٰ کیا۔ پھر نجاشی نے عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی پر تحائف واپس کر دیئے جو وہ لائے تھے اور کہا تمہارا یہ ہدیہ رشوت تھا، اسے لے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ ملک عطا کیا اور مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی۔ حضرت جعفر نے کہا ہم پلٹے تو ہم بہترین گھر اور بہترین پناہ میں تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسی روز رسول اللہ ﷺ پر حضرت ابراہیم کے متعلق یہ آیات نازل کیں جب کہ یہود و نصاریٰ آپ کے پاس حضرت ابراہیم کے متعلق جھگڑا کر رہے تھے۔(1)

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 306-305 (التجاریہ)۔

یَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾

"دل سے چاہتا ہے ایک گروہ اہل کتاب سے ۱؎ کہ کسی طرح گمراہ کردیں تمہیں ۲؎ اور نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ کو ۳؎ اور وہ (اس حقیقت کو) کو نہیں سمجھتے ۴؎ "

۱؎ یہ آیت کریمہ معاذ بن جبل، حذیفہ بن یمان اور عمار بن یاسر کے حق میں نازل ہوئی جب انہیں یہودیوں نے اپنے دین کی دعوت دی یعنی یہودیوں کی ایک جماعت نے تمنا کی (1)

۲؎ یعنی تمہیں دین سے گمراہ کردیں اور کفر کی طرف لوٹا دیں۔ لو مصدر یہ ہے ان کے معنی میں ہے، معنی میں عامل ہے، لفظوں میں عمل نہیں کرتا۔ ودت سے محل نصب میں ہے، یا یہ تمنی کے معنی میں ہے اور ودا کا بیان ہے۔

۳؎ یعنی گمراہ کرنے کا وبال ان کی ذاتوں کی طرف ہی لوٹے گا، ان کے لئے عذاب کئی گنا بڑھا دیا جائے گا اور مسلمان اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی وجہ سے ان کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ پس گمراہ کا گمراہ کرنا انہیں لازم نہ ہوگا۔

۴؎ یعنی وہ شعور ہی نہیں رکھیں گے کہ اس کا ضرر ان کی طرف پلٹ آئے گا۔

یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

"اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا ۱؎ حالانکہ تم خود گواہ ہو ۲؎ "

۱؎ یہاں آیت سے مراد وہ آیات ہیں جو حضور ﷺ کی نبوت اور تورات و انجیل میں آپ کی نعت کی گواہی دیتی ہیں یا اس سے مراد قرآن حکیم ہے۔

۲؎ یعنی تم باہم گفتگو کرتے وقت اس بات کا اعتراف کرتے ہو کہ یہ نبی برحق ہے، اس کی صفات تورات و انجیل میں موجود ہیں یا تم معجزات کے ذریعے اس بات سے آگاہ ہو کہ یہ نبی برحق ہے۔

یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾

"اے اہل کتاب کیوں ملاتے ہو حق کو باطل کے ساتھ ۱؎ اور (کیوں) چھپاتے ہو حق کو ۲؎ حالانکہ تم جانتے ہو ۳؎ "

۱؎ یعنی تم حق کو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا گیا باطل کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہو جو تم تحریف کی صورت میں اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہو۔

۲؎ حق سے مراد تورات میں موجود حضور ﷺ کی صفت ہے۔

۳؎ یعنی تم اسے جانتے ہو اور جو تم کرتے ہو جان بوجھ کر کرتے ہو۔

ابن اسحاق نے ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن ضیف، عدی بن زید اور حارث بن عوف نے آپس میں گفتگو کی کہ جو حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب پر نازل کیا گیا ہے، ہم صبح اس پر ایمان لائیں گے اور شام کو اس کا انکار کریں گے تاکہ لوگوں پر دین خلط ملط ہو جائے۔ شاید وہ بھی ایسا ہی کریں جس طرح ہم کرتے ہیں۔ پس وہ اپنے دین سے پلٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (2)

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 306 (التجاریہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 75 (العلمیہ)

النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ

"کہا ایک گروہ نے اہل کتاب سے ۱؎ کہ ایمان لے آؤ ۲؎ اس (کتاب) پر جو اتاری گئی ایمان والوں پر صبح کے وقت ۳؎ اور انکار کر دو اس کا سر شام ۴؎ شاید (اسی طرح) وہ (اسلام سے) برگشتہ ہو جائیں ۵؎"

۱؎ اس سے لے کر واسع علیم تک کلام کی۔

۲؎ یعنی زبان سے ایمان کا اظہار کرو۔

۳؎ یعنی قرآن پر دن کے اول پہر کیونکہ یہی وہ پہلی چیز ہوتی ہے جس کا سامنا کیا جاتا ہے۔

۴؎ یعنی دن کے پچھلے پہر اور پھر کہنا ہم نے اپنی کتابوں میں دیکھا اپنے علماء سے مشورہ کیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ سیدنا محمد نہیں اور ہمارے اوپر ان کا جھوٹ ظاہر ہو گیا۔

۵؎ یہاں ہم ضمیر سے مراد مسلمان ہیں جو ان کے دین میں شک کرتے تھے۔ وہ اپنے دین سے لوٹ آئیں یہ گمان کرتے ہوئے کہ تم نے جو دین کو چھوڑا ہے، وہ کسی نقص کی وجہ سے چھوڑا ہو گا جو تمہارے اوپر ظاہر ہوا تھا۔ بغوی نے کہا حسن نے کہا یہودیوں کے بارہ علماء نے متفق فیصلہ کیا تھا جو خیبر اور عرینہ کے بستی سے تعلق رکھتے تھے (۱) ابن جریر نے سدی سے اسی مثل نقل کیا ہے۔ مجاہد، مقاتل اور کلبی نے کہا یہ امر قبلہ کے متعلق ہوا جب قبلہ کو کعبہ کی طرف پھیرا گیا، یہ یہودیوں پر بڑا شاق گزرا تو کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے کہا کعبہ کے معاملہ پر ایمان لاؤ، پہلے پہر اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو، پھر انکار کر دینا اور پچھلے پہر اپنے سابقہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا۔ (۲)

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

"(ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں) کہ مت مانو کسی کی بات ۱؎ سوائے ان لوگوں کے جو پیروی کرتے ہیں تمہارے دین کی ۲؎ فرمایئے ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہو ۳؎ (اور یہ بھی نہ مانا کرو) دیا جا سکتا ہے ۴؎ کسی کو جیسے تمہیں دیا گیا ۵؎ یا کوئی حجت لا سکتا ہے تم پر ۶؎ تمہارے رب کے پاس ہے (اے حبیب!) فرما دیجئے کہ فضل (و کرم) تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے ۸؎"

۱؎ اس کا عطف اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ پر ہے۔ یعنی تم حقیقی ایمان نہ لانا جس میں دل زبان کی موافقت کرتا ہے اور کسی کے قول کی تصدیق نہ کرنا۔

۲؎ یعنی تمہارے دین والے یا اس کا معنی یہ ہے دن کے پہلے پہر تم اپنے ایمان کو ظاہر نہ کرنا مگر انہیں لوگوں پر جو پہلے تمہارے دین کے پیروکار تھے، کیونکہ ان کے رجوع کی زیادہ امید کی جاتی ہے اور ان کا رجوع کرنا ہمارے نزدیک زیادہ اہم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ لا تؤمنوا اکفروا کا بیان ہو، پھر معنی یہ ہوگا پچھلے پہر ان کا انکار کرنا، پچھلے پہر ایمان کا نہ لانا مگر اپنے دین والوں پر

۳؎ اے محمد ﷺ کفار کو کہہ دو، یعنی وہ ہدایت جو مسلمانوں کو دی گئی، تم اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا نہ سکو گے، اللہ تعالیٰ اپنے نور کو

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 307 (اختصار یہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 307

مکمل کرنے والا ہے تمہارا مکر مومنوں کو کچھ نقصان نہیں دے گا۔ یا اس کا معنی ہے اے محمد ﷺ اپنے آپ کو اور مومنوں کو کہہ دیجیے بے شک ہدایت تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے، کسی مکار کا مکر تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

۴؎ یوتی کو ابن کثیر نے مد کی صورت میں استفہام کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے بغیر مد کے جملہ خبریہ کی صورت میں پڑھا ہے۔ یہ کلام محذوف کے متعلق ہو تو تقدیر کلام یوں ہوگی مَکَرْتُمْ ذٰلِکَ الْمَکْرَ حَسَدًا، یا مَکَرْتُمْ لِاَنْ یُّؤْتٰی

۵؎ کتاب یا حکمت میں سے جو کچھ تمہیں دیا گیا۔

۶؎ اس کا عطف یوتی پر ہے اور یہ ان کی وجہ سے محل نصب میں ہے، اس میں ضمیر مرفوع احد کی طرف لوٹ رہی ہے، اگرچہ احد لفظاً تو مفرد ہے لیکن معنیً جمع ہے کیونکہ یہ نفی یا استفہام کے سیاق میں ہے۔ معنی یہ ہوگا کیا تم نے مکر کیا اس لئے کہ کوئی تم پر غالب نہ آ جائے۔

۷؎ قیامت کے روز کیونکہ وہ ہدایت پر ہیں نہ کہ تم یعنی حسد نے تمہیں اس مکر پر برانگیختہ کیا ہے جبکہ یہ مکر و حسد مناسب نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ ان یوتی لا تؤمنوا کے متعلق ہے اس صورت میں تین تاویلیں ہیں۔

1۔ لَمَنْ تَبِعَ دِیْنَکُمْ میں لام زائدہ ہو جس طرح کہ رب العالمین کے اس ارشاد رَدِفَ لَکُمْ میں ہے اور مستثنیٰ منہ احد، یوتی کا فاعل ہے اور مستثنیٰ اس سے مقدم ہے یا او یحاجوکم میں واؤ کے معنی میں ہے کیونکہ یہ سیاق نفی میں ہے۔ جس طرح لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ کَفُوْرًا میں او بمعنی واؤ ہے۔ معنی اس کا یہ ہوگا نہ تصدیق کرو، نہ اقرار کرو کہ تمہارا جیسا کسی اور کو دیا جا سکتا ہے مگر اسے ہی جو تمہارے دین کی اتباع کرے اور نہ ہی اس بات کی تصدیق کرو کہ اللہ تعالیٰ کے حضور تم پر کوئی غالب آ سکتا ہے۔

2۔ یہاں لام اختصاص کے لئے ہو یا زائدہ ہو اور استثناء مفرغ ہو اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ان یوتی احد میں اسم ظاہر (احد) کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے، اس کو ظاہر اس لئے کیا گیا کیونکہ صدر کلام سے اس کا مرجع محذوف ہے۔ معنی اس کا یہ ہوگا لَا تُصَدِّقُوْا اَحَدًا (کسی ایک کی بھی تصدیق نہ کرو) یا لَا تُقِرُّوْا لِاَحَدٍ کسی ایک کے حق میں اقرار نہ کرو مگر اسی کے حق میں جو تمہارے دین کی اتباع کرے۔ یا معنی یہ ہوگا مگر اس کے حق میں جو تمہارے دین کی اتباع کرے کہ اسے بھی اسی قدر دیا جا سکتا ہے جتنا تمہیں دیا گیا۔ یا تم پر تمہارے رب کے ہاں غلبہ پا سکتا ہے کیونکہ از روئے دین کے تم زیادہ صحیح ہو۔ یہ معانی جمہور کی قرأت کے مطابق ہوں گے مگر ابن کثیر کی قرأت کے مطابق اس کا معنی یہ ہوگا کیا تم تصدیق کرتے ہو یا اقرار کرتے ہو کہ کسی اور کو بھی ایسا دیا جا سکتا ہے جیسا تمہیں دیا گیا یا تمہارے رب کے ہاں تم پر غلبہ پایا جا سکتا ہے، تم سے یہ اقرار اور تصدیق مناسب نہیں لگتی۔ یہ مجاہد کے قول کا معنی ہے۔

3۔ لَا تُؤْمِنُوْا لَا تُظْهِرُوْا کے معنی میں ہو اور لام کے صلہ کے طور پر ہو۔ معنی یہ ہوگا تم اپنے ایمان کو ظاہر نہ کرو کہ کسی ایک کو بھی ایسا دیا جا سکتا ہے جو تمہیں دیا گیا یا تمہارے رب کے ہاں تم پر غلبہ پایا جا سکتا ہے، مگر وہی جو تمہارے دین کی اتباع کرے، یعنی اگر ایمان لانا ہی مسلمانوں کو بتانا ہے تا کہ یہ انہیں اسلام کی طرف دعوت دینے والا نہ ہو جائے۔ ابن کثیر کی قرأت کے مطابق اس کا معنی یہ ہوگا کیا تم دوسرے لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کرتے ہو کہ تمہاری مثل کسی اور کو بھی دیا جا سکتا ہے یا کوئی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تم پر غلبہ پا سکتا ہے، اس قسم کا اظہار مناسب نہیں۔ ان تمام تاویلات کی صورت میں ان الهدى هدى الله جملہ معترضہ ہے۔ مقصود اس بات کی وضاحت کرنا ہے کہ ان کا مکر کوئی نفع نہیں دے گا اور نہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائے گا۔ جمہور کی قرأت کے مطابق یہ جائز ہے کہ ان یوتی ان کی خبر ہو اس صورت میں هدى الله الهدى سے بدل ہوگا اور او یحاجوکم میں او حتیٰ کے معنی میں ہوگا۔ معنی یہ بنے گا کہ ہدایت یعنی خداداد ہدایت یہ ہے کہ جس کسی کو اللہ تعالیٰ چاہے ویسی ہی کتاب دے دے جیسی تم کو دی گئی، یہاں تک کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے وہ تم پر غالب آ جائیں۔ ایک قول یہ کیا

گیا ہے کہ اس کا معنی ہے یہودیوں نے اپنے بے وقوفوں کو کہا کہ تم ایمان نہ لانا مگر اس پر جو تمہارے دین کی اتباع کرے۔ یہاں اَنْ یُّؤْتٰی لِاَنْ لَّا یُؤْتٰی کے معنی میں ہے جس طرح رب العلمین کے اس ارشاد میں ہے یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا یہاں لِئَلَّا تَضِلُّوْا کے معنی میں ہے یعنی تم تصدیق نہ کرنا تاکہ وہ نہ جان لیں جس طرح تمہیں تعلیم دی گئی۔ پس تمہیں ان پر علم میں فضیلت حاصل رہے گی اور اس لئے بھی تاکہ وہ تمہارے خلاف تمہارے رب کے ہاں غالب نہ آ سکیں۔ پس وہ کہیں کہ تم پہچانتے ہوں کہ ہمارا دین حق ہے اور تم ایمان نہیں لاتے۔ یہ ابن جریج نے معنی کیا ہے جو بہت بعید تاویل ہے۔

۵ اے محمد ﷺ یہودیوں کو کہہ دو اللہ تعالیٰ کا فضل اس کے قبضہ قدرت میں ہے تمہارے ہاتھوں میں نہیں جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، جس طرح اس نے حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب کو عطا فرمایا۔ وہ وسیع فضل والا ہے اور جو اس فضل کا مستحق ہے اس سے بھی بخوبی آگاہ ہے۔

یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝

"خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے ۱؎"

۱؎ یہاں رحمت سے مراد نبوت ہے۔

وَ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ یُّؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآىِٕمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ ۚ وَ یَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝

"اور اہل کتاب سے بعض ایسے (دیانتدار) ہیں ۱؎ کہ اگر تو امانت رکھے اس کے پاس ایک ڈھیر (سونے چاندی کا) ۲؎ تو ادا کر دے اسے تمہاری طرف ۳؎ اور ان میں سے بعض وہ بھی ہیں ۴؎ کہ اگر تو امانت رکھے اس کے پاس ایک اشرفی تو واپس نہ کرے گا اسے بھی تیری طرف ۵؎ مگر جب تک تو اس کے سر پر کھڑا رہے ۶؎ اس (بددیانتی) کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہے ہم پر ان پڑھوں کے معاملہ ۷؎ میں کوئی گرفت ۸؎ اور یہ لوگ کہتے ہیں اللہ پر جھوٹ ۹؎ حالانکہ وہ جانتے ہیں ۱۰؎"

۱؎ یعنی عبداللہ بن سلام اور ان جیسے دوسرے اہل کتاب میں سے مومن۔

۲؎ قنطار سے مراد کثیر مال ہے۔

۳؎ وہ اپنے ایمان اور دیانت کی وجہ سے واپس کر دیتا ہے۔ بغوی نے کہا جو یبر ضحاک سے، وہ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن سلام کو ایک ہزار دو سو اوقیہ سونا امانت کے طور پر دیا تو عبداللہ بن سلام نے مطالبہ واپس کر دیا۔(1)

۴؎ یعنی کعب بن اشرف اور اس جیسے یہود میں سے کفار۔ مقاتل نے بھی اسی کی مثل کہا۔

۵؎ بغوی نے کہا قریش کے ایک آدمی نے فخاص بن عاذورا کے پاس ایک دینار امانت کے طور پر رکھا، تو اس نے اس میں بھی خیانت کر دی(2) ابو عمرو، ابوبکر اور حمزہ نے یؤدہ ولا یؤدہ الیک و نؤتہ منہا دونوں جگہ ھاء کو ساکن پڑھا ہے۔ سورۂ نساء میں نولہ اور نصلہ ہے۔ شوریٰ میں نؤتہ سات مقامات پر ہاء کے سکون کے ساتھ، کیونکہ ھاء جزم کی جگہ واقع ہے، جبکہ لام کلمہ گرنے والی یاء ہے۔ قالون، ابو جعفر اور یعقوب

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 309 (التجاریہ)

2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 309 (التجاریہ)

نے حاء کے کسرہ کو اختلاس(ا) کے ساتھ پڑھا ہے، انہوں نے یا ساکنہ جو حذف ہے اس کو موجود خیال کیا ہے، حاء جو حرف ساکن کے بعد ہو اس کی حرکت میں اختلاس ہوتا ہے۔ ہشام سے تمام مواقع پر یوں ہی مروی ہے۔ باقی قراء نے کسرہ کے اشباع کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ متحرک حرف کے بعد حاء میں اشباع ہوتا ہے اسے ساکن کرنے کے ساتھ وقف کرنا سب کا متفق علیہ مسلک ہے۔

۶؎ ابن عباس نے کہا قائما کا معنی اصرار کرنے والا ہے، کہا جاتا ہے یقوم علیہ یعنی اصرار کے ساتھ تقاضا کرتا ہے اور حکام کے پاس مسئلہ کو لے جانے کے ساتھ مطالبہ کرتا ہے۔

۷؎ یعنی ادا نہ کرنا اور اس کو حلال جاننا۔

۸؎ یا سببیہ ہے کہ یہودی کافر کہتے ہیں۔

۹؎ جو اہل کتاب نہیں ان کے معاملہ میں۔

۱۰؎ اللہ تعالیٰ کے ہاں مؤاخذہ کی کوئی راہ نہیں، وہ کہتے عرب کے اموال ہمارے لئے مباح ہیں کیونکہ وہ ہمارے دین پر نہیں اور ہماری کتاب میں ان کے اموال کی کوئی حرمت موجود نہیں جو آدمی ان کے دین کے مخالف ہوتا اس کے ساتھ ظلم روا رکھنا وہ جائز خیال کرتے۔

۱۱؎ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اس کو حلال کر دیا ہے۔

۱۲؎ کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَ اتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ۝

"ہاں کیوں نہیں ۱؎ جس نے پورا کیا اپنا وعدہ ۲؎ اور پرہیزگار بنا ۳؎ تو بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پرہیزگاروں سے ۴؎"

۱؎ یعنی بات ایسے نہیں جس طرح انہوں نے کی بلکہ مومنین کے معاملہ میں ان پر مؤاخذہ کی صورت موجود ہے، یا ایمان کیساتھ یا عقد ذمہ کی وجہ سے ان کے مال کی حفاظت لازم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں، یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، جب وہ ایسا کریں گے تو انہوں نے اپنے خون اور اپنے مال محفوظ کر لئے، مگر جس میں اسلام کا حق ہوگا ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہوگا(۱) متفق علیہ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر وہ اسلام لانے سے انکار کر دیں، یعنی کفار اگر اسلام لانے سے انکار کر دیں تو ان سے جزیہ ادا کرنے کو کہیں، اگر وہ اسے قبول کر لیں تو ان سے قبول کر لیں اور اپنا ہاتھ ان سے روک لیں۔ متفق علیہ۔ سلیمان بن بریدہ اپنے باپ سے طویل حدیث نقل کرتے ہیں۔

۲؎ من شرطیہ ہے یا موصولہ ہے۔ ضمیر مجرور من کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی جس نے امانت دے کر وعدہ پورا کیا جو اس نے رب المال سے کیا ہوا تھا، یا یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ جو اس نے تورات میں ان سے لیا تھا کہ وہ تمام انبیاء او رحضور ﷺ اور قرآن پر ایمان لائیں گے اور امانت ادا کریں گے۔

۳؎ اور کفر و خیانت سے بچا۔

۴؎ یہاں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے، اس بات کا شعور دلانے کے لئے کہ تقویٰ ہی تمام امور کی اصل ہے۔ یہ وعدہ کو پورا کرنے دوسرے واجبات کی ادائیگی اور تمام مناہی سے اجتناب کرنے کو شامل ہے۔ اسی وجہ سے اس اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے جو من اوفی کی طرف

(ا) فن قرأت کی اصطلاح ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حرکت کا تیسرا حصہ ادا کرنا یعنی مکمل کسرہ کی ادائیگی کے بغیر صرف اس کا تیسرا حصہ ادا کیا جائے۔

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ 12 (قدیمی)

لوٹنے والی ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے، اس جملہ کی وضاحت کرتا ہے جس کے قائم مقام بلی کو رکھا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا چار چیزیں جس میں ہوں گی وہ خالص منافق ہے، جس میں ان میں سے ایک خصلت ہو گی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے، یہاں تک کہ وہ اس کو چھوڑ دے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، جب جھگڑا کرے تو گالی دے(1) متفق علیہ۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں، امام مسلم نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے، پھر ان باتوں کے روایت کرنے میں دونوں متفق ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کو توڑ دے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔(2) واللہ اعلم۔

شیخین نے صحیحین میں روایت کیا ہے ابووائل سے وہ عبداللہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ایسی قسم اٹھائی جس کے ساتھ وہ کسی مسلمان کا مال لینا چاہتا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو گا۔(3)

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾

"بے شک جو لوگ خریدتے ہیں اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی سی قیمت [1] یہ وہ (بدنصیب) ہیں کہ کچھ حصہ نہیں ان کے لئے آخرت میں [2] اور بات تک نہ کرے گا ان سے اللہ تعالیٰ اور دیکھے گا بھی نہیں ان کی طرف قیامت کے روز [3] اور نہ پاک کرے گا انہیں [4] اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے [5]"

[1] اشعث بن قیس داخل ہوئے تو پوچھا ابوعبدالرحمٰن نے تمہیں کیا بیان کیا؟ لوگوں نے بتایا فلاں فلاں۔ تو اشعث نے کہا یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی، میرے چچازاد بھائی کی زمین میں میرا ایک کنواں تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا تیری گواہیاں ہوں گی یا اس کی قسم؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ تو قسم اٹھا دے گا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی قسم اٹھائے جبکہ وہ جھوٹا ہو، جس کے ذریعے وہ اپنے مسلمان بھائی کا مال لینا چاہتا ہو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہو گا(4) امام بغوی نے اپنی سند سے امام بخاری کے طریق سے روایت نقل کی ہے۔ ابوداؤد، ابن ماجہ اور دوسرے لوگوں نے اشعث بن قیس سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا میرے اور ایک یہودی کے درمیان زمین کا تنازع تھا، اس نے مجھے دینے سے انکار کر دیا۔ میں معاملہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں لے آیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت کیا کیا تیرے پاس گواہ ہیں؟ میں نے عرض کی گواہ تو نہیں۔ آپ ﷺ نے یہودی سے فرمایا قسم اٹھاؤ۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا وہ قسم اٹھا دے گا اور میرا مال لے جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی(5) امام بخاری نے عبداللہ بن اوفی سے ایک روایت نقل کی ہے۔ ایک شخص کچھ تجارتی سامان بازار میں لایا اور کسی مسلمان کو پھانسنے کے لئے اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ مجھے اس کی اتنی قیمت ملتی تھی(6) حالانکہ اس کو اس کی بیان کردہ قیمت نہیں ملتی تھی یا یوں ترجمہ کیا

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 10 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 56 (قدیمی)

3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 310 (التجاریہ)، (صحیح بخاری میں الفاظ مختلف کے ساتھ، جلد 1، صفحہ 366) (وزارت تعلیم)

4۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 310 (التجاریہ) 5۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 169 (وزارت تعلیم) 6۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 652 (دست)

جائے کہ اس نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ میں نے اس سامان کی اتنی قیمت دی ہے، یعنی اتنے میں خریدا ہے۔ حالانکہ اس نے اتنی قیمت نہیں دی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حافظ ابن حجر نے بخاری شریف کی شرح میں ارشاد فرمایا ان دونوں حدیثوں میں کوئی منافات نہیں، بلکہ اس کا یہ معنی کیا جائے گا کہ اس آیت کے نزول کے دو سبب ہیں(1) معنی اس کا یہ ہوگا بے شک وہ لوگ امانت ادا کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے عوض یا جھوٹی قسمیں اٹھا کر تھوڑا سا مال حاصل کرتے ہیں۔ یہاں تھوڑے مال سے مراد دنیا کا مال ہے، خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ ہو کیونکہ وہ آخرت کے مال کے مقابلہ میں بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ ابن جریر نے عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حیی بن اخطب، کعب بن اشرف اور دوسرے یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ وہ تورات میں موجود حضور ﷺ کی شان کو چھپاتے تھے۔ انہوں نے آپ کی شان میں تحریف کی اور اپنے ہاتھوں سے کچھ اور لکھا، ساتھ ہی یہ قسم بھی اٹھادی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تاکہ ان کی روزی اور رشوتیں ختم نہ ہوں جو انہیں ان کے پیرو کاروں کی طرف سے ملتی تھیں۔ ابن حجر نے کہا آیت کریمہ کی تعبیر میں کئی احتمال ہیں، تاہم صحیح وہی ہے جو صحیحین میں ہے(2) میں کہتا ہوں سیاق کلام ابن جریر نے عکرمہ سے جو روایت کیا ہے اسکی صحت کا تقاضا کرتا ہے، وہ حدیثیں جو صحیحین میں مذکور ہیں، ابن جریر کی روایت کے منافی نہیں جس طرح وہ خود آپس میں منافی نہیں کیونکہ یہ جائز ہے کہ یہ سب ان آیات کے نزول کے سبب ہوں۔ واللہ اعلم

علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں ایک آدمی حضر موت اور دوسرا کندہ سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ آدمی میری زمین پر قابض ہے۔ کندی نے کہا یہ میری اپنی زمین ہے، میرے قبضہ میں ہے، اس پر کسی اور کا کوئی حق نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرمی سے کہا کیا تیرے پاس گواہ ہیں؟ اس نے عرض کی میرے پاس گواہ تو نہیں۔ آپ نے فرمایا پس تیرے لئے اس کی قسم ہے۔ حضرمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ آدمی تو فاجر ہے، قسم اٹھانے کی مطلقاً پرواہ نہیں کرے گا، یہ کسی چیز سے بھی نہیں ڈرتا۔ آپ نے فرمایا تیرے لئے اس کی طرف سے سوائے قسم کے کچھ بھی نہیں۔ وہ گیا تاکہ قسم اٹھائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اس نے پیٹھ پھیری اگر اس نے مال کے حصول کے لئے قسم اٹھادی تو یہ ظلم کیساتھ مال کھانے والا ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس شخص سے ناراض ہوگا(3) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ امرؤ القیس بن عابس کندی تھا اور اسکے ساتھ ربیعہ بن عبدان نے جھگڑا کیا تھا۔ ابو داؤد کے ہاں ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی آدمی کسی کا مال قسم کے ذریعے حاصل نہیں کرتا مگر وہ اللہ تعالیٰ سے کٹے ہاتھ کے ساتھ ملاقات کرے گا۔ کندی نے کہا یہ میری زمین ہے۔ امام بغوی نے کہا روایت کیا گیا ہے جب کندی نے قسم اٹھانے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ تو امرؤ القیس کندی قسم اٹھانے سے رک گیا، اپنے خصم کے حق کا اقرار کیا اور اس کا حق اس کے حوالے کر دیا۔(4)

ع یعنی ان کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوگا آخرت کی نعمتوں میں سے۔ حضرت ابی امامہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی مسلمان کا حق اپنی قسم کے ساتھ سلب کر لیا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جہنم کو لازم فرما دے گا اور جنت کو اس پر حرام کر دے گا تو ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ اگر چہ وہ تھوڑی سی چیز پر ہی قسم اٹھائے؟ آپ نے فرمایا اگرچہ وہ اراک درخت کی ایک ٹہنی ہی کیوں نہ ہو(5) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ جملے تین دفعہ فرمائے۔

ع ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ایسی کلام نہیں فرمائے گا جو ان لوگوں کو خوش کرے اور نہ ہی ان کی طرف نظر

1۔ فتح الباری، جلد 15، صفحہ 72-71
2۔ فتح الباری، جلد 17، صفحہ 72
3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 80 (قدیمی)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 310 (التجاریہ)
5۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 80 (قدیمی)

رحمت فرمائے گا۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ ناراض ہونے اور اعراض کرنے سے کنایہ ہے۔ گویا عبداللہ اور اشعث کی حدیث میں حضور ﷺ کا فرمان وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا اور وائل کی حدیث میں ہے وہ ضرور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ اس سے اعراض کرنے والا ہوگا، انہی دونوں جملوں کی تفسیر ہے۔

ﷺ ان کی ثنا نہیں فرمائے گا۔ ظاہر معنی یہ بنتا ہے کہ ان کے گناہ نہیں بخشے گا کیونکہ یہ چیز حقوق العباد سے تعلق رکھتی ہے اور اس میں بدلہ لازم ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دیوان تین ہیں، ایک دیوان ایسا ہے جس کی اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں کرتا، ایک دیوان ایسا ہے جس میں سے اللہ تعالیٰ کچھ بھی نہیں چھوڑتا، ایک دیوان ایسا ہے جسے اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا۔ وہ دیوان جسے اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا وہ شرک ہے، وہ دیوان جس کی اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں کرتا وہ بندے کا اپنی جان پر ظلم ہے، یعنی حقوق اللہ جیسے نماز، روزہ کو چھوڑنا، وہ دیوان جسے اللہ تعالیٰ کسی صورت میں نہیں چھوڑتا وہ بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم ہے، اس میں بدلہ لازمی ہے(1) اسے حاکم اور احمد نے روایت کیا۔ طبرانی نے اسی کی مثل سلمان اور ابوہریرہ سے روایت کیا اور بزار نے اسی کی مثل حضرت انس کی حدیث سے روایت کیا۔ اگر یہ آیت یہودیوں کے حضور ﷺ کی نعت چھپانے کے متعلق ہو تو یہ فقدان ان کے کفر کے باعث ہوگا۔

ﷺ جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس پر عذاب الیم ہوگا۔ ابوذر نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا تین افراد ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں فرمائے گا، قیامت کے روز ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے یہ کلمات تین دفعہ دہرائے، تو حضرت ابوذر نے کہا وہ خائب خاسر ہوگئے، یا رسول اللہ ﷺ وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا اپنی چادر کو لٹکانے والا، احسان جتانے والا، وہ کوئی احسان نہیں کرتا مگر وہ احسان جتاتا ہے، جھوٹی قسم کے ساتھ اپنا مال خرچ کرنے والا(2) اسے امام مسلم احمد، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تین افراد ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں فرمائے گا، ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا، انہیں پاک نہیں کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، ایک ایسا آدمی جس کے پاس جنگل میں فالتو پانی ہو اور وہ مسافر کو دینے سے انکار کردے، دوسرا وہ آدمی جو عصر کے بعد کچھ سامان تجارت فروخت کرنا چاہے اور یوں قسم اٹھائے کہ اس نے اتنے اتنے میں یہ مال لیا اور وہ اس کی تصدیق کرے، جبکہ بات ایسے نہ ہو۔ تیسرا آدمی جو امام کے ساتھ بیع کرے اور بیع کرنے کا مقصود دنیا ہو، اگر وہ اس میں سے عطا کرے تو وہ پورا پورا دے اور اگر وہ نہ دے تو پورا پورا حق نہ دے(3) متفق علیہ اسے امام احمد اور ائمہ اربعہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ایک اور روایت انہیں سے مروی ہے جو مرفوع اور متفق علیہ ہے: تین آدمی ایسے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ہم کلام نہیں ہوگا اور نہ ہی ان کی طرف نظر کرم کرے گا، ایک وہ آدمی جو اپنے سامان تجارت پر قسم اٹھائے کہ اس نے زیادہ عطا کیا ہے جبکہ اس نے کم دیا تھا جبکہ وہ جھوٹا ہو، دوسرا وہ آدمی جو عصر کے بعد جھوٹی قسم اٹھائے تاکہ اس قسم کے ساتھ کسی مسلمان کا مال غصب کرے، تیسرا وہ آدمی جو زائد پانی دینے سے انکار کردے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا میں آج اپنا فضل تجھ سے روکتا ہوں جس طرح تو نے اس فضل کو روک لیا تھا، جس میں تیری کوئی کاوش شامل نہ تھی۔ سلمان سے اسی کی مثل مروی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں بوڑھا بدکار، بھوکا متکبر، تیسرا وہ آدمی جس کے مال کو اللہ تعالیٰ نے یوں بنا دیا کہ وہ خریدتا ہے تو بھی قسم اٹھاتا ہے، بیچتا ہے تو بھی قسم اٹھاتا ہے۔ اسے طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ طبرانی نے عصمہ بن مالک سے وہ نبی کریم ﷺ سے اسی کی مثل روایت کرتے ہیں۔

1۔ مستدرک حاکم، جلد 4، صفحہ 619 (النصر) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 71 (یہ دو حدیثیں ہیں) (قدیمی) 3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 71 (قدیمی)

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَٰبِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَٰبِ ۖ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾

"اور بے شک ان میں ایک فریق وہ ہے [1] جو مروڑتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ [2] تاکہ تم خیال کرنے لگو (ان کی) اس (الٹ پھیر) کو بھی اصل کتاب سے حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے [3] اور وہ کہتے ہیں یہ بھی اللہ کی طرف سے (اترا) ہے [4] حالانکہ وہ نہیں ہے اللہ کے پاس سے [5] اور وہ کہتے ہیں اللہ پر جھوٹ جان بوجھ کر [6]"

[1] ھُمْ ضمیر سے مراد اہل کتاب ہیں۔ طائفہ سے مراد وہ کعب بن اشرف، مالک بن صیف، حیی بن اخطب، ابو یاسر، سلمہ بن عمرو شاعر ہیں۔

[2] نازل شدہ کتاب کو تحریف شدہ کیساتھ ملاتے ہوئے پڑھتے ہیں۔

[3] تاکہ اے مومنو تم اس محرف شدہ حصہ کو اللہ تعالیٰ کا کلام گمان کرو جبکہ یہ نازل شدہ کتاب کا حصہ نہیں۔

[4] یہودی صراحۃً کہتے ہیں۔ وہ تحریف شدہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اس میں ان پر سخت طعن و تشنیع ہے۔

[5] یہ سابقہ کلام کی تاکید ہے، یعنی اس کتاب کا حصہ نہیں ہے۔

[6] کہ یہ جھوٹ ہے۔ یہ تاکید کے بعد تاکید ہے اور اللہ تعالیٰ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولنے پر مہر لگاتا ہے۔ ضحاک نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ دونوں کے حق میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے تورات و انجیل میں تحریف کی اور کتاب کے ساتھ ایسی چیز کو ملا دیا جو اس کتاب کا حصہ نہیں (1)

اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ ابو رافع قرظی نے کہا (جب یہودی علماء اور نجران کا وفد حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں جمع ہوئے اور حضور ﷺ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی)۔ اے محمد ﷺ کیا آپ یہ ارادہ کرتے ہیں کہ ہم آپ کی اس طرح عبادت کریں جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی؟ حضور نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ میں غیر اللہ کی عبادت کا حکم دوں، نہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مبعوث کیا اور نہ ہی مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ما کان لبشر سے لے کر مسلمون تک آیات کو نازل فرمایا (2) عبد نے اپنی تفسیر میں حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کو اسی طرح سلام کرتے ہیں جس طرح ہم میں سے بعض بعض کو سلام کرتے ہیں، کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کیا کریں؟ فرمایا نہیں، لیکن اپنے نبی کی تعظیم کیا کرو اور ان کے اہل کا حق پہچانو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے سجدہ کرنا جائز نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ مقاتل اور ضحاک نے کہا نجران کے عیسائی کہا کرتے تھے کہ انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ وہ انہیں رب تسلیم کریں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (3)

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٧٩﴾

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 321 (التجاریہ)   2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 82 (العلمیہ)   3۔ ایضاً

"نہیں ہے مناسب کسی انسان کے لئے ؂۱ کہ (جب) عطا فرمادے اسے اللہ تعالیٰ کتاب اور حکومت اور نبوت تو پھر وہ کہنے لگے لوگوں سے ؂۲ کہ بن جاؤ میرے بندے اللہ کو چھوڑ کر ؂۳ (وہ تو یہ کہے گا کہ) بن جاؤ اللہ والے ؂۴ اس لئے کہ تم دوسروں کو تعلیم دیتے رہتے تھے کتاب کی ؂۵ اور بوجہ اس کے کہ تم خود بھی اسے پڑھتے تھے ؂۶"

؂۱ جائز نہیں محمد ﷺ کے لئے اور نہ ہی عیسیٰ علیہ السلام کے لئے۔ بشر اسم جنس ہے جس طرح انسان اسم جنس ہے، مذکر ہو یا مؤنث، واحد یا جمع بشر استعمال ہوتا ہے تاہم تثنیہ آتا رہتا ہے جس طرح ارشاد باری تعالیٰ میں ہے اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا۔ اس کی جمع ابشار آتی ہے، جس طرح قاموس میں ہے۔ بغوی نے کہا بشر تمام بنی آدم کو کہتے ہیں، یہ جمع ہے، اس لفظ میں واحد نہیں ہوتا، جس طرح قوم جیش اسے واحد کی جگہ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔(1)

؂۲ حکم سے مراد حکمت اور سنت یا حکم نافذ کرنا ہے۔ یقول کا عطف یوتی پر ہے اور اَنْ کی وجہ سے منصوب ہے۔

؂۳ اللہ تعالیٰ کی توحید کے علاوہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت اللہ تعالیٰ کی عبادت کے منافی ہے اور اس کی عبادت اس کی توحید میں منحصر ہے اور اَنْ محل رفع میں ہے کیونکہ یہ کَانَ کا اسم ہے یعنی کتاب اور نبوت جس کا مقصود لوگوں کو اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانے کی دعوت دینا ہے اور یہ قول جس میں شرک کی دعوت ہے، ان دونوں میں تناقض اور تضاد پایا جاتا ہے۔

؂۴ اس کا عطف یقول پر ہے اس شرط پر کہ یہاں قول محذوف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ لٰكِنْ كُوْنُوْا کا عطف ماقبل جملہ کے مفہوم پر ہو کیونکہ اس سے یہ سمجھ آتا ہے تم لوگوں کو یہ کہنے والے نہ ہو جاؤ کہ میرے بندے بنو، بلکہ تم اللہ والے ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں عطا کیا ہے اس کی تبلیغ کرنے والے ہو جاؤ۔ حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس نے كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ کی تفسیر کرتے ہوئے کہا اس کا معنی ہے فقہاء، علماء بن جاؤ قتادہ نے کہا اس کا معنی ہے حکماء و علماء بن جاؤ۔ سعید بن جبیر نے ابن عباس سے نقل کیا ہے فقہاء و معلم بن جاؤ۔ عطاء نے کہا علماء و حلیم بن جاؤ، اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لئے مخلص بن جاؤ۔ سعید بن جبیر سے مروی ہے، ربانی سے مراد وہ آدمی ہے جو اپنے علم کے مطابق عمل کرے۔ ابو عبید نے کہا میں نے ایک عالم آدمی سے سنا جو کہہ رہا تھا ربانی اسے کہتے ہیں جو حلال و حرام، امر و نہی کا علم رکھتا ہو، امت کی خبروں ما کان و ما یکون سے آگاہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے، ربانی کا مرتبہ احبار سے بلند ہے۔ احبار علماء کو کہتے ہیں، ربانی انہیں کہتے ہیں جو لوگوں میں علم اور بصارت کے جامع ہوں۔ تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے، ربانی اسے کہتے ہیں جو علم، عمل، اخلاص اور قرب کے مراتب میں کامل و مکمل ہو۔ انہیں یہ نام اسے لئے دیا جاتا ہے کیونکہ وہ علم کی پرورش کرتے ہیں، اس کے مطابق عمل کرتے ہیں، طالبوں کی بڑے علوم سے پہلے چھوٹے علوم کی تربیت کرتے ہیں، وہ انسان جو کسی شے کی اصلاح اور اس کی تکمیل کے لئے کوشاں رہا پس اس نے اس کی تربیت کی۔ حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے کہ وہ اپنے علم کو عمل کے ساتھ ترقی دیتا ہے۔ اس کا واحد ربان ہے جس طرح ریان اور عطشان کا وزن ہے، پھر اس کے ساتھ یا نسبت لگا دی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ لفظ رب سے اسم منسوب ہے اور مبالغہ کے لئے اس کے آخر میں الف نون کا اضافہ کر دیا گیا جس طرح گھنی اور لمبی داڑھی والے کو لحیانی، موٹی اور لمبی گردن والے کو رقبانی کہتے ہیں جب مبالغہ کے بغیر ان سے اسم منسوب ذکر کیا جائے تو لحی اور رقبی کہتے ہیں۔ جس دن حضرت عبداللہ بن عباس کا وصال ہوا تو محمد بن حنفیہ نے کہا اس امت کا ربانی فوت ہو گیا۔(2)

؂۵ کوفی قراء اور ابن عامر نے شد کے ساتھ تعلم سے مشتق مانتے ہوئے پڑھا ہے۔ باقی قراء نے علم سے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

؂۶ تم کتاب کی قرأت پر دوام اختیار کرتے ہو اور تم اس کو یاد کرتے ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی تم لوگوں پر اس کو پڑھتے ہو، کیا جائے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 312 (التجاریہ)　　2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 312 (التجاریہ)

کیونکہ تعلمون تعلیم سے مشتق ہے۔ صحاح میں ہے درس الدار یعنی اس کا اثر باقی رہا اور درس الکتب و العلم یعنی اس نے یاد کر لیا کتاب اور علم کا اثر لے لیا۔ جب اس کا حصول قرأت میں مداومت سے حاصل ہوتا ہے تو قرأت کو دائمی طور پر پڑھنے کو درس سے تعبیر کیا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَ دَرَسُوْا مَا فِیْهِ اور وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ یعنی تم ہمیشہ قرأت کرتے ہو اور اسے یاد رکھتے ہو اور بما کنتم، کونوا کے متعلق ہے اور ما مصدریہ ہے۔ معنی یہ ہوگا ربانی ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کتاب کا علم رکھتے ہو اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتے ہو، اس کی قرأت او رحفظ میں دوام اختیار کرتے ہو کیونکہ علم کا فائدہ یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور اپنے نفس کی اصلاح کی جائے۔ تعلیم کا فائدہ دوسروں کی اصلاح ہوتی ہے۔ یہ حقیقت میں اپنی اصلاح کی فرع ہے تا کہ وہ اس ارشاد کا مخاطب نہ بنے لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ

نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، کسائی نے جملہ مستانفہ ہونے کی بنا پر یامرکم مرفوع پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم نہیں دیتا یہ بھی جائز ہے کہ یقول کے فاعل سے حال ہو یعنی اپنی عبادت کا تمہیں حکم دیتا ہے دراں حالیکہ وہ تمہیں حکم نہیں دیتا بلکہ اس سے منع کرتا ہے۔

وَ لَا یَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓىٕكَةَ وَ النَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَیَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۠ (۸۰)

"اور وہ (مقبول بندہ) نہیں حکم دے گا۔ تمہیں اس بات کا کہ بنا لو فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا۔ (تم خود سوچو) کیا وہ حکم دے سکتا ہے تمہیں کفر کرنے کا بعد اس کے کہ تم مسلمان بن چکے ہو۔"

۱؎ نافع، ابن کثیر، ابو عمرو اور کسائی نے جملہ مستانفہ ہونے کی بناء پر یامرکم مرفوع پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ انہیں حکم نہیں دیتا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ یقول کے فاعل سے حال ہو۔

۲؎ ابن عامر، عاصم اور حمزہ نے لا یامرکم کو منصوب پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ یقول پر معطوف ہوگا، لا نفی کی تاکید کے لئے زائد ہوگا جو نفی کا معنی ما کان لبشر میں پایا جا رہا ہے، پھر وہ حکم دیتا ہے لوگوں کو اپنی عبادت کا اور حکم دیتا ہے کہ ملائکہ اور انبیاء کرام کو، جس طرح قریش اور صابیوں نے کہا، جب انہوں نے کہا فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور یہودیوں اور نصاریٰ نے کہا عزیر ابن اللہ اور مسیح ابن اللہ۔ یہ بھی جائز ہے کہ لا زائدہ نہ ہو، معنی یہ ہوا سے زیبا نہیں کہ وہ اپنی عبادت کا حکم دے نہ وہ اس کا حکم دیتا ہے بلکہ وہ اس سے منع کرتا ہے کہ انبیاء اور ملائکہ کو رب بنا لیا جائے۔

۳؎ استفہام تعجب اور انکار کے لئے ہے۔ کفر سے مراد غیر اللہ کی عبادت کرنا ہے بعد اس کے کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکانے والے ہو۔ اگر یہ خطاب ان مسلمانوں کو ہو جو حضور ﷺ سے سجدہ کی اجازت طلب کر رہے تھے جس طرح کہ حسن بصری نے روایت کیا ہے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ یہی صورت حال ہوگی اگر یہ نصاریٰ کے لئے رد کے طور پر ہو کیونکہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ وہ اسے اپنا رب تسلیم کریں کیونکہ یہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مسلمان تھے۔ اگر یہ مقدر کیا جائے کہ یہ خطاب یہود و نصاریٰ کو ہو جو یہ کہہ رہے تھے اے محمد ﷺ کیا تم یہ ارادہ کرتے ہو کہ ہم تمہاری عبادت کریں تو اس کی تاویل یہ ہوگی کہ یہ خطاب قرینہ ہوگا، پھر تقدیر کلام یوں ہوگی فرض کرو تم حضور ﷺ کے امر کی اطاعت کرو کیا وہ تمہیں اسلام لانے کے بعد کفر کا حکم دیں گے۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ

رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾

"اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ[1] کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تم کو[2] کتاب اور حکمت سے[3] پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو[4] ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں[5] تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر[6] اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی[7] (اس کے بعد) فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اٹھا لیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ[8] سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا[9] (اللہ نے) فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں[10]"

[1] یہاں یہ ارادہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے پختہ وعدہ لیا کہ وہ اپنے مابعد نبی پر ایمان لائے اور اپنی امت کو حکم دے کہ وہ اس نبی کی اتباع کریں ابن عباس کے قول کا یہی مفہوم ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا، خواہ وہ حضرت آدم تھے یا ان کے بعد مگر ان سے حضور ﷺ کے متعلق پختہ وعدہ لیا اور ان کی قوم سے بھی وعدہ لیا کہ تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اگر وہ مبعوث ہوں اس حال میں کہ وہ زندہ ہوں تو ان کی ضرور مدد بھی کریں گے(1) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے وعدہ لیا تو کلام میں مضاف حذف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ اَوْلَادِ النَّبِیِّیْنَ۔ وہ بنی اسرائیل ہیں جو اہل کتاب ہیں انہیں انبیاء کا نام بطور استہزاء ہے کیونکہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہم محمد ﷺ سے نبوت کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ اہل کتاب اور انبیاء ہمیں میں سے تھے۔ لفظ میثاق کو انبیاء کی طرف مضاف کرنا فاعل کی طرف مضاف کرنا ہے۔ مطلب یہ ہوگا جب اللہ تعالیٰ نے وہ وعدہ لیا جو انبیاء نے اپنی امتوں سے لیا تھا۔ اس کی تائید ابن مسعود اور ابی بن کعب کی قرأت کرتی ہے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ۔ صحیح پہلا معنی ہے جو قرأت متواترہ سے ثابت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے وعدہ لیا کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان لائیں گے اور وہ اپنی قوم کو حکم دیں گے کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان لائیں اور حضرت عیسیٰ سے وعدہ لیا کہ وہ حضور ﷺ پر ایمان لائیں۔ اسی لئے حضرت عیسیٰ نے فرمایا یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ قرأت متواترہ ابن مسعود کی قرأت کے منافی نہیں کیونکہ متبوع سے جو عہد لیا جاتا ہے وہ تابع سے بھی متصور ہوتا ہے۔

[2] حمزہ نے لام کے کسرہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ لام جارہ ہے اور ما مصدریہ۔ یعنی اس لئے کہ میں نے تمہیں کتاب کا بعض دیا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ مصدق بن کر تشریف لایا۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے پختہ وعدہ لیا تا کہ تم آپ پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے یا یہ ما موصولہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تم سے پختہ وعدہ لیا، اس لئے جو اس نے تم کو عطا کیا اور اس لئے کہ تمہارے پاس رسول آیا جو اس پیغام حق کی تصدیق کرنے والا ہے۔ باقی قراء نے لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس وقت یہ قسم کا شعور دلانے کے لئے ہوگا کیونکہ اس صورت میں وعدہ لینا قسم اٹھوانے کے معنی میں ہوگا ما شرطیہ ہوگا، اور لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ جواب قسم اور جواب شرط دونوں کے قائم مقام ہوگا۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ لیا اور ان سے قسم لی کہ اگر میں تم کو کتاب دوں، پھر تمہارے پاس رسول تشریف لائے جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والا ہو تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس صورت میں ما موصول مبتدا ہو جو الذی کے معنی میں ہو اور اس کی خبر لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ ہو، یعنی جس نے تمہیں کتاب دی، پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لایا جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والا ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے۔ حضرت نافع نے اٰتَیْنٰكُمْ جمع کا صیغہ بطور تعظیم پڑھا ہے، جس طرح رب العالمین کے اس ارشاد میں جمع کا صیغہ بطور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 314 (التجاریہ)

تعظیم ہے۔ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا اور دوسرے قراء نے واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔

۳ حکمت سے مراد سنت یا دین میں فقاہت ہے۔

۳ یہاں ما سے مراد کتاب ہے جسے آپ لائے۔

۵ مکمل طور پر ثم جآء کا عطف صلہ پر ہے۔ اس میں ضمیر عائد کی جگہ اسم ظاہر رکھا گیا جو ما معکم ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے مُصَدِّقًا لَهُ۔ ایک قول یہ کیا ہے یہاں رسول سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے کیونکہ صرف آپ ہی تمام لوگوں کی طرف مبعوث کئے گئے ہیں۔ یہی معنی اور مفہوم حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے۔ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ لفظ عام ہے، یہاں تخصیص پر کوئی دلیل موجود نہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کی وجہ سے تمام انبیاء و رسل پر ایمان سب امتوں پر واجب ہے، خواہ وہ پہلی امتیں ہو یا بعد کی امتیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَ مَا وَصَّیْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِیْسٰۤى اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ اور حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس کا قول جس میں حضور ﷺ کی تخصیص کی گئی ہے۔ یہ منافع اہل کتاب پر حجت قائم کرنے کیلئے ہے کیونکہ ان کے ساتھ گفتگو حضور ﷺ کے متعلق تھی کسی اور کے متعلق نہ تھی، ان کے قول کا مقصود دوسرے انبیاء و رسل سے حکم کی نفی مقصود نہ تھی۔ یہ بھی جائز ہے کہ وعدہ صرف حضور ﷺ کے لئے ہوا اور مقصود آپ کی فضیلت کا اظہار ہو اور اللہ تعالیٰ کے فرمان مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی تکذیب کلام مجید کی تکذیب لازم ہے۔

۶ ہ ضمیر سے مراد رسول ہیں۔

۷ اگر تم خود ان کو پاؤ تو بذات خود ان کی مدد کرنا اور اگر تم ان کو نہ پاؤ تو اپنے پیروکاروں کو ان کی مدد کرنے کا حکم دینا۔ امام بغوی نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے آپ کی اولاد کو نکالا تو انبیاء ایسے تھے جس طرح چراغ ہوں تو اللہ تعالیٰ نے ان سے حضور ﷺ کے متعلق پختہ وعدہ لیا (1) قال سے وعدہ لینے کا بیان ہے اور جملہ مستانفہ ہے، گویا فرمایا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیسے لیا، یا اذ کو نصب قال فعل کے ساتھ دی گئی ہے۔ پہلی صورت میں اذ کو نصب اذکر فعل دے گا۔

۸ اصری سے مراد وعدہ ہے یہاں استفہام تقریری ہے۔

۹ اس کی ضمیر انبیاء کے لئے ہے یا انبیاء اور امتیں سب شامل ہیں، یعنی سب نے وعدہ کے روز کہا ہم نے اقرار کیا۔

۱۰ اللہ تعالیٰ نے رسولوں سے فرمایا قیامت کے روز اپنے خلاف یا اپنے متبعین کے خلاف اقرار کر کے گواہ بن جاؤ میں تم پر اور ان پر گواہ ہوں۔ سعید بن مسیب نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا فَاشْهَدُوْا عَلَیْهِمْ یہ غیر مذکور سے کنایہ ہے۔ (2)

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۸۲

"پھر جو کوئی پھرے ۱ اس (پختہ عہد) کے بعد ۲ تو وہی لوگ فاسق ہیں ۳"

۱ رسل کی اتباع سے جس نے روگردانی کی۔

۲ اس اقرار کے بعد اس سے مراد یہودی اور نصرانی ہیں۔

۳ جو ایمان سے کفر کی طرف نکلنے والے ہیں۔ یہ آیت اس بات میں صریح ہے کہ یہ وعدہ انبیاء اور ان کے متبعین سب سے لیا گیا اور صرف

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 314 (التجاریہ)　　2۔ ایضاً

متبوعین کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۝۸۳

"کیا اللہ کے دین کے سوا (کوئی اور دین) تلاش کرتے ہیں ا۔ حالانکہ اسی کے حضور سر جھکا دیا ہے ہر چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے یا مجبوری سے ۲۔ اور اسی کی طرف وہ (سب) لوٹائے جائیں گے ۳۔"

ا۔ اس کا عطف فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ پر ہے۔ ہمزہ استفہام انکار کا معنی دے رہا ہے۔ یا اس کا عطف فعل محذوف پر ہے جس کی تقدیر یہ ہے اَيَفْسُقُوْنَ فَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ یا اس کی تقدیر یہ ہوگی۔ اَيَتَوَلَّوْنَ فَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ یہاں مفعول کو مقدم اس لئے کیا تا کہ تخصیص کا فائدہ دے اور تخصیص کے انکار کا فائدہ دے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی کیا تم اللہ تعالیٰ کے دین کے علاوہ کسی دین کو طلب میں خاص کرتے ہو۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی طلب غیر اللہ کے دین کی طلب کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ ابو عمرو، یعقوب اور حفص نے عاصم سے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کو دیکھتے ہوئے جمع مذکر غائب کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی یبغون، جبکہ جمہور قراء نے اتیتکم کو پیش نظر رکھتے ہوئے مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ تقدیر کلام یوں ہوگی قُلْ لَّهُمْ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ تَبْغُوْنَ۔ امام بغوی نے کہا یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ وہ دین ابراہیم پر ہیں اور اس مسئلہ میں حضور ﷺ سے جھگڑا کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دونوں جماعتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین سے بری ہیں، تو یہ لوگ غصے ہو گئے اور کہنے لگے ہم آپ کے فیصلے سے راضی نہیں (1) اور آپ کے دین کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے لئے سر جھکایا اور اطاعت کی فرشتوں اور جن وانس نے خوشی سے یا مجبور ہو کر یہ جملہ لفظ اللہ اسم جلالت سے حال واقع ہو رہا ہے جو مفعول بہ کی حیثیت سے واقع ہے۔ جو ملائکہ اور جن وانس میں سے مومن ہیں وہ اپنی پسند سے ان اوامر اور افعال اختیاریہ کی اطاعت کرتے ہیں جن کا انہیں حکم دیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہوئے اور ان کے محبوب نے ان پر جو اوامر تکوینیہ جاری کئے انہیں پسند کیا اور تلوار سے مجبور ہو کر یا اس چیز کو دیکھ کر جس نے انہیں اسلام کی طرف مجبور کیا، جس طرح پہاڑ کا جھکنا، غرق ہونے کا ادراک کرنا اور موت پر جھانکنا یا اوامر تکوینیہ میں مجبور ہونے کی وجہ سے۔ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ کو حفص اور یعقوب نے جمع مذکر غائب کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ ضمیر من کی طرف لوٹ رہی ہے، جبکہ جمہور نے تاء کے ساتھ جمع مذکر مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ اس کا عطف تبغون پر ہے۔ اس طرح ابو عمرو نے بھی مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ اوپر انہوں نے یبغون غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ وہ اس میں التفات کے قاعدہ کو پیش نظر رکھتے ہیں یا اس بناء پر کہ باغی پھرنے والے تھے اور لوٹنے والے سب لوگ تھے۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۝۸۴

"آپ فرمائیے ا۔ ہم ایمان لائے ۲۔ اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا ہم پر ۳۔ جو اتارا گیا ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق،

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 314 (التجاریہ)

یعقوب اوران کے بیٹوں پر ۴ اور جو کچھ دیا گیا موسیٰ، عیسیٰ ۵ اور (دوسرے) انبیاء کو ۶ ان کے رب کی طرف سے نہیں فرق کرتے ہم کسی کے درمیان ان میں سے ۷ اور ہم اللہ کے ۸ فرمانبردار ہیں ۹"

۱ اے محمد ﷺ۔

۲ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اپنی طرف سے یوں کلام کرے جس طرح بادشاہ گفتگو کرتے ہیں۔ یہ آقائے دوعالم ﷺ کی تعظیم کیلئے ہے یا یہ حکم دیا کہ آپ اپنی طرف سے اور اپنے متبعین کی طرف سے ایمان کی خبر دیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ خطاب ہر مخاطب کو ہو کہ ان میں سے ہر ایک اپنی طرف سے اور مومن بھائیوں کی طرف سے خبر دے۔

۳ اس سے مراد قرآن ہے۔ اگر یہ تمام مومنوں کی طرف سے خبر دینے کا حکم ہو تو اس کا ان پر نزول نبی کریم ﷺ کی تبلیغ کے واسطہ سے ہوگا یا یہ کہا جائے گا کہ جمعیت میں سے ایک کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ نزول کا لفظ کبھی الی کے واسطہ سے بھی متعدی ہوتا ہے جس طرح سورۂ بقرہ میں ہے کیونکہ اس کی انتہا رسولوں تک ہوتی ہے۔ کبھی علی کے واسطے کے ساتھ متعدی ہوتا ہے کیونکہ یہ اوپر سے نازل ہوتا ہے۔

۴ اسباط سے مراد یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے انبیاء ہیں یعنی ان پر جو کتابیں اور صحیفے نازل کئے گئے۔

۵ جب یہ دونوں اسباط میں داخل ہیں تو پھر ان کو خاص کر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ یا تو ان کی فضیلت کی وجہ سے یا اس لئے کیونکہ جھگڑا عموماً یہود ونصاریٰ کے ساتھ ہوتا تھا تو موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کا جو وہم تھا اس کو دور کرنے کے لئے خاص کر ان کا ذکر کیا یا ما اوتی سے مراد وحی خفی ہے اور ما انزل سے مراد وحی جلی ہے۔ ما اوتی سے مراد معجزات اور فضائل ہیں۔

۶ سورۂ بقرہ میں ما اوتی کو مکرر ذکر فرمایا لیکن یہاں اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہاں ایتاء کا ذکر پہلے موجود ہے کیونکہ فرمایا لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ۔

۷ یہاں من عند کے معنی میں ہے، یعنی ہم تصدیق و تکذیب میں کوئی فرق نہیں کرتے۔

۸ ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے

۹ اطاعت کرنے والے ہیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

"اور جو تلاش کرے گا اسلام کے بغیر ۱ کوئی اور دین ۲ تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اس سے ۳ اور وہ قیامت کو زیاں کاروں میں سے ہوگا ۴"

۱ اسلام سے مراد توحید اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت ہے۔ یہاں مراد حضور ﷺ کے علاوہ دین ہے کیونکہ آپ کا دین تمام سماوی دینوں کے لئے ناسخ ہے۔

۲ یہ تمیز ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ دینا یبتغ کا مفعول ہو اور غیر الاسلام حال مقدم ہو کیونکہ ذوالحال نکرہ ہے۔

۳ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس دین کا حکم دیا ہے اور جس سے وہ راضی ہے، یہ اس کا غیر ہے۔

۴ کیونکہ وہ اسلام سے اعراض کرنے والا ہے اور غیر اسلام کا طالب ہے، وہ فطرت سلیم کو باطل کر کے نفع کو ضائع کرنے والا اور خسارہ اٹھانے والا ہے امام بغوی نے کہا یہ آیت اور مابعد آیت ان بارہ افراد کے بارے میں نازل ہوئی جو مرتد ہو گئے تھے، جو مدینہ سے نکلے اور مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔ کافروں کی حیثیت سے داخل ہوئے انہیں میں سے ایک حارث بن سوید انصاری بھی تھا۔(1)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 315 (التجاریہ)

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

" کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو ہدایت دے [1] جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ایمان لے آنے کے بعد [2] اور وہ (پہلے خود) گواہی دے چکے تھے کہ رسول سچا ہے [3] اور آ چکی تھیں ان کے پاس کھلی نشانیاں اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو [4] "

[1] جنت اور ثواب کی طرف اللہ تعالیٰ کیسے ہدایت دے گا۔ یہاں استفہام انکاری ہے یعنی اللہ تعالیٰ نہیں دے گا اور ہدایت سے ان کے دور ہونے کا بیان کرنے کے لئے ہے۔

[2] جس طرح ان بارہ آدمیوں نے کیا

[3] ایمانهم میں جو فعل کا معنی ہے۔ اس پر اس کا عطف ہے یعنی ایمان اور شہادت کے بعد آپ کے لئے یہ جائز ہے کہ آپ اس فعل کو مصدر کے معنی میں کریں، جس طرح شعر کے اس مصرع میں تَسْمَعُ بِالْمُعَيْدِيِّ خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَرَاهُ یعنی ان کے ایمان اور شہادت دینے کے بعد اور یہ بھی آپ کیلئے جائز ہے کہ شَهِدُوْا سے پہلے زمان کا لفظ بطور مضاف مقدر مانیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف کفروا پر ہو کیونکہ واؤ ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی۔ یہ بھی جائز ہے کہ قد کے مضمر ہونے کے ساتھ یہ حال ہو۔ اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ زبان سے اقرار ایمان کی حیثیت سے خارج ہے۔

[4] بینات سے مراد واضح دلائل ہیں جیسے قرآن حکیم اور دوسرے تمام معجزات اور اللہ جنت کے راستہ کی ہدایت نہیں دیتا اس آیت میں ظالمین سے مراد کافر ہیں۔

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝

" ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے [1] کہ ان پر پھٹکار پڑتی رہے اللہ کی [2] فرشتوں کی [3] اور سب انسانوں کی [4] "

[1] اولئک مبتدا ہے اور جزاؤھم مبتدا سے بدل اشتمال ہے، یا دوسرا مبتدا ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے اور دونوں کا مجموعہ مبتدا کی خبر ہے۔

[2] یہاں لعنت سے مراد اس کا غضب ہے جو اس کی رحمت سے دوری کو لازم ہے۔

[3] یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری فرشتوں کی طرف سے دعا ہوتی ہے۔

[4] اس سے مراد مومن ہیں یا اس سے مراد مومن اور کافر دونوں ہیں کیونکہ کفار بھی منکرین حق پر لعنت کرتے ہیں، اگرچہ وہ خود حق کو نہیں پہچانتے یا قیامت کے روز ان میں سے بعض بعض پر لعنت کریں گے۔ رب العالمین کا ارشاد ہے يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا تم میں سے بعض بعض کا انکار کریں اور تم میں سے بعض بعض پر لعنت کریں گے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝

" ہمیشہ رہیں گے اسی پھٹکار میں نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی [1] "

[1] فیھا میں ھا ضمیر سے مراد لعنت ہے، یا آگ ہے، اگرچہ آگ کا ذکر پہلے نہیں ہوا کیونکہ کلام اس پر دلالت کر رہی ہے اس لئے ضمیر کا ذکر کرنا درست ہے۔ ترکیب کلام میں علیھم میں ھم ضمیر سے حال ہے اور ینظرون کا معنی ہے انہیں مہلت نہ دی جائے گی۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٨٩﴾

"مگر وہ لوگ جنہوں نے سچے دل سے توبہ کر لی اس کے بعد اور اپنی اصلاح کی تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے(1)"

لے یہاں ذلک سے مراد ارتداد ہے، و اصلحوا یہ عطف تفسیری ہے اور تابوا کا معطوف ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ ہو گئے مسلمان یا انہوں نے اپنے ایمان اور اپنے نفسوں کو درست کر لیا جبکہ انہوں نے جو زمین میں فساد بر پا کیا تھا سے درست کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرتا ہے اور انہوں نے حقوق اللہ کی ادائیگی میں جو کوتاہی کی ہے اس کو بخش دیتا ہے اور وہ ان پر رحیم ہے اور انہیں جنت میں داخل فرماتا ہے۔

امام نسائی، ابن حبان اور حاکم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ انصار میں سے ایک آدمی مسلمان ہوا، پھر مرتد ہو گیا، پھر اپنے فعل پر شرمندہ ہوا اور اپنی قوم کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں کہ کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، تو آیات کَيْفَ يَهْدِي سے لے کر فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ تک نازل ہوئیں، تو اس کی قوم نے اسے پیغام بھیجا۔ پس وہ مسلمان ہو گیا(1) ابن منذر نے اپنی مسند میں اور عبدالرزاق نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہا حارث بن سوید آیا اس نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، پھر کافر ہو گیا، پھر اپنی قوم کی طرف پلٹا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں یہ مذکورہ آیات نازل فرمائیں تو اس کی قوم کا ایک آدمی یہ آیات لے کر اس کے پاس گیا، اس پر ان آیات کو پڑھا۔ حارث نے کہا قسم بخدا جتنا میں جانتا ہوں تو سچا ہے اور رسول اللہ ﷺ تجھ سے سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ تم سب سے سچا ہے۔ پس وہ اسلام لے آیا اور اچھا مسلمان ثابت ہوا۔(2)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾

"بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے چلے گئے کفر میں لے ہرگز نہ قبول کی جائے گی ان کی توبہ ۲ے اور یہی لوگ ہیں جو گمراہ ہیں ۳ے"

لے قتادہ اور حسن نے کہا یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا انکار کیا، جبکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان رکھتے تھے۔ پھر انہوں نے حضور ﷺ کا انکار کر کے اپنے کفر میں اضافہ کر لیا، یعنی حالت کفر میں اپنے گناہوں میں اضافہ کر لیا۔ مجاہد نے کہا یہ سب کفار کے حق میں نازل ہوئیں پہلے انہوں نے اقرار کیا کہ ہمارا خالق اللہ تعالیٰ ہے، پھر انہوں نے شرک کیا، پھر انہوں نے کفر میں اس طرح اضافہ کیا کہ اپنے کفر پر قائم رہے، یہاں تک کہ اسی میں ہلاک ہو گئے۔ حسن نے کہا جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تو وہ اس کا انکار کرتے، اس طرح ان کے کفر میں اضافہ ہو جاتا۔ کلبی نے کہا یہ آیت حارث بن سوید کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی، جب حارث نے اسلام کی طرف رجوع کر لیا تو اس کے ساتھی کفر پر ڈٹے رہے اور مکہ مکرمہ میں ہی مقیم رہے(3) بعض فضلاء نے کہا الَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا سے مراد منافق ہیں کیونکہ ان کا کفر اعلانیہ کفر سے بڑھ کر ہے کیونکہ انہوں نے کفر کو چھپانے کی مشقت کی، نماز اور روزہ کی مشقت اٹھائی جبکہ وہ ان چیزوں کو سخت ناپسند کرتے تھے، یہ کفر کی محبت کی انتہاء ہے۔

۲ے اگر الَّذِينَ كَفَرُوا سے مراد وہ اقوال ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے تو پھر اس کا معنی یہ ہوگا جب تک وہ کفر پر ڈٹے رہیں گے، گناہوں سے ان کی توبہ قبول نہ ہوگی لیکن کفر سے توبہ اس وقت تک مقبول ہوتی ہے جب تک سانس گردن میں نہ اٹک جائے گا کیونکہ جب رسول

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 87 (العلمیہ) 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 316 (التجاریہ)

اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو حارث بن سوید کے ساتھیوں میں سے جو مسلمان ہو گیا تو اس کی توبہ قبول کی گئی۔ اگر اس سے مراد منافق ہوں جس طرح بعض فضلاء نے کہا تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ جب تک دل سے کفر پر اصرار جاری رہے گا، زبان سے توبہ قبول نہ ہوگی (1) یعنی یہی لوگ سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٩١﴾

”جن لوگوں نے کفر کیا اور مر گئے کفر ہی کی حالت میں تو ہرگز نہ قبول کیا جائے گا ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا اگر چہ وہ (اپنی نجات کیلئے) عوضانہ دے اتنا سونا ایسے لوگوں کے لئے عذاب ہے دردناک اور نہیں ہے ان کا کوئی مددگار“

ل بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور کفر سے توبہ نہ کی۔

ل یعنی قیامت کے روز ان سے قبول نہ کیا جائے گا۔ یہاں ان کی خبر پر فاء داخل کی گئی ہے کیونکہ الذین میں شرط کا معنی موجود ہے، ساتھ ہی ساتھ اس بات سے آگاہی کرنا مقصود ہے کہ کفر پر موت عدم قبولیت کا سبب ہے۔

ل یعنی اتنی مقدار میں جو زمین کو بھر دے۔

ل یہ تمیز ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی اس سے زمین بھر سونا بھی بطور فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اگر ہم یہ فرض کریں کہ اس نے دنیا میں اتنا مال صدقہ کیا تھا اور اگر اس نے اس سے کم مقدار خرچ کیا تو بدرجہ اولی اس سے قبول نہ کیا جائے کیونکہ صدقات اور عبادات کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے بلکہ عبادت اس وقت تک عبادت بنتی ہی نہیں، جبکہ وہ ایمان و اخلاص پر مرتب نہ ہو۔

ل یعنی اگر بالفرض وہ زمین بھر سونا آخرت میں خرچ کرے تب بھی اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی یہ ہو ان میں سے کسی ایک سے بھی زمین بھر سونا قبول نہیں کیا جائے گا جو وہ قیامت کے عذاب سے بچنے کے لئے فدیہ دے گا اور اگر وہ اس کی مثل اور دے تب بھی قبول نہ کیا جائیگا جس طرح رب العالمین کا فرمان ہے ”اور اگر ہو ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ظلم کیا جو کچھ زمین میں ہے اور اس کی مثل“ یہاں مثل سے مراد کثیر ہے کیونکہ دو ایک طرح کی چیزوں کا حکم ایک ہی ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے ولو افتدی بہ میں واؤ زائدہ ہے۔ معنی اس کا یہ ہوگا اگر وہ زمین بھر سونا بھی فدیہ دے تو اس سے قبول نہ کیا جائے یہاں ”لو“ کو وصلیہ بنانا درست نہیں کیونکہ یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ شرط کی نقیض بدرجہ اولی جزاء ہو تو پھر تقدیر کلام یوں ہوگی زمین بھر سونا اس سے قبول نہ کیا جائیگا اگر وہ فدیہ نہ کرے اور اگر وہ فدیہ دے تب بھی قبول نہ کیا جائے گا۔ جس طرح رب العالمین کا یہ فرمان ہے يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ یعنی وہ روشن ہی رہے گا اسے آگ چھوئے یا نہ چھوئے۔ بعض اوقات اس کی یہ توجیہ کی جاتی ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس سے مطلق فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ فدیہ کی انتہائی حد یہی ہو سکتی ہے کہ زمین بھر سونا فدیہ کے طور پر دیا جائے جب یہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا تو اس سے جو کم ہوگا وہ کیسے قبول کیا جائے گا؟ مفہوم یہ ہوا کہ اس سے مطلقاً فدیہ قبول نہ کیا جائے گا اگر وہ زمین بھر سونا فدیہ نہ دے، بلکہ اس سے کم بھی وصول نہ کیا جائے گا اور اگر فدیہ دے بھی دے تو تب بھی قبول نہ کیا جائے گا۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 316 (التجاریہ)

۲؎ یہ تحذیر میں مبالغہ کرنا ہے اور اسے مایوس کرنا ہے کیونکہ جس سے فدیہ قبول نہیں کیا جاتا بعض اوقات شرافت کی وجہ سے اسے معاف کر دیا جاتا ہے۔

۳؎ یعنی عذاب دور کرنے میں ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا یہاں من زائدہ ہے اور استغراق کے لئے ہے۔ حضرت انس بن مالک نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اس جہنمی سے پوچھے گا جس کو سب سے ہلکا عذاب دیا جا رہا ہوگا اگر تیرے پاس زمین میں سے کچھ ہو کیا تو عذاب سے بچنے کے لئے فدیہ دے دے گا؟ وہ کہے گا ہاں۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تو اس سے بھی آسان چیز کا مطالبہ کیا تھا جب تو حضرت آدم کی پشت میں تھا کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا تو تو نے شرک نہ کرنے سے انکار کر دیا (1) متفق علیہ۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

"ہرگز نہ پا سکو گے تم کامل نیکی ۱؎ (کا رتبہ) جب تک نہ خرچ کرو راہ خدا میں ان چیزوں سے جن کو تم عزیز رکھتے ہو ۲؎ اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے ۳؎"

۱؎ قاموس میں بر کے یہ معانی لکھے گئے ہیں۔ صلہ رحمی، جنت، بھلائی، احسان میں وسعت، سچائی اور طاقت (2) میں کہتا ہوں جب بر کی اضافت بندے کی طرف ہو تو اس کا معنی طاعت، سچائی اور احسان میں وسعت ہے۔ اس کی ضد فجور اور نافرمانی کرنا ہے۔ جب بر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی رضا، رحمت اور جنت ہے اور اس کی ضد غضب اور عذاب ہے۔ ابن مسعود اور ابن عباس اور مجاہد نے کہا یہاں اس سے مراد جنت ہے مقاتل بن حیان نے کہا اس سے مراد تقویٰ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی طاعت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی خیر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے تم خیر کثیر والے اور احسان و طاعت میں وسعت والے نہیں ہو سکتے (3) امام بیضاوی نے کہا تم نیکی کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے جو کمال خیر ہے یا تم اللہ تعالیٰ کی نیکی تک نہیں پہنچ سکتے جو رحمت، رضا اور جنت ہے (4) پہلی صورت میں الف لام جنسی ہوگا اور دوسری صورت میں عہدی ہوگا۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سچائی کو لازم پکڑو کیونکہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ ایک انسان لگاتار سچ بولتا رہتا ہے، اور سچ کو تلاش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے، جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ فسق و فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فسق و فجور گناہوں کی طرف لے جاتا ہے۔ ایک انسان لگاتار جھوٹ بولتا رہا ہے اور جھوٹ کی تلاش میں رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے (5) اسے امام مسلم، احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق سے ایک مرفوع روایت منقول ہے صدق کو لازم پکڑو کیونکہ یہ نیکی کے ساتھ ہوتا ہے اور دونوں جنت میں ہیں اور جھوٹ سے بچو کیونکہ یہ فجور کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دونوں جہنم میں ہیں (6) اسے امام احمد، ابن ماجہ اور امام بخاری نے ادب میں روایت کیا ہے۔

۲؎ من تبعیضیہ ہے ما تحبون سے مراد اموال کی تمام قسمیں ہیں کیونکہ لوگ ان سے محبت کرتے ہیں، انہیں ترجیح دیتے ہیں، دل ان کی طرف مائل ہوتے ہیں، جو اموال میں سے کچھ بھی خرچ نہ کرے یہاں تک کہ زکوٰۃ بھی ادا نہ کرے، وہ نیکی نہیں پا سکتا بلکہ وہ تو فاجر ہے۔ اس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مال کی تمام قسموں میں سے کچھ نہ کچھ خرچ کرے اور یہ بھی ثابت ہوا جس کے پاس عمدہ مال ہو اور خبیث مال ہو تو اس کے لئے عمدہ مال کی جگہ خبیث مال میں سے خرچ کرنا جائز نہیں، جس طرح رب العالمین کا ارشاد ہے۔ "اے ایمان والو

1۔ صحیح مسلم، جلد 17، صفحہ 121 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2۔ قاموس، جلد 1، صفحہ 498 (التراث العربی) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 317 (التجاریہ)
4۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شہاب، جلد 3، صفحہ 86 (العلمیہ) 5۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 326 (قدیمی) 6۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 282 (د۔ت)

اچھے مال خرچ کرو...... اس میں سے ردی کا قصد نہ کرو" اور تھوڑی مقدار یا لا جماع وجوب کے قائم مقام نہیں ہو سکتی (یہ محبوبیت کے تقاضا کے خلاف ہے) یہ آیت کریمہ جو مال میں سے مقدار کے متعلق مجمل ہے وہ احادیث جو زکوۃ کی مقدار کے بارے میں وارد ہوئیں ہیں وہ اس کا بیان ہیں۔ تاہم ایک بات باقی رہ گئی ہے کہ کیا یہ آیت ہر مال، نامی ہو یا نہ ہو، نصاب کی مقدار کو پہنچنے والا ہو یا نہ ہو، حاجت اصلیہ سے فارغ ہو یا نہ ہو، اس پر سال گزرا ہو یا نہ ہو ایسے مال میں زکوۃ کے وجوب پر دلالت کرتی ہے یا نہیں لیکن آیات اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے جس طرح آیت کریمہ ہے "وہ آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں فرما دیجیے جو ضرورت سے زائد ہو" اور حضور ﷺ کا فرمان کام کیلئے رکھے گئے جانوروں، بوجھ اٹھانے والے جانوروں اور جنہیں سال کے اکثر حصہ میں چارہ ڈالا جاتا ہے ان میں زکوۃ نہیں اور حضور ﷺ کا فرمان جو آپ نے فرمایا اس آدمی کو جس نے یہ پوچھا تھا کیا میرے اوپر اس کے سوا بھی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں مگر تو بطور نفل مال خرچ کرے اور حضور ﷺ کا فرمان ایسا صدقہ پسندیدہ نہیں جو اپنے پیچھے خزانہ چھوڑ جائے۔ چوپاؤں، نقدی اور سامان تجارت میں اس وقت تک زکوۃ نہیں جب تک وہ نصاب کی مقدار کو نہ پہنچ جائیں اور ان پر سال نہ گزر جائے مگر کھیتی اور پھلوں کا معاملہ ان سے مختلف ہے، جس پر علماء کا اجماع ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں یہ آیت بعض کیساتھ خاص ہے۔ اس آیت سے مراد زکوۃ ہے۔ ضحاک نے ابن عباس سے یہی نقل کیا ہے۔ مجاہد، کلبی نے کہا اس آیت کو آیت زکوۃ نے منسوخ کر دیا ہے(1) یہ قول کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ اس (آیت کو) بھی زکوۃ پر محمول کرنا جائز ہے جس طرح آپ پہلے سن چکے ہیں تو اس کے منسوخ کرنے کا قول کیسے درست ہو سکتا ہے؟ اگر اس سے مراد محبوب ترین مال میں سے انفاق کا وجوب ہو، جس طرح ایک قول کیا گیا ہے تو دوسرے اموال میں یہ عدم وجوب کا تقاضا نہیں کرتا اور نہ ہی زکوۃ سے زیادہ کے وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ تو پھر نسخ کا کیسے تصور کیا جا سکتا ہے جبکہ یہ آیت مدنی ہے اور زکوۃ والی آیات مکی ہیں، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، ما تحبون کے لفظ کے ساتھ اموال کی تعبیر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جتنا مال محبوب ہوگا اس کا فی سبیل اللہ خرچ کرنا اتنا ہی افضل ہوگا اور دلالۃ النص سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ واجب تو بعض ہے لیکن جس نے سارے کا سارا مال خرچ کر دیا وہ لوگوں میں سے سب سے نیک اور اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ مطیع ہوگا واللہ اعلم۔ حضرت حسن بصری کا فرمان ہے ہر وہ انفاق جس کے ذریعے بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہو، خواہ وہ ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو وہ اس کے ذریعے یہ نیکی حاصل کر لیتا ہے(2) حضرت حسن کے قول کا مقتضیٰ یہ ہے کہ یہاں انفاق انفاق واجب اور مستحب دونوں کو شامل ہوگا، تاہم بر کی نفی اور مجرد کا اطلاق اس وقت تک جائز نہ ہوگا جب تک مطلقاً انفاق نہ ہو، یہاں تک کہ وہ زکوۃ بھی نہ دے۔ عطاء نے کہا تم دین کا شرف اور تقویٰ حاصل نہ کر سکو گے جب تک کہ تم صدقہ نہ کرو، جبکہ تم تندرست بھی ہو اور ضرورت مند بھی ہو(3) حضرت انس بن مالک سے مروی ہے حضرت ابو طلحہ مدینہ طیبہ میں انصار میں سے زیادہ مالدار تھے، ان کا محبوب ترین مال بیرحاء (باغ) تھا جو مسجد نبوی ﷺ کے بالکل سامنے تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس میں تشریف لے جاتے، اس کا پانی نوش فرماتے جس میں خوشبو تھی۔ حضرت انس کہتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں یہ ارشاد فرماتا ہے، پھر اسی آیت کو تلاوت فرمایا، میرا تو محبوب ترین مال بیرحاء ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر صدقہ ہے، میں اسکے بدلہ میں نیکی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا ذخیرہ چاہتا ہوں، جہاں آپ چاہیں اس کو خرچ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ مال تو بہت نفع بخش ہے، جو کچھ تو نے کہا میں نے سن لیا، میری رائے یہ ہے کہ تو اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دے۔ حضرت ابو طلحہ نے عرض کی میں ایسے ہی کروں گا۔ تو حضرت ابو طلحہ نے وہ مال اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا(4) متفق علیہ۔ زید بن حارثہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 381 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ مشکوۃ المصابیح، صفحہ 172 (وزارت تعلیم)

ایک گھوڑا لاتے جو انہیں بڑا پسند تھا، کہا یہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہے تو رسول اللہ ﷺ نے وہ گھوڑا حضرت اسامہ بن زید کو عطا کر دیا۔ حضرت زید نے عرض کی میں نے تو صدقہ کا ارادہ کیا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے تجھ سے قبول کر لیا ہے (1) ابن منذر نے محمد بن منکدر سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ اس فرس کو سبیل کہتے۔ ابن جریر نے عمر بن دینار سے مرسل روایت نقل کی ہے۔ ابوایوب سجستانی نے معضل روایت کی ہے۔ بغوی نے کہا مجاہد سے روایت کی گئی کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ابوموسیٰ اشعری کو خط لکھا کہ جلولا کے اسیروں میں سے ایک لونڈی ان کیلئے خریدیں جو یوم فتح کو قیدی بنائے گئے۔ آپ نے اسے بلایا تو بہت اچھی لگی، تو کہا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اور یہ آیت پڑھی، تو اس لونڈی کو آپ نے آزاد کر دیا (2) حمزہ بن عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کے دل میں اس آیت کا خیال آیا تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ نے مجھے جو اموال عطا کیے ہیں میں انہیں یاد کرنے لگا، اس وقت اس لونڈی سے زیادہ مجھے کوئی مال محبوب نہ تھا، تو میں نے کہا وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر آزاد ہے۔ اگر یہ بھی بات نہ ہوتی کہ جس کو میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کر دیا۔ اسی کی طرف رجوع کرنے والا ہوں گا تو ضرور اس سے نکاح کرتا (3) یہ احادیث اور آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ انفاق کا لفظ جس طرح صدقہ کرنے پر بولا جاتا ہے اس طرح عاریۃً دینے، قرض دینے، آزاد کرنے اور اس طرح کی دوسری چیزوں پر بھی بولا جاتا ہے جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جاتی ہے، تاہم افضل یہی ہے کہ انسان اپنے سب سے قریبی پرا اپنا مال خرچ کرے۔

سے شی سے مراد محبوب یا غیر محبوب دونوں چیزیں ہیں۔ یہاں من ما کا بیان ہے۔ علیم سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے عمل اور نیت کے مطابق جزاء دے گا۔ یہاں سبب کا ذکر کیا ہے مراد مسبب ہے، یعنی جزاء اور ثواب کیونکہ بندے کے احسان کا کریم کو علم لامحالہ جزاء اور ثواب کا موجب ہوتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے علم میں حد درجہ مبالغہ کا اظہار ہے کیونکہ آیت میں ماضی کا صیغہ مذکور نہیں۔ بلکہ علیم کا لفظ ذکر فرمایا جو مستقبل پر دلالت کرتا ہے یہ اس بات پر دلالت کرنے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ تو انفاق سے قبل بھی جانتا ہے، خواہ انفاق تھوڑا ہو یا زیادہ ہو۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انفاق کو ظاہر کرنے سے غنی ہے اور اسے مخفی رکھنے پر برانگیختہ بھی کیا جارہا ہے۔

بغوی نے کہا یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا آپ گمان کرتے ہیں کہ آپ حضرت ابراہیم کے دین پر ہیں جبکہ حضرت ابراہیم اونٹ کا گوشت اور دودھ نہ پیتے تھے جبکہ آپ کھاتے ہیں۔ پس آپ حضرت ابراہیم کی ملت پر نہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ سب کچھ حضرت ابراہیم پر حلال تھا انہوں نے کہا جس کو ہم آج حرام قرار دیتے ہیں۔ وہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم پر بھی حرام تھا یہاں تک کہ اس کی حرمت ہم تک پہنچی (4) گویا وہ احکام کے نسخ کو تسلیم نہیں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾

"سب کھانے کی چیزیں ۱ؔ حلال تھیں ۲ؔ بنی اسرائیل کیلئے ۳ؔ مگر وہ جسے حرام کیا اسرائیل نے اپنے آپ پر ۴ؔ اس سے پہلے کہ نازل کی گئی تورات ۵ؔ آپ فرمایئے لاؤ تورات پھر پڑھو اسے اگر تم سچے ہو ۶ؔ"

۱ؔ یہاں طعام مصدر ہے جو اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ اسکا معنی غذا حاصل کرنا ہے۔ یہاں مراد صرف غذا ہے۔ اس کے اوپر الف لام عہد خارجی ہے، یعنی پاکیزہ چیزوں میں سے کھانے جو تورات میں حرام ہیں۔ یہ یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہیں۔ یہ لفظ (کل الطعام) مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کو شامل نہیں ہوگا، اس طرح کی دوسری خبائث بھی اس سے خارج ہوں گے جس طرح درندے۔

1۔ ماخوذ از تفسیر طبری، جلد 3، صفحہ 239 (الامیریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 318 (التجاریہ) 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 319 (التجاریہ)

1۔ حل یہ بھی مصدر ہے جیسے کہا جاتا ہے حل الشئی حلاً اس کے ساتھ صفت ذکر کی گئی۔ اس میں تذکیر و تانیث، واحد و جمع سب برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ یعنی وہ مطعومات حلال تھیں۔

2۔ بنی اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہے جس طرح وہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ کے آباء حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہما السلام پر حلال تھیں۔

3۔ یہاں اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔ ما سے مراد اونٹ کے گوشت اور اس کے دودھ ہیں۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ آپ کو عرق النساء کی تکلیف تھی۔ آپ نے نذر مانی اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس مرض سے شفا عطا فرمائی تو وہ اپنا پسندیدہ کھانا چھوڑ دیں گے۔ یہ کھانا آپ کا پسندیدہ کھانا تھا جس وجہ سے آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اسے امام احمد، حاکم اور ان کے علاوہ دوسرے علماء نے حضرت ابن عباس سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ امام بغوی نے جویبر کی روایت نقل کی ہے جو ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت یعقوب کو عرق النساء کی تکلیف لاحق ہوئی تو اطباء نے تجویز کیا کہ آپ اونٹ کا گوشت چھوڑ دیں تو حضرت یعقوب نے نذر کے ذریعے اس چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا (1) امام بغوی نے کہا حضرت حسن بصری نے کہا کہ حضرت یعقوب نے اپنے اوپر اونٹوں کا گوشت بطور بندگی حرام کیا تھا۔ آپ نے اپنے رب سے جزاء کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ان کی اولاد پر حرام کر دیا۔ حضرت عطیہ نے کہا یہ گوشت بنی اسرائیل پر اس لیے حرام تھا کہ حضرت یعقوب نے اسے حرام قرار دیا تھا کیونکہ انہوں نے یہ کہا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مرض سے شفا عطا فرمائی تو میری اولاد بھی اسے نہ کھائے گی اس کی حرمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوگی۔(2)

4۔ ظرف کو حرم اسرائیل کے متعلق کرنا جائز نہیں جس طرح معاملہ ظاہر ہے کیونکہ اس قید کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ حضرت یعقوب کا تورات نازل ہونے کے بعد حرام قرار دینے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اسے كَانَ حِلًّا کے متعلق کریں تو صفت مکمل ہونے سے پہلے اس کا فصل لازم آئیگا۔ پس یہ کلام محذوف کے متعلق ہوگا۔ گویا یہ ایک سوال کے جواب میں کلام ہوگی، یعنی متی كان حلا تو تقدیر کلام یوں ہوگی كَانَ حِلًّا مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰةُ جب تورات نازل کی گئی تو ان کے ظلم کے باعث ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دی گئیں...... کلبی نے کہا بنو اسرائیل جب کوئی بڑا گناہ کرتے اللہ تعالیٰ ان پر پاکیزہ کھانا حرام کر دیتا یا ان پر موت نازل کرتا۔ ضحاک نے کہا ان پر یہ چیزیں حرام نہ تھیں اور نہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں یہ چیزیں حرام کی تھیں بلکہ انہوں نے اپنے باپ کی اتباع میں خود ان چیزوں کو حرام قرار دیا تھا۔ پھر انہوں نے اس حرمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں جھٹلایا یہ کچھ بھی نہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ اور فرمایا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَاۤ کیونکہ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت بھیجے کہ ان پر چربیاں حرام کی گئیں تو انہوں نے انہیں پگھلا کر انہیں بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔(3)

5۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ ان کے خلاف دلیل قائم کریں اور جو کچھ اس میں ہے اس کے ذریعے ان کو لاجواب کریں کیونکہ اس میں یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ظلم کے باعث ان پر یہ چیزیں حرام کی تھیں۔ یہ اصل میں حرام نہیں تھیں۔ پس وہ مبہوت ہو گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ اس میں حضور ﷺ کی نبوت کی دلیل بھی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ دلیل بھی ہے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم ہیں اور یہودی جو نسخ کے قائل نہ تھے ان کا رد ہے۔

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 319 (التجاریہ)　2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 320 (التجاریہ)　3۔ ماخوذ از صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 23 (قدیمی)

"پس جو بہتان لگاتا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اس کے بعد تو وہی ظالم ہیں ۱؎"

۱؎ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حرام کیا اور بعد ذلک سے مراد تورات سے ان کے خلاف دلیل قائم کرنے کے بعد ہے۔ ظلمون سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق واضح ہونے کے بعد اس سے تکبر کرتے ہیں۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

"آپ کہہ دیجئے سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ۱؎ پس پیروی کرو تم ملت ابراہیم کی ۲؎ جو ہر باطل سے الگ تھلگ تھے ۳؎ اور بالکل نہ تھے وہ شرک کرنے والوں سے ۴؎"

۱؎ اے محمد مصطفیٰ ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریبی وہی ہیں جنہوں نے آپ کی اتباع کی اور یہ نبی اور مومن" اور یہود ونصاریٰ نے اپنے دعووں میں جھوٹ بولا جو انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں اور یہ دعویٰ کہ آپ یہودی یا نصرانی تھے۔

۲؎ اے وہ لوگو جو دین ابراہیم کو پسند کرتے ہو پیروی کرو اسلام کی جو حضور ﷺ اور آپ کی امت کا دین ہے کیونکہ وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے یا تو اس وجہ سے کہ اس میں کمال مشابہت پائی جاتی ہے یا اس وجہ سے کہ اس زمانہ میں یہی آپ کا دین ہے۔ اس آیت کریمہ میں فَاتَّبِعُوْا اِبْرٰهِيْمَ نہیں فرمایا کیونکہ مقصود آپ کے دین کی اتباع ہے جو حضور ﷺ کی پیروی کی صورت میں ہے نہ کہ اس صورت میں کہ آپ حضرت ابراہیم کی اتباع کریں کیونکہ حضور ﷺ کی حیثیت بنی اسرائیل جیسی نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تبلیغ کے لئے مبعوث کئے گئے ملت دین کی طرح ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی زبانوں سے اپنے بندوں کے لئے جو احکام نازل فرمائے تا کہ وہ ان کی مدد سے قرب کے منازل اور دارین کی اصلاح کریں۔ انہیں ملت اور دین کہتے ہیں ملت اور دین میں فرق یہ ہے کہ ملت کو نبی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اسے منسوب نہیں کیا جاتا اور نہ ہی امت کے کسی فرد کی طرف اسے منسوب کیا جاتا ہے یہ پوری شریعت کے لئے بولا جاتا ہے، مختلف احکام کے لئے یہ لفظ نہیں بولا جاتا یہ نہیں کہا جاتا ملة اللہ یا ملتی یا ملة زید نماز کو بھی ملة اللہ نہیں کہتے جبکہ دین اللہ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ ملت کی اصل املت الکتاب ہے جس طرح صحاح کے اندر ہے۔

۳؎ یہ ابراہیم سے حال ہے، یعنی باطل دینوں سے منہ موڑ کر دین حق کی طرف لوٹنے والے زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ معنی کیا جائے کہ افراط تفریط سے اعتدال کی طرف منہ موڑنے والے کیونکہ یہودیوں کے دین میں افراط اور شدت تھی اور نصاریٰ کے دین میں تفریط تھی۔

۴؎ یعنی ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے یہودیوں اور نصرانیوں سے اشارۃً بات کی جا رہی ہے کہ وہ شرک کرتے ہیں اس کے باوجود وہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔

امام بغوی نے کہا یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا ہمارا قبلہ بیت المقدس تمہارے کعبہ شریف سے افضل ہے اور پہلے ہے جو انبیاء کی ہجرت کی جگہ ہے مسلمانوں نے کہا بلکہ کعبہ افضل ہے۔(1)

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

"بے شک پہلا عبادت خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لئے ۱؎ وہی ہے جو مکہ میں ہے ۲؎ بڑا بابرکت والا ۳؎ ہدایت کا سرچشمہ ہے"

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 322 (التجاریہ)

سب جہانوں کے لئے ہو"

1۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے بطور قبلہ معین فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسے حج کرنے کے لئے معین کیا گیا۔ حسن بصری اور کلبی نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ پہلی مسجد اور عبادت گاہ جو لوگوں کے لئے بنائی گئی جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے جس طرح رب العالمین کا فرمان فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ یعنی مساجد۔

2۔ یعنی وہ گھر بکہ سے مراد مکہ ہی ہے عرب باء اور میم میں باہم تبدیلی کرتے ہیں جس طرح وہ کہتے ہیں غیط، غبیط، لازم، لازب، راتب، راتم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے جب یہ لفظ باء کے ساتھ ہو تو بیت اللہ شریف کی جگہ مراد ہوگی یا ساتھ ہی طواف کی جگہ مراد ہوگی اور مکہ جب میم کے ساتھ ہو تو پھر اس شہر مراد ہوگا اس کو بکہ اس لئے کہتے ہیں کہ کیونکہ اس میں لوگ بھیڑ کرتے ہیں۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا اسے بکہ کا نام اس لئے دیا گیا کیونکہ یہ جابروں کی گردن کو توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ کسی جابر نے اس کے لئے برا ارادہ نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے نیست و نابود کر دیا (1) جس طرح اصحاب فیل کے ساتھ ہوا مکہ کو اس لئے مکہ کہتے ہیں کیونکہ یہاں پانی کی قلت ہے۔ علماء نے اولیت کے معنی میں بھی اختلاف کیا ہے۔ ابن عمر، مجاہد، قتادہ اور سدی نے کہا کہ زمین و آسمان کی تخلیق کے موقع پر یہ وہ پہلا گھر ہے جو پانی پر ظاہر ہوا اللہ تعالیٰ نے زمین کی تخلیق کرنے سے دو ہزار سال پہلے تخلیق فرمایا پانی کی سطح پر سفید جھاگ تھی جس کے نیچے سے زمین پھیلائی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ وہ پہلا گھر ہے جو زمین میں تخلیق کیا گیا۔ حضرت علی بن حسینؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے گھر بنایا جسے بیت معمور کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کا طواف کرو پھر ان فرشتوں کو حکم دیا جو زمین پر رہتے تھے کہ زمین میں اس کی مثل ایک گھر بناؤ ان فرشتوں نے اس گھر کو بنایا جس کا نام ان فرشتوں نے صراح رکھا اور جو فرشتے زمین میں رہتے تھے انہیں حکم دیا کہ اس گھر کا طواف کریں جس طرح آسمان کے مکین بیت معمور کا طواف کرتے ہیں۔ ایک روایت یہ کی گئی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل فرشتوں نے اس گھر کو بنایا وہ اس کا حج کرتے تھے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے اس کا حج کیا فرشتوں نے کہا ہم دو ہزار سال سے اس گھر کا حج کر رہے تھے تیرا حج حج مبرور ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے اس سے یہ مراد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے جو گھر بنایا وہ یہی تھا (2) ارزقی نے تاریخ مکہ میں کہا صحیحین میں حضرت ابوذر غفاری سے مروی ہے میں نے عرض کی یا رسول سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا مسجد حرام پھر میں نے عرض کی اس کے بعد کونسی؟ فرمایا مسجد اقصیٰ میں نے عرض کی ان دونوں کے درمیان کتنا زمانہ گزرا ہے؟ فرمایا چالیس سال (3) پھر جہاں نماز کا وقت ہو جائے اس کو پڑھ لو کیونکہ فضیلت اسی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ وہ پہلا گھر ہے جو حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا جب طوفان نوح کا زمانہ آیا تو اسے اٹھا لیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ طوفان نوح میں ناپید ہو گیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے بنایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ایک دفعہ پھر یہ گر گیا تو بنی جرہم نے بنایا پھر اسے عمالقہ نے بنایا پھر قریش نے اسے تعمیر کیا۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے کہا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی جبکہ طوفان نوح میں اسے اٹھا لیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی جگہ کو ان کے لئے متعین فرمایا ایک ہوا بھیجی جسے ریح خجوج کہتے ہیں جس کے دو پر اور سانپ کے سر جیسا سر تھا تو اس نے کعبہ کے ارد گرد کو بیت اللہ شریف کی پہلی بنیادوں سے صاف کر دیا تو حضرت ابراہیم نے اسے پہلی بنیادوں پر تعمیر کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں اول سے مراد شرف کے اعتبار سے اول ہے حضرت علی شیر خدا سے ایک روایت یہی مروی ہے۔ ضحاک نے کہا یہ وہ پہلا گھر ہے جس میں برکت رکھی گئی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

1۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 321 (التجاریہ)　　2۔ ایضا　　3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 199 (قدیمی)

ﷺ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی برکت والا اور اجر و ثواب میں کثرت والا کیونکہ بعض عبادتیں صرف اسی کے ساتھ خاص ہیں جس طرح حج، ہدی، عمرہ جبکہ دوسرے اعمال جیسے نماز، روزہ اور اعتکاف وغیرہ کا اجر دوسری جگہوں کی بہ نسبت یہاں زیادہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ابو یوسف رحمۃ اللہ کا فرمان ہے جس نے مسجد حرام میں دو رکعت نماز پڑھنے کی نذر مانی اسکے لئے جائز نہیں کہ کسی اور مسجد میں وہ نماز پڑھے کیونکہ حضرت انس بن مالک سے مروی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک آدمی کی گھر میں نماز ایک نماز ہے، اس کی قبیلہ کی مسجد میں نماز پچیس نمازوں کے برابر ہے، جامع مسجد میں ایک نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ہے۔ مسجد اقصیٰ میں ایک نماز ہزار نمازوں کے برابر اور مسجد نبوی میں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ اور مسجد حرام میں ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے(1) اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ امام طحاوی نے عطاء بن زبیر سے نقل کیا ہے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے اور مسجد حرام میں ایک نماز مسجد نبوی میں ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔ عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے وہ حضرت عمر بن خطاب سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں، اسے مرفوع ذکر نہیں کرتے، حضرت جابر بن عبداللہ سے اس کی مثل مرفوع روایت نقل کی گئی ہے۔ ابن جوزی نے حضرت جابر سے مرفوع روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے مسجد حرام میں ایک نماز ایک لاکھ دوسری نمازوں سے بہتر ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں یہ فضیلت نوافل کو شامل نہیں کیونکہ زید بن ثابت کی حدیث ہے کہ بہترین نماز بندے کی وہ ہے جو وہ اپنے گھر میں پڑھے سوائے فرض نماز کے(2) متفق علیہ۔ میں کہتا ہوں کہ اعتکاف بھی فرض نماز کے حکم میں ہے کیونکہ وہ فرض نمازوں کے انتظار کے لئے مسجد میں ٹھہرنا ہوتا ہے گویا اعتکاف (فرض) نماز کے حکم میں شامل ہوگا۔ ابن جوزی نے مکہ مکرمہ کے فضائل میں عبداللہ بن عدی بن حمراء سے روایت کیا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جبکہ آپ مکہ کے بازار میں حزورہ کے مقام پر تشریف فرما تھے قسم بخدا! تو اللہ تعالیٰ کی بہترین زمین ہے تو اللہ تعالیٰ کو محبوب ترین زمین ہے اگر میں تجھ سے ہجرت نہ کر چکا ہوتا تو میں تجھ سے ہجرت نہ کرتا۔ ابن جوزی نے حضرت ابو ہریرہ سے اسی کی مثل مرفوع روایت کیا ہے۔

ﷺ کیونکہ یہ ان سب کا قبلہ ہے اس میں عجیب و غریب نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے اوپر ایمان لانے کی طرف لے جاتی ہیں اس کا عطف مبارکا پر ہے۔

فِيهِ ءَايَٰتٌۢ بَيِّنَٰتٌ مَّقَامُ إِبْرَٰهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُۥ كَانَ ءَامِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى ٱلنَّاسِ حِجُّ ٱلْبَيْتِ مَنِ ٱسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَنِىٌّ عَنِ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٩٧﴾

"اس میں روشن نشانیاں ہیں 1 (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے 2 اور جو بھی داخل ہوا اس میں ہو جاتا ہے ہر خطرہ سے محفوظ 3 اور اللہ کے لئے فرض ہے لوگوں پر 4 حج اس گھر کا 5 جو طاقت رکھتا ہو وہاں تک پہنچنے کی 6 اور جو شخص اس کے باوجود انکار کرنے بیٹھے تو بیشک اللہ بے نیاز ہے سارے جہاں سے 7"

1 ان نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک پرندہ اڑتا ہے لیکن بیت اللہ شریف کے اوپر سے نہیں گزرتا۔ ایک یہ بھی ہے کہ ایک درندہ حرم سے باہر شکار کا قصد کرتا ہے جب شکار حرم میں داخل ہو جاتا ہے تو شکاری جانور رک جاتا ہے۔

2 یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یا آیات سے بدل بعض ہے۔ یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیوار

1۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 103 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 101 (د۔ ت)

بنائی جب دیوار اونچی ہو گئی تھی۔ اس میں آپ کے قدموں کے نشانات تھے تاہم ہاتھوں کے ساتھ زیادہ مس کرنے کی وجہ سے وہ مٹ گئے، پس پتھر کی چٹان پر قدموں کے نشانات پڑ جانا اور چٹان کے اندر قدموں کا ٹخنوں تک سا جانا چٹانوں میں سے اس کا نشانی کے لئے خاص کرنا انبیاء کے دوسرے آثار کی بجائے اس کا باقی رہنا دشمنوں کی کثرت کے باوجود ہزاروں سال تک کا محفوظ رہنا یہ سب نشانیاں ہیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ مقام ابراہیم آیات کا عطف بیان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد تمام حرم ہے۔

ہ ضمیر سے مراد حرم ہے، یعنی جو حرم میں داخل ہو جائے گا وہ قتل ہونے اور ڈاکہ زنی سے محفوظ ہو جائے گا۔ یہ جملہ ابتدائیہ ہے یا شرطیہ معطوفہ ہے اور یہ معنی کے اعتبار سے مقام ابراہیم پر معطوف ہے، یعنی واضح نشانیاں جن میں سے ایک مقام ابراہیم اور انہیں میں سے دوسری یہ ہے جو بھی حرم میں داخل ہوا امن میں ہو گیا کیونکہ عرب دور جاہلیت میں بعض بعض کو قتل کرتے، بعض بعض پر ڈاکہ ڈالتے اور جو حرم میں داخل ہو جاتا اس سے وہ تعرض نہ کرتے تھے۔ امام حسن بصری قتادہ اور دوسرے اکثر مفسرین نے بھی کہا ہے اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا (1) امام ابوحنیفہؒ نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہے، اس کا قتل کرنا جائز نہیں جس پر قصاصاً قتل واجب ہو چکا ہے یا حرم سے باہر حد واجب ہو چکی ہے، اب اس نے حرم میں پناہ لے لی ہے، اس سے فوراً یہاں بدلہ نہیں لیا جائے گا بلکہ اسے کھلایا جائے گا، نہ پلایا جائے گا اس سے خرید و فروخت نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ وہ حرم سے باہر آ جائے پھر اسے قصاص کی وجہ سے قتل کر دیا جائے گا۔ اسی طرح ابن عباس نے کہا۔ امام شافعی اور دوسرے لوگوں نے کہا اس سے وہاں ہی قصاص لیا جائے اگرچہ وہ حرم کی حدود میں داخل ہو جائے مگر جب وہ حرم کی حدود میں جرم کا ارتکاب کرے تو اس سے بالاتفاق بدلہ لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ کی تفسیر میں یہ بات گزر چکی ہے کہ حرم پاک میں کفار سے جنگ کرنے کا آغاز نہیں کیا جائے گا۔ اگر کافر غلبہ پا لیں اور حرم میں داخل ہو جائیں العیاذ باللہ انہیں پکڑ کر باہر نکالا جائے گا، انہیں ڈنڈوں اور اس جیسی دوسری چیزوں کے ساتھ مارا جائے گا یا ان کا محاصرہ کر لیا جائے گا اور ان سے کھانے پینے کی چیزیں روک لی جائیں گی یہاں تک کہ وہ حرم سے نکل جائیں۔ پس انہیں وہاں قتل کر دیا جائے گا یا وہ خود قتال شروع کر دیں تو پھر اس صورت میں ان سے حرم کے اندر بھی جنگ کی جا سکتی ہے۔

یہ آیت خبر بمعنی امر ہے، یعنی جو بھی اس میں داخل ہو جائے اسے امان دے دو جیسے لا رفث و لا فسوق کا معنی ہے لا ترفثوا ولا تفسقوا۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جو اس کی عظمت کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے اس میں داخل ہوگا تو ایسا شخص قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے عذاب سے امن میں ہوگا(2) ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس بن مالک سے طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس بن مالک سے طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے شعب میں سلمان سے طبرانی نے اوسط میں حضرت جابر کی حدیث دار قطنی نے سنن میں حاطب کی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی دو حرموں میں سے کسی میں مرا وہ قیامت کے روز آگ سے امن میں ہوگا۔ حارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں سالم بن عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے قیامت کے روز ابوبکر و عمر کے درمیان اٹھایا جائے گا، پھر میں بقیع غرقد کی طرف جاؤں گا، وہ میرے ساتھ اٹھائے جائیں گے پھر میں اہل مکہ کی طرف نظر کروں گا یہاں تک کہ وہ بھی میرے پاس آ جائیں گے۔ پس میں اہل حرمین کے درمیان اٹھایا جاؤں گا۔ ابونعیم نے دلائل نبوت میں سالم سے وہ اپنے باپ سے موصولاً نقل کرتے ہیں خطیب نے مالک سے وہ حضرت نافع سے وہ عبداللہ بن عمر سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے قیامت کے روز ابوبکر و عمر کے درمیان اٹھایا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 323 (التجاریہ) 2۔ سنن الدار قطنی، جلد 2، صفحہ 278 (المحاسن)

جائے گا یہاں تک کہ میں دونوں حرموں کے درمیان کھڑا ہو جاؤں گا، پس اہل مدینہ اور اہل مکہ میرے پاس جمع ہو جائیں گے۔

ے لام سے پہلے استقر یا افترض فعل محذوف ہے۔ یہاں الناس سے مراد آزاد، عقلاء اور بلغاء ہیں، حج مجنون اور بچوں پر واجب نہیں ہوتا کیونکہ وہ خطاب کے اہل نہیں ہوتے اور نہ ہی غلاموں پر بالاتفاق حج فرض ہے۔ اگر ایک کافر، عقلمند نابالغ یا غلام حج کریں پھر کافر مسلمان ہو جائے اور بچہ بالغ ہو جائے اور غلام آزاد کر دیا جائے تو ان پر اسلام کا حج واجب ہوگا۔ اس اجماع کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباس کا فرمان ہے "جس بچے نے حج کیا، پھر وہ بالغ ہو گیا اس پر لازم ہے کہ وہ دوسرا حج کرے اور جس اعرابی نے حج کیا پھر اس نے ہجرت کی تو اس پر دوسرا حج واجب ہے اور جس غلام نے حج کیا، پھر اسے آزاد کر دیا گیا تو اس پر بھی دوسرا حج ہوگا[1] اسے امام حاکم نے روایت کیا ہے۔ یہاں اعرابی جس نے ہجرت نہیں کی سے مراد وہ جس نے اسلام قبول نہیں کیا مراد ہے کیونکہ عرب کے مشرک بھی حج تو کرتے تھے۔ امام حاکم نے کہا یہ روایت شیخین کی شرطوں پر صحیح ہے۔ اسی کی مثل ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ابوداؤد نے محمد بن کعب قرظی سے مرسل روایت نقل کی ہے۔ اس باب میں جابر سے حدیث مروی ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ ان روایات کو امت نے قبولیت کے شرف سے نوازا ہے اور اس کے معنی پر اجماع ہے۔ اس وجہ سے اس کے ساتھ کتاب کی تخصیص جائز ہے۔

ے ابو جعفر، حمزہ، کسائی اور حفص نے حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ کسرہ نجد کی لغت ہے اور فتحہ اہل حجاز کی لغت ہے۔ یہ دونوں فصیح لغتیں ہیں اور ان دونوں کا معنی ایک ہے۔ مدارک میں ہے کسرہ کے ساتھ یہ اسم ہے اور فتحہ کے ساتھ یہ مصدر ہے۔ حج کا لغوی معنی قصد کرنا ہے۔ یہاں اس سے مراد مخصوص عبادت ہے۔ اس کے اندر اجمال ہے اور اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ کے فعل اور دوسری آیات سے ہوتی ہے جس طرح رب العالمین کا ارشاد ہے "پھر چلو جہاں سے لوگ چلتے ہیں" اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "چاہئے کہ وہ بیت عتیق کا طواف کریں۔ اس طرح کی دوسری آیات۔

(مسئلہ) تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حج اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے اور فرض عین ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا[2] متفق علیہ اس باب میں بے شمار احادیث ہیں۔

ے یہاں ضمیر سے مراد بیت ہے۔ اسم موصول الناس سے بدل بعض ہے جس نے الناس کو خاص کر دیا ہے۔ پس وہ آدمی جو طاقت نہیں رکھتا اس پر حج فرض نہیں۔ سبیل کا معنی راستہ ہے یہ مفعول ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے اور الیہ اس سے حال مقدم ہے اس سے مراد جانا ہے جس طرح کہتے ہیں جری النھر یعنی جو بیت اللہ شریف تک جانے کی استطاعت رکھتا ہے کیونکہ حکم کو طاقت رکھنے والے پر متصور کیا گیا ہے۔ اس لئے علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ حج کی فرضیت کے لئے راستے کا پر امن ہونا ضروری ہے اور راستہ پر موجود منازل ایسی ہوں جو آباد ہوں جہاں سے زادراہ اور پانی مل سکتا ہو اگر امن نہ ہو تو پھر فرض نہ ہوگا۔ مکہ مکرمہ اور حاجی کے درمیان اگر سمندر ہو اگر سلامتی کا غالب امکان ہو تو علماء کے نزدیک حج فرض ہوگا جبکہ امام شافعی کا ایک قول ان کے خلاف ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک حج فرض ہوگا جبکہ امام شافعی کا ایک قول ان کے خلاف ہے۔ اسی طرح امام مالک کے نزدیک تندرست اور صحت مند ہونا بھی شرط ہے۔ ان دونوں ائمہ کے نزدیک کمزور اور اپاہج پر حج فرض نہیں، اگرچہ اس کے پاس اتنا مال ہو جس کے ذریعے اس کے لئے ممکن ہو کہ وہ کسی کو حج کرنے کے لئے اپنا نائب بنائے اس کی وجہ یہ ہے وہ بذات خود حج کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے کیونکہ حج بدنی عبادت ہے اور بدنی عبادات کا مقصود اپنے آپ کو مشقت

1۔ مستدرک حاکم، کتاب المناسک، جلد 1، صفحہ 481 (العصر) 2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 6 (وزارت تعلیم)

میں ڈالنا ہوتا ہے اگر وہ کسی کو نائب بنائے گا تو مقصد حاصل نہ ہوگا۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا نقطہ نظر یہ ہے وہ اپنے مال کی وجہ سے حج کرنے کے قابل ہے۔ امام بغوی نے کہا عرف میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ فلاں گھر بنانے کی استطاعت رکھتا ہے جبکہ یہ استطاعت مال کی وجہ سے حاصل ہو جبکہ وہ خود گھر نہ بنا سکتا ہو جبکہ وہ یہ کام اپنے مال اور مددگاروں کے ساتھ کرتا ہے(1) ہم یہ کہتے ہیں کہ حج کی استطاعت نہیں رکھتا جو ارکان مخصوصہ کا نام ہے، وہ صرف انفاق کی طاقت رکھتا ہے جبکہ گھر بنانے میں مقصود اس کا خود کام کرنا نہیں ہوتا جبکہ بدنی عبادات کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ اس وجہ سے حج کے معاملہ میں عرف جاری نہ ہوگا۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے حضرت عبداللہ بن عباس کے قول سے استنباط کیا ہے کہ حضرت فضل حضور ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے تھے تو خثعم قبیلہ کی ایک عورت آئی فضل اس عورت کو دیکھنے لگے۔ نبی کریم ﷺ نے فضل کا چہرہ دوسری طرف کر دیا۔ اس عورت نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ بیشک اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر جو فرض ہے، میرا باپ بہت بوڑھا ہے وہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں تم حج کر سکتی ہو(2) ایک روایت میں ہے کہ وہ سواری پر سیدھا نہیں بیٹھ سکتا، اگر میں اس کی طرف سے حج کروں تو اس کی طرف سے حج ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ یہ حج وداع میں واقع ہوا متفق علیہ۔ جواب اس کا یہ ہے کہ خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ کا حکم منسوخ کرنا جائز نہیں جو استطاعت کی شرط کا تقاضا کرتا ہے۔ جواب میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس عورت کے قول کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حج کے معاملہ میں فریضہ استطاعت کی شرط پر ہے۔ یہ میرے باپ پر اس وقت لازم آیا ہے جب وہ سفر کی طاقت نہیں رکھتا کیا میں اس کی طرف سے حج کروں، یعنی کیا میرے لئے یہ جائز ہے یا کیا اس میں اس کیلئے اجر ہے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں۔ اس جواب پر یہ اعتراض کیا گیا کہ بعض الفاظ میں الحج مکتوب علیہ یا اس جیسے دوسرے الفاظ ہیں تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ حضور ﷺ نے اس کے سوال افاحج عنہ کا جواب دیا حجی عنہ کیونکہ اگر یہ الفاظ ہوں تو یہ عورت کی طرف سے گمان ہوگا جو اس نے گمان کیا اس پر جرح یہ اعتراض کیا گیا کہ حضور ﷺ نے اس کے سوال کا جواب دیا اگر اس کا گمان غلط ہوتا تو حضور ﷺ ضرور اس کی وضاحت کر دیتے تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ حضور ﷺ نے عورت کے حرص کو دیکھا تھا کہ وہ اپنے باپ کو خیر اور ثواب پہنچائے۔ اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جسے عبدالرزاق نے ابن عباس کی حدیث سے نقل کیا ہے حدیث میں یہ الفاظ ہیں حُجِّي عَنْ أَبِيكِ فَإِنْ لَمْ تَزِدْهُ خَيْرًا لَمْ تَزِدْهُ شَرًّا تو اپنے باپ کی طرف سے حج کر اگر تو اس کی بھلائی میں اضافہ نہ کر سکی تو تو اس کی برائی میں اضافہ نہ کرے گی۔ لیکن حافظ نے یقین سے کہا کہ یہ روایت شاذ ہے۔ تاہم بہتر یہ ہے کہ اس حدیث کو اس معنی پر محمول کیا جائے۔ جب وہ صحت مند تھا تو اس پر حج فرض ہوا وہ کمزور ہوا یا اپاہج ہو گیا اس سے حج ساقط نہیں ہوگا بلکہ اس پر فرض ہے کہ وہ اپنے خرچے سے کسی کو حج پر بھیجے جب تک وہ زندہ رہے یا موت کے وقت کسی کو وصیت کر جائے، جب وہ مر جائے اور اس نے حج نہ کیا تو اس کا وارث اس کی طرف سے حج کرے یا اگر چاہے تو اس کے مال سے سے کسی اجنبی کو حج پر بھیجے غیر کی طرف سے حج کرنا یہ مثل غیر معقول کی قضاء کی قضاء ہوگی جو اس حدیث سے ثابت ہے، جس طرح کتاب اللہ کی نص سے بوڑھے آدمی کے حق میں روزے کے بدلے میں فدیہ ثابت ہے۔ حج صلح حدیبیہ کے سال سن چھ ہجری کو فرض ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر حج اور عمرہ کو مکمل کرو، حدیث میں حجۃ الوداع کا قصہ ہے۔ شاید اس کا والد حج کی فرضیت کے بعد ضعیف ہو گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا بینا ہونا بھی ضروری ہے آپ کے نزدیک نابینے پر حج فرض نہیں ہوتا اگرچہ وہ کوئی راہنما رکھتا بھی ہو کیونکہ وہ بذات خود سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتا کسی غیر کی مدد سے استطاعت رکھنا یہ معتبر نہیں۔ امام ابو یوسف اور امام محمد اور جمہور علماء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جب وہ قائد رکھتا ہو تو اس پر حج واجب ہے، نابینا پر جمعہ کی فرضیت میں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 325 (التجاریہ) 2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 250 (وزارت تعلیم)

بھی یہی اختلاف ہے۔ استطاعت کی شرط کیوجہ سے عورت پر حج اس وقت فرض ہوگا جب اس کا خاوند اس کے ساتھ حج پر جائے یا اس کا ذی رحم محرم حج پر جارہا ہو۔ یہ شرط اس صورت میں ہوگی جب اس عورت کے گھر اور مکہ مکرمہ کے درمیان تین دن کی مسافت حائل ہو۔ امام احمد کی رائے یہ ہے مسافت زیادہ ہو یا کم ہو ہر صورت میں خاوند یا ذی رحم محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں اگر اس عورت کا ایسا رشتہ دار مرد نہ ہو یا رشتہ دار تو ہے لیکن اس کے ساتھ سفر نہ کر رہا ہو یا سفر پر تو تیار ہو لیکن بغیر سفر خرچ لئے جانے پر آمادہ نہ ہو اور یہ عورت اس کو خرچ دینے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو تو اس عورت پر حج فرض نہ ہوگا کیونکہ اس عورت کو خاوند یا رشتہ دار کے بغیر سفر کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ جیسے شرعاً روک دیا گیا ہوا سے عادۃً بھی روک دیا جاتا ہے۔ پس اس عورت کی حالت یہ ہوگی کہ وہ سفر کی طاقت نہیں رکھتی۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تین دن کی مسافت کی شرط کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی عورت تین دن کا سفر نہ کرے مگر اس صورت میں کہ اس کے ساتھ ذو رحم محرم ہو(1) متفق علیہ۔ اور امام مسلم کی روایت یہ ہے وہ عورت جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ تین دن کی مسافت تک سفر کرے مگر اس صورت میں کہ اس کے ساتھ ذو رحم محرم ہو(2) ایک اور روایت فوق ثلاث کے الفاظ ہیں۔ اس باب میں ثلاثۃ ایام کی قید ہے۔ یہ ابو ہریرہ کی حدیث ہے جسے امام مسلم اور طحاوی نے روایت کیا ہے۔ امام طحاوی کی روایت میں فوق ثلاث لیال کے الفاظ ہیں(3) عمرو بن شعیب وہ اپنے باپ سے وہ دادا سے ثلاثۃ ایام کے الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ اسے امام طحاوی نے روایت کیا ہے۔ ابو سعید خدری کی روایت کو امام مسلم اور طحاوی نے ثلاثۃ ایام فصاعدا کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام مسلم کی ایک روایت میں فوق ثلاث اور دوسرے میں اکثر من ثلاث کے الفاظ ہیں امام احمد فرماتے ہیں اسے لفظ ثلاث یا اکثر من الثلاث کے ساتھ مقید کرنا اتفاقی امر ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مفہوم غیر معتبر ہوتا ہے تو وہ کس طرح اس سے کم مسافت پر عورت کے لئے مرد کے بغیر سفر کو مباح قرار دیتے ہیں، اگر یہ قید احترازی ہو تو ثلاث والی روایت فوق ثلاث والی روایت کے متعارض ہوگی۔ امام احمد نے تین دن سے کم میں جو ممانعت کی ہے۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت ابو ہریرہ سے صحیحین میں موجود ہے جس میں مسیرۃ یوم ولیلۃ کے الفاظ ہیں اور امام مسلم کی روایت میں مسیرۃ یوم کے الفاظ ہیں اور انہیں ایک روایت میں مسیرۃ لیلۃ کے الفاظ ہیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی روایت جو امام مسلم اور دوسرے محدثین کے نزدیک ہے، میں مسیرۃ یومین کے الفاظ ہیں۔ امام طحاوی کے نزدیک مسیرۃ لیلتین کے الفاظ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث جو امام مسلم اور طحاوی کے نزدیک ہے اس کے الفاظ یوں ہیں کوئی عورت ایک برید سفر نہ کرے مگر خاوند یا ذی رحم محرم کے ساتھ۔ ابن حبان نے اپنی صحیح اور حاکم نے روایت کیا اور کہا امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ طبرانی کی معجم میں ثلاثۃ امیال کے الفاظ ہیں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہاں یوم، یومین اور ثلاثۃ ایام کی قید یہ کم سے کم عدد کی تمثیل کے لئے ہے۔ یوم واحد ابتدائی اور کم سے کم عدد ہے۔ برید عالباً سفر میں پہلی منزل کو کہتے ہیں، دو کثرت کا آغاز اور کم سے کم مرحلہ ہے۔ ثلاثۃ جمع کا آغاز ہے اور کم سے کم مرتبہ کئی احادیث قید کے بغیر بھی وارد ہوئی ہیں انہیں میں سے ایک عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت ذی رحم محرم کے ساتھ ہی سفر کرے اور کوئی مرد اس کے پاس رہ جائے مگر اسی وقت جب اس کے پاس ذی رحم محرم موجود ہو۔ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں جہاد پر جانا چاہتا ہوں اور میری بیوی حج کا ارادہ رکھتی ہے آپ نے فرمایا تو اپنی بیوی کے ساتھ حج پر جا(4) متفق علیہ۔ اس باب میں ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ کی حدیث بھی ہے۔ امام شافعی کا یہ نقطہ نظر ہے عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ قابل اعتماد عورتوں کے ساتھ حج پر چلی جائے او

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 147 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 434 (قدیمی)
3۔ شرح معانی الآثار، مناسک الحج، جلد 1، صفحہ 357 (وزارت تعلیم)
4۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 250 (و۔ت)

رایک قول میں یہ ہے کہ وہ ایک قابل اعتماد عورت کے ساتھ حج پر جا سکتی ہے، جب وہ قابل اعتماد عورتوں کے ساتھ نکلے تو اس میں شرط ہے کہ ان عورتوں کا کوئی ذی رحم محرم رشتہ دار موجود ہو اور منہاج کے اندر یہ بھی ہے کہ اس میں یہ بھی شرط نہیں۔ امام شافعی سے ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کے لئے بغیر عورتوں کے بھی حج پر جانا جائز ہے۔ امام مالک نے کہا عورتوں کی ایک جماعت حج پر جا سکتی ہے اگر راستہ پرامن ہو۔ ان پر ہماری دلیل وہ روایت ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہاں استطاعت سے مراد عام سفر کی استطاعت ہے اس طرح کہ سفر کرنے سے اسے کوئی حرج لاحق نہ ہو اسی وجہ سے جمہور علماء کے نزدیک یہ شرط ہے۔ اس کے پاس ضروری اخراجات کے علاوہ زادراہ اور سواری بھی موجود ہو کیونکہ جو مال ضرورت اصلیہ میں مشغول ہو وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی وجہ سے اس مال میں تو اس پر زکوۃ بھی فرض نہیں ہوتی اور جب آدمی کے پاس زادراہ نہیں ہوتا اور اس کے پاس سواری نہیں ہوتی، وہ عموی طور پر سفر کرنے کا اہل نہیں ہوتا اور حرج شرع میں اٹھا دیا گیا ہے۔ داؤد ظاہری نے کہا حج کے وجوب کے لئے زادراہ اور سواری کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ امام مالک کا یہ قول ہے کہ اگر ایک آدمی کو سوال کرنے کی عادت ہو یا راستہ میں اس کے لئے کمانا ممکن ہو تو ان کے لئے زادراہ شرط نہیں ہے اگر وہ چلنے پر قادر ہو تو اس کے لئے سواری شرط نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "لوگوں میں حج کا اعلان کر دو وہ تیرے پاس پیدل اور کمزور اونٹنیوں پر سوار ہو کر آئیں گے دور دراز راستوں سے۔ ہم یہ کہتے ہیں جو فعل جواب امر میں واقع ہے وہ واقعہ کی خبر دے گا۔ یہ بغیر سواری کے حج کی فرضیت پر دلیل نہیں ہوگا۔ چلنے پر قدرت امر مخفی ہے۔ بعض اوقات راستہ میں یہ قدرت ختم بھی ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے سفر کے آغاز پر زادہ راہ اور سواری کی شرط ضروری ہوگی تاکہ کوئی چیز اسے ہلاکت کی طرف نہ لے جائے۔ شرع کے احکام عام ہیں، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ بادشاہ کے لئے نماز میں قصر کرنا سفر کی مسافت پر روزہ چھوڑنا جائز ہے جبکہ اسے کسی قسم کی مشقت نہیں ہوتی، لیکن وہ آدمی جو مسافت سفر سے کم سفر کر رہا ہو اگر روزہ اس کے لئے مشکل بھی ہو تو اس کے لئے روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ جمہور علماء کی دلیل حضرت انس کی مرفوع حدیث ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت" میں موجود لفظ سبیل کی وضاحت پوچھی یا رسول اللہ ﷺ السبیل یعنی سبیل سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا زادراہ اور سواری (1) اسے دارقطنی، بیہقی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ حاکم نے کہا شیخین کی شرط پر یہ روایت صحیح ہے۔ حاکم نے اسے حماد بن سلمہ کے واسطہ سے نقل کیا ہے اور کہا امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں دوسرے صحیح طرق سے حسن سے مرسل نقل کی ہے۔ امام شافعی، امام ترمذی، ابن ماجہ اور دارقطنی نے عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں کھڑا ہوا، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ حج کو کون سی چیز واجب کرتی ہے؟ فرمایا زادراہ اور سواری (2) امام ترمذی نے کہا یہ حسن ہے، لیکن اس سند میں ابراہیم بن یزید جوزی کی ہے۔ امام احمد اور نسائی نے کہا یہ متروک الحدیث ہے۔ ابن ماجہ اور دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زادراہ اور سواری (3) یعنی اس آیت کی تفسیر میں فرمایا۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ دارقطنی نے جابر بن عبداللہ کی حدیث روایت کی حضرت علی بن ابی طالب، ابن مسعود، حضرت عائشہ، عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت کرتے ہیں جبکہ اس حدیث کے سارے طرق کمزور ہیں۔ زادراہ کے وجوب پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ "زادراہ لو بہترین زادراہ تقویٰ ہے۔" امام بخاری اور دوسرے محدثین نے اسے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے اہل یمن حج کرتے تھے لیکن زادراہ ساتھ نہ رکھتے تھے، وہ یہ کہتے ہم توکل کرنے والے لوگ ہیں۔ جب مکہ مکرمہ آتے تو لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت "اور زادراہ لو" کو نازل فرمایا۔ (4)

1۔ سنن الدارقطنی، جلد 2، صفحہ 218 (المحاسن)
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المناسک، صفحہ 214 (وزارت تعلیم)
3۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 214 (وزارت تعلیم)
4۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 206 مطبوعہ اسلام آباد (وزارت تعلیم)

ے یعنی جس نے حج کی فرضیت کا انکار کیا۔ ابن عباس نے حسن اور عطاء نے یہی کہا ہے۔ عبد بن حمید نے اس کی تفسیر میں مجیح سے روایت کیا رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی تو ہذیل قبیلہ کا آدمی اٹھا، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جس نے اس کو چھوڑ دیا اس نے کفر کیا۔ آپ نے جواب دیا جو اس کو چھوڑے وہ سزا کا خوف نہیں رکھتا اور ثواب کی امید نہیں رکھتا، مجیح تابعی ہیں، پس یہ حدیث مرسل ہے۔ سعید بن مسیب نے کہا یہ آیت یہود کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے یہ کہا تھا مکہ کی طرف حج کرنا فرض نہیں۔ سعید بن منصور اور ابن جریر نے ضحاک سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ جب اس آیت کا پہلا حصہ نازل ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے تمام ادیان کے لوگوں کو جمع کیا اور انہیں خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے، پس تم حج کرو۔ ایک ملت ایمان لے آئی یعنی مسلمان اور پانچ جماعتوں نے انکار کر دیا یعنی مشرکین، یہود، نصاریٰ، صابی اور مجوس۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کو نازل فرمایا جس نے کفر کیا اللہ تعالیٰ ان سے غنی ہے(1) سعید بن منصور نے عکرمہ سے نقل کیا ہے جب یہ آیت "جس نے اسلام کے علاوہ کوئی دین پسند کیا" نازل ہوئی، یہودیوں نے کہا ہم مسلمان ہیں تو نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر حج فرض کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا ہم پر حج فرض نہیں کیا اور انہوں نے بیت اللہ شریف کا حج کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(2) ظاہر بات یہ ہے کہ یہاں "جس نے کفر کیا" کو "جس نے حج نہ کیا" کی جگہ اس لئے رکھا ہے تا کہ حج کی فرضیت کی تاکید اور ترک کرنے والے پر تغلیظ ہو۔ یہاں کفر کا معنی یہ ہوگا جس نے جسم کی صحت اور رزق کی وسعت پر انعام کرنے والے کا شکر ادا نہ کیا۔ یہ دونوں تاویلیں ابی امامہ کی حدیث میں بھی جاری ہوں گی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جسے ظاہر حاجت یا سفر سے روکنے والا مرض یا ظالم حکمران نہ روکے اور وہ حج نہ کرے۔ چاہے تو وہ یہودی ہو کر مر جائے یا نصرانی ہو کر مر جائے (3) اسے امام بغوی اور دارمی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ ابن جوزی نے اسے موضوعات میں لکھا ہے۔ تاہم حافظ نے ابن جوزی پر اعتراض کیا اور حضرت علی شیر خدا کی حدیث جو زاد راہ اور سواری کا مالک ہو جو اسے بیت اللہ شریف تک پہنچا سکتے تھے اس نے پھر بھی حج نہ کیا تو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے(4) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ے اللہ تعالیٰ نے حج کے حکم کو کئی وجوہ سے مؤکد کیا ہے۔ 1۔ اسکے وجوب پر خبر کے صیغہ کے ساتھ دلالت کی 2۔ جملہ اسمیہ کی صورت میں ظاہر کیا 3۔ اسے ایسی صورت میں لایا جو اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق واجب ہے۔ 4۔ پہلے حکم کو عام ذکر کیا پھر اس کی تخصیص کر دی یہ ایسے ہی ہو گیا کہ پہلے مبہم انداز میں کلام کی بعد میں اس کی وضاحت کی اور مراد کو مکرر ذکر کیا 5۔ ترک حج کو کفر کا نام دیا کیونکہ یہ کافروں کا فعل ہے۔ 6۔ استغناء کا ذکر کیا کیونکہ یہ اس محل میں ناراضگی اور شرمندگی پر دلالت کرتا ہے۔ 7۔ اسم ظاہر کو عام لفظ کی صورت میں کلام میں ذکر کیا جو ضمیر کے مرجع کو شامل ہے۔ ساتھ ہی ساتھ تعمیم کی وجہ سے مبالغہ اور برہان کے ساتھ اس سے استغناء پر دلالت ہے اور عظیم ناراضگی پر شعور دلایا گیا ہے واللہ اعلم۔ حج کی بیت کی طرف اضافت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ حج کے وجوب کا سبب وہ بیت اللہ شریف ہے بیت اللہ کیونکہ مکرر نہیں ہوتا، اسی لئے عمر میں حج بھی بار بار نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حج ایک دفعہ ہے جس نے زیادہ دفعہ کیا اس نے نفل حج کیا(5) اسے امام احمد اور نسائی نے روایت کیا۔ بیت کا معنی موہومہ مکان میں لطیفہ ربانیہ ہے جو تجلیات ذاتیہ کے نازل ہونے کا محل ہے جو تجلیات ذاتیہ اس مکان کیساتھ خاص ہیں یہ چھت، دیوار، پتھر اور مٹی کا نام نہیں کیا تم دیکھتے نہیں اگر پتھر اور مٹی کسی اور جگہ کی طرف نقل کر دیئے جائیں اور اس جگہ کو خالی کر دیا جائے یا کوئی اور عمارت بنالی جائے تو دوسری جگہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں، بلکہ اسی

1۔ تفسیر طبری، جلد 4، صفحہ 14 (الامیریہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 101 (العلمیہ) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 325 (التجاریہ)
4۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 100 (وزارت تعلیم) 5۔ سنن الدار قطنی، جلد 2، صفحہ 279 (المحاسن)

سفید و زمین کی طرف منہ کرنا لازم ہوگا کعبہ صورۃً اگرچہ عالم خلق سے تعلق رکھتا ہے لیکن حقیقت میں ایک تخلی امر ہے، اس کا ادراک حس اور خیال نہیں کر سکتے، وہ محسوسات سے تعلق رکھنے کے باوجود محسوس نہیں، جہت میں ہونے کے باوجود اس کی کوئی جہت نہیں، اس کی کوئی مثال بھی نہیں۔ یہ کعبہ کی صورت کی شان ہے تو پھر اس کی حقیقت کا ادراک کیسے ہو؟ پاک ہے وہ ذات جس نے ممکن کو وجود کا آئینہ بنا دیا اور جس نے عدم کو وجود اور وجود کا مظہر بنا دیا۔ کعبہ کی حقیقت سے بڑھ کر قرآن کی حقیقت ہے، اس سے بڑھ کر نماز کی حقیقت ہے۔ وہاں حضور ﷺ کے وسیلہ سے سالک کی سیر کی انتہاء ہو جاتی ہے۔ ان مقامات میں فناء و بقاء حاصل ہوتی ہے۔ اس سے اوپر خالص معبودیت کا مقام ہے جہاں سیر کی کوئی گنجائش نہیں مگر نظر ہے قف یا محمد فان اللہ یصلی یا اسی مقام سے کنایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی خوب جاننے والا اور آگاہ کرنے والا ہے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾

"آپ فرمائیے[1] اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا[2] اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو[3]"

[1] اے محمد ﷺ کہہ دیجئے۔

[2] آیات سے مراد دلائل سمعیہ اور عقلیہ ہیں جو حضور ﷺ کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔ ان تمام معاملات میں جن کا حضور ﷺ دعویٰ کرتے ہیں جیسے حج کا واجب ہونا اور دوسرے معاملات یہاں اہل کتاب کو خطاب میں خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کیونکہ وہ کتاب کا علم رکھتے ہیں، اس لئے ان کا کفر زیادہ قبیح ہے۔

[3] واؤ حالیہ ہے۔ شہید کا معنی جاننے والا ہے جو تم کفر اور کتابوں میں تحریف کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے۔ پس وہ تمہیں اس کا بدلہ دے گا اور حق کا چھپانا تمہیں کوئی نفع نہ دے گا۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

"آپ فرمائیے! اے اہل کتاب تم کیوں روکتے ہو[1] اللہ کی راہ سے[2] اسے جو ایمان لا چکا[3] تم چاہتے ہو کہ اس راہ (راست) کو ٹیڑھا بنا دو[4] حالانکہ تم خود (اس کی راستی کے) گواہ ہو[5] اور نہیں ہے اللہ بے خبر ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو[6]"

[1] تم کیوں روکتے ہو

[2] سبیل اللہ سے مراد اسلام ہے کیونکہ اسلام ہی اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے۔

[3] یعنی جس نے ایمان کا ارادہ کیا۔ من امن محل نصب میں ہے کیونکہ یہ تصدون کا مفعول بہ ہے۔ معنی یہ ہوگا تم اسے ایمان لانے سے روکتے ہو جو ایمان لانے کا ارادہ کرتا ہے، انہیں جھڑکنے اور غور کی نفی کے لئے خطاب اور استفہام کو مکرر ذکر کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات کا شعور دلایا گیا ہے کہ دونوں امروں میں سے ہر ایک فی نفسہ قبیح ہے اور عذاب کو لانے میں مستقل ہے۔

[4] یہاں ھا سے مراد سبیل ہے، یعنی ٹیڑھا پن اصل میں مصدر ہے، اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہوگا کہ تم اس کے لئے ٹیڑھا پن تلاش کرتے ہو۔ تبغون والا جملہ تصدون کے فاعل سے حال بن رہا ہے۔ یہودی نبی کریم ﷺ کی صفت میں تحریف کر کے اور یہ بتا کر کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت دائمی ہے، لوگوں پر حق کو مشتبہ کر دیتے تھے اور ایسی باتیں کرتے جن کے ذریعے مومنوں میں شورش برپا کر

دیں تاکہ ان کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے۔ اوس و خزرج کے پاس آتے اور انہیں دور جاہلیت کی دشمنی یاد کراتے۔
ے جو تم عمل کرتے ہو اس پر تم خود گواہ ہو یا اس بات پر کہ اللہ کا دین اسلام ہی ہے۔
لے جو تم مومنوں کو ایمان سے روکنے کے لئے خیانت کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ غافل نہیں۔ ابن اسحاق، ابوالشیخ اور ابن جریر نے زید سے مرسل روایت ذکر کی ہے۔ امام بغوی نے ذکر کیا کہ شاس بن قیس یہودی اوس و خزرج کی مجلس کے پاس سے گزرا جس میں یہ صحابہ بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے۔ یہ بوڑھا کفر میں بہت آگے مسلمانوں پر سخت طعن و تشنیع کرنے والا تھا۔ جب اس نے صحابہ کی اسلام کی وجہ سے باہمی الفت اور امن و سلامتی کو دیکھا تو سخت مشتعل ہوا جبکہ دور جاہلیت میں ان کے درمیان باہم شدید عداوت تھی اور کہا بنی قیلہ کی جماعت اس شہر میں اکٹھی نہیں ہوئی، قسم اللہ کی جب یہ جمع ہوں گے تو ہمیں قرار نہیں ہوگا۔ اس نے اس نوجوان یہودی کو کہا جو اس کے ساتھ جا رہا تھا، ان کے پاس جاؤ، ان کی مجلس میں بیٹھ جاؤ اور ان پر یوم بعاث اور اس سے قبل کے واقعات کا ذکر چھیڑ دو اس نے ان واقعات کے بارے میں جو اشعار کہے گئے تھے، وہ شعر پڑھے۔ بعاث وہ دن تھا جس میں اوس نے خزرج کے ساتھ جنگ کی تھی اس دن اوس کو خزرج پر فتح نصیب ہوئی تھی۔ اس کی بات سن کر مجلس کے لوگ آپس میں گفتگو کرنے لگے، پھر آپس میں الجھنے لگے باہم فخر کرنے لگے۔

ایک شخص جو قبیلہ اوس کے بنی حارثہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا جس کا نام اوس بن قبطی تھا، دوسرا خزرجی تھا جو بنی سلمہ سے تعلق رکھتا تھا، اس کا نام جبار بن صخر تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو ڈانٹا ایک نے دوسرے سے کہا اگر تم چاہتے ہو تو ہم بھی از سر نو اس کو زندہ کرنے کو تیار ہیں دونوں فریق غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے ہم مدینہ سے باہر ظاہرہ آزمائی کو تیار ہیں سب لوگ حرہ کی طرف چل دیئے اور دونوں نے دور جاہلیت کے نعرے لگائے۔ اوس و خزرج کے لوگ اپنے اپنے قبیلے کے لوگوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی آپ کے پاس جو مہاجر صحابہ موجود تھے انہیں لے کر ان کے پاس پہنچے۔ آپ نے فرمایا اے مسلمانو! کیا میرے ہوتے ہوئے تم دور جاہلیت کے دعوے کر رہے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کے ذریعے عزت عطا فرمائی کیا تم کفر کی طرف لوٹنا چاہتے ہو جس پر تم پہلے تھے صحابہ پہچان گئے کہ یہ امر شیطان کی طرف سے وسوسہ اور ان کے دشمن کی چال تھی۔ انہوں نے اپنے ہتھیار پھینک دیئے اور رونے لگے اور بعض بعض سے معانقہ کرنے لگے پھر حضور ﷺ کے ساتھ آپ کے حکم کو سنتے اور اطاعت کرتے ہوئے چل دیئے تو اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کے متعلق ان آیات کو نازل فرمایا۔(1)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝

"اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے ایک گروہ کا اہل کتاب سے (تو نتیجہ یہ ہوگا کہ) لوٹا کر چھوڑیں گے تمہیں تمہارے ایمان قبول کرنے کے بعد کافروں میں لے"

لے الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا سے مراد انصار ہیں۔ اُوْتُوا الْكِتٰبَ سے مراد شاس اور اس کے ساتھی ہیں۔ بایمانکم سے مراد اللہ تعالیٰ نبی مکرم اور قرآن حکیم پر ایمان لانا ہے۔ زید نے کہا جابر نے کہا میں نے آغاز میں اس دن سے قبیح اور انجام کے اعتبار سے اس سے زیادہ اچھا دن نہیں دیکھا۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ یہ شاس کے حق میں نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے براہ راست خطاب کیا جب کہ اہل کتاب کو خطاب کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کو حکم ارشاد فرمایا یہ انداز مومنوں کی شان بیان کرنے کے لئے اپنایا اور اس بات کا شعور دلانے کے لئے کہ وہ اس بات

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 326 (التجاریہ)

کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے ہم کلام ہو۔ فریابی اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اوس و خزرج کے درمیان دور جاہلیت میں جنگ رہتی تھی۔ اسی اثناء میں کہ وہ اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔ دور جاہلیت کی جنگوں کا ذکر چھڑا یہاں تک کہ سخت غصے میں آ گئے اور ان میں سے بعض اسلحہ لینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے (1) تو یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

"اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم (اب پھر) کفر کرنے لگو؟ حالانکہ تم وہ ہو کہ پڑھی جاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں ۲ اور تم میں اللہ کا رسول بھی تشریف فرما ہے ۳ اور جو مضبوطی سے پکڑتا ہے اللہ کے دامن کو ۴ تو ضرور پہنچایا جاتا ہے اسے سیدھی راہ تک ۵"

۱۔ اس کا عطف پر دو کلم پر ہے اور استفہام تعجب اور انکار کے لئے ہے۔

۲۔ یعنی رسول اللہ کی زبان سے تم پر قرآن حکیم تلاوت کیا جاتا ہے۔

۳۔ جو تمہیں منع کرتے ہیں، نصیحت کرتے ہیں، تمہارے شبہات زائل کرتے ہیں، یعنی حال یہ ہے کہ وہ اسباب جو ایمان کی طرف دعوت دینے والے ہیں اور کفر سے تمہیں روکنے والے ہیں، وہ تمہارے لئے جمع ہیں۔ قتادہ نے کہا اس آیت میں دو واضح علم ہیں: 1۔ کتاب اللہ 2۔ نبی اللہ جہاں تک نبی مکرم کا تعلق ہے آپ تو پردہ فرما گئے اور کتاب اللہ تو اسے اللہ تعالیٰ نے رحمت اور احسان فرماتے ہوئے باقی رکھا۔ میں یہ کہتا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے نبی نے ہمیں اپنے خلفاء کی طرف راہنمائی کر دی ہے جو آپ کے بعد ہماری راہنمائی حق کی طرف کرتے رہیں گے۔ حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے ایک روز رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اس کی ثناء کی پھر ارشاد فرمایا اے لوگو بے شک میں ایک انسان ہوں، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ میرے اللہ کا پیغام لے کر آئے اور میں اس کی دعوت پر لبیک کہوں، میں تم میں دو بڑی قدر و منزلت والی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، ان میں سے ایک کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔ پس تم کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اس کے ساتھ چمٹ جاؤ۔ حضور ﷺ نے کتاب اللہ پر ہمیں ابھارا اور اس میں رغبت دلائی۔ پھر فرمایا دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں، تمہیں اپنے اہل کے حقوق کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں، ایک اور روایت میں ہے کتاب اللہ یہ اللہ تعالیٰ کی رسی ہے جس نے اس کی اتباع کی وہ ہدایت پر ہوگا، جس نے اسے چھوڑ دیا وہ گمراہی پر ہوگا (2) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے روایت کیا ہے میں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم اسے پکڑے رہو گے تو میرے بعد گمراہ نہیں ہو گے، ان میں سے ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ 1۔ اللہ کی کتاب یہ آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی رسی ہے 2۔ میری اولاد و میری اہل بیت ہے یہ دونوں جدا نہ ہوں گی، یہاں تک کہ حوض پر وارد ہوں گی۔ پس دیکھو تم میرے بعد ان میں کیا رویہ اپناتے ہو۔ امام ترمذی نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو حج میں یوم عرفہ کو دیکھا جبکہ آپ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، آپ فرما رہے تھے اے لوگو میں تم میں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم نے اسے پکڑے رکھا تو تم گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور میری اولاد جو میری اہل بیت ہے (3) میری رائے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل بیت کی طرف اشارہ کیا کیونکہ وہ ولایت میں قطب ارشاد ہیں۔ ان اقطاب میں سے سب سے بلند رتبہ حضرت علی شیر خدا کا ہے، پھر آپ کی اولاد حضرت حسن عسکری تک اور آخری غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی ہیں۔ اولین و آخرین

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 103 (العلمیہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 278-279 (قدیمی) 3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 219 (وزارت تعلیم)

میں سے کوئی بھی ولایت کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا مگر ان کے واسطے سے ہی مقام ولایت حاصل کر سکتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے بھی کہا ہے۔ پھر اولیاء امت اور علماء امت تمام اہل بیت کے تبع ہیں اور حکم وراثت کی بناء پر ان میں داخل رہے ہیں کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے علماء انبیاء کے وارث ہیں۔(1)

ع عصمت کا لغوی معنی روکنا ہے۔ کسی شے کو روکنے والا اس کی حفاظت کرنے والا ہوتا ہے۔ اعتصام کا معنی کسی چیز کو پکڑ لینا تاکہ وہ ہلاک ہونے سے محفوظ رہے۔ باللہ سے مراد اللہ کا دین اور ہر وقت اس کی طرف متوجہ رہنا ہے۔

ے صراط مستقیم سے مراد واضح راستہ ہے جس پر چلنے والا گمراہ نہیں ہوتا۔

امام بغوی نے کہا مقاتل بن حیان سے روایت کیا ہے دور جاہلیت میں اوس اور خزرج کے درمیان دشمنی اور جنگ جاری رہتی تھی، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے بعد ان کے درمیان صلح کرا دی۔ اس کے بعد ثعلبہ بن غنم اوسی اور اسعد بن زرارہ خزرجی نے باہم فخر و مباہات کیا۔ اوسی نے کہا ہم میں خزیمہ بن ثابت ہیں جن کی شہادت دو شاہدوں کے برابر ہے، ہم میں حنظلہ ہیں جنہیں ملائکہ نے غسل دیا، ہم میں عاصم بن ثابت بن افلح ہیں اور ہم میں سعد بن معاذ ہیں جن کے لئے عرش الٰہی جھوم اٹھا اور بنی قریظہ کے متعلق فیصلہ پر اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔ خزرجی نے کہا ہم میں چار ایسے اشخاص ہیں جنہوں نے قرآن حکیم کو محفوظ کیا ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، اور ابو زید۔ ہم میں حضرت سعد بن عبادہ ہیں جو انصار کے خطیب اور ان کے رئیس ہیں۔ ان میں گفتگو چلتی رہی یہاں تک کہ وہ غصے ہو گئے اور اشعار کہنے لگے اور باہم فخر کرنے لگے۔ پس دونوں اوس اور خزرج کے لوگ اسلحہ لے کر آ گئے، تو نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔(2)

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝

"اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسے حق ہے اس سے ڈرنے کا۔ اور خبردار نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔"

لے تقاۃ کی اصل وقیہ ہے۔ اس کی واؤ مضمومہ کو تاء سے بدل دیا ہے جس طرح تودۃ اور تخمۃ میں واؤ کو تاء سے بدلا گیا ہے پھر یاء کی حرکت ماقبل دی۔ پھر چونکہ یاء اصل میں متحرک تھی اور اب اس کا ماقبل مفتوح ہو گیا ہے۔ اس لئے اسے الف سے بدل دیا کیونکہ اس کے فعل میں بھی یہی قاعدہ جاری ہوتا ہے۔ عبدالرزاق، فریابی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، اور ابن مردویہ نے اس آیت کی تفسیر اور طبرانی نے معجم میں حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا اور ابو نعیم نے حلیہ میں ابن مسعود سے موقوفاً نقل کیا ہے۔ ابو نعیم نے یہ بھی کہا کہ آپ سے مرفوعاً روایت بھی ہے کہ اس کا معنی یہ ہے اس کی اطاعت کی جائے، نافرمانی نہ کی جائے، اس کا شکر بجا لایا جائے، ناشکری نہ کی جائے، اس کو یاد کیا جائے، اس کو بھلایا نہ جائے۔(3) امام بغوی نے کہا ابن مسعود اور ابن عباس نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، اس کی نافرمانی نہ کی جائے یہ قول مذکورہ قول کا اجمال ہے۔ میں کہتا ہوں ان کا قول اسے یاد کیا جائے اس کو بھلایا نہ جائے۔ میں کہتا ہوں ان کا قول يُذْكَرُ فَلَا يُنْسٰى (اسے یاد کیا جائے) بھلایا نہ جائے، اس کا مدار فنا قلب پر ہے اور ان کا قول اس کی اطاعت کی جائے، نافرمانی نہ کی جائے، اس کا شکر بجا لایا جائے اس کا انکار نہ کیا جائے، اس کا مدار فنا نفس پر ہے اور اس کا ایمان حقیقی ہے۔ اس آیت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ولایت کے کمالات کو حاصل کرنا واجب ہے۔ اسی طرح اس کا سبب نزول بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ اوس و خزرج کا باہمی تفاخر یہ نفس کے باقی ماندہ رذائل میں سے تھا۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 93 (وزارت تعلیم)　　2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 327 (التجاریہ)

3۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 105 (تقدیم و تاخیر کے ساتھ) (العلمیہ)

انہیں نفس کو مہذب بنانے اور اسے رذائل سے پاک کرنے دل اور نفس کو مکارم اخلاق اللہ تعالیٰ کی خشیت اور ذکر کے دوام کے ساتھ آراستہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ مجاہد نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اللہ تعالیٰ کی راہ میں تمہیں اپنی گرفت میں نہ لے لے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر انصاف قائم کرو اگرچہ تمہیں اپنے اپنے آباء اور اپنے بیٹوں کے خلاف ہی جہاد کرنا پڑے۔ حضرت انس سے مروی ہے کوئی بندہ بھی اللہ تعالیٰ سے کماحقہ تقویٰ اختیار نہیں کرتا جب تک وہ اپنی زبان کو قابو میں نہ رکھے(1) میں کہتا ہوں مجاہد اور حضرت انس کا قول ولایت کے کمالات تک پہنچانے کے راستہ کا بیان ہے کیونکہ ریاضتیں اور مجاہدات کم خوری اور کم خوابی کی صورت میں ممکن ہیں جبکہ ذکر پر دوام اختیار کیا جائے، زبان کو فضول کلام سے الگ تھلگ رکھا جائے، گوشہ نشینی، عوام کیساتھ کم میل جول اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کی خاطر لوگوں سے عدم دلچسپی ہی وہ راستہ ہے جو ان کمالات تک پہنچاتا ہے۔ امام بغوی نے کہا اہل تفسیر نے کہا جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام پر بڑی شاق گزری۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسا کون ہے جو یہ حق ادا کرنے کی طاقت رکھے تو اللہ تعالیٰ نے پھر اس آیت کو نازل فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ تو یہ آیت منسوخ کر دی گئی۔ مقاتل نے کہا سورۂ آل عمران میں صرف یہی آیت منسوخ ہے(2) میں یہ کہتا ہوں اس سے مراد یہ نہیں کہ تقویٰ کا حق اور وجوب منسوخ ہے، یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ نفس کے رذائل جیسے تکبر، بخل، غصہ، حسد، کینہ، نفاق، سوء اخلاق، دنیا کی محبت اللہ تعالیٰ کی طرف کم توجہ غیر کے ساتھ دل کا مشغول ہونا جب تک حرام ہیں تو ان کی حرمت کی منسوخی اس وقت تک متصور نہیں ہو سکتی جب تک یہ مباح نہ ہوں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ نفس کے رذائل ایک ہی دفعہ زائل کرنا نفس کے بس میں نہیں، بلکہ یہ چیزیں اس بات پر موقوف ہیں جس طرح قانون قدرت ہے کہ وہ انسان اہل دل، پاکیزہ نفوس رکھنے والے لوگوں کی مصاحبت اختیار کرے اور مذکورہ مجاہد کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں لوگوں کو رخصت دی اور نفس کے تزکیہ اور دل کی پاکیزگی ان کی طاقت کے مطابق اپنی صلاحیتیں صرف کرنا لازم قرار دیا جس نے مکمل طور پر اس سے اعراض کیا اور شہوات کی طرف وہ متوجہ ہوا تو اس پر تمام رذائل کا گناہ ہوگا ”اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے اندر ہے یا تم اسے چھپاؤ اللہ تعالیٰ تمہارا اس بارے میں محاسبہ کرے گا۔ جس کے حق میں چاہے گا اسے بخش دے گا اور جس کے حق میں چاہے گا اسے عذاب میں مبتلا کرے گا اور جس نے اس راہ کی طلب میں اپنے آپ کو مصروف رکھا اور رذائل کو دور کرنے میں اپنی صلاحیتیں صرف کیں اور کمالات کے حصول سے قبل ہی فوت ہو گیا تو جو چیزیں اس پر لازم تھیں اس نے ادا کر دیں اور میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا جو اس کے بس میں نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

ے اسلام حقیقی کی صورت میں اس طرح کہ تم اس کے اوامر و نواہی میں اس کی اطاعت کرنے والے، اس کے مخلص اپنے تمام امور اس کے سپرد کرنے والے اس کے فیصلوں پر راضی یعنی تم اسلام کے علاوہ کسی حالت پر نہ ہونا یہاں تک کہ تمہیں موت آئے ایسا فعل جسے کسی حال، صفت یا ان کے علاوہ کسی چیز کے ساتھ مقید کیا گیا ہو۔ اس فعل سے نہی بعض اوقات اس کی ذات کی طرف متوجہ ہوتی ہے جس طرح یہ قول تو اللہ تعالیٰ کی زمین میں بدکاری نہ کر (یہاں نہی فعل سے ذات کی طرف ہے) بعض اوقات نہی قید کی طرف متوجہ ہوتی ہے جیسے اس آیت کریمہ میں ہے اور کبھی نہی ذات اور فعل دونوں کی طرف ہوتی ہے، کسی ایک کی طرف نہیں ہوتی جیسے مچھلی نہ کھاؤ اور دودھ نہ پیو۔ بعض اوقات ہر ایک کی طرف نہی متوجہ ہوتی ہے جیسے اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری نہ کرو، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے لوگو اللہ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے، اگر زقوم کا ایک قطرہ زمین پر ٹپکے تو اہل دنیا پر ان کی زندگی کڑوی کر دے تو اس کی کیا حالت ہوگی جس کا کھانا ہی صرف زقوم ہوگا اور اس کے سوا کوئی کھانا نہ ہوگا(3) اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 327 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 82 (وزارت تعلیم)

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝

"اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی [1] سب مل کر [2] اور جدا جدا نہ ہونا [3] اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت (جو اس نے) تم پر فرمائی [4] جب کہ تم تھے (آپس میں) دشمن پس اس نے الفت پیدا کر دی تمہارے دلوں میں تو بن گئے تم اس کے احسان سے بھائی بھائی [5] اور تم کھڑے تھے دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر [6] تو اس نے بچا لیا تمہیں اس (میں گرنے) سے یونہی بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتیں [7] تاکہ تم ہدایت پر ثابت رہو [8]"

[1] حبل اللہ سے مراد دین اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اس نے مضبوط حلقے کو پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں۔ یا حبل اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی رسی ہے، جس طرح پہلے گزر چکا ہے کتاب اللہ کو حبل اللہ کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ اس (کتاب) کو پکڑنا آگ میں ہلاک ہونے سے نجات کا سبب ہے۔ جس طرح رسی کو پکڑنا بلندی سے گر کر ہلاک ہونے سے نجات کا سبب ہوتا ہے کیونکہ یہاں استعارہ تصریحیہ جاری ہو رہا ہے اور اعتصام کا ذکر بطور استعارہ مرشحہ ہوگا۔

[2] یہ اعتصموا کے فاعل سے حال بن رہا ہے۔ جب یہ فاعل سے حال بن رہا ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا اس حال میں کہ تم سب مضبوطی کے ساتھ پکڑنے میں اکٹھے ہو، یعنی تم کتاب اللہ کی تفسیر اور تاویل کرتے وقت اس چیز کو اپناؤ جس پر تمام امت کا اتفاق ہو اور اجماع کے خلاف اپنی آراء کے پیچھے نہ چلو۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ تم سے تین باتوں پر راضی ہوتا ہے اور تین باتوں سے ناراض ہوتا ہے، تم سے اس بات پر راضی ہوتا ہے کہ تم اس کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور سب اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور جو تمہارے امور کا والی ہو اس کے ساتھ مخلص رہو اور تم سے قیل وقال، مال کو ضائع کرنا اور سوال کی کثرت کو ناپسند فرماتا ہے(1) اسے امام مسلم، اور امام احمد نے روایت کیا ہے حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی تائید جماعت کو حاصل ہے جو جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم کا ایندھن بنا(2) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے آپ سے ہی ایک روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سواد اعظم کی اتباع کرو کیونکہ جو جماعت سے الگ ہوا اسے جہنم میں ڈالا جائے گا(3) اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک شیطان انسان کا بھیڑیا ہے، جس طرح ریوڑ کے لئے ایک بھیڑیا ہوتا ہے وہ اسی بھیڑ کو پکڑتا ہے جو الگ تھلگ ہو، ریوڑ سے دور ہو، کسی کونے میں ہو۔ تم الگ الگ رہنے سے بچو تم پر جماعت کے ساتھ اور عام لوگوں کے رہنا لازم ہے(4) اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ذر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو جماعت سے ایک بالشت بھی الگ ہوا تحقیق اس نے اسلام کا پٹا اپنی گردن سے اتار پھینکا(5) اسے امام احمد اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے جب یہ مفعول بہ سے حال ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا پوری کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو، یہ نہ کہنا کہ ہم بعض

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 75 (قدیمی) 2۔ مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ 30 (وزارت تعلیم) 3۔ مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ 30 (وزارت تعلیم)
4۔ ایضاً، صفحہ 31 5۔ ایضاً

کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں کیونکہ ری کے بعض ریشے حفاظت کی طاقت نہیں رکھتے۔

۲ اس کا عطف سابقہ جملہ پر ہے۔ یہ جملہ سابقہ جملہ کی دو تاویلوں میں سے ایک کی بناء پر تاکید اور دوسری تاویل کی بنا پر تاسیس ہے، یعنی تم اختلاف کرتے ہوئے حق میں تفرقہ بازی نہ کرو جس طرح اہل کتاب نے کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت پر ایسی ہی صورت حال واقع ہوگی جس طرح بنی اسرائیل پر واقع ہوئی، یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا ہوا جو اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ زنا کرتا ہے تو میری امت میں بھی ایسا ہوگا۔ بنی اسرائیل 72 فرقوں میں تقسیم ہوئی، میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی، سب فرقے جہنم میں ہوں گے سوائے ایک کے۔ لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں(1) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ امام احمد اور ابوداؤد کے ہاں حضرت معاویہ سے مروی روایت ہے کہ بہتر فرقے آگ میں ہوں گے اور ایک جنت میں ہوگا اور وہ جماعت ہے۔ میری امت میں ایسی جماعتیں نکلیں گی خواہشات نفس میں یوں گردش کناں ہوں گی جس طرح دیوانگی دیوانے میں سرایت کر جاتی ہے، کوئی رگ اور جوڑ ایسا نہیں رہتا جس میں وہ داخل نہ ہو، میں کہتا ہوں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم ﷺ کے زمانے میں فرقہ بندی کا شکار ہونے سے اسی طرح سیدنا صدیق اکبر، سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا عثمان غنی کے زمانہ میں ایسی صورت حال پیدا نہ ہوئی، امام برحق سیدنا عثمان غنی کے خلاف سب سے پہلی بغاوت اہل مصر کا خروج تھا۔ خلافت کے معاملہ میں سب سے پہلا اختلاف حضرت معاویہ کی طرف سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کے ساتھ اچھے بدلہ کا وعدہ کر رکھا ہے۔ دین میں سب سے پہلا اختلاف حروریہ کا ہوا جنہوں نے حضرت علی شیر خدا پر خروج کیا، پھر عبداللہ بن سبا نے روافض کی بنا پر اختلاف واقع کیا اور حق کو چھوڑا۔ پھر تابعین کے زمانہ میں معتزلہ کا مذہب ظاہر ہوا، انہوں نے فلاسفہ کے دامن کو مضبوطی سے پکڑا اور قیل وقال میں مشغول ہوئے، کثرت جدال کو پسند کیا، کتاب اللہ، سنت رسول کے ظاہر اور سلف صالحین جو صاحب کمال تھے ان کے مذہب کو چھوڑا اور اپنی فضول اور گمراہی کا باعث بننے والی آراء کی پیروی کی۔

۳ اے انصار کی جماعت یاد کرو وہ نعمتیں جو تم پر کی گئی ہیں ان میں سے اسلام کی طرف ہدایت ہے جو باہمی محبت کی طرف لے جاتی ہے۔

۵ اسلام سے قبل تم دشمن تھے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی۔ یہاں اصبح صار کے معنی میں ہے یعنی اس کی رحمت اور ہدایت کیساتھ دینی ولایت اور محبت میں بھائی بھائی بن گئے۔ محمد بن اسحاق اور دوسرے تاریخ دانوں نے کہا اوس وخزرج دونوں حقیقی بھائی تھے دونوں کے درمیان ایک مقتول کی وجہ سے عداوت واقع ہوئی اور یہ دشمنی اور جنگ کا سلسلہ ایک سو بیس سال تک چلتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ساتھ اس کی آگ کو بجھا دیا اور رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے ان میں محبت پیدا فرما دی ان کے اسلام اور الفت کا آغاز اس طرح ہوا کہ سوید بن صامت جو بنی عمرو بن عوف کا بھائی تھا۔ اس کی قوت وصبر اور اعلیٰ نسب کی وجہ سے لوگ اسے کامل کہتے۔ وہ مکہ مکرمہ حج یا عمرہ کی غرض سے آیا جبکہ رسول اللہ ﷺ اعلان نبوت فرما چکے تھے۔ جب سوید کے متعلق حضور نے سنا تو اس کے پاس تشریف لائے اور اسے اللہ تعالیٰ اور اسلام کی طرف دعوت دی۔ تو سوید نے کہا شاید آپ کے پاس بھی وہی ہے جو میرے پاس ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا آپ کے پاس کیا ہے؟ تو اس نے کہا مجلہ لقمان یعنی لقمان حکیم کی حکمت۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا اسے میرے اوپر پیش کرو۔ سوید نے کچھ چیزیں آپ کی خدمت میں پیش کیں۔ تو آپ نے فرمایا یہ اچھی چیز ہے، تاہم میرے پاس اس سے بھی اچھی چیز ہے۔ وہ قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے نور اور ہدایت بنا کر نازل فرمایا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر قرآن حکیم کی تلاوت کی اور اسلام کی طرف دعوت دی۔ اس نے کوئی نفرت کا اظہار نہ کیا اور کہا یہ کلام اچھا ہے۔ پھر مدینہ طیبہ کی طرف واپس چلا گیا۔ زیادہ

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 89 (وزارت تعلیم)

عرصہ نہ گزرا تھا کہ اسے یوم بعاث سے قبل خزرج نے قتل کر دیا۔ ان کی قوم یہ کہتی تھی کہ اسے اس وقت قتل کیا گیا جب وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ پھر ابوالحیسر انس بن رافع مکہ مکرمہ آیا اور اس کے ساتھ بنی اشہل کی ایک جماعت تھی جن میں سے ایک ایاس بن معاذ بھی تھا جو خزرج کے خلاف قریش کے ساتھ معاہدہ کا خواہش مند تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے بارے میں سنا آپ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کے پاس بیٹھے، آپ نے ان سے پوچھا جس مقصد کے لئے تم آئے ہو کیا اس سے بہتر چیز کی تمہارے اندر خواہش موجود ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے لوگوں کے پاس بھیجا ہے کہ میں انہیں دعوت دوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس نے میرے اوپر کتاب نازل کی ہے۔ پھر آپ نے ان سے اسلام کے متعلق گفتگو کی اور ان پر قرآن حکیم کی آیات کو تلاوت کیا۔ تو ایاس بن معاذ نے کہا جو ایک نوخیز نوجوان تھا، اے میری قوم جس مقصد کے لئے تم آئے ہو قسم بخدا یہ اس سے بہتر ہے۔ ابوالحیسر نے سنگریزوں کی مٹھی اٹھائی اور ایاس بن معاذ کے منہ پر ماری اور اس نے کہا ہمیں چھوڑ دیجئے، میری زندگی کی قسم ہم کسی اور مقصد کے لئے آئے ہیں۔ تو ایاس خاموش ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ اٹھ کر چلے گئے اور وہ لوگ مدینہ طیبہ چلے گئے اور وہاں اوس اور خزرج کے درمیان بعاث کی جنگ ہوئی۔ ایاس بن معاذ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا بلکہ فوت ہو گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے اظہار اور اپنے نبی کے اعزاز کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ حج کے موسم میں نکلے جس طرح پہلے آپ انصار کی ایک جماعت سے ملے تھے تاکہ عرب کے قبائل سے ملیں جس طرح آپ ہر موسم حج میں کیا کرتے تھے۔ آپ عقبہ کے نزدیک خزرج کی ایک جماعت سے ملے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خیر کا ارادہ کیا۔ یہ کل چھ افراد تھے۔ اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث جو ابن عفراء تھے، رافع بن مالک عجلانی، حطبہ بن عامر عقبہ بن عامر اور جابر بن عبداللہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا وہ جنہوں نے یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کر رکھا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا تم بیٹھو گے نہیں کہ میں تم سے بات چیت کروں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ وہ لوگ آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، اسلام کو ان پر پیش کیا اور ان پر قرآن حکیم کی تلاوت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اسلام کی طرف جو رغبت پیدا کی اس کی ایک وجہ یہ بنی کہ وہ یہودی جو ان کے ساتھ شہروں میں بستے تھے وہ اہل کتاب اور اہل علم تھے جبکہ یہ لوگ مشرک اور بت پرست تھے۔ جب بھی ان دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہوتا تو یہودی کہتے ایک نبی ابھی مبعوث ہونے والا ہے، اس کا زمانہ آ چکا ہے، ہم اس کی پیروی کریں گے، ہم اس کی زیر قیادت تم کو یوں ختم کر دیں گے جس طرح عاد و ارم کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس جماعت سے بات چیت کی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ بعض نے بعض سے کہا اے قوم قسم بخدا تم جانتے ہو یہ وہی نبی ہے یہودی جس کے بارے میں تم سے ذکر کرتے ہیں۔ وہ تم سے ان پر ایمان لانے میں سبقت نہ لے جائیں۔ ان لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا، آپ کی تصدیق کی اور اسلام لے آئے اور عرض کی ہم ایک ایسی قوم چھوڑ آئے ہیں ان سے بڑھ کر کسی قوم میں عداوت اور دشمنی نہ ہوگی۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی وجہ سے ان میں اتفاق پیدا فرما دے گا، ہم ان کے پاس جائیں گے اور آپ کی دعوت کی طرف انہیں دعوت دیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ پر انہیں جمع فرما دے تو آپ سے بڑھ کر کوئی معزز نہ ہوگا۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر اپنے شہر واپس چلے گئے جبکہ وہ ایمان لا چکے تھے۔ جب وہ مدینہ طیبہ آئے لوگوں کے سامنے حضور ﷺ کا ذکر کیا، انہیں اسلام کی دعوت دی، یہاں تک یہ معاملہ وہاں عام ہو گیا۔ انصار کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں حضور ﷺ کا ذکر نہ ہو جبکہ اگلے سال حج کا موسم آیا تو انصار میں سے بارہ افراد حاضر ہوئے جن میں اسعد بن زرارہ، عوف بن معاذ جو دونوں عفراء کے بیٹے تھے۔ رافع بن مالک عجلانی، ذکوان بن عبدالقیس، عبادہ بن صامت، زید بن ثعلبہ اور عباس بن عبادہ، عقبہ بن

عامر اور عطیہ بن عامر یہ خزرجی تھے ابوالہیثم بن تیہان، عویمر بن ساعدہ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ سب عقبہ میں آپ کو ملے۔ یہ عقبہ اولی ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت نساء (عورتوں کی بیعت کی شرط پر) کی۔ حضور نے انہیں فرمایا تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور نہ کسی عورت کے ساتھ بدکاری کرو گے الخ۔ اگر تم نے وعدہ پورا کیا تو تمہارے لئے جنت ہے اور اگر تم میں سے کسی نے ان میں وعدہ خلافی کی اور دنیا کے اندر حد پالی یہ سزا اس کے عمل کا کفارہ بن جائے گی اور اگر اللہ تعالیٰ نے تمہاری پردہ پوشی کی تو تمہارا معاملہ تمہارے رب کے سپرد ہے، اگر چاہے تو تمہیں عذاب دے اور اگر چاہے تو تمہیں بخش دے۔ راوی نے کہا یہ واقعہ جنگ سے پہلے ہوا جب یہ افراد واپس مدینہ طیبہ گئے تو حضور ﷺ نے ان کے ساتھ مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف کو بھیجا انہیں حکم دیا گیا کہ انہیں قرآن حکیم کی تعلیم دیں، اسلام سکھائیں اور فقہ کی تعلیم دیں۔ حضرت مصعب کو مدینہ طیبہ میں مقرئ کہا جاتا تھا ان کی رہائش حضرت اسعد بن زرارہ کے گھر تھی پھر اسعد بن زرارہ حضرت مصعب بن عمیر کے ساتھ بنی ظفر کے باغات میں سے ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ دونوں باغ میں بیٹھے تو بنی اسلم کے کچھ لوگ ان کی خدمت کیلئے حاضر ہو گئے تو حضرت سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا چلو ان دو آدمیوں کے پاس چلیں جو ہمارے گھر میں اسلئے آئے ہیں تا کہ ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف بنائیں، ان دونوں کو جھڑک کیونکہ اسعد بن زرارہ میرا خالہ زاد ہے۔ اگر یہ رشتہ نہ ہوتا تو میں خود ہی اس کے لئے کافی ہوتا۔ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر دونوں بنی اشہل کے رئیس تھے۔ اس وقت تک دونوں مشرک تھے۔ اسید بن حضیر نے اپنا چھوٹا نیزہ لیا۔ پھر حضرت مصعب اور اسعد بن زرارہ کے پاس آیا جبکہ وہ دونوں باغ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب اسعد بن زرارہ نے دیکھا تو حضرت مصعب بن عمیر سے کہا یہ اپنی قوم کا سردار ہے یہ تیرے پاس آیا ہے اسے مسلمان بناؤ۔ تو حضرت مصعب بن عمیر نے کہا اگر وہ ہمارے پاس بیٹھا تو میں اس سے بات کروں گا۔ راوی نے کہا وہ ان دونوں کے پاس ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا اور کہا تمہیں اپنی جان کی ضرورت ہے؟ حضرت مصعب نے کہا کیا تم ہمارے پاس بیٹھو گے نہیں تا کہ ہماری بات سنے، اگر تجھے بات پسند ہو تو قبول کر لینا، اگر ناپسند ہو تو جس چیز کو تو ناپسند کرتا ہے اس سے رک جانا۔ اس نے کہا تو نے انصاف کی بات کی ہے۔ اپنا نیزہ زمین میں گاڑا اور ان دونوں کے پاس بیٹھ گیا۔ حضرت مصعب بن عمیر نے ان سے گفتگو کی، ان پر قرآن حکیم کی تلاوت کی، کہا قسم بخدا ہم نے ان کی گفتگو سے پہلے ہی اس کے چہرہ میں اسلام بھانپ لیا تھا۔ پھر کہا یہ تو کتنا ہی اچھا اور خوبصورت ہے، جب تم اس دین میں داخل ہونا چاہتے ہو تو تم کیا کرتے ہو؟ دونوں نے کہا تم غسل کرو، پاکیزہ لباس زیب تن کرو، پھر تم حق کی گواہی دو، پھر دو رکعت نماز ادا کرو۔ وہ پلٹا غسل کیا، اپنے کپڑے پاک کیے اور حق کی شہادت دی۔ (شہادتین پڑھیں)، پھر اٹھا دو رکعت ادا کی۔ پھر کہا میرے پیچھے ایک اور آدمی بھی ہے، اگر وہ تمہاری اطاعت کر لے تو اس کی قوم میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہے گا، اب میں اسے تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ وہ سعد بن معاذ ہے پھر اپنا نیزہ لیا اور اپنی چوپال میں جا کر بیٹھ گیا تو سعد بن معاذ نے کہا کیا چھوڑ آئے ہو؟ اس نے کہا میں نے ان دونوں سے بات چیت کی، قسم بخدا میں نے تو ان میں کوئی غلط بات نہیں دیکھی۔ میں نے ان دونوں کو منع کیا تو انہوں نے کہا جو تم پسند کرتے ہو ہم وہی کریں گے۔ یہ بھی بیان کیا کہ بنی حارثہ حضرت اسعد بن زرارہ کے قتل کے ارادہ سے نکلے ہیں تا کہ وہ اس قتل کر دیں اور وہ تم سے وعدہ کو توڑ دیں وہ جانتے ہیں کہ وہ تیرے خالہ زاد ہیں۔ تو سعد بن معاذ غصہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور بنی حارثہ کے متعلق جو بات سنی اس کی وجہ سے جلدی سے چلے اپنا نیزہ لیا اور کہا قسم بخدا میں نہیں جانتا کہ تو نے کوئی فائدے کی بات کی، جب ان دونوں کو مطمئن دیکھا تو پہچان لیا کہ اسید نے اسے اس لئے بھیجا ہے تا کہ میں خود ان کی بات سنوں تو میں انہیں ناراض ہوتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ پھر اسعد بن زرارہ سے کہا اگر میرے اور تیرے درمیان رشتہ داری نہ ہوتی تو تو اس بات کی جرأت نہ کرتا، کیا ہمارے گھر میں اس چیز کو عام کر رہے ہو جس کو ہم ناپسند کرتے ہیں؟ اسعد نے مصعب بن عمیر سے کہہ

دیا کہ قسم بخدا آپ کے پاس قوم کا سردار آ رہا ہے، اگر یہ آپ کی اتباع کر لے تو ان میں سے کوئی پیچھے نہیں رہے گا۔ حضرت مصعب نے ان سے کہا کیا تو ہمارے پاس نہیں بیٹھے گا اور ہماری بات نہیں سنے گا، اگر تجھے بات پسند ہو اور تو اس میں رغبت کرے تو اسے قبول کر لینا، اگر تو ناپسند کرے تو ہم اس چیز کے بارے میں تم سے کوئی بات نہیں کریں گے۔ تو سعد نے کہا تو نے انصاف کی بات کی۔ پھر اپنا نیزہ زمین میں گاڑا اور بیٹھ گیا۔ حضرت مصعب نے اس پر اسلام کی تعلیمات پیش کیں۔ قرآن حکیم کی تلاوت کی۔ دونوں نے کہا قسم بخدا ہم اس کے چہرے کی بشاشت اور چمک سے پہچان چکے تھے کہ اسلام اسے پسند آ گیا ہے۔ پھر اس نے کہا جب تم مسلمان ہوتے ہو اور اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو۔ حضرت مصعب نے فرمایا تو غسل کر اپنے کپڑوں کو پاک کر اور حق کی شہادت دے اور دو رکعت نماز ادا کر۔ وہ اٹھا، غسل کیا، اپنے کپڑے پاک کیے، کلمہ شہادت پڑھا، دو رکعت نماز ادا کی، پھر اپنا نیزہ لیا، پھر اپنی قوم کی مجلس کا قصد کیا جبکہ ان کے ساتھ اسید بن حضیر بھی تھے جب ان کی قوم نے انہیں آتے ہوئے دیکھا تو کہا ہم اللہ کے نام کی قسم کھاتے ہیں جس چہرہ کے ساتھ تمہارے پاس سے گیا تھا اس کے ساتھ واپس نہیں آ رہا۔ سعد بن معاذ نے کہا اے بنی اشہل مجھے تمہارے ہاں جو حیثیت حاصل ہے اسے کیسا جانتے ہو؟ سب نے کہا تم ہمارے سردار، صائب الرائے اور اچھے اخلاق والے ہو۔ تو سعد نے کہا تمہارے مردوں اور عورتوں کا مجھ سے کلام کرنا حرام ہے جب تک تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاؤ گے۔ راوی نے کہا سعد بن زرارہ اور مصعب بن عمیر اسعد بن زرارہ کے گھر آ گئے۔ وہاں ٹھہر کر وہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، یہاں تک کہ انصار کے گھروں میں سے کوئی گھر ایسا نہ بچا جس میں کوئی مرد یا عورت مسلمان نہ ہو سوائے دار بنی امیہ بن زید خطمہ ' وائل اور واقف کے، انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں ابو قیس بن اسلت نامی ایک شخص شاعر تھا۔ یہ لوگ اس کی پیروی کرتے تھے۔ یہ اس کو سنتے اور اسی کی اطاعت کرتے تھے۔ اس نے انہیں اسلام سے روکے رکھا، یہاں تک کہ غزوہ بدر، احد اور خندق گزر گیا۔

راویوں نے کہا پھر حضرت مصعب بن عمیر مکہ مکرمہ واپس آئے اور آپ کے ساتھ ستر انصار مسلمان تھے اور آپ کی قوم مشرک حجاج تھے اور ایام تشریق کی درمیانی رات کو عقبہ میں حضور ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیا۔ اسے بیعت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔ کعب بن مالک نے کہا جو اس بیعت میں حاضر تھے۔ جب ہم حج سے فارغ ہو گئے اور وہ رات آئی جس میں ہم نے رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ کیا تھا جبکہ ہمارے ساتھ عبداللہ بن عمرو بن حرام ابو جابر بھی تھا۔ ہم نے انہیں بتایا جبکہ ہم اپنا معاملہ ان مشرکین سے مخفی رکھے ہوئے تھے جو ہمارے ساتھ تھے۔ ہم نے اس سے گفتگو کی اور اس سے کہا اے ابو جابر تم ہمارے سردار اور ہمارے اشراف میں سے ایک ہو۔ ہم اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ جس دین پر تو اب ہے اس کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بن جائے۔ ہم نے اسے اسلام کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیلئے وقت کے تعین کا بھی ذکر کیا۔ وہ ہمارے ساتھ عقبہ آئے، وہ نقیب تھے۔ وہ رات ہم نے اپنی قوم کے ساتھ گزاری۔ جب رات کا تیسرا حصہ گزر گیا تو ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معین کی ہوئی جگہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ ہم چھپتے چھپاتے کھسک رہے تھے جس طرح کونج چلتی ہے، یہاں تک کہ عقبہ کے نزدیک ایک گھاٹی میں ہم جمع ہو گئے۔ ہم کل ستر افراد تھے، ہمارے ساتھ دو عورتیں بھی تھیں۔ نسیبہ بنت کعب جو بنی نجار کی عورتوں میں سے تھیں، دوسری اسماء بنت عمرو بن عدی جو منیع کی والدہ تھی۔ عمار کی والدہ تھیں جو بنی سلمہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ ہم گھاٹی میں جمع ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرنے لگے، یہاں تک کہ آپ ہمارے پاس تشریف لے آئے جبکہ آپ کے ساتھ حضرت عباس بن عبدالمطلب تھے۔ حضرت عباس نے فرمایا اے خزرج کی جماعت (انصار کے اس قبیلہ کو خزرج کا نام دیا جاتا، خواہ وہ خزرجی ہوتا یا اوسی) حضرت محمد ﷺ کو ہمارے درمیان جو حیثیت حاصل ہے اسے تم خوب جانتے ہو۔ ہم نے اپنی قوم سے ان کی حفاظت کی ہے۔ یہ اپنی قوم میں باعزت اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں۔ آپ نے تمہارے پاس آنے کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے۔ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم اس

عہد کو پورا کرو گے جس کا تم ان سے وعدہ کر رہے ہو اور جو ان کی مخالفت کرے ان سے تم آپ کی حفاظت کرو گے تو تمہاری ذمہ داری تم پر اور اگر تم یہ خیال کرو کہ تم انہیں دشمنوں کے حوالے کر دو گے اور ان کے وہاں جانے کے بعد تم ان کا ساتھ چھوڑ دو گے تو ابھی سے ان کا ساتھ چھوڑ دو کیونکہ یہاں ان کی عزت بھی ہے اور حفاظت کا اہتمام بھی۔ تو انصار نے کہا جو آپ نے کہا ہم نے سن لیا۔ یا رسول اللہ آپ گفتگو فرمائیں جو آپ چاہیں اپنے لئے اور اپنے رب کے لئے ہم سے وعدہ لیں تو رسول اللہ ﷺ نے گفتگو فرمائی۔ قرآن حکیم کی آیات کی تلاوت کی، اللہ تعالیٰ کی طرف انہیں دعوت دی، اسلام کے بارے میں انہیں رغبت دلائی۔ پھر فرمایا میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری اس چیز سے حفاظت کرو گے جس سے تم اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔ تو حضرت براء بن معرور نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور کہا قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہم آپ کا دفاع کریں گے جس سے ہم اپنی عورتوں اور بچوں کا دفاع کرتے ہیں، یا رسول اللہ ﷺ ہم سے بیعت لیجئے۔ ہم جنگجو ہیں اور دوسروں سے بھی ہمارے معاہدے ہیں جو ہمارے آباؤ اجداد سے چلے آ رہے ہیں۔

جب براء رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کر رہے تھے تو ابو الہیثم بن تیہان نے آپ ﷺ کلامی کرتے ہوئے کہا یا رسول اللہ ہمارے اور دوسری قوموں کے درمیان معاہدے ہیں۔ ہم ان کو آج توڑ رہے ہیں۔ اگر ہم ایسا کریں پھر اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا فرمائے کیا آپ اپنی قوم کی طرف لوٹ آئیں گے اور ہمیں چھوڑ دیں گے تو رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا۔ پھر فرمایا ہرگز نہیں، تمہارا خون میرا خون ہے، تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں، جس سے تم جنگ کرو گے میں اس سے جنگ کروں گا، جس سے تم صلح کرو گے میں اس سے صلح کروں گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے میں سے بارہ نقیب پیش کرو جو اپنی قوم کے معاملات کے ذمہ دار ہوں گے، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اپنی قوم کے نقیب تھے۔ تو ان لوگوں نے بارہ نقیب پیش کیے جن میں سے نو کا تعلق خزرج اور تین کا تعلق اوس سے تھا۔ عاصم بن عمرو بن قتادہ نے کہا جب قوم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر اتفاق کر لیا تو عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری نے کہا اے خزرج کی جماعت جس چیز پر تم اس شخص کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہو، کیا تم اس کے عواقب سے واقف ہو؟ تم احمر و اسود سے جنگ کرنے کی بیعت کر رہے ہو، اگر تمہاری یہ رائے ہو کہ کسی مصیبت نے تمہارے اموال کو ضائع کر دیا اور تمہارے اشراف کو قتل کر دیا تم اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دو گے تو ابھی سے ایسا کر دو۔ قسم بخدا اگر تم نے بعد میں ایسا کیا تو دنیا و آخرت کی رسوائی ہو گی۔ اگر تمہاری رائے یہ ہو کہ اموال کے ضائع ہونے اور اشراف کے قتل ہونے پر بھی تم وعدہ نبھاؤ گے تو اس کو لازم پکڑو۔ قسم بخدا یہ دنیا و آخرت سے بہتر ہے۔ تمام لوگوں نے کہا ہم اموال کی تباہی اور اشراف کے قتل ہونے پر بھی آپ سے معاہدہ کرتے ہیں۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر ہم اپنے وعدے کو نبھائیں تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جنت۔ سب نے عرض کی اپنا ہاتھ بڑھائیے۔ آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا، سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سب سے پہلے جس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی وہ حضرت براء بن معرور تھے۔ پھر تمام قوم نے بیعت کی۔ جب ہم رسول اللہ ﷺ کی بیعت کر چکے تو شیطان عقبہ کی چوٹی سے بلند آواز کے ساتھ یوں چیخا جسے میں نے کبھی نہیں سنا تھا، اے اہل جباجب کیا تم کو مذمم (محمد) کی بھی اطلاع ہے۔ یہ سب تمہارے ساتھ جنگ پر جمع ہو چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کا دشمن ہے۔ یہ عقبہ کا شیطان ہے۔ اے اللہ کے دشمن میں سن رہا ہوں قسم بخدا میں تیرے لئے فارغ ہوں گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی اپنی قیام گاہوں کی طرف چلے جاؤ تو حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ نے عرض کی قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اگر آپ چاہیں تو کل ہم اہل منیٰ پر اپنی تلواروں کے ساتھ آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمیں اس بات کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ تم اپنی اپنی جگہ کی طرف چلے جاؤ۔ پس ہم اپنی اپنی قیام گاہ کی طرف لوٹ آئے۔ ہم سو گئے، یہاں تک کہ ہم نے صبح کی۔ جب صبح ہوئی تو قریش کے معزز سردار ہمارے پاس آئے۔ انہوں نے کہا اے

گروہ خزرج ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ تم ہمارے اس صاحب کے پاس آئے ہو تا کہ تم اسے یہاں سے نکال لے جاؤ اور تم ہمارے ساتھ جنگ کرنے پر ان کی بیعت کر رہے ہو، قسم بخدا اگر ہمارے اور تمہارے درمیان اسی وجہ سے جنگ بھڑک اٹھی تو تم سے بڑھ کر ہمارے لئے عرب کا کوئی قبیلہ زیادہ مبغوض نہیں ہو گا۔ ہماری قوم میں سے مشرک لوگ اٹھے، انہوں نے قریش کے سرداروں کے لئے اللہ کے نام کی قسمیں اٹھائیں اور کہا ہمارا اس چیز سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ہم اس چیز کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔ وہ اپنی بات میں سچے بھی تھے کیونکہ وہ کچھ بھی نہ جانتے تھے۔ ہم میں سے بعض بعض کو دیکھ رہے تھے۔ قریش کے سردار اٹھے، ان میں حارث بن ہشام بن مغیرہ بھی تھا جس نے نئے جوتے پہنے ہوئے تھے۔ میں نے ابو جابر سے کوئی بات کہی، گویا جو میری قوم نے بات کہی اس میں شریک ہونا چاہتا تھا۔ وہ بات یہ تھی کہ میں نے اس سے کہا ابو جابر تم ہمارے سردار ہو لیکن اتنی طاقت بھی نہیں رکھتے کہ اس قریش جیسی جوتیاں بنواؤ۔ حارث نے یہ بات سنی تو جوتیاں اتار کر میری طرف پھینک دیں اور بولا خدا کی قسم اب تو انہیں پہنے گا۔ ابو جابر نے کہا تو نے جوان کو غصہ دلا دیا، جوتیاں واپس کر دے۔ میں نے کہا میں تو واپس نہیں کروں گا۔ یہ شگون اچھا ہے، اگر فال سچی ہوئی تو خدا کی قسم میں ان کے کپڑے اتاروں گا۔ جب انصار مدینہ طیبہ واپس آ گئے جبکہ معاہدہ مضبوط ہو چکا تھا۔ جب انصار مدینہ پہنچ گئے تو اسلام یہاں عام ہو گیا۔ یہ خبر قریش کو بھی پہنچ گئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو اذیتیں دینا شروع کر دیں تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے بھائی پیدا فرما دیے ہیں اور تمہارے لئے ایک ایسا گھر بنا دیا ہے جس میں تم امن سے رہ سکتے ہو انہیں مدینہ طیبہ ہجرت کرنے اور اپنے انصاری بھائیوں کے ساتھ جا ملنے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے جس نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ وہ ابو سلمہ بن عبد اللہ مخزومی تھے، پھر عامر بن ربیعہ پھر عبد اللہ بن جحش پھر صحابہ کرام پے در پے مدینہ طیبہ روانہ ہوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اوس و خزرج کو اسلام کے ساتھ متحد کر دیا۔ ان کے درمیان حضور ﷺ کی وجہ سے مصالحت قائم فرما دی۔ (1)

ے شفا کا معنی طرف اور کنارہ ہے، یعنی اس میں گرنے ہی والے ہو۔ اگر تم کفر پر مرو تو تمہارے اور جہنم میں گرنے کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں۔

ے یعنی اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے تمہیں اس سے بچا لیا۔ ہا ضمیر حفرہ کے لئے ہے یا آگ یا شفا (کنارہ) کے لئے۔ آخری صورت میں اس کی تانیث مضاف الیہ کی وجہ سے ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے یہ شفہ کے معنی میں ہے کیونکہ شفا اور شفۃ جب بیر کی طرف مضاف ہو تو دونوں کا معنی کنارہ ہی ہوتا ہے، جس طرح جانب اور جانبہ دونوں ایک معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس کی اصل شفو ہے۔ مذکر میں واؤ کو الف سے بدل دیا اور مؤنث میں اسے حذف کر دیا۔

ۃ مشار الیہ تمہیں بے آیات سے مراد دلائل ہیں۔

ۃ تا کہ تم ہدایت پر ثابت قدم رہو اور اس میں آگے بڑھو۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

"ضرور ہونی چاہئے تم میں ۱؎ ایک جماعت جو بلایا کرے نیکی کی طرف ۲؎ اور حکم دیا کرے بھلائی کا ۳؎ اور روکا کرے بدی سے ۴؎ اور یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں ۵؎"

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 333-332-331 (التجاریہ)

1. یہاں مِن تبعیضیہ ہے کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے۔ اور اس لئے بھی کہ ہر ایک کے لئے مناسب نہیں کہ اس کیلئے علم، احتساب پر قدرت اور تمام لوگوں سے مطالبہ کی شرط لازمی قرار دی جائے یہاں خطاب تمام کو کیا اور بعض سے فعل کا مطالبہ کیا تا کہ اس بات پر دلالت ہو کہ واجب تو سب پر ہے، یہاں تک کہ اگر سب نے اس عمل کو چھوڑ دیا تو سب کے سب گناہ گار ہوں گے۔ لیکن بعض کے عمل کرنے سے سب کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ یہی تو فرض کفایہ کی شان ہوتی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مِن بیانیہ ہو اور نہی عن المنکر ہر کسی پر واجب ہو اور اس کا کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ وہ اپنے دل سے اسے ناپسند کرے۔

2. لوگوں کو دعوت دے بہترین عقائد، اخلاق اور عمل کی طرف جس میں دین و دنیا کی صلاح ہو۔ ابن مردویہ نے ابو جعفر محمد باقر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خیر سے مراد قرآن حکیم اور میری سنت کی پیروی ہے(1) امام سیوطی نے حضرت عثمان سے منفصل روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے اس آیت کو پڑھا اور وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کے بعد وَیَسْتَعِینُوْنَ عَلٰی مَا اَصَابَهُمْ کا اضافہ کیا(2) میں کہتا ہوں یعنی وہ لوگوں سے مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے دعائیں بھی کرتے ہیں۔

3. معروف سے مراد وہ عمل ہے جس کا حسن شرع سے معلوم ہو خواہ وہ واجب ہو یا مستحب ہو۔

4. منکر سے مراد جسے شرع ناپسند کرے خواہ محرمات ہوں یا مکروہ، یہاں خاص کا عام پر عطف کیا جا رہا ہے خاص کی فضیلت بیان کرنے کیلئے۔

5. یعنی جو خیر کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اچھائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں وہی کامیاب ہیں اور جس نے ایسا نہ کیا وہ خائب و خاسر ہوا۔ حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو برائی کو دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر وہ یہ طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے روکے، اگر اس کی طاقت بھی نہیں رکھتا تو دل سے اسے برا جانے۔ یہ کمزور ترین ایمان ہے(3) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر سے مروی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی حدود میں سستی کرنے والا اور اس میں گر پڑنے والا اس قوم کی طرح ہے جو ایک کشتی میں سوار ہوتے ہیں، ان میں سے بعض نچلے حصے میں ہیں اور بعض اوپر والے حصے میں ہیں، جو نیچے ہیں اوپر والوں کے پاس سے پانی لانے کیلئے گزرتے ہیں جس سے وہ تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک ہتھوڑا لیتا ہے اور کشتی کے نیچے والے حصے میں سوراخ کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اوپر والے لوگ اس کے پاس آتے ہیں۔ اس سے پوچھتے ہیں تجھے کیا ہو گیا (تو یہ کام کیوں کرتا ہے)۔ وہ جواب دیتا ہے تم میری وجہ سے پریشان ہوتے ہو اور میرا پانی کے بغیر گزارہ بھی نہیں۔ اگر لوگوں نے اس آدمی کا ہاتھ پکڑ لیا وہ اسے بھی بچا لیں گے اور اپنے آپ کو بھی بچا لیں گے۔ اگر انہوں نے اسے چھوڑ دیا اسے بھی ہلاک کر دیں گے اور اپنے آپ کو بھی ہلاک کر دیں گے(4) اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے یا قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کرے پھر لوگ اس سے دعا کریں مگر ان کی دعا قبول نہ کی جائے(5) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مروی ہے فرمایا اے لوگو تم یہ آیت پڑھتے ہو یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ارشاد فرماتے لوگ جب برائی دیکھیں اور اسے ختم کرنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب میں مبتلا کر دے(6) اسے ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اسے ابو داؤد اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا ہے۔ جریر بن عبداللہ سے اس کی مثل روایت

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 110 (العلمیہ)　2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 109 (اصل میں یستعینون ہے) (العلمیہ)
3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 51 (قدیمی)　4۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 339 (وزارت)　5۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 39　6۔ ایضاً، صفحہ 131 (وزارت)

مروی ہے جسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ عدی بن عدی کندی سے مروی ہے کہ ہمارے غلام نے ہمیں بتایا کہ اس نے میرے دادا سے سنا وہ کہہ رہے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے عمل سے عام لوگوں کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا جب تک برائی ان لوگوں میں عام نہ ہو جائے جبکہ وہ اس برائی کو ختم کرنے پر قادر ہوں مگر اسے نہ روکیں۔ جب وہ لوگ ایسا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ عام اور خاص سب کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے(1) امام بغوی نے اسے شرح السنہ میں روایت کیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بنو اسرائیل نافرمانی میں مبتلا ہوئے ان کے علماء نے انہیں منع کیا، وہ نہ رکے۔ پھر علماء بھی ان کی مجالس میں بیٹھنے لگے، ان کے ساتھ کھایا اور پیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض کے دلوں کو بعض کے ساتھ ٹکرا دیا اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانوں سے ان پر لعنت کی۔ یہ سب اس لئے تھا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حدود سے تجاوز کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا آپ پہلے ٹیک لگائے ہوئے تھے، اب اٹھ بیٹھے فرمایا نہیں قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، یہاں تک کہ وہ آپس میں محبت و مہربانی کرنے لگے(2) اسے امام ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کیا اس آیت کی وجہ سے اس آدمی پر بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے جو خود نیکی کا کام نہیں کرتا اور برائی کا ارتکاب کرتا ہے۔ ہم کہیں گے ہاں اس پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر عبارۃ النص سے اور خود اچھائی کرنا اور برائی سے رکنا اقتضاء النص سے واجب ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق نہ بنے۔ "کیا تم لوگوں کو اچھائی کا حکم دیتے ہو اور خود بھول جاتے ہو" اللہ تعالیٰ کا فرمان "تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم خود کرتے نہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت ناراضگی کا باعث ہے کہ تم ایسی بات کہو جو تم کرتے نہیں" حضرت اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز ایک آدمی کو لایا جائے گا، اس کو آگ میں ڈالا جائے گا، اس کی آنتیں نکل آئیں گی، وہ ان کے گرد یوں چکر کاٹے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد چکر کاٹتا ہے۔ جہنمی اس کے پاس جمع ہو جائیں گے، وہ اس سے پوچھیں گے اے فلاں تیرا کیا حال ہے تو ہمیں نیکی کا حکم دیتا تھا اور برائی سے روکتا تھا۔ وہ جواب دے گا میں تم کو نیکی کا حکم دیتا تھا، اور خود نہیں کرتا تھا میں تمہیں برائی سے روکتا تھا اور خود برائی کرتا تھا(3) متفق علیہ۔ حضرت انس نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں نے لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، جو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود بھول جاتے ہیں(4) اسے امام بغوی نے شرح السنہ میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾

"اور نہ ہو جانا ان لوگوں کی طرح جو فرقوں میں بٹ گئے تھے[1] اور اختلاف کرنے لگے تھے اس کے بعد بھی جب آ چکی تھیں ان کے پاس روشن نشانیاں[2] اور ان لوگوں کے لئے عذاب ہے بہت بڑا[3]"

[1] یعنی یہودی جو بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔

[2] بینات سے مراد واضح اور قطعی دلائل ہیں، یعنی محکم آیات، احادیث متواترہ جو انبیاء سے محکم انداز میں مروی ہوں اور اسی طرح کے دلائل

1۔ مصابیح السنہ، جلد 2، صفحہ 302، حدیث نمبر 1931
2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 130 (وزارت تعلیم)
3۔ مشکوۃ المصابیح، باب الامر بالمعروف، صفحہ 436 (وزارت تعلیم)
4۔ مشکوۃ المصابیح، باب الامر بالمعروف، صفحہ 438 (وزارت تعلیم)

جیسے اس امت کا اجماع، خواہ یہ اختلاف اصول دین میں ہو جیسے بدعتیوں کا اہل سنت کیساتھ اختلاف یا مجمع علیہ مسائل میں اختلاف جیسے وضو میں پاؤں کے دھونے اور خفین پر مسح کرنے میں اختلاف خلفاء اربعہ کی خلافت میں اختلاف، اس قید کے ساتھ اس اختلاف سے احتراز کیا ہے جو اجتہاد میں ہوتا ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہوتا ہے۔ اجتہاد میں اختلاف ضروری ہوتا ہے کیونکہ یہ امر بدیہی ہے کہ بعض مجتہدین سے اجتہاد میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اختلاف تمام صلاحیتیں صرف کرنے کے بعد ہو اور اس میں کسی قسم کا تکبر اور تعصب نہ ہو تو یہ معاف ہوتا ہے بلکہ ایسا اختلاف رحمت ہے اور لوگوں کے لئے اس میں گنجائش موجود ہے۔ عبد بن حمید نے اپنی مسند میں دارمی، ابن ماجہ، اور عبدری نے جمع بین الصحیحین میں ابن عساکر، اور حاکم نے حضرت عمر بن خطاب سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنے بعد صحابہ کے اختلاف کے بارے میں عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی اے محمد ﷺ تیرے صحابہ میرے پاس ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے بعض بعض سے اقوی ہیں(1) ایک روایت میں ہے ان میں سے بعض بعض سے زیادہ روشن ہیں، ہر ایک نور ہے جس نے بھی کسی ایسی چیز کو اپنا لیا جس پر یہ صحابہ اختلاف کیے ہوئے ہیں وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا(2) دار قطنی نے اسے فضائل صحابہ میں ابن عبدالبر نے جابر سے بیہقی نے مدخل میں ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ بیہقی نے مدخل میں ابن عباس سے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کتاب اللہ میں جو احکام تمہیں دیئے گئے ہیں ان پر عمل کرنا لازم ہے، ان کے چھوڑنے میں کسی کا کوئی عذر قابل قبول نہیں۔ اگر کتاب اللہ میں حکم نہ ہو تو نبی کریم ﷺ کی سنت قطعی امر ہے۔ اگر نبی کریم ﷺ کی سنت بھی نہ ہو تو میرے صحابہ جو کہیں بے شک میرے صحابہ کی حیثیت ایسے ہی ہے جیسے آسمان میں ستارے، تم میں سے جس نے بھی کسی کی اقتداء کی وہ ہدایت یافتہ ہے۔ میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے(3) بیہقی نے مدخل میں ابن سعد نے طبقات میں قاسم بن محمد سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہ کا اختلاف اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے رحمت ہے۔ بیہقی نے عمر بن عبدالعزیز سے بھی اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

سے یعنی وہ لوگ جو قطعی دلائل آنے کے بعد فرقوں میں بٹ گئے ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۚ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

"اس دن (جبکہ) روشن ہوں گے کئی چہرے لے اور کالے ہوں گے کئی منہ ہے تو وہ جو سیاہ رو ہوں گے (انہیں کہا جائے گا) کہ کیا تم نے کفر اختیار کر لیا تھا ایمان لانے کے بعد سے تو اب چکھو عذاب (کی اذیتیں) بوجہ اس کفر کے جو تم کیا کرتے تھے ہے"

لے وجوہ کی تنوین مضاف الیہ کے حذف کے عوض میں ہے۔ معنی یہ ہوگا جس روز مومنوں کے چہرے روشن ہوں گے۔

ہے یعنی کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے یا یہ تنوین کثرت کو بیان کرنے کے لیئے ہے، یعنی کثیر چہرے ایسے ہوں گے اور یوم کا لفظ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا اور یہ ظرف مستقر ہوگی، یعنی لھم جس شبہ فعل کے متعلق ہوگا یہ بھی اسی کے متعلق ہوگا، یا یہ عظیم کے متعلق ہے یا یہ اذکر کے متعلق ہے۔ حضرت سعید بن جبیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ آیت پڑھی تو فرمایا اہل سنت کے چہرے روشن ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے(4) دیلمی نے مسند فردوس میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر سے

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3، حدیث نمبر 6018 (وسعت) 2۔ ایضاً 3۔ تاریخ ابن عساکر، جلد 4، صفحہ 285 4۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 335 (التجاریہ)

انہوں نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ اہل سنت کے چہرے روشن ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔(1)
؎ انہیں کہا جائے گا کیا تم نے دلائل قطعیہ کا انکار کیا ہے اور تم نے دین میں تفرقہ کیا اور تم نے متشابہات کی تاویل کی پیروی کی، نبی کریم ﷺ اور کتاب پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا۔ یہاں استفہام ان کی حالت کی توبیخ اور تعجب کے لئے ہے۔
؎ یہ آیت اس امت اور سابقہ کی بدعتیوں کے بارے میں ہے۔ ابوامامہ اور قتادہ نے بھی کہا ہے امام احمد اور دوسرے علماء نے ابی امامہ سے اور وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اس آیت کا مصداق خارجی ہیں(2) اور اہل حواء کے متعلق اسماء بنت ابی بکر کی حدیث بھی ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں حوض پر ہوں گا تم میں سے جو بھی وہاں آئے گا میں اسے دیکھ رہا ہوں گا۔ کچھ لوگوں کو مجھ سے دور پکڑ لیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا اے میرے رب یہ میرے ہیں، میری امت سے تعلق رکھتے ہیں۔ تو کہا جائے گا کیا آپ کو علم ہے انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ قسم بخدا یہ پچھلے پاؤں پلٹ گئے تھے(3) اسے امام بخاری نے روایت کیا حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فتنوں سے پہلے اعمال کی طرف جلدی کرو یہ فتنے تاریک رات کی مانند ہیں، آدمی صبح مومن ہوگا شام کو کافر ہوگا، شام کو مومن ہوگا صبح کافر بن جائے گا، وہ دنیا کے تھوڑے سے مال کے عوض اپنا دین بیچ دے گا(4) اسے امام مسلم، امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ آیت مرتدین کے بارے میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اہل کتاب کے بارے میں ہے جنہوں نے حضرت موسیٰ اور تورات پر ایمان لانے کے بعد حضور ﷺ کا انکار کیا یا یہ کہ آپ کی بعثت سے قبل تو حضور ﷺ پر ایمان لائے پھر انکار کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ تمام کفار کے بارے میں ہے انہوں نے کفر کیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے گواہی لی تھی یا یہ وہ دلائل میں غور و فکر کر کے ایمان لانے کی طاقت رکھتے تھے پھر بھی انکار کیا۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

"اور وہ (خوش نصیب) لوگ روشن ہوں گے جن کے چہرے تو وہ رحمت الٰہی (کے سائے) میں ہوں گے ؎ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ؎"

؎ یعنی اہل سنت جنت اور دائمی ثواب میں ہوں گے۔ یہاں جنت کو رحمت سے تعبیر کیا ہے اس حقیقت سے آگاہ کرنے کیلئے کہ مومن اگرچہ ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مستغرق رہے تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل کے ساتھ ہی جنت میں داخل ہوگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ راستی اختیار کرو۔ میانہ روی سے چلو اور خوش رہو کیونکہ کسی کو بھی اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کو بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے بھی نہیں مگر اس صورت میں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی مغفرت اور رحمت سے ڈھانپ لے(5) اسے شیخین نے صحیحین میں اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔ شیخین حضرت ابوہریرہؓ سے بھی اس کی مثل اور امام مسلم حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں تم میں سے کسی کو بھی اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا اور نہ ہی اسے آگ سے بچائے گا اور نہ ہی مجھے مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی جنت میں داخل کرے گی اور عذاب سے بچائے گی(6) یہ حضرت ابوسعید سے بھی مروی ہے جسے امام احمد نے روایت کیا ہے اور ابوموسیٰ اشعری اور شریک بن طارق سے بھی مروی ہے جسے بزار نے روایت کیا ہے۔ یہ شریک بن طارق، اسامہ بن شریک اور اسعد بن کرز سے بھی مروی ہے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اس آیت میں اس آیت کی وجہ سے خفاء پیدا

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 112 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 336 (التجاریہ) 3۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 975 (وزارت تعلیم)
4۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 75 (قدیمی) 5۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 377 (قدیمی) 6۔ ایضاً، صفحہ 75

ہو گیا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم جنت میں داخل ہو جاؤ اس کے باعث جو تم عمل کیا کرتے تھے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا کہ جنت کی کئی منازل اور درجات ہیں جو اعمال کے ذریعے حاصل کئے جاتے ہیں۔ اس آیت کا یہی مفہوم ہے تاہم جنت میں داخل ہونے کی اہلیت اور اس میں ہمیشہ رہنا یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث ہے۔ یہی ان احادیث کا مفہوم ہے حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول بھی اسی بات پر دلالت کرتا ہے تم پل صراط کو اللہ تعالیٰ کے عفو و درگزر کرنے سے عبور کرو گے، تم جنت میں اس کی رحمت سے داخل ہو گے اور منازل اعمال کے باعث تم میں تقسیم کی جائیں گی۔ اسے ہناد نے زہد میں ابو نعیم نے عون بن عبداللہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

۲؎ ھا ضمیر سے مراد رحمت یا جنت ہے اس کلام کو جملہ مستانفہ کی صورت میں تاکید کے لئے ذکر فرمایا۔ گویا یہ مقدر سوال کا جواب ہے کہ وہاں جنت میں کیسے رہیں گے۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات پر آگاہ کیا کہ رحمت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اس میں ہمیشہ رہنا ایک مستقل نعمت ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

”یہ اللہ کی آیتیں ہیں ۱؎ ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ پر ۲؎ ٹھیک ٹھیک ۳؎ اور نہیں ارادہ رکھتا اللہ ظلم کرنے کا دنیا والوں پر ۴؎“

۱؎ وہ آیات جو وعدہ اور وعید میں وارد ہوئیں۔

۲؎ یہ خبر کے بعد دوسری خبر ہے۔

۳؎ حق کیساتھ ملی ہوئی ہیں اس طرح کہ ان میں کوئی شبہ نہیں۔

۴؎ کیونکہ اس سے ظلم کا تصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس پر کسی فعل کا کرنا واجب ہے، نہ اس کا چھوڑنا واجب ہے کہ جو واجب تھا اس کو چھوڑنے کی وجہ سے ظلم لازم آتا کیونکہ وہ علی الاطلاق مالک ہے، جس طرح وہ چاہے اپنی مملوکہ چیزوں میں تصرف کرے۔ میں کہتا ہوں کہ یہاں ظلم سے ظاہر مفہوم وہ ہے جو لوگوں میں باہم ظلم ہوتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہوگا جس نے بھلائی کا کام کیا اللہ تعالیٰ اس کے ثواب میں کمی کا ارادہ نہیں رکھتا اور جو مجرم ہے اس کے عذاب میں جرم سے زیادہ کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرنا تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے۔ پس وہ ایسے شخص کو دائمی عذاب میں ڈالے گا جس سے بڑا عذاب نہیں، یہ اس لئے کرے گا تاکہ سزا عمل کے موافق ہو جائے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

”اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے سارے کام ۱؎“

۱؎ یعنی تخلیق اور ملکیت کے اعتبار سے سب اللہ کا ہے۔ پہلی تاویل کی بناء پر یہ اس بات کی علت کا بیان ہے کہ وہ ظلم کا ارادہ نہیں کرتا اور دوسری تاویل کی بناء پر جو اس نے وعدہ کیا ہے اس کو عملی جامہ پہنانے کی قدرت کا بیان ہے۔ پس وہ ہر کسی کو وعدہ اور وعید کی بنا پر بدلہ عطا فرمائے گا۔

بغوی نے کہا عکرمہ نے بیان کیا کہ مالک بن ضیف، وہب بن یہودا جو دونوں یہودی تھے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل اور سالم جو ابی حذیفہ کے غلام تھے سے کہا ہم تم سے افضل ہیں اور ہمارا دین تمہارے دین سے افضل ہے جس کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (1)

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 338 (التجاریہ)

"ہوتم بہترین امت ل جو ظاہر کی گئی ہے ۲ لوگوں (کی ہدایت و بھلائی) کے لئے ۳ تم حکم دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو برائی سے ۴ اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر ۵ اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو یہ بہتر ہوتا ان کے لئے ۱ بعض ان میں سے مومن ہیں اور زیادہ ان میں سے نافرمان ہیں ۷"

ل یہاں خیر امة میں صفت موصوف کی طرف مضاف ہے جس طرح اخلاق ثیاب میں صفت موصوف کی طرف مضاف ہوتی ہے۔ یہاں مفضل منہ محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے کُنْتُمْ اُمَّةً خَیْرَ الْاُمَمِ کُلِّهَا کان کو مبتدا اور خبر پر اس لئے داخل کیا جاتا ہے کہ یہ دلالت کرے کہ خبر اسم کے لئے زمانہ ماضی میں ثابت ہے۔ یہ سابقہ خبر کے عدم اور لاحق کے انقطاع پر خارجی قرینہ کی وجہ سے ہی دلالت کرتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ یہ جملہ زمانہ گزشتہ میں ان کی افضلیت اور حال و استقبال میں ان کی افضلیت پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تامرون دلالت کرتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے علم میں سابقہ امتوں میں ذکر کے اعتبار سے بہترین امت تھے۔

۲ اُخْرِجَتْ کا معنی ہے ظاہر کی گئی یا پیدا کی گئی۔ خطاب یا تو صرف صحابہ کے لئے ہے۔ جویبر نے ضحاک سے صرف یہی قول نقل کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ کنتم خیر امة یہ ہمارے پہلے لوگوں کے لئے ہے، ہمارے بعد والے لوگوں کے لئے نہیں (1) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے خیر امة سے مراد وہ صحابہ کرام ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی (2) حضرت عمر سے یہ بھی مروی ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انتم فرماتا لیکن اس نے کنتم فرمایا، یہ صحابہ کرام اور ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جنہوں نے ان صحابہ جیسا عمل کیا، وہ بہترین تھے جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی (3) یا یہ حضور ﷺ کی تمام امت کے لئے ہے۔ دونوں معنے نصوص سے ثابت ہیں۔ دونوں پر اجماع موجود ہے کیونکہ حضور ﷺ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے اور امت میں سے افضل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ اور فرمایا ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت انبیاء پر حرام ہے، یہاں تک کہ میں اس میں داخل ہوں گا اور تمام امتوں پر حرام ہے، یہاں تک کہ میری امت اس میں داخل ہوگی (4) اسے طبرانی نے حضرت عمر بن خطاب سے سند حسن کے ساتھ نقل کیا ہے۔

ابن عباس سے مرفوع روایت منقول ہے جنت تمام امتوں پر حرام ہے، یہاں تک کہ میں اور میری امت اس میں داخل ہوں گے۔ سب سے پہلے وہ داخل ہوگا جو مقام و مرتبہ میں اول ہوگا، پھر اس کے بعد بعد کے مرتبے والا (5) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ میری اتباع کرنے والے کل جنتیوں کے چوتھائی ہوں گے، پھر فرمایا میں امید کرتا ہوں وہ ان کا تہائی ہوں گے، پھر میں امید کرتا ہوں کہ وہ ان کا نصف ہوں (6) اسے امام احمد، بزار اور طبرانی نے حضرت جابر سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جنتیوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی، 80 اس امت کی ہوں گی اور باقی ماندہ دوسری امتوں کی (7) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن قرار دیا ہے۔ حاکم نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔ طبرانی نے اسی کی مثل ابو موسیٰ، ابن عباس، معاویہ بن جندہ اور ابن مسعود سے نقل کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ستر جماعتیں ہوگے اور ان میں سے تم بہترین ہو اور اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ معزز (8) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن قرار دیا اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ دارمی نے بہز بن حکیم سے وہ اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت کرتے ہیں۔ امام بغوی نے ابو سعید خدری

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 338 (التجاریہ)　　2۔ ایضاً　　3۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 113 (العلمیہ)

4۔ مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 59، حدیث نمبر 16717 (الفکر)　　5۔ مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 60 (الفکر)

6۔ کنز العمال، جلد 12، صفحہ 167 (التراث الاسلامی) 7۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 77 (وست) 8۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 125 (وزارت تعلیم)

سے اسی کی مثل روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کی مثال بارش جیسی ہے، یہ نہیں جانا جا سکتا کہ اس کا پہلا حصہ اچھا ہوتا ہے یا آخری حصہ(1) اسے ترمذی نے حضرت انس سے رزین نے جعفر بن محمد سے، وہ اپنے باپ سے، وہ دادا سے اسی کی مثل روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطاء نسیان اور جس پر انہیں مجبور کیا گیا ہے کو معاف کر دیا ہے۔(2) اسے ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ دوسری فصل میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے لوگوں میں سے بہترین میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر ان کے بعد پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے پھر ایسی اقوام آئیں گی جن کی گواہیاں قسموں پر اور جن کی قسمیں گواہیوں پر سبقت لے جائیں گی(3) اسے شیخین نے صحیحین میں روایت کیا ہے۔ امام ترمذی اور امام احمد نے ابن مسعود سے، طبرانی نے اسی کی مثل، امام مسلم نے حضرت عائشہ سے اسی کی مثل، امام ترمذی اور حاکم نے عمران بن حصین سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد میرے صحابہ کو گالی نہ دو، وا گر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کی مثل سونا صرف کرے، وہ صحابہ کے ایک مد کے برابر اور اس کے نصف تک نہیں پہنچ سکتا(4) متفق علیہ۔ حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے اور حضور ﷺ کا فرمان میرا کوئی صحابی کسی بھی زمین میں نہیں فوت ہوتا مگر قیامت کے روز اس کے لئے قائد اور نور ہو گا۔ اسے امام ترمذی نے حضرت بریدہ سے نقل کیا ہے۔

؎ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ للناس خیر امۃ کے متعلق ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا اس کا معنی ہے لوگوں کے لئے لوگوں میں سے بہترین جو لوگوں کے پاس آتے ہیں جبکہ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوتے تھے تو انہیں اسلام میں داخل کر دیتے ہیں(5) اسے ابو عمرو نے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس امت کے لوگ دوسری امتوں کی بنسبت راہنمائی کرنے میں بڑھ کر، اور اللہ تعالیٰ کی طرف جذب میں دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ تاثیر والے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا کمالات ولایت کے قطب ارشاد ہیں۔ سابقہ امتوں میں سے کوئی بھی آپ کی روح کے توسط کے بغیر درجہ ولایت کو نہیں پہنچا۔ پھر اس منصب پر آپ کی اولاد میں سے فائز ہوئے، یہاں تک کہ حسن عسکری اور عبد القادر جیلانی نے اسی وجہ سے یہ کہا پہلے لوگوں کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ افق پر چمکتا رہے گا، غروب نہ ہو گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ للناس اخرجت کے متعلق ہے، یعنی لوگوں کے لئے نکالی گئی۔

؎ یہ جملہ مستانفہ ہے اور ان کی افضلیت کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے یا یہ خبر ثانی ہے یا یہ امت کی صفت ثانیہ ہے۔ یہاں اس سے مراد ان صفات سے متصف امتوں کے اوپر انہیں فضیلت دینا مقصود ہے، یعنی تم بہترین لوگ ہو ان سے جو ہر امت میں ان صفات سے متصف تھے۔

؎ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ایمان باللہ سے مراد ہر اس چیز پر ایمان لانا ہے جس پر ایمان لانا واجب ہو کیونکہ اس ایمان کا اعتبار ہوتا ہے۔ اسی پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتے تھے اور حضور ﷺ کا یہ فرمان جو طلحہ بن عبید اللہ سے مروی ہے کیا تم جانتے ہو کہ اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا یہ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت سے خمس ادا کرنا(6) متفق علیہ۔ یہاں ایمان کو بعد میں ذکر کیا جبکہ ایمان باللہ کا حق تو یہ ہے کہ اسے پہلے ذکر کیا جاتا اس بات کا شعور دلانے کے لئے کہ وہ نیکی کا حکم اور برائی سے منع اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی وجہ سے کرتے ہیں، ریاکاری کی وجہ سے نہیں۔ گویا یہ امر بالمعروف کے لئے قید بن گئی یا ما بعد کلام کے ساتھ رابطہ کے لئے ارشاد فرمایا۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 110 (وزارت تعلیم)　2۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 404 (ایضاً)　3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 309 (قدیمی)
4۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 310 (قدیمی)　5۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 338 (التجاریہ)　6۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 13 (وزارت)

۹؎ سب ایمان لے آتے جس طرح تم ایمان رکھتے ہو کیونکہ وہ اس صورت میں خیر امم میں داخل ہوں گے۔ میں کہتا ہوں ایمان باللہ سے مراد ایمان حقیقی ہو، یعنی دل کو غیر اللہ سے پاک کرنا، نفس کو رذائل سے پاک کرنا اور خالص محبت کے لئے مشق کرانا۔ یہ وہ محبت ہوتی ہے جس میں نفس کی دنیاوی اغراض اور اخروی اغراض کی آمیزش نہیں ہوتی۔

۱۰؎ ھم ضمیر سے مراد اہل کتاب ہیں۔ ایسا ایمان جو شمار میں آتا ہے جس طرح عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی ایمان سے کفر کی طرف نکلنے والے ہیں۔ یہ جملہ بھی سابقہ جملہ کی وضاحت کرتا ہے کیونکہ مقصود تو سب کا ایمان لانا ہے جبکہ موجود بعض کا ایمان ہے جو وہ مومنوں کے بارے میں سوءِ ظن رکھتے تھے، اس کا رد بھی ہے جو لَوْ اٰمَنَ الخ سے پیدا ہوا تھا۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

"(کچھ) نہ بگاڑ سکیں گے تمہارا سوائے ستانے کے ۱؎ اور اگر لڑیں گے تمہارے ساتھ ۲؎ تو پھیر دیں گے تمہاری طرف اپنی پیٹھیں (اور بھاگ جائیں گے) ۳؎ پھر ان کی امداد نہ کی جائے گی ۴؎"

۱؎ یہاں اذیٰ سے مراد زبان سے یا اس جیسی ہلکی تکلیف اور اذیت ہے۔ مقاتل نے کہا جب یہودیوں کے رئیسوں نے عبداللہ بن سلام اور دوسرے مومنوں کو اذیتیں دینے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لئے اس آیت کو نازل فرمایا۔

۲؎ اے مومنو اگر یہودی تم سے قتال کریں۔

۳؎ شکست کھا کر بھاگ جائیں گے، تمہیں قتل، مال چھیننے یا قیدی بنا کر اذیت نہ دیں گے۔

۴؎ بلکہ تمہیں ان کے خلاف فتح نصیب ہوگی۔ یہ آیت لن یضروکم کا بیان ہے۔ یہ غیب کی خبر ہے، بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع اور اہل خیبر و اہل فدک کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

"مسلط کر دی گئی ہے ان پر ۱؎ ذلت (و رسوائی) ۲؎ جہاں کہیں یہ پائے گئے بجز اس کے کہ اللہ کے عہد سے ۳؎ یا لوگوں کے عہد سے (کہیں پناہ مل جائے) ۴؎ اور یہ مستحق ہو گئے ہیں ۵؎ غضب الٰہی کے ۶؎ اور مسلط کر دی گئی ہے ان پر محتاجی ۷؎ یہ اس لئے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے اللہ کی آیتوں سے اور قتل کیا کرتے تھے انبیاء کو ناحق ۸؎ یہ (بیباکی) اس لئے تھی کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور سرکشی کیا کرتے تھے ۹؎"

۱؎ ھم ضمیر سے مراد یہودی ہیں۔

۲؎ ذلت یہ چیز ان پر اس طرح مسلط کی گئی کہ ان کی جانوں، اموال اور اہل و عیال کی حفاظت کا ذمہ ختم کر دیا گیا۔

۳؎ جہاں بھی پائے جائیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عہد و پیمان کے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ سے۔ اس سے مراد قرآن اور دین اسلام کا حکم ہے کہ ایسے کفار جو ایمان لا چکے ہیں اور ذمی ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اگر کوئی مشرک تم سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دو" اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "یہاں تک وہ جزیہ دیں اس حال میں کہ اپنے آپ کو پست خیال کریں۔

ج امان طلب کرنے کے بعد انہیں مومنوں کی طرف سے وعدہ حاصل ہو چکا ہو یا جزیہ کے قبول کرنے کے بعد ذمی تسلیم کیا جا چکا ہو۔ حبل اللہ اور حبل الناس دونوں سے مراد ایک ہی ہے، اگر دونوں الگ الگ ہوتے تو پھر مناسب یہ ہوتا کہ واؤ کی جگہ او ہوتا۔ مستثنیٰ حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ معنی یہ ہوگا ان پر تمام احوال میں ذلت مسلط ہوگی مگر امان طلب کرنے یا ذمی ہونے کے معاہدہ کی حالت میں۔

ے یعنی لوٹ گئے اسی چیز کی طرف جس کے وہ مستحق تھے جب انہیں موت آئی یا موت کے بعد جب انہیں اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "تم مردہ تھے پس اس نے تم کو زندہ کیا پھر تمہیں موت عطا کرے گا پھر تمہیں زندگی دے گا۔

ے اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق بنتے ہوئے۔

ے یہ انہیں یوں احاطہ کیے ہوگی جس طرح گھر گھر والوں کو احاطہ میں لئے ہوتا ہے۔ یعنی بخل اور حرص انہیں گھیرے ہوئے ہوگا کیونکہ بخیل اپنا مال خرچ نہیں کرتا اور ہمیشہ مساکین کی طرح رہتا ہے اور لالچی مال کی طلب میں ہمیشہ تھکاوٹ اور مشقت میں رہتا ہے۔ امام بیضاوی نے کہا یہودی اکثر فقراء اور مساکین ہوتے ہیں۔(1)

ے اسم اشارہ کا مشارالیہ وہ چیزیں ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے جیسے ذلت، مسکنت کا مسلط ہونا اور غضب کا مستحق ہونا۔ اس سزا کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے آیات کا انکار کیا اور انبیاء کو ناحق قتل کیا۔ یعنی وہ اس بات کو جانتے تھے کہ وہ ظالم ہیں اور ناحق قتل کر دیتے ہیں۔

ے اسم اشارہ کا مشارالیہ کفر اور قتل ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تعنت، عناد اور جان بوجھ کر کی نافرمانی نہیں کی اور وہ حدود اللہ سے تجاوز کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں ان پر ذلت مسلط کی گئی ہے اور آخرت میں وہ غضب کے مستحق بنیں گے جس طرح یہ ان کے کفر اور قتل کا نتیجہ ہے اور کفر و قتل ان کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنے کا نتیجہ ہے کیونکہ فرعی معاملات میں بھی مخاطب ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اس تاویل کی بنا پر دونوں اسماء اشارہ کے درمیان حرف عطف کا ہونا مناسب تھا (جبکہ حرف عطف نہیں تو یہ تاویل بھی مناسب نہیں)

ابن ابی حاتم، طبرانی اور ابن منذر نے صحابہ میں سے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن شعبہ، اسید بن تبیعہ، اسد بن عبید اور جو لوگ ان کے ساتھ مسلمان ہوئے اور اسلام میں رغبت کا اظہار کیا تو یہودیوں کے علماء اور ان میں سے جو کافر تھے نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے اور آپ کی اتباع نہیں کی مگر ہم میں سے شریر لوگ ایمان بھی لائے اور آپ کی اطاعت بھی کی، اگر وہ ہم میں سے اچھے لوگ ہوتے تو وہ اپنے آباء کا دین نہ چھوڑتے، نہ ہی کسی اور کی طرف جاتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیت کو نازل فرمایا(2)

امام احمد، امام نسائی اور ابن حبان نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز میں دیر سے تشریف لائے، لوگ آپ کا انتظار کر رہے تھے فرمایا خبردار ان ادیان کے پیروکاروں میں سے کوئی بھی تمہارے سوا اس وقت اللہ کا ذکر کرنے والا نہیں(3) تو یہ آیت نازل کی گئی۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝

"سب یکساں نہیں لے اہل کتاب سے ایک گروہ حق پر قائم ہے ے یہ تلاوت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی ے رات کے اوقات میں ے اور وہ سجدے کرتے ہیں ہے"

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 85 (فراس)　　2۔ تفسیر طبری، جلد 4، صفحہ 35 (الامیریہ)　　3۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 116 (العلمیہ)

۱؎ یہودیوں کی جو برائیاں ذکر کی گئی ہیں ان میں سب برابر نہیں بلکہ جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے کچھ لوگ ان سے مختلف بھی ہیں۔

۲؎ نماز کو قائم کرنے والے ہیں جس طرح مابعد کلام دلالت کرتا ہے۔ ابن عباس نے امۃ قائمۃ کا معنی یہ کیا ہے وہ ہدایت یافتہ ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل پیرا ہیں اس کو ضائع کرنے والے نہیں۔ مجاہد نے کہا اس کا معنی ہے سیدھی یہ اَقَمْتُ الْعُوْدَ فَقَامَ سے مشتق ہے، یعنی میں نے لکڑی کو سیدھا کیا پس وہ سیدھی ہو گئی۔ سدی نے کہا وہ اطاعت شعار ہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی حدود پر قائم ہیں (1) یہاں امت سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام اور ان جیسے لوگ ہیں جو پہلے یہودی تھے۔

۳؎ آیت اللہ سے مراد قرآن حکیم ہے۔ یہ قائمۃ کے فاعل سے حال ہے یا امۃ کی صفت کے بعد صفت ہے۔

۴؎ یعنی رات کی ساعتیں آناء کا واحد انیٰ ہے۔ یہ قیام اور تلاوت کی ظرف ہے۔

۵؎ اس کا عطف قائم پر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ قائمۃ کے فاعل سے یہ حال ہو۔ اس کا معنی یہ ہوگا اس حال میں کہ وہ نماز ادا کرتے ہیں۔ ابن مسعود نے کہا اس سے مراد عشاء کی نماز ہے (2) کیونکہ اہل کتاب یہ نماز نہیں پڑھتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے ایک رات ہم عشاء کی نماز کا انتظار کرتے رہے حضور ﷺ اس وقت تشریف لائے جب رات کا تیسرا پہر گزر چکا تھا، ہمیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کیا کسی چیز نے آپ کو مشغول کر دیا تھا یا کوئی اور معاملہ تھا، آپ جب تشریف لائے تو فرمایا تم ایک ایسی نماز کا انتظار کر رہے ہو جس نماز کا تمہارے سوا کسی دین والے بھی انتظار نہیں کرتے، اگر میری امت پر یہ مشکل نہ ہوتا تو میں اسی لمحہ یہ نماز پڑھایا کرتا۔ پھر حضور ﷺ نے موذن کو حکم فرمایا اس نے اقامت کہی اور آپ نے نماز پڑھائی (3) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ظاہر تو یہ ہوتا ہے کہ اس سے مراد قیام اللیل ہے، عشاء کی نماز نہیں کیونکہ سیاق کلام ان کی حالت کے دوام کا تقاضا کرتا ہے اور عشاء کی نماز کی تاخیر کا قصہ ایک دفعہ واقعہ ہوا۔ صحیح میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق اس قصہ کا ذکر نہیں نیز یتلون کا صیغہ جمع کا ہے۔ عشاء کی نماز میں تلاوت ایک آدمی کرتا ہے، ہاں مجازاً قوم پر تلاوت کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ عطاء نے کہا امۃ قائمۃ سے مراد اہل نجران کے چالیس آدمی حبشہ کے بتیس اور روم کے آٹھ آدمی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے۔ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دین کی تصدیق کی۔ حضور ﷺ کے تشریف لانے سے قبل انصار میں سے بھی کئی لوگ ایسے تھے جن میں اسعد بن زرارہ، براء بن معرور، محمد بن مسلمہ، محمود بن مسلمہ، ابوقیس صرمہ بن انس۔ یہ سب موحد تھے، جنابت سے غسل کیا کرتے تھے اور شریعت حنیفہ کے متعلق کچھ جانتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول ان کے پاس تشریف لے آیا۔ پس ان لوگوں نے آپ کی تصدیق کر دی اور آپ کی مدد کی۔ (4)

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

"ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور روز آخرت پر اور حکم دیتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں اور یہ لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں ۱؎"

۱؎ یہاں يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور آرزوؤں کے کم ہونے کی وجہ سے بھلائی کے کاموں میں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 340 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 341 (التجاریہ)
3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 229 (قدیمی)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 341 (التجاریہ)

جلدی کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے اس سے پہلے کہ ایسا بڑھاپا آ جائے جس میں سر ہلنے لگے یا غفلت کی حالت میں موت آ جائے یا روک دینے والی بیماری پیدا ہو جائے یا نا امید کر دینے والی تاخیر آ جائے، نیک اعمال کر لو (1) اسے امام بیہقی نے ابی امامہ سے نقل کیا ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یومنون اور جو اس کا معطوف ہے یہ امۃ قائمۃ کی دوسری صفات ہیں، ان کی متضاد خصائص سے صفت اس لئے بیان کی جا رہی ہیں کیونکہ یہ یہودیوں کے خصائص تھے کیونکہ وہ حق سے انحراف کرنے والے سونے والے، رات اور دن غفلت کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے، اس کی صفات میں الحاد کرنے والے، یوم آخرت کی ایسی صفت بیان کرنے والے جو اس کی صفات سے نہیں، منکرات کا حکم دینے والے، معروف سے نہی کرنے والے اور شرور میں جلدی کرنے والے تھے۔ اولٰئک سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان صفات سے علی وجہ الکمال متصف تھے۔ صالحین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے جسم تندرست ہیں کیونکہ ان کے دل تندرست ہیں اور ان کے نفوس پاک ہیں۔

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿١١٥﴾

"اور جو یہ کریں گے نیک کاموں سے تو ہرگز انکار نہ کیا جائے اس کار خیر کا اور اللہ جاننے والا ہے پرہیزگاروں کو [1]"

[1] یعنی ہم اسے ضائع نہیں کریں گے اور ان ثواب کو ہرگز کم نہیں کریں گے۔ اس کو کفران کا نام دیا ہے جس طرح پورا پورا ثواب دینے کو شکر کا نام دیا ہے۔ یہاں اس فعل (یکفروہ) کو دو مفعولوں کی طرف متعدی کیا گیا ہے کیونکہ یہ اپنے ضمن میں حرمان کا معنی لئے ہوئے ہے۔ حمزہ، کسائی اور حفص نے غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ امۃ قائمۃ کی صفت ہے اور ماسبق پر عطف نسق ہے۔ باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اس وقت یہ کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ پر اس کا عطف ہے۔ ابو عمرو کے نزدیک دونوں قراءتیں ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١٦﴾

"بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہرگز نہ بچا سکیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے عذاب سے ذرہ بھر اور وہ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے [1]"

[1] اس کی تفسیر سورت کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ اصحاب النار سے مراد اس کو لازم پکڑنے والے ہیں۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٧﴾

"مثال اس کی جو وہ خرچ کرتے ہیں [1] اس دنیوی زندگی میں ایسی ہے جیسے ہوا ہو اس میں سخت ٹھنڈک ہو [2] اور لگے وہ ایک قوم کے کھیت کو جنہوں نے ظلم کیا ہو اپنے نفسوں پر [3] پھر تباہ کر دے اس کھیت کو [4] نہیں ظلم کیا ان پر اللہ تعالیٰ نے لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں [5]"

[1] ما مصدریہ ہے یعنی کفار کے نبی کریم ﷺ کی دشمنی میں یا بطور فخر یا بطور تکبر مال خرچ کرنے کی مثال ایسے ہی ہے جیسے قریش جنگوں میں مال خرچ کرتے یا عبادت کی غرض سے مال خرچ کرتے ہیں۔ ان کی مثل ان یہودیوں کے مال خرچ کرنے کی طرح ہے جو اپنے علماء پر مال

1۔ شعب الایمان، جلد 7، صفحہ 358، حدیث نمبر 10574 (العلمیہ)

خرچ کرتے تھے اور قریش کفار بتوں کے لئے مال خرچ کرتے یا ریاکاری کے طور پر جسطرح منافقین مال خرچ کرتے تھے۔

۲ صر کا معنی سخت سردی ہے۔ قاموس میں اس کا یہی معنی ذکر کیا گیا ہے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ سخت گرم ہوا ہے جو ہلاک کر دیتی ہے۔

۳ کفر اور نافرمانی کے ساتھ اپنے اوپر ظلم کیا۔

۴ یعنی جس طرح مذکورہ ہوا کھیتیوں کو تباہ و برباد کر دیتی ہے اسی طرح کفار کا اپنے مالوں کو خرچ کرنا انہیں ہلاک کرتا ہے کیونکہ ان کا خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کا عذاب انکی طرف لاتا ہے یا ان کے اموال کو ختم کرنے کا باعث ہے، ساتھ ہی نہ دنیا میں کوئی نفع ہوتا ہے اور نہ ہی آخرت میں کوئی نفع۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما موصول ہو اور تشبیہ مفرد نہ ہو بلکہ مرکب ہو جس میں ایک قصہ کو دوسرے قصہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس وجہ سے صرف تشبیہ کو ریح پر داخل کرنے کی کوئی پرواہ نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ مال جو انہوں نے خرچ کیا اور اسے ضائع کیا۔ اسے مذکورہ کھیتی کیساتھ تشبیہ دی جائے اور مَثَلُ مُهْلِكِ رِيْحٍ کو مقدر کیا جائے جو حرث ہے۔

۵ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے اموال کو ایسی جگہ خرچ کیا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں کچھ فائدہ نہیں دیتا اس جرم کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا یا ایسے جرم کا ارتکاب کر کے کھیتی والے اس سزا کے مستحق بن گئے۔

ابن جریر اور ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ یہودیوں کے ساتھ تعلق رکھتے تھے کیونکہ وہ آپس میں پڑوسی اور دور جاہلیت میں ایک دوسرے کے حلیف تھے(1) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِھِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

"اے ایمان والو! نہ بناؤ اپنا رازدار ۱ غیروں کو ۲ وہ کسر نہ اٹھا رکھیں گے تمہیں خرابی پہنچانے میں ۳ وہ پسند کرتے ہیں جو چیز تمہیں ضرر دے ۴ ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں (یعنی زبانوں) سے ۵ اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے ۶ ہم نے صاف بیان کر دیں تمہارے لئے اپنی آیتیں ۷ اگر تم سمجھدار ہو ۸"

۱ بطانہ سے مراد راز دار دوست ہے جیسا کہ آدمی اعتماد کرتے ہوئے اپنے راز سے آگاہ کرتا ہے اسے بھی بطانہ کہتے ہیں۔

۲ کم ضمیر سے مراد مسلمان ہیں یعنی وہ جو تم سے رتبہ میں کم ہے۔ یہ مسلمانوں کی نعت ہے کیونکہ وہی دنیا و آخرت میں بلند ہوتے ہیں اور راہنمائی کی جا رہی ہے کہ دوستی کے لئے اچھے لوگوں کا انتخاب کیا جائے نہ کہ ادنیٰ لوگوں کا کیونکہ برے ساتھی سے تو تنہائی بہتر ہوتی ہے اور نیک دوست تنہائی سے بہتر ہوتا ہے من دونکم کا کل اہل خواء کو بھی شامل ہے جیسے رافضی خارجی اور اس قسم کے لوگ جس طرح کفار سے ایسی دوستی جائز نہیں۔ اسی طرح ان لوگوں سے دلی لگاؤ درست نہیں۔ من دونکم کا کلمہ لاتتخذوا کے متعلق ہے یا یہ ظرف مستقر ہے جو بطانہ کی صفت ہے یعنی مسلمانوں کے علاوہ کسی کو راز دار نہ بناؤ یا راز دار نہ بناؤ انہیں جو ان کے علاوہ ہوں۔

۳ وہ کچھ کمی نہیں چھوڑتے یعنی وہ لوگ جو تمہارے دین پر نہیں خبالاً سے مراد شر اور فساد ہے بلکہ وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں ایسے معاملات میں صرف کر دیتے ہیں جو تمہیں نقصان پہنچاتے ہوں۔ خبالاً یہ لا یالونکم کا مفعول ثانی ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ وہ منع یا نقص

1۔ تفسیر طبری، جلد 4، صفحہ 40 (الامیریہ)

کے معنی اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے یا حرف جر کے محذوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی لا یالونکم فی الخبال۔

۴۔ یہاں ما مصدریہ ہے۔ وہ تمہارے لئے تکلیف اور مشقت کی آرزو کرتے ہیں۔

۵۔ وہ بغض کی زیادتی کی وجہ سے اپنے نفسوں کے مالک نہیں۔ وہ بغیر ارادہ کے تمہارے متعلق ایسی باتیں کرتے ہیں جو تمہیں تکلیف دیتی ہیں۔

۶۔ یعنی وہ بغض جو وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں اس سے بڑھ کر ہے جو وہ ظاہر کرتے ہیں کیونکہ وہ مکر اور دھوکہ کرتے ہوئے تمہارے لئے محبت کو ظاہر کرتے ہیں۔

۷۔ ایسی نشانیاں ہیں جو ان کی دشمنی پر دلالت کرتی ہیں یا اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص مومنوں کیساتھ دوستی اور کفار کے ساتھ دشمنی پر دلالت کرتی ہیں چار جملے مستانفے ہیں اور علت بیان کر رہے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ پہلے تین جملے بطانہ کی صفت ہوں۔ دونوں تقدیروں کی بنا پر کہ ان جملوں کے ساتھ علت بیان کی گئی ہو یا ان کے ساتھ قید لگائی گئی ہو اس بات کا فائدہ دیتے ہیں کہ جب کافر مومن کے ایمان کی وجہ سے عداوت نہ رکھتا ہو، اسے نقصان پہنچانے کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو مومن اور اس کے درمیان رشتہ داری یا کسی اور وجہ سے تعلق ہو تو اس موالات میں کوئی حرج نہیں جس طرح حضور ﷺ کو ابو طالب اور حضرت عباسؓ کے ساتھ ان کے اسلام لانے سے پہلے محبت تھی۔ حضرت عباسؓ سے مروی ہے یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے ابو طالب کو کوئی نفع پہنچایا کیونکہ وہ آپ کی حمایت کرتے اور آپ کی وجہ سے لوگوں سے ناراض ہوتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں جہنم کی آگ ان کے ٹخنوں تک ہوگی۔ اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوتے (1) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ بزار نے اسی کی مثل حضرت جابر سے امام مسلم نے حذیفہ اور ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے۔

۸۔ یہ شرط ہے اور سابقہ کلام کی وجہ سے جزاء سے مستغنی ہے یعنی ان کی موالات سے رک جاؤ انہیں دشمن جانو، اللہ تعالیٰ کے لئے مخلص ہو جاؤ اور مسلمانوں سے دوستی اختیار کرو۔

هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَ لَا یُحِبُّوْنَكُمْ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَ اِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَ اِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾

"سنو! تم تو وہ (پاک دل) ہو کہ محبت کرتے ہو ان سے ۱؎ اور وہ (ذرا) محبت نہیں کرتے تم سے ۲؎ اور مانتے ہو تم سب کتابوں کو ۳؎ اور جب وہ تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے ۴؎ اور جب وہ تنہا ہوتے ہیں تو چباتے ہیں تم پر انگلیاں غصے سے ۵؎ (اے حبیب) آپ فرمایئے ۶؎ مر جاؤ اپنے غصہ میں (کی آگ میں جل کر) یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے دل کی باتوں کا ۸؎ "

۱؎ تمہارے رشتہ دار ہیں یا وہ تمہارے دوست ہیں۔

۲؎ دین میں مخالفت کی وجہ سے وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔ ھا تنبیہ کے لئے ہے جو وہ اپنی خطاؤں میں غفلت کرتے تھے۔ انتم مبتدا ہے اور اولاء اس کی خبر ہے، یعنی تم وہی لوگ ہو جو کفار کی محبت میں خطا کرنے والے ہو مابعد جملہ ان کی خطا کی وضاحت کرنے والا ہے۔ رضی نے کہا اسم اشارہ کے بعد واقع ہونے والا جملہ مستغرب کے بیان کے لئے ہے۔ اس کا اعراب میں کوئی محل نہیں بلکہ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ امام بیضاوی

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 115 (قدیمی)

نے کہا یا انتم کی دوسری خبر ہے یا یہ اولاء کی خبر ہے اور جملہ انتم کی خبر ہے[1] یہ بھی جائز ہے کہ اولاء، الذی کے معنی میں ہو اور اس کا مابعد اس کا صلہ ہو، اسم موصول صلہ کے ساتھ مل کر انتم کی خبر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ تحبونھم حال ہو اور اس میں عامل اسم اشارہ کا معنی ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اولاء منادیٰ ہو جس کا صرف ندا محذوف ہو اور اس کا ما بعد انتم کی خبر ہو، تقدیر کلام یوں ہوگی اَنْتُمْ یَا اُولَاءِ الْخَاطِئُوْنَ بِمُوَالَاةِ الْکُفَّارِ تُحِبُّوْنَهُمْ۔ یہ بھی جائز ہے کہ اولاء ایسے فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہو جس کی تفسیر مابعد کلام کرتا ہے اور جملہ انتم کی خبر ہو اور اولاء کا مشار الیہ کفار ہوں اور ولا یحبونکم میں واؤ حالیہ ہو۔ معنی یہ ہوا اگر تم اے مومنو! ان کفار سے محبت کرتے ہو جبکہ حال یہ ہے کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔

۳ یہاں الکتب پر الف لام جنسی ہے۔ معنی یہ ہوگا تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو یا یہ الف لام عہدی ہوگا، یعنی تم تمام تورات پر ایمان رکھتے ہو اور جملہ لا یحبونکم کے مفعول سے حال ہوگا جبکہ مبتدا مقدر ہوگا تا کہ واؤ کو حالیہ بنانا صحیح ہو۔ تقدیر کلام یوں ہوگی و انتم تومنون یہاں مبتدا کو جملہ فعلیہ پر حصر کے لئے مقدم کیا گیا ہے، یعنی کفار ایمان نہیں لاتے۔ معنی یہ ہوگا وہ تم سے محبت نہیں کرتے جبکہ تم ان کی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو تو تمہیں کیا پڑی کہ تم ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تمہاری کتاب میں سے کسی چیز پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ وہ تو پوری تورات پر بھی ایمان نہیں رکھتے کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کی نعت کا انکار کرتے ہیں۔ اس میں اس بات پر توبیخ ہے کہ وہ اپنے باطل میں تمہارے حق کی بنسبت زیادہ سخت ہیں۔

۴ نفاق کے طور پر کہتے ہیں ہم اسی طرح ایمان لائے جس طرح تم حضرت محمد ﷺ اور قرآن پر ایمان لائے۔

۵ جب تنہا ہوتے ہیں۔ یہاں من اجلیہ ہے۔ صحاح میں ہے غیظ سخت غصہ کو کہتے ہیں، یہ وہ حرارت ہوتی ہے جو انسان دل کے خون کے جوش کی وجہ سے پاتا ہے، یعنی وہ اپنے پورے افسوس اور حسرت کرتے ہوئے کاٹتے ہیں۔ جب تمہاری حکومت کو دیکھتے ہیں اور تمہیں نقصان پہنچانے کی کوئی راہ نہیں پاتے کیونکہ انہیں تم پر سخت غصہ ہوتا ہے اور اس لئے بھی انہیں اپنا قول امنا ناپسند ہے جبکہ وہ یہ قول کرنے پر مجبور بھی ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ عَضُّوْا عَلَیْکُمُ الْاَنَامِلَ سے مراد شدید غصہ ہو، اگرچہ وہاں پوروں کا کاٹنا نہ بھی ہو۔

۶ اے محمد ﷺ یا خطاب تمام مومنوں کو ہے، مابعد کلام میں مومنوں کو ان کی عداوت پر بھڑکانا اور کفار کے ساتھ ایسے خطاب سے خطاب کرنے پر جوش دلانا ہے جو دشمنوں سے خطاب کیا جاتا ہے کیونکہ زبان کا زخم شمشیر کے زخم سے بھی بڑھ کر محبت کو ختم کرنے والا ہوتا ہے۔

۷ اے کفار اور منافقین مر جاؤ اپنے غصہ میں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ ان کے دائمی اور اسلام کی قوت کے بڑھنے کے ساتھ ان کے غصہ میں زیادتی کی بددعا ہے۔ اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ جس کے لئے بددعا کی جا رہی ہے اس سے خطاب نہیں بلکہ دعا اللہ سے کی گئی ہے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ انہیں خبر دی جا رہی ہے کہ تم وہ چیز نہیں دیکھو گے جو تمہیں خوش کرے گی اور یہ بتانا ہے کہ ہم تمہاری عداوت پر مطلع ہیں۔

۸ یعنی تمہارے سینوں میں جو غصہ ہے اللہ تعالیٰ اس سے آگاہ ہے اور یہ اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ یہ بھی مقول ہو یعنی انہیں فرما دیجئے بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتا ہے دنیا میں تمہیں ذلیل و رسوا کرے گا اور آخرت میں تمہیں عذاب دے گا تمہارا ان باتوں کو چھپائے رکھنا تمہیں کچھ فائدہ نہ دے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مقولہ نہ ہو اور ماقبل کے ساتھ متصل ہو جس طرح بعد والے جملے ماقبل کے ساتھ متصل ہیں۔ یعنی اگر تم نہیں جانتے کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور وہ تم پر غصے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ تو اس کو جانتا ہے پس تم پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو حکم دیا ہے اس کی پیروی کرو۔ حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ان سے بغض کرو باہمی تعلقات کی

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 87 (فراس)

وجہ سے ان سے محبت نہ کرو۔

إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾

"(ان کا حال تو یہ ہے کہ) اگر پہنچے تمہیں کوئی بھلائی ۱؎ تو بری لگتی ہے انہیں ۲؎ اور اگر پہنچے تمہیں کوئی تکلیف ۳؎ تو (بڑے) خوش ہوتے ہیں اس سے ۴؎ اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو ۵؎ تو نہ نقصان پہنچائے گا تمہیں ان کا فریب ۶؎ کچھ بھی ۷؎ بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں (اس کا) احاطہ کئے ہوئے ہے ۸؎"

۱؎ کم سے مراد مومن ہیں۔ حَسَنَةٌ سے مراد ظہور اسلام کی نعمت تمہارا دشمنوں کے اوپر غلبہ، غنیمت کا حصول اور معاش میں خوشحالی ہے۔

۲؎ یہ انہیں غمگین کر دیتی ہے۔ اس کی وجہ محض حسد ہے۔ حَسَنَةٌ کے لفظ میں اس بات کا شعور دلاتا ہے کہ وہ معمولی سی نعمت جو تمہیں پہنچتی ہے اس پر بھی غمگین ہو جاتے ہیں۔

۳؎ سیئہ سے مراد ایسی چیز جو تمہیں تکلیف دے جیسے دشمن کا تم پر فتح مند ہونا یا رزق کی تنگی ہونا یا شکست۔

۴؎ جس طرح ایک انسان دشمن کی تکلیف پر خوش ہوتا ہے، تمہاری تکلیف پر وہ بھی خوش ہوتے ہیں۔ یہ جملہ شرطیہ ان کی عداوت کی انتہاء کو بیان کرنے کے لئے ہے۔ سابقہ جملہ شرطیہ کے ساتھ متصل ہے، درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

۵؎ اگر تم ان کی اذیت دینے پر صبر کرو یا تمام مصائب پر صبر کرو یا امور شرعیہ بجالانے پر صبر کرو ان کے ساتھ دوستی کرنے سے بچو۔ اسی طرح دوسری محرمات سے بھی بچو۔

۶؎ اہل کوفہ اور اہل شام نے ضاد کے ضمہ اور راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ ضرر سے مشتق ہے اور جواب شرط کی وجہ سے مجزوم ہے۔ راء پر ضمہ ماقبل ضمہ کی اتباع کی وجہ سے ہے، جس طرح مُدُّ میں دال پر ضم پڑھا جاتا ہے۔ حجاز اور بصرہ کے قراء نے ضاد کے کسرہ اور راء کو مجزوم پڑھا ہے۔ اس وقت یہ ضار یضیر سے مشتق ہوگا۔

۷؎ یعنی کفار نے مخفی طریقہ سے تمہیں جو نقصان پہنچانے کا قصد کیا ہے۔

۸؎ تھوڑی تکلیف یعنی ان کا مکر تمہیں کچھ تکلیف نہ دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صابرین اور متقین سے فضل اور حفاظت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ تقویٰ اور صبر میں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے والا بہت کم متاثر ہوتا ہے اور مد مقابل پر زیادہ جری ہوتا ہے۔ مومن مصیبت میں اس ثواب کی امید رکھتا ہے جس کا مومن سے وعدہ کیا گیا ہے اس لئے وہ مصیبت میں نعمت کے حصول سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔ عاشق کو اگر یہ علم ہو کہ اسے یہ مصیبت اس کے محبوب کی طرف سے ہے تو وہ نعمت سے زیادہ اس مصیبت سے لطف اندوز ہوتا ہے کیونکہ محبوب کی مراد اس کی اپنی مراد سے زیادہ لطف کا باعث ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ میں ایک روز حضور ﷺ کے پیچھے تھا آپ نے فرمایا اے لڑکے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو وہ تیری حفاظت کرے گا اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرو تو اسے اپنے سامنے پائے گا، جب تو سوال کرے تو اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کر، جب تو کسی سے مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر، یہ بات ذہن نشین کر لو اگر تمام لوگ تجھے نقصان پہنچانے پر اتفاق کر لیں تو وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں

کے انکار تک ہی جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا ہے، قلمیں اٹھا دی گئیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں (1) اسے امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن صحیح کہا۔ حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں اگر لوگ اس کو پکڑ لیں تو یہ ان کے لئے کافی ہو جائے۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (2) اسے امام احمد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا رب ارشاد فرماتا ہے اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو میں رات کے وقت ان پر رحمت کی بارش نازل کروں گا اور دن کے وقت ان پر سورج طلوع کروں گا، میں انہیں کڑک کی آواز نہیں سناؤں گا (3) اسے امام احمد نے روایت کیا۔ حضرت صہیب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کی عجیب شان ہے، اس کا ہر امر اس کے لئے خیر ہے، یہ شرف صرف مومن کو حاصل ہوتا ہے، اگر اسے خوشی نصیب ہوتی ہے تو وہ شکر بجا لاتا ہے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے، اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے (4) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

ؒ یعنی کفار جو مومنوں کو تکلیف دینے کے لئے کوشش کرتے ہیں تو اپنے علم کے ساتھ ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزاء دے گا ان کی تکلیفوں سے مومنوں کو محفوظ رکھے گا اگر چاہے گا اگر اس نے تمہیں تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا تو تمہیں اس پر بدلہ دے گا۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾

"اور یاد کرو (اے محبوب) جب صبح سویرے رخصت ہوئے آپ اپنے گھروں سے (اور میدان احد میں) بٹھا رہے تھے مومنوں کو مورچوں پر جنگ کے لئے اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔"

لے تُبَوِّئُ کا معنی ہے آپ انہیں بٹھا رہے تھے اور درست کر رہے تھے۔ مقاعد سے مراد جگہیں اور کھڑے ہونے کے مقامات، میمنہ، قلب ساقہ (فوج کا پچھلا حصہ) للقتال تبوی کے متعلق ہے، یعنی اقوال کو سننے والا اور نیتوں کو جاننے والا ہے۔

حسن بصری نے کہا یہ غزوہ بدر کے بارے میں نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا یہ یوم احزاب کے بارے میں نازل ہوئی جبکہ باقی تمام مفسرین نے کہا یہ غزوہ احد کے بارے نازل ہوئی اور یہی قول صحیح ہے۔ (5) ابن ابی حاتم اور ابو یعلی نے مسور بن مخرمہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے عبدالرحمن بن عوف سے کہا مجھے غزوہ احد کے بارے میں بتاؤ انہوں نے فرمایا سورۂ آل عمران کی ایک سو بیس نمبر آیت کے بعد پڑھو تم ہمارے قصہ کو پا لو گے، یعنی یہ اور اس کے بعد والی آیات۔ (6) ابن اسحاق نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد کے متعلق آل عمران کی ساٹھ آیات نازل فرمائیں، ان میں ان لوگوں کے اوصاف کا ذکر ہے جو اس میں شریک ہوئے اور جو غائب ہوئے ان پر عتاب ہے۔ مجاہد کلبی اور واقدی نے کہا رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ سے باہر تشریف لائے، آپ پیدل احد تشریف لے گئے اور جنگ کے لئے صحابہ کو صفوں میں سیدھا کھڑا کیا جس طرح تیر سیدھا کیا جاتا ہے (7) ابن جریر اور بیہقی نے دلائل میں محمد بن اسحاق کے واسطہ سے نقل کیا ہے۔ عبدالرزاق نے مصنف میں معمر سے اور وہ زہری سے نقل کرتے ہیں کہ مشرکین مکہ بروز بدھ مورخہ 12 شوال ہجرت کے تیسرے سال احد پہنچے ان کی تعداد تین ہزار تھی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور عبداللہ بن ابی ابن سلول کو بھی بلا بھیجا، جبکہ اس سے قبل آپ نے اسے مشورہ کے لئے طلب نہیں کیا تھا۔ اس نے اور اکثر انصار نے یہی عرض کی یا رسول اللہ آپ مدینہ طیبہ میں تشریف فرما رہیں، آپ ان کی طرف

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 74 (وزارت تعلیم) 2۔ تاریخ بغداد للخطیب البغدادی، جلد 5، صفحہ 413
3۔ کنز العمال، جلد 15، صفحہ 777 (التراث الاسلامی) 4۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 413 (قدیمی) 5۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 344 (التجاریہ)
6۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 120 (العلمیہ) 7۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 344 (التجاریہ)

تشریف نہ لے جائیں۔ قسم بخدا ہم جب بھی دشمن کے ساتھ جنگ کے لئے باہر نکلے ہیں ہمیں شکست ہوئی اور جب بھی ہم پر کوئی لشکر باہر سے مدینہ پر حملہ آور ہوا اسے شکست ہوئی ہمیں جنگ سے کیا پڑی ہے، جبکہ آپ ہمارے درمیان تشریف فرما ہیں، آپ انہیں رہنے دیجئے، اگر وہ وہاں ہی ٹھہرے رہے تو بڑی جگہ ٹھہریں گے، اگر وہ ہمارے شہر پر حملہ آور ہوئے تو مرد ان کا مقابلہ کریں گے، عورتیں اور بچے انہیں اوپر سے پتھر ماریں گے، اگر لوٹ گئے تو خائب و خاسر لوٹیں گے(1) حمزہ بن عبد المطلب، سعد بن عبادہ و نعمان بن مالک، اور انصار کے وہ نوجوان صحابہ جو غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوئے تھے، جو شہادت کے طالب اور دشمنوں سے جنگ کے خواہشمند تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد میں شہادت بھی عطا فرمائی، نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمیں ان کتوں کی طرف لے چلئے، وہ یہ خیال نہ کریں کہ ہم بزدل ہیں اور کمزور ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں ایک گائے دیکھی ہے، میں نے اسے خیر سمجھا، میں نے اپنی تلوار کو ٹوٹا ہوا دیکھا ہے جس کی تاویل میں نے شکست سے کی ہے، میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میں نے اپنا ہاتھ مضبوط زرہ میں داخل کیا ہے، میں نے اس کی تاویل مدینہ سے کی ہے، اگر تمہاری بھی یہی رائے ہو تو تم مدینہ میں ٹھہرو۔ حضور ﷺ کو یہی بات پسند تھی کہ دشمن مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہو، یہ لوگ ان سے گلی کوچوں میں لڑیں(2) امام احمد، نسائی اور دارمی نے سند صحیح کے ساتھ رَاَیْتُ فِیْ دِرْعٍ حَصِیْنَۃٍ وَّ رَاَیْتُ بَقَرًا تُنْحَرُ" اللہ کی قسم میں نے محفوظ زرہ کی تاویل مدینہ سے کی اور بقر کی خیر سے تاویل کی۔ بزار اور طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی جب ابو سفیان اور اس کا لشکر احد میں پڑاؤ ڈال چکا، رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا میں نے خواب دیکھا ہے میری تلوار ذوالفقار ٹوٹ گئی ہے، اس کی تعبیر مصیبت ہے، میں نے ایک ذبح کی ہوئی گائے دیکھی ہے، یہ بھی مصیبت ہے، میں نے اپنے اوپر زرہ دیکھی ہے، جو مدینہ طیبہ ہے ان شاء اللہ وہ یہاں نہیں پہنچیں گے۔(3) ابن اسحاق، ابن عقبہ، ابن سعد اور دوسرے علماء نے کہا یہ خواب جمعہ کی رات کو آپ نے دیکھا تھا۔ عروہ نے کہا جو آپ نے اپنی تلوار کے بارے میں خواب دیکھا تھا۔ اس کی تعبیر آپ کے چہرہ پر زخموں کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ ابن ہشام نے کہا تلوار میں دندانوں سے مراد میرے خاندان کا ایک آدمی شہید کیا جائے گا۔ ایک اور روایت میں ہے پھر میں نے اپنی تلوار کو لہرایا تو پھر وہ پہلے کی طرح اچھی ہوگئی تو اس سے مراد فتح ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی(4) حمزہ نے کہا اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ پر وحی نازل کی میں آج کھانا نہیں کھاؤں گا یہاں تک کہ میں ان سے مدینہ طیبہ سے باہر جنگ نہ کرلوں۔ وہ جمعہ کے روز روزہ سے تھے اور ہفتہ کے روز بھی روزہ سے رہے نعمان بن مالک نے کہا یا رسول اللہ ہمیں جنت سے محروم نہ کیجئے، قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں اس میں ضرور داخل ہوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کس وجہ سے انہوں نے عرض کی میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں میدان جنگ سے نہیں بھاگوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو نے سچ کہا۔ وہ غزوہ احد میں شہید ہوگئے۔ مالک بن سنان خدری اور ایاس بن عتیک نے بھی مدینہ طیبہ سے باہر ہی جنگ کرنے کی رائے دی۔(5)

جب لوگوں نے باہر نکلنے کی رائے دی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو جمع کیا نماز پڑھائی، نصیحت فرمائی اور محنت و کوشش کرنے کا حکم دیا اور انہیں خبر دی کہ جب تک وہ ثابت قدم رہیں گے، فتح انہیں حاصل ہوگی۔ لوگ دشمن کی طرف نکلنے پر خوش ہوگئے اور کثیر لوگوں نے باہر جانے کو ناپسند کیا۔ حضور ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی اور ارد گرد لوگ آگئے اور اپنی عورتوں کو قلعوں پر پہنچا دیا۔ حضور ﷺ گھر میں داخل ہوئے جبکہ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر تھے۔ لوگ آپ کے حجرہ سے آپ کے منبر تک صفیں بنائے ہوئے آپ کی آمد کا انتظار کر

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 344 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ کنز العمال، جلد 15، صفحہ 380، حدیث نمبر 41468
4۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر، جلد 4، صفحہ 11 5۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 121 (العلمیہ)

رہے تھے۔اسی اثناء میں حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر آئے۔لوگوں سے کہا تم نے رسول اللہ ﷺ کو مجبور کیا اور وہ باتیں کی جو مناسب نہ تھیں جبکہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوتی ہے۔اپنے معاملہ کو آپ کے سپرد کر دو جو آپ حکم دیں وہ کرو۔حضور ﷺ باہر تشریف لائے جبکہ آپ نے اسلحہ اور زرہ زیب تن کر رکھی تھی،تلوار کے پٹے سے اپنی کمر کو باندھ رکھا تھا،سر پر عمامہ مبارک تھا اور تلوار لٹکائی ہوئی تھی۔ لوگ اپنے کئے پر شرمندہ ہوئے،عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم نے آپ کو مجبور کیا جبکہ ہمارا یہ حق نہ تھا،اگر آپ چاہیں تو یہیں قیام کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہیں اسی چیز کو اپنانے کی دعوت دی تھی تم نے اسے قبول نہ کیا،کسی نبی کو زیبا نہیں جب وہ زرہ پہن لے تو جنگ کرنے سے پہلے اسے اتار دے۔(1) دیکھو میں تمہیں جو حکم دوں اس کی پیروی کرو اللہ کا نام لے کر چل پڑو جب تک تم صبر کرو گے اس وقت تک فتح تمہاری ہوگی۔آپ نے دیکھا کہ مالک بن عمرو نجاری فوت ہو گئے ہیں لوگ آپ کی میت جنازہ گاہ میں لائے آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی پھر آپ نکلے،آپ اپنے گھوڑے سکب (نام) پر سوار ہوئے،کمان کاندھے پر لٹکائی۔حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ دونوں زرہ پہنے ہوئے تھے۔لوگ آپ کے دائیں بائیں چل رہے تھے۔جب آپ ثنیہ کے کنارے پہنچے تو آپ نے ایک بہادر طاقتور لشکر دیکھا،پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا یہ عبداللہ بن ابی کے یہودی حلیف ہیں۔آپ نے پوچھا انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ لوگوں نے بتایا نہیں۔آپ نے فرمایا ہم مشرکوں کے خلاف مشرکوں سے مدد طلب نہیں کرتے۔رسول اللہ ﷺ چلتے رہے یہاں تک کہ شیخین کے مقام پر آپ نے صف بندی کی۔یہ دونوں چوٹیاں ہیں۔حضور ﷺ کی خدمت میں لشکر پیش کیا گیا۔آپ نے ان میں کچھ چھوٹے بچے دیکھے۔آپ نے انہیں واپس کر دیا۔آپ نے سترہ لڑکوں کو واپس کیا جن کی عمریں چودہ سال تھیں۔آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ان میں عبداللہ بن عمر،زید بن ثابت،اسامہ بن زید،زید بن ارقم،براء بن عازب،ابو سعید خدری اور اوس بن ثابت انصاری۔ حضور ﷺ نے رافع بن خدیج کو لوٹانے کے بعد اجازت مرحمت فرمائی جب آپ کو یہ بتایا گیا کہ وہ تیر انداز ہے۔سمرہ بن جندب نے عرض کی حضور نے رافع بن خدیج کو اجازت دے دی ہے اور مجھے واپس کر دیا ہے جبکہ میں انہیں پچھاڑ سکتا ہوں۔رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا۔ فرمایا دونوں کشتی کریں تو سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا۔حضور ﷺ نے اسے بھی اجازت دی(2) جب آپ لشکر کے معائنہ سے فارغ ہوئے اور سورج غروب ہو گیا۔حضرت بلال نے مغرب کی اذان دی۔رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو نماز پڑھائی۔پھر عشاء کی اذان ہوئی۔حضور ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھائی۔آپ نے رات شیخین پر ہی گزاری۔آپ نے پہرہ کے لئے محمد بن مسلمہ کو پچاس آدمیوں کیساتھ متعین فرمایا جو لشکر پر چکر لگاتے رہے۔رسول اللہ ﷺ آرام سے فرماتے رہے،یہاں تک فجر صادق طلوع ہوئی۔آپ نے صبح کی نماز پڑھی۔پھر آپ نے پوچھا تم میں سے کوئی ایسا آدمی ہے جو اس ٹیلے سے ہمیں نکال کر لے جائے مگر دشمنوں پر ہمارا گزر بھی نہ ہو تو ابو خیثمہ حارثی اٹھے۔عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں ایسا کر سکتا ہوں۔وہ بنی حارثہ کے میدان اور ان کے باغوں کے درمیان سے گزرے یہاں تک کہ مربع بن قیظی کے باغ میں سے گزرے۔وہ منافق تھا اور آنکھوں کا اندھا بھی۔جب اس نے محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ گزر رہے ہیں تو ان کے سامنے مٹی اڑانے لگا اور یہ کہتا اگر آپ رسول اللہ ہوتے تب میں آپ کو اپنے باغ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیتا مٹھی بھر مٹی لی۔ پھر کہا قسم بخدا اگر میں جانتا کہ آپ کے سوا کسی کو نہیں ماروں گا تو ضرور آپ کے چہرے پر انہیں مارتا۔صحابہ جلدی سے اسے قتل کرنے کے لئے آگے بڑھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے قتل نہ کرو،یہ اندھا آنکھوں اور دل دونوں کا اندھا ہے۔سعد بن زید اشہلی حضور کے منع کرنے سے پہلے ہی اس تک پہنچ گئے۔اسے کمان ماری اور زخمی کر دیا۔حضور ﷺ ایک ہزار افراد کے ساتھ احد کی طرف نکلے تھے ایک قول یہ کیا گیا

1۔الدر المنثور،جلد 2،صفحہ 121 (العلمیہ)	2۔البدایہ والنہایہ،جلد 4،صفحہ 15

ہے کل نو سو پچاس افراد تھے۔ جب لشکروں کے ملنے کی جگہ پہنچے عبداللہ بن ابی ایک تہائی لشکر کے ساتھ الگ ہو گیا۔ کہا ہم کیوں اپنے آپ کو اور اپنی اولادوں کو قتل کریں۔ ابو جابر اسلمی ان کے پیچھے گئے کہا میں تمہیں نبی کریم ﷺ اور تمہاری جانوں کا واسطہ دیتا ہوں ایسا نہ کرو۔ عبداللہ بن ابی نے کہا اگر ہم اسے جنگ سمجھتے تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ رسول اللہ ﷺ سات سو افراد کے ساتھ باقی رہ گئے۔ ایک گھوڑا آپ کا تھا اور ایک گھوڑا ابو بردہ کا تھا۔ ابن عقبہ نے کہا مسلمانوں کے پاس کوئی گھوڑا نہ تھا۔ بنو سلمہ خزرج سے اور بنو حارثہ اوس نے بھی ارادہ کیا کہ وہ بھی عبداللہ بن ابی کے ساتھ واپس چلے جائیں جبکہ یہ دونوں لشکر کے دائیں بائیں متعین تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا اور یہ واپس نہ گئے اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کا یوں ذکر کیا۔(1)

إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَ اللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

"جب ارادہ کیا [1] دو جماعتوں نے [2] تم میں سے [3] کہ ہمت ہار دیں [4] حالانکہ اللہ تعالیٰ دونوں کا مددگار تھا [5] اس لئے اس نے اس لغزش سے بچا لیا اور صرف اللہ پر توکل کرنا چاہئے مومنوں کو [6]۔"

[1] یہ اذ غدوت سے بدل ہے یا یہ ظرف ہے اس میں عامل سمیع علیم ہے۔

[2] اس سے مراد بنو حارثہ اور بنو سلمہ ہیں۔

[3] اس میں ابن ابی کے لئے تعریض ہے کہ وہ تم سے کچھ تعلق نہیں رکھتا تھا، اس وجہ سے اس کے لوٹنے کا ذکر تک نہیں کیا۔

[4] کہ بزدلی اور کمزوری کا اظہار کریں۔

[5] اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرنے والا ہے، یا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اس مصیبت میں گرنے سے بچانے والا ہے، یا اللہ تعالیٰ ان کا مددگار اور ان کے امور کا نگہبان ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ بزدلی اور کمزوری کا اظہار کریں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کریں۔

[6] یہاں ظرف کو حصر کے لئے مقدم کیا گیا ہے، یعنی اسی پر بھروسہ کرو۔ کسی اور پر بھروسہ نہ کرو اس لئے منافقین کے بھاگ جانے سے تمہیں کمزوری نہیں دکھانی چاہئے۔ یہ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی جو ہم نے ارادہ کیا۔ اگر ہم ارادہ نہ کرتے تو وہ ہمیں اتنی خوشی عطا نہ کرتا۔ یعنی خوشی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہمیں عطا کرتا ہے اِللّٰهُ وَلِيُّهُمَا کہ وہ ہمارا ولی ہے۔(2)

پھر انہیں وہ بات یاد دلائی جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرنے کو ثابت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں ان کے لئے فتح کو آسان کر دیا جبکہ ان کی تعداد قلیل بھی تھی اور بے سروسامانی کا عالم تھا۔

وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

"اور بے شک مدد کی تھی تمہاری اللہ تعالیٰ نے (میدان) بدر میں [1] حالانکہ تم بالکل کمزور تھے [2] پس ڈرتے رہا کرو اللہ سے [3] تاکہ تم اس بروقت امداد کا شکر ادا کر سکو [4]۔"

[1] اکثر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ بدر مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ اس چشمے کا نام ہے جو اس جگہ موجود تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ ایک آدمی کا کنواں تھا جس آدمی کو بدر کہتے۔ شعبی کا یہی قول ہے جبکہ علماء نے اس کا انکار کیا ہے۔

[2] اذلة ذلیل کی جمع ہے یہ جملہ کم ضمیر سے حال ہے۔ یہاں اذلة فرمایا ذلائل نہیں فرمایا اس بات پر دلالت کرنے کے لئے کہ وہ تعداد میں کم

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 345 (التجاریہ)　　2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 122 (العلمیہ)

تھے۔ ساتھ ہی ساتھ حالت کمزور، سواریاں کم اور اسلحہ بھی تھوڑا تھا۔ ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی، ستر اونٹ تھے، جن پر باری باری سواری کرتے تھے کل دو گھوڑے تھے ایک حضرت مقداد کا اور دوسرا زبیر بن عوام کا۔

۳؎ ثابت قدم رہنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

۴؎ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو تم پر انعام کیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے اس پر شکر بجالاؤ۔ یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر انعام کیا۔ اس لئے تم شکر بجالاؤ۔ سوال پیدا ہوا کہ یہاں پر شکر کو انعام کی جگہ کیوں رکھا۔ جواب یہ ہے کہ انعام ہی شکر کا سبب ہوتا ہے۔ اس میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ بندے کے لئے ضروری ہے کہ بندہ انعام میں اپنی نظر شکر پر رکھے اور انعام میں رغبت اس لئے رکھے کیونکہ یہ شکر کا وسیلہ ہے۔

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ ﴿١٢٤﴾

"(عجب سہانی گھڑی تھی) جب آپ فرما رہے تھے مومنوں سے کیا۱؎ تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہاری مدد فرمائے تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے گئے ہیں ۲؎"

۱؎ اذ تقول یہ نصر کم کی ظرف ہے، جس طرح قتادہ نے کہا، یہ یوم بدر کو ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مسلمانوں کی مدد فرمائی، جس طرح فرمان باری تعالیٰ ہے فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ، پھر ان کی تعداد تین ہزار ہو گئی پھر پانچ ہزار، جس طرح یہاں ذکر کیا گیا(1) ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور ابن ابی حاتم نے شعبی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو بدر کے روز یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جابر محاربی مشرکین کی مدد کا ارادہ رکھتا ہے تو یہ مسلمانوں پر بڑی شاق گزری(2) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

۲؎ ابن عامر نے منزلین کو باب تفعیل سے پڑھا ہے، مراد کثرت بیان کرنا ہے اور عنکبوت میں انا منزلون پڑھا ہے۔ بہت سے قراء نے نون کے سکون اور زاء کی تخفیف یعنی باب افعال سے پڑھا ہے۔ یہاں الن میں ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اتنی تعداد ان کے لئے کافی نہ ہو ہمزہ کے بعد حرف لا کا ذکر کیا۔ مقصود یہ شعور دلانا تھا کہ وہ اپنی کمزوری تعداد کی کمی دشمنوں کی قوت اور کثرت کی وجہ سے غلبہ پانے سے مایوس ہو چکے تھے۔

بَلَىٰ ۚ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿١٢٥﴾

"ہاں کافی ہے۱؎ بشرطیکہ تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو۲؎ اور اگر آ دھمکیں کفار تم پر تیزی سے۳؎ اسی وقت تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں۴؎"

۱؎ بلی حرف لن کے لئے بعد کا جواب ہے ہاں یہ ان کے لئے کافی ہے پھر تقویٰ اور صبر کی شرط کی بنا؟ پر اللہ تعالیٰ نے زیادتی کا وعدہ کیا تاکہ انہیں ان دونوں چیزوں پر برانگیختہ کیا جائے اور ان کے دلوں کو مضبوط کیا جائے۔

۲؎ جنگ پر صبر کرو، رسول اللہ ﷺ تمہیں جس بات کا حکم دیں اس کے خلاف کرنے سے بچو۔

۳؎ یعنی اسی لمحہ مشرک آ جائیں فور اصل میں فارت القدر فورا کا مصدر ہے۔ جب اس میں جوش پیدا ہوا سے جلدی کے لئے مجاز

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 346 (التجاریہ)　　2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 348 (التجاریہ)

استعمال کیا جاتا ہے۔ پھر اس حالت کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں تراخی نہ ہو۔ معنی یہ ہوگا اگر وہ تمہاری اس کمزوری اور قلت تعداد میں حملہ آور ہو جائیں۔

میری رائے یہ ہے کہ یہاں فوری قید لگانے کا کوئی خاص مفہوم نہیں، بلکہ یہ ترقی کے لئے لایا گیا ہے۔ معنی یہ ہوگا جب تم کچھ عرصہ بعد کفار سے جنگ کرنے پر قوی ہو جاؤ گے۔ اگر اس وقت کفار تم پر حملہ آور ہوں گے تو اللہ تعالیٰ بدرجہ اولیٰ تمہاری مدد فرمائے گا، اگر اب حملہ آور ہوں تب بھی مدد فرمائے گا۔ امداد کا معنی لشکر کی لشکر سے مدد کرنا ہے۔

ابن ابی شیبہ، ابن ابی حاتم نے امام شعبی سے روایت کیا ہے کہ کرز کو شکست کی خبر پہنچی اس نے مشرکین کی مدد نہ کی۔ پس مسلمانوں کی بھی پانچ ہزار فرشتوں سے مدد نہ کی گئی (1) واللہ اعلم ابن کثیر ابو عمرو اور عاصم نے مسومین کو واؤ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے واؤ کے فتح کے ساتھ اسم مفعول کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ تسویم سے باخبر کرنے کے معنی میں ہے۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا گھوڑوں کی پیشانیوں اور دموں میں روئی کے ذریعے آگاہ کیا (2) ابن ابی شیبہ نے مصنف میں عمرو بن اسحاق سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ یوم بدر کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو فرمایا تم بھی نشان لگاؤ کیونکہ فرشتوں نے اپنی ٹوپیوں اور خودوں میں نشان لگا دیئے ہیں۔ ابن جریر نے اسی طرح نقل کیا ہے اور یہ اضافہ کیا ہے۔ یہ وہ پہلا دن تھا جس میں اون بطور نشان رنگی گئی تھی۔ یا یہ اسامہ کے معنی میں ہے یعنی چھوڑنا۔ عروہ بن زبیر نے کہا فرشتے سیاہ گھوڑوں پر تھے جن کے سروں پر زرد عمامے تھے۔ حضرت علی اور ابن عباس نے کہا ان کے سروں پر سفید عمامے تھے جن کے شملوں کو انہوں نے اپنے کندھوں کے درمیان رکھا ہوا تھا، ہشام بن عروہ اور کلبی نے کہا ان پر زرد عمامے تھے جو ان کے کندھوں کے درمیان لٹکے ہوئے تھے (3) قتادہ نے کہا انہوں نے یوم بدر کو صبر کیا، تقویٰ اختیار کیا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کے مطابق ان کی پانچ ہزار فرشتوں سے مدد فرمائی۔ حسن بصری نے کہا یہ پانچ ہزار فرشتے مومنوں کے تاحیات مددگار رہیں گے۔ شرط یہ ہوگی کہ وہ صبر اور تقویٰ اختیار کریں۔ ابن عباس اور مجاہد نے کہا فرشتوں نے صرف یوم بدر کو جہاد کیا باقی غزوات میں وہ حاضر ہوئے لیکن عملاً جہاد نہ کیا۔ وہ صرف بطور مدد کے آتے تھے (4) ایک جماعت نے کہا اللہ تعالیٰ نے یوم بدر کو مسلمانوں سے وعدہ کیا، اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صابر رہیں اور اس کے محارم سے ڈرتے رہیں تو اللہ تعالیٰ تمام جنگوں میں ان کی مدد فرمائے گا لیکن صحابہ صرف یوم احزاب میں اس پر قائم رہے، جب مسلمانوں نے بنی قریظہ اور بنی نضیر کا محاصرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ساتھ ان کی مدد کی۔ عبداللہ بن ابی اوفیٰ نے کہا ہم بنو قریظہ اور بنی نضیر کا اتنا عرصہ محاصرہ کئے رہے جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ ہمیں فتح نصیب نہ ہوئی۔ ہم لوٹ آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا۔ آپ اپنا سر مبارک ہی دھو رہے تھے کہ جبرئیل امین حاضر ہوئے تم نے ہتھیار اتار دیئے جبکہ فرشتوں نے ہتھیار نہیں اتارے۔ رسول اللہ ﷺ نے کپڑا منگوایا، اپنے سر کو لپیٹا اور اسے نہ دھویا۔ پھر آپ نے ہمیں بلایا، ہم تیار ہو گئے یہاں تک کہ ہم بنو قریظہ اور بنو نضیر کے علاقہ میں پہنچ گئے۔ اس روز اللہ تعالیٰ نے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ ہماری مدد فرمائی (5) تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَلَنۡ یَّکۡفِیَکُمۡ یہ غزوہ احد کی حکایت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے صبر اور تقویٰ کی صورت میں مدد کا وعدہ فرمایا تھا لیکن صحابہ نے صبر نہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی۔ اس وجہ سے ان کی مدد نہ ہوئی۔ اس وجہ سے اذ تقول اذ غدوت کا دوسرا بدل ہوگا (6) مجاہد اور ضحاک نے کہا من فورهم کا معنی من غضبهم ہے کیونکہ وہ غزوہ بدر کے غصہ کی وجہ سے غزوہ احد میں جنگ کرنے کے لئے آئے تھے (7) اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ میں مومنوں کے صبر اور تقویٰ کی وجہ سے حضرت جبرئیل اور میکائیل کے ساتھ مدد کی تھی۔ حضرت

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 124 (العلمیہ)　2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 348 (التجاریہ)　3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 348، ایضاً۔　4۔ ایضاً
5۔ ایضاً　6۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 124 (العلمیہ)　7۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 348

سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے میں نے غزوۂ احد کے روز رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ کے ساتھ دو آدمی تھے جو آپ کی طرف سے سخت جنگ کر رہے تھے، جنہوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے، جنہیں میں نے اس سے قبل دیکھا تھا نہ بعد میں(1) متفق علیہ۔ یہ دو آدمی جبرئیل امین اور میکائیل تھے۔ محمد بن اسحاق نے کہا جب غزوۂ احد ہوا تو مسلمان حضور ﷺ سے بکھر گئے بصرف سعد بن مالک رہ گئے، جو تیر اندازی کر رہے تھے اور ایک نوجوان تھا جو انہیں تیر نکال کر دے رہا تھا۔ جب تیر ختم ہو گئے تو جبرئیل امین ان کے پاس آئے، اپنا ترکش ان کے سامنے پھیلایا فرمایا! اے ابواسحاق تیر چلاتے رہو جب معرکہ ختم ہو گیا تو اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا تو سعد بن مالک نے عدم واقفیت کا اظہار کیا۔(2)

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَىٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِۙ﴿۱۲۶﴾

"اور نہیں بنایا فرشتوں کے اترنے کو اللہ نے مگر خوشخبری تمہارے لئے ۱؎ اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اس سے اور ۲؎ (حقیقت تو یہ ہے کہ) نہیں ہے فتح و نصرت مگر اللہ کی طرف سے ۳؎ جو سب پر غالب (اور) حکمت والا ہے ۴؎"

۱؎ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی صورت میں امداد کو نہیں بنایا مگر خوشخبری تمہارے لئے مدد کی صورت میں۔

۲؎ پس تم دشمنوں کی کثرت اور اپنی تعداد کی قلت سے خوف زدہ نہیں ہوتے۔ انسان اسباب کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا عادی ہے۔ جب حمائتیوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے تو فتح کے اسباب کو ملاحظہ کرتے ہوئے اس کا دل مطمئن ہوتا ہے۔

۳؎ حقیقت میں فتح اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، نہ اسلحہ سے، نہ ہی تعداد کی زیادتی سے کیونکہ اسباب سب کے سب عادیہ ہیں اور بندے خواہ انسان ہوں یا فرشتے ان کے افعال اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہوتے ہیں۔

۴؎ جو غالب ہے اس پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا جو واسطے کے ساتھ یا بغیر واسطہ فتح دیتا ہے یا ذلت عطا کرتا ہے، سب اس کی حکمت کا نتیجہ ہوتا ہے یہ سب بطور احسان ہوتا ہے اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔

لِیَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْ یَكْبِتَهُمْ فَیَنْقَلِبُوْا خَآىٕبِیْنَ﴿۱۲۷﴾

"(یہ مدد اس لئے تھی) تاکہ کاٹ دے ۱؎ ایک حصہ کافروں سے ۲؎ یا ذلیل کر دے ان کو ۳؎ پس لوٹ جائیں نامراد ہو کر ۴؎"

۱؎ یہ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ کے متعلق ہے یا یُمْدِدْكُمْ کے اور مَا النَّصْرُ کے آخری صورت اس وقت صحیح ہوگی جب الف لام عہدی ہوگا۔

۲؎ اس سے مراد طائفہ ہے۔ قاموس میں طرف سے مراد طرف کنارہ کسی شئے کا طائفہ اور معزز آدمی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی تاکہ ان کی جماعت کو ہلاک کر دے تو ان کے سرداروں میں ستر افراد قتل کر دیئے اور ستر آدمی گرفتار کر لئے گئے جس نے اسے غزوہ احد پر محمول کیا ہے تو اس نے کہا ان کے سولہ آدمی قتل کر دیئے گئے تھے اور فتح مسلمانوں کو حاصل ہو رہی تھی مگر مسلمانوں نے حضور ﷺ کے حکم کی مخالفت کی تو معاملہ الٹ ہو گیا۔

۳؎ صحاح میں ہے کبت سے مراد ذلت سے لوٹانا ہے۔ قاموس میں ہے کبتہ یکبتہ اسے پچھاڑ دیا، اسے رسوا کر دیا، اسے پھیر دیا، اسے توڑ دیا دشمن کو غصہ میں اور ذلیل کر کے واپس کر دیا۔ میں یہ کہتا ہوں یہ سب معانی شکست کو لازم ہیں۔ یہاں او کا کلمہ نوع بیان کرنے کے لئے ہے تردید

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 348 (التجاریہ) 2۔ ایضاً

کے لئے نہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی تا کہ کفار کا ایک طائفہ ہلاک ہو جائے اور دوسرا شکست کھا جائے۔
ﷺ وہ ذلیل ورسوا ہو کر اپنے شہروں کو پلٹ جائیں اور جس چیز کا انہوں نے ارادہ کیا تھا اسے حاصل نہ کر سکیں۔

امام مسلم اور امام احمد نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر حضور ﷺ کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ یہاں تک کہ خون آپ کے چہرے پر بہنے لگا۔ آپ نے فرمایا وہ قوم کیسے درست ہو سکتی ہے جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ یہ رویہ اپنایا۔ آپ اپنے رب سے دعا بھی کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(1)

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿١٢٨﴾

"نہیں ہے آپ کا اس معاملہ میں کوئی دخل لے چاہے تو اللہ ان کی توبہ قبول فرمالے اور چاہے تو عذاب دے انہیں ﷺ پس بے شک وہ ظالم ہیں ﷺ"

لے شیئ لیس کا اسم ہے، لک لیس کی خبر ہے اور لام الی کے معنی میں ہے، جس طرح اس آیت کریمہ میں مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ میں لام الی کے معنی میں ہے، من الامر شیئ سے حال ہے۔ امام احمد اور امام بخاری نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا اے اللہ فلاں کو اپنی رحمتوں سے دور کر دے(2) ایک روایت میں ہے اے اللہ ابوسفیان کو اپنی رحمتوں سے دور کر دے، اے اللہ حرث بن ہشام پر لعنت کر، اے اللہ سہیل بن عمرو پر لعنت کر(3) اے اللہ صفوان بن امیہ پر لعنت کر۔ تو یہ آیت آخر تک نازل ہوئی۔ ان سب کو توبہ کی توفیق عطا کی گئی۔ امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ غزوۂ احد میں جو کچھ واقع ہوا اور اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے نماز میں ان کے حق میں بددعا کی، تو یہ آیت دونوں امروں (ا) کے متعلق نازل ہوئی جو پہلے واقع ہو چکا تھا اور جو بددعا کی صورت میں واقع ہوا۔ سعید بن مسیب اور محمد بن اسحاق نے کہا جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے شہداء کو دیکھا کہ ان کے کان، ناک اور شرمگاہیں کاٹ دی گئی ہیں۔ انہوں نے کہا قسم بخدا اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی موقع دیا تو ہم بھی ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جس طرح انہوں نے کیا ہم ان کا مثلہ کریں گے، جیسا عربوں میں سے کسی نے بھی کسی کا مثلہ نہ کیا ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ حضور ﷺ نے ان کی ہلاکت کی بددعا کی(4) تو یہ آیت نازل ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان میں سے کثیر تعداد مسلمان ہوگی۔ لیکن امام مسلم نے جو روایت کی ہے وہ اس میں اشکال پیدا کرتی ہے۔ مسلم شریف کی روایت حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں یہ دعا کرتے اے اللہ رعل، ذکوان اور عصیہ پر لعنت کر، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(5) کیونکہ رعل و ذکوان کا قصہ اس کے بعد وقوع پذیر ہوا۔ یہی بئر معونہ والے ہیں(6) ان کی طرف رسول اللہ ﷺ نے ستر قراء بھیجے تھے تا کہ انہیں قرآن اور علم سکھائیں۔ ان کے امیر منذر بن عمرو تھے۔ عامر بن طفیل نے انہیں قتل کر دیا۔ آپ کو اس واقعہ سے شدید رنج ہوا۔ آپ ایک ماہ تک ان قبائل کے لئے نماز میں لعنت اور قحط کی بددعا کرتے رہے۔ حافظ کہتے ہیں میرے سامنے حضرت ابوہریرہ کی حدیث کی یہ علت ظاہر ہوئی کہ اس میں ادراج (ب) ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان حتی انزل اللہ یہ زہری کی روایت سے منقطع ہے۔ یہ بھی احتمال

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 125 (وزارت تعلیم)   2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 655 (ایضاً)   3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 25 (ایضاً)
(ا) لعنت اور بددعا   4۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 349 (التجاریہ)   5۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 237 (قدیمی)
6۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 237 (قدیمی)   (ب) ایسی چیز حدیث میں شامل کر دینا جو حدیث کا حصہ نہ ہو۔

ہے کہ رعل اور ذکوان کا قصہ غزوۂ احد کے چار ماہ بعد ہوا جبکہ ہجرت کا چوتھا سال اور مہینہ صفر کا تھا۔ شاید یہ آیت ان سب واقعات کے متعلق نازل ہوئی ہے نزول کے سبب سے آیت کا تھوڑی دیر بعد نازل ہونا کوئی عجیب نہیں۔ اس آیت کے شان نزول کے متعلق وہ روایت بھی ہے جو امام بخاری نے اپنی تاریخ اور ابن اسحٰق نے سالم بن عبد اللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ قریش کا ایک آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا آپ ایک چیز سے روکتے ہیں، پھر اس سے پھر جاتے ہیں۔ اس نے اپنی پشت رسول اللہ ﷺ کی طرف کر دی اور اپنی سرین ننگی کر دی حضور ﷺ نے اس کے لئے بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ پھر وہ آدمی مسلمان ہو گیا اور اچھا مسلمان ثابت ہوا یہ مرسل غریب ہے۔

۲؎ اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کی توبہ قبول کرلے اگر وہ کفر پر مصر رہیں تو دنیا میں قتل اور قید کرکے اور آخرت میں جہنم میں ڈال کر۔

۳؎ یہ انہیں عذاب دینے کی علت بیان کی جارہی ہے۔ فراء نے کہا او یتوب میں او کا کلمہ حتیٰ کے معنی میں ہے۔ ابن عیسیٰ نے کہا یہ اِلَّا اَنْ کے معنی میں ہے جس طرح تیرا یہ قول ہے لا لزمنک او تعطینی حقی میں اِلا اَن کے معنی میں ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہوگا انہیں عذاب دینے یا نجات دینے کا معاملہ آپ کے سپرد نہیں کیا گیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اسلام عطا کرکے ان پر نظر رحمت فرمائے جس کے باعث آپ خوش ہو جائیں یا ان کے ظلم کے باعث انہیں عذاب دے جس کی وجہ سے ان سے آپ کی جان چھوٹ جائے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ او یتوب علیھم امر پر معطوف ہو یا شیء پر معطوف ہو جبکہ اس سے پہلے اَن مقدر ہو۔ پھر معنی یہ ہوگا ان کا معاملہ یا ان کی توبہ قبول کرنے یا انہیں عذاب دینے کا معاملہ آپ کے ذمہ نہیں آپ کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ آپ انہیں خبردار کریں اور ان سے جہاد کریں جبکہ معاملہ سب کا سب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

تفتازانی نے کہا یہ خاص کا عام پر عطف ہے اس جیسی کلام میں او کا کلمہ لانا درست نہیں۔ جواب یہ اس وقت اعتراض بنتا ہے جب امر شان کے معنی میں ہو جبکہ یہاں آپ کے لئے جائز ہے کہ آپ امر کو مکلف بنانے اور واجب کرنے کے معنی میں لیں معنی یہ ہوگا جس چیز کا آپ کو حکم دے رہے ہیں، یہ آپ کی طرف سے نہیں امر اور واجبات کو فرض کرنا آپ کے اختیار میں نہیں۔ اسی طرح ان کی توبہ قبول کرنا یا انہیں عذاب دینا آپ کی ذمہ داری نہیں۔

میں کہتا ہوں اگر اس آیت کا نزول ما قبل کے ساتھ متصل ہے تو پھر ظاہر یہ ہے اور یَتُوْبَ عَلَیْھِمْ کا عطف اَوْ یَکْبِتَھُمْ پر ہو پھر معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی تاکہ کافروں کی ایک جماعت کو قتل کے ذریعے ختم کر دے یا شکست دے کر انہیں ذلیل و رسوا کرے یا اسلام عطا کرکے ان پر نظر رحمت فرمائے یا قیدی بنا کر اور فدیہ لے کر ایک جماعت کو مصیبت میں مبتلا کرے۔ یہ کفار کی مختلف حالتوں کا بیان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ یہ جملہ معترضہ ہے اور ان کے حق میں بددعا کرنے سے منع کے لئے لایا گیا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

" اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۱؎ بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے ۲؎ اور سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے ۳؎ اور اللہ بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے ۴؎ "

۱؎ یعنی تخلیق کرنے اور مالک ہونے کے اعتبار سے تمام معاملہ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے کسی اور کے بس میں نہیں۔

۱؎ اپنے فضل اور احسان سے جس کے حق میں بخشش پسند کرتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اسے اسلام کی توفیق دیتا ہے؟ خواہ وہ خود توبہ کرے یا توبہ نہ کرے۔

۲؎ جس کو عذاب دینا چاہے۔ یہ آیت کریمہ اس میں صریح ہے کہ کسی کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں۔

۳؎ اس لئے ان کے حق میں بددعا کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔

فریابی نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ لوگ وقت معین تک باہم بیع وشراء کرتے جب وہ میعاد آ جاتی تو مقروض پر واجب کا اضافہ کر دیتے اور مدت میں بھی زیادتی کر دیتے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

"اے ایمان والو! نہ کھاؤ سود دوگنا چوگنا کر کے اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ ۱؎"

۱؎ اضعافا مضعفۃ سے مراد مکرر زیادتی ہے۔ اس آیت میں سود سے منع کیا گیا ساتھ ہی جو کچھ وہ عمل کرتے رہے اس پر انہیں شرمندہ بھی کیا جا رہا ہے۔ یہ نہی احتراز کے لئے نہیں۔ تقوی سے مراد سود اور دوسری چیزوں کے متعلق جو نہی وارد ہوئی ہے۔ ان معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم ہے۔ یہاں لعل رجا کے معنی میں ہے۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

"اور بچو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے ۱؎"

۱؎ امام بیضاوی نے کہا اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جہنم کی آگ اصل میں کفار کے لئے تیار کی گئی ہے اور بالعرض نافرمان مومنوں کے لئے ہے۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ صفت تخصیص بیان کرنے کے لئے ہے وہ آگ جو کفار کے لئے تیار کی گئی ہے وہ اس آگ سے مختلف ہے جو مومن نافرمانوں کے لئے تیار کی گئی۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ سود خوری دل کی سختی کا سبب بنتی ہے۔ بعض اوقات یہ کفر تک لے جاتی ہے۔ مدارک میں جو روایت ہے وہ اس کی تائید کرتی ہے کہ امام ابو حنیفہ فرمایا کرتے کہ یہ آیت قرآن حکیم کی سب سے زیادہ خوف دلانے والی آیت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دھمکی دی ہے کہ اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے محارم سے اجتناب نہ کیا تو انہیں اس آگ کے ساتھ عذاب دیا جائے گا جو کفار کے لئے تیار کی گئی ہے اور مابعد آیت کے ساتھ اسے مزید قوت دی گئی ہے کہ مومنوں کی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ امید کو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول کی اطاعت کے ساتھ معلق کر دیا ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

"اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کریم کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۱؎"

۱؎ کہ تم اس کی رحمت کی امید رکھتے ہو۔ دونوں تاویلوں میں مرجیہ کا رد ہے کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ مومنوں کو عذاب نہیں ہوگا۔ یعنی یہ بتا جائے کہ بالذات آگ کفار کے لئے تیار کی گئی ہے اور بالعرض مومنوں کے لئے یا کفار کے لئے اور آگ ہے اور مومنوں کے لئے اور آگ ہے۔ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ لعل اور عسی کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو یہ تحقیق (۱) کے معنی میں ہوتے ہیں۔ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ

(۱) جنت بالذات متقین کے لئے تیار کی گئی، دوسرے مومنوں کے لئے یہ بالعرض ہے۔ ۲۔ متقین کے لئے ایک جنت ہے اور دوسرے مومنین کے لئے الگ جنت ہے۔

وجوب کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ امید کا فائدہ دیتا ہے جبکہ ساتھ ساتھ خوف بھی ہو۔ امام بیضاوی نے کہا کہ ان جیسی مثالوں میں لعل اور عسی کا ہونا بعد خبر تک پہنچنے کی دلیل ہوتا ہے۔

وَ سَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ۟ۙ

"اور دوڑو ۱ بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور (دوڑو) جنت کی طرف ۲ جس کی چوڑائی ۳ آسمانوں اور زمین جتنی ہے ۴ جو تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لئے ۵"

۱۔ اس کا عطف اطیعوا پر ہے۔ نافع اور ابن عامر نے واؤ عطف کے حذف کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے واؤ عطف کے ساتھ پڑھا ہے۔

۲۔ ابن عباس سے مروی ہے یہاں مغفرۃ سے مراد اسلام ہے (1) آپ سے ہی دوسری روایت ہے اس سے مراد توبہ ہے (2) عکرمہ کا بھی یہی قول ہے حضرت علی بن ابی طالب نے کہا اس سے مراد فرائض کی ادائیگی ہے (3) حضرت انس بن مالک سے مروی ہے اس سے مراد تکبیر اولی ہے (4) ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسی چیز جو گناہوں سے بخشش کا مستحق بنادے جو جہنم کی آگ سے چھٹکارے کا باعث ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مراد اسلام، صحیح عقائد، اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ ہیں جو جنت میں داخل ہونے کا باعث ہیں۔ پہلے حضرت ابو امامہ کی حدیث گزر چکی ہے۔ بادروا بالاعمال الحدیث، اعمال کی طرف جلدی کرو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک روایت ہے اعمال کی طرف جلدی کرو۔ تم صرف انتظار کرتے ہو ہر چیز بھلا دینے والے فقر کا یا سرکش کر دینے والی غنا کا یا جسم کے نظام تباہ کرنے والے مرض کا، ایسا بڑھاپا جو انسان کو سٹھیا دے۔ اچانک موت یا دجال وہ بدترین انتظار کی چیز ہے یا قیامت کا اور قیامت بہت بڑی مصیبت اور تلخ چیز ہے (5) اسے امام ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

۳۔ یعنی جنت کی وسعت عرضها الجنة کی صفت ہے۔

۴۔ یعنی ان دونوں کی چوڑائی اس کی وسعت ہے۔ یہ بطور تشبیہ کلام کی گئی ہے۔ حقیقت حال کو بیان نہیں کیا گیا کیونکہ انسان کے گمان کے مطابق مسافت مکانیہ کی زیادہ سے زیادہ صورت یہی ہے۔ اس آیت میں زمین و آسمان کی چوڑائی کے ساتھ اسے تشبیہ دی گئی ہے جس طرح رب العالمین کے اس ارشاد خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ میں مسافت زمانیہ کو اس میں ہمیشہ رہنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ لوگوں کا گمان یہی ہے کہ وسعت زمانیہ کے اعتبار سے یہی وسیع ترین ہے۔ امام بغوی نے کہا حضرت انس بن مالک سے جنت کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا جنت آسمان میں ہے یا زمین میں؟ تو انہوں نے جواب دیا کونسا آسمان اور کونسی زمین جنت کو محیط ہو سکتی ہے۔ پھر سوال کیا گیا پھر وہ کہاں ہے تو فرمایا سات آسمانوں سے اوپر اور عرش سے نیچے (6) قتادہ نے کہا ان کی رائے یہ تھی کہ جنت سات آسمانوں سے اوپر ہے اور جہنم سات زمینوں سے نیچے ہے (7) ابو الشیخ نے العظمۃ میں ابو الزعراء سے وہ عبداللہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا جنت ساتویں آسمان میں ہے۔ میں کہتا ہوں یعنی اس سے اوپر ہے اور جہنم ساتویں زمین میں ہے۔ میں کہتا ہوں یعنی سات زمینوں سے نیچے ہے۔

1۔ تفسیر بیضاوی، جلد 4، صفحہ 89 (فراس)
2۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 351 (التجاریہ)
3۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 351 (التجاریہ)
4۔ ایضاً
5۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 54 (وزارت تعلیم)
6۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 351 (التجاریہ)
7۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 315 (التجاریہ)

سے جو حقیقی تقویٰ والے ہیں ان کے لئے تیار کی گئی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دلوں کو غیر اللہ میں مشغول ہونے اور نفس کے رذائل سے محفوظ رکھا اس میں بھی (1) وہی دو تاویلیں جاری ہوں گی جو اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ میں جاری ہوئی تھی۔

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ﴿۱۳۴﴾

"وہ (پرہیزگار) جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی اور تنگ دستی میں ؎۱ اور ضبط کرنے والے ہیں غصہ کو ؎۲ اور درگزر کرنے والے ہیں لوگوں سے ؎۳ اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے احسان کرنے والوں سے ؎۴"

؎۱ جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں مال کی کمی میں۔ قاموس میں اسی طرح ہے، یعنی وہ کسی حال میں بھی انفاق کو نہیں چھوڑتے تھوڑا زیادہ اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔

امام بغوی نے کہا ان کے وہ اخلاق جو جنت کا مستحق بناتے ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلے جس چیز کا ذکر کیا وہ سخاوت ہے (1) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا سخی اللہ کے قریب، جنت کے قریب، لوگوں کے قریب اور جہنم سے دور ہوتا ہے بخیل اللہ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ جاہل سخی بخیل عابد سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اسے امام ترمذی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔(2)

امام بغوی نے اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنَ الْعَالِمِ الْبَخِيْلِ کے الفاظ ذکر کئے ہیں یعنی سخی جاہل بخیل عالم کی بنسبت اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہوتا ہے امام بیہقی نے اسے حضرت جابرؓ سے طبرانی نے حضرت عائشہؓ اور ابن عباس سے مرفوع روایت نقل کی ہے سخاوت اللہ تعالیٰ کا عظیم خلق ہے اسے ابن نجار نے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سخاوت جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے اس کی ٹہنیاں دنیا میں لٹک رہی ہیں جس نے ان میں سے کسی کو پکڑ لیا یہ ٹہنی اسے جنت تک لے جائے گی۔ بخل جہنم کا ایک درخت ہے، اس کی ٹہنیاں دنیا میں لٹک رہی ہیں، جس نے اس کی ٹہنی پکڑ لی یہ ٹہنی اسے جہنم میں پہنچا دے گی۔ اسے دار قطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔(3) حضرت بیہقی نے حضرت علیؓ، ابن عدی اور ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت جابر سے، خطیب نے ابو سعید سے، ابن عساکر نے حضرت انس سے، دیلمی نے مسند فردوس میں معاویہؓ سے اور ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک درہم ایک لاکھ درہم پر سبقت لے گیا۔ ایک آدمی نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ کیسے آپ نے فرمایا ایک آدمی کے پاس کثیر مال ہے، جس نے مال میں سے ایک لاکھ درہم لیا جسے صدقہ کر دیا۔ ایک دوسرا آدمی ہے جس کے پاس کل دو درہم ہیں ان سے ایک لیا اور صدقہ کر دیا(4) اسے نسائی نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔ نیز ابن حبان، ابن خزیمہ اور حاکم نے بھی۔

؎۲ شدید غصہ کے وقت اپنے نفس کو روکنا، یعنی قادر ہونے کے باوجود غصہ پر عمل کرنے سے اپنے آپ کو روکنا یہ کظمت القربة سے مشتق ہے جب تو نے مشکیزہ کو بھرا ہو اور اس کے منہ کو باندھ دیا ہو۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو غصہ کو اس حال میں پی گیا کہ وہ اس کو پورا کرنے پر قادر تھا اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن اور ایمان سے بھر دے گا(5) اسے امام احمد، عبد الرزاق اور ابن ابی الدنیا

(1) اصل میں یہ الفاظ امید کیلئے وضع کیا گئے ہیں۔ امید کا تصور وہاں ہوتا ہے جہاں کسی چیز کا انتظار ہو جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ کسی چیز کا انتظار کرے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 352 (التجاریہ) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 18 (وزارت تعلیم) 3۔ شعب الایمان، جلد 7، صفحہ 345 (العلمیہ)
4۔ سنن نسائی، جلد 1، صفحہ 350 (وزارت تعلیم) 5۔ شعب الایمان، جلد 6، صفحہ 313 (العلمیہ)

نے غضب کی مذمت کے ضمن میں روایت کیا ہے۔

امام بغوی نے حضرت انس سے مرفوع روایت نقل کی ہے جس نے غصہ کو پی لیا جبکہ وہ اسے پورا کرنے پر قادر تھا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے اسے بلائے گا، اسے اختیار دے گا، جس حور کو چاہے اپنے لئے پسند کرے[1]۔ ابن ابی دنیا نے ابن عمر سے مرفوع روایت کیا ہے جس نے اپنے غصہ کو روک لیا اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

ج: کلبی نے کہا وہ اپنے غلاموں کی سوءادبی کو معاف کرتے ہیں۔ زید بن اسلم اور مقاتل نے کہا جو ان پر ظلم کرے اور زیادتی کرے اسے معاف کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک ایسے لوگ میری امت میں تھوڑے ہیں مگر جنہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں مقاتل سے نقل کیا ہے۔ بیہقی نے مسند فردوس میں ابن مالک کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

ج: المحسنین پر الف لام جنسی ہے اور لوگ بھی اس میں داخل ہیں یا الف لام عہد خارجی کا ہے۔ پھر اس سے مراد صرف معاف کرنے والے ہوں گے۔ اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ ان کی مدح کی جائے۔ ساتھ ہی یہ اشارہ کیا جائے کہ یہ محسنین کی صفات ہیں۔

ثوری سے مروی ہے احسان یہ ہے کہ تو زیادتی کرنے والے کے ساتھ اچھا سلوک کرے کیونکہ محسن کے ساتھ احسان کرنا تو اسے بدلہ دینے کی طرح ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شیخین نے حضرت عمر کی حدیث میں روایت کیا کہ حضرت جبرئیل امین نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا ما الاحسان تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اپنے رب کی عبادت کرے، گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا بے شک وہ تمہیں دیکھ رہا ہے[2]۔ میں کہتا ہوں کہ محسنین تو حقیقت میں صوفیاء ہی ہیں شاید کظم الغیظ نفس کو فنا کرنے سے کنایہ ہو کیونکہ غصہ کا مبداء نفس کے رذائل جیسے تکبر، حسد، کینہ، بخل اور اس جیسے دوسرے امور بنتے ہیں۔ شاید العفو عن الناس یہ فنا قلب سے کنایہ ہو کیونکہ فناء قلب سے لوگ نظر اعتبار سے گر جاتے ہیں تو وہ تمام افعال کو اللہ تعالیٰ کی طرف ہی منسوب دیکھتا ہے اس لئے انسان جو بھی کرتا ہے وہ اس سے مؤاخذہ کو جائز نہیں جانتا مگر حقوق اللہ کے معاملہ میں وہ اس بندے کا مواخذہ کرتا ہے۔ وہ بھی صرف اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی ہو اور اظہار بندگی ہو جائے اور شاید انفاق فی السراء والضراء کا معنی اپنے دلوں کو دنیاوی مال و متاع میں مشغول نہ ہونے دینا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں متقین، محسنین اور عافین کا ذکر فرمایا تو ان کے پیچھے تائبین کا ذکر کیا۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۫ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

"اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کر بیٹھیں کوئی برا کام یا ظلم کریں اپنے آپ پر ج (تو فوراً) ذکر کرنے لگتے ہیں اللہ کا اور معافی مانگنے لگتے ہیں اپنے گناہوں کی ج اور کون بخشتا ہے گناہوں کو اللہ کے سوا ج اور نہیں اصرار کرتے ج اس پر جو ان سے سرزد ہوا ج اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں ج"

ج: اسم موصول مبتدا ہے اور اولئک جزاؤھم اس کی خبر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول کا عطف المتقین یا الذین ینفقون پر ہو۔ اس صورت میں اولئک جزاء ھم جملہ مستانفہ ہوگا۔ زیادہ ظاہر پہلا قول ہے۔ ابن مسعودؓ نے کہا مومنین نے عرض کی یا رسول اللہ بنو اسرائیل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سے زیادہ عزت والے تھے۔ ان میں سے جب کوئی گناہ کرتا، جب صبح ہوتی تو اس کا کفارہ ان کے دروازے پر لکھا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 353 (التجاریہ)

2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 27 (قدیمی)

ہوتا، تیری ناک یا تیرا کان کانا جائے (تو ذلیل رسوا ہو) فلاں کام کر۔ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی(1)
عطاء نے کہا یہ آیت نبہان تمار کے حق میں نازل ہوئی۔ اس کی کنیت ابو معبد تھی۔ ایک خوبصورت عورت اس کے پاس آئی جو اسے کھجوریں خریدنا چاہتی تھی۔ ابو معبد نے کہا یہ کھجوریں عمدہ نہیں، گھر میں اس سے اچھی کھجوریں ہیں۔ اس عورت کو گھر لے کر چلے گئے۔ اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا اور اس کا بوسہ لیا۔ اس عورت نے اسے کہا اللہ سے ڈرو تو ابو معبد نے اسے چھوڑ دیا اور سخت شرمندہ ہوا۔ پھر حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور سب واقعہ ذکر کیا۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی(2) مقاتل اور کلبی نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری اور ثقیف قبیلہ کے ایک آدمی کو بھائی بھائی بنایا ثقفی غزوہ میں شرکت کے لئے گیا اور انصاری کو گھر والوں کا ذمہ دار بنایا۔ ایک روز اس نے ان کے لئے گوشت خریدا۔ جب عورت نے اس سے گوشت لینے کا ارادہ کیا تو یہ انصاری اس کے پیچھے پیچھے داخل ہو گیا اور اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ پھر شرمندہ ہوا اور واپس چلا گیا۔ اپنے سر پر مٹی ڈالی اور جس طرف منہ آیا اسی طرف چلا گیا۔ جب ثقفی واپس آیا اس نے انصاری کو نہ پایا تو اس نے اپنی بیوی سے اس انصاری کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ ایسے بھائی نہ بنائے اور تمام واقعہ ذکر کیا جبکہ انصاری توبہ استغفار کرتے ہوئے پہاڑوں میں تسبیح کرتا رہا۔ ثقفی نے اسے تلاش کیا تو اسے پا لیا اور اسے حضرت ابوبکر صدیق کے پاس لے آیا یہ امید کرتے ہوئے کہ ان کے پاس کوئی رحمت یا تسلی پائے۔ انصاری نے کہا میں ہلاک ہو گیا اور تمام قصہ بیان کیا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا تو ہلاک ہو جائے کیا تو جانتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ غازی کے حق میں جتنی غیرت رکھتا ہے، مقیم کے حق میں نہیں رکھتا۔ پھر دونوں حضرت عمر سے ملے۔ حضرت عمر نے بھی یہی بات کی۔ پھر دونوں حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے آپ کے سامنے سب کچھ بیان کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(3) فحش کا معنی قبح اور حد سے نکلنا ہے(4) یہاں فاحشہ سے مراد گناہ کبیرہ ہے کیونکہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا قبح اور عصیان میں حد سے تجاوز کرتا ہے۔ حضرت جابر نے کہا فاحشہ سے مراد بدکاری ہے۔(5)

؂ گناہ صغیرہ کیے یا زنا سے کم درجے کا عمل کیا جیسے بوسہ لینا، معانقہ کرنا اور چھونا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے جب انہوں نے قولاً برا عمل کیا یا فعلاً اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا فاحشہ ایسے عمل کو کہتے ہیں جس کا اثر غیر تک پہنچے اور نفس کا ظلم جو ایسا نہ ہو یہ معنی زیادہ ظاہر ہے۔

؂ اللہ تعالیٰ کی وعید کا ذکر کیا اور یہ یاد کیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے اس بارے میں پوچھے گا تو شرمندہ ہوتے ہوئے توبہ کی اور استغفار کی۔ مقاتل نے کہا انہوں نے گناہوں کے ارتکاب کے وقت زبان سے ذکر کیا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ یہاں ذکر اللہ سے مراد صلوٰۃ استغفار ہے کیونکہ حضرت علی شیر خدا نے حضرت ابوبکر صدیق سے روایت کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ارشاد فرماتے کوئی بندہ مومن، ایک روایت میں ہے کوئی آدمی گناہ کرتا ہے، پھر اچھی طرح وضو کرتا ہے، کھڑا ہوتا ہے نماز پڑھتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے(6) اسے ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان نے روایت کیا۔ امام ترمذی نے ان الفاظ کا اضافہ کیا پھر وہ یہ آیت تلاوت کرتا ہے۔

؂ من استفہامیہ نفی کے معنی میں ہے تو پھر استثناء مفرغ صحیح ہو گیا، یعنی گناہ کو اللہ تعالیٰ ہی معاف کرتا ہے کیونکہ لوگ جو لوگوں کی خطائیں معاف کرتے ہیں، وہ اپنے حقوق معاف کرتے ہیں، وہ ذنوب اور معاصی کو معاف نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں۔ یا یہ کہا جائے گا لوگوں کو معاف کرنے والا انسان وہ اللہ تعالیٰ کی بخشش کی امید پر معاف کرتا ہے۔ پس وہ تو بدلہ طلب کرنے والا ہو گیا۔ گناہ کی بخشش تو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 353-352 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 353 (التجاریہ) 3۔ ایضاً
4۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 353 (التجاریہ) 5۔ ایضاً 6۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 125 (وزارت تعلیم)

بغیر غرض اور منفعت کے ہوتی ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ دو معطوفوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے جس کے یہاں لانے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت، مغفرت کا عموم، استغفار پر برانگیختہ کرنا اور توبہ کے قبول کرنے کے وعدہ کا بیان ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ قول کو مقدر مان کر اسے حال بنایا جائے، یعنی قائلین ومن یغفر یا یہ ذکروا کے مفعول پر معطوف ہے، یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا، اس کی مغفرت طلب کی اور اس صفت میں اس کے یکتا ہونے کا ذکر کیا۔

۵ اصرار کا معنی گناہ میں منہمک ہونا، اس میں سختی کرنا اور اس کا قلع قمع کرنے سے رکنا ہے۔ صحاح میں یہی معنی ذکر کیا گیا ہے، یعنی اس پر قائم نہیں رہتے۔

۶ جو انہوں نے گناہ کیئے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ترک فعل پر عزم استغفار کے لئے شرط ہے جس طرح فعل پر شرمندگی کا اظہار کرنا شرط ہے۔ اس لئے استغفار کے لئے فعل چھوڑنے کا عزم ضروری ہے، اگرچہ اس کے بعد اس سے یہ فعل صادر ہی ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے استغفار کی اس نے اصرار نہیں کیا اگرچہ وہ دن میں ستر دفعہ اعادہ کرے (1) اسے ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوبکر صدیق سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گناہ سے بخشش طلب کرنے والا جبکہ وہ اس گناہ پر قائم بھی ہو وہ اپنے رب سے مذاق کرنے والا ہے (2) اسے بیہقی اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے

مسئلہ: گناہ صغیرہ پر اصرار گناہ کبیرہ ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا استغفار کی صورت میں کبیرہ نہیں ہوتا اور اصرار کی صورت میں صغیرہ نہیں رہتا۔ اسے دیلمی نے مسند فردوس میں نقل کیا ہے۔

۷ یہ لَمْ يُصِرُّوْا میں جمع کی ضمیر سے حال ہے، یعنی انہوں نے اصرار اس لئے ترک کر دیا کیونکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ معصیت ہے۔ انہوں نے گناہ کبیرہ اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے چھوڑا تھا اپنی سستی، طبیعت کی نفرت، بندوں کے خوف یا سہولت نہ ہونے کی وجہ سے نہیں چھوڑا تھا کیونکہ جزا تو اس وقت مرتب ہوتی ہے جب کوئی انسان اطاعت کی نیت کے ساتھ برائی سے رکے صرف فعل نہ کرنے سے جزا نہیں ملتی لیکن وہ جزا جو معصیت پر مرتب ہوتی ہے۔ عدم فعل اس سے بچا لیتا ہے کیونکہ قادر نہ ہونا بھی عصمت ہے۔ ضحاک نے کہا تقدیر کلام یوں ہے کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کی بخشش کا مالک ہے (3) حسین بن فضل نے کہا کہ وہ جانتے ہیں کہ ان کا رب ہے جو گناہ بخش دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ گناہوں کی بخشش اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نہیں کرتا، اگرچہ وہ تعداد میں کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں (4) ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اگر وہ بخشش طلب کریں گے تو انہیں بخش دیا جائے گا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک بندے نے گناہ کیا، اس نے کہا اے میرے رب میں نے گناہ کیا میرے گناہ کو بخش دے تو اس کا رب فرماتا ہے میرے بندے نے جان لیا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ بھی بخش دیتا ہے اور اس پر پکڑ بھی لیتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا۔ پھر جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ گناہ سے رکا رہا۔ پھر اس نے گناہ کیا۔ اس نے عرض کی اے میرے رب میں نے ایک اور گناہ کیا ہے، اسے بخش دے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے جان لیا ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ بخش دیتا ہے اور اس پر پکڑ بھی کرتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا پھر وہ ٹھہرا رہا جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر اس نے ایک گناہ کیا۔ عرض کی اے میرے رب میں نے ایک اور گناہ کیا ہے، میرے گناہ کو بخش دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے جان لیا ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس پر پکڑ کرتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو معاف

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 195 (وزارت تعلیم)
2۔ شعب الایمان، جلد 5، صفحہ 436 (العلمیہ)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 354 (التجاریہ)
4۔ ایضاً

کر دیا پس وہ جو چاہے کرے (1) متفق علیہ۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے یہ جان لیا کہ میں گناہ بخشنے پر قدرت رکھتا ہوں، میں نے اسے بخش دیا، جب تک اس نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا مجھے کچھ پرواہ نہیں (2) اسے طبرانی اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

أُولَٰئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّٰتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَٰمِلِينَ ﴿١٣٦﴾

"یہ وہ (نیک بخت ہیں) 1 جن کا بدلہ بخشش ہے اپنے رب کی طرف سے اور جنت رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں 2 کیا ہی اچھا بدلہ ہے کام کرنے والوں کا 3"

1 اگر یہ جملہ مستانفہ ہو تو اس کا مشار الیہ متقین اور تائبین سب ہوں گے۔ اگر یہ سابقہ اسم موصول کی خبر ہو تو پھر مشار الیہ صرف تائبین ہوں گے۔
2 جنات کو نکرہ اس لئے ذکر کیا تا کہ اس بات پر دلالت ہو کہ ان کے لئے جو جنت تیار کی گئی ہے وہ مرتبہ میں اس سے کم ہے جو جنت ان متقین کے لئے تیار کی گئی ہے، جو متقین سابقہ آیت میں مذکورہ صفات سے متصف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت کا اختتام محسنین پر کیا جو اللہ تعالیٰ کی محبت کے مستحق ہیں اور شریعت کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں جبکہ اس آیت کا اختتام العملین پر کیا ہے۔
3 اپنی کوتاہی کا تدارک کرنے والا اس عامل کی طرح ہوتا ہے جو اپنی فوت شدہ چیز کو حاصل کرنے کی تگ و دو کرے، لیکن محسن اور متدارک محبوب اور مزدور میں کتنا بعد اور مسافت ہے؟ یہ دانشمند پر مخفی نہیں۔ شاید اسی نکتہ لطیفہ کی وجہ سے جزاء کی جگہ اجر کا لفظ استعمال فرمایا۔ یہاں مخصوص بالمدح محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ الْمَغْفِرَةُ وَالْجَنّٰتُ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں (3) اسے بیہقی اور ابن عسا کرنے ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ قشیری نے رسالہ میں اور ابن نجار نے حضرت علی سے روایت کیا ہے۔

فائدہ جنت کو متقین اور تائبین کے لئے تیار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں اصرار کرنے والے داخل نہ ہوں گے، جس طرح جہنم کافرین کے لئے بطور جزاء تیار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا اس میں کافروں کے علاوہ کوئی داخل نہ ہوگا۔ یہ کہنا جائز ہوگا کہ گناہ کبیرہ پر اصرار کرنے والے مومن جنت میں اس وقت داخل ہوں گے جب انہیں مغفرت کے بعد گناہوں سے پاک کیا جا چکا ہوگا، خواہ جہنم کے عذاب کے بعد کیونکہ مومن کے حق میں عذاب جہنم اس بھٹی کی مانند ہے جو تانبے کی میل کچیل کو ختم کر دیتی ہے، خواہ بغیر عذاب کے مغفرت کی صورت میں اس وقت نافرمان کو پاکیزگی حاصل کرنے میں تائب کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ ثابت بنانی نے کہا مجھے یہ روایت پہنچی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو شیطان رونے لگا۔

قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَٰقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١٣٧﴾

"گزر چکے ہیں تم سے پہلے (قوموں کے عروج و زوال کے) قاعدے پس سیر کرو زمین میں اور (اپنی آنکھوں سے) دیکھو کہ کیسا انجام ہوا (دعوت حق کو) جھٹلانے والوں کا 1"

1۔ مشکوۃ المصابیح، صفحہ 304-303 (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 355 (التجاریہ) 3۔ شعب الایمان، جلد 5، صفحہ 436 (العلمیہ)

لے سنن سنت کی جمع ہے۔ سنت ایسے راستہ کو کہتے ہیں جس پر چلا جائے، خواہ خیر کا ہو یا شر کا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا اس کے لئے اپنے عمل کا اجر ہے اور جس نے اس راہ پر عمل کیا اس کے عمل کا اجر بھی ہے جبکہ ان کے اجر میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی اور جس نے برا طریقہ ایجاد کیا اس پر اپنے عمل کا بوجھ ہوگا اور جس نے اس پر عمل کیا اس کا بوجھ بھی اس پر ہوگا جبکہ ان کے بوجھ میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی (1) یہ بھی جائز ہے کہ کلام میں سے مضاف حذف ہو، تقدیر کلام یوں ہو اھل سنن ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ سنن کا معنی امتیں ہیں اور سنۃ سے مراد امت ہو ایک شعر ہے۔

لوگوں نے ان جیسا افضل نہیں دیکھا اور ان کی مثل سابقہ اقوام میں کسی کو نہیں دیکھا۔ آیت کا معنی یہ ہوگا تم سے قبل خیر اور شر کے راستے گزر چکے ہیں یا طرق والے گزر چکے ہیں۔ دیکھو تو جھٹلانے کا انجام کیا ہوا اور جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا، یعنی ہلاکت مجاہد نے کہا میری سنتیں ان میں گزر چکی ہیں جو تم سے پہلے کافر تھے کہ میں نے انہیں مہلت دی ان کے ساتھ استدراج کیا، یہاں تک کہ وقت مقررہ آ گیا جو میں نے ان کی ہلاکت کے لئے متعین کیا تھا۔ پھر میں نے انہیں ہلاک کر دیا میں نے اپنے انبیاء اور ان کے پیروکاروں کی مدد کی۔ پس تم زمین میں گھومو پھرو، دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔ عطاء نے کہا سنن سے مراد شرائع ہیں۔ کلبی نے کہا ہر امت کا طریقہ گزر چکا ہے، جب لوگوں نے اس کی اتباع کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا تم جھٹلانے والوں کے انجام دیکھو اس میں غور و فکر کرو۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

"یہ ایک بیان ہے لوگوں (کے سمجھانے) کے لئے اور ہدایت اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے واسطے لے"

لے هذا سے مراد قرآن حکیم یا اللہ تعالیٰ کا فرمان قد خلت یا اللہ تعالیٰ کے فرمان فانظروا کا مفہوم ہے۔ الناس سے مراد عام لوگ ہیں۔ ھدی یعنی گمراہی سے ہدایت دینے والا ہے۔ متقین کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کیونکہ یہی لوگ اس سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ متقین اور تائبین کا خلاصہ ھذا کا مشار الیہ ہے اور قد خلت والا جملہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ اس کا مقصود ایمان اور توبہ پر برانگیختہ کرنا ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

"اور نہ (تو) ہمت ہارو لے اور نہ غم کرو ہے اور تمہیں سربلند ہو گے سے اگر تم سچے مومن ہو ہے"

لے تم دشمنوں کیساتھ جہاد کرنے سے کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ نہ کرو محض اس لئے کہ تمہیں یوم احد کو قتل اور زخمی ہونے کا دور سہنا پڑا اس روز پانچ مہاجر شہید ہوئے جن میں حضرت حمزہ، حضرت مصعب بن عمیر اور انصار میں سے ستر افراد شہید ہوئے۔(2)

ہے تم میں سے جو شہید ہوئے ان پر غمگین نہ ہو۔

سے جبکہ صورت حال یہ ہے کہ تم مقام و مرتبہ کے اعتبار سے بلند ہو کیونکہ تمہیں جو تکلیف پہنچی ہے اس پر تم اجر و ثواب کی امید رکھتے ہو جبکہ کفار اس کی کوئی امید نہیں رکھتے۔ تمہارے شہداء جنت میں ہیں جبکہ ان کے مقتول جہنم میں ہیں اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ کلبی نے کہا حضور ﷺ نے غزوہ احد میں صحابہ کے زخمی ہونے کے بعد دشمن کا پیچھا کرنے کی دعوت دی، تو یہ امر صحابہ پر بڑا شاق گزرا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ انجام کار تمہیں غالب ہو گے کیونکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مراد اور کامیابی ملی۔(3) ابن عباس نے کہا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 327 (قدیمی) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 355 (التجاریہ) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 356 (التجاریہ)

گھاٹیوں میں منتشر ہو گئے تو خالد بن ولید نے مشرکین کے گھڑ سوار دستہ سے حملہ کیا۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ پہاڑ کی جانب سے ان پر حملہ آور ہو تو رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی اے اللہ وہ پرندہ آئیں تیرے سوا ہماری قوت نہیں (1) مسلمانوں کی ایک جماعت نے تیر اندازی کرتے ہوئے رات گزاری، وہ پہاڑ پر چڑھ گئے اور مشرکین کے گھوڑ سوار دستہ پر تیر اندازی کی، یہاں تک کہ انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مفہوم ہے۔

ے یعنی اگر تمہارا ایمان پختہ اور صحیح ہے تو تم کمزوری کا اظہار کرو نہ غمگین ہو کیونکہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ثواب کی امید رکھی جائے، اللہ تعالیٰ کے بھروسہ سے دل کو مضبوط کیا جائے۔ یا اس کا معنی یہ ہے اگر تمہارا ایمان درست ہے تو آخر کار تم ہی غالب رہو گے کیونکہ مومنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٠﴾

"(احد میں) اگر لگی ہے تمہیں چوٹ لے تو (بدر میں) لگ چکی ہے (تمہاری دشمن) قوم کو بھی چوٹ ایسی ہی ہے اور یہ (ہار جیت کے) دن ہم پھراتے رہتے ہیں انہیں لوگوں میں سے اور یہ اس لئے کہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ ان کو جو ایمان لائے ہے اور بنا لے تم میں سے کچھ شہید ھے اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو لا"

لے یعنی یوم احد۔ حمزہ، کسائی اور ابو بکر نے جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے اسے قُرْحٌ (قاف کے ضمہ کے ساتھ) پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ دونوں کا معنی ہتھیار یا کسی چیز کا کاٹنا ہے۔ مراد بدن میں زخم لگانا ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔ فراء نے کہا جب فتحہ کے ساتھ ہو تو زخم مراد ہوگا اور جب ضمہ کے ساتھ ہو تو مراد زخم کی تکلیف ہوگا۔

ٹے قریش میں سے کفار کی قوم بدر کے روز انہوں نے تمہارے ساتھ دوبارہ جنگ کرنے سے کمزوری کا مظاہرہ نہ کیا، تمہیں تو بدرجہ اولیٰ ایسا نہ کرنا چاہیے۔ یہ آیت حضور ﷺ اور مومنین کی تسلی کے لئے نازل ہوئی کیونکہ وہ احد سے اندرونی غم اور دکھ کے ساتھ لوٹے تھے اور اس لئے بھی تاکہ مسلمان اپنے دشمنوں کے خلاف جرات کا مظاہرہ کریں، یعنی فتح کے اوقات ہم پھیرتے ہیں۔ لوگوں کے درمیان بھی ہمارا قاعدہ جاری و ساری ہے، کبھی فتح انہیں نصیب ہوتی ہے اور کبھی انہیں

سے الایام تلک کی صفت ہے پھر یہ مبتدا ہے اور نداولہا اس کی خبر ہے یا الایام خبر ہے اور نداولہا حال ہے اس میں عامل اسم اشارہ کا معنی ہے۔ حضرت براء بن عازب سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پچاس پیادوں پر حضرت عبداللہ بن جبیر کو امیر بنایا اور فرمایا اگر تم یہ دیکھو کہ ہمارے جسموں کو پرندے نوچ رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہلنا، یہاں تک کہ میرا پیغام تمہیں پہنچے۔ اگر تم یہ دیکھو کہ ہم نے دشمن کو شکست دے دی ہے اور ہم نے انہیں روند ڈالا ہے تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہلنا یہاں تک کہ میں تمہیں پیغام بھیجوں۔ مسلمانوں نے کفار کو بھگا دیا قسم بخدا میں نے عورتوں کو دیکھا کہ وہ بھاگ رہی ہیں، ان کے پازیب نظر آ رہے ہیں اور انہوں نے اپنی پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے ہوئے ہیں۔ عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے کہا اے قوم غنیمت لوٹو، تمہارے ساتھی غالب آ چکے ہیں، تم کیا دیکھ رہے ہو۔ عبداللہ بن جبیر نے کہا

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 356 (التجاریہ)

رسول اللہ ﷺ نے جو تمہیں فرمایا تھا وہ بھول چکے ہو۔ انہوں نے کہا ہم تو لوگوں کے پاس جائیں گے اور مال غنیمت سے حصہ لیں گے۔ جب وہ آئے تو ان کے منہ پھیر دیئے گئے اور شکست خوردہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ کا یہی مفہوم تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ انہیں پیچھے سے بلا رہے۔ تھے نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف بارہ مجاہد رہ گئے۔ پس ہمارے ستر افراد شہید ہو گئے (1) جبکہ غزوہ بدر کے روز حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ نے مشرکین کے ستر افراد کو قتل کیا تھا اور ستر کو قیدی بنالیا تھا ابوسفیان نے کہا کیا قوم میں محمد ﷺ ہیں؟ یہ بات اس نے تین دفعہ دہرائی رسول اللہ ﷺ نے جواب دینے سے منع کر دیا۔ پھر اس نے تین دفعہ پوچھا کیا قوم میں ابن ابی قحافہ ہیں؟ پھر اس نے تین دفعہ پوچھا کیا قوم میں ابن خطاب ہیں؟ پھر اپنے ساتھیوں کی طرف منہ کیا اور کہا یہ تینوں تو ہلاک ہو چکے۔ حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے۔ فرمایا اے اللہ کے دشمن جن کا تو نے ذکر کیا سب زندہ ہیں۔ تیرے لئے سوائے حیرت کے کچھ نہیں۔ اس نے کہا آج کا دن بدر کا بدل ہو گیا۔ جنگ ایک دفعہ ہمارے حق میں اور ایک دفعہ تمہارے حق میں رہی۔ تم اپنے مقتولوں میں مثلہ پاؤ گے جس کا میں نے حکم نہیں دیا اور نہ ہی مجھے اس کا کوئی دکھ ہے پھر وہ رجز پڑھنے لگا اور نعرہ لگایا ہبل کی جے، ہبل زندہ باد۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم اس کا جواب نہیں دو گے؟ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم کیا کہیں؟ فرمایا تم کہو اللہ عظیم و برتر ہے۔ ابوسفیان نے کہا ہمارا عزیٰ ہے، تمہارا کوئی عزیٰ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کیا تم اسے جواب نہیں دو گے؟ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم کیا جواب دیں؟ فرمایا کہو اللہ ہمارا مددگار ہے، تمہارا کوئی مددگار نہیں۔ اسے امام بخاری اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے ابوسفیان نے کہا اے عمر تم خوشی کے ساتھ یہاں آؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا دیکھو اسے کیا کام ہے۔ حضرت عمر اس کے پاس آئے۔ ابوسفیان نے کہا میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کیا ہم نے محمد ﷺ کو شہید کر دیا ہے؟ حضرت عمر نے فرمایا نہیں، وہ اب بھی تیرا کلام سن رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا تو میرے نزدیک ابن قمیہ سے زیادہ سچا ہے۔ ابن قمیہ نے مشرکین مکہ سے کہا تھا کہ میں نے حضرت محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے۔ پھر ابوسفیان نے کہا خبردار سال کے اختتام پر تم سے بدر صغریٰ میں مقابلہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان وعدہ ہے۔ پھر ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا اور کوچ کیا۔ ابن عباس سے بھی اسی معنی میں ایک روایت مروی ہے ان کی حدیث میں ہے، ابوسفیان نے کہا یہ دن کے بدلے دن ہے، دن پھرتے رہتے ہیں اور جنگ میں فتح و شکست کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہمارے درمیان کوئی برابری نہیں، ہمارے شہداء جنت میں اور تمہارے مقتول جہنم میں ہوں گے۔ زجاج نے کہا مسلمانوں کا کفار پر غلبہ تو ہوتا ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "بے شک ہمارے لشکر ہی غالب ہوتے ہیں یوم احد کو کفار اس لئے غالب رہے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی تھی۔(2)

یہ اس کا علت محذوفہ پر عطف ہے حذف کا فائدہ یہ خبر دینا ہے کہ علت محذوفہ متعدد ہیں جن کا ذکر طویل ہے اور لیعلم میں لام نداولہا کے متعلق ہے، یعنی ان ایام کو مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر پھیرتے ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا اور اس لئے تا کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ مومن صبر اور ایمان پر ثابت قدم رہنے میں دوسرے لوگوں سے ممتاز ہیں۔ یہ کہنا بھی جائز ہے کہ اس کا معطوف علیہ محذوف نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مفہوم ہے وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا۔ گویا یوں فرمایا ہم نے تمہارے درمیان ایام کو گھمایا کیونکہ یہ ہمارا قانون ہے اور اس لئے کہ اللہ جان لے پیدا کرنا اور فنا کر دینا۔ یہ ایام کو پھیرنے کے قانون میں سے ہے۔ اس جیسی آیات اور اس کی تعریفوں میں مقصود اللہ تعالیٰ کے لئے علم کا ثبوت یا نفی نہیں ہوتا بلکہ جو چیز پہلے معلوم تھی اس کو بطریق برہان خارج میں ثابت کرنا اور نفی کرنا مقصود ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 356 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 357 (التجاریہ)

معلوم کو لازم ہوتا ہے اور عدم علم عدم معلوم کو مستلزم ہوتا ہے۔ پس معلوم کی نفی علم کی نفی کو مستلزم ہوتی ہے تا کہ علم جہل نہ بن جائے۔ یہاں ملزوم بولا گیا اور مراد لازم ہے آیت کا معنی یہ ہوگا تا کہ لوگوں کے ہاں مومنوں کا غیر مومنوں سے امتیاز ثابت ہو جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا علم جان لے جس علم کے ساتھ جزاء متعلق ہے اور وہ کسی شئے کے موجود ہونے کا علم ہے کیونکہ چیزوں کے موجود ہونے سے پہلے جو علم اسے حاصل ہے اس پر جزاء و سزا مرتب نہیں ہوتی۔

۵ تم میں سے کچھ افراد کو شہادت کی عزت سے نوازے۔ مراد شہداء احد ہیں یعنی اس کا معنی یہ ہوگا تم میں سے ایسے افراد تیار کرے جو قیامت کے روز امتوں پر گواہی دینے کے اہل ہوں یہ ثابت قدمی اور شدائد پر صبر کرنے کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ سے نقل کیا ہے جب عورتوں کو اطلاع نہ ہوئی تو وہ خبر لینے کے لئے نکلیں تو دو آدمیوں کو اونٹ پر آتے ہوئے دیکھا۔ ایک عورت نے کہا رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ دونوں نے کہا آپ زندہ و سلامت ہیں۔ اس نے کہا اب مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کن کو شہید بناتا ہے تو عورت کے قول کے موافق قرآن حکیم نازل ہوا۔(1)

۶ ظالمین سے مراد کافر اور منافق ہیں جو ایمان پر ثابت قدم نہ رہے یہ دو معطوفوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں کفار کو غلبہ عطا نہیں فرماتا، انہیں بطور استدراج اور مومنوں کے امتحان کے طور پر غلبہ عطا فرماتا ہے۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

"اور اس لئے کہ نکھار دے اللہ تعالیٰ انہیں جو ایمان لائے اور مٹا دے کافروں کو ۱"

۱ تمحیص کا معنی پاک اور صاف کرنا ہے، یعنی مومنوں کو گناہ سے پاک کرے۔ محق کا معنی کسی شئے کو تھوڑا تھوڑا کر مٹا دینا ہے، یعنی اگر غلبہ مومنوں کے خلاف ہو تو مقصود تمیز دینا، شہید بنانا اور پاک کرنا ہے اور فتح کافروں کے خلاف ہو تو مقصود انہیں نیست و نابود کرنا ہوتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

"کیا تم گمان رکھتے ہو کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے جنت میں ۱ حالانکہ ابھی دیکھا ہی نہیں اللہ نے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے ۲ اور دیکھا ہی نہیں (آزمائش میں) صبر کرنے والوں کو ۳"

۱ یہ ام منقطعہ ہے اور بل کے معنی میں ہے اور استفہام انکار کے لئے ہے۔

۲ یعنی ابھی تک تم میں سے بعض لوگوں سے عملاً جہاد واقع نہیں ہوا۔

۳ یعلم کو ان مضمرہ کی وجہ سے نصب دی گئی۔ یہاں واؤ جمع (معیت) کے لئے ہے، جس طرح اس قول میں ہے لَا تَاْكُلِ السَّمَكَ وَتَشْرَبَ اللَّبَنَ۔ یعلم اللّٰہ کا معطوف ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔ سوال: پھر اس میم کو فتح کیوں دیا گیا۔ جواب: دو ساکن جمع ہوئے، اس وجہ سے میم کو فتحہ دیا کیونکہ اس کا ماقبل مفتوح ہے۔

ابن ابی حاتم نے عوفی کے واسطہ سے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ صحابہ میں سے کچھ لوگ کہتے کاش ہم بھی اس طرح شہید ہوتے جس طرح اصحاب بدر شہید ہوئے یا ہمارے لئے بھی ایسا دن ہوتا جیسا یوم بدر کا تھا جس میں ہم مشرکوں سے جنگ کرتے، ہمارا بھلائی میں

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 142 (العلمیہ)

امتحان ہوتا یا ہم شہادت، جنت، زندگی اور لذت تلاش کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں احد میں موقع دیا مگر وہ ثابت قدم نہ رہ سکے مگر جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(1)

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

"اور تم آرزو کرتے تھے موت کی[1] اس سے پہلے کہ تم اس سے ملاقات کرو[2] سو اب دیکھ لیا تم نے اس کو اور تم آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہو[3]"

[1] تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں موت چاہتے تھے یا اس سے مراد جنگ ہے کیونکہ جنگ موت کا سبب ہے۔

[2] تم اس کا مشاہدہ کرو اور اس کی شدت کو پہچانو۔

[3] یہ جملہ رایتموہ کے فاعل سے حال ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس بات کی وضاحت کی جائے۔ یہاں رؤیت سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے صرف جاننا نہیں، یعنی تم نے اپنی آنکھوں سے اپنے بھائیوں کو شہید ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس میں ان لوگوں کے لئے توبیخ بھی ہے کہ انہوں نے جنگ کی آرزو کی اس کا سبب بنے پھر بزدلی دکھائی اور اس سے شکست کھا گئے یا انہیں محض شہادت کی طلب پر زجر و توبیخ کیا جا رہا ہے کیونکہ یہ کفار کے غلبہ کو لازم ہوتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے ربیع سے نقل کیا ہے کہ جب ان صحابہ کو غزوہ احد میں تکلیف اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نبی کو آواز دی۔ دوسرے صحابہ نے کہا وہ تو شہید ہو چکے۔ کچھ نے کہا اگر نبی ہوتے تو شہید نہ ہوتے۔ کچھ نے کہا اسی دین پر قائم رہتے ہوئے تم جہاد کرو جس کے لئے تمہارے نبی نے جہاد کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح سے نوازے یا تم بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ(2) ابن منذر نے حضرت عمر سے روایت کیا ہم رسول اللہ ﷺ سے بکھر گئے، میں ایک پہاڑی پر چڑھ گیا، میں ایک یہودی کو یہ کہتے ہوئے سن رہا تھا کہ حضرت محمد ﷺ تو قتل کر دیئے گئے۔ میں نے کہا میں کسی آدمی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنوں گا مگر اس کی گردن اڑا دوں گا۔ پس میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ واپس آ رہے ہیں۔ بیہقی نے دلائل میں ابی نجیح سے نقل کیا ہے کہ مہاجرین میں سے ایک آدمی ایک انصاری کے پاس سے گزرا جبکہ وہ خون میں تڑپ رہا تھا۔ اس نے کہا کیا آپ کو علم ہے کہ محمد ﷺ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ اس نے جواب دیا اگر آپ شہید کر دیئے گئے (تو کیا ہوا) وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا گئے ہیں۔ اب تم اپنے دین کی طرف سے جہاد کرو۔ اس پر بعد والی آیت نازل ہوئی۔(3)

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝

"اور نہیں محمد (مصطفے ﷺ) مگر (اللہ) کے رسول[1] گزر چکے ہیں آپ سے پہلے کئی رسول[2] تو کیا اگر وہ انتقال فرما ئیں یا شہید کر دیئے جائیں پھر جاؤ گے تم الٹے پاؤں (دین اسلام سے)[3] اور جو پھرتا ہے الٹے پاؤں[4] تو نہیں بگاڑ سکے گا اللہ کا کچھ بھی[5] اور جلدی اجر دے گا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو[6]"

[1] آپ رب نہیں ہیں کہ ان پر موت اور فنا محال ہو اور نہ ہی آپ اپنی عبادت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے۔ قاموس میں ہے محمد کا معنی

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 142 (العلمیہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 1، صفحہ 143۔ ایضاً 3۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 143۔ ایضاً

شکر، رضا، جزاء اور حق کی ادائیگی ہے اور تحمید اللہ تعالیٰ کی یکے بعد دیگرے حمد کرنا۔ اسی سے محمد کا لفظ ہے جس کا معنی ہے جس کی بار بار تعریف کی جائے میں کہتا ہوں جس کی تعریف کی کوئی انتہا نہ ہو۔ امام بغوی نے کہا محمد وہ ہوتا ہے جو تمام محامد کو گھیرے ہوئے ہو کیونکہ حمد کامل اسی کو ہی زیبا ہوتی ہے اور تحمید کا مرتبہ حمد سے بھی اوپر ہے۔ پس تحمید کا مستحق وہی ہوگا جو تمام کمالات کو محیط ہو حضرت حسان بن ثابت نے کہا: کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو برہان کے ساتھ بھیجا، اللہ بزرگ و برتر ہے۔ آپ کی عظمت کے اظہار کے لئے آپ کے نام کو اپنے نام سے مشتق کیا ہے پس عرش کا مالک محمود ہے اور یہ محمد ہے۔(1)

۲؎ آپ سے قبل رسول گزر چکے ہیں پس آپ بھی آنے والے وقت میں پردہ فرما جائیں گے۔

۳؎ یعنی تم کفر کی طرف لوٹ جاؤ۔ حضور ﷺ کی موت سے ان کے ارتداد اختیار کرنے پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا جا رہا ہے جبکہ یہ معلوم تھا کہ آپ سے پہلے انبیاء اس دنیا سے کوچ کر گئے ہیں اور ان کا دین باقی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں فاء سببیہ ہے اور ہمزہ اس پر انکار کے لئے لایا گیا ہے کہ حضور ﷺ کی موت کو وہ اپنے ارتداد کا سبب بنا لیں۔

۴؎ یعنی دین سے پھر گیا۔

۵؎ وہ مرتد ہونے سے اللہ تعالیٰ کو نقصان نہیں دیتا بلکہ وہ اپنے آپ کو نقصان دیتا ہے۔

۶؎ اسلام کی نعمت پر ثابت قدم رہ کر جو اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں گے اللہ تعالیٰ انہیں ضرور بدلہ دے گا۔

اصحاب مغازی (۱) نے ذکر کیا حضور ﷺ سات سو مجاہدین کے ساتھ احد کی گھاٹی میں فروکش ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر کو پیادہ جماعت پر قائد مقرر کیا جس کا ذکر ہم براء بن عازب کی حدیث میں کر آئے ہیں۔ قریش آئے ان کے میمنہ پر خالد بن ولید، میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل امیر تھا۔ ان کے ساتھ عورتیں بھی تھیں جو دف بجا رہی تھیں اور اشعار گا رہی تھیں۔ قتال شروع ہوا اور زور کا رن پڑا۔ حضور ﷺ نے تلوار پکڑی فرمایا اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا اور آخر دم تک دشمن کی گردنیں اڑائے گا؟ حضرت ابو دجانہ سماک بن خرشہ انصاری نے وہ تلوار لی۔ جب ابو دجانہ نے تلوار پکڑی سر پر سرخ عمامہ باندھا اور اترا کر چلنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس موقع کے علاوہ ایسی چال کو ناپسند کرتا ہے۔ اس تلوار کے ساتھ مشرکوں کے سرداروں کے سر قلم کئے۔ نبی کریم اور صحابہ نے مشرکین پر حملہ کیا انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنی مدد نازل فرمائی۔ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ مسلمانوں نے مشرکوں کو تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ میدان سے بھگا دیا اور قتل کیا مشرکوں کے گھڑ سوار دستہ نے تین دفعہ مسلمانوں پر حملہ کیا۔ ہر دفعہ ان پر تیر برسائے گئے وہ مغلوب ہو کر واپس لوٹ گیا۔ تیر انداز پشت کی جانب سے مسلمانوں کا دفاع کر رہے تھے اور مشرکین گھوڑوں پر تیر اندازی کر رہے تھے۔ تیر گھوڑے کو لگتا یا آدمی کو تو وہ مجبوراً بھاگ جاتا۔ حضرت علی شیر خدا نے طلحہ بن طلحہ جو کہ مشرک فوج کا علمبردار تھا اسے قتل کیا۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور مشرکین پر شدید حملہ کر دیا۔ اور ان کی صفوں کو درہم برہم کر دیا زبیر بن عوام نے کہا میں نے ہندہ اور اس کی سہیلیوں کو دیکھا کہ وہ بھاگ رہی ہیں۔ اور پہاڑوں پر چڑھ رہی ہیں ان کے پازیب نظر آرہے ہیں جب عبداللہ بن جبیر کے تیر انداز ساتھیوں نے مشرکوں کو دیکھا کہ وہ شکست کھا گئے ہیں، وہ بھی مشرکوں کے لشکر کی طرف چلے گئے تاکہ مال سمیٹ لیں، جس طرح ہم نے حضرت براء کی حدیث میں ذکر کیا، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن جبیر کے ساتھ دس سے بھی کم افراد رہ گئے۔ خالد بن ولید نے پہاڑ پر افراد کی کمی اور مسلمانوں کا مال غنیمت سمیٹنے کے منظر کو دیکھا اور یہ بھی مشاہدہ کیا کہ مسلمانوں کی پشت کی جانب خالی ہے تو مشرک گھڑ سوار دستہ کو بلایا۔ پھر پیچھے سے ان پر حملہ کر دیا۔ عکرمہ نے بھی خالد بن ولید کی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 360 (التجاریہ)

(۱) وہ علماء جو غزوات کا ذکر کرتے ہیں اور اسی ضمن میں کتب تصنیف کرتے رہے۔ مترجم

پیروی کی مسلمانوں کو تتر بتر کر دیا اور انہیں قتل کرنے لگے حضرت عبداللہ بن جبیر اپنی جگہ پر ڈٹے رہے۔ قتال کرتے رہے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ مشرکین نے آپ کے لباس کو اتارا اور شدید برے انداز میں مثلہ کیا جب مسلمان مال چھیننے اور مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف تھے۔ خالد بن ولید نے پیچھے سے اصحاب نبی پر حملہ کر دیا، انہیں منتشر کیا اور جلدی سے قتل کیا۔ مسلمان ہر طرف سے بکھر گئے، جو لوٹا تھا اسے ترک کیا، جو قیدی بنائے تھے انہیں چھوڑ دیا۔ دن کے پہلے پہر ہوا صبا کی صورت میں تھی۔ پھر وہ دبور بن گئی۔ لوگ شکست خوردہ واپس پلٹے۔ وہ تین حصوں میں بٹ گئے۔ ایک حصہ زخمی ہوا، ایک حصہ بھاگ گیا اور ایک حصہ قتل کر دیا گیا۔ بیہقی نے مقداد سے روایت کیا ہے قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا رسول اللہ ﷺ ایک بالشت بھی اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہ ہوئے۔ آپ دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔ کبھی مسلمانوں کی جماعت آپ کی حفاظت کے لئے جمع ہو جاتی اور کبھی بکھر جاتی۔ کبھی دیکھتا تو آپ تیر چلا رہے ہوتے۔ کبھی دیکھتا تو پتھر مار رہے ہوتے۔ حضور ﷺ کے ساتھ چودہ افراد ثابت قدم رہے جن میں آٹھ مہاجر تھے، یعنی حضرات ابوبکر، عمر، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور ابو عبیدہ بن جراح اور سات انصاری تھے حباب بن منذر، ابودجانہ، عاصم بن ثابت، حارث بن صمہ، سہل بن حنیف اور سعد بن معاذ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ سعد بن عبادہ تھے اور محمد بن مسلمہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

عبدالرزاق نے زہری سے مرسل روایت نقل کی ہے حضور ﷺ کے چہرہ انور پر تلوار کے ستر وار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے آپ کو محفوظ رکھا۔ عتبہ بن وقاص اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے، نے چار پتھر آپ کو مارے جس نے آپ کی دائیں جانب نیچے والے چار دانت توڑ دیئے اور نچلے ہونٹ کو زخمی کر دیا۔ حافظ نے کہا یہاں دانتوں سے مراد وہ ہیں جو ثنیہ اور داڑھ کے درمیان ہوتے ہیں۔ حاطب بن ابی بلتعہ نے کہا میں نے عتبہ بن وقاص کو قتل کیا اور اس کا سر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ اس سے خوش ہوئے اور میرے لئے دعا کی۔ اسے حاکم نے روایت کیا۔ عبداللہ بن شہاب زہری نے حضور ﷺ کو زخمی کیا تھا جبکہ وہ بعد میں مسلمان ہو گیا۔ آپ کا خون بہتا رہا یہاں تک کہ آپ کی ریش مبارک تر ہو گئی۔ عبداللہ بن قمیہ نے آپ کو پتھر مارا تھا اور آپ کے رخسار سے اوپر والے حصہ کو زخمی کر دیا تھا۔ آپ کے خود کے دو حلقے آپ کے وجنہ (رخسار کے اوپر والا حصہ) میں داخل ہو گئے تھے۔ عبداللہ بن قمیہ حضور ﷺ کے قتل کے لئے آگے بڑھا تو مصعب بن عمیر نے اسے پرے دھکیل دیا، جو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے علمبردار تھے۔ ابن قمیہ نے حضرت مصعب کو قتل کر دیا جبکہ وہ یہ خیال کر رہا تھا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیا ہے تو واپس چلا گیا اور کہا میں نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے یا کسی چیخنے والے نے چیخ کر کہا خبردار محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے۔ ایک قول یہ کہا جاتا ہے کہ چیخنے والا شیطان تھا، اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے طبرانی نے ابی امامہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن قمیہ کے لئے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے نیست و نابود کر دے، اللہ تعالیٰ نے پہاڑی بکرے کو اس پر مسلط کر دیا وہ اسے سینگ مارتا رہا یہاں تک کہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ ایک چٹان پر چڑھنے کے لئے اٹھے لیکن آپ تہہ بتہ دو زرہیں پہنے ہوئے تھے۔ اسے لئے خود نہ چڑھ سکے۔ حضرت طلحہ نیچے بیٹھ گئے آپ کو اٹھایا یہاں تک کہ آپ پہاڑی پر تشریف لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا طلحہ نے (جنت) واجب کر لی۔ ہندہ اور دوسری عورتیں صحابہ کرام میں شہداء کا مثلہ کرنے لگیں، وہ کان اور ناک کاٹتیں یہاں تک کہ ہندہ نے اس سے ہار بنایا اور وحشی کو دیا۔ حضرت حمزہ کا دل نکالا، اسے چبایا لیکن نگل نہ سکی۔ پھر اسے باہر پھینک دیا۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو بلا رہے تھے اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ، تیس آدمی آپ کے گرد جمع ہو گئے سب کہہ رہے تھے ہمارا چہرہ زخمی ہو، آپ کا چہرہ سلامت رہے، میری جان قربان ہو، آپ کی جان سلامت رہے آپ محفوظ و مامون رہیں۔ ان صحابہ نے آپ کی حفاظت کی یہاں تک کہ مشرکوں کو آپ سے دور بھگا دیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے اتنے تیر چلائے کہ آپ کے ہاتھ سے چھ کمانیں ٹوٹ گئیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنا ترکش ان کے سامنے بکھیر دیا۔ فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان تیر چلاتے جائیں اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوطلحہ بھی زبردست تیرانداز تھے۔ آپ نے بھی دو یا تین کمانیں اس دن توڑ ڈالیں، جو بھی اپنا ترکش لے کر وہاں سے گزرتا رسول اللہ ﷺ اسے فرماتے اسے اپنے تیر دیتے جاؤ۔ جب وہ کوئی تیر چلاتے تو رسول اللہ ﷺ جھانک کر اسے دیکھتے کہ کہاں لگا ہے۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ کے ہاتھ کو زخم آیا وہ بعد میں خشک ہو گیا تھا۔ اسی ہاتھ کے ساتھ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا دفاع کیا تھا۔ ابوداؤد طیالسی اور ابن حبان نے حضرت عائشہ سے روایت کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا وہ سارا دن حقیقت میں ابوطلحہ کا دن تھا۔ محمد بن عمر نے ذکر کیا اس روز حضرت طلحہ کے سر کو زخم آیا کہ خون نچڑ گیا اور ان پر غشی طاری ہو گئی حضرت ابوبکر صدیق نے آپ کے چہرہ پر پانی کا چھڑکاؤ کیا جس وجہ سے آپ کو افاقہ ہوا۔ انہوں نے پوچھا رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ جواب دیا آپ بالکل ٹھیک ہیں آپ نے ہی مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا الحمدللہ آپ کی موجودگی میں ہر مصیبت حقیر ہے۔ اسی موقع پر حضرت قتادہ بن نعمان کی آنکھ کو زخم لگا، یہاں تک کہ وہ کنپٹی پر بہہ پڑی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ اسے اپنی جگہ پر رکھ دیا تو وہ پہلے کی طرح حسین ہو گئی۔

جب رسول اللہ ﷺ واپس پلٹے تو آپ کو ابی بن خلف جمحی ملا وہ کہہ رہا تھا میں زندہ نہ رہوں اگر آپ بچ جائیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم میں سے کوئی اس کا کام تمام نہ کر دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو۔ جب آپ اس کے قریب ہوئے جبکہ ابی اس سے قبل حضور ﷺ سے ملا تو کہتا تیرے پاس ایک گھوڑی ہے جسے میں ہر روز ایک فرق (پیمانہ) جوار کھلاتا ہوں۔ میں اسی پر سوار ہو کر تمہیں قتل کروں گا۔ حضور ﷺ اسے ارشاد فرماتے ایسا نہیں ہوگا بلکہ میں تجھے قتل کروں گا ان شاء اللہ۔ تو حضور ﷺ نے حارث بن صمہ سے چھوٹا نیزہ لیا، اس کے سامنے تشریف لائے اس کی گردن میں نیزہ مارا اور معمولی سا زخمی کر دیا۔ وہ گھوڑے سے پیچھے گر پڑا اور بیل کی طرح آواز نکالنے لگا، کہا مجھے محمد ﷺ نے ہلاک کر دیا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے اٹھایا اور کہا کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ اس نے کہا کیوں نہیں اگر یہ زخم ربیعہ اور مضر دونوں قبیلوں کو لگتا تو انہیں ہلاک کر کے رکھ دیتا کیا۔ انہوں نے مجھے کہا نہیں تھا میں تجھے قتل کروں گا۔ اگر اس گفتگو کے بعد وہ مجھ پر تھوک ہی دیتے تو مجھے قتل کر دیتے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہ سرف کے مقام پر مر گیا (1) امام بخاری نے صحیح میں ابن عباس سے روایت نقل کی ہے جسے اللہ کا نبی قتل کر دے اس پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوا اور جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے کو زخمی کیا اس پر بھی اللہ کا شدید غضب ہوا۔ (2) صحابہ نے کہا لوگوں میں یہ بات عام ہو گئی تھی کہ حضور ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ بعض مسلمانوں نے کہا کاش ہمارا کوئی ایسا قاصد ہوتا جو عبداللہ بن ابی کے پاس جاتا جو ابوسفیان سے ہمیں امان لے دیتا۔ بعض صحابہ مطلقاً بیٹھ گئے اور اپنے ہتھیار پھینک دیئے۔ منافقوں میں سے بعض نے کہا اگر محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے تو اپنے سابقہ دین کی طرف پلٹ جاؤ۔ انس بن نضر نے کہا جو انس بن مالک کے چچا تھے اے میری قوم حضرت محمد ﷺ شہید کر دیئے گئے ہیں (تو کیا ہوا) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا رب تو قتل نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد تم اس زندگی سے کیا لو گے؟ جس مقصد کیلئے رسول اللہ نے جنگ کی اسی مقصد کے لئے جہاد کرو اور جس دین کے لئے آپ نے اپنی جان دی تم بھی اسی مقصد کے لئے اپنی جانیں دے دو۔ پھر عرض کناں ہوئے اے اللہ مسلمانوں نے جو کچھ کیا اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ پھر آپ نے تلوار لی جہاد کیا یہاں تک کہ شہید کر دیئے گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ چٹان پر تشریف لے گئے جبکہ آپ لوگوں کو بلا رہے تھے سب سے پہلے جس نے آپ کو پہچانا وہ کعب بن مالک تھے۔ انہوں نے کہا میں نے آپ کو خود کے نیچے آنکھوں سے پہچانا جو چمک رہی تھیں میں نے بلند آواز سے ندا دی اے میری قوم تمہیں خوشخبری ہو، یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ نے

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 359-358 (التجاریہ) 2۔ صحیح بخاری، جلد 2۔ صفحہ 584 (الفاظ مختلف) (وزارت تعلیم)

مجھے خاموش رہنے کا حکم دیا صحابہ کا ایک طائفہ آپ کے گرد جمع ہو گیا، آپ نے انہیں فرار اختیار کرنے پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے، تو ہمارے دل مرعوب ہو گئے اور ہم بھاگ گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیت و ما محمد الا رسول کو نازل فرمایا۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

"اور نہیں ممکن کہ کوئی شخص مرے بغیر اللہ کی اجازت کے [1] لکھا ہوا ہے [2] (موت کا) مقرر وقت [3] اور جو شخص چاہتا ہے دنیا کا فائدہ ہم دیتے ہیں اس کو اس سے [4] اور جو شخص چاہتا ہے آخرت کا فائدہ ہم دیتے ہیں اسے اس میں سے [5] اور ہم جلدی اجر دیں گے (اپنے) شکر گزار بندوں کو [6]"

[1] اذن اللہ سے مراد اس کی مشیت اور قضاء ہے یا اس کا معنی ہے جب تک ملک الموت کو اس کی روح قبض کرنے کی اجازت نہ مل جائے۔

[2] یہ مفعول مطلق ہے اور تاکید کا معنی دے رہا ہے۔ یعنی کتب کتاباً۔

[3] یہ کتاب کی صفت ہے، یعنی اس کے لئے ایک وقت معین ہے، نہ یہ پہلے آسکتی ہے اور نہ یہ بعد میں۔ اس میں مومنوں کو جہاد کرنے پر ابھارا اور ترغیب دلائی جا رہی ہے۔

[4] اپنے عمل سے دنیا کا ارادہ کرے ہم اسے دنیا کا بدلہ دیتے ہیں۔ جو لوگ قتال چھوڑ کر مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مشغول ہو گئے تھے ان سے اشارۃ کلام کی جا رہی ہے، یعنی جو ہم چاہیں اسے دے دیں یا اس میں سے جو ہم نے ان کے لئے مقدر کیا ہے۔

[5] اور جو اپنے عمل سے آخرت کا ارادہ کرے تو اسے آخرت کا ثواب دے دیتے ہیں۔

[6] میں کہتا ہوں کہ شاید اس جملہ کا معنی یہ ہے جو اپنے عمل سے محض شکر بجالانے کا ارادہ کرے اس سے دنیا و آخرت کے ثواب کا ارادہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی جزاء دے گا جس کا نہ کوئی فہم ادراک کر سکتا ہے اور نہ وہم وہاں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ جزاء کا ابہام اسی معنی پر دلالت کرتا ہے تو اس کی جزاء اس کی ذات ہے۔ قاموس میں ہے شکر کا معنی احسان کو پہچاننا اور اس کا عرفان حاصل کرنا ہے۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس کی نیت آخرت کی طلب ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غناء پیدا کر دیتا ہے اس کی ہمتوں کو جمع کر دیتا ہے اور دنیا میں اس کے پاس ناک رگڑتے ہوئے آتی ہے۔ جس کی نیت دنیا کی طلب ہو اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں میں فقر رکھ دیتا ہے اس کی ہمت کو بکھیر دیتا ہے اور اسے اتنی دنیا ملتی ہے جو اس کے لئے لکھی ہوتی ہے (1) اسے امام بغوی نے روایت کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ہر ایک آدمی کے لئے وہ کچھ ہے جو وہ نیت کرے، جس کی ہجرت دنیا کے لئے ہو کہ اسے پالے یا عورت کے لئے ہو کہ اس سے شادی کرے تو اس کی ہجرت اسی کے لئے ہے جس کے لئے اس نے ہجرت کی (2) متفق علیہ۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 361 (التجاریہ)　2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 13 (وزارت تعلیم)

"اور کتنے ہی [1] نبی گزرے ہیں کہ جہاد کیا [2] ان کے ہمراہ بہت سے اللہ والوں نے [3] سو نہ ہمت ہاری انہوں نے [4] بوجہ ان تکلیفوں کے جو پہنچیں انہیں اللہ کی راہ میں [5] اور نہ کمزور ہوئے [6] اور نہ انہوں نے ہار مانی [7] اور اللہ تعالیٰ پیار کرتا ہے (تکلیفوں میں) صبر کرنے والوں سے [8]"

[1] ابن کثیر نے کَآئِنْ ہمزہ اور مد کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی کاءِن کے وزن پر ابوجعفر نے ہمزہ میں تسہیل کر کے پڑھا ہے اور باقی قراء نے ہمزہ کو مفتوح اور شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی کم ہے۔

[2] کوفہ کے قراء نے اور ابن عامر نے قاتل کو باب مفاعلہ سے پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے مجرد سے مجہول پڑھا ہے۔

[3] ابن عباس، مجاہد اور قتادہ نے اس کا معنی کثیر جماعتیں لیا ہے۔ ابن مسعود نے ربیون کا معنی ہزاروں لیا ہے۔ کلبی نے کہا جب اس کی واحد ربیہ ہو تو اس کا معنی دس ہزار ہوتا ہے۔ ضحاک نے کہا اس کے واحد کا معنی ایک ہزار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ رب کی طرف منسوب ہے، یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ اہل حجاز اور اہل شام کی قرأت کے مطابق فعل کی نسبت ربیون کی طرف ہوگی۔ نبی کی ضمیر کی طرف نہ ہوگی اور معه ربیون اس سے حال ہوگا کیونکہ اس صورت میں فاعل کا اعتبار لازم ہے۔ پھر تقدیر کلام یوں ہوگی و معه ربیون کثیر اور حال والی تعبیر اس لئے بھی ہے کہ سعید بن جبیر نے کہا ہم نے کسی نبی کے بارے میں نہیں سنا کہ اسے جنگ میں قتل کیا گیا ہو۔ کاین کا کلمہ کثرت پر دلالت کرتا ہے پھر اس کا معنی یہ ہوگا کتنے ہی انبیاء شہید کیے گئے لشکر کے ساتھ جبکہ اس قتال میں کثیر تعداد تھی۔ اس طرح باقی قراء کی قرأت کے مطابق قتال کی نسبت ربیون کی طرف ہے اور نبی کا قتال بطور لزوم سمجھا جاتا ہے۔

[4] قتل کے بعد جو باقی بچے تھے انہوں نے کمزوری دکھائی نہ بزدل ہوئے۔

[5] ما اصابهم سے مراد زخم، مصیبتیں اور ساتھیوں کی شہادت ہے۔

[6] وہ جہاد سے کمزور نہ ہوئے۔

[7] انہوں نے دشمنوں کے سامنے عاجزی کا اظہار نہ کیا نہ ہی آہ و زاری کی بلکہ اپنے رب کے حکم پر نبی کی اطاعت اور دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے پر صابر رہے استکن کا اصل سکون ہے کیونکہ ذلیل و رسوا آدمی اپنے ساتھی کے سامنے پرسکون رہتا ہے۔ پس وہ دوسرا آدمی جو اس کے ساتھ چاہتا ہے سو وہ کرتا ہے۔ یہ حقیقت میں ان لوگوں سے اشارۃً بات کی جا رہی ہے جنہوں نے ابوسفیان سے امان طلب کی اور جنگ کرنے سے بزدلی کا مظاہرہ کیا۔

[8] اسی لئے ان کی مدد کرتا ہے اور ان کی شان بڑھاتا ہے۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّآ أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيٓ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ ﴿١٤٧﴾

"اور نہیں تھی ان کی گفتگو [1] بغیر اس کے کہ کہا انہوں نے [2] اے ہمارے رب بخش دے ہمارے گناہ اور جو زیادتیاں کیں ہم نے اپنے کام میں [3] اور ثابت قدم رکھ ہمیں [4] اور فتح دے ہم کو قوم کفار پر [5]"

[1] قولهم كان کی خبر ہے۔

[2] یہ کان کا اسم ہے۔ اسے اسم اس لئے بنایا گیا ہے کیونکہ قولهم کی نسبت زیادہ معروف ہے اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ مسند الیہ اسے بنایا جائے

جو زیادہ معروف ہو۔ ان قالوا اس میں نسبت بھی ہے اور زمانے پر دلالت بھی، اس لئے اسم بنانا درست ہے۔

۳ے یہاں ذنوب سے مراد چھوٹے گناہ ہیں، جو ہم نے مقام عبودیت سے تجاوز کیا ہے اپنے معاملہ میں۔ اسرافنا سے مراد گناہ کبیرہ ہیں۔

۴ے سیدھے راستے پر اور دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے میں ہمیں ثابت قدم رکھ۔

۵ے مصائب کا سامنا کرنے کے بعد۔ اس قول کی کوئی اور توجیہ نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے نصرت اور غلبہ کا وعدہ کر رکھا ہے کیونکہ اس کا ارشاد ہے حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ اور فرمایا اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ انہیں جو مصیبت پہنچی تھی وہ ان کے گناہوں اور حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے پہنچی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ...... اس لئے مومن کو جب کوئی تکلیف پہنچے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے گناہ کا اعتراف کرے تاکہ اس سے ندامت اور استغفار واقع ہو۔ پھر غلبہ اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرے کیونکہ غلبہ تو اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم کی طرف سے ہوگا استغفار اور گناہوں کی پاکیزگی کے بعد دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

"تو دے دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے ۱ے دنیا کا ثواب (یعنی کامیابی) ۲ے اور عمدہ ثواب آخرت کا ۳ے (یعنی نعیم جنت اور لذت وصل) اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے نیکوکاروں سے ۴ے"

۱ے اس قول کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا۔

۲ے یعنی غلبہ، غنیمت، ملک اور اچھا ذکر۔

۳ے یعنی جنت، قرب کے مراتب اور اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی نعمت ہے۔ ثواب کو لفظ حسن کے ساتھ خاص کیا ہے کیونکہ اس کی بارگاہ میں یہی مقصود ہوتا ہے نیز اس لئے بھی کہ یہ اس کا فضل ہے۔

۴ے محسنین کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے۔ ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اس بات کا شعور دلایا جائے کہ یہی حقیقت میں محسن ہیں کیونکہ احسان حقیقت میں یہ ہے کہ تو اپنے رب کی عبادت کرے۔ گویا تو اپنے رب کو دیکھ رہا ہے، یعنی کمال حضور اور غفلت کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرے۔ پس اس کا نتیجہ یہ قول اور یہ معرفت ہے کہ خوشحالی اور تنگدستی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور کریم کسی قوم سے اپنی نعمت کو اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہیں بدلتے جب وہ طاعت کو بدل دیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان سے نعمت کو بدل دیتا ہے اور انہیں کوئی سزا دیتا ہے تاکہ وہ ہوشیار ہو جائیں اور بخشش طلب کریں اور دنیا میں سزا پا کر گناہوں سے اپنے آپ کو پاک کریں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

"اے ایمان والو! اگر پیروی کرو گے تم کافروں کی ۱ے تو وہ پھیر دیں گے تمہیں الٹے پاؤں (کفر کی طرف) ۲ے تو تم لوٹو گے نقصان اٹھاتے ہوئے ۳ے"

۱ے حضرت علی شیر خدا کا قول ہے کہ الذین کفروا سے مراد منافقین ہیں احد میں شکست کے موقع پر انہوں نے مومنوں سے یہ کہا تھا اپنے بھائیوں کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤ(1) اگر محمد ﷺ نبی ہوتے تو قتل نہ کئے جاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے اگر تم ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کی اطاعت کرو گے، ان کے لئے تواضع کرو گے اور ان سے امان طلب کرو گے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 362 (التجاریہ)

2؎ یعنی اسلام سے پہلے جو دین (شرک) رکھتے تھے اس کی طرف لوٹا دیں گے۔

3؎ تم دنیا و آخرت کا نقصان اٹھانے والے ہو گے۔

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

"بلکہ اللہ حامی ہے تمہارا اور وہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے 1؎"

1؎ اللہ تعالیٰ تمہارا محب، مددگار اور اپنے دین پر قائم رکھنے والا ہے۔ پس تم کسی اور کو اپنا دوست نہ بناؤ وہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے۔ اس لئے تم کسی اور کی دوستی اور مدد سے غنی ہو جاؤ۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ ابوسفیان اور مشرکین جب سولہ شوال احد کے روز مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے جب کچھ فاصلہ طے کر چکے تو افسوس کرنے لگے کہ ہم نے کتنا برا کیا ہم نے مسلمانوں کو قتل کیا۔ جب ان میں زخمیوں کے سوا کوئی نہ بچا تو پھر ہم نے انہیں چھوڑ دیا واپس چلو اور انہیں مطلقاً ختم کر کے رکھ دو۔ جب انہوں نے یہ ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور جس چیز کا وہ ارادہ کر رہے تھے، اس سے واپس پلٹ آئے (1) اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

"ابھی ہم ڈال دیں گے کافروں کے دلوں میں 1؎ رعب 2؎ اس لئے کہ انہوں نے شریک بنالیا 3؎ اللہ کے ساتھ اس کو جس کے لئے نہیں اتاری اللہ نے کوئی دلیل 4؎ اور ان کا ٹھکانا آتش (جہنم) ہے 5؎ اور بہت بری جگہ ہے ظالموں کی 6؎"

1؎ الَّذِيْنَ كَفَرُوا سے مراد ابوسفیان اور اس کے حمایتی ہیں۔

2؎ اس سے مراد خوف ہے۔ ابن عامر، کسائی، ابوجعفر اور یعقوب نے تمام مواقع پر عین کے ضمہ کے ساتھ رُعُب پڑھا ہے۔ باقی قراء نے اس کے سکون کیساتھ پڑھا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ رعب ڈالنے والے کا عمل اس وقت ہو جب مشرکین مکہ نے کوچ کے موقع پر مدینہ طیبہ لوٹنے کا ارادہ کیا ہو۔ اگر اس آیت کا نزول واقع کے بعد ہوا ہو تو پھر محض تاکید کا معنی دے گی اور مستقبل کے معنی سے خالی ہوگی اور مضارع کا صیغہ حال ماضی کی حکایت ہوگا۔

3؎ ان کے شرک کرنے کے باعث ان کے دلوں میں رعب ڈالا گیا۔

4؎ سلطنت کا معنی قوت ہے۔ یہاں اس سے مراد حجت ہے، معنی یہ ہوگا انہوں نے اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا لیکن اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے توحید پر دلائل عقلیہ اور نقلیہ قائم کئے۔

5؎ ھم ضمیر سے مراد مشرک ہیں اس کا عطف منفی پر ہے۔

6؎ یعنی آگ مخصوص بالذم محذوف ہے۔ نحی اور علت بیان کرنے کے لئے اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر (الظّٰلِمِيْنَ) ذکر کیا ہے۔

محمد بن کعب نے کہا جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ احد سے مدینہ طیبہ لوٹے جبکہ اس قدر عظیم تکلیف پہنچی تھی آپ کے بعض صحابہ نے کہا ہمیں تکلیف کیسے آئی جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا۔ (2)

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 363-362 (التجاریہ)

2۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 363 (التجاریہ)

تَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ أَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۚ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

"اور بے شک سچ کر دکھایا تم سے اللہ نے اپنا وعدہ 1 جب کہ تم قتل کر رہے تھے کافروں کو 2 اس کے حکم سے 3 یہاں تک کہ جب تم بزدل ہوگئے 4 اور جھگڑنے لگے (رسول کے) حکم کے بارے میں 5 اور نافرمانی کی تم نے 6 اس کے بعد 7 کہ اللہ تعالیٰ نے دکھادیا تمہیں جو تم پسند کرتے تھے 8 بعض تم سے طلبگار ہیں دنیا کے 9 اور بعض تم میں سے طلبگار ہیں آخرت کے 10 پھر پیچھے ہٹا دیا تمہیں 11 ان کے تعاقب سے 12 تاکہ آزمائے تمہیں 13 اور بے شک اس نے معاف فرما دیا تم کو 14 اور اللہ تعالیٰ بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے مومنوں پر 15"

1۔ تقویٰ اور صبر کی شرط پر کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا، جس طرح ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جنگ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی۔

2۔ اس کا تعلق صدقکم کے ساتھ ہے یعنی تم انہیں قتل کر رہے تھے۔ یہ احسن سے مشتق ہے جس کا معنی حس کو ختم کرنا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا حس کا معنی قتل کے ذریعے نیست و نابود کرنا ہے۔ (1)

3۔ اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ سے۔

4۔ یعنی تم نے بزدلی اور کمزوری دکھائی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ فشل کا معنی تمہاری رائے کمزور ہوگئی اور تم غنیمت کی طرف مائل ہوگئے کیونکہ حرص عقل کی کمزوری ہے۔

5۔ جس طرح یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے اس وقت جھگڑا کیا، جب انہوں نے مومنین کو غلبہ پاتے اور مشرکین کو شکست کھاتے ہوئے دیکھا اکثر نے کہا مشرک تو شکست کھا گئے۔ اب ہمارا یہاں ٹھہرنا کس کام کا تو عبداللہ بن جبیر نے کہا تھا کیا تم وہ بھول گئے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ لوگوں نے کہا رسول اللہ ﷺ کا یہ مقصد نہیں تھا ہم ضرور لوگوں کے پاس جائیں گے اور غنیمت اکٹھی کریں گے۔ حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔

6۔ اور تم نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ واؤ زائدہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے جب تم بزدل ہوئے تو تم جھگڑنے لگے لیکن یہ کوئی درست معنی نہیں کیونکہ یہ تنازع (جھگڑنا) پہلے فشل (بزدلی) کے وقوع کا تقاضا کرتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ فشل تنازع اور عصیان (نافرمانی) کے بعد ہوا۔ جھگڑے میں اس وقت پڑے جب انہوں نے مال لوٹنے کے لئے مشرکین کے لشکر پر حملہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کلام میں تقدیم و تاخیر ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی حَتّٰٓى اِذَا تَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ فَشِلْتُمْ (یہاں تک کہ جب تم نے حکم میں جھگڑا کیا اور نافرمانی کی تو تم بزدل ہوگئے) تو پھر واؤ زائدہ ہونے پر کوئی اشکال باقی نہ رہا۔ زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ واؤ زائدہ نہیں اور اذا کا جواب محذوف ہے یعنی جب تم بزدل بن گئے تم نے حکم میں جھگڑا کیا اور نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنی مدد کو روک لیا اور تمہیں موجودہ مصیبت میں ڈال دیا۔ واؤ مطلق جمع کے لئے ہوتی ہے، اس میں ترتیب ملحوظ خاطر نہیں ہوتی۔ اس لئے تنازع اور نسیان پر بزدلی کے مقدم ہونے کا تقاضا نہیں کرتی۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 363 (التجاریہ)

۷ یہ فشلتم کے متعلق ہے۔

۸ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دکھائی کامیابی اور غنیمت جسے تم پسند کرتے تھے۔

۹ یعنی انہوں نے مرکز کو چھوڑ دیا اور مال لوٹنے لگے۔

۱۰ یعنی عبداللہ بن جبیر کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ عبداللہ بن مسعود نے کہا میں اس کا احساس بھی نہیں رکھتا تھا کہ حضور ﷺ کے صحابہ میں سے کوئی دنیا چاہتا ہو، یہاں تک کہ احد کے روز یہ آیت کریمہ نازل ہوئی(۱)۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی نے بھی دنیا کے حصول کا ارادہ نہیں کیا تھا مگر اس جماعت نے تو ان کے متعلق احد کے روز یہ آیت نازل ہوئی۔

۱۱ اے مسلمانو! تمہاری نافرمانی کی نحوست کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں پھیر دیا۔

۱۲ ھم ضمیر سے مراد کفار ہیں یہاں تک کہ حالت بالکل بدل گئی اور وہ تم پر غالب آ گئے۔

۱۳ کہ تمہارا امتحان لے تاکہ مومنوں کو منافقین سے الگ کر دے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے اعمال سے تمام لوگوں کو امتحان اور مصیبت میں ڈال دیتا ہے۔ یہ چیز نافرمان کیلئے تو سزا اور مطیع کے لئے زیادہ اجر کا باعث ہوتی ہے۔

۱۴ نافرمانی اور مخالفت کے بعد تمہیں بالکل ختم نہیں کر دیا بلکہ فضل و احسان سے باقی رکھا، یا مخالفت پر شرمندہ ہونے کی وجہ سے تمہیں معاف کر دیا۔

۱۵ جب چاہتا ہے معاف کر کے فضل و احسان فرماتا ہے، یا تمام احوال میں تم پر فضل و احسان کرتا ہے کیونکہ نافرمانی کے بعد مومنوں پر مصیبت نازل کرنا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہوتا ہے کیونکہ اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ ان کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ امام بغوی نے اپنی سند سے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے نقل کیا ہے، کہا میں تمہیں کتاب اللہ کی سب سے فضیلت والی آیت کے بارے میں باخبر نہ کروں جس کے بارے میں حضور ﷺ نے ہمیں بتایا ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ اے علی میں خود تیرے لئے اس کی تفسیر کروں گا تمہیں جو مرض، سزا یا دنیا میں کوئی مصیبت آتی ہے یہ سب تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ آخرت میں دوبارہ ان پر مصیبت لائے، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جو معاف کر دیا ہے اور سزا نہیں دی تو آخرت میں پکڑنے پر قادر ہے۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

"یاد کرو جب تم دور بھاگے جا رہے تھے ۱ اور مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے ۲ کسی کو ۳ اور رسول کریم بلا رہے تھے تمہیں پیچھے سے ۴ پس اللہ نے پہنچایا تمہیں ۵ غم کے بدلے غم ۶ تاکہ تم نہ غمگین ہو اس چیز پر جو کھو گئی ہے تم سے اور نہ اس مصیبت پر جو پہنچی ہے تمہیں ۷ اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے جو کچھ تم کر رہے ہو ۸"

۱ یا مقدر فعل اذکر کے متعلق ہے، یعنی اس کی ظرف ہے۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی، حسن اور قتادہ نے تصعدون مجرد سے عین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ وہ قرأت جس پر اجماع ہے وہ باب افعال سے تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ مفضل نے کہا صعد، اصعد اور صعد تینوں کا معنی ایک ہی ہے ابو حاتم نے کہا اصعدت تو اس وقت کہے گا جب تو اپنے سامنے ہموار زمین میں چلے اور صعدت اس وقت کہے گا جب تو پہاڑ پر چڑھے میبرد نے

۱۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 384 (التجاریہ)

کہا اصعد کا معنی ابعد فی الذھاب یعنی دور چلا جاتا ہے۔ بغوی نے کہا یہ دونوں امر واقع ہوئے تھے، ان میں سے کچھ دور جانے والے تھے اور کچھ اوپر چڑھنے والے تھے۔

۲؎ تم گردنیں بھی نہ پھیرتے تھے۔

۳؎ خوف کی زیادتی کی وجہ سے تم ایک دوسرے کی طرف متوجہ بھی نہ ہوتے تھے۔

۴؎ یعنی آپ ارشاد فرمارہے تھے اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔ میں اللہ کا رسول ہوں، جو پلٹ آئے گا اس کے لئے جنت ہے۔ یہ جملہ حال بن رہا ہے۔

۵؎ تمہاری بزدلی اور نافرمانی پر تمہیں بدلہ دیا۔ اس کا عطف صرفکم پر ہے۔ یہاں اثابه (ثواب سے مشتق ہے) کو عقاب کی جگہ رکھا گیا ہے جس طرح فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ میں بشّر کو رکھا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم نے ثواب کی امید لگا رکھی تھی، اللہ تعالیٰ اس کی جگہ تمہیں عذاب دے گا۔

۶؎ یعنی ایسا غم جو دوسرے غم کے ساتھ متصل ہوگا۔ یہ اغتمام سے مشتق ہے، اس سے مراد قتل ہونا، زخمی ہونا، مشرکوں کی کامیابی اور رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر کا منتشر ہونا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ پہلا غم غنیمت کا چھن جانا اور دوسرا غم جو انہیں مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا جیسے قتل، زخم اور شکست۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ پہلے غم سے مراد قتل ہونا اور زخمی ہونا اور دوسرے غم سے جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شہادت کے بارے میں سنا، پس دوسرے غم نے پہلے غم کو بھلا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ پہلے غم سے خالد بن ولید کا گھوڑ سوار دستے کے ساتھ حملہ کرنا اور دوسرا غم ابوسفیان کا اپنے لشکر کے ساتھ حملہ کرنا ہے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو بلاتے گئے یہاں تک کہ ایک چٹان والوں تک جا پہنچے۔ جب ان لوگوں نے آپ کو دیکھا تو ان میں سے ایک نے اپنا تیر کمان پر چڑھایا اور چلانے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا میں رسول اللہ ہوں۔ جب انہوں نے رسول اللہ کو دیکھا تو خوش ہو گئے حضور ﷺ بھی اپنے جانبازوں کو پا کر خوش ہو گئے۔ لوگ فتح، جو چیز ان سے چھن گئی اور اپنے شہداء کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی طرف بڑھے تو ابوسفیان اور اس کے ساتھی گھاٹی کے دروازے پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ جب ان مسلمانوں نے انہیں دیکھا تو پریشان ہو گئے، انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ انہیں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ پس انہیں قتل کر دیں گے تو انہیں پہلے جو تکلیف پہنچی تھی اس امر نے انہیں سب کچھ بھلا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ ہماری طرف نہیں چڑھ سکتے دعا کی اے اللہ اگر یہ جماعت قتل کر دی گئی تو تا قیامت زمین میں تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ پھر آپ نے صحابہ کو بلایا صحابہ نے انہیں پتھر مارے۔ پس انہیں چٹان سے نیچے اتار دیا[1] میں کہتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ کا فرمان سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ اس مقام پر نازل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ میں کہتا ہوں یہ تعبیر کرنا بھی جائز ہے کہ غم ثانی وہ ہو کہ جب ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ خوفزدہ ہو گئے کہ کہیں وہ مدینہ طیبہ پر حملہ نہ کر دیں اور بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کر دیں۔ آپ نے حضرت علی شیر خدا اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو یہ دیکھنے کے لئے بھیجا کہ اگر وہ اونٹوں پر سوار ہو گئے اور گھوڑوں کو چھوڑ دیا تو مکہ مکرمہ جا رہے ہوں گے اور اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اونٹوں کو چھوڑ دیا تو وہ مدینہ طیبہ پر حملہ کر رہے ہوں گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر وہ مدینہ طیبہ کی طرف چلے گئے تو میں بھی ان کے مقابلہ کے لئے چلا جاؤں گا اور ان کی گردنوں کو اڑا دوں گا۔ حضرت سعد اور حضرت علی ان کے پیچھے پیچھے چلے، کیا دیکھتے ہیں کہ وہ اونٹوں پر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 384 (التجاریہ)

سوار ہو گئے اور گھوڑوں کو چھوڑ دیا جبکہ انہوں نے مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے بارے میں مشورہ کیا تھا۔ صفوان بن امیہ نے کہا ایسا نہ کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس آیت کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ اس غم کے بدلہ میں جو تم نے نبی کریم ﷺ کو نافرمانی کر کے دیا تھا تمہیں غم دیا۔

ے مافاتکم سے مراد فتح اور غنیمت ہے اور ما اصابکم سے مراد قتل، جرم اور شکست ہے۔ اس میں لا زائد ہے۔ اس کا معنی پھر یہ ہوگا تاکہ جو چیز تم سے فوت ہوئی اور جو مصیبت تم کو پہنچی اس پر غم کا اظہار کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آیت کا معنی یہ ہے تمہیں غم کے بعد غم دیا تاکہ تم میں مصائب پر صبر کرنے کی جرأت پیدا ہو اور اس کے بعد فوت شدہ نفع اور لاحق ہونے والی تکلیف پر غمگین نہ ہو۔ میں کہتا ہوں اس کا یہ معنی کرنا بھی جائز ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیہم غم پر ثواب دیا اور اس چیز کے متعلق تمہارے نبی کریم کی زبان پر تمہیں آگاہ کیا تاکہ جو چیز تم سے فوت ہوئی اور جو تکلیف تمہیں پہنچی اس پر غمگین نہ ہو بلکہ اس کے ثواب سے خوش رہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اثابکم میں جو ضمیر رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ غمگین ہونے میں تمہارے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس وقت اثابہ بمالی (میں نے اسے اپنے مال میں شریک کر لیا) سے مشتق ہے۔ اس میں باء سببیہ اور بدلیہ ہوگی، یعنی جو مصیبت تم پر نازل ہوئی اس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ غمگین ہو گئے جس طرح تم غمگین ہوئے تھے اور تمہیں نافرمانی پر نہیں جھڑکا مقصود تمہیں ثواب دینا تھا تاکہ جو چیز تم سے فوت ہوگی اور جو تکلیف تمہیں پہنچی اس پر تم غمگین نہ ہو۔

۸ جو تم نے اعمال کئے اور جس کا تم نے قصد کیا سب کو جانتا ہے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

"پھر اتاری اللہ تعالیٰ نے تم پر ۱ غم واندوہ کے بعد راحت ۲ (یعنی) غنودگی ۳ جو چھا رہی تھی ۴ ایک گروہ پر تم میں سے ۵ اور ایک جماعت ایسی تھی ۶ جسے فکر پڑا ہوا تھا (صرف) اپنی جانوں کا ۷ بدگمانی کر رہے تھے اللہ کے ساتھ ۸ بلا وجہ ۹ عہد جاہلیت کی بدگمانی ۱۰ کہتے ۱۱ کیا ہمارا بھی اس کام میں کچھ دخل ہے ۱۲ آپ فرمایئے اختیار تو سارا اللہ کا ہے ۱۳ چھپائے ہوئے ہیں اپنے دلوں میں جو ظاہر نہیں کرتے آپ پر ۱۴ کہتے ہیں (اپنے دلوں میں) اگر ہوتا ہمارا اس کام میں کچھ دخل ۱۵ تو نہ مارے جاتے ہم یہاں (اس بے دردی سے) آپ فرمایئے کہ اگر تم (بیٹھے) ہوتے اپنے گھروں میں تو ضرور نکل آتے (وہاں سے) وہ لوگ لکھا جا چکا تھا جن کا قتل ہونا ۱۶ اپنی قتل گاہوں کی طرف ۱۷ (یہ سارے مصائب اس لئے تھے) تا کہ آزمالے اللہ تعالیٰ جو کچھ تمہارے سینوں میں (چھپا) تھا ۱۸ اور صاف کر دے جو (میل کچیل) تمہارے دلوں میں تھا ۱۹ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے سینوں کے رازوں کا ۲۰"

۱ کم ضمیر سے مراد مسلمانوں کی جماعت ہے۔

۲؎ یعنی دلوں میں اطمینان اور سکینہ جسے نزول رحمت کے وقت صوفی محسوس کرتا ہے۔

۳؎ یہ امنۃ سے بدل اشتمال ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ انزل کا مفعول بہ ہو اور امنۃ نعاسا سے حال مقدم ہو کیونکہ نعاسا نکرہ ہے(۱) شائد یہاں نعاس سے مراد وہ استغراق ہو جو نزول رحمت کے وقت صوفی کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ اس وقت دوسری چیزوں سے بالکل غافل ہو جاتا ہے۔ اس استغراق کو نعاس سے اس لئے تعبیر کیا گیا کیونکہ دونوں کے اندر کمال مشابہت موجود ہوتی ہے۔

۴؎ حمزہ اور کسائی نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں ضمیر امنۃ کی طرف لوٹے گی اور باقی قراء نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں ضمیر نعاس کی طرف لوٹے گی۔

۵؎ وہ پکے مومن ہیں۔ امام بخاری اور دوسرے محدثین نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو طلحہ نے کہا ہم پر اونگھ غالب آ گئی جبکہ ہم احد کے روز صفوں میں تھے میری تلوار گری جا رہی تھی اور میں اسے پکڑ رہا تھا(۱) وہ گری جا رہی تھی اور میں اسے پکڑ رہا تھا۔ حضرت ثابت حضرت انس سے، انہوں نے حضرت ابو طلحہ سے روایت کیا، انہوں نے کہا میں نے احد کے روز سر اٹھایا، میں نے جس کو دیکھا وہ اپنی ڈھال کے نیچے جھکا ہوا تھا۔(2)

۶؎ یہ مبتدا ہے اور اس سے مراد منافقین ہیں۔

۷؎ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ یہ طائفۃ کی صفت ہے، یعنی ان کے نفوس نے انہیں پریشانی میں ڈال دیا تھا۔ یہ امن اور سکینہ کے نزول سے محروم تھے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے نزدیک اہم ترین بات ان کی جانیں تھیں۔

۸؎ یظنون یہ طائفۃ کی خبر ہے۔

۹؎ غیر الحق مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو گمان رکھنا چاہئے تھا وہ اس کے برعکس اور گمان رکھ رہے تھا ان کا گمان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی مدد نہیں فرمائے گا، یا ان کا گمان یہ تھا کہ اگر حضور ﷺ نبی ہوتے تو آپ کو قتل نہ کیا جاتا۔

۱۰؎ یہ غیر الحق سے بدل ہے، یا حرف جار کے حذف کی وجہ سے منصوب ہے۔ کلام مقدر کا پھر معنی یہ ہوگا جاہلیت اور شرک والوں کے گمان کی طرح یہ جملہ طائفہ کی دوسری صفت ہے یا یہ جملہ حال ہے یا ماقبل جملہ کے بیان کے طور پر جملہ مستانفہ ہے اور طائفۃ والا جملہ یغشی کے فاعل یا اس کے مفعول سے حال ہے۔

۱۱؎ وہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے ہیں یا اپنے آپ سے کہتے ہیں۔ یہ یظنون سے بدل ہے۔

۱۲؎ اس میں ہل استفہام انکاری کے لئے ہے یا امر سے مراد اللہ تعالیٰ کی مدد ہے جس کا اس نے وعدہ کیا، یعنی جو وعدہ کیا گیا ہمارے نصیب میں تو کبھی بھی واقع نہیں ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ جب عبداللہ بن ابی کو خزرج قبیلہ کے افراد کے قتل ہونے کے بارے میں بتایا گیا تو اس نے یہ بات کہی تھی۔ اس کا معنی یہ ہوگا ہمیں اپنی تدبیر کرنے اور اپنے اختیار سے معاملات سرانجام دینے سے روک دیا گیا ہے۔ پس ہمارے لئے کوئی اور باقی نہ رہا یا اس کا معنی یہ ہوگا کیا ہم سے یہ جب ختم ہوگا کہ ہمارے لئے کوئی امر ہو۔ ابن راہویہ نے روایت نقل کی ہے کہ عبداللہ بن زبیر نے اپنے والد حضرت زبیر بن عوام سے روایت کیا جب ہمارے اوپر خوف شدید ہو گیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں اپنے آپ کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر نیند مسلط کر دی، ہم میں سے ہر ایک کی ٹھوڑی اس کے سینے کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی قسم!

---

(۱) جب ذوالحال نکرہ ہو تو حال کو اس سے پہلے لایا جاتا ہے

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 582 (الفاظ مختلف) (وزارت تعلیم) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 125 (الفاظ مختلف) (وزارت تعلیم)

میں معتب بن قشیر کی بات سن رہا ہوں جبکہ نیند مجھ پر غالب ہے، میں اس کی بات خواب کی طرح سن رہا ہوں (1) وہ کہہ رہا ہے اگر ہمارا اس معاملہ میں کچھ حصہ ہوتا تو ہم یہاں یوں قتل نہ کئے جاتے میں نے اس کی یہ بات یاد کر لی اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں اس آیت کو نازل فرمایا۔

۱۳؎ اے محمد ﷺ فرما دیجیے بے شک حکم سب اللہ تعالیٰ کا ہے جو چاہتا ہے دیتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے وہی کرتا ہے، یا حقیقی غلبہ کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے ساتھیوں کا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب ہے، اگرچہ بعض اوقات کسی حکمت کی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا۔ ابو عمرو نے کلہ کو مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے اور اس کا بعد اس کی خبر ہے۔ باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے اور یہ امر کی تاکید ہے اور جملہ معترضہ ہے۔

۱۴؎ یقولون میں جو ضمیر فاعل ہے۔ اس سے یہ جملہ حال بن رہا ہے۔ یہ ظاہر میں تو یہ کہتے ہیں کہ وہ ہدایت کے طلبگار ہیں، مدد کے طالب ہیں اور مخفی طریقہ سے بعض بعض سے اس کے برعکس کہتے ہیں اور آپ کے قول ان الامر کلہ للہ کا انکار کرتے ہیں۔

۱۵؎ جس طرح حضرت محمد ﷺ نے ہم سے وعدہ کیا ہے، یا جو انہوں نے گمان کیا ہے کہ معاملہ تمام کا تمام اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کے لئے ہے، یا یہ معنی ہوگا اگر ہمارا اختیار اور تدبیر ہوتی تو ہم مدینہ طیبہ میں ہی رہتے جس طرح ابن ابی اور دوسرے لوگوں نے مشورہ دیا تھا۔

۱۶؎ یعنی لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا تھا اور اللہ نے ان کے حق میں قتل کو مقدر کر دیا تھا۔

۱۷؎ وہ ضرور اپنی قتل گاہوں کی طرف نکلتے اور مدینہ طیبہ میں ان کا ٹھہرنا انہیں کچھ نفع نہ دیتا بلکہ حقیقت میں وہ مدینہ طیبہ ٹھہر ہی نہیں سکتے تھے۔

۱۸؎ تاکہ تمہارے دلوں میں جو کچھ چھپا ہے اس کا امتحان لے اور تمہارے اخلاص اور نفاق کو ظاہر کرے۔ یہ محذوف کلام پر معطوف ہے اور ہر ز فعل کے متعلق ہوگا، تقدیر کلام یوں ہوگی لَبَرَزُوْا اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ یعنی وہ ضرور اپنے قتل کی طرف نکلتے تاکہ فیصلہ خداوندی ان پر نافذ ہو اور بے شمار مصلحتیں آشکارا ہوں اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں آزمائے یا یہ فعل محذوف کے متعلق ہے اور جملہ سابقہ جملہ کا معطوف ہے۔ پھر تقدیر کلام یوں ہوگی: ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ وَ فَعَلَ ذٰلِكَ لِيَبْتَلِيَ کہ اس نے تمہارے اوپر سکینہ کو نازل کیا اور اس نے یہ عمل اس لئے کیا تاکہ تمہیں آزمائے یا اس کا عطف تَحْلِيْلًا تعزونا پر ہے۔

۱۹؎ یعنی ظاہر فرمائے اور تمیز دے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، یا جملے کا معنی یہ ہوگا اے مومنو! تاکہ تمہارے دلوں میں جو وساوس ہیں انہیں پاک کر دے۔

۲۰؎ یعنی ان کے اظہار سے پہلے بھی باخبر ہے اور آزمائش کرنے سے غنی ہے۔ اس نے یہ عمل اس لئے کیا ہے تاکہ مومنوں کی مشق کرے منافقین کے حال کو ظاہر کرے اور ان پر حجت تمام کرے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

"بے شک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر گئے تم سے ۱؎ اس روز جب مقابلہ میں نکلے تھے دونوں لشکر ۲؎ تو پھسلا دیا تھا انہیں شیطان نے ۳؎ بوجہ ان کے کسی عمل کے اور بیشک اب معاف فرما دیا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے ۴؎"

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 156 (العلمیہ)

لے اے مسلمانوں کی جماعت تم میں سے جو بھاگ گئے۔
۲ یعنی احد کے روز مسلمانوں اور مشرکوں کی جماعتیں آپس میں ٹکرائیں اور مسلمانوں کی اکثریت بھاگ گئی اور حضور ﷺ کے ساتھ صرف تیرہ افراد رہ گئے جن کا ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے اور عبداللہ بن جبیر کے ساتھ صرف دس آدمی رہ گئے۔
۳ شیطان نے انہیں پھسلایا، یا شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا، انہیں معصیت پر برانگیختہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ازل اور استزل دونوں کا معنی ایک ہے۔
۴ ان کے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے ان کے مرکز کو چھوڑنے کی وجہ سے۔ حضرت حسن بصری نے کہا ما کسبوا سے مراد ان کا شیطان کے وسوسہ کو قبول کرنا ہے۔
۵ یہی وہ دلیل تھی جو حضرت عبداللہ بن عمر نے اس وقت پیش کی جب مصر کے بعض لوگوں نے حضرت عثمان پر حملہ کیا اور غزوۂ احد سے فرار اور غزوۂ بدر اور بیعت رضوان میں حاضر ہونے کی تہمت لگائی۔ جہاں تک غزوۂ احد سے آپ کے بھاگنے کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس خطا کو معاف کر دیا اور غزوہ بدر سے غیر حاضر رہنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے عقد میں حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ تھیں جو مریض تھیں حضور ﷺ نے آپ کو ارشاد فرمایا آپ کے لئے اتنا ہی اجر ہے جتنا اجر بدری صحابی کا ہے اور مال غنیمت میں اس کے برابر حصہ ہے۔ رہا بیعت رضوان سے آپ کا غائب ہونا اگر مکہ کی سرزمین میں حضرت عثمان سے بڑھ کر عزت والا ہوتا تو آپ ضرور اسے ہی بھیجتے۔ حضور ﷺ نے آپ کو سفیر بنا کر مکہ مکرمہ میں بھیجا تھا اور بیعت رضوان حضرت عثمان کے مکہ مکرمہ جانے کے بعد ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا یہ عثمان کا ہاتھ ہے، اسے اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا۔ پھر فرمایا یہ عثمان کی طرف سے بیعت ہے۔ پھر ابن عمر نے فرمایا اب اسے (تفصیل) بھی اپنے ساتھ لے جا(1) اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے اس لئے اب کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس فرار کی وجہ سے صحابہ کرام پر طعن کرے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی ہے کہ یہ فرار نہی سے پہلے واقع ہوا تھا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَ مَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَ اللّٰهُ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۗ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

"اے ایمان والو! نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کفر اختیار کیا لے اور وہ کہتے تھے ۲ اپنے بھائیوں کو ۳ جب وہ سفر کرتے کسی علاقہ میں ۴ یا ہوتے تھے جہاد کرنے والے ۵ کہ اگر وہ ہوتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے ۲ تاکہ بنائے اللہ تعالیٰ اس (خیال باطل) کو ۸ حسرت (کا باعث) ان کے دلوں میں ۹ اور (درحقیقت) اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے ۱۰ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے ۱۱"

لے الذین کفروا سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی ہیں کیونکہ جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہیں میں شمار ہوتا ہے(2) ابوداؤد نے حضرت ابن عمر سے مرفوع روایت ذکر کی ہے اور طبرانی نے حضرت حذیفہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے، خصوصاً جب مشابہت کفر کو ثابت کرتی ہو جس طرح کے معاملہ میں ہم اس وقت موجود ہیں کیونکہ یہ قول تقدیر کا انکار ہے جبکہ تقدیر کا انکار کفر ہے۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 582 (وزارت تعلیم)
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 2، صفحہ 203 (وزارت تعلیم)

۱؎ قالوا کا صیغہ اگرچہ ماضی کا ہے، تاہم معنی مستقبل کا دے رہا ہے کیونکہ اس کی ظرف کے طور پر اذا کا ذکر ہے، نہ کہ اذ کا اور اذا کا لفظ مستقبل کے لئے ہوتا ہے، اگرچہ ماضی پر ہی داخل ہو۔ یہاں ماضی کا صیغہ اس لئے ذکر کیا تا کہ اس کے تحقق پر دلالت کرے جس طرح رب العالمین کے اس ارشاد میں ہے: اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ

۲؎ بھائیوں سے یہ کہا یا ان کے نسبی بھائی ہیں یا نفاق کی وجہ سے بھائی بند تھے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ اسکا معنی وہ نہیں جو اوپر بیا گیا بلکہ اس کا معنی یہ ہے اپنے بھائیوں کے متعلق کہا یا ان کے بارے میں کہا کیونکہ رب العالمین کا ارشاد لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ان کے مخاطب نہ تھے بلکہ مخاطب اور لوگ تھے اور بات دوسروں کے متعلق کی جارہی تھی۔ تاہم یہ بھی جائز ہے کہ یہ قول ان کے بھائیوں کے لئے ہو۔ پھر اس کی صورت یہ ہوگی کہ ان میں سے کچھ حاضر تھے اور لو کانوا میں جو ضمیر ان کی طرف لوٹ رہی ہے وہ ان میں سے بعض مقتولوں یا مرے ہوئے افراد کے بارے میں ہو اور فعل بعض کا ہو اور نسبت تمام کی طرف کردی جائے۔ یہ استعمال عام ہے اور مخاطبین میں اخوت کی تفسیر نفاق کے باعث کرنا درست نہیں، کسی اور وجہ سے کرنا درست نہیں کیونکہ وہ لوگ جو جہاد پر گئے تھے ان کی اکثریت منافق نہ تھی۔

۳؎ یعنی زمین میں گئے اور تجارت یا کسی اور دوسری غرض کے لئے دور ہوگئے۔ اذا قالوا کے متعلق ہے۔ اس زمانہ سے مراد ایک طویل زمانہ ہو گا جس میں ضرب، موت اور یہ قول واقع ہوا ہے۔ امام بیضاوی نے کہا مناسب تو یہ تھا کہ اذا کی بجائے اذ ہوتا کیونکہ فعل قالوا ہے(1) لیکن حال ماضی کی حکایت کے لئے اذا کا لفظ ذکر فرمایا۔

اعتراض: اگر یہ کہا جائے کہ فعل ماضی کا صیغہ جب اذا (جو زمانہ مستقبل پر دلالت کرتا ہے) کے ساتھ استعمال ہو تو حال کا معنی نہیں دیتا تو یہ کیسے درست ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ کو موجودہ زمانہ تصور کرتے ہوئے حال ماضیہ کی حکایت بیان کی جائے یا تو یہ فرض کرے کہ وہ زمانہ ماضی میں یوں متکلم ہے۔

زیادہ مناسب بات وہ ہے جو ہم نے بھی یہاں قالوا استقبال کا معنی دے رہا ہے۔

۴؎ غزی غازی کی جمع ہے جس طرح عافی کی جمع عفی آتی ہے، یعنی وہ مسافر ہوں یا غازی وہ فوت ہوں یا قتل کئے جائیں۔

۵؎ یہ قالوا کا مقولہ ہے۔ وہ تقدیر پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے یہ بات کہی قدریہ فرقہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔

۶؎ لام عاقبت کا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا

۷؎ یعنی وہ اعتقاد جس پر یہ قول دلالت کرتا ہے۔

۸؎ لِيَجْعَلَ یا تو قالوا کے متعلق ہے۔ پھر معنی یہ ہوگا ان کے قول اور اس اعتقاد کا نتیجہ حسرت ہوگا، یا یہ لاتکونوا کے متعلق ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ تم ایسا قول کرنے اور اعتقاد میں ان کی مثل نہ ہو جاؤ۔ ذلک کا مشار الیہ وہ چیز ہوگی جس پر نہی دلالت کرتی ہے۔ پھر معنی یہ ہوگا کہ تم ان کی مثل نہ ہو جاؤ تا کہ تمہارے ان جیسا نہ ہونے کو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں حسرت بنا دے کیونکہ تمہارا ان کی مخالفت کرنا انہیں غم میں مبتلا کرتا ہے۔

۹؎ موت و حیات میں سفر اور جہاد یا ان کی اضداد کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ بعض اوقات مقیم جو گھر میں بیٹھا ہوتا ہے وہ مر جاتا ہے اور مسافر غازی زندہ و سلامت رہتا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، صفحہ 93 (التجاریہ)

[11] جب خطاب کا صیغہ پڑھا جائے تو مومنوں کو منافقوں کی مماثلت اختیار کرنے پر دھمکی ہوگی ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے اسے یعملون پڑھا ہے اس صورت میں یہ کفار کے لئے وعید ہوگی۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿١٥٧﴾

"اور واقعی اگر تم قتل کئے جاؤ راہِ خدا میں یا تم مرجاؤ [1] تو اللہ کی بخشش اور رحمت (جو تمہیں نصیب ہوگی) بہت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں [2]"

[1] یعنی اس کے راستہ میں تمہیں موت آئے۔ نافع، حمزہ اور کسائی نے مِتُّم پڑھا ہے جہاں بھی یہ لفظ واقع ہوا میم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ مات یمات بروزن خاف یخاف پڑھا ہے۔ ابن کثیر، ابوعمرو، ابن عامر اور ابوبکر نے جہاں بھی یہ فعل واقع ہوا ضمہ کیساتھ پڑھا ہے یہ مات یموت بروزن قال یقول پڑھا ہے۔ حفص نے یہاں دونوں حرفوں یعنی خاص طور پر ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی میں کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

[2] حفص نے یجمعون پڑھا ہے اور باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ جواب قسم ہے اور جواب شرط کے قائم مقام ہے۔ مراد یہ ہوگی کہ سفر اور جہاد موت میں موثر نہیں اور ان کی ضد زندگی میں کوئی تاثیر نہیں رکھتی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی زندگی اور موت عطا کرتا ہے۔ اگر عام قانون کے مطابق انہیں موت میں تاثیر ہو بھی تو موت پر اللہ تعالیٰ کی جو رحمت اور مغفرت مرتب ہوتی ہے، وہ اس سے بہت بہتر ہے جو حیات کی صورت میں وہ دنیا اور اس کے منافع جمع کرتے ہیں۔ اس لئے تمہیں اس خیر کو طلب کرنا چاہئے اور دنیاوی چیزوں میں سے جو فوت ہوگئی ہیں ان پر کوئی حسرت نہیں کرنی چاہیے۔

وَلَئِنْ مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿١٥٨﴾

"اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو اللہ کے حضور جمع کئے جاؤ گے [1]"

[1] یعنی تم کسی صورت میں بھی مر جاؤ یا قتل کئے جاؤ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے، کسی غیر کی طرف نہیں لوٹنا۔ اس لئے تم پر یہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انس اور اس کی محبت کے حصول کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کرو تاکہ تمہیں اپنے محبوب تک رسائی حاصل ہو اور فراق کی قید سے تمہیں چھٹکارہ ملے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾

"پس (صرف) اللہ کی رحمت سے [1] آپ نرم ہو گئے ہیں ان کے لئے [2] اور اگر ہوتے آپ تند مزاج سخت دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے آپ کے آس پاس سے [3] تو آپ درگزر فرمایئے ان سے [4] بخشش طلب کیجئے ان کے لئے اور صلاح مشورہ کیجئے [5] ان سے اس کام میں [6] اور جب آپ ارادہ کر لیں (کسی بات کا) تو پھر توکل کرو اللہ پر بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے [8]"

1۔ جار مجرور کو حصر کے لئے مقدم کیا۔ ما زائدہ تاکید کے لئے اور حصر میں اضافہ کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔ یہ رحمت آپ پر اور آپ کی امت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

2۔ ھم ضمیر سے مراد مومنین ہیں آپ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور قلبی وجدان کی وجہ سے ان کے لئے نرم ہو گئے۔ انہوں نے اگرچہ آپ کی مخالفت کی تھی لیکن اسکے باوجود آپ ان کے لئے غمگین ہوئے۔ پھر اس بات کی وضاحت فرمائی کہ یہ نرمی رحمت ہے۔

3۔ اگر آپ بد اخلاق اور خشک مزاج ہوتے دل کے سخت ہوتے وہ ضرور بکھر جاتے۔ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سکون حاصل نہ کرتے۔ تو پھر اسلام کے پٹہ کو اپنی گردن سے اتار پھینکتے، جنت کے مستحق نہ رہتے اور متبعین کے کم ہونے سے آپ کا اجر بھی کم ہو جاتا۔

4۔ جو آپ کا حق ہے اس کو معاف کر دو۔

5۔ جو حقوق اللہ انہوں نے پامال کئے ہیں ان کے بارے میں بخشش طلب کیجئے۔

6۔ جنگ اور دوسرے معاملات میں ان سے مشورہ کیجئے ایسے امور میں جو مشورہ سے متعلق ہوں اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نہ ہو۔ یہ مشورہ ان کی رائے لینے اور ان کو خوش کرنے اور امت کے لئے مشورہ کی سنت کو ثابت کرنے کے لئے ہو۔ امام بغوی نے اپنی سند سے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر مشورہ لینے والا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔(1)

7۔ جب آپ مشورہ کے بعد کسی کام کا عزم کر لیں تو اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں اور اسی پر بھروسہ کریں یہ حضور ﷺ کی شان تھی۔ اسی وجہ سے غزوۂ احد کے لئے نکل کھڑے ہوئے فرمایا نبی کو یہ زیبا نہیں کہ وہ اپنی زرہ پہن لے اور جنگ سے پہلے اتار دے، یعنی مشورہ کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اپنی رائے یا مشورہ دینے والوں کی رائے پر بھروسہ نہ کر کیونکہ مشاورت کا مقصود ان کے پاس موجود علم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہترین رائے کا حصول ہوتا ہے کیونکہ عام قاعدہ یہی ہے کہ باہم افکار کے ملنے سے بہترین رائے حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس واقعہ میں جو امر غیب ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، کوئی اور نہیں جانتا۔ بعض اوقات انسانی عقول نظر و فکر میں غلطیاں بھی کر جاتے ہیں۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ عام قاعدہ سے ہٹ کر بھی فعل صادر فرماتا ہے۔ اس وجہ سے آراء پر بھروسہ کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

توکل کا مفہوم یہ ہے کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے اور اس سے اس بات کا طالب ہو کہ اس کے عمل کے نتیجہ کو اچھا کرے اور اس میں حسن ظن رکھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ توکل کا یہ معنی ہے کہ اپنے رزق کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ یہ قول اللہ کی پناہ لینے کو لازم کرتا ہے اور معصیت میں کوئی پناہ کا تصور نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی کو مددگار نہ بنائے اور اپنے رزق کے لئے کسی اور کو خازن نہ جانے اور اپنے لئے کسی اور کو شاہد نہ جانے۔ میں کہتا ہوں ان امور کے بغیر پناہ کے لئے اسی کو خاص کرنا اور اسی سے پناہ کو طلب کرنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار افراد بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ وہ کون ہوں گے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جو داغ نہیں لگواتے، مشرکانہ منتر نہیں پڑھواتے، بدفالی نہیں پکڑتے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں(2) متفق علیہ۔ امام بغوی نے عمران بن حصین سے اسی طرح نقل کیا ہے حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرتے جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بھی اسی طرح رزق دیتا جس

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 388 (التجاریہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 116 (قدیمی)

طرح وہ پرندوں کو رزق دیتا ہے۔ وہ صبح بھوکے پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس لوٹتے ہیں (1) اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ ابن عباس کی روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسباب عادیہ سے فائدہ اٹھانا چھوڑ دیا جائے جس طرح داغ لگوانا اور جھاڑ پھونک کروانا۔ میں کہتا ہوں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں بلکہ اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ اسباب پر بھروسہ کرنا ترک کر دیا جائے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ مشورہ طلب کرنا بھی تو اسباب سے فائدہ اٹھانے کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشورہ طلب کرنے کا حکم ارشاد فرمایا پھر اس پر بھروسہ کرنے سے منع کر دیا اور حضور ﷺ کا فرمان وَعَلٰی رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ به لَا يَكْتَوُوْنَ وَلَا يَسْتَرْقُوْنَ کی تفسیر نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ درمیان میں حرف عطف موجود ہے جو مغائرت پر دلالت کرتا ہے۔ شائد وہ ستر ہزار افراد عموماً اسباب سے فائدہ نہ اٹھاتے ہوں گے۔ یا اس کا مطلب یہ ہے بعض ناپسندیدہ اسباب کو چھوڑنا کیونکہ اسباب سے فائدہ اٹھانا، یہ اس زندگی کا لازمی حصہ ہے کیونکہ کھانا پینا بھی تو اس زندگی کے اسباب عادیہ ہیں اور نماز روزہ کی ادائیگی عموماً جنت میں داخل ہونے کے اسباب ہیں جبکہ ان کا بجالانا فرض ہے۔

۵ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور یہی سب سے بلند مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل انسان کو اس مقام کی طرف لے جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے اور صلاح کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ" جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے وہ اس کیلئے کافی ہوتا ہے۔ حدیث قدسی ہے میرا بندہ میرے بارے میں جو گمان رکھتا ہے میں اس کے ساتھ اسی کے مطابق معاملہ کرتا ہوں۔ (2)

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۶۰

"اگر مدد فرمائے تمہاری اللہ تعالیٰ تو کوئی غالب نہیں آسکتا تم پر ۱؎ اور اگر وہ (ساتھ) چھوڑ دے تمہارا تو کون ہے جو مدد کرے گا تمہاری ۲؎ اس کے بعد ۳؎ اور صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے ایمان والوں کو ۴؎"

۱؎ کیونکہ یہ امر محال ہے کہ جس کی اللہ تعالیٰ مدد کرے وہ مغلوب ہو کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا عجز لازم آتا ہے جبکہ وہ اس سے پاک ہے۔

۲؎ یعنی اگر اللہ تعالیٰ اپنی مدد تم سے روک لے تو تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا کیونکہ تمام مخلوقات کے افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ مدد روک لے تو کسی سے مدد کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

۳؎ یعنی اس کی مدد کے چھوڑنے کے بعد یا اس کا معنی یہ ہے جب تم مدد طلب کرنے میں اللہ تعالیٰ سے تجاوز کر چکے ہو تو کسی غیر سے مدد کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ جب امر کے صیغہ کے ساتھ دلیل نقلی سے توکل کا وجوب ثابت ہو گیا تو یہ آیت کریمہ دلیل عقلی کے ذریعے اللہ تعالیٰ پر توکل کے وجوب کو ثابت کر رہی ہے۔

۴؎ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر مومنوں کو توکل کرنا چاہئے کیونکہ وہ جانتے بھی ہیں اور ان کا ایمان بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں۔

1۔ جامع ترمذی، ابواب الزہد، جلد 2، صفحہ 57-58 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 343 (قدیمی)

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

''اور نہیں ہے کسی نبی کی یہ شان کہ خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرے گا تو لے آئے گا (اپنے ہمراہ) خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن پھر پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔''

لے ابن کثیر، ابو عمرو اور عاصم نے یاء کے فتحہ اور غین کے ضمہ کے ساتھ معروف کا صیغہ پڑھا ہے اور باقی قراء نے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی یاء پر پیش اور غین پر زبر پڑھی ہے۔ غلول کا معنی غنیمت میں خیانت کرنا ہے۔ پہلی قرات کے مطابق محمد بن اسحاق نے کہا وحی میں خیانت کرنا مراد ہے۔ پھر اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ نبی کی یہ شان نہیں کہ کسی رغبت، خوف یا بزدلی کی وجہ سے وحی چھپائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ قوی لوگوں نے حضور ﷺ نے مال غنیمت کے بارے میں اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ کہ ایک قوم کو دے اور دوسری کو محروم کرے بلکہ اس پر یہ لازم ہے کہ وہ ان میں برابر طور پر تقسیم کرے۔ ابوداؤد، ترمذی نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی، امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا۔ یہ آیت ایک سرخ دھاری دار کمبل کے بارے میں نازل ہوئی جو غزوہ بدر میں گم ہو گیا تھا۔ بعض نے کہا شاید رسول اللہ ﷺ نے لے لیا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا کہ نبی کے لئے مال غنیمت میں سے لینا حلال نہیں کیونکہ یہ خیانت ہے(1) کلبی اور مقاتل نے کہا یہ آیت مال غنیمت کے بارے میں نازل ہوئی جب تیر اندازوں نے مال غنیمت کی خاطر اپنی جگہ چھوڑ دی تھی، انہوں نے کہا ہمیں خوف لاحق ہوا کہ کہیں حضور ﷺ یہ نہ فرمادیں کہ جس نے جو مال چھینا ہے وہ اسی کا ہوگا اور اسے تقسیم کرنے کا حکم نہ دیں جس طرح آپ نے غزوہ بدر میں تقسیم کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ پس وہ مال غنیمت سمیٹنے لگے نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا کیا میں نے تم سے پختہ وعدہ نہیں لیا تھا کہ تم اپنے مرکز کو نہیں چھوڑو گے، یہاں تک کہ میری طرف سے تمہیں کوئی حکم پہنچے۔ انہوں نے عرض کی ہم باقی بھائیوں کو وہاں چھوڑ آئے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا بلکہ تم نے یہ گمان کیا کہ ہم مال غنیمت میں خیانت کریں گے اور اسے تقسیم نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا۔(2) ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور ابن جریر نے ضحاک سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا دستہ دشمنوں کی اطلاع کے لئے بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ کو مال غنیمت حاصل ہوا۔ آپ کے ساتھ جو لوگ تھے آپ نے انہیں مال غنیمت عطا کیا اور اس دستے کو کچھ عطا نہ فرمایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس میں بعض مستحق لوگوں کو مال غنیمت سے محروم رکھنے پر بطور تغلیظ اور مبالغہ کے غلول کہا۔

دوسری قرأت کی صورت میں اس کی دو صورتیں ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ نبی کی شان نہیں کہ اس کی نسبت غلول کی طرف کی جائے اس صورت میں دونوں قرأتوں کا مرجع ایک ہی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا معنی یہ کیا جائے نبی کے ساتھ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ اس کی امت اس کے ساتھ خیانت کرے۔ قتادہ نے کہا ہمارے سامنے ذکر کیا گیا۔ ایک طائفہ نے حضور ﷺ سے خیانت کی ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ طبرانی نے کبیر میں ثقہ راویوں کیساتھ حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا وہ ناکام لوٹا۔ پھر آپ نے لشکر بھیجا تو ہرن کے سر کے برابر سونے میں خیانت کی وجہ سے وہ ناکام لوٹا تو یہ آیت نازل ہوئی۔(3)

ئے کلبی نے کہا جہنم میں اس چیز کی صورت میں کوئی چیز ہوگی۔ اس سے کہا جائے گا نیچے اترو اور اسے اٹھالو۔ وہ نیچے اترے گا اور اسے اپنی

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 125 (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 369 (التجاریہ) 3۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 161 (العلمیہ)

پشت پر اٹھالے گا۔ جب اپنی جگہ پہنچے گا تو جہنم میں گر پڑے گا۔ پھر اسے مجبور کیا جائے گا۔ وہ نیچے اترے، اسے نکالے وہ اسی طرح کرے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ خیبر کے موقع پر نکلے۔ حضور ﷺ کو اس موقع پر سونا، چاندی نہیں ملا تھا بلکہ جانور کپڑے اور اور دوسرا اسامان تھا۔ رسول اللہ ﷺ وادی قری کی طرف تشریف لے گئے۔ رفاعہ بن زید نے رسول اللہ ﷺ کو ایک سیاہ غلام پیش کیا جسے مدعم کہتے۔ ہم چلے یہاں تک کہ ہم وادی قری پہنچے جب مدعم رسول اللہ ﷺ کا ہودج اتار رہا تھا ایک مبہم تیر آیا جو مدعم کو لگا اور اسے قتل کر دیا۔ لوگوں نے کہا اسے جنت کی بشارت ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ چھوٹی چادر جو اس نے مال غنیمت سے لی، جو اس کے حصہ کے میں نہیں آئی تھی وہ آگ کی صورت میں اس پر بھڑکتی رہے گی۔ جب لوگوں نے یہ فرمان سنا تو ایک آدمی ایک یا دو تسمے لے کر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک یا دو تسمے جہنم میں سے ہیں۔(1)

صحیحین میں انہیں سے ایک روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو ایک غلام ہدیہ کے طور پر پیش کیا جسے مدعم کہتے ہیں۔ باقی ماندہ حدیث اسی طرح ہے۔ یزید بن خالد سے روایت ہے کہ ایک آدمی خیبر کی جنگ میں فوت ہو گیا صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں ذکر کیا یزید کو گمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنے ساتھی پر نماز جنازہ پڑھ لو۔ یہ بات سن کر لوگوں کے چہرے بدل گئے یزید نے گمان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے ساتھی نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیانت کی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ ہم نے اس کا سامان کھولا تو ہم نے یہودیوں کے کچھ منکے دیکھے جن کی قیمت دو درہم کے برابر ہو گی(2) اسے امام مالک، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ ابو حمید ساعدی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ازدی شخص کو صدقات پر عامل بنایا جسے ابن لتبیہ کہتے۔ جب وہ صدقات وصول کر کے واپس آیا تو عرض کی یہ مال آپ کے لئے ہے اور یہ مجھے تحفہ کے طور پر ملا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ پھر فرمایا میں تم میں سے کسی ایک کو ان معاملات میں والی بناتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کئے ہیں۔ وہ میرے پاس واپس آتا ہے اور کہتا ہے یہ آپ کے لئے ہے اور یہ مجھے بطور تحفہ پیش کیا گیا۔ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھا رہا، یہاں تک کہ اس کے پاس ہدایا آتے۔ قسم بخدا تم میں سے جو بھی ناحق مال لے گا وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس چیز کو اٹھائے ہوئے ہو گا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بلبلاتے اونٹ، ڈکارتی گائے یا منمناتی گائے کو اٹھائے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ملے گا(3) متفق علیہ۔ ایک اور روایت میں ہے آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے، فرمایا اے اللہ کیا میں نے پیغام حق پہنچا دیا، اے اللہ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا۔

عدی بن عمیرہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرمایا جس کو ہم کوئی ذمہ داری سونپتے ہیں وہ ہم سے دھاگہ یا اس سے بڑی چیز چھپائے وہ خیانت ہو گی اور وہ قیامت کے روز اس کے ساتھ آئے گا(4) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے آپ نے خیانت کو بڑا جرم بتایا اور فرمایا میں تمہیں قیامت کے روز اس حال میں نہ طلوں کہ تم اپنی گردن پر بلبلاتا اونٹ اٹھائے ہوئے ہو، پھر عرض کرو یا رسول اللہ ﷺ میری مدد فرماؤ۔ میں جواباً یہ کہوں میں تمہیں اللہ سے چھٹکارہ دلانے میں کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ تحقیق میں نے تجھے پیغام پہنچا دیا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس کی گردن پر گھوڑا ہو اس کی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 369 (التجاریہ)
2۔ سنن نسائی، جلد 1، صفحہ 278 (وزارت تعلیم)
3۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 2، صفحہ 123 (قدیمی)
4۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 124 (قدیمی)

گردن پر بکری ہو یا سونا چاندی لدا ہوا ہو۔ پھر آپ نے اسی کی مثل ذکر کیا(1) متفق علیہ۔

حضرت عمر بن خطاب سے اسی کی مثل مرفوع روایت مروی ہے جسے ابو یعلی اور بزار نے روایت کیا ہے۔ اسی کی مثل سعد بن عبادہ اور عقب سے امام احمد کے نزدیک مروی ہے۔ ابن عمر اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بزار کے نزدیک ابن عباس، عبادہ بن صامت اور ابن مسعود سے طبرانی کے نزدیک مروی ہے۔ سب عاملین صدقہ کے بارے میں ہے جب وہ صدقہ میں خیانت کریں۔ ابو مالک اشعری حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی خیانت وہ ذراع بھر زمین ہے جو تم پاتے ہو کہ زمین یا گھر میں دو پڑوسی ہیں ان میں سے ایک دوسرے کے حق میں سے ایک ذراع لیتا ہے۔ جب وہ اس کا ایک ذراع غصب کر لیتا ہے تو قیامت کے روز ساتوں زمینوں کا وہ ذراع بطور طوق گردن میں لٹکانے ہوگا۔

قیس بن ابی حازم معاذ بن جبل سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے یمن بھیجا فرمایا میری اجازت کے بغیر کوئی چیز نہ لینا کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو یہ خیانت ہوگی اور جس نے خیانت کی وہ قیامت کے روز خیانت کے ساتھ آئے گا۔ عمر بن خطاب حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں فرمایا جب تم کسی ساتھی کو دیکھو کہ اس نے خیانت کی ہے تو اس کے مال کو جلا دو اور اسے مارو۔(2)

عمر بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سیدنا صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ نے خیانت کرنے والے کے مال کو جلایا اور اسے مارا(3) ابو داؤد، عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامان کی حفاظت پر ایک آدمی متعین تھا جسے کرکرہ کہتے تھے، وہ مر گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ جہنم میں ہے۔ لوگ اس کا مال دیکھنے کے لئے گئے تو اس میں ایک عباء دیکھی جو اس نے چوری کی تھی۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔(4)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھے بتایا کہ غزوۂ خیبر کا دن تھا صحابہ کی ایک جماعت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو عرض کی فلاں شہید ہے، یہاں تک کہ ایک آدمی کے پاس سے ان کا گزر ہوا تو کہا فلاں بھی شہید ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تو اسے اس چادر یا عباء میں دیکھتا ہوں جو اس نے چرائی تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن خطاب جاؤ، لوگوں میں تین بار اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن داخل ہوں گے۔ حضرت عمر نے کہا میں باہر نکلا میں نے تین بار اعلان کیا خبردار جنت میں صرف مومن داخل ہوں گے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔(5)

؎ ہر نفس نے جو کچھ کیا ہے اسے پورا پورا اجر دیا جائیگا۔ کلام یوں ہوتی ثُمَّ يُوَفَّى مَا كَسَبَ تو بھی مناسب تھی لیکن اسلوب تبدیل کیا اور حکم عام ذکر کیا تاکہ مقصود پر دلیل اور مبالغہ ہو جائے۔

؎ یعنی اطاعت گزار کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی اور نافرمان کی سزا میں زیادتی نہیں کی جائے گی۔

أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦٢﴾

"تو کیا جس نے پیروی کی رضائے الٰہی کی اس کی طرح ہو سکتا ہے جو حقدار بن گیا ہے اللہ کی ناراضگی کا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے

1۔ صحیح بخاری، باب الغلول، جلد 1، صفحہ 432 (وزارت تعلیم) 2۔ سنن ابی داؤد، باب فی عقوبۃ الغال۔ جلد، صفحہ 371۔ ایضاً 3۔ ایضاً

4۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد 1، صفحہ 432 (ایضاً) 5۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 74 (قدیمی)

اور یہ بہت بری پلٹنے کی جگہ ہے۔ [1] "

[1] یعنی جنہوں نے طاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنا چاہا وہ مہاجرین وانصار ہیں۔ اس آدمی کی طرح ہوسکتا ہے جو نافرمانی اور خیانت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق بن گیا۔ وہ منافق اور بعض فاسق ہیں۔

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

" لوگ [1] درجہ بدرجہ ہیں [2] اللہ کے ہاں [3] اور اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے جو وہ کرتے ہیں [4] "

[1] یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہی اور جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے مستحق بنے سب مراد ہیں۔

[2] ثواب وعتاب میں جو تفاوت ہے۔ اسے درجات سے تشبیہ دی۔ معنی اس کا یہ ہے کہ وہ مختلف درجات والے ہیں۔

[3] بعض مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں بعض مومنوں سے زیادہ قریب ہیں اور بعض کفار بعض کفار کی بنسبت جہنم کے نیچے والے درجے میں ہیں۔

[4] ان کے اعمال سے واقف ہے وہ ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزا دیگا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

" یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انہیں میں سے [1] پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں [2] اور پاک کرتا ہے انہیں [3] اور سکھاتا ہے انہیں قرآن [4] اور سنت [5] اگرچہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے [6] "

[1] ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں مومنین سے مراد قریش کے مومنین ہیں، اگرچہ نعمت بعثت عام ہے اور تمام مومنین کے بعد پھر بھی قوم کے مومنین کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے زیادہ کمایا اور آپ کی وجہ سے زیادہ فضیلت کے مستحق ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگ قریش کی اتباع کرنے والے ہیں مومن ان کے مومنین کی اتباع کرنے والے ہیں اور کافر ان کے کافروں کی اتباع کرنے والے ہیں، متفق علیہ (1)۔ حضور ﷺ نے فرمایا خلافت قریش میں ہی رہے گی، اگرچہ ان میں سے دو فرد ہی باقی ہوں متفق علیہ (2)

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں مومنین سے مراد عرب کے مومن ہیں کیونکہ بنی تغلب کے علاوہ ہر قبیلہ کا قریش کے ساتھ کچھ نہ کچھ نسبی تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اس میں من انفسھم سے مراد من جنسھم ہے، یعنی ان کی جنس سے بنایا تا کہ آسانی سے اس کا کلام سمجھیں صدق وامانت میں اس کے حال سے واقف ہوں اور آپ پر فخر کریں۔

حضرت سلمان فارسی سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے بغض نہ رکھو کہ تو دین کو ہی چھوڑ جائے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں آپ سے بغض رکھوں جبکہ آپ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا تو عربوں سے بغض رکھے گا تو گویا مجھ سے بغض رکھے گا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔ (3)

ایک قول یہ کیا گیا ہے یہاں مومنین سے مراد تمام مومن ہیں، جس طرح رب العالمین کے اس ارشاد میں ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ یعنی انسانوں میں سے رسول آیا ہے، فرشتوں میں سے رسول نہیں آیا تا کہ کمال مناسبت کی وجہ سے تاثیر اور تاثر ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 119 (قدیمی) — 2۔ ایضاً — 3۔ جامع ترمذی، ابواب المناقب، جلد 2، صفحہ 222 (وزارت تعلیم)

کا فرمان ہے: قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا اگر زمین میں فرشتے ہوتے چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ رسول بنا کر بھیجتے۔

۲۔ یعنی قرآن کی تلاوت فرماتے ہیں جبکہ یہ لوگ جاہل تھے۔

۳۔ اور فاسد عقائد، غیر اللہ میں مشغول ہونے سے ان کے دلوں کو برے اخلاق سے ان کے نفوس کو، نجاستوں، خباثتوں اور برے اعمال سے ان کے بدنوں کو پاک فرماتا ہے۔

۴۔ کتاب سے مراد وہ علوم ہیں جو کتاب سے مستنبط ہوں یا وہ چیز جو صحیفوں میں لکھے جانے کے قابل ہو۔

۵۔ حق اور مستحکم علوم جنہیں حکیم حکمت سے حاصل کرتا ہے جس میں کتاب اور بیان کا واسطہ نہیں ہوتا۔

۶۔ یہاں مثقلہ سے مخففہ ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان ہے۔ یعنی آپ کی بعثت سے پہلے واضح گمراہی میں تھے۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾

"کیا جب پہنچی تمہیں کچھ مصیبت ۱؎ حالانکہ تم پہنچا چکے ہو (دشمن کو) اس سے دگنی ۲؎ تو تم کہہ اٹھے کہ کہاں سے آپڑی یہ مصیبت ۳؎ فرمایئے یہ تمہاری طرف سے ہی آئی ہے ۴؎ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۵؎"

۱۔ یعنی احد کے روز ستر افراد شہید ہوئے اور شکست کا سامنا کرنا پڑا

۲۔ بدر کے روز تم نے کفار کو پہنچائی۔ اس کی دو مثل امام احمد، شیخین اور نسائی نے براء سے روایت نقل کی ہے کہ یوم احد کو مشرکین نے ہمارے ستر آدمی شہید کر دیئے جب کہ یوم بدر کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے ستر آدمیوں کو قتل کیا اور ستر کو قیدی بنایا (1) میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسیر کو قتیل کی مثل قرار دیا ہے کیونکہ مسلمان انہیں قتل کرنے پر قادر تھے۔ ان کا قتل کیا جانا یہ اللہ تعالیٰ کو پسند تھا۔ ان کو قتل نہ کرنا یہ مومنوں کی اپنی پسند تھی کہ انہوں نے قیدیوں کے عوض فدیہ وصول کیا ظرف یعنی لما یہ قلتم کے متعلق ہے۔

۳۔ تم نے تعجب کرتے ہوئے کہا یہ شکست اور قتل ہونا ہمارے اوپر کیسے واقع ہوا جبکہ ہم مسلمان بھی ہیں اور رسول اللہ ﷺ بھی ہم میں تشریف فرما ہیں۔ ہمزہ اس قول کے انکار اور اس سے منع کرنے کیلئے ہے۔ یہ جملہ احد کے قصہ پر معطوف ہے، یا تو لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ یا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ پر معطوف ہوگا یا یہ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ پر ہوگا پھر معنی یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کا وجود تم پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور تم ارادہ کر رہے ہو کہ اس کی طرف مصیبت کو منسوب کرو اور اس مصیبت کا سبب آپ کی ذات کو قرار دو، یا کلام محذوف پر اس کا عطف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اِنَّمَا وَعَدَكُمُ النَّصْرَ، یعنی اللہ تعالیٰ نے صبر اور تقویٰ کی شرط پر تم سے مدد کا وعدہ کیا تھا جبکہ تم نے صبر نہ کیا اور جب تمہیں مصیبت پہنچی تو تم نے یہ بات کہی یا کلام محذوف کی تقدیر یوں ہوگی اَتَنَازَعْتُمْ، یعنی کیا تم نے جھگڑا کیا اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی، تم نے بزدلی اختیار کی اور جب تمہیں مصیبت پہنچی تو تم نے یہ بات کہی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ قول محذوف پر معطوف ہو یہ اشارہ کرتے ہوئے کہ ان کا قول ایک نہ تھا۔ اس صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی کیا تم نے کئی قسم کی باتیں کی ہیں جو مناسب نہ تھیں اور جب تمہیں مصیبت پہنچی تم نے کہا یہ کیسے مصیبت آ گئی۔

۴۔ اے محمد ﷺ فرما دیجئے تم نے مرکز کو چھوڑ کر جس گناہ کا ارتکاب کیا اس وجہ سے مصیبت آئی ہے کیونکہ وہ وعدہ تو صبر و تقویٰ کے ساتھ

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 2، صفحہ 568 (وزارت تعلیم)

مشروط تھا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے تم نے خود بدر کے قیدیوں کے عوض فدیہ قبول کیا تھا۔ ابن ابی حاتم نے حضرت عمر بن خطاب سے نقل کیا ہے مسلمانوں کو یوم احد کی سزا اس عمل کی وجہ سے دی گئی جو انہوں نے یوم بدر کو فدیہ لیا تھا۔ مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ بھاگ گئے۔ آپ کے چار دانت ٹوٹ گئے اور خود ٹوٹ کر سر مبارک میں پیوست ہو گیا۔ چہرۂ انور پر خون بہہ گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ الآیۃ۔ امام بغوی نے کہا عبیدہ سلمانی نے حضرت علی شیر خدا سے روایت کیا ہے جبرئیل امین نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پیغام دیا کہ آپ کی قوم نے جو فدیہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ناپسند کیا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ انہیں اختیار ہے کہ یا آگے بڑھیں اور قیدیوں کی گردنیں اڑا دیں یا ان کے بدلے میں فدیہ لے لیں لیکن اس میں شرط یہ ہوگی کہ انہیں کی مثل مسلمانوں کے افراد شہید ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حکم کے بارے میں صحابہ سے ذکر کیا۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ یہ ہمارے قبیلہ کے لوگ ہیں اور ہمارے بھائی ہیں ہم ان سے فدیہ لیں گے جس کے ذریعے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے پر قوی ہو جائیں گے اور ہم میں سے ان کی تعداد کی مثل افراد شہادت کا مرتبہ پائیں گے تو غزوۂ احد میں غزوہ بدر کے ستر قیدیوں کے عوض میں ستر آدمی شہید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ کا یہ مفہوم ہے۔(1)

سعید بن منصور نے ابو حمزہ سے ایک مرسل روایت ذکر کی ہے کہ غزوۂ احد کو چار مہاجر اور باقی سب انصار میں سے شہید ہوئے تھے۔ مہاجرین میں سے حضرت حمزہ، مصعب بن عمیر، عبداللہ بن جحش اور شماس بن عثمان، تھے۔ ابن حبان اور حاکم نے ابی بن کعب سے نقل کیا ہے کہ غزوہ احد میں چونسٹھ انصار اور چھ مہاجرین شہید ہوئے۔ حافظ نے کہا چار وہی مذکور اور پانچواں حاطب بن ابی بلتعہ کا غلام اور چھٹا ثقیف بن عمرو اسلمی۔ امام بخاری نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ میں عرب کے کسی قبیلہ کو نہیں جانتا جس کے انصار کی بنسبت زیادہ آدمی شہید ہوئے ہوں (2) یوں احد کو ستر بیر معونہ میں ستر اور جنگ یمامہ میں ستر حافظ (3) محب طبری نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ احد کے شہداء کی کل تعداد 75 تھی جن میں 71 انصار اور چار مہاجرین میں سے تھے۔ امام شافعی سے یہ قول مروی ہے کہ وہ 72 تھے اور عیون میں شہدا احد کے نام بالترتیب درج ہیں ان کی تعداد چھیانوے ہے۔ مہاجرین میں سے گیارہ اوس میں سے اڑتیس خزرج میں سے سنتالیس اور عیون میں دمیاطی کے حوالے سے کل تعداد ایک سو چار یا پانچ ہے جبکہ قرآن حکیم کے الفاظ ستر پر دلالت کرتے ہیں۔

ع یہاں شی سے مراد شکست اور دوسری چیزیں ہیں۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾

"اور وہ مصیبت جو پہنچی تھی تمہیں اس روز جب مقابلہ کو نکلے تھے دونوں لشکر تو وہ اللہ کے حکم سے پہنچی تھی ۱؎ اور (مقصد یہ تھا کہ) دیکھ لے اللہ تعالیٰ مومنوں کو ۲؎"

۱؎ مَآ اَصَابَكُمْ سے مراد مصیبت ہے۔ لشکروں کے ملنے سے مراد غزوہ احد میں مسلمانوں اور مشرکوں کے لشکروں کا برسر پیکار ہونا ہے

۲؎ اذن اللہ سے مراد قضاء و قدر ہے۔ قضاء و قدر کو اذن اس لئے کہا کیونکہ یہ امر تکوینی ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ثابت ہے اعتراض: جائز امر تو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوتے ہیں لیکن جو جائز نہیں ہوتے اس کی اجازت سے نہیں ہوتے۔ پھر انہیں باذن اللہ سے کیوں تعبیر کیا۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 372-371 (التجاریہ) 2۔ صحیح بخاری جلد 2، صفحہ 584 (وزارت تعلیم) 3۔ ایضاً

جواب: غیر مشروع امور میں سے جو محال ہیں وہ وہ ہیں جو امر تکلیفی ہیں، یعنی جن کا انسان کو مکلف بنایا جاتا ہے جبکہ یہ امر تکوینی سے تعلق رکھتا ہے۔

ے تاکہ خالص مومنوں کو جان لے اور منافقوں کو جان لے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾

"اور دیکھ لے جو نفاق کرتے تھے لہ اور کہا گیا ان سے ۲ے آؤ لڑو اللہ کی راہ میں یا بچاؤ کرو (اپنے شہر کا) ۳ے بولے ۴ے اگر ہم جانتے کہ جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہاری پیروی کرتے ۵ے وہ کفر سے اس روز زیادہ قریب تھے بنسبت ایمان کے ۶ے کہتے ہیں اپنے منہ سے (ایسی باتیں) جو نہیں ہیں ان کے دلوں میں ۷ے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں ۸ے"

لہ یعنی لوگوں کے ہاں ممتاز ہو جائیں، لوگ ان کے ایمان اور ان کے کفر کو جان لیں۔

۲ے ھم ضمیر سے مراد منافق ہیں۔ اس کا عطف نافقوا پر ہے یا یہ نئی کلام ہے۔

۳ے یہ قول کا مقولہ ہے اگر تم طاقت رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو یا مسلمانوں کا دفاع کرو کہ تمہارے ٹھہرنے سے ان کی تعداد زیادہ ہو جائے گی یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اخلاص کے ساتھ جہاد کرو اگر تم سچے مومن ہو یا دشمنوں سے اپنی اولادوں کا ہی دفاع کرو۔

۴ے یعنی منافقین نے کہا یہ اس وقت بات ہوئی جب عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں کے ساتھ احد سے واپس آیا ان کی تعداد تین سو تھی۔

۵ے اگر ہم اس ٹکراؤ کو قتال جانتے تو ہم ضرور تمہاری اتباع کرتے۔ یہ جنگ نہیں بلکہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم حق پر ہوتے اور ہم اسے اللہ کی راہ میں جہاد خیال کرتے تو تمہارا ضرور ساتھ دیتے یا اس کا معنی یہ ہے اگر ہم اچھی طرح جنگ کرنا جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے انہوں نے یہ بات بطور استہزاء کی۔

۶ے اس سے مراد منافق ہیں یہاں لام الی کے معنی میں ہے یعنی منافق ایمان اور کفر کے درمیان متردد ہوتے ہیں جس طرح ایک بکری جو نر کی خواہشمند ہو اور ریوڑوں میں بھاگتی پھرتی ہے۔ اگر اسلام میں خیر دیکھتے ہیں تو اس پر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی آزمائش پہنچتی ہے تو کفر کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔ جب احد کا دن آزمائش کا دن تھا تو وہ کفر کے زیادہ قریب ہو گئے تھے کیونکہ یہ وہ پہلا دن تھا جس دن ان کا کفر اور نفاق ظاہر ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ مدد کرنے میں اس روز مومنوں کی بنسبت کافروں کے قریب تھے کیونکہ ان کا الگ ہونا مشرکوں کے لئے تقویت کا باعث تھا اور مومنوں کے لئے کمزوری کا باعث تھا۔

۷ے وہ اپنی زبانوں سے اسلام ظاہر کرتے ہیں۔ قول کو منہ کی طرف مضاف کرنا ان کے اعتقاد کی نفی اور ان کی حقارت بیان کرنے کے لئے ہے یعنی سوائے زبانی بات کے ان کا ایمان نہیں ہے یہ جملہ ان کے پورے حال کا بیان ہے، صرف اس دن کی حالت کی وضاحت نہیں کر رہا۔ اس لئے حرف عطف ذکر نہیں کیا۔

۸ے یعنی جو تم نفاق چھپاتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے۔

الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ

أَنفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾

”جنہوں نے کہا اپنے بھائیوں کے بارے میں [1] حالانکہ وہ خود (گھر) بیٹھے تھے [2] کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے [3] آپ فرمایئے ذرا دور تو کردکھاؤ اپنے آپ سے موت کو اگر تم سچے ہو [4]“

(1) اَلَّذِیْنَ اسم موصول یکتمون میں ضمیر مرفوع سے بدل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے یا مذمت کے طور پر محل نصب میں ہے یا الذین نافقوا کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یا باخوانهم یا قلوبهم کی ضمیر سے بدل ہونے کی وجہ سے محل جر میں ہے۔ جو ان کے نسبی بھائی تھے اور غزوہ احد میں شہید ہوئے ان کے بارے میں کہا۔

[2] جبکہ یہ کہنے والے گھروں میں بیٹھے رہے۔ یہ کلام قد کی تقدیر کے ساتھ حال بن رہا ہے، یعنی انہوں نے یہ بات اس حال میں کہی جبکہ خود گھروں میں بیٹھے ہوئے تھے۔

[3] اگر وہ بیٹھے رہنے میں ہماری اطاعت کرتے وہ بھی قتل نہ کیے جاتے جس طرح ہم قتل نہیں کیے گئے ہشام نے اسے ماقتلوا تشدید کے ساتھ پڑھا ہے یہ کثرت کا معنی دے گا۔ باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جس طرح متن میں ہے۔

[4] اے محمد ﷺ انہیں فرمادیں اگر احتیاط تقدیر کو روک سکتی ہے تو تم موت سے اپنا دفاع کرلو۔

امام ترمذی ابن ماجہ ابن خزیمہ اور امام بغوی نے حضرت جابر سے روایت کیا، امام ترمذی نے اسے حسن اور ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا، کہا رسول اللہ ﷺ مجھے ملے فرمایا اے جابر کیا وجہ ہے؟ میں تجھے پریشان دیکھتا ہوں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے جبکہ وہ آل اولاد اور قرض چھوڑ گئے۔ حضور ﷺ نے حضرت جابر سے ارشاد فرمایا کیا میں تجھے اس امر کی خوشخبری نہ دوں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تیرے والد سے ملاقات کی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس سے بھی ملاقات کی پردے کے پیچھے سے ملاقات کی جبکہ تیرے باپ کو زندہ کیا اور اس سے بالمشافہ ملاقات فرمائی۔ فرمایا اے میرے بندے دعا کر مجھ پر لازم ہے کہ میں تجھے عطا کروں۔ تیرے والد نے عرض کی اے میرے رب مجھے دوبارہ زندگی عطا کرتا کہ تیری راہ میں دوبارہ شہید کیا جاؤں رب العالمین نے ارشاد فرمایا میری طرف سے یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ جنتی دوبارہ دنیا کی طرف نہیں لوٹیں گے تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ الآية (1)

امام مسلم، امام احمد، ابوداؤد، حاکم اور بغوی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب غزوہ احد میں تمہارے بھائی شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں میں رکھا جو جنت کی نہروں پر آتے، اس کے پھل کھاتے، جہاں چاہتے جنت میں گھومتے پھرتے اور عرش کے نیچے جنت میں سونے کی قندیلوں میں لوٹ جاتے ہیں (2) جب انہوں نے قیلولہ کی عمدہ جگہ کھانے اور پینے کی بہترین چیزوں کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو عزت و احترام کا اہتمام فرمایا، اس کو ملاحظہ کیا تو انہوں نے کہا کاش ہماری قوم اس نعمت کو دیکھ لیتی جس میں ہم اب ہیں اور اسے بھی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے بنایا ہے تا کہ وہ جہاد میں رغبت کرتے اور اس سے اعراض نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں تمہاری طرف سے انہیں باخبر کردوں گا۔ اس سے وہ لوگ خوش ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 374 (التجاریہ)　　2۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 373 (التجاریہ)

ابن منذر نے حضرت انس سے روایت کیا ہے جب حضرت حمزہ اور آپ کے ساتھی غزوۂ احد میں شہید ہوئے تو انہوں نے کہا کاش کوئی اطلاع کرنے والا ہوتا جو ہمارے بھائیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اس کرامت وعزت کے بارے میں آگاہ کرتا تو ان کے رب نے انہیں ارشاد فرمایا میں تمہارے بھائیوں تک یہ بات پہنچا دوں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ۔ ایک قول یہ کیا گیا جب شہداء کے اولیاء کو کوئی نعمت حاصل ہوتی تو وہ شہداء پر حسرت کرتے اور کہتے ہم نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں جبکہ ہمارے آباء بیٹے اور بھائی قبروں میں پڑے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۞

"اور ہرگز خیال نہ کرو کہ وہ جو قتل کیے گئے ہیں [1] اللہ کی راہ میں [2] وہ مردہ ہیں [3] بلکہ وہ زندہ ہیں [4] اپنے رب کے پاس (اور) [5] رزق دیے جاتے ہیں [6]"

[1] ہشام نے لا یحسبن یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے اور باقی قراء نے تاء کے ساتھ مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے خطاب شہداء کے اولیاء کو ہے، یا رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ خطاب ان منافقین کو ہو جنہوں نے یہ کہا تھا اگر یہ ہماری اطاعت کرتے تو قتل نہ کیے جاتے۔ اس صورت میں یہ کلام قل کے تحت داخل یعنی مفعول ہوگی۔ ہشام کی قرأت کے مطابق ضمیر شہداء کے اولیاء کی طرف لوٹے گی۔ یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹے یا ضمیر منافقین کی طرف لوٹے جنہوں نے یہ کہا تھا لو اطاعونا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کی نسبت الذین قتلوا کی طرف ہو (یعنی الذین قتلوا اس کا فاعل ہو) اور مفعول یہ محذوف ہو کیونکہ وہ اصل میں مبتداء ہے۔ قرینہ کی صورت میں اس کا حذف جائز ہوتا ہے اور قرینہ کے بغیر دو مفعولوں میں سے ایک کا حذف جائز نہیں ہوتا کیونکہ یہ جملہ خبریہ ہوتا ہے۔

[2] یعنی جہاد فی سبیل اللہ کا لفظ عام ہے جو آدمی بھلائیوں کے کاموں میں فوت ہو اسے بھی یہ شامل ہے لیکن قتل کا لفظ عبارۃ النص میں تو ایسے فوت ہونے والے کو شامل نہیں، تاہم دلالت النص کے ذریعے اسے بطریق اولیٰ یا برابری کی سطح پر یا اس حدیث پر قیاس کرنے کی وجہ سے شامل ہوگا "جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے نفس سے جہاد اکبر کیا کیونکہ یہ جہاد اصغر سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

[3] وہ لذتوں اور نعمتوں کا شعور نہیں رکھتے۔

[4] بلکہ وہ زندہ ہیں ابو حاتم نے ابو العالیہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان بل احیاء کے بارے میں روایت کیا ہے وہ سبز پرندوں کی صورتوں میں ہوں گے، جہاں چاہیں گے جنت میں اڑتے پھرتے ہوں گے۔ امام بغوی نے کہا ان کی روحیں عرش کے نیچے تاقیامت رکوع وسجود میں رہیں گی۔ (1) ابو مندہ نے طلحہ بن عبداللہ سے روایت کیا میں جنگل میں اپنے اونٹوں کی تلاش میں گیا۔ مجھے رات آگئی میں نے عبداللہ بن عمرو بن حرام کی قبر کی پناہ لی۔ میں نے ان کی قبر سے وہ قرأت سنی۔ اتنی اچھی قرأت میں نے پہلے نہ سنی تھی۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تمام واقعہ گوش گزار کیا۔ فرمایا وہ عبداللہ ہے کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو قبض کیا پھر انہیں زبرجد اور یاقوت کی قندیلوں میں رکھا پھر جنت کے درمیان انہیں لٹکا دیا۔ جب رات ہوتی ہے تو ان کی روحیں ان کے جسموں کی طرف لوٹا دی جاتی ہیں۔ یہ اسی طرح رہتی ہیں یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے تو پھر ان کی روحیں اسی جگہ کی طرف لوٹا دی جاتی ہیں جہاں وہ پہلے تھیں۔ اس قول کے مطابق شہید درجے حاصل کرتا ہے

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 376 (التجاریہ)

اور طاعت کے ثواب پاتا ہے۔ شہید قبر میں بوسیدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی زمین اسے کھاتی ہے۔ یہ اس کی زندگی کے آثار میں سے ایک اثر ہے۔
امام بیہقی نے اپنی سندوں سے حضرت جابر بن عبداللہ سے اور ابن سعد اور بیہقی نے دوسری سندوں کے ساتھ ان سے اور محمد بن عمرو نے اپنے شیوخ سے وہ حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں جب حضرت معاویہ نے نہر کھدوائی تو شہداء احد کے لئے چیختے ہوئے گئے۔ ہم آئے، ہم نے انہیں یوں نکالا کہ وہ بالکل تازہ تھے ان کے اعضاء ادھر ادھر ہو جاتے (1) محمد بن عمرو کے شیوخ نے کہا انہوں نے حضرت جابر کے والد کو پایا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ زخم پر رکھا ہوا ہے ان کا ہاتھ زخم سے ہٹایا گیا تو خون بہہ پڑا۔ پھر اسے اپنی جگہ رکھ دیا گیا تو خون رک گیا۔ حضرت جابر نے کہا میں نے اپنے والد کو قبر میں یوں پایا، گویا وہ سو رہے ہیں اور جس دھاری دار چادر میں انہیں کفن دیا گیا تھا۔ وہ بھی ویسی ہی تھی حالانکہ انہیں چھیالیس سال گزر چکے تھے۔ انہیں شہداء میں سے ایک کے قدم پر کدال لگ گئی۔ شیوخ نے کہا وہ حضرت حمزہ کا جسد مبارک تھا تو اس سے خون جاری ہو گیا۔ ابو سعید خدری فرماتے ہیں اس کے بعد کوئی منکر شہداء کی زندگی کا انکار نہیں کر سکتا۔ لوگ ان شہداء کی قبروں کو کھودتے تو کستوری کی خوشبو مہکنے لگتی۔ امام بغوی نے کہا عبید اللہ بن عمیر نے بیان کیا ہے جب رسول اللہ ﷺ احد سے واپس تشریف لائے تو حضرت مصعب بن عمیر کے پاس سے گزرے جبکہ یہ شہید ہو چکے تھے۔ آپ ان کے پاس ٹھہرے ان کے لئے دعا کی۔ پھر یہ آیت پڑھی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ سب قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے شہید ہوں گے، خبردار ان کے پاس آیا کرو، ان کی زیارت کیا کرو، انہیں سلام کیا کرو، قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے قیامت تک جو بھی انہیں سلام کرے گا یہ اسے جواب دیں گے (2) امام حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے بیہقی نے ابوذر سے ابن مردویہ نے خباب بن ارت سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت مصعب بن عمیر کے پاس سے گزرے جبکہ وہ شہید ہو چکے تھے۔ آپ ان کے پاس ٹھہر گئے۔ ان کے لئے دعا کی۔ پھر مذکورہ آیت کی تلاوت کی۔ پھر فرمایا میں نے تجھے مکہ مکرمہ میں دیکھا، تجھ سے زیادہ مکہ میں کوئی خوش لباس تھا نہ حسین بالوں والا (اور آج تیرا مثلہ کر دیا گیا ہے)

مسئلہ: کیا غیر شہید شہید کے مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں ہاں پہنچ سکتا ہے۔ شہداء کے فضائل کے ضمن میں جو کچھ وارد ہوا ہے وہ اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ دوسروں سے اس کی نفی کر دی جائے ابوداؤد اور نسائی نے عبید اللہ بن خالد سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو آدمیوں کے درمیان مواخات کرائی (بھائی بھائی بنایا)۔ ان میں سے ایک جہاد میں شہید ہو گیا۔ پھر دوسرا ایک جمعہ یا کچھ عرصہ بعد دوسرا بھی فوت ہو گیا۔ صحابہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا تم نے اپنے بھائی کے لئے کیا دعا کی؟ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ہم نے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے، اس پر رحم فرمائے اور اس کے بھائی کے ساتھ اسے ملا دے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس شہید کے بعد اس نے جو نمازیں پڑھیں اور جو عمل کئے ان کا کیا ہوگا یا فرمایا شہید کے روزوں کے بعد اس کے روزوں میں درجے کے اعتبار سے اتنی مسافت ہے جتنی زمین و آسمان کے درمیان ہوتی ہے (3) ہم نے سورۃ مطففین میں انبیاء، شہداء، صدیقین، مومنین اور دوسرے لوگوں کے مقام کے بارے بحث کی ہے اور شہداء کی زندگی کی بحث سورۃ بقرہ کی آیت وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ میں ذکر کی ہے۔

ف یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب حاصل ہے لیکن اس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی شیخ شہید جو میرے شیخ اور امام ہیں آپ نے اپنے کشف سے شہداء پر تجلیات ذاتیہ کو دیکھا کیونکہ شہداء نے جہاد میں اپنی جانیں قربان کیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا" تم اپنے لئے جو خیر

1۔ دلائل النبوۃ از امام بیہقی، جلد 3، صفحہ 291، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
2۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 376 (التجاریہ)
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 1، صفحہ 342 (وزارت تعلیم)

آگے بھیجتے ہو تم اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود پاؤ گے۔ انہوں نے اپنی ذاتوں کے لئے اپنے نفوس کو آگے بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں خالص تجلیات ذاتیہ سے بدلہ عطا فرمایا۔

1 انہیں جنت سے رزق دیا جاتا ہے۔ یہ ان کے زندہ ہونے کے لئے تاکید ہے۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

"شاد ہیں ان (نعمتوں) سے جو عنایت فرمائی ہیں انہیں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے 1 اور خوش ہو رہے ہیں بسبب ان لوگوں کے جو ابھی تک نہیں آ ملے ان سے ان کے پیچھے رہ جانے والوں سے 2 کہ نہیں ہے کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے 3"

1 اللہ تعالیٰ نے انہیں جو کچھ عطا کیا ہے۔ اسے مبہم رکھا گیا ہے کیونکہ نہ عقل اس کا ادراک کر سکتی ہے اور نہ عبارت اس کی تفصیل کا احاطہ کر سکتی ہے۔

ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے مصنف میں، امام مسلم اور ابن منذر نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا ہم نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تھا، آپ نے فرمایا تھا کہ ان کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہیں (1) اور عبدالرزاق کی روایت کے الفاظ ہیں شہداء کی روحیں سبز پرندوں کی طرح ہیں، ان کے لئے سونے کی قندیلیں ہیں جو عرش کے ساتھ لٹک رہی ہیں۔ جنت میں جہاں چاہتے ہیں گھومتے پھرتے ہیں اور پھر ان قندیلوں کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جلوہ فرمایا، پوچھا کیا تمہاری کوئی خواہش ہے؟ وہ اس طرح تین دفعہ پوچھتا ہے۔ ایک روایت میں ہے جو چاہو مجھ سے سوال کرو۔ انہوں نے عرض کی ہم کیسے سوال کریں جبکہ ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں گھومتے پھرتے ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ سوال کرنے کے بغیر چھٹکارا نہیں تو انہوں نے عرض کی اے ہمارے رب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں کی طرف لوٹا دے تاکہ ہم تیری راہ میں ایک اور دفعہ جہاد کریں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ملاحظہ فرمالیا کہ انہیں کوئی حاجت نہیں تو ان سے پوچھنا چھوڑ دیا۔

2 وہ خوش ہوتے ہیں ان کے بارے میں جنہیں وہ دنیا میں ایمان، طاعت اور جہاد کی راہوں پر زندہ چھوڑ آئے تھے یا اس کا معنی یہ ہے جو درجہ اور زمانہ میں ان تک نہ پہنچے تھے۔ جو زمانہ اور رتبہ میں ان کے پیچھے ہیں۔

3 اَلَّا خَوْفٌ یہ الذین سے بدل اشتمال ہے تقدیر کلام یوں ہوگی بِاَنْ لَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ الخ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے وہ ان بھائیوں کے بارے میں جو ان کے پیچھے ہیں، خوش ہیں، یعنی شہداء پر کسی قسم کا خوف نہیں، یعنی شہداء ان بھائیوں کی طرف سے حقوق العباد کے حوالے سے کسی دعویٰ یا مخاصمت کی وجہ سے پریشان نہ ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان رشتہ داروں کو راضی کر دے گا اور شہداء کو ان کی مخاصمت سے محفوظ رکھے گا۔

میں کہتا ہوں اس میں اس معنی کا احتمال بھی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں دوستوں کے بارے میں خوش ہوں گے جو ان کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہنچے کہ ان پر بھی کسی قسم کا خوف نہیں اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کو بھائیوں اور دوستوں کے بارے میں شفاعت کا مقام عطا فرمایا ہے۔ ابوداؤد اور ابن حبان نے ابو درداء سے روایت کی ہے، فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 135 (قدیمی)

ہوئے سنا کہ شہید اپنے ستر رشتہ داروں کی شفاعت فرمائے گا(1) امام احمد اور طبرانی نے اسی کی مثل عبادہ بن صامت سے ترمذی اور ابن ماجہ نے اسی کی مثل مقدام بن معدیکرب سے روایت کی ہے۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے عثمان بن عفان سے اور وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا قیامت کے روز انبیاء شفاعت فرمائیں گے پھر علماء، پھر شہداء(2)، بزار نے اسی حدیث کو نقل کیا ہے اور یہ الفاظ زائد ذکر کئے پھر مؤذن شفاعت کریں گے۔

میں کہتا ہوں وہ علماء جنہیں اس حدیث میں شفاعت کرنے میں شہداء پر سبقت دی گئی ہے وہ علماء راسخین اور علماء حقیقت ہیں۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

" خوش ہو رہے ہیں [1] اللہ کی نعمت اور اس کے فضل پر [2] اور (اس پر) کہ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا اجر ایمان والوں کا [3]۔ "

[1] تاکید کے لئے فعل کو مکرر ذکر فرمایا یا کہا جائے گا کہ پہلا فعل ضرر کو دور کرنے کی بشارت ہے اور دوسرا فعل جلب نفع کی بشارت ہے۔

[2] ان کے اعمال کا ثواب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عمل سے زیادہ بدلہ۔ یہ فضل اللہ تعالیٰ کے دیدار اور قرب کے مراتب ہیں ان کو نکرہ برائے تعظیم لایا گیا ہے۔

[3] جمہور قراء نے اَنَّ پڑھا ہے کیونکہ یہ فضل کا معطوف ہے اور یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کے ساتھ وہ خوش ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے آدمی کا ذمہ لے لیا ہے جو گھر سے جہاد اور کلمہ حق کی تصدیق کے لئے نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا، یا اسے اس کے گھر کی طرف لوٹائے گا جس سے وہ نکلا تھا جبکہ ساتھ ہی ساتھ اسے اجر اور غنیمت میسر ہو چکی ہوگی اور فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کوئی آدمی جہاد میں زخمی نہیں ہوگا مگر قیامت کے روز وہ اس زخم کے ساتھ آئے گا جس سے خون نکل رہا ہوگا، رنگ تو خون کا ہوگا لیکن خوشبو کستوری کی ہوگی(3) (اصل مسودہ میں مرجع کی جگہ خالی ہے تاہم حاشیہ میں بغوی کا حوالہ ہے) آپ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہید قتل کا درد اتنا ہی محسوس کرتا ہے جتنا تم چیونٹی کے کاٹنے کا درد محسوس کرتے ہو۔ اسے دارمی اور ترمذی(4) نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ امام نسائی نے سند صحیح کے ساتھ اسے نقل کیا ہے۔ طبرانی نے الاوسط میں ابو قتادہ سے سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے۔ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مومنین کا اجر ضائع نہیں کیا جاتا، خواہ وہ شہید ہوں یا نہ ہوں گویا شہداء تمام مومنوں کی حالت سے خوش ہوتے ہیں۔ امام کسائی نے اِنَّ پڑھا ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ جملہ مستانفہ ہے اور معترضہ ہے اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ان کے ایمان کی وجہ سے ان کا اجر ہے اور جس کا ایمان نہ ہو اس کے اعمال ضائع چلے جاتے ہیں ان کا کوئی اجر نہیں ہوتا ایک قول یہ کیا گیا ہے آیت بدر کے شہداء کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ کل چودہ افراد تھے، آٹھ انصار اور چھ مہاجرین میں سے تھے۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ قُتِّلُوْا کی تشدید کے ساتھ قرأت اس کا انکار کرتی ہے کیونکہ تشدید کی قرأت کثرت پر دلالت کرتی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ آیت بیر معونہ کے شہداء کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کا سبب یہ تھا جو محمد بن اسحاق اور عبداللہ بن ابی نے حضرت انس سے روایت کیا کہ عامر بن مالک بن جعفر ملاعب الاسنہ عامری حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا دو گھوڑے اور دو اونٹ بطور ہدیہ کے پیش کئے رسول اللہ ﷺ نے تحفہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا فرمایا میں کسی مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا، اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں تیرا ہدیہ قبول کروں تو اسلام قبول کر لے۔ نہ اس نے اسلام قبول کیا نہ اس کا انکار کیا اور عرض کی اے محمد ﷺ جس امر کی طرف آپ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد، صفحہ 341 (وزارت تعلیم)
2۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الزہد، صفحہ 330 (وزارت تعلیم)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 376-377 (التجاریہ)
4۔ جامع ترمذی، ابواب الفضائل، جلد 1، صفحہ 200 (وزارت تعلیم)

دعوت دیتے ہیں وہ اچھا اور خوبصورت ہے، اگر آپ کچھ لوگ اہل نجد کی طرف بھیجیں تو میں امید کرتا ہوں کہ وہ آپ کی دعوت کو قبول کر لیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اہل نجد سے ان کے بارے میں خوف آتا ہے۔ ابو براء نے کہا میں انہیں اپنی ضمانت میں لیتا ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے منذر بن عمرو کو ستر صحابہ کی معیت میں روانہ کیا جو انصار میں سے بہترین لوگ تھے جنہیں قراء کہا جاتا، انہیں میں ایک حضرت ابوبکر صدیقؓ کے غلام عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ یہ چار ہجری ماہ صفر میں روانہ ہوئے یہاں تک کہ یہ لوگ بئر معونہ میں فروکش ہوئے۔ یہ بنی عامر اور بنی سلیم کے درمیان کھلی جگہ ہے۔ ان قراء صحابہ نے حرام بن ملحانؓ کو رسول اللہ ﷺ کا خط دے کر عامر بن طفیل کی طرف بھیجا حرام بن ملحان نے کہا میں اللہ کے رسول کا قاصد ہوں میں گواہی دیتا ہوں اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ پس تم بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ گھر کی ایک جانب سے ایک آدمی آپ کی طرف آیا اور آپ کے پہلو میں نیزہ مارا جو آپ کے جسم کی دوسری طرف نکل گیا۔ حضرت حرام بن ملحان نے کہا اللہ اکبر رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا پھر عامر بن طفیل نے ان صحابہ پر حملہ کرنے کے لئے بنی عامر کو کہا انہوں نے اس کی آواز پر لبیک کہنے سے انکار کر دیا اور کہا ہم ابی براء کی پناہ کو نہ توڑ دو تو اس نے بنی سلیم سے عصیہ، رعل اور ذکوان کو دعوت دی انہوں نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا۔ وہ سب نکلے یہاں تک کہ صحابہ کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ ان سے جنگ کی یہاں تک کہ سب کو قتل کر دیا، صرف کعب بن زید کو چھوڑا جن میں زندگی کے کچھ آثار تھے۔ آپ زندہ رہے یہاں تک کہ آپ غزوہ خندق کے موقع پر شہید ہوئے اور عمرو بن امیہ کو قید کر لیا۔ جب عمرو بن امیہ نے انہیں یہ بتایا کہ وہ قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے ہیں تو انہیں آزاد کر دیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ سنایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ابی براء کا عمل ہے۔ یہ بات ابو براء تک پہنچی تو عامر بن طفیل کی طرف سے اس کی پناہ کو توڑنا بڑا شاق گزرا۔ محمد بن اسحاق نے روایت کیا عامر بن طفیل کہا کرتا تھا ان میں وہ شخص کون تھا جب وہ مارا گیا تو اسے زمین و آسمان کے درمیان اٹھا لیا گیا یہاں تک کہ میں آسمان کو اس سے نیچے دیکھتا تھا؟ لوگوں نے بتایا وہ عامر بن فہیرہ تھا۔ پھر اس واقعہ کے بعد ربیعہ بن ابی براء نے عامر بن طفیل پر حملہ کر دیا۔ عامر گھوڑے پر سوار تھا۔ ربیعہ نے اسے نیزہ مارا اور قتل کر دیا۔ صحیحین میں یہ روایت ہے کہ حضرت قتادہ نے حضرت انس سے روایت کیا کہ رعل، ذکوان، عصیہ اور بنی لحیان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ ظاہر کیا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں اور اپنے دشمنوں کے خلاف مدد چاہی۔ رسول اللہ ﷺ نے ستر انصاری مدد کے طور پر بھیجے جنہیں ہم اس زمانے میں قراء کہتے۔ یہ دن کو لکڑیاں اکٹھی کرتے اور رات کو نماز پڑھتے رہتے یہاں تک کہ وہ بئر معونہ پہنچے تو ان قبائل نے صحابہ کو قتل کر دیا اور ان کے ساتھ دھوکہ کیا۔ یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی تو حضور ﷺ ایک ماہ تک صبح کی نماز میں ان قبائل رعل، ذکوان، عصیہ اور بنی لحیان کے بارے میں بددعا کرتے رہے(1) امام احمد، شیخین اور بیہقی نے حضرت انس سے بیہقی نے ابن مسعود سے اور بخاری نے حضرت عروہ سے روایت نقل کی ہے کہ کچھ لوگ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے عرض کی ہمارے ساتھ کچھ آدمی بھیجیں جو قرآن و سنت کی تعلیم دیں۔ آپ نے انصار کے ستر آدمی بھیج دیئے جنہیں قراء کہا جاتا۔ منزل پر پہنچنے سے قبل ہی دشمن قبائل نے ان پر حملہ کر دیا۔ اور قتل کر دیا ان شہداء نے عرض کی اے اللہ ہمارے نبی کو اس کی خبر پہنچا دینا۔ ایک اور روایت ہے ہمارے بھائیوں تک یہ خبر پہنچا دینا اے اللہ ہم نے تجھ سے ملاقات کی، ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کی میں تمہیں ان کا پیغام پہنچانے والا ہوں۔ بے شک وہ اللہ تعالیٰ سے راضی تھے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی تھا حضرت انس نے کہا "ہم یہ تلاوت کرتے رہے بَلِّغُوْا عَنَّا اَنَّا قَدْ لَقِيْنَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَاَرْضَانَا ہماری طرف سے یہ خبر پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے وہ ہم سے راضی ہے۔ اور اس نے ہم کو راضی کیا

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 586 (وزارت تعلیم)

ہے پھر یہ منسوخ کر دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ چالیس دن تک رعل، ذکوان، عصیہ اور بنی لحیان کے لئے بددعا کرتے رہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی۔ امام بغوی نے حضرت انس کی روایت میں یہ کہا ہے یہ آیت اٹھالی گئی جب کہ ہم ایک زمانہ تک اس کو پڑھتے رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ الآیۃ۔ میں کہتا ہوں اگرچہ اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف موجود ہے لیکن لفظ کے عموم کی بناء پر تمام شہداء اس آیت کے حکم میں داخل ہیں۔

مسئلہ: تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا کیونکہ شہداء احد کو غسل نہیں دیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ ان شہداء سے لوہے اور چمڑے کی چیزیں اتار لی جائیں اور انہیں ان کے خون اور کپڑوں کے ساتھ دفن کر دیا جائے۔ اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ(1) نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور امام نسائی نے سند صحیح کے ساتھ عبداللہ بن ثعلبہ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں انہیں ان کے خون کے ساتھ دفنا دو کیونکہ جو زخم جہاد میں لگتا ہے تو شہید قیامت کے روز اس خون کے ساتھ آئے گا، اس کا رنگ تو خون کا ہوگا مگر خوشبو کستوری کی ہو گی(2) اس باب میں حضرت جابر کی حدیث بھی ہے، ایک آدمی کے سینے میں تیر لگا وہ مر گیا، جس طرح وہ تھا اسی طرح اس کو کپڑے میں لپیٹ دیا گیا جبکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے(3) ابوداؤد نے مسلم کی شرط پر اسے روایت کیا ہے۔

مسئلہ: علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے ایک جنبی آدمی شہید ہو جائے تو کیا اسے غسل دیا جائے گا یا کہ نہیں امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اسے غسل دیا جائے گا۔ امام مالک اور امام شافعی کا نقطہ نظر یہ ہے اسے غسل نہیں دیا جائے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا قول زَمِّلُوْهُمْ بِدِمَائِهِمْ عام ہے۔ ہمارے پیش نظر حضرت حنظلہ بن ابی عامر کا قصہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں فرشتوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ زمین و آسمان کے درمیان ماء مزن (بارش کا پانی) سے چاندی کے بڑے بڑے طشتوں میں غسل دے رہے ہیں، ابو اسید ساعدی نے کہا ہم حضرت حنظلہ کے جسد اطہر کے پاس گئے اس کو دیکھا تو اس کے سر سے پانی کی قطرات گر رہے تھے۔ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا سب کچھ بتایا آپ نے مجھے ان کی زوجہ کی طرف بھیجا تا کہ صورت حال سے آگاہی حاصل کروں آپ کی اہلیہ نے بتایا جب وہ گھر سے نکلے تھے تو جنبی تھے۔ ان کا بیٹا پیدا ہوا جسے لوگ ابن غسیل الملائکہ کہتے (اس کا بچہ جسے فرشتوں نے غسل دیا)(4) ابن جوزی نے محمد بن سعد کی حدیث سے مرسل نقل کی ہے۔ ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں حاکم اور بیہقی نے ابن اسحاق کی حدیث سے جو انہوں نے یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر سے وہ اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت کرتے ہیں، حافظ کہتے ہیں ظاہر امر یہ ہے کہ جدہ کی ضمیر عباد کی طرف لوٹتی ہے۔ پس یہ حدیث مسند زبیر سے ہے اس حالت میں انہیں کا حضور ﷺ سے سماع ممکن ہے۔ حاکم نے الاکلیل میں ابی اسید کی حدیث سے روایت کیا ہے جبکہ ان کی سند میں ضعف ہے۔ حاکم نے مستدرک میں طبرانی اور بیہقی نے ابن عباس کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ حاکم کی سند میں معلی بن عبدالرحمٰن متروک ہے طبرانی کی سند میں حجاج مدلس ہے اور بیہقی کی سند میں ابو شیبہ واسطی ضعیف ہے۔

مسئلہ: شہید پر نماز پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہے۔

(1) امام شافعی کا نقطہ نظر یہ ہے شہید پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی۔

(2) امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا نقطہ نظر ہے نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

(3) امام احمد سے دونوں مذہب منقول ہیں۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، صفحہ 110 (وزارت تعلیم)
2۔ سنن نسائی، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 282 (وزارت تعلیم)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 447 (وزارت تعلیم)
4۔ سنن کبریٰ بیہقی، جلد 4، صفحہ 154 مطبوعہ دار الفکر بیروت

ہم کہتے ہیں نماز جنازہ گناہوں کی بخشش کے لئے پڑھی جاتی ہے یا درجات کی بلندی کے لئے مقصود میت کی تکریم ہوتی ہے۔ شہید تو اس عزت افزائی کا زیادہ مستحق ہوتا ہے اور اگر تکریم نماز جنازہ کے ترک میں ہوتی تو نبی کریم ﷺ اس کے زیادہ مستحق تھے جبکہ اس پر اجماع ہے کہ آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی ہے۔ جبکہ اصل نماز ہے جب تک شرعی عذر نہ ہو اس کا ترک کرنا جائز نہیں۔

امام شافعی نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ شہداء میں سے دو کو ایک کپڑے میں جمع کرتے پھر پوچھتے ان میں سے کون زیادہ قرآن کا قاری تھا جب ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو آپ لحد میں اسے آگے کر دیتے اور فرماتے میں قیامت کے روز ان پر گواہ ہوں گا اور ان کے دفن کرنے کا حکم دیتے اور آپ نے ان پر نماز جنازہ نہ پڑھی اور انہیں غسل بھی نہ دیا گیا۔ اسے امام بخاری، نسائی، ابن ماجہ(1) اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور حضرت انس کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو یا تین شہیدوں کو ایک کپڑے میں کفن دیا انہیں دفنایا اور ان پر نماز جنازہ نہ پڑھی۔ اسے امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی(2) نے روایت کیا اور فرمایا حدیث حسن ہے۔ حاکم نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ امام بخاری نے اسے معلل قرار دیا اور کہا اسامہ بن زید اس میں غلط ہے اور کہا زھری سے وہ حضرت انس روایت کرتے ہیں ابو لیث کی روایت جو زہری سے مروی ہے وہ عبد الرحمن بن کعب سے اور وہ جابر سے پہلی والی روایت نقل کرتے ہیں، اسے ترجیح دی ہے۔

امام شافعی کے استدلال کا یہ جواب دیا گیا کہ حضور ﷺ نے شہداء کی نماز جنازہ شاید اس لئے نہ پڑھی ہو کہ آپ خود زخمی تھے اور چار دانت ٹوٹے ہوئے تھے اور آپ کے علاوہ دوسرے لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی ہو اس نقطہ نظر کی تائید وہ روایت کرتی ہے جسے ابوداؤد نے مراسیل میں ذکر کیا اور حاکم اور طحاوی نے حضرت انس سے بھی روایت کیا کہ حضور ﷺ حضرت حمزہ کے پاس سے گزرے جبکہ آپ کا مثلہ کیا گیا تھا۔ آپ نے ان کے علاوہ کسی پر نماز جنازہ نہیں پڑھی(3) امام طحاوی نے یہ الفاظ زائد ذکر کئے ہیں میں قیامت کے روز تم پر گواہ ہوں۔

اگر یہ سوال کیا جائے اس حدیث کو دار قطنی نے روایت کیا ہے اور کہا اس زیادتی کو عثمان بن عمرو کے علاوہ کسی نے ذکر نہیں کیا اور یہ روایت محفوظ نہیں۔

ہم اس کا جواب دیں گے عثمان بن عمرو سے صحیحین میں بھی روایت نقل کی گئی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ امام طحاوی نے کہا اگر شہید پر نماز جنازہ چھوڑنا ہی سنت ہوتا تو حضور ﷺ حضرت حمزہ کی نماز جنازہ نہ پڑھتے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ حضور ﷺ نے ان کی نماز جنازہ ان کی فضیلت کی وجہ سے پڑھی جبکہ دوسروں کی نماز جنازہ دوری کی وجہ سے نہ پڑھی(4)۔ حضرت مسروایات کی معارض احادیث متعدد صحابہ سے مروی ہیں، انہیں میں ایک حضرت جابر سے مروی حدیث ہے جب لوگ جنگ سے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ کو نہ پایا۔ ایک آدمی نے عرض کیا میں نے انہیں اس درخت کے پاس دیکھا ہے ان کے مثلہ کو دیکھا آپ کی چیخ نکل گئی اور آپ رونے لگے، ایک انصاری اٹھا اور ایک چادر آپ پر ڈال دی پھر حضرت حمزہ کو لایا گیا۔ آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی پھر دوسرے شہداء لائے جاتے رہے، انہیں حضرت حمزہ کے پہلو میں رکھا جاتا آپ ان کی نماز جنازہ پڑھتے پھر انہیں اٹھا لیا جاتا اور حضرت حمزہ کے جسد اطہر کو وہاں ہی رہنے دیا گیا، یہاں تک کہ تمام شہداء پر نماز جنازہ پڑھ لی گئی پھر حضور ﷺ نے فرمایا حمزہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سید الشہداء ہیں۔ اسے حاکم(5)

1۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الجنائز، صفحہ 110 (وزارت تعلیم)
2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 121 (کچھ الفاظ کے اضافے کے ساتھ)۔ ایضاً
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 447۔ ایضاً
4۔ شرح معانی الآثار، جلد 1، صفحہ 290 (مفہوم)، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان
5۔ مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 119، مطبوعہ مکتبہ النصر الحدیثہ

نے روایت کیا اور کہا اس کی سند صحیح ہے۔ شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی تاہم اس کی سند میں مفضل بن صدقہ ابوحماد حنفی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ متروک ہے۔ اسے نسائی اور یحییٰ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن اھوازی نے کہا عطاء بن مسلم اس کی توثیق کرتا ہے۔ احمد بن محمد بن شعیب اس کی تعریف کرتا ہے۔ ابن عدی نے کہا میں نے اس میں کوئی حرج نہیں دیکھا۔ پس یہ حدیث حسن کے درجہ سے ساقط نہیں۔ اسی سے ابن عباس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ کے بارے میں حکم دیا، انہیں ایک چادر میں کفن دیا گیا پھر آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور اس پر سات تکبیریں کہیں پھر دوسرے شہید لائے جاتے رہے، انہیں حضرت حمزہ کے ساتھ رکھا جاتا۔ آپ ان پر نماز جنازہ پڑھتے اور ساتھ ہی حضرت حمزہ پر (1) یہاں تک کہ آپ نے ان پر 72 نمازیں پڑھیں۔ اسے ابن اسحاق نے روایت کیا ہے، کہا مجھے اس نے یہ روایت بیان کی جس پر میں تہمت نہیں لگاتا، انہوں نے مقسم سے جو ابن عباس کے غلام ہیں اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی اور مسلم کے مقدمہ میں ہے شعبہ، حسن بن عمارہ سے وہ حکم سے وہ مقسم سے وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شہداء احد پر نماز پڑھی، میں نے حکم سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا آپ نے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ بیہقی نے کہا حسن بن عمارہ ضعیف ہے۔ حافظ نے کہا اس حدیث کو حاکم، ابن ماجہ، طبرانی اور بیہقی نے یزید بن زیادہ کے واسطہ سے، انہوں نے مقسم سے، انہوں نے ابن عباس سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ حافظ نے کہا یزید میں تھوڑا سا ضعف ہے۔ ابن جوزی نے کہا ابن مبارک نے کہا اسے رہنے دو۔ امام بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے۔ نسائی نے کہا متروک ہے۔

اس کی مثل ابن مسعود کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حمزہ پر ستر نمازیں پڑھیں۔ اسے امام احمد نے روایت کیا (2) یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابن ہمام نے کہا یہ درجہ حسن سے نیچے نہیں گرتی۔ اس ضمن میں ابو مالک غفاری کی حدیث ہے جسے ابوداؤد نے مراسیل میں نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دس دس کی نماز جنازہ پڑھی اور ہر دس میں حضرت حمزہ شامل تھے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے آپ کی ستر نمازیں پڑھیں۔ حافظ نے کہا اس کے راوی ثقہ ہیں۔ ابو مالک تابعی ہے، اس کا نام غزوان ہے۔ اعتراض: امام شافعی نے اس حدیث کو معلل قرار دیا کیونکہ اس کے مضمون میں باہم ٹکراؤ ہے کیونکہ شہداء کی کل تعداد ستر تھی۔ جب آپ نے دس دس کی نماز جنازہ اکٹھی پڑھی تو حضرت حمزہ پر سات نمازیں ہوئیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ حضور ﷺ نے ستر افراد پر نماز جنازہ پڑھی حضرت حمزہ سب میں شامل تھے۔ ان تمام احادیث کو جمع کیا جائے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔ وہ روایات جن میں یہ ذکر تھا کہ ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی اور وہ روایات جن میں یہ مذکور ہے کہ ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی اور حضور ﷺ نے خود نماز نہیں پڑھی مگر پہلی دفعہ حضرت حمزہ پر پڑھی پھر آپ نے تمام لوگوں کو دوسرے شہداء پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا اور حضرت حمزہ پر نماز جنازہ دوسرے تمام شہیدوں کے ساتھ پڑھی جاتی رہی۔

جس نے شہداء کی نماز جنازہ پڑھنے کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کی اس نے مجاز مراد لیا کیونکہ حضور نے نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا اور جس نے نماز پڑھنے کی نفی کی اس نے اسے حقیقت پر محمول کیا ہے، جس نے تفصیل بیان کی اور کہا آپ نے حضرت حمزہ کی نماز جنازہ پڑھائی کسی اور کی نہیں تو اس نے امر واقع کا ذکر کیا ہے۔

اس باب میں وہ مرسل روایت بھی ہے جسے امام نسائی اور امام طحاوی نے شداد بن ہاد سے نقل کیا ہے کہ ایک اعرابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ پر ایمان لایا اور آپ کے ساتھ چل دیا، عرض کی میں آپ کے ساتھ رہوں گا، حضور ﷺ نے کسی صحابی کو اس

1۔ شرح معانی الآثار، جلد 1، صفحہ 290 (امدادیہ)　　2۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 463، دار صادر بیروت

بارے میں وصیت کی، جب غزوہ ہوا، رسول اللہ ﷺ کو غنیمت حاصل ہوئی حضور نے اسے تقسیم کیا تو اس کے لئے بھی حصہ رکھا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے اعرابی نے کہا میں اس وجہ سے آپ کے ساتھ نہیں آیا تھا بلکہ میں تو اس لئے آیا تھا کہ مجھے یہاں تیر لگے اور اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا، پس اس کے نتیجہ میں مر جاؤں اور جنت میں داخل ہو جاؤں۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اسے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں لایا گیا جبکہ اسے وہاں ہی تیر لگا تھا جس کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا یہ وہی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اس نے اللہ تعالیٰ کے لئے سچ بولا تو اللہ تعالیٰ نے اسے سچا کر دکھایا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے اپنے جبہ میں کفن دیا پھر اسے آگے رکھا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی، اس پر نماز پڑھنے کے دوران جو چیز نمایاں ہوئی وہ آپ کی یہ دعا تھی اے اللہ یہ تیرا بندہ تھا جو تیری راہ میں گھر سے نکلا، شہید کی موت مرا، میں اس پر گواہ ہوں۔ یہ روایت مرسل ہے اور ہمارے نزدیک مرسل روایت حجت ہے۔

فصل: امام بخاری اور دوسرے محدثین نے عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے شہداء احد کی نماز آٹھ سال بعد اپنے وصال سے قبل پڑھی (1)۔ امام بیہقی نے اسے دعا پر محمول کیا ہے۔ یہ تعبیر کوئی حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ آٹھ سال بعد دعا صرف ایک دفعہ نہیں ہوتی بلکہ یہ نماز جنازہ تھی۔ بعض الفاظ میں یہ آیا ہے کہ آپ (مدینہ طیبہ سے) نکلے اور آپ نے شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی۔ اسے امام طحاوی (2) اور دوسرے محدثین نے نقل کیا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ احناف تو دفنانے کے بعد تین دن بعد قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں کہتے۔

میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کیونکہ میت تین دنوں میں پھٹ جاتی ہے رہا شہید تو یہ بات ثابت ہے کہ زمین اس کے جسم کو نہیں کھاتی وہ ہمیشہ اسی طرح رہتا ہے جس طرح اسے دفن کیا گیا تھا تو اس پر نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں یہ حضور ﷺ سے ثابت ہے۔

فریابی، نسائی اور طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب مشرک احد سے واپس آئے تو کہنے لگے نہ تو تم نے محمد ﷺ کو قتل کیا اور نہ ہی نوجوان عورتوں کو لوٹ کر ساتھ لائے، تم نے کتنا ہی برا کیا پس لوٹ چلو۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سنی تو صحابہ کو بلایا۔ سب لوگ حاضر ہو گئے۔ محمد بن عمر نے کہا جب رسول اللہ ﷺ غزوہ احد سے ہفتہ کے روز واپس تشریف لائے تو پندرہ تاریخ تھی۔ دشمنوں کے حملہ کے ڈر سے اوس و خزرج کے سرداروں نے حضور ﷺ کے دروازہ پر رات گزاری۔ جب سولہویں کی صبح طلوع ہوئی، حضرت بلال نے اذان دی تو رسول اللہ ﷺ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرنے لگے۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو مزنی قبیلہ کے ایک شخص نے اطلاع دی کہ ابو سفیان نے روحاء کے مقام پر یہ کہا واپس لوٹ چلو تا کہ جو باقی بچے ہیں ان کا خاتمہ کر دیں۔ صفوان بن امیہ نے اس رائے سے انکار کر دیا اور کہا اے میری قوم ایسا نہ کرو، بے شک وہ شکست خوردہ ہیں، مجھے خوف ہے کہ خزرج کے جو افراد اس جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے وہ سب جمع ہو جائیں گے اس لئے مکہ کو لوٹ چلو، آج فتح تمہاری ہے۔ مجھے کوئی اطمینان نہیں اگر تم واپس جاؤ گے کہ تو فتح تمہاری ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صفوان نے ان کی صحیح راہنمائی کی جب کہ وہ خود ہدایت یافتہ نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ان کے لئے پتھر نامزد کر دیے گئے تھے، اگر پلٹتے تو نیست و نابود ہو جاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم کو بلایا، ان کے سامنے سب چیزوں کا ذکر فرمایا۔ دونوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ دشمن کا پیچھا کیجئے، کہیں وہ ہمارے بال بچوں پر سر نہ اٹھائیں۔ آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ دشمن کا پیچھا کرنے کا حکم دیتے ہیں لیکن آج ہمارے ساتھ وہی جائیں گے جو کل لڑائی میں حاضر تھے۔ حضرت اسید بن حضیر نے کہا مجھے نو زخم لگے تھے، ارادہ کر رہے تھے کہ علاج کریں۔ جب ندا

1۔ شرح معانی الآثار، جلد 1، صفحہ 290 (امدادیہ)
2۔ شرح معانی الآثار، جلد 1، صفحہ 290 (امدادیہ)

کو سنا تو کہا اللہ اور اس کے رسول کو حکم سنا اور اسکی اطاعت کی اور زخموں کی دواء کی طرف توجہ تک نہ کی۔ بنی سلمہ سے چالیس زخمی نکلے۔ طفیل بن نعمان کے تیرہ زخم، خراش بن صمہ کے دس، کعب بن مالک کے دس سے اوپر، عطیہ بن عامر کو نو زخم تھے۔ مسلمان اپنے اسلحہ پر جھپٹے اور اپنے زخموں کی دوائی کی کوئی پرواہ نہ کی۔ ابن عقبہ نے کہا عبداللہ بن ابی آیا، عرض کی میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ ابن اسحاق اور محمد بن عمر نے کہا جابر بن عبداللہ حاضر خدمت ہوئے، عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ کے منادی نے یہ اعلان کیا ہے آج وہی ہمارے ساتھ نکلے جو کل جنگ میں شریک تھا۔ میں تو کل بھی جانے کا حریص تھا لیکن میرے والد نے مجھے سات بہنوں پر نگہبان بنا کر پیچھے چھوڑ دیا، ایک روایت میں نو کا ذکر ہے اور مجھے فرمایا تھا میرے اور تیرے لئے مناسب نہیں کہ ہم ان عورتوں کو ویسے ہی چھوڑ جائیں، ان کے ساتھ کوئی اور مرد نہیں میں ان میں سے نہیں ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں جہاد کرنے میں تجھے ترجیح دوں۔ شائد اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرمائے۔ میں اس کی امید رکھتا ہوں اس وجہ سے میں ان عورتوں کی حفاظت کے لئے یہاں رہ گیا تھا، انہوں نے مجھ پر شہادت کو ترجیح دی، یارسول اللہ ﷺ اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کیساتھ چلوں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر کو اجازت مرحمت فرما دی۔ حضرت جابر نے کہا میرے سوا کوئی آدمی بھی آپ کے اس سفر میں نہیں نکلا تھا جو کل جہاد میں شریک نہیں۔ تھا ان لوگوں نے ساتھ جانے کی اجازت طلب کی جو کل شریک نہ ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے انکار کر دیا تھا۔ ابن اسحاق اور اس کے ہمنوا علماء نے کہا رسول اللہ ﷺ دشمن کو ڈرانے اور یہ بتانے کے لئے کہ آپ ان کی تلاش میں نکلے ہیں۔ اس مہم پر روانہ ہوئے تو مشرکین مکہ نے گمان کیا کہ آپ کے پاس بڑی طاقت ہے اور جو مصیبت انہیں پہنچی ہے اس نے انہیں کمزور نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نکلے آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، حذیفہ بن یمان، ابوعبیدہ بن جراح وغیرہ ستر آدمی تھے، یہاں تک یہ لشکر حمراء الاسد تک جا پہنچا جو مدینہ طیبہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ جب تم ذوحلیفہ کا ارادہ کرو تو یہ راستہ سے بائیں جانب مقام ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے سواری کے لئے تیس اونٹ پیش کئے اور کچھ ذبح کرنے کیلئے جانور حاضر کئے جو پیر اور منگل کو ذبح کئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے دن کے وقت انہیں لکڑیاں اکٹھی کرنے کا حکم فرمایا۔ جب شام ہوئی تو انہیں جلانے کا حکم دیا۔ ہر ایک آدمی نے کئی آگیں جلائیں مجموعی طور پر پانچ سو آگیں انہوں نے روشن کیں۔

معبد خزاعی جو اس وقت مشرک تھا جبکہ ابو عمرو اور ابن جوزی نے یقین سے یہ کہا ہے کہ وہ مسلمان تھا حضور ﷺ سے ملا خزاعہ قبیلہ کے مسلمان اور کافر حضور ﷺ سے تہامہ میں میل ملاقات رکھتے تھے۔ ان کا حضور ﷺ کے ساتھ معاہدہ تھا جو کچھ معاملہ ہوتا وہ حضور ﷺ سے نہ چھپاتے۔ عرض کی اے محمد ﷺ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو جو تکلیف آئی ہے ہمارے اوپر بڑی شاق گزری۔ ہم پسند کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے محفوظ رکھتا پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے چلا اور روحاء کے مقام پر ابو سفیان کو ملا جبکہ لشکر کفار نے لوٹنے کا ارادہ کر لیا تھا اور کہا ہم نے جلیل القدر ساتھیوں اور سرداروں کو ہلاک کر دیا۔ اب باقی ماندہ پر دوبارہ حملہ کریں گے اور ان سے ہمیشہ کے لئے فارغ ہو جائیں گے۔

• جب ابوسفیان نے معبد کو دیکھا پوچھا کیا حال چھوڑ آئے ہو۔ معبد نے کہا حضرت محمد ﷺ تمہاری تلاش میں اسی جمعیت کے ساتھ نکلے ہیں اس جیسا لشکر میں نے پہلے نہیں دیکھا وہ تم پر دانت پیس رہے ہیں، جو اس دن جنگ میں شریک نہ ہوئے وہ بھی اب آپ کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں اور اس دن کی حرکت پر شرمندہ ہیں، انہیں تم پر اتنا غصہ ہے کہ میں نے ایسا غصہ پہلے نہیں دیکھا۔ ابوسفیان نے کہا تو ہلاک ہو کیا کہہ رہا ہے؟ معبد نے کہا قسم بخدا تم کوچ بھی نہ کرو گے کہ تم گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھ لو گے۔ ابوسفیان نے کہا قسم بخدا ہم نے ان پر

دوبارہ حملہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا تا کہ ان کے باقی ماندہ افراد کو ختم کر دیں۔ معبد نے کہا تم بخدا میں تجھے اس کام سے منع کرتا ہوں(1) معبد کی گفتگو نے صفوان کے مشورہ کے ساتھ مل کر ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو واپس کر دیا۔ وہ تلاش کے خوف سے جلدی مکہ مکرمہ لوٹ گئے۔ اسی اثناء میں عبدالقیس کا ایک قافلہ ابوسفیان کے پاس سے گزرا۔ ابوسفیان نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ وفد کے لوگوں نے کہا ہم مدینہ کا ارادہ کرتے ہیں تا کہ کھانا لے آئیں۔ ابوسفیان نے کہا کیا تم میری طرف سے محمد ﷺ کو ایک پیغام دو گے، میں اگلے سال عکاظ میں تمہارے یہ اونٹ زبیب سے لاد دوں گا۔ جب تم مجھے وہاں سے ملو گے انہوں نے کہا ہم پیغام دیں گے۔ ابوسفیان نے کہا جب تم آپ کے پاس پہنچو تو بتانا کہ ہم نے ان کے لئے اور ان کے صحابہ کے لئے لشکر جمع کر لئے ہیں تا کہ ان کا خاتمہ کر دیں۔ ابو سفیان مکہ چلا گیا اور قافلہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا جبکہ آپ حمراءالاسد کے مقام پر جلوہ افروز تھے۔ ابوسفیان نے جو کچھ کہا تھا سب کچھ بتا دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ حضور ﷺ حمراءالاسد میں پیر، منگل اور بدھ کے روز ٹھہرے رہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌۚ۝۱۷۲

"جنہوں نے لبیک کہا اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر[1] اس کے بعد کہ لگ چکا تھا انہیں (گہرا) زخم[2] ان کے لئے جنہوں نے نیکی کی ان میں سے اور تقویٰ اختیار کیا یہ اجر عظیم ہے[3]"

[1] حضور ﷺ نے جہاد کے لئے نکلنے کی دعوت دی تو انہوں نے قبول کی۔

[2] قرح سے مراد احد کے روز کا زخم ہے۔ اسم موصول بطور مدح محل نصب میں ہے یا اسم موصول مبتدا ہے اور مابعد جملہ اس کی خبر ہے۔

[3] من بیانیہ ہے۔ دونوں وصف ذکر کرنے کا مقصد مدح ہے اور علت بیان کرنا ہے۔ تقیید مقصود نہیں کیونکہ دعوت پر لبیک کہنے والے سارے ہی محسن اور متقی تھے۔

[3] یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول مومنین کی صفت ہو اور کلام ما اصابھم القرح پر مکمل ہو گئی ہو اور مابعد کلام نئی ہو۔ مجاہد اور عکرمہ نے اکثر مفسرین کے برعکس یہ کہا کہ یہ آیت کریمہ بدر صغریٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ بنی تھی کہ جب ابوسفیان نے احد کے میدان سے واپس جانے کا ارادہ کیا تو کہا تھا اے محمد ﷺ اگر تم چاہو تو ہمارے اور تمہارے درمیان اگلی جنگ بدر کے مقام پر سالانہ میلہ کے موقع پر ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ ہمارے اور تمہارے درمیان مقابلہ کی جگہ ہو گی، ان شاء اللہ جب اگلا سال آیا تو ابوسفیان مکہ مکرمہ سے دو ہزار لشکریوں کے ساتھ نکلا اس کے ساتھ پانچ سو گھوڑے بھی تھے، یہاں تک کہ مرالظہران کے قریب مجنہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب ڈالا اسے لوٹ جانا موزوں نظر آیا، وہ نعیم بن مسعود اشجعی سے ملا جو عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ آیا ہوا تھا۔ ابوسفیان نے اسے کہا اے نعیم میں نے رسول اللہ ﷺ اور اس کے ساتھیوں سے بدر میں موسم (میلہ) کے موقع پر جنگ کا وعدہ کیا تھا۔ یہ خشک سالی کا سال ہے، ہمیں تو ایسا سال موزوں ہوتا ہے جو سرسبز و شاداب ہو جس میں ہم جانوروں کو سبزہ چرائیں اور خود دودھ پئیں۔ مجھے یہ موزوں نظر آیا کہ اس سال میں مقابلہ کے لئے نہ نکلوں تاہم مجھے یہ بھی ناپسند ہے کہ محمد ﷺ تو نکلیں اور میں نہ نکلوں۔ اس طرح تو وہ زیادہ جری ہو جائیں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 378-377 (التجاریہ)

گے کیونکہ ان کی طرف سے وعدہ خلافی اپنی طرف سے وعدہ خلافی سے زیادہ محبوب ہے۔ تم مدینہ جاؤ اور انہیں باہر آنے سے روکو انہیں بتاؤ میرے پاس بھاری لشکر ہے جس کا مقابلہ کرنے کی تم طاقت نہیں رکھتے۔ تیرے لئے انعام کے طور پر دس اونٹ ہیں جو میں سہیل بن عمرو کے پاس رکھتا ہوں۔ سہیل نے اس کی ضمانت دی نعیم بن مسعود مدینہ طیبہ آیا۔ لوگوں کو دیکھا کہ وہ ابوسفیان کے وعدہ کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ اس نے پوچھا کہاں کی تیاریاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا ہم نے ابوسفیان سے وعدہ کیا تھا کہ اگلے بدر میلہ پر ہمارا ان سے مقابلہ ہوگا۔ نعیم نے کہا تم نے کتنی غلط رائے اپنائی۔ وہ تمہارے گھروں میں آئے اور تم میں سے سوائے بھاگ جانے والوں کے کوئی نہ بچا۔ اب تم اتنی دور جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ انہوں نے تو میلہ کے لئے بہت زیادہ لشکر جمع کیا ہے۔ اللہ کی قسم تم میں سے کوئی بھی باقی نہ بچے گا۔ بعض صحابہ نے یہ سن کر جہاد پر جانے کو ناپسند کیا۔ منافق اور یہودی یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے محمد ﷺ اس لشکر سے تو بچ کر نہ آ سکیں گے۔ یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی اور یہ خدشہ لاحق ہوا کہ شاید کوئی بھی آپ کے ساتھ جہاد پر روانہ نہ ہو یہاں تک کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر تشریف لائے۔ یہ دونوں کی باتیں سن چکے تھے۔ دونوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ بے شک اللہ اپنے دین کو غالب کرنے والا اور اپنے نبی کو عزت دینے والا ہے۔ ہم نے مشرکین مکہ سے میلہ کے موقع پر مقابلہ کا وعدہ کیا تھا ہم وعدہ خلافی کو پسند نہیں کرتے۔ وعدہ کے مطابق چلئے، قسم بخدا بے شک یہ خیر ہے۔ رسول اللہ ﷺ یہ بات سن کر خوش ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں ضرور نکلوں گا، اگرچہ مجھے اکیلا ہی جانا پڑے تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے نعیم بن مسعود سے کہا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ یہاں تک کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ بدر کے مقام پر پہنچے۔ زمانہ جاہلیت سے یہاں بازار لگتا تھا۔ لوگ یہاں ذی قعدہ کا چاند طلوع ہونے پر جمع ہوتے اور آٹھ دن تک یہاں رہتے۔ جب آٹھ دن گزر جاتے تو لوگ اپنے اپنے شہروں کو چلے جاتے۔ رسول اللہ ﷺ ابوسفیان کے انتظار میں یہاں رہے۔ ابوسفیان مجنہ سے مکہ واپس چلا گیا۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کا ایک مشرک نے بھی سامنا نہ کیا۔ صحابہ اس بازار میں ٹھہرے۔ ان کے پاس سامان تجارت بھی تھا۔ اسے بیچا اور ایک درہم مال کے دو درہم لئے اور یہ مدینہ طیبہ کی طرف محفوظ و مامون اور خوب مال کما کر واپس لوٹے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ(1) جبکہ پہلا قول صحیح ہے۔ امام بخاری کا معمول بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے۔ ابن جریر نے بھی اسے ترجیح دی ہے میں کہتا ہوں کہ پہلے قول کی تائید آیت کا سیاق بھی کرتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح کی کہ وہ اس وقت جہاد کے لئے نکلے اور اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہی جبکہ وہ زخمی تھے اور زخموں کے درد میں مبتلا تھے۔ یہ صورت حال حمراء الاسد کے غزوہ میں تھی۔ جہاں تک غزوہ بدر صغریٰ کا تعلق ہے وہ ایک سال بعد ہوا تھا۔ اس وقت صحابہ صحیح اور تندرست تھے۔ اگر زخمی ہونے کے بعد کو تھوڑے وقت پر محمول نہ کیا جائے تو اس آیت کو غزوۂ بدر صغریٰ کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کیونکہ اس صورت میں وہ غزوۂ خندق اور دوسرے مابعد غزوات پر بھی محمول کی جا سکتی ہے۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾

"یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کہا انہیں لوگوں نے[1] کہ بلاشبہ کافروں نے جمع کر رکھا ہے تمہارے لئے (بڑا سامان اور لشکر)[2]

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 379 (التجاریہ)

سو ڈرو ان سے تو (اس دھمکی) نے بڑھا دیا ان کے (جوش) ایمان کو[1] اور انہوں نے کہا کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ[2] اور وہ بہترین کارساز ہے[5]"

[1] اگر یہ دونوں آیتیں اکٹھی نازل ہوئی ہوں تو یہ آیت ماقبل آیت کا بدل ہوگی، اگر دونوں آیتیں پے در پے یا مختلف مواقع پر نازل ہوئی ہوں تو یہاں اسم موصول یا محل نصب میں ہوگا۔ یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی هُمُ الَّذِيْنَ. قَالَ لَهُمُ یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر فانقلبوا ہے یا اکثر مفسرین نے یہ کہا یہاں الناس سے مراد عبدالقیس کا قافلہ ہے جو ابوسفیان کی طرف سے پیغام لایا جبکہ حضور ﷺ حمراء الاسد میں تشریف فرما تھے جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

مجاہد اور عکرمہ نے کہا یہاں الناس سے مراد نعیم بن مسعود اشجعی ہے جو مدینہ طیبہ میں ابوسفیان اور مشرکین کی خبر لایا تھا جبکہ نبی کریم ﷺ غزوۂ بدر صغریٰ کی تیاری کر رہے تھے۔ نعیم بن مسعود پر الناس کا اطلاق اس وجہ سے کیا کیونکہ ان میں سے ایک ہے جس طرح عرب کہتے ہیں فلان یرکب الخیل جبکہ جس گھوڑے پر وہ سوار ہوتا ہے وہ صرف ایک ہوتا ہے یا الناس کا اطلاق اس پر اس لئے کیا گیا کیونکہ مدینہ طیبہ کے کچھ لوگ بھی اس کے ہمنوا بن گئے تھے اور ان سب نے اس خبر کو عام کیا تھا۔

میرے نزدیک ظاہر بات یہ ہے کہ یہ آیت غزوۂ بدر صغریٰ کے متعلق نازل ہوئی الناس سے مراد نعیم بن مسعود اشجعی ہے۔ پہلی آیت غزوہ حمراء الاسد کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان دونوں غزوات میں ایک سال کا عرصہ حائل ہے۔ میرے قول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ یہ اس بات پر دال ہے کہ انہوں نے اب نئے سرے سے لشکر جمع کیا ہے پہلے لشکر جمع نہیں تھا یہ صرف بدر صغریٰ کے بارے میں تصور کیا جا سکتا ہے رہا وہ معاملہ جس میں احد کے واقعہ کے بعد حضور ﷺ مدینہ طیبہ سے نکلے تھے تو اس موقع پر مشرکین مکہ پہلے ہی جمع تھے تو اس صورت میں قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ کے الفاظ مناسب نہیں۔ واللہ اعلم۔

امام رازی نے بھی یہی بات کہی ہے، انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے دو غزوات میں مومنوں کی تعریف کی جن میں سے ایک غزوۂ حمراء الاسد کے نام سے معروف ہے۔ پہلی آیت میں وہی مذکور ہے۔ دوسرا غزوۂ بدر صغریٰ ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔

[2] الناس سے مراد ابوسفیان اور دوسرے مشرک ہیں، یعنی لشکر اور جنگ کے آلات۔

[3] اس کا عطف قَالَ لَهُمُ النَّاسُ پر ہے۔ فَزَادَهُمْ میں ضمیر مضمر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یا وہ بات ہے جو کہی گئی یا قال کا مصدر یا قال کا فاعل ہے اگر الناس سے مراد نعیم بن مسعود لیا جائے۔ ھم ضمیر اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہے۔ معنی ان کا یہ ہوگا صحابہ متوجہ نہ ہوئے اور نہ ہی کمزور ہوئے، انہوں نے اسلام کی غیرت کا مظاہرہ کیا۔ اس عمل کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوگئے اور رفعت کے مدارج پر بلند ہوگئے ایمان کی زیادتی قرب کے مدارج میں زیادتی کے ساتھ متحقق ہوگی۔ جن کا یہ نقطۂ نظر ہے کہ ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں تو ان کی نظر ایمان مجازی پر محدود ہے۔

[4] قالوا کا عطف زادھم پر ہے۔ حسب اصل میں مصدر ہے جو اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی مُحْسِبُنَا وَكَافِيْنَا۔ یہ اَحْسَبَهُ سے مشتق ہے، یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ اس کے لئے کافی ہو۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ یہ محسب کے معنی میں ہے، تو جواب دیں گے یہ اضافت کے باوجود معرفہ نہیں بنتا جیسے هذا رجل حسبک جس طرح اسم فاعل مضاف ہو کر معرفہ نہیں بنتا۔

[5] وکیل وہ ذات امور جس کے سپرد کئے جائیں یہاں مخصوص بالمدح محذوف ہے جو ھو ضمیر ہے۔

نِعْمَ الْوَكِيْلُ جملہ انشائیہ ہے اور حَسْبُنَا اللّٰهُ جملہ خبریہ ہے یہاں جملہ انشائیہ کا عطف جملہ خبر پر کیسے ہوگا؟ یہ مسئلہ علماء نحو میں مختلف فیہ ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ عطف حکایت بیان کرنے والے کی طرف سے ہوا جس کلام کی حکایت بیان کی گئی ہے اس میں حقیقت میں عطف نہیں تھا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَقَالُوْا نِعْمَ الْوَكِيْلُ یعنی ان لوگوں نے یہ قول بھی کیا اور وہ قول بھی کیا۔ جبکہ ظاہر بات یہ ہے کہ کلام محکی میں عطف موجود تھا کیونکہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ یہ کلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا جب کہ آپ کو آگ میں پھینکا گیا اور حضور ﷺ نے بھی یہ کلام کہا تھا جب لوگوں نے یہ بتایا تھا کہ مشرکین مکہ نے آپ کے ساتھ مقابلہ کے لئے بڑا لشکر جمع کیا ہے، جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے(1) کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کو یوں ذکر کرنا قالھما (مفرد ضمیر لانا) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ واؤ عاطفہ کلام محکی سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر واؤ عاطفہ حکایت سے ہوتا تو حضرت ابن عباس یوں کہتے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ قَالَهُمَا اِبْرٰهِيْمُ یعنی تثنیہ کی ضمیر ھما ذکر فرماتے۔ بعض فضلاء نے اس عطف کے بارے میں یوں وضاحت فرمائی کہ ان کا قول حَسْبُنَا اللّٰهُ یہ ان کے قول فَحَسْبُنَا عَلَى اللّٰهِ سے کنایہ ہے اور نِعْمَ الْوَكِيْلُ کا قول اِنَّا وَكَّلْنَا اُمُوْرَنَا اِلَى اللّٰهِ سے کنایہ ہے۔

میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے وہ جملے جن کا اعراب میں کوئی محل نہ ہو ان کا ایک دوسرے پر عطف کرنا صحیح ہوتا ہے، ان میں خبر و انشاء کے فرق کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ حدیث طیبہ میں آیا کہ ایک عورت حاضر ہوئی۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے باپ نے میری شادی اپنے بھتیجے سے کی میرا باپ کتنا اچھا ہے۔ الحدیث۔ اللہ تعالیٰ کا بھی فرمان ہے: اُولٰٓىِٕكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾

"(ان کے عزم و توکل کا نتیجہ یہ نکلا کہ) واپس آئے یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ [1] نہ چھوا ان کو کسی برائی نے [2] اور پیروی کرتے رہے رضائے الٰہی کی [3] اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے [4]"

[1] وہ واپس پلٹے اللہ تعالیٰ کی نعمت کے ساتھ۔ یہاں نعمت سے مراد ثواب کی کثرت کے ساتھ ایمان میں زیادتی تجارت میں نفع کے ساتھ اموال میں زیادتی اور عزت و احترام میں زیادتی ہے، کیونکہ وہ دشمنوں سے جہاد کرنے کے لئے گئے تھے اور ان کے دشمن بزدل بن گئے اور ان کی زیادتی کا تصور غزوہ بدر صغریٰ میں ممکن ہے کیونکہ وہاں ہی صحابہ بازار میں ٹھہرے تھے تجارت کی اور نفع کمایا، جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے جبکہ غزوہ حمراء الاسد میں کوئی تجارت نہیں ہوئی تھی۔

[2] یہ جملہ لَمْ يَمْسَسْهُمْ میں فاعل سے حال ہے، یعنی اس حال میں کہ انہیں زخم، قتل اور مال چھن جانے کی کوئی تکلیف نہ پہنچی۔

[3] جو دونوں جہانوں کی خیر پانے کی راہ ہے۔ امام بغوی نے کہا لوگوں نے کہا کیا یہ جنگ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جنگ کا ثواب عطا فرمایا اور ان سے راضی ہو گیا(2) تو اس کلام سے انہیں جواب دیا گیا۔

[4] اس میں گھروں میں بیٹھ رہنے والوں کے لئے حسرت ہے اور ان کی رائے کی غلطی کا اظہار ہے۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 655 (وزارت تعلیم)

2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 380 (التجاریہ)

مُّؤْمِنِيْنَ ۝

”یہ تو شیطان ہے ۱؎ جو ڈراتا ہے (تمہیں) اپنے دوستوں سے ۲؎ پس نہ ڈرو ان سے ۳؎ بلکہ مجھ سے ہی ڈرا کرو ۴؎ اگر تم مومن ہو ۵؎“

۱؎ اسم اشارہ سے مراد نعیم اور ابوسفیان ہیں۔ الشیطان خبر ہے اور اس کا مابعد ان کی شیطانیت کا بیان ہے یا اس کا مابعد اس کی صفت ہے، جس طرح اس شعر میں ہے یعنی معرف باللام نکرہ کے حکم میں موصوف ہے اور مابعد جملہ اس کی صفت ہے۔ وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَى اللَّئِيْمِ يَسُبُّنِيْ محل استدلال اللئیم ہے جو نکرہ کے حکم میں ہے۔ ما بعد اس کی صفت ہے یا شیطن اسم اشارہ کی صفت ہے اور اس کا مابعد خبر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مشار الیہ ان کا یہ قول ہو اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا اور الشیطن اس کی خبر ہو جبکہ اس سے پہلے مضاف محذوف ہو، یعنی یہ قول شیطان کا فعل ہے جو اس نے ان کے منہ میں ڈالا تا کہ وہ تمہیں ڈرائیں اور تم ان سے خوفزدہ ہو جاؤ۔

۲؎ یہاں اولیاء سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ نکلے تھے بلکہ گھروں میں بیٹھے رہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ حرف جار کے حذف کی وجہ سے یہ منصوب ہو اور مفعول محذوف ہو، تقدیر کلام یوں ہو يُخَوِّفُكُمْ بِاَوْلِيَآءِهٖ۔ ابی بن کعب کی قرأت بھی اسی طرح ہے۔ سدی نے کہا اس کا معنی یہ ہے وہ اپنے دوستوں کی تمہارے دلوں میں عظمت پیدا کرتا ہے تا کہ تم ان سے خوفزدہ ہو جاؤ کیونکہ ابن مسعود کی قرأت یہ ہے يخوفكم اولياءه فان دونوں صورتوں میں اولیاء سے مراد ابوسفیان اور اس کے ساتھی ہیں۔ (1)

۳؎ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس کوئی قوت نہیں۔ یہاں ضمیر منصوب پہلی توجیہ کی صورت میں ناس ثانی کے لئے ہوگی اور آخری دونوں صورتوں میں اولیاء کے لئے ہوگی۔

۴؎ مجھ سے ڈرتے رہو کہ میں انہیں تم پر غالب نہ کردوں جس طرح میں نے احد کے روز کیا کیونکہ غلبہ تو میری طرف سے ہی ہوگا۔ پس تم میرے حکم اور نہی میں میری مخالفت نہ کرو اور میرے رسول کیساتھ جہاد کرو۔ خَافُوْنِ میں ابوعمرو نے وصل کی صورت میں یاء متکلم کو باقی رکھا جبکہ باقی قراء نے وصل و فصل دونوں صورتوں میں حذف کیا۔

۵؎ کیونکہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرا جائے کسی اور سے نہ ڈرا جائے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر، جب تو مدد مانگے تو اللہ تعالیٰ سے مانگ جان لے اگر ساری امت تجھے نفع پہنچانے پر اتفاق کر لے وہ تجھے نفع نہ پہنچا سکے گی مگر اسی قدر جتنا اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے اور اگر وہ سب تجھے نقصان پہنچانے پر جمع ہو جائیں وہ تجھے کچھ نقصان نہیں پہنچائیں گے مگر اس قدر جتنا اللہ تعالیٰ تیرے حق میں لکھ دیا ہے قلمیں اٹھالی گئی ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ اسے امام احمد اور امام ترمذی (2) نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

”اور (اے جانِ عالم) نہ غمزدہ کریں آپ کو ۱؎ جو جلدی سے کفر میں داخل ہوئے ہیں ۲؎ بیشک یہ لوگ نہیں نقصان پہنچا سکتے اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی ۳؎ چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ نہ رکھے ان کے لئے ذرا حصہ آخرت (کی نعمتوں) سے ۴؎ اور ان کیلئے عذاب عظیم ہے ۵؎“

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 380 (التجاریہ) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 74 (وزارت تعلیم)

1؎ نافع نے فعل کو باب افعال سے پڑھتے ہوئے یاء کے ضمہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح انہوں نے لیحزننی اور لیحزن جہاں بھی واقع ہوا باب افعال سے پڑھا، تاہم سورۂ انبیاء میں لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ مجرد سے پڑھا ہے۔ ابو جعفر نے اس کے برعکس سورۂ انبیاء میں باب افعال سے پڑھا ہے۔ باقی قراء نے مجرد سے متن کے مطابق پڑھا ہے۔

2؎ ضحاک نے کہا الذین سے مراد قریش کے کفار ہیں جبکہ دوسرے علماء نے کہا وہ منافق ہیں۔ کفار کے غلبہ کی صورت میں کفر میں جلدی کرتے تھے۔ یہی تعبیر زیادہ صحیح ہے، یعنی ان کی کفر میں جلدی تمہیں غمگین نہ کرے۔ اسلام اور مسلمانوں کو ان سے کچھ خوف نہیں۔ اس کی وجہ بعد میں بیان کی جا رہی ہے۔

3؎ کفر میں جلدی کر کے وہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ وہ اس کے ذریعے اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچائیں گے شَيْئًا مفعول بہ اور مفعول مطلق دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ اور نہ ہی منافق جو کفار کے بارے میں رحم کے جذبات رکھتے ہیں۔ وہ آپ کو غمگین کریں اس کی وجہ یہ ہے کہ۔

4؎ اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو کیونکہ وہ اشقیاء پیدا کیے گئے۔ ان کے تعین کا مبداء اللہ تعالیٰ کے اسم مضل کی طرف منسوب ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل و رسوا کیا، یہاں تک کہ انہوں نے کفر کی طرف جلدی کی۔

5؎ ثواب سے محرومی کے ساتھ ساتھ ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٧﴾

"بے شک جنہوں نے خرید لیا کفر کو ایمان کے عوض میں ہرگز نقصان نہ پہنچا سکیں گے اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی۔ اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے 1؎"

1؎ یعنی وہ لوگ جنہوں نے ایمان کے بدلے میں کفر اپنا لیا۔ اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو آپ کی بعثت سے قبل آپ پر ایمان رکھتے تھے۔ جب آپ معجزات کیساتھ تشریف لے آئے تو انہوں نے کفر کو اختیار کر لیا اور ایمان کو چھوڑ دیا۔ وجہ دنیا کی حرص اور آپ کی ذات سے عناد تھی۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٧٨﴾

"اور نہ خیال کریں 1؎ جو کفر کر رہے ہیں کہ ہم جو مہلت دے رہے ہیں انہیں یہ بہتر ہے ان کے لئے 2؎ صرف اس لئے ہم تو انہیں مہلت دے رہے ہیں 3؎ کہ وہ اور زیادہ کر لیں گناہ 4؎ اور ان کے لئے عذاب ہے ذلیل و خوار کرنے والا 5؎"

1؎ حمزہ نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہوگا اور اشارۃً گفتگو کفار سے ہوگی کیونکہ گمان وہی کرتے تھے، نبی کریم ﷺ نہ کرتے تھے یا خطاب ہر گمان کرنے والے کو ہے، حضور ﷺ کو نہیں۔ باقی قراء نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ جمہور کی قرأت کے مطابق فعل کا فاعل الَّذِينَ كَفَرُوا ہے۔

2؎ انما سے جملہ مفعول بہ ہے جو دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ املاء کا معنی مہلت دینا اور عمر کو لمبا کرنا اور ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا ہے۔ وہ حمزہ کی قرأت کے مطابق الَّذِينَ كَفَرُوا مفعول بہ ہوگا اور مابعد اس کا بدل ہوگا جو دو مفعولوں کے قائم مقام ہے یا دو مفعولوں میں سے ایک میں مضاف کو محذوف مان کر اسے مفعول ثانی بنائیں گے۔ معنی پھر یہ ہوگا آپ گمان نہ کریں ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے کفر کیا ایسے

افراد جنہیں مہلت دینا ان کے حق میں بہتر ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہو گا جن لوگوں نے کفر کیا ان لوگوں کی حالت کو گمان نہ کریں کہ انہیں مہلت دینا ان کے حق میں بہتر ہے۔ اس اثنا میں ما مصدر یہ ہے۔ قاعدہ کے مطابق مناسب یہ تھا کہ اسے الگ لکھا جاتا لیکن مصحف عثمانی میں کیونکہ اکٹھا لکھا ہوا ہے اس لئے اس کی اتباع کی جاتی ہے۔

۳؎ یہ جملہ مستانفہ ہے اور ماقبل حکم کی علت بیان کر رہا ہے۔

۴؎ یہ لام لام ارادہ ہے۔ یہ آیت اصلح للعبد اور معاصی کے ارادہ دونوں مسئلوں میں معتزلہ کے خلاف ہماری دلیل ہے۔ معتزلہ کے نزدیک اس میں لام لام عاقبت ہے۔

۵؎ مقاتل نے کہا یہ آیت مشرکین مکہ کے حق میں نازل ہوئی۔ عطاء نے کہا یہ آیت بنو قریظہ اور بنو نضیر کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت سیدنا ابوبکر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا لوگوں میں سے کون بہترین ہے؟ آپ نے فرمایا جس کی عمر لمبی اور اعمال اچھے ہوں۔ عرض کی گئی لوگوں میں سے کون سب سے برا ہے؟ آپ نے فرمایا جس کی عمر لمبی اور عمل برے ہوں۔ اسے امام احمد، ترمذی اور دارمی نے نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز ندا کرنے والا ندا کرے گا ساٹھ سال عمر کے لوگ کہاں ہیں؟ یہی وہ عمر ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ۔ امام بیہقی نے اسے شعب میں روایت کیا ہے۔(1)

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۱۷۹

"نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ چھوڑے رکھے ۱؎ مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو ۲؎ جب تک الگ الگ نہ کر دے پلید کو پاک سے ۳؎ اور نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ آگاہ کرے تمہیں غیب پر ۴؎ البتہ اللہ (غیب کے علم کے لئے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے ۵؎ سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ اور اگر تم ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لئے اجر عظیم ہے ۶؎"

۱؎ لیذر میں لام نفی کی تاکید کے لئے ہے۔

۲؎ مخلص منافقوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ یہاں خطاب مخلص اور منافق لوگوں کو ہے جو حضور ﷺ کے دور میں آپس میں ملے ہوئے تھے۔

۳؎ حمزہ اور کسائی نے یہاں اور سورۂ انفال میں باب افعال سے یاء پر ضمہ اور میم پر کسرہ کے ساتھ یُمَيِّزَ پڑھا ہے اور باقی قراء نے مجرد سے یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس وقت یہ ماز یمیز سے مشتق ہوگا، یعنی وہ جدا جدا کر دے۔ خبیث سے مراد کافر ہے اور طیب سے مراد مومن ہے یا تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ پر وحی کریں گے، جس طرح اس ارشاد میں ہے يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ ...... اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ یا احد جیسے واقعات کے ساتھ انہیں الگ الگ کر دے گا کیونکہ غزوۂ احد میں منافقین مومنوں سے الگ ہو کر ممتاز ہو گئے تھے۔

۴؎ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمیز دینے سے پہلے تمہارے لئے ممکن نہیں کہ تم منافقوں کو مومنوں سے پہچان سکو۔

1۔ سنن کبریٰ بیہقی، جلد 3، صفحہ 370 (الفکر)

۵ کردہ وقتاً فوقتاً بعض علوم غیبیہ پر اپنے رسول کو مطلع کرتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو نور فراست کے ساتھ منافقین پر مطلع فرمایا۔ اسی کی مثل سورۂ جن میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ ہم نے علم غیب پر اطلاع کی بحث اس آیت کے ضمن میں کی ہے۔

امام بغوی نے کہا سدی کا قول ہے میری امت دعوت مجھ پر مٹی کی صورتوں میں پیش کی گئی ہے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام پر آپ کی اولاد پیش کی گئی، ان میں سے جو مجھ پر ایمان لانے والے تھے اور جو انکار کرنے والے تھے، سب کو میں نے پہچان لیا۔ یہ بات منافقین تک پہنچی تو استہزاء کرتے ہوئے کہا محمد ﷺ کا گمان یہ ہے کہ جو ابھی پیدا نہیں ہوئے انہیں بھی جانتے ہیں کہ کون ان پر ایمان لائے گا اور کون انکار کرے گا جبکہ ہم ان کے ساتھ رہتے ہیں اور ہمیں نہیں پہچانتے یہ بات حضور ﷺ کو پہنچی نبی کریم ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، پھر فرمایا اس قوم کا کیا حال ہوگا جس نے میرے علم کے بارے میں طعن کیا؟ تم مجھ سے کوئی سوال نہیں کرو گے جو تمہارے اور قیامت تک کے امور میں سے ہوگا مگر میں تمہیں اس بارے میں آگاہ کروں گا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی اٹھے، عرض کی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَبِیْ (میرا باپ کون ہے) حضور نے ارشاد فرمایا حذافہ۔ حضرت عمر کھڑے ہوئے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم اللہ تعالیٰ کے رب، اسلام کے دین اور قرآن کے امام اور آپ کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ آپ ہمیں معاف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم باز نہیں آؤ گے؟ کیا تم باز نہیں آؤ گے؟ پھر آپ منبر سے نیچے اترے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا[1] شیخ جلال الدین سیوطی نے کہا میں اس روایت پر مطلع نہیں ہوا۔ میں کہتا ہوں اگر یہ روایت صحیح ہے تو آیت کے ساتھ اس کی مناسبت کی صورت یہ ہوگی کہ آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کے مجتبیٰ اور غیب پر مطلع ہونے کی صراحت ہے (جبکہ حدیث میں منکرین کے قول کا رد ہے) آپ کو یہ اجازت نہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر دوسرے لوگوں کو اس خداداد علم میں شریک کریں، آپ تمہارے کفر کو جانتے ہیں لیکن معرفت میں مجتبیٰ (خاص) ہونے کی وجہ سے اپنا علم ظاہر نہیں فرماتے۔

۶ اخلاص کے ساتھ ایمان لاؤ تاکہ ذلیل و رسوا نہ ہو، یعنی اگر تم اخلاص کے ساتھ ایمان لاؤ اور نفاق و معاصی سے بچو تو تمہارے لئے اجر عظیم ہے۔

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۸۰﴾

"اور ہرگز نہ گمان کریں ۱ جو بخل کرتے ہیں اس میں جو دے رکھا ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ۲ کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے لئے ۳ بلکہ یہ بخل بہت برا ہے ان کے لئے طوق پہنایا جائے گا انہیں وہ مال جس میں انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن ۴ اور اللہ کے لئے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی ۵ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے خبردار ہے ۶"

۱ یَحْسَبَنَّ کو حمزہ نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کو خطاب ہوگا یا ہر اس شخص کو جو گمان کرتا ہے۔ باقی قراء نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ غائب کی صورت میں فاعل کی ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹے گی یا جو بھی گمان کرتا ہے۔

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 382 (وزارت تعلیم)

۲؎ جوزکوٰۃ ادا کرنے میں بخل کرتے ہیں۔ یہ مضاف کے مصدر ماننے کے ساتھ مفعول اول ہوگا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی وَلَا تَحْسَبَنَّ بُخْلَ الَّذِیْنَ تاکہ دونوں مفعولوں کی مطابقت ہو جائے۔

۳؎ ھو ضمیر فصل ہے، خیرا مفعول ثانی ہے جمہور کی قرأت کے مطابق یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول فعل کا فاعل ہو اور مفعول اول محذوف ہو نیز یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر مرفوع منفصل (ھو) یہ مفعول اول ہو جسے ضمیر منصوب کی جگہ رکھا گیا ہے۔ ہر تقدیر کی صورت میں معنی یہی ہوگا جوزکوٰۃ دینے میں بخل کرتے ہیں وہ گمان نہ کریں کہ یہ ان کے حق میں بہتر ہے یا اللہ تعالیٰ کا انہیں مال عطا کرنا ان کے حق میں بہتر ہے یا اللہ تعالیٰ نے جو انہیں عطا کیا ہے وہ بہتر ہے۔ یہ تقدیر سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا کے زیادہ موافق ہے۔

۴؎ ھو سے مراد اللہ تعالیٰ کا مال عطا کرنا یا اللہ تعالیٰ نے جو انہیں عطا کیا۔ آیت مانعین زکوٰۃ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن مسعود، ابووائل، شعبی اور سدی نے یہی کہا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جسے اللہ تعالیٰ مال عطا کرے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے، قیامت کے روز اس کے مال کو ایسے سانپ کی شکل میں کر دیا جائے گا جو گنجا ہوگا جس کی آنکھوں پر دو نشان ہوں گے۔ قیامت کے روز اس کا وہی مال اس کا طوق ہوگا پھر وہ سانپ اس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔(1)

حضرت ابوذر نے حضور ﷺ سے ایک روایت نقل کی ہے کوئی آدمی ہو، جس کے اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریاں ہوں، وہ ان میں سے زکوٰۃ نہیں دیتا، قیامت کے روز اس کے یہی مال زیادہ بڑے اور زیادہ موٹے ہو کر آئیں گے اپنے کھروں کے ساتھ اس مالک کو روندیں گے اور اسے سینگوں سے ماریں گے۔ جب آخری جانور آئے گا تو پھر پہلے کو لوٹایا جائے گا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ متفق علیہ(2)

عطیہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور ﷺ کی صفت اور نبوت کو چھپایا یہاں بخل سے مراد علم کا چھپانا ہے اور سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا سے مراد یہ ہے کہ ان کے بوجھ اور گناہ ان پر لاد دیے جائیں گے۔(3)

۵؎ یعنی مخلوقات کے فنا ہونے کے بعد وہی باقی رہے گا، وہ مرتے ہیں اور اموال چھوڑ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے ورثاء میں سے یا کسی اور کو جسے چاہتا ہے مال عطا فرماتا ہے۔ ان کے لئے حسرت اور سزا ہی باقی رہ جاتی ہے تو پھر وہ کیوں بخل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ نہیں کرتے۔

۶؎ ابن کثیر اور ابو عمرو نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے اور ضمیر الذین کی طرف لوٹ رہی ہے۔ باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ خطاب تمام لوگوں کو ہے یا الذین یبخلون سے بطور التفات مخاطب کا صیغہ ذکر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کیونکہ اعمال سے باخبر ہے اس لئے وہ جزاء عطا فرمائے گا۔

محمد بن اسحاق، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ ایک خط بنو قینقاع کی طرف بھیجا جو یہودی قبائل میں سے ایک قبیلہ تھا جس میں انہیں اسلام کی طرف دعوت دی گئی نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور اللہ تعالیٰ کو قرض دینے (اس کی راہ میں خرچ کرنے) کی ترغیب دی گئی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق ایک روز ان کے مدرسہ تشریف لے گئے وہاں آپ نے بہت زیادہ یہودی دیکھے جو ایک آدمی کے گرد جمع تھے جسے فنحاص بن عازوراء کہتے۔ یہ یہودی علماء میں سے تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور یہودی عالم بھی تھا جسے اشیع کہتے حضرت ابوبکر صدیق نے فنحاص سے کہا اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو۔ قسم بخدا تم جانتے ہو کہ

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 188 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 197۔ ایضاً 3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 383 (التجاریہ)

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں جو تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لائے ہیں جسے تم اپنی کتابوں میں لکھا پاتے ہو۔ پس تم ایمان لاؤ، اس کی تصدیق کرو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرو، وہ تمہیں جنت میں داخل فرمائے گا تمہارے لئے ثواب کئی گنا فرمائے گا۔ فنحاص نے کہا اے ابو بکر کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اموال سے قرض مانگ رہا ہے۔ قرض تو فقیر غنی سے مانگتا ہے۔ اگر تم جو کچھ کہتے ہو وہ حق ہے پھر تو اللہ تعالیٰ فقیر ہوا اور ہم غنی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ربوا سے منع کرتا ہے اور ہمیں زیادہ دیتا ہے۔ اگر وہ غنی ہو بھی تب بھی ربوٰ (زیادہ) نہیں دے گا۔ حضرت ابو بکر اس کی یہ گستاخانہ بات سن کر غضبناک ہو گئے اور فنحاص کے منہ پر زور دار تھپڑ رسید کیا اور کہا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا، اے اللہ کے دشمن، تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ فنحاص حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا عرض کی اے محمد ﷺ دیکھو تو آپ کے ساتھی ابو بکر نے کیا کیا۔ حضور ﷺ نے ابو بکر صدیق سے دریافت کیا اس عمل کی کیا وجہ تھی؟ ابو بکر صدیق نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس اللہ کے دشمن نے بہت بڑی گستاخی کی، اس نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور یہ غنی ہیں۔ مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔ فنحاص نے اس بات کا انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فنحاص کا رد اور ابو بکر کی تصدیق کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔[1]

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝١٨١

"بیشک سنا اللہ نے قول ان (گستاخوں) کا جنھوں نے کہا کہ اللہ مفلس ہے حالانکہ ہم غنی ہیں ۱؎ ہم لکھ لیں گے جو انہوں نے کہا۔ نیز قتل کرنا ان کا انبیاء کو ناحق (بھی لکھ لیا جائے گا) ۲؎ اور ہم کہیں گے کہ (اب) چکھو آگ کے عذاب (کا مزہ) ۳؎"

۱؎ عکرمہ، سدی اور مقاتل نے اسی طرح کہا۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے کہا جب یہ آیت مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ نازل ہوئی تو یہودی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا اللہ تعالیٰ فقیر ہے، ہم سے قرض کا مطالبہ کرتا ہے[2] حسن نے کہا یہ گفتگو کرنے والا حیی بن اخطب تھا۔

۲؎ کراماً کاتبین کے صحیفوں میں ہم لکھیں گے، یعنی کراماً کاتبین ہمارے حکم سے لکھیں گے۔ یہ اسی کی مثل ہے وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ۔ حمزہ نے اسے سَيُكْتَبُ پڑھا ہے۔ یہ غائب مجہول کا صیغہ ہے اور قتلهم کو مرفوع پڑھا ہے۔ باقی قراء نے نون کے ساتھ متکلم معروف کا صیغہ پڑھا ہے اور قتلهم کو منصوب پڑھا ہے۔ ان کے آباء نے ناحق انبیاء کو قتل کیا تھا اور یہ ان کے فعل پر راضی تھے۔ اس لئے قتل کی نسبت ان کی طرف کی مقصود اس بات پر آگاہ کرنا ہے کہ یہ ان کا پہلا جرم نہیں تھا بلکہ وہ پہلے بھی ایسی حرکتیں کرتے رہے ہیں۔

۳؎ ہم فرشتوں کی زبانوں سے آخرت میں اس کا بدلہ دینے کیلئے کہیں گے جو کچھ انہوں نے کہا اور عمل کیا۔ جمہور قراء نے جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ حمزہ نے واحد غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ حریق فعیل کے وزن پر ہے اور فاعل کے معنی میں ہے، یعنی آگ کا جلانے والا عذاب جس طرح عذاب الیم میں ہے یا یہاں اضافت بیانیہ ہے۔ یہ بات انہیں اس وقت کہی جائے گی جب انہیں جہنم میں پھینکا جائے گا۔ ذوق کا معنی کھانے کو چکھنا ہے، مجازاً تمام محسوسات کے ادراک کرنے کو ذوق کہتے ہیں۔ جب یہود کا کفر اپنے پیروکاروں کی رشوتیں کھانے کے لئے تھا اس لئے جزاء میں ذوق کا ذکر کیا۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 384 (التجاریہ) 2۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 384 (التجاریہ)

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾

"یہ بدلہ ہے اس کا جو آگے بھیجا ہے تمہارے ہاتھوں نے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں ظلم کرنے والا اپنے بندوں پر"

یہ اسم اشارہ سے مراد عذاب ہے۔ ما قدمت سے مراد قتل اور دوسرے معاصی ہیں۔ نفوس کو ایدی سے اس لئے تعبیر کیا کیونکہ اکثر اعمال محسوسہ ہاتھوں سے کئے جاتے ہیں۔ دل اور زبان کے اعمال انہیں لازم ہوتے ہیں اور اعضاء ظاہریہ کے افعال ہی انہیں ظاہر کرتے ہیں۔ وان اللہ کا عطف ما قدمت پر ہے۔ کفار کو عذاب دینے میں اللہ تعالیٰ سے ظلم کی نفی کی وجہ یہ ہے کہ ظلم کی نفی عدل کو لازم ہوتی ہے اور عدل محسن کو ثواب اور گناہ گار کو سزا دینے کا تقاضا کرتا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ظلم کی نفی اس کی ذات کو لازم ہے کیونکہ ظلم قبیح ہے اور قبائح کی اللہ تعالیٰ سے نفی واجب ہے اور اگر ظلم کی نفی عدل کو لازم ہے جو محسن کو جزا اور گناہ گار کو سزا دینے کو مستلزم ہے تو پھر جزاء وسزا واجب ہوئے۔ یہ معتزلہ کا مذہب ہے، اہل سنت کا مذہب نہیں۔

ہم یہ کہتے ہیں لغت میں ظلم کسی شئے کو اس کی اپنی جگہ کی بجائے کسی اور جگہ رکھنا ہے، خواہ زیادتی کے ساتھ ہو یا نقصان کے ساتھ ہو یا اس کو اپنے مقررہ وقت یا جگہ سے ہٹانا ہے۔ یہ مفہوم اللہ تعالیٰ سے تصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ غیر کی ملک میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کیا جائے یا اسکے حکم کے خلاف تصرف کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اگر تمام اہل زمین اور اہل آسمان کو جرم کے بغیر عذاب میں مبتلا کرے۔ یہ ظلم نہیں ہوگا کیونکہ وہ علی الاطلاق مالک ہے، جیسے چاہتا ہے اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے۔ یہاں جس ظلم کی نفی کی جارہی ہے وہ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل نہیں بلکہ یہاں اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کے ساتھ ایسا فعل ہے اگر وہ فعل بندوں کے درمیان جاری ہوتا تو لوگ اسے ظلم شمار کرتے، جبکہ یہی جب اللہ تعالیٰ سے صادر ہو تو وہ ظلم نہ ہوگا۔ اس معنی میں ظلم کی نفی اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں بلکہ یہ تو اس کے فضل پر مبنی ہوگا۔ آیت کا یہ معنی کرنا جائز ہے جن انبیاء کو لوگوں نے قتل کیا ان پر ظلم کیا اور ان کی تکذیب کی ان کی طرف سے انتقام نہ لینا یہ انبیاء پر ظلم کی صورت ہوگی۔ یہ چیز اگرچہ بالذات تو اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں لیکن انبیاء پر اس کا فضل اس بات کا متقاضی ہے کہ انبیاء کے دشمنوں سے انتقام لیا جائے اور انہیں عذاب دیا جائے۔ یہاں عبید سے مراد انبیاء ہیں۔ اس میں انبیاء کی تعریف ہے کہ وہ خوشی خوشی طاعت اور عبودیت میں کمال پر فائز ہیں جبکہ دوسری مخلوقات مجبور محض ہونے کی حیثیت سے اس کی اطاعت کر رہی ہیں۔ یہاں ایک اور توجیہ بھی ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ کفار عذاب کے مستحق ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دیتا تو یہ ان پر ظلم ہوتا اور ان کے حق کو روکنا لازم آتا۔ گویا یہ جملہ ان پر عذاب کے وقوع کی تاکید کے لئے ہے۔

کلبی نے کہا کعب بن اشرف، مالک بن صیف، وہب بن یہودا، زید بن تابوت، فنحاص بن عازوراء اور حیی بن اخطب نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا اے محمد ﷺ تم یہ گمان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، آپ پر اسی نے کتاب نازل فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہم سے پختہ وعدہ لیا ہے کہ ہم کسی ایسے رسول پر ایمان نہ لائیں جو یہ گمان کرتا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوا ہے یہاں تک کہ وہ ہمارے سامنے قربانی کرے جسے آگ کھا جائے، اگر تم ایسا کرو تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(1)

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 385 (التجاریہ)

قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ بِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۳﴾

"یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا[1] کہ تحقیق اللہ نے اقرار لیا ہے ہم سے کہ ہم نہ ایمان لائیں کسی رسول پر[2] یہاں تک کہ وہ لائے ہمارے پاس ایک قربانی کھا لے اس کو آگ[3] آپ فرمایئے آ چکے تمہارے پاس رسول مجھ سے پہلے بھی دلیلوں کے ساتھ اور اس معجزہ کے ساتھ بھی جو تم کہہ رہے ہو[4] تو کیوں قتل کیا تھا تم نے انہیں[5] اگر تم سچے ہو[6]"

[1] اسم موصول محل جر میں ہے جو سابقہ اسم موصول کا بدل ہے یا یہ محل رفع میں ہے اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے جو ہم ضمیر ہے۔

[2] اللہ تعالیٰ نے تورات میں حکم دیا ہے کہ ہم کسی ایسے رسول کی تصدیق نہ کریں جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بنا کر مبعوث ہوا ہے۔

[3] قربان سے مراد ہر وہ عمل ہوتا ہے جس کے ذریعے سے انسان اللہ کا قرب حاصل کرتا ہو خواہ وہ قربانی ہو صدقہ ہو یا عمل صالح ہو۔ یہ قربت سے فعلان کے وزن پر ہے پھر یہ اس ذبیحہ کا نام بن گیا جس کے ذریعے سے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے تھے۔ یہ قربانیاں اور غنیمتیں بنی اسرائیل کے لئے حلال نہ تھیں۔ جب بھی وہ قربانی کرتے یا مال غنیمت پاتے آسمان سے ایک سفید آگ آتی جس میں کوئی دھواں نہ ہوتا جس میں بھنبھناہٹ کی سی آواز ہوتی، وہ قربانی کو کھا جاتی اور اس قربانی اور غنیمت کو جلا کر خاکستر کر دیتی۔ یہ اس کی قبولیت کی علامت ہوتی تھی۔ جب وہ قبول نہ ہوتی تو اسی طرح پڑی رہتی۔

سدی نے کہا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دے رکھا تھا کہ جو تمہارے پاس آئے اور یہ گمان رکھتا ہوں کہ وہ اللہ کا رسول ہے تو تم اس وقت تک اس کی تصدیق نہ کرنا، یہاں تک کہ وہ قربانی پیش کرے جسے آگ کھا جائے، یہاں تک کہ تمہارے پاس مسیح علیہ السلام اور محمد ﷺ تشریف لے آئیں۔ جب یہ دونوں تمہارے پاس آئیں تو دونوں پر ایمان لے آنا کیونکہ یہ اس معجزہ کے بغیر تشریف لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت تمام کرتے ہوئے فرمایا۔(1)

[4] اے محمد ﷺ فرما دیجئے کم ضمیر سے مراد یہودی ہیں رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ بینت سے مراد قربانی کے علاوہ معجزات ہیں۔ الذی سے مراد قربانی کا معجزہ ہے۔ وہ بھی لائے جس طرح حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور دوسرے انبیاء جنہیں تم نے قتل کیا۔

[5] ان کے اسلاف کو جھٹلایا انہیں قتل کیا اور ان کی اولادوں نے حضور ﷺ کے زمانے کی تکذیب میں ان کی پیروی کی اور ان کے کفر پر راضی رہے۔ اسی وجہ سے استفہام انکاری کی صورت (فَلِمَ) میں ان سے کلام کی۔

[6] یہ شرط ہے اور اس کی جزا محذوف ہے، یعنی اگر تم اس بات میں سچے ہو تو تمہارا ایمان نہ لانا اس وعدہ کی وجہ سے ہے تو پھر حضرت زکریا یحییٰ اور ان جیسے انبیاء پر کیوں ایمان نہیں لائے، جب تم ان پر ایمان نہیں لاتے تو اس سے ثابت ہو گیا کہ تمہارا ایمان نہ لانا اس وعدہ کی وجہ سے نہیں بلکہ عناد اور تعصب کی وجہ سے تھا۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ ﴿۱۸۴﴾

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 385 (التجاریہ)

"اگر یہ جھٹلاتے ہیں آپ کو ۱؎ تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) بے شک جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے ۲؎ جو لائے تھے معجزات اور صحیفے اور روشن کتاب ۳؎"

۱؎ اگر وہ آپ کی تکذیب کریں تو غمگین نہ ہوں

۲؎ اس تاویل کی بناء پر جزاء کی شرط محذوف ہے جزاء کے سبب کو جزاء کے قائم مقام رکھ دیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اگر انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو تجھے جھٹلانا پہلے رسولوں کو جھٹلانا ہے کیونکہ انہوں نے آپ کی بعثت کی خبر دی تھی۔

۳؎ بینات سے مراد واضح معجزات ہیں، الزبر سے مراد ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے، کتاب منیر سے مراد تورات وانجیل۔ پہلی تاویل کی صورت حضرت محمد ﷺ کو تسلی دی، یعنی صبر کرو جس طرح انہوں نے صبر کیا۔ دوسری تاویل کی صورت میں یہود پر الزام ہے کیونکہ حضور ﷺ کی تکذیب ان انبیاء کی تکذیب ہے جو قربانی کا معجزہ لائے تھے۔ ہشام نے بالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ پڑھا ہے، یعنی دونوں میں باء زائدہ موجود ہے، جبکہ ابن ذکوان نے صرف الزبر میں باء زائدہ پڑھی ہے جبکہ باقی تمام قراء نے دونوں میں باء زائدہ نہیں پڑھی۔ زبر زبور کی جمع ہے یہ اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں صرف احکام ہوں زبرت الشئی سے مشتق ہے یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو اسے اچھا کرے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

"ہر نفس چکھنے والا ہے موت کو ۱؎ اور پوری مل کر رہے گی تمہیں تمہاری مزدوری قیامت کے دن ۲؎ پس جو شخص بچا لیا گیا آتش (دوزخ) سے اور داخل کیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہو گیا اور نہیں یہ دنیوی زندگی مگر ساز وسامان دھوکہ میں ڈالنے والا ۳؎"

۱؎ نفس سے مراد مومن اور فاجر دونوں ہیں۔ امام بغوی نے حدیث میں کہا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا تو زمین نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس امر کی شکایت کی کہ آدم بنانے کے وقت اس سے مٹی لی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے زمین سے وعدہ فرمایا کہ جو کچھ اس سے حصہ لیا گیا ہے اس کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ ہر ایک انسان کو اسی زمین میں دفن کیا جائے گا۔ اسے بناتے وقت جس سے مٹی لی گئی تھی(1) خلاصہ یہ ہے کہ دنیاوی زندگی اور اس کی نعمتیں طاعت کی جزا نہیں۔

۲؎ یعنی تمہارے اعمال کی پوری پوری جزاء دی جائے گی۔ اچھائی کی جزاء اچھائی کی صورت میں اور برائی کی جزاء برائی کی صورت میں آپ کو صبر اور طاعت پر جزا دوں گا اور کفار کو حق کی تکذیب پر بدلہ دوں گا۔ یہ آیت نبی کریم ﷺ کے لئے تسلی ہے۔ تُوَفَّوْنَ کا لفظ اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ بعض اجر دنیا میں بھی ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ہم نے ابراہیم کا اجر دنیا میں دے دیا۔

حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے(2) طبرانی نے اوسط میں ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے۔

۳؎ جسے جہنم سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو اس نے مطلوب اور مراد پالی، یعنی دنیاوی زندگی نہیں ہے مگر دھوکے کا سامان۔ متاع اسے کہتے ہیں جس سے انسان لطف اندوز ہوتا ہے اور نفع حاصل کرتا ہے۔ غرور یا تو مصدر ہے غرہ یغرہ سے مشتق ہے، یعنی اسے دھوکہ دیا اور باطل چیز کا طمع دلایا یا یہ غار کی جمع ہے۔ دنیا کو اس سامان کے ساتھ تشبیہ دی جس میں بائع مشتری پر کوئی چیز چھپاتا ہے اور اسے دھوکہ دیتا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 386 (التجاریہ)
2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 69 (وزارت تعلیم)

ہے یہاں تک کہ مشتری اسے خرید لیتا ہے، یعنی ظاہر میں تو وہ سامان ہے لیکن اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ذات مصائب و آلام کے ساتھ ملی ہوئی ہے ساتھ ہی ساتھ خوابوں کی طرح اسے کوئی بقا بھی نہیں۔ قتادہ نے کہا یہ چھوڑا ہوا سامان ہے ہوسکتا ہے کہ اس کے مالکوں کی طرح یہ بھی فنا ہو جائے۔ اس مال سے حسب استطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ لے لو۔ غرور کا معنی باطل ہے حضرت حسن بصری نے کہا یہ دنیا نباتات کی سرسبزی اور بچیوں کی گڑھیا کی طرح ہے جس کا کوئی حاصل نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے وہ چیز تیار کر رکھی ہے جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھی نہ کسی کان نے اس کے متعلق سنا ہے اور نہ کسی کے دل میں کھٹکی ہے۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ بے شک جنت میں ایک درخت ہے جس میں ایک سوار سو سال تک چلتا رہے گا، اس کا سایہ ختم نہ ہوگا، اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ۔ جنت کا ایک سوط (کوڑا) دنیا وما فیہا سے بہتر ہے۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ۔ اسے امام بغوی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے(1) اس حدیث کا پہلا حصہ متفق علیہ ہے۔ اس طرح دوسرا اور تیسرا حصہ الفردوس کے بغیر ہے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِیْۤ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۫ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِیْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

"یقیناً تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے [1] اور یقیناً تم سنو گے ان سے جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا اذیت دینے والی بہت باتیں [2] اور اگر تم (ان دل آزاریوں پر) صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو [3] تو بے شک یہ [4] بڑی ہمت کا کام ہے [5]"

[1] جن امور کا تمہیں مکلف بنایا گیا ہے ان کے ذریعے تمہیں آزمایا جائے گا جیسے زکوۃ، صدقات، روزہ، نماز، حج، جہاد اور مصائب جیسے بھوک، آفات، نقصان، امراض اور احباب کی موت۔

[2] اَذًى كَثِیْرًا سے مراد حضور ﷺ کی ہجو، دین میں طعن اور کافروں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا ہے۔ ان امور کے وقوع سے پہلے ہی انہیں ان چیزوں سے باخبر کیا تاکہ ان کے نفوس ان پر صبر کرنے اور انہیں برداشت کرنے پر مطمئن ہو جائیں اور ان کا سامنا کرنے کے اہل ہو جائیں۔ ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی سند میں سند حسن کے ساتھ ابن عباس سے نقل کیا ہے یہ آیت کریمہ بھی ابوبکر صدیق اور فنحاص کے معاملہ میں نازل ہوئی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے(2) عکرمہ، مقاتل کلبی اور ابن جریج نے بھی یہی کہا کہ نبی کریم ﷺ نے ابوبکر صدیق کو فنحاص بن عازوراء جو بنی قینقاع کا سردار تھا کی طرف بھیجا تاکہ ان سے امداد لیں، انہیں ایک خط بھی دے کر بھیجا۔ ساتھ ہی فرمایا میرے بغیر تیزی میں کوئی حرکت نہ کر بیٹھنا واپس آ جانا۔ حضرت ابوبکر صدیق فنحاص کے پاس آئے جبکہ آپ تلوار سے مسلح تھے اسے خط دیا۔ جب فنحاص نے خط پڑھا تو کہا تمہارا رب محتاج ہو گیا ہے کہ ہم سے مدد طلب کر رہا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے ارادہ کیا کہ اس کی گردن اڑا دے پھر نبی کریم ﷺ کا ارشاد یاد آیا لَا تَفْتَاتَنَّ عَلَیَّ بِشَیْءٍ حَتّٰی تَرْجِعَ تو حضرت ابوبکر نے اپنا ہاتھ روک لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ عبد الرزاق نے زہری سے انہوں نے عبد اللہ بن کعب بن مالک سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت کعب بن اشرف کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ وہ اپنے شعروں میں حضور ﷺ کی ہجو کرتا، مسلمانوں کو گالیاں

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 386 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 387 (التجاریہ)

دیتا، مشرکوں کو حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کے خلاف بھڑکاتا اور مسلمانوں کی عورتوں کا ذکر کرتا۔

میں کہتا ہوں یہ غزوہ بدر کے بعد ہوا جب اس نے اسلام کی شوکت بڑھتی ہوئی دیکھی اور قریش کے سردار قتل ہوتے دیکھے وہ مکہ مکرمہ گیا اور مشرکین مکہ کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارا۔ قریش نے کہا کیا ہمارا دین صحیح ہے یا محمد ﷺ کا دین؟ اس نے جواب دیا تمہارا دین زیادہ صحیح ہے۔ حضرت حسان نے حضور ﷺ کی اجازت سے اس کی ہجو کی۔

صحیح میں یہ روایت بھی موجود ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے لئے کون کعب بن اشرف کا کام تمام کر سکتا ہے کیونکہ اس نے اپنے شعروں کے ذریعے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی ہے(1) اور مشرکوں کو قوت بہم پہنچائی ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ انصاری نے کہا یا رسول اللہ میں اس کام کے لئے حاضر ہوں وہ میرا خالو ہے، میں اسے قتل کروں گا۔ فرمایا تو اگر اس پر قادر ہو سکے تو کر گزر۔ محمد بن مسلمہ واپس آ گئے، تین دن ٹھہرے، نہ کچھ کھاتے نہ پیتے مگر اتنا ہی جس سے زندگی کا سلسلہ باقی رہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں اس کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے پوچھا تو نے کھانا پینا کیوں چھوڑ دیا؟ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے ایک بات کی اب میں یہ نہیں جانتا کہ اسے پورا کر سکوں گا یا نہیں۔ فرمایا کوشش کر دیکھو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سعد بن معاذ سے مشورہ کرو۔ سعد بن معاذ نے اسے کہا اس کے پاس جاؤ اپنی تنگدستی کی شکایت کرو اور اس سے کچھ کھانا لینے کا سوال کرو۔ محمد بن مسلمہ، عباد بن بشر، ابو نائلہ سلکان بن سلامہ جو کعب بن اشرف کا رضاعی بھائی تھا، حارث بن عبس، حارث بن اوس بن معاذ حضرت سعد بن معاذ آپ کے چچا تھے اور ابو عبس بن جبر جمع ہوئے عرض کی یا رسول اللہ ہم اسے قتل کریں گے تاہم اپنے بارے میں ہمیں کچھ باتیں کرنے کی اجازت دیں کیونکہ آپ کے متعلق باتیں کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ آپ نے فرمایا جو مناسب سمجھو وہ کر لینا تم سے اس بارے میں کوئی گرفت نہ ہوگی۔ سب نے ابو نائلہ کو آگے کیا۔ ابو نائلہ اس کے پاس آئے اس کے ساتھ باتیں کیں، شعر کہے۔ ابو نائلہ بھی شعر کہتا تھا۔ پھر کہا اے ابن اشرف تجھ پر افسوس! میں ایک ضرورت کے لئے تیرے پاس آیا تھا میں اس کا ذکر تیرے سامنے تو کرتا ہوں تاہم اسے مخفی رکھنا۔ ابن اشرف نے کہا میں ایسے ہی کروں گا۔ کہا اس آدمی (نبی کریم) کا ہمارے شہر میں آنا ہمارے لئے مصیبت بن گیا۔ سارے عرب ہمارے دشمن بن گئے ہیں اور ہمارے خلاف متحد ہو گئے ہیں۔ ہمارے راستے منقطع ہو چکے ہیں یہاں تک کہ ہماری آل اولاد ضائع ہونے لگی ہے اور جانیں مصیبت کا شکار ہو گئیں۔ کعب نے کہا میں نے تو تمہیں خبردار کر دیا تھا کہ آخر کار ایسا ہی ہوگا۔ ابو نائلہ نے کہا میرے کچھ ساتھی ہیں۔ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ تو ہمارے ہاتھ خوراک بیچ ہم تیرے پاس رہن رکھیں گے اور تیرا اعتماد بحال کریں گے۔ اس میں تو ہم پر احسان کرے گا۔ کعب نے کہا اپنے بیٹے میرے پاس رہن کے طور پر رکھ دو۔ انہوں نے جواب دیا ہمیں اس بات سے شرم آتی ہے کہ ہم اپنی اولاد کو عار دلاتے پھریں کہ یہ ایک وسق کا رہن ہے، یہ دو وسق کا رہن ہے۔ کعب بن اشرف نے کہا تم اپنی عورتوں کو میرے پاس رہن رکھ دو انہوں نے کہا ہم اپنی عورتیں کیسے تیرے پاس رہن رکھ سکتے ہیں جبکہ تو عرب کا خوبصورت ترین مرد ہے، ہم تجھ سے امن میں نہیں۔ کوئی ایسی عورت نہیں جو تیرے جمال کو دیکھ کر تجھ سے محفوظ رہے گی۔ البتہ ہم اپنا اسلحہ تیرے پاس بطور رہن رکھ سکتے ہیں اور تجھے بخوبی علم ہے کہ ہمیں اسلحہ کی کتنی ضرورت ہے۔ اس نے کہا ہاں اسلحہ میں معاہدہ پورا کرنے کی امید ہے۔ ابو نائلہ نے ارادہ کیا کہ کہیں یہ اسلحہ دیکھ کر انکار نہ کر دے تو شام کے آنے کا وعدہ کیا۔ ابو نائلہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا۔ انہیں سب کچھ بتایا سب نے اتفاق کیا رات کے وقت وہ حسب وعدہ آئیں گے پھر رات کو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے سب کچھ بتایا(2) ابن اسحاق اور امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بقیع غرقد تک ان کے ساتھ تشریف لائے پھر ان کی طرف متوجہ ہوئے

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 110 (اس میں شعروں کا ذکر نہیں) (قدیمی) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 387-388 (التجاریہ)

فرمایا اللہ کے نام کے ساتھ چلے جاؤ! اے اللہ ان کی مدد فرما۔ پھر رسول اللہ ﷺ چاندنی رات میں اپنے گھر تشریف لے گئے۔ ربیع الاول کی چودھویں رات تھی جو دن کی طرح روشن تھی یہ چلے یہاں تک کہ کعب بن اشرف کے قلعہ تک پہنچے ابو نائلہ نے کہا میں اس کے بالوں کو سونگھوں گا جب تم دیکھو کہ میں نے اس کے سر کو قابو کر لیا ہے تو اپنا کام کرنا اور اسے مار ڈالنا۔ ابو نائلہ نے اسے آواز دی کعب بن اشرف نے ابھی ابھی ایک شادی کی تھی وہ اپنی چادر میں ہی اٹھ کھڑا ہوا اس کی بیوی نے چادر کا دامن پکڑ لیا، کہا تو دشمنی والا آدمی ہے اور دشمنی والے اس لمحہ گھر سے نہیں نکلتے۔ میں ایسی آوازیں سنتی ہوں جن سے خون ٹپک رہا ہے ان سے قلعہ کے اوپر سے ہی بات کر لو۔ اس نے کہا میرا ان سے وقت مقرر ہے یہ میرا بھانجا ہے، محمد بن مسلمہ اور میرا رضاعی بھائی ابو نائلہ ہے۔ اگر یہ مجھے سوتا ہوا پاتے تب بھی جگا لیتے۔ شریف آدمی کو رات کے وقت بھی جب مقابلہ کے لئے بلایا جائے تب بھی وہ جواب کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ وہ چادر لپیٹے قلعہ سے نیچے اتر آیا۔ اس سے خوشبو کی مہک آ رہی تھی۔ کعب بن اشرف نے ان سے بات چیت کی انہوں نے کہا کیا تیرے لئے ممکن ہے کہ ہم شعب عجوز تک گھومتے پھرتے جائیں چند لمحات ہی چلے تھے۔ ابو نائلہ نے کہا میں تجھ سے خوشبو پاتا ہوں۔ کعب بن اشرف نے کہا میری فلاں بیوی ہے جو تمام عرب عورتوں سے زیادہ خوشبو لگانے والی ہے۔ ابو نائلہ نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اسے سونگھوں کعب نے کہا اجازت ہے۔ ابو نائلہ نے اپنا ہاتھ کعب کے سر میں رکھا پھر ہاتھ کو سونگھا کہا میں نے اس رات سے بہتر کبھی خوشبو نہیں سونگھی۔ کعب بن اشرف کستوری کو پانی میں بھگو کر اور عنبر سے ملا کر تیل لگاتا اور اسے کنپٹی پر تہہ در تہہ جمع کر دیتا۔ یہ گھنگریالے بالوں والا اور مضبوط انسان تھا پھر ابو نائلہ چند لمحات چلا۔ پھر پہلے والا کام کیا یہاں تک کہ کعب اس بالکل مطمئن ہو گیا۔ پھر ابو نائلہ تسلسل سے یہی عمل دہرانے لگا پھر اس نے یہی کیا اور اس کے سر کی مینڈھیاں پکڑ لیں اور خوب اسے قابو کر لیا اپنے ساتھیوں سے کہا اللہ کے دشمن کو مار ڈالو۔ ان کی تلواریں پے در پے حملہ آور ہوئیں لیکن کچھ فائدہ نہ دیا۔ محمد بن مسلمہ نے کہا مجھے ایک خنجر یاد آیا جو تلوار کی نیام میں تھا۔ میں نے وہ لیا جبکہ اللہ تعالیٰ کے دشمن نے زور سے چیخ ماری۔ اردگرد کوئی گڑھی نہ رہی جس میں آگ نہ روشن کر دی گئی ہو۔ میں نے خنجر اس کے پیٹ میں چبھو دیا اس پر پورا زور لگایا یہاں تک وہ اس کی ناف کے نیچے تک پہنچ گیا اور اللہ تعالیٰ کا دشمن ہلاک ہو گیا۔

ابن سعد کے پاس یہ روایت ہے کہ ابو عبس نے اس کے پہلو پر نیزہ مارا، پھر انہوں نے کعب کا سر کاٹا، حارث بن اوس سر پر کسی کی تلوار لگی تھی۔ ہم یہودیوں کے پہرہ داروں کے خوف سے بھاگے۔ ہمارے ساتھی حارث بن اوس کے سر کے زخم کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔ ان کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ انہوں نے ساتھیوں کو کہا رسول اللہ ﷺ کو میرا اسلام کہنا۔ سب ان کی طرف لوٹے، انہیں اٹھایا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو گئے۔ جب رات کے پچھلے پہر بقیع غرقد کے مقام پر پہنچے تو اللہ اکبر کہا جبکہ رسول اللہ ﷺ نماز ادا فرما رہے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی تکبیر کو سنا۔ آپ نے بھی اللہ اکبر کے کلمات کہے اور پہچان لیا کہ وہ کعب بن اشرف کو قتل کر آئے ہیں پھر وہ دوڑتے ہوئے آئے اور رسول اللہ ﷺ کو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوئے پایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چہرے بامراد ہوں۔ انہوں نے عرض کی آپ بھی بامراد ہوں یا رسول اللہ ﷺ۔ صحابہ نے کعب بن اشرف کا سر آپ کے سامنے پھینک دیا۔ حضور ﷺ نے اس کے قتل پر اللہ تعالیٰ کی حمد کی پھر انہوں نے اپنے ساتھی حارث کو پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے زخم پر لعاب دہن لگایا۔ پھر اس زخم نے آپ کو کوئی تکلیف نہ دی پھر وہ اپنے گھروں کو چلے گئے۔

جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جس یہودی کو پاؤ اسے قتل کر دو تو حضرت محیصہ بن مسعود نے شنینہ پر حملہ کر دیا جو ایک یہودی تاجر تھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ میل جول رکھتا تھا اور ان کے ساتھ بیع و شراء کرتا۔ حضرت محیصہ نے اسے قتل کر دیا حویصہ بن مسعود ابھی تک مسلمان نہ ہوا تھا جو محیصہ سے عمر میں بڑا تھا۔ جب محیصہ نے اس یہودی کو قتل کر دیا تو بڑا بھائی حویصہ انہیں مارنے لگا اور کہتا اللہ کے دشمن

تو نے اسے قتل کر دیا خبردار قسم بخدا تیرے پیٹ میں چربی کا اکثر حصہ اس کے مال کی وجہ سے بنا۔ حضرت محیصہ نے کہا جس ہستی نے مجھے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر وہ تجھے قتل کرنے کا حکم دیں تو میں تجھے بھی قتل کر دوں گا۔ بڑے بھائی خویصہ نے کہا اگر محمد ﷺ تجھے میرے قتل کا حکم دیں تو تو مجھے قتل کر دے گا۔ محیصہ نے کہا ہاں میں قتل کر دوں گا۔ کہا قسم بخدا بیشک دین نے تجھے اس مقام پر پہنچا دیا ہے۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے پھر خویصہ مسلمان ہو گیا۔ یہودی خوف زدہ ہو گئے۔ پھر ان کے سرداروں میں سے کسی نے بھی سر نہ اٹھایا اور گفتگو نہ کی وہ خوفزدہ ہو گئے کہ کہیں انہیں بھی رات کے اندھیرے میں خاموشی سے قتل نہ کر دیا جائے۔

ابن سعد کے پاس یہ روایت ہے یہودی خوفزدہ ہو گئے، وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے، عرض کی ہمارے سردار کو خفیہ طریقے سے قتل کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے کردار کا ذکر فرمایا اور جو وہ لوگوں کو اکساتا، جنگوں کو بھڑکاتا اور آپ کو اذیت دیتا پھر آپ نے ان لوگوں کو دعوت دی کہ آپس میں صلح کا معاہدہ کر لیں۔ یہ معاہدہ حضرت علی شیر خدا کے پاس تھا۔

مسئلہ: امام شافعی نے اس قصہ سے ایسے کافر کو قتل کرنے کے جواز کا استدلال کیا ہے جو حضور ﷺ کو گالی دے یا آپ کی تنقیص کرے یا آپ کو اذیت دے خواہ اس کے ساتھ معاہدہ ہو یا نہ ہو۔

امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک نظریہ ہے کہ جس کافر کے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے اگر وہ حضور ﷺ کو گالی دی تو اس کو قتل نہ کیا جائے گا کیونکہ گالی دینا کفر ہے اور کفر معاہدہ کے منافی نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک کعب بن اشرف کو اس لئے قتل کیا گیا کہ کیونکہ اس نے معاہدہ توڑا تھا اور مشرکوں کو حضور ﷺ کے ساتھ جنگ پر ابھارنے کے لئے مکہ مکرمہ گیا تھا جبکہ اس کا معاہدہ یہ تھا کہ وہ حضور ﷺ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا جبکہ اس نے مدد کی۔

مسئلہ: یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ محمد بن مسلمہ اور ابونائلہ کی طرف سے دھوکہ تھا۔ حضرت امیر المومنین علی شیر خدا کی مجلس میں ایک دفعہ ایک آدمی نے ایسی بات کہی تھی تو آپ نے اس کی گردن اڑا دی کیونکہ غدر امان دینے کے بعد ہوتا ہے۔ محمد بن مسلمہ اور آپ کے ساتھیوں نے کعب کو امان نہیں دی تھی۔ انہوں نے بیع اور رہن کے معاملہ میں اس لئے گفتگو کی تا کہ اس کے قتل پر قادر ہو سکیں۔

فائدہ: صحیح میں یہ موجود ہے کہ جس آدمی نے کعب سے بات چیت کی وہ محمد بن مسلمہ ہے، جب کہ اکثر اہل مغازی نے ابونائلہ کا نام ذکر کیا ہے دونوں کو تطبیق دینا اس طرح ممکن ہے کہ گفتگو دونوں نے کی ہو۔

۳؎ جس امتحان میں تمہیں ڈالا گیا ہے اس میں صبر کرو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت سے بچو۔

۴؎ صبر اور تقویٰ۔

۵؎ عزم مصدر ہے مفعول کے معنی میں ہے، یعنی یہ ان امور میں سے ہے جن میں عزم واجب ہے یا جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور مبالغہ کیا۔ عزم اصل میں کسی اور کو کر گزرنے پر رائے کا ثابت ہونا ہے۔ عطاء نے کہا یہاں اس سے مراد ایمان کی حقیقت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ صبر سے مراد جزع فزع کرنا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو آزمائے تو اس کی اتباع کرنا اعتراض نہ کرنا یہ چیزیں کفار سے انتقام لینے کے منافی نہیں جب وہ مسلمانوں کو اذیت دیں۔ جس پر کعب بن اشرف کا قصہ دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمتوں سے دور کرے۔ واللہ اعلم

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

"اور یاد کرو جب لیا اللہ نے پختہ وعدہ ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی ۱؎ کہ تم ضرور کھول کر بیان کرنا اسے لوگوں سے اور نہ چھپانا اس کو ۲؎ تو (الٹا) انہوں نے پھینک دیا اس وعدہ کو اپنی پشتوں کے پیچھے ۳؎ اور انہوں نے خرید لی اس کے عوض تھوڑی سی قیمت ۴؎ سو بہت بری ہے وہ چیز جسے وہ خرید رہے ہیں ۵؎"

۱؎ اللہ تعالیٰ کے وعدے کو یاد کرو الذین سے مراد علماء ہیں جن سے تورات میں وعدہ لیا گیا۔

۲؎ ہ ضمیر سے مراد کتاب ہے۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور ابو بکر نے دونوں میں یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔

۳؎ ہ ضمیر سے مراد کتاب ہے، یعنی انہوں نے ضائع کر دیا، اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور حضور ﷺ کی نعت کو چھپایا۔

۴؎ اس کے بدلے میں لی کھانے کی چیزیں اور رشوت۔

۵؎ جو وہ اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہ کتنی بری چیز ہے۔ قتادہ نے کہا یہ وہ معاہدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے علماء سے لیا جو کسی چیز کا علم رکھے اس پر لازم ہے کہ اوروں کو بھی سکھائے تمہیں علم چھپانے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ سراسر ہلاکت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک دن کہا اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے وعدہ لیا کہ جو کچھ میں تمہیں بیان کروں (تو اسے نہیں چھپاؤ گے) پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس آدمی سے ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا گیا جس سے وہ آگاہ تھا۔ اس نے اسے چھپایا اسے قیامت کے روز آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ اسے امام احمد اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت انس سے روایت کی ہے(1) بغوی نے کہا حسن بن عمارہ نے کہا میں زہری کے پاس آیا جبکہ آپ نے اس وقت حدیث پڑھانا چھوڑ دیا تھا۔ میں آپ کو دروازے پر ملا، میں نے عرض کیا کہ آپ مجھے حدیث بیان کریں تو کہنے لگے انہوں نے جواب دیا کیا تجھے علم نہیں؟ میں نے حدیث میں روایت کرنا چھوڑ دی ہے۔ میں نے ان سے عرض کی یا تو آپ مجھے حدیث بیان کریں یا پھر میں آپ کو حدیث سناتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا تم بیان کرو۔ میں نے کہا مجھے حکیم بن عیینہ نے یحییٰ جزار سے روایت کی ہے، کہا میں نے علی بن ابی طالب سے سنا، وہ فرما رہے تھے اللہ تعالیٰ نے جہلاء سے علم سیکھنے کا وعدہ اس وقت نہیں لیا جب تک علماء سے علم سکھانے کا وعدہ نہیں لے لیا۔ یہ سن کر زہری نے مجھے چالیس احادیث بیان کیں(2) ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اسے حارث سے وہ ابو اسامہ سے نقل کرتے ہیں۔ یہ مسند فردوس میں حضرت علی سے مرفوع انداز میں منقول ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

"ہرگز آپ خیال نہ کریں کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنی کارستانیوں پر ۱؎ اور پسند کرتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسے کاموں سے جو انہوں نے کئے ہی نہیں ۲؎ تو ان کے متعلق یہ گمان نہ کرو کہ وہ امن میں ہیں ۳؎ عذاب سے ۴؎ ان کے لئے ہی تو دردناک عذاب ہے ۵؎"

۱؎ ما اتوا سے مراد جو انہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا حق و باطل کو ملایا یا حق کو چھپایا یا مطلق گناہ ہیں۔

۲؎ مالم یفعلوا سے مراد وعدہ کو پورا کرنا، حق کا اظہار کرنا، سچی خبر دینا یا اس جیسی دوسری نیکیاں ہیں۔ ان کی خوشی کی وجہ یہ تھی کہ جو کچھ انہوں نے کیا

1۔ سنن ابن ماجہ، باب من سئل عن علم کتمہ، جلد 1، صفحہ 23 (وزارت تعلیم)
2۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 389 (التجاریہ)

وہ حضور ﷺ کی نبوت کی تکذیب میں مددگار تھا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول سے مراد منافق ہوں جو حقیقت میں طاعت نہیں کرتے تھے اور ریاکاری کے طور پر اسے ظاہر کرتے تھے۔ پسند یہ کرتے کہ زاہد اور اطاعت گزاروں کی حیثیت سے ان کی تعریف کی جائے۔

؂ کوفہ کے قراء نے دونوں جگہ واحد مذکر مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے اور خطاب حضور ﷺ کو ہے۔ اس صورت میں پہلے فعل کا مفعول اول اسم موصول ہوگا اور دوسرا بِمَفَازَۃٍ ہوگا جبکہ دوسرا فعل پہلے فعل کی تاکید ہوگا اس کا فاعل اور مفعول پہلے والے فعل کے فاعل و مفعول ہی ہوں گے۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے دونوں میں غائب کے صیغے پڑھے ہیں۔ دوسرے فعل کو جمع کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ ضمیر فاعل الذین اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس صورت میں پہلے فعل کا فاعل اسم موصول ہوگا اور اس کے دونوں مفعول محذوف ہوں گے جن پر فعل تاکید کے مفعول دلالت کررہے ہیں یا پہلا مفعول تو اس کا محذوف ہے اور دوسرا مفعول بمفازۃ ہے۔ دوسرا فعل پہلے فعل کی تاکید کے لئے اس کا فاعل اور مفعول پہلے والے فعل کا ہے۔

نافع، ابن عامر پہلے فعل کو غائب کا صیغہ پڑھا ہے اور اس کے دونوں مفعول محذوف ہیں جن پر دوسرے فعل کے مفعول دلالت کرتے ہیں۔ دوسرے فعل کو واحد مذکر مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے اور خطاب رسول ﷺ کو ہے۔

؂ دنیا میں عذاب کی صورت رسوائی، مذمت اور عدم قبول ہے۔

؃ اور آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ شیخین اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے حمید بن عبدالرحمن بن عوف سے روایت کیا ہے اسی طرح امام بغوی نے بخاری کی سند سے علقمہ بن وقاص سے کہ مروان نے اپنے دربان سے کہا اے رافع ابن عباس کے پاس جاؤ، ان سے سوال کرو کہ ہم میں سے ہر اپنے کیے پر خوش اور جو اس نے اچھا عمل نہیں کیا اس پر تعریف کا خواہشمند ہے تو کیا ہم سب کو عذاب دیا جائے گا؟ ابن عباس نے کہا تمہارا اس آیت سے کیا واسطہ، اصل بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہودیوں کو بلایا، ان سے ایک چیز کے بارے میں سوال کیا۔ یہودیوں نے اس بات کو چھپایا بلکہ اس کے برعکس خبر دی، جبکہ یہ ظاہر کرتے ہوئے وہاں سے روانہ ہوئے کہ ان سے جو پوچھا گیا تھا وہی بتایا ہے اور اس عمل پر تعریف کے خواہشمند ہوئے، ساتھ ہی ساتھ اس بات پر بھی خوش تھے کہ آپ نے جو بات پوچھی تھی وہ انہوں نے چھپائے رکھی ہے۔ پھر ابن عباس نے ان سابقہ دو آیات کی تلاوت کی۔(1)

شیخین نے ابو سعید سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ پر تشریف لے جاتے تو کچھ منافق گھروں میں بیٹھے رہتے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف گھروں میں بیٹھے رہنے پر خوش ہوتے۔ جب آپ واپس تشریف لاتے تو معذرت پیش کرتے، قسمیں اٹھاتے اور خواہشمند ہوتے کہ ان کی ایسے اعمال پر بھی تعریف کی جائے جو انہوں نے کئے نہیں تو یہ آیت نازل ہوئی(2) عبد نے اپنی تفسیر میں زید بن اسلم سے روایت نقل کی ہے کہ رافع بن خدیج اور زید بن ثابت مروان کے پاس تھے۔ مروان نے کہا اے رافع یہ آیت مذکورہ کس کے بارے میں نازل ہوئی۔ رافع نے کہا منافقین کے حق میں نازل ہوئی۔ جب نبی کریم ﷺ غزوہ کے لئے تشریف لے جاتے تو یہ معذرت پیش کرتے اور کہتے ہمیں بعض مصروفیات نے آپ کے ساتھ جانے سے روک رکھا ہم پسند کرتے تھے کہ آپ کے ساتھ ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق اس آیت کو نازل فرمایا، گویا مروان نے اس بات کو قبول نہ کیا۔ رافع اس کے پاس سے اٹھا، زید سے کہا میں تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا جو کچھ میں نے کہا اسے تو جانتا ہے؟ زید نے کہا ہاں، میں جانتا ہوں۔ حافظ ابن حجر نے کہا دونوں میں تطبیق ممکن ہے کہ یہ آیت دونوں فریقوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ فراء نے کہا یہ آیت یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی، وہ کہتے تھے ہم اہل کتاب ہیں نماز اور طاعت

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 389 (التجاریہ)　2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 656 (وزارت تعلیم)

والے ہیں۔ اس کے باوجود وہ حضور ﷺ کی رسالت کا اقرار نہیں کرتے تھے۔ ابن ابی حاتم نے تابعین کی ایک جماعت سے اسی طرح نقل کیا ہے کہ ابن جریر نے اسے ترجیح دی ہے۔ ایسا کوئی مانع نظر نہیں آتا کہ یہ کہا جائے کہ یہ ان کے بارے میں نازل نہیں ہوئی۔ امام بغوی نے کہا عکرمہ نے کہا یہ فخاص اور اشیع اور دوسرے یہودی علماء کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ لوگوں کو گمراہ کر کے اور علماء کہلا کر خوش ہوتے تھے، جبکہ وہ اہل علم نہ تھے۔ مجاہد نے کہا یہ یہودی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آل ابراہیم کو جن نعمتوں سے نوازا تھا اس سے خوش ہو گئے، جبکہ وہ خود اس سے بری تھے۔ قتادہ اور مقاتل نے کہا خیبر کے یہودی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہا ہم آپ کو پہچانتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں آپ کی رائے پر ہیں اور آپ کے مددگار ہیں جبکہ یہ ان کے دلوں میں نہ تھا۔ جب آپ کی مجلس سے باہر آئے مسلمانوں نے ان سے کہا تم نے بہت اچھا کیا ایسا کرو۔ مسلمانوں نے ان کی تعریف کی اور ان کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(1)

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾

"اور اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے 1۔"

1۔ یعنی بارش، رزق، نباتات اور دوسری چیزوں کے خزانے اسی کے پاس ہیں، جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے اس کا حکم دیتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس لئے تمہیں عذاب دینے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ اس آیت میں یہودیوں کے اس قول کا رد ہے کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے۔

طبرانی، ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ قریش یہودیوں کے پاس آئے پوچھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کون سے معجزات لائے تھے؟ یہودیوں نے کہا عصا، ید بیضا۔ وہ انصاری کے پاس آئے تو پوچھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کیا معجزات تھے؟ تو نصاری نے جواب دیا وہ مادرزاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو تندرست کر دیتے تھے اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے تو وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہمارے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ صفا کو سونا بنا دے تو حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔(2)

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾

"بیشک آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے میں 1۔ اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں 2۔ (بڑی) نشانیاں ہیں اہل عقل کیلئے 3۔"

1۔ زمین و آسمان میں جو عجائبات ہیں، ان سب کی تخلیق اور ایسی ماہیات میں انہیں وجود عطا کرنا جبکہ ممکن ہونے کی بنا پر یہ بالذات وجود کے متقاضی نہیں (ممکن میں وجود و عدم دونوں برابر ہوتے ہیں)

2۔ خوبصورت انداز اور پختہ نظام کے تحت ان کا ایک دوسرے کے پیچھے آنا۔

3۔ صانع کے وجود اور اس کے علم، قدرت، ارادہ اور اس کی حکمت کے کمال پر واضح دلائل ہیں۔ ایسے عقول والے ہیں جو اوہام کے شائبوں اور شیطان کے وساوس سے پاک ہیں۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس آدمی کے لئے ہلاکت ہو جو اسے پڑھے اور اس میں غور و فکر نہ کرے۔ ابن حبان نے صحیح میں یہ روایت نقل کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ ایک رات وہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 389 (التجاریہ)　　2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 192 (العلمیہ)

آقائے دوعالم ﷺ کے ہاں سوئے آپ کو بیدار ہوتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے مسواک کیا، وضو کیا جب کہ آپ یہ ارشاد فرمارہے تھے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہاں تک کہ سورت کا اختتام کیا۔ پھر آپ اٹھے آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی، اس میں آپ نے قیام، رکوع اور سجدہ لمبا کیا۔ پھر آپ نے یہ عمل تین دفعہ کیا۔ چھ رکعات ادا فرمائیں، ہر لحہ مسواک کرتے، وضو کرتے ان آیات کی تلاوت کرتے۔ پھر آپ نے تین وتر ادا کئے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔(1)

الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

"وہ عقل مند[1] جو یاد کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے[2] اور غور کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں[3] (اور تسلیم کرتے ہیں) اے ہمارے مالک! نہیں پیدا فرمایا تو نے یہ (کارخانہ حیات) بے کار[4] پاک ہے تو (ہر عیب سے)[5] بچا لے ہمیں آگ کے عذاب سے[6]"

[1] الَّذِیْنَ یہ اولی الالباب کی صفت ہے کیونکہ عقل کا مقتضی اپنے آپ کو ذکر، فکر، تسبیح، ایمان، استغفار، دعا اور تضرع سے متصف کرنا ہے، جو انسان ان سے متصف نہ ہو وہ چوپاؤں کی مانند ہے بلکہ ان سے بھی گیا گزرا ہے کیونکہ چوپائے بھی تو کسی نہ کسی انداز میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔

[2] امام بغوی نے کہا حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن عباس، نخعی اور قتادہ نے کہا یہ نماز کے بارے میں ہے وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے، اگر طاقت نہ رکھے تو بیٹھ کر، اگر یہ بھی طاقت نہ رکھے تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھے۔ اس آیت کی مثل سورۂ نساء میں بھی ہے: فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ (2)۔ عمران بن حصین کی حدیث ہے کہ مجھے بواسیر کا مرض تھا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے مریض کی نماز کے متعلق دریافت کیا فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر طاقت نہیں رکھتے تو بیٹھ کر پڑھو، اگر اس کی بھی طاقت نہیں رکھتے تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھو۔ اسے امام بخاری(3) اور سنن اربعہ کے مصنفین نے نقل کیا ہے۔ نسائی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اگر اس کی طاقت نہیں رکھتے تو چت لیٹ کر نماز ادا کرو، اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف بناتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا مریض کھڑے ہو کر نماز پڑھے اگر طاقت رکھتا ہے، اگر طاقت نہیں رکھتا تو بیٹھ کر نماز پڑھے، اگر سجدہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اشاروں سے نماز پڑھے اور سجدہ کے اشارہ کو رکوع کے اشارہ سے پست کرے، اگر اس کی طاقت بھی نہیں رکھتا تو دائیں پہلو کے بل سجدہ کرے جبکہ قبلہ شریف کی طرف منہ کئے ہوئے ہو، اگر دائیں پہلو کے بل بھی نماز نہیں پڑھ سکتا تو چت لیٹ کر نماز پڑھے کہ پاؤں قبلہ کی جانب ہوں۔ اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں حسین بن زید ہے، اسے ابن مدینی نے ضعیف قرار دیا ہے اور ایک راوی حسن بن حسن مغربی ہے جو متروک ہے۔ اسی وجہ سے امام شافعی نے کہا جب مریض قیام کرنے سے عاجز ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے، جب بیٹھنے سے عاجز ہو تو دائیں پہلو کے بل قبلہ کی طرف منہ کرتے ہوئے نماز پڑھے، اگر اس کی طاقت بھی نہیں رکھتا تو پشت کے بل لیٹ جائے، اپنی ٹانگیں کعبہ کی جانب کرے، یہاں تک کہ اس کا رکوع اور سجود قبلہ کی جانب ہو۔ یہی امام مالک اور احمد نے کہا ہے۔ ہاں تھوڑا اختلاف یہ کیا ہے کہ اگر اس نے پشت کے بل لیٹ کر نماز پڑھی جبکہ دائیں پہلو کے بل نماز پڑھنے پر قادر تھا تو اس کی نماز جائز ہوگی، جبکہ امام شافعی نے اس مسئلہ میں

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 128 (قدیمی) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 390 (التجاریہ) 3۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 150 (وزارت تعلیم)

اختلاف کیا ہے (ان کے نزدیک جائز نہیں)۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا یہ آیت اور سورۂ نساء کی آیت مریض کی نماز کے متعلق نہیں بلکہ عام مفسرین کے نزدیک اس سے مراد تمام حالات کا ذکر کرنا ہے کیونکہ انسان عموماً انہیں تین حالتوں میں ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی پسند کرتا ہے کہ وہ جنت کے باغات میں پھرے وہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرے۔ ابن ابی شیبہ نے اسے روایت کیا اور طبرانی نے حضرت معاذ کی حدیث ذکر کی۔

اگر ہم یہ تسلیم کریں کہ یہ آیت مریض کی نماز کے متعلق ہے تو یہ پشت کے بل لیٹ کر نماز پڑھنے والے کے منافی نہیں۔ یہ ترتیب پر بھی دلالت نہیں کرتی جس کا ذکر امام شافعی نے کیا ہے۔ اس طرح عمران بن حصین کی وہ حدیث جو صحیح میں موجود ہے اس کے منافی نہیں۔ ابن ہمام نے کہا عمران بن حصین بواسیر کے مریض تھے۔ بواسیر استلقاء (چت لیٹنا) سے مانع ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے ذکر نہیں کیا مگر جو امام نسائی نے روایت کی۔ اس میں مستلقی کی نماز کا اضافہ کیا۔ اگر وہ روایت صحیح ہو تو امام شافعی کے خلاف دلیل ہوگی۔ حضرت علیؓ سے مروی حدیث ضعیف ہے یا استدلال کے قابل نہیں۔

پھر امام ابوحنیفہ کا یہ قول ہے کہ چت لیٹنے کو پہلو کے بل لیٹنے پر مقدم کیا جائے گا۔ ان کے نزدیک نماز میں اہم ترین عمل رکوع و سجود ہے۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ نے کہا جو رکوع و سجود کی طاقت نہیں رکھتا اور قیام کی طاقت رکھتا ہے اس کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ بیٹھ کر اشاروں سے نماز پڑھے کیونکہ اس کا اشارہ سجدہ کے قریب ہے جبکہ جمہور علماء نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ پشت کے بل لیٹ کر نماز پڑھنے والے کا اشارہ کعبہ کی طرف ہوتا ہے جبکہ اس کے پاؤں قبلہ کی جانب ہوں، بخلاف اس آدمی کے جو پہلو کے بل نماز پڑھتا ہے۔ منہ قبلہ کی جانب کرتا ہے اس کا اشارہ پاؤں کی سمت میں ہوگا۔ اس وجہ سے امام اعظم کے نزدیک پشت کے بل لیٹ کر نماز پڑھنا افضل ہے۔

امام شافعی، امام احمد اور امام مالک نے فرمایا قیام رکوع و سجود کی طرح ہے کیونکہ یہ بذات خود مقصود ہے۔ تو جو آدمی قیام پر قدرت رکھتا ہے وہ بیٹھ کر نماز نہیں پڑھ سکتا، اگرچہ وہ رکوع و سجود پر قدرت نہ رکھتا ہو، بلکہ اس پر یہ لازم ہے کہ وہ کھڑے ہو کر اشاروں کے ساتھ نماز ادا کرے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رکوع و سجود کی نسبت قیام کی مدت لمبی ہوتی ہے جو آدمی پشت کے بل لیٹ کر نماز ادا کرتا ہے تو اکثر حالت میں اس کا منہ آسمان کی طرف ہوگا، کعبہ کی جہت میں نہ ہوگا اور جس نے پہلو کے بل لیٹ کر نماز ادا کی تو اس کا اکثر وقت میں منہ کعبہ کی جانب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اسی کا حکم بھی ہے: فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ الخ

یہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا اور ان میں جو چیزیں ودیعت کیں ان میں غور و فکر کرتے تاکہ ان کی مدد سے صانع جو قدیر و علیم حکیم واحد لا شریک ہے، کے وجود پر استدلال کرتے۔ حضرت علی شیر خداؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تفکر جیسی کوئی عبادت نہیں۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا۔ ابن حبان نے ضعفاء میں نقل کیا ان دونوں نے اسے ضعیف قرار دیا۔ حضرت ابو ہریرہ سے ایک روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسی اثناء میں کہ ایک آدمی بستر پر لیٹا ہو کہ وہ اپنا سر اٹھائے، آسمان اور ستاروں کو دیکھے، کہے میں گواہی دیتا ہوں تیرا رب ہے اور ایک خالق ہے، اے اللہ مجھے بخش دے، اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر کرم کرتا ہے، اسے بخش دیتا ہے(1)۔ اسے ابوالشیخ ابن حبان، اور ثعلبی نے روایت کیا۔ فکر کی تعریف یہ ہے امور معلومہ کو اس طرح ترتیب دینا کہ امور مجہولہ کو حاصل کیا جائے۔ قاموس میں ہے کسی شئے میں نظر کو کام میں لانا۔ جوہری نے صحاح کے اندر کہا فکر ایک ایسی قوت ہے جو معلوم تک پہنچنے کے لئے علم کا راستہ بتاتی ہے(2) اور تفکر قوت فکری حرکت کو کہتے ہیں جو عقل نظر کے موافق ہے۔ یہ صرف انسان کا خاصہ ہے، حیوان تفکر سے محروم ہیں۔ تفکر کا تعلق صرف انہیں چیزوں

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 196 (العلمیہ)　　2۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 391 (التجاریہ)

سے ہوتا ہے جن کی دل میں صورت کا حاصل ہونا ممکن ہو اسی وجہ سے روایت ہے کہ اللہ کی نعمتوں میں سوچ و بچار کرو، اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر نہ (1) کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ کسی صورت میں اسے بیان کیا جائے۔ بعض علماء نے کہا فکر فرک سے مقلوب ہے (2) لیکن فکر کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ امور کی حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ان میں بحث و تجسس کرنا (صحاح)

میں کہتا ہوں ہر چیز میں تفکر کرو اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر نہ کرو کیونکہ ساتویں آسمان اور اس کی کرسی کے درمیان سات ہزار نور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بھی بلند و بالا ہے۔ ابوالشیخ نے ابن عباس سے العظمۃ میں نقل کیا ہے، آپ سے ہی اس لفظ کے ساتھ مروی ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تفکر کرو، خالق کی ذات میں تفکر نہ کرو۔ کیونکہ تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے حضرت ابوذر سے اسی کی مثل ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تفکر کرو، اللہ تعالیٰ میں تفکر نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے ابونعیم نے حلیہ میں ابن عباس سے یوں روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر کرو اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر نہ کرو ابوالشیخ، طبرانی نے اوسط، ابن عدی اور بیہقی نے سند ضعیف کے ساتھ اس لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر کرو اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر نہ کرو۔ (3) یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مرتبہ ذات میں تفکر سے منع کیا گیا اور تفکر کو افعال، صفات اور اسماء تک محدود رکھنے کا حکم ہے۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ آتی ہے کہ اسماء اور صفات کے تعلق کے بغیر ذات کا علم تصوری ممتنع ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا علم حضوری بھی اس مرتبہ عالیہ سے ساقط ہے کیونکہ اس کا گزر صرف عالم کی ذات کی جانب ہوتا ہے، یعنی مرتبہ اتحاد و عینیت کی طرف ہوتا ہے۔ پس اس سے حقیقت کا انکار لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے نفس سے بھی زیادہ قریب ہے پس وہ جانب قرب میں وراء الوراء ہے، پھر وراء الوراء پھر وراء الوراء ہے، نہ کہ وہ جانب بعد میں وراء الوراء ہے لہٰذا مرتبہ ذات میں اس کی ذات کا علم حضوری بھی ممکن نہیں۔ بعض صوفیاء کو ذات کے متعلق جو دائمی حضوری اور بسیط علم لدنی حاصل ہوتا ہے۔ وہ ان دونوں علموں (دائمی، علم لدنی) سے وراء ہوتا ہے اس کی حقیقت کو کچھ بھی نہیں جانا جا سکتا۔ اس پر حقیقت کے اعتبار سے تفکر کا اطلاق جائز نہیں ہوتا بلکہ مجازاً اس کا ذکر کر دیا جاتا ہے جس طرح بعض صوفیاء نے اس کیلئے تفکر کا ذکر کیا ہے۔ شرح میں اسے ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر لحہ اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے، یہ ذکر لسانی نہ ہوتا کیونکہ اس پر دوام ممکن ہی نہیں۔ دوام ذکر اہم ترین چیز ہے اور فکر اس تک پہنچنے کا طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے اولی الالباب کی صفت بدوام ذکر سے بیان فرمائی، بعد میں ان کی صفت تفکر سے بیان کی جو علم تک پہنچانے والا ہے اور تفکر کی حیثیت ذکر کے لئے ایسے ہی ہے جس طرح کسی چیز کا سایہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔ یعنی وہ تمام احوال میں ذکر جاری رکھتے ہیں، وہ زمین و آسمان کی تخلیق میں تفکر کرتے ہیں۔ نیز ذکر کو فکر پر مقدم کرنے میں اس بات پر بھی تنبیہ ہے کہ عقل احکام حقہ تک پہنچانے میں غیر مستقل ہے جب تک وہ فکر کے نور اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت سے روشن نہ ہو (تفکر اسی وقت کام آتا ہے جب پہلے عقل اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی ہدایت سے منور ہو۔

یہ مقولہ ہے اور قول محذوف ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی یَتَفَكَّرُوْنَ قَائِلِیْنَ رَبَّنَا...... باطل حق کی ضد کو کہتے ہیں۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔ لفظ حق کا اطلاق بعض اوقات ایسی ذات پر ہوتا ہے جو موجود ہو اور واجب الوجود ہو وہ اپنے ثبوت اور وجود میں کسی اور کا محتاج نہ ہو اور نہ ہی کسی محل میں پایا جائے وہ صرف اللہ کی ذات ہے۔

بعض اوقات اس کا اطلاق ایسی چیز پر ہوتا ہے جو خارج میں متحقق ہو محض وہم اور خیال کی پیداوار نہ ہو اگرچہ اس کا وجود وجود حق سے مستفاد ہو۔ بعض اوقات اس کا اطلاق ایسی چیز پر ہوتا ہے جس کا وجود حکم و مصالح پر مشتمل ہو، وہ فضول بے فائدہ باطل اور ضائع ہونے والا نہ ہو، باطل تمام

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 391 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 195 (العلمیہ)

معانی کے اعتبار سے حق کی ضد ہے۔ پہلے معنی کی صورت میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہماری راہنمائی کرتا ہے خبردار بہترین قول لبید کا قول ہے کُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ یعنی اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے کیونکہ کوئی دوسری چیز اپنا اصلی وجود نہیں رکھتی بلکہ ہر اعتبار سے محتاج ہے۔ شعر میں دوسرے معنی کا اعتبار کرنا بھی صحیح ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر معبود باطل ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں، بلکہ وہم وخیال کا تراشیدہ ہے۔ تیسرے معنی کا اعتبار کیا جائے تو باطل کا اطلاق شیطان پر ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ اگر یہاں باطل دوسرے معنی میں ہو تو آیت کا معنی وہ ہوگا جو اہل حق (اہل سنت) نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال کرتے ہوئے سوفسطائیہ کے خلاف جسے اساس قرار دیا ہے کہ اشیاء کی حقیقت ثابت ہے اور ان کا علم مستحقق ہے(۱) اگر حق کا تیسرا معنی لیا جائے تو پھر اس کے مقابل آیت میں باطل کا معنی یہ ہوگا کہ اے اللہ تو نے مخلوق کو فضول پیدا نہیں فرمایا بلکہ حکمت عظیم کے تحت پیدا فرمایا جو تیری معرفت پر دلیل اور تیرے شکر وطاعت پر برانگیختہ کرنے والی ہے۔ ھذا سے سموات اور ارض کی طرف اشارہ ہے۔

سوال: اب اسم اشارہ مونث آنا چاہیے تھا کیونکہ مشار الیہ مونث ہے۔

جواب [:۔ ان کو متفکر فیہ کی تاویل میں کرتے ہوئے اسم اشارہ مذکر ذکر کیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں مخلوق کے معنی میں ہیں اس لئے اسم اشارہ مذکر ذکر کیا۔ یا ہذا سے اشارہ خلق کی طرف ہے اور اس سے مراد مخلوقات ہے جیسے آسمان وزمین یا اس سے مراد تخلیق ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس سے تمام اجزاء میں سے ہر جزء میں تفکر مراد لیا جائے اور ھذا سے اشارہ اس ایک جزء کی طرف ہو۔ باطلا ھذا سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یہ بھی جائز ہے باطلاً معنی عاذلاً ہو اور خلقت کے فاعل سے حال ہو اس صورت میں اگلا ارشاد اس کی تاکید ہوگا۔

ے یعنی اللہ تعالیٰ بے مقصد کام کرنے سے پاک ہے کیونکہ یہ عمل کھیل حرکت ہے۔ اگر باطلا میں پہلی تاویل کی جائے تو پھر یہ جملہ معترضہ ہوگا۔

لے نظر وفکر کرنے میں جو کوتاہی ہوئی اور اس کے تقاضا کے مطابق جزاء وسزا انجام دینے چاہئیں تھے۔ ان میں جو کمی ہوئی تھی اس کے بدلے میں واقع ہونے والے آگ کے عذاب سے ہمیں محفوظ رکھ۔ فقنا میں فاء اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آسمان وزمین کی تخلیق (جو اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال، اس کا شکر بجالانے اور طاعت کے لئے ہے) اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مطیع کو ثواب دیا جائے اور نافرمان کو سزا دی جائے اور ان کے باطل اور فضول نہ ہونے کا علم امید اور خوف کا تقاضا کرتا ہے۔ امید اور خوف ثواب طلب کرنے اور عذاب سے پناہ مانگنے کا تقاضا کرتے ہیں۔ یہاں استعاذہ (پناہ مانگنے) کو پہلے اس لئے ذکر کیا کیونکہ ضرر کا دور کرنا نفع کے حصول سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ فاء جزاء کے معنی کی وجہ سے داخل ہوئی، تقدیر کلام یوں ہوگی۔ اب ہم نے تیری تصدیق کردی تو تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾

" اے ہمارے رب! بے شک تو نے جسے داخل کردیا آگ میں تو رسوا کردیا تو نے اسے لے اور نہیں ہے ظالموں کا ۲ے کوئی مددگار ۳ے "

لے ربنا کا لفظ چند مقاصد کے لئے مکرر ذکر فرمایا۔ 1۔ آہ وزاری میں مبالغہ کے لئے 2۔ اس بات پر دلالت کرنے کے لئے کہ ہر مطلب مستقل ہے۔3۔ ہر ایک بڑی شان رکھتا ہے۔4۔ صفت ربوبیت سے تمسک کرنے کے لئے۔5۔ ان کے اس اعتراف پر دلالت کرنے کے

(۱) اہل حق کا یہ نکتہ نظر ہے کہ کائنات میں جو چیزیں ہمیں نظر آرہی ہیں ان کی حقیقت ثابت ہے اور ان کا علم ہو سکتا ہے، یہ کہنا درست نہیں کہ یہ سب وہم کی پیداوار ہے اور ان کا علم حاصل کرنا ممکن نہیں۔

لئے وہی ان کا رب ہے۔ خزاہ کا معنی ہے اس پر غالب آ گیا اور اسے خواہش سے روک دیا۔ خزی کا معنی ہے وہ مصیبت میں پھنس گیا۔ اخزاہ اللّٰہ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے رسوا کر دیا۔ قاموس کے اندر یہی معانی مذکور ہیں۔

[2] یعنی جو جہنم میں داخل ہوا یہاں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے اس بات پر دلالت کرنے کے لئے کہ ان کا ظلم ہی ان کے جہنم میں داخل ہونے کا سبب ہے۔

[3] کیونکہ نصرت کا معنی ہوتا ہے زبردستی کسی کا دفاع کرنا۔ اللہ تعالیٰ جو قہار ہے اس کے مقابلہ میں قہر کا تصور نہیں کیا جا سکتا ورنہ اللہ تعالیٰ کا عجز لازم آئے گا جو ربوبیت کے منافی ہے۔ یہ ارشاد شفاعت کے منافی نہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ اس روز اللہ تعالیٰ نبی اور اس پر ایمان لانے والوں کو رسوا نہ کرے گا جبکہ اہل ایمان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو جہنم میں داخل ہوں گے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مَنْ يُّدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ یعنی جسے تو جہنم میں داخل کرتا ہے تحقیق تو نے اسے رسوا کر دیا تو پھر دونوں میں تطبیق کیسے ہوگی۔

ہم یہ کہیں گے اس کا معنی یہ ہے جب تک وہ جہنم میں ہے تو اسے رسوا کر دیا۔ یا وہاں مومنین سے مراد کامل مومن ہیں۔ حضرت انس اور قتادہ نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے جسے تو ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل کرے تو نے اسے رسوا کر دیا۔(1) سعید بن منصور نے کہا یہ آیت ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو جہنم سے نہیں نکلیں گے۔ حضرت جابر سے مروی ہے مومن کو اخزاء (رسوا) کرنے کا مطلب اسے ادب سکھانا ہے اور خزی اخزاء سے بڑھ کر ہے۔

رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾

"اے ہمارے رب! بے شک سنا ہم نے منادی کرنے والے کو[1] کہ بلند آواز سے بلاتا تھا ایمان کی طرف[2] (اور کہتا تھا) کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر[3] تو ہم ایمان لے آئے[4] اے ہمارے مالک! پس بخش دے ہمارے گناہ اور مٹا دے ہم سے ہماری برائیاں[5] اور (اپنے کرم سے) موت دے ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ[6]"

[1] حضرت ابن مسعود، ابن عباس اور دوسرے کثیر علماء نے کہا منادی سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔(2) قرطبی نے کہا اس سے مراد قرآن ہے کیونکہ ہر ایک تو حضور ﷺ سے ملاقات نہیں کرتا۔ میں کہتا ہوں جس نے حضور ﷺ کا ارشاد تواتر سے سنا تحقیق اس نے آپ کو سنا یہاں فعل کا مفعول سنانے والے کو بنایا مسموع (سنی جانے والی بات) کو نہیں بنایا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ وصف اس مسموع پر دلالت کرتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں مبالغہ ہے جو فعل کو مسموع پر واقع کرنے میں نہیں۔ منادی کو نکرہ ذکر کرنا پہلے اسے مطلق ذکر کرنا پھر اس کو مقید لانا یہ منادی اور ندا کی شان کو بلند کرنے کیلئے ہے کیونکہ جو ایمان کی طرف دعوت دیتا ہے اس سے بڑھ کر عظمت والا منادی کوئی نہیں اور اس ندا سے بڑھ کر کوئی اور ندا نہیں۔

[2] ندا الی کے ساتھ متعدی ہوتا ہے، جبکہ یہاں لام کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے کیونکہ یہ اپنے ضمن میں انتہاء اور اختصاص کا معنی لئے ہوئے ہے۔

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 391 (التجاریہ)
2۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 392 (التجاریہ)

سے یہاں ان مفسرہ ہے۔ یہ کلام منادی کی تفسیر کر رہا ہے کیوں ندا اپنے ضمن میں قول کا معنی لئے ہوئے ہے اور ان تفسیریہ کے لئے یہی شرط ہوتی ہے یا یہاں ان مصدریہ ہے اس صورت میں اس سے پہلے باء حرف جار محذوف ہوگا۔

سے سو ہم اس پر ایمان لے آئے اس میں اس بات کا شعور دلایا گیا ہے کہ ایمان حقیقت میں دلائل سمعیہ پر مرتب ہوتا ہے ابو منصوری الماتریدی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایمان میں استثناء باطل ہے (۱) بلکہ یہ کہنا لازم ہے انا مومن حقا میں پکا مومن ہوں۔

ہے یہاں فاء سببیہ ہے کیونکہ ایمان مغفرت کا سبب ہے اور مغفرت ایمان کے بغیر متصور نہیں ہوتی، یعنی ہمارے گناہ کبیرہ کو بخش دے۔ یعنی ہمارے گناہ صغیرہ پر پردہ ڈال دے۔ یہاں تفعیل کا صیغہ ذکر کیا کیونکہ چھوٹے گناہ کثیر ہوتے ہیں۔

ے ابرار بر یا بار کی جمع ہے جس کا معنی سچا، زیادہ بھلائی کرنے والا اور احسان میں وسعت والا ہے۔ توفنی مع الابرار کا معنی ہے ہمیں ان کے زمرہ اور جماعت میں شامل کر کے موت عطا فرما۔ یہاں ان کی موت کے وقت موت کو طلب کرنا نہیں کیونکہ یہ عادۃً متصور بھی نہیں ہوتا اور فائدہ مند بھی نہیں ہوتا۔ یہاں توفنا بارین کے الفاظ ذکر نہیں کئے مقصود تواضع ہے اور اپنے آپ کو ان نیک لوگوں میں شمار نہ کرنا ہے۔ اس میں حد درجہ کا خضوع ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔

اگر یہ کہا جائے یہ تو موت کا سوال ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے موت کی تمنا کرنے اور وقت سے پہلے اس کے آنے کی دعا کرنے سے منع فرمایا ہے جس کا ذکر ہم نے سورۃ بقرہ کی آیت فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ میں کیا ہے۔

ہم جواب دیں گے ہم نے اس مسئلہ کی وہاں تحقیق پیش کر دی ہے کہ موت کی تمنا اس وقت ناجائز ہوتی ہے جب کسی تکلیف اور مصیبت کے نازل ہونے پر کی جائے، خواہ یہ مصیبت مال، جسم اور اس جیسی چیزوں میں کی جائے مطلقاً اس کی تمنا کرنا ممنوع نہیں۔

یہاں اس دعاء سے مقصود نیکی اور احسان کے وصف سے موت تک متصف ہونے کی تمنا کرنا ہے اس سے مقصود موت کو جلدی طلب کرنا نہیں جس طرح رب العالمین کا یہ ارشاد ہے وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ یہاں اس سے مقصود موت سے نہی نہیں کیونکہ یہ بندے کی طاقت میں نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ کسی زمانہ میں بھی اسلام کے علاوہ کوئی حالت نہ ہو، یہاں تک کہ جب موت آئے تو وہ حالت اسلام میں ہو۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

"اے ہمارے رب! عطا فرما ہمیں جو وعدہ کیا تو نے ہمارے ساتھ لے اپنے رسولوں کے ذریعے ہے اور نہ رسوا کر ہمیں ہے قیامت کے دن بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے"

لے ما سے مراد جنت میں ثواب، دیدار، رضا اور قرب اور دنیا میں دشمنوں کے خلاف مدد ہے۔

ہے تیرے رسولوں کی تصدیق کرنے کی وجہ سے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے رسولوں کی زبانوں پر جو تو نے وعدہ کیا ہے۔ یہ علیٰ رسلک محذوف کے متعلق ہے ما وعدتنا منزلا علی رسلک پیغمبروں پر جو وعدہ نازل کیا تھا وہ عطا کر۔ یہ بھی جائز ہے کہ علی مع کے معنی میں ہو یعنی اپنے رسولوں کے ساتھ ہمیں بھی عطا کر اور جو اجر تو نے انہیں دیا ہے ہمیں بھی اس میں شریک کر۔ اس سے غرض رسالت کا حق ادا کرنا ہے اور رسولوں کی مشارکت کی برکت سے اپنے لئے فضل میں اضافہ کرنا ہے۔

(۱) یہ کہنا میں ان شاء اللہ مومن ہوں، یہ باطل ہے۔

ما وعدتنا میں جو جمع متکلم کی ضمیر ہے یا مسلمانوں کی جماعت کے لئے ہے۔ یعنی ہمیں وہ عطا کر جو تو نے صالح مسلمانوں سے وعدہ کر رکھا ہے یہ سوال اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ خلافی کے خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس خوف کی وجہ سے ہے کہ کہیں سائل ان لوگوں میں سے نہ ہو جن سے برے انجام کا وعدہ کیا گیا ہے، ہم برے انجام اور ایمان وطاعت میں کوتاہی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ سوال عبودیت کے اظہار اور عاجزی کے طور پر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر امر پر غالب ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے حکم دیتا ہے کیونکہ اس کی شان یہ ہے جو وہ کرتا ہے اس سے پوچھا نہیں جا سکتا جبکہ بندوں سے باز پرس ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ لفظاً تو دعاء ہے لیکن معناً خبر ہے یعنی تو ہمیں عطا کرے گا جو تو نے رسولوں کی زبانوں سے فضل ورحمت کا وعدہ کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے خلاف ان سے جو مدد کا وعدہ کیا ہے اس کی وعدہ خلافی نہیں کرے گا لیکن ہم تیرے حکم تک صبر نہیں کر سکتے انہیں جلد ذلیل ورسوا کر اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔

ہمیں ذلیل ورسوا نہ کر اور نہ ہی ہمیں جہنم میں داخل کر۔

یعنی اس دن جب سب لوگ ایک ہی دفعہ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ معنی اس کا یہ ہوگا ہمیں ایسے اعمال کرنے سے محفوظ رکھ جو رسوائی کا تقاضا کرتے ہیں ہمیں بخش دے اور ہم سے جو کوتاہیاں صادر ہوئیں ان سے پردہ پوشی فرما۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اپنے بندے کو قریب کرے گا، اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھے گا مخلوقات سے اسے چھپا لے گا۔ اس راز کے عالم میں اس کا نامۂ اعمال اس کے سامنے کرے گا۔ ارشاد فرمائے گا اپنی کتاب پڑھ جب وہ اپنے نیک عمل کے پاس سے گزرے گا تو اس کا چہرہ روشن ہوگا اور اس کا دل خوش ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندے تو کیا اسے پہچانتا ہے؟ وہ عرض کریگا ہاں میرے رب، میں اسے پہچانتا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تیرے اس عمل کو قبول کیا۔ بندہ سجدہ میں گر جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو فرمائے گا سر اٹھا اور اپنی کتاب دیکھ۔ اس کا گزر برائی پر سے ہوگا جس کے باعث اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا دل خوفزدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اے میرے بندے کیا تو اسے پہچانتا ہے وہ عرض کرے گا ہاں اے میرے رب میں اسے پہچانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا میں تیرے اس عمل کو پہچانتا تھا میں نے تیرے اس عمل کو بخش دیا۔ وہ لگا تار نیکی کے پاس سے گزرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول کرے گا۔ بندہ سجدہ کرے گا برائی کے پاس سے گزرے گا اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا بندہ سجدہ کرے گا مخلوق صرف اس کا سجدہ دیکھے گی یہاں تک کہ مخلوق ایک دوسرے سے سرگوشی کرے گی اس بندے کو مبارک ہو اس نے کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی لوگوں کو کچھ خبر نہ ہوگی کہ اسکا اور اسکے اللہ کے درمیان کیا معاملہ ہوا۔ اسے عبداللہ بن احمد نے زوائد زہد میں روایت کیا ہے۔ بیہقی نے اسی کی مثل روایت نقل کی ہے۔ اس باب میں ابن عمر سے صحیحین میں روایت موجود ہے۔

یعنی مومن کو بدلہ دینے اور سوال کرنے والے کو جواب دینے کا جو وعدہ تو نے کر رکھا ہے اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ جب بندے کا سوال اٰتنا ما وعدتنا وعدہ پورا نہ کرنے کا وہم دلاتا تھا تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس جملہ کو بعد میں ذکر کیا۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝

"تو قبول فرمالی ان کی التجا ان کے پروردگار نے ۱؎ (اور فرمایا) میں ضائع نہیں کرتا عمل کسی عمل کرنے والے کا تم سے خواہ مرد ہو یا عورت ۲؎ بعض تمہارا جزء ہے بعض کی ۳؎ تو وہ جنہوں نے ہجرت کی اور نکالے گئے اپنے وطن سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور (دین کیلئے) لڑے اور مارے گئے ۴؎ تو ضرور میں مٹا دوں گا ان (کے نامۂ عمل) سے ان کے گناہ اور ضرور داخل کروں گا انہیں باغوں میں۔ بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں۔ (یہ) جزاء ہے ۵؎ (ان کے اعمال حسنہ کی) اللہ کے ہاں ۶؎ اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے"۔

۱؎ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی طلب کو قبول کرلیا۔ یہ اجاب سے خاص ہے یہ فعل بغیر واسطہ کے متعدی ہوتا ہے اور لام کے واسطہ کے ساتھ بھی متعدی ہوتا ہے اور امام بیضاوی نے کہا ہے ایک قول یہ کیا گیا کہ اجاب اور استجاب دونوں کا معنی ایک ہے۔(1)

۲؎ اس سے پہلے باء حرف جار محذوف ہے یا قول محذوف ہے۔ اس صورت میں اِنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ ہوگا، یعنی میں ضائع نہیں کروں گا اے مومنو! تمہارا عمل، مرد ہو یا عورت۔ حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں یہ تو سنتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہجرت کے بارے میں مردوں کا ذکر فرماتا ہے، عورتوں کا ذکر نہیں فرماتا۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اسے امام ترمذی اور حاکم نے روایت کیا۔ حاکم نے اسے صحیح کہا نیز ابن ابی حاتم، عبدالرزاق اور سعید بن منصور نے نقل کیا ہے۔

۳؎ کلبی نے کہا تم دین، نصرت اور موالات میں بعض بعض سے ہو۔(2) ایک قول یہ کیا گیا کہ تم نسب اور انسانیت میں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہو کیونکہ تم سب حضرت آدم و حوا سے ہو، مذکر مونث کے بطن سے اور مونث مذکر کی صلب سے پیدا ہوتا ہے، جس طرح مردوں کو اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اسی طرح عورتوں کو اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ اس کے ذکر کا مقصد یہ ہے کہ یہ وضاحت کی جائے کہ مردوں کے ساتھ جن چیزوں کا وعدہ کیا گیا ہے عورتیں بھی ان کے ساتھ شریک ہیں۔ پھر عمل کرنے والوں کے لئے اعمال کی عظمت بیان کرنے کے لئے الگ الگ ذکر کیا۔

۴؎ سبیلی سے مراد میری طاعت اور دین ہے یا مجھ پر ایمان لانے یا میری وجہ سے انہیں اذیتیں دی گئیں۔ ابن عامر اور ابن کثیر نے اسے قتلوا تاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ مراد کثرت کا اظہار ہے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا انہیں جنگ میں ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا۔ باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے اسے قتلوا اور قاتلوا پڑھا جبکہ جمہور کی قرأت اس کے مخالف ہے۔ ذکر میں ترتیب کا الٹ جانا معنی میں کچھ فرق پیدا نہیں کرتا۔ کیونکہ واؤ جمع کے لئے آتی ہے اس میں ترتیب کا اعتبار نہیں ہوتا۔ حمزہ اور کسائی کی قرأت کے وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بعض قتل کر دیئے گئے اور باقی لوگوں نے جہاد کیا۔ انہوں نے اپنے دوستوں کے قتل ہونے کی وجہ سے کمزوری اور بزدلی کا اظہار نہیں کیا۔ عرب کہتے ہیں ہم نے بنی فلاں کو قتل کر دیا، حالانکہ قتل تو بعض کو کیا گیا ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے انہیں قتل کیا گیا جبکہ انہوں نے اس سے قبل قتال کیا تھا، یعنی وہ بھاگتے ہوئے قتل نہ ہوئے بلکہ مقابلہ کرتے ہوئے قتل ہوئے۔

۵؎ میں ضرور انہیں پوشیدہ رکھوں گا اور انہیں مٹا دوں گا۔ مبرد نے کہا ثوابا مفعول مطلق ہے جو تاکید کے لئے آیا ہے، یعنی میں اسے ضرور ثواب دوں گا۔ تاہم زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ ثوابا جنات سے حال ہو، گویا اللہ تعالیٰ نے ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ سے ایسی جزاء کا ارادہ فرمایا ہے جو جنات سے بھی بلند مرتبہ والی ہے۔

۶؎ اس کے اعمال کی جزاء سے بڑھ کر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور فضل و احسان ہوگا۔ اس کلام میں تکلم سے غیب کی طرف التفات ہے

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 100 (فراس)　2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 393 (التجاریہ)

لَا تَكْفُرَنَّ اور جواس کا معطوف ہے یہ محذوف قسم کا جواب ہے۔ قسم اور جواب قسم اسم موصول کی خبر ہے۔

ے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں اچھا ثواب یا بہترین ثواب ہے جس پر کوئی اور قادر نہیں ہوسکتا یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب کے کئی درجات ہیں اور عندیت جنات اور جو کچھ ان میں ہے از روئے ثواب کے ان سے بہترین ہے۔

امام بغوی نے کہا مشرک خوشحال تھے تجارت کرتے تھے اور عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے تھے۔ بعض مومنوں نے کہا ظاہر میں جو ہم دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن خوش باش ہیں جبکہ ہم مشقت کا شکار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(1)

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾

"(اے سننے والے) نہ دھوکہ میں ڈالے تجھے لے چلنا پھرنا ان کا جنہوں نے کفر کیا ملکوں میں ۲ "

لے خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے، مراد آپ کی امت ہے یا ہر ایک کو خطاب ہے۔

۲ یعنی ان کا زمین میں سفر کرنا اور ان کا تصرف کرنا ملکوں یعنی تجارت اور کام کاج کے لئے، یعنی ان کی خوشحالی کو نہ دیکھ اور زندگی میں جو ان کا عیش و آرام ہے اس سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو۔ معنی میں یہ نہی مخاطب کے لئے ہے اور مبالغہ کے اظہار کے لئے سبب کو مسبب کے قائم مقام رکھا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کسی گناہ پر رشک نہ کرو کیونکہ تو نہیں جانتا کہ موت کے بعد وہ عذاب کا سامنا کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ایسا قاتل موجود ہے جسے موت نہیں آئے گی، یعنی جہنم کی آگ۔ اسے امام بغوی نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔(2)

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾

" یہ لطف اندوزی تھوڑی مدت کے لئے ہے لے پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ بہت بری ٹھہرنے کی جگہ ہے ۲ "

لے مَتَاعٌ قَلِيْلٌ مبتدا محذوف کی خبر ہے جو ذلک ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ظرف ہے جو محذوف ہے یعنی لھم مَتَاعٌ قَلِيْلٌ سے قلیل سے اس لئے تعبیر کیا کیونکہ اس کی مدت تھوڑی ہے اور یہ کم اور کیف کے اعتبار سے قلیل ہے۔ حضرت مسور بن مقداد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آخرت میں دنیا کی مثال ایسے ہی ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈالے پھر دیکھے کہ انگلی پر کتنا پانی موجود ہے (دنیا آخرت کے مقابلہ میں اس پانی جتنی حیثیت بھی نہیں رکھتی)۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔(3)

۲ مہاد: جو چیز انہوں نے اپنے لئے تیار کی ہے یعنی جہنم کتنا برا ٹھکانہ ہے۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾

" لیکن وہ جو ڈرتے رہے اپنے رب سے ان کے لئے باغ ہوں گے رواں ہوں گی ان کے نیچے ندیاں (وہ متقی) ہمیشہ رہیں گے ان میں لے یہ تو مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے ۲ اور جو (ابدی نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں وہ بہت بہتر ہیں نیکوں کے لئے ۳ "

لے نحویوں کے نزدیک لکن استدراک کے لئے ہوتا ہے۔ استدراک کا معنی یہ ہوتا ہے کہ جو وہم ماقبل کلام سے پیدا ہوا اس کو ختم کر دینا وہ وہم یہ

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 393 (التجاریہ) 2۔ مصابیح السنۃ، جلد 2، صفحہ 311 3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 384 (قدیمی)

تھا کہ وہ کفار جو دنیا میں مال و متاع سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ جب ان کا مال قلیل ہے تو متقین جو لذات سے اعراض کرتے رہے تو ان کا مال تو اور تھوڑا ہوگا اللہ تعالیٰ نے ان کے اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا لیکن الَّذِيْنَ اتَّقَوْا یعنی متقین نے دنیا میں وہ کمایا جو اخروی نعمتوں کے لئے وسیلہ ہے تو انہوں نے دنیاوی نعمتوں سے اتنا فائدہ اٹھالیا جس سے زیادتی کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور علماء معانی کے نزدیک لکن کا لفظ مخاطب کے اعتقاد کو رد کرنے کے لئے آتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کافر یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ دنیا سے لطف اندوز ہونے والے ہیں اور متقین سخت خسارے میں ہیں۔

ے مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ نزل کی صفت ہے نزل اسے کہتے ہیں جو مہمان کے لئے تیار کیا جائے۔ نزلا کے لفظ میں متقین کی شان کو بلند کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مہمان قرار دیا ہے اور کریم آدمی کے پاس جو کچھ ہوتا ہے۔ اس میں سے مہمان کے لئے بہترین چیز تیار کرتا ہے۔ نزلا جنات سے حال ہے، اس میں عامل ظرف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے، کہ یہ مفعول مطلق ہے تقدیر کلام اُنْزِلُوْهَا نُزُلًا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ تمیز کی حیثیت سے منصوب ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ تقدیر کلام یوں ہے جَعَلَ ذٰلِكَ نُزُلًا۔

سے ثواب قرب کے درجات، رضا اور رحمت دنیا کے سامان اور ہر چیز سے بہتر ہے۔ مدح اور تعظیم کے لئے اسم ظاہر (ابرار) کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کے پاس بالا خانے میں حاضر ہوا۔ آپ ایک چٹائی پر استراحت فرما تھے۔ سر کے نیچے چمڑے کا تکیہ تھا جس میں کھجور کی شاخوں کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ قدموں میں کچھ پکا چمڑا تہہ کیا پڑا تھا۔ سرہانے کچی کھال لٹک رہی تھی اور چٹائی کے نشان پہلو مبارک میں پڑ گئے تھے۔ یہ دیکھ کر میں رونے لگا۔ آپ نے فرمایا کس چیز نے تجھے رلایا؟ میں نے عرض کی یارسول اللہ کسریٰ اور قیصر تو اس آرام میں رہیں جبکہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تو اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت ہو(1) ایک روایت میں ہے میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ آپ کی امت پر رزق میں فراخی پیدا فرمادے کیونکہ اہل فارس اور اہل روم پر اللہ تعالیٰ نے رزق میں فراوانی کر رکھی ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا اے عمر کیا تم اس خیال میں ہو، وہ ایک ایسی قوم ہے جنہیں ان کی پسندیدہ چیزیں دنیاوی زندگی میں جلدی سے عطا کر دی گئیں۔ متفق علیہ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور قحط کا دور ہے، جب وہ دنیا کو چھوڑتا ہے تو قید خانے اور قحط کے دور سے خلاصی پاتا ہے۔ اسے امام بغوی نے شرح السنہ میں نقل کیا ہے۔(2) قتادہ بن نعمان سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا سے بچاتا ہے جس طرح تم اپنے مریض کو پانی سے بچاتے ہو۔ اسے امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔(3) واللہ اعلم

امام نسائی نے حضرت انس سے ابن جریر نے اسی کی مثل حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ جب نجاشی کی موت کی خبر آئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس پر نماز جنازہ پڑھو صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ ہم ایک حبشی پر نماز جنازہ پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 394 (التجاریہ) 2۔ مصابیح السنہ، جلد 2، صفحہ 303 3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 24، ابواب الطب (د ـ ت)

"اور بے شک بعض اہل کتاب ایسے ہیں ۱؎ جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر ۲؎ اور اس پر جو اتارا گیا تمہاری طرف ۳؎ اور جو اتارا گیا ان کی طرف ۴؎ عاجزی (اور نیاز مندی) کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے ۵؎ نہیں سودا کرتے اللہ کی آیتوں کا حقیر قیمت پر ۶؎ یہ وہ ہیں جن کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے ۷؎ بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے ۸؎"

۱؎ مستدرک میں عبد اللہ بن زبیر سے بھی اسی کی مثل مروی ہے کہ یہ آیت نجاشی کے بارے میں نازل ہوئی۔ بغوی نے کہا جب نجاشی فوت ہوا تو جبرئیل نے اسی روز رسول اللہ ﷺ کو اس کی موت کی خبر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا باہر نکلو، اپنے بھائی نجاشی کی نماز پڑھو جو غیروں کی زمین پر فوت ہوا۔ آپ بقیع کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ کے لئے حبشہ کی سرزمین ظاہر کی گئی۔ آپ نے نجاشی کی چارپائی دیکھی۔ اس کی نماز جنازہ پڑھی، چار تکبیرات کہیں اور ان کے لئے بخشش کی دعا کی۔ منافقوں نے کہا اسے دیکھو، ایسے حبشی پر نماز جنازہ پڑھتے ہیں جو نصرانی تھا جسے انہوں نے دیکھا تک نہیں، نہ ہی وہ آپ کے دین پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(1)

عطاء نے کہا یہ نجران کے چالیس حبشہ کے تیس اور روم کے آٹھ آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے تھے۔ ابن جریر نے ابن جریج سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ مجاہد نے کہا یا اہل کتاب مومنوں کے بارے میں نازل ہوئی۔(2)

۲؎ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کی صفات و اسماء کے ساتھ صحیح ایمان رکھتے ہیں۔ اِنَّ کے اسم پر لام داخل کیا کیونکہ ظرف کے ساتھ یہاں فاصلہ آ گیا ہے۔

۳؎ یعنی قرآن۔

۴؎ یعنی تورات، انجیل اور زبور۔

۵؎ خضوع اور تواضع کرنے والے ہیں۔ یہ یؤمن کے فاعل سے حال ہے۔ جمع کا صیغہ مَن کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ذکر کیا۔

۶؎ یہ جملہ حال کے بعد حال ہے۔ تورات کی وہ آیات جن میں حضور ﷺ کی نعت ہے ان کے بدلے میں ثمن قلیل حاصل نہیں کرتے جس طرح تحریف کرنے والے علماء کرتے ہیں۔

۷؎ یعنی مخصوص اجر جو دوسرے کے اجروں سے زائد ہے جس طرح رب العالمین کے اس ارشاد میں ہے: اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے تین آدمیوں کے دو اجر ہیں، ان میں سے ایک وہ آدمی ہے جو اہل کتاب میں سے ہے، اپنے نبی پر ایمان لایا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر بھی ایمان لایا۔ متفق علیہ۔

۸؎ کیونکہ وہ اعمال، ان کے اوپر مرتب ہونے والی جزاء کو جانتا ہے اور وہ تامل کرنے سے بے نیاز ہے۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے ایام کے نصف دن کے برابر میں مخلوق کا حساب مکمل کرے گا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اجر جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے بہت جلد ان تک پہنچ جائے گا کیونکہ سرعت حساب سرعت جزاء سے کنایہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

"اے ایمان والو! صبر کرو ۱؎ اور ثابت قدم رہو (دشمن کے مقابلہ میں) ۲؎ اور کمر بستہ رہو (خدمت دین کیلئے) ۳؎"

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 394 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 394 (التجاریہ) 3۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 394 (التجاریہ)

اور (ہمیشہ) اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو جاؤ گے"

1۔ تم اپنے دین امور سکالہ کی مشقتوں خواہش نفس کی مخالفت، اپنے رب کی محبت اور اس کی طاعت پر صبر کرو، نہ تنگی میں چھوڑو، نہ خوشحالی میں، نیز دشمنوں سے جہاد کرنے اور مصائب و تکالیف میں بھی صبر کرو۔ حضرت جنید بغدادی نے کہا صبر کا معنی ہے نفس کو بغیر جزع فزع کے مصائب پر روکے رکھنا۔

2۔ جنگ کی تکالیف کے دوران صبر میں اللہ کے دشمنوں پر غالب آ جاؤ کیونکہ انہیں بھی دکھ ہوتا ہے جیسے تمہیں دکھ پہنچتا ہے، تم اللہ تعالیٰ سے بدلہ کی امید رکھتے ہو جبکہ وہ بدلہ کی امید نہیں رکھتے۔ مصابرہ جس طرح جہاد اصغر میں کفار کے مقابلہ میں ہوتا ہے اسی طرح جہاد اکبر میں نفس کے مقابلہ میں بھی واقع ہوتا ہے۔ کیونکہ نفس دنیا اور اس کی خواہشات کے حصول میں تکالیف اور مصائب برداشت کرتا ہے جو کسی پر بھی مخفی نہیں اور یقیناً انسان کے نفس کو جنتوں میں باقی رہنے والی نعمتوں کے حصول کے لئے بھی تکالیف برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ پھر صوفی کو مولیٰ کی طلب میں اس سے زیادہ مشقتوں کو برداشت کرنا ہوگا۔

3۔ جنگ کی انتظار میں اپنے بدنوں اور گھوڑوں پر سرحدوں پر پابند کرتا ہوگا، یا اپنے نفوس قلوب اور بدنوں کو ذکر الٰہی، طاعات، نماز کی ادائیگی کے بعد مساجد میں ہی اگلی نماز کا انتظار اور ذکر کے حلقوں کا پابند بنانا ہوگا۔ ربط کا اصل معنی باندھنا ہے، یعنی گھوڑوں کو سرحدوں پر باندھنا پھر اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہونے لگا جو سرحدوں کی حفاظت کے لئے وہاں مقیم ہوتا ہے اگرچہ اس کے پاس سواری نہ ہو۔ پھر اس کا اطلاق ہر ایسے شخص پر بھی ہونے لگا جو کسی چیز کا دفاع کرنے پر کمربستہ ہو۔ مرابطہ کا معنی دشمنوں پر رباط میں غلبہ پانا یعنی دشمن بھی تم سے جنگ کرنے کی تیاری کرتے ہیں۔ پس تم ان پر اس معاملہ میں غالب آ جاؤ۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دن کا رباط دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جنت میں تمہارے لئے ایک سوط (چھڑی) کے برابر جگہ کا ہونا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو شام یا صبح کو نکلنا ہے یہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔(1) اسے امام بغوی نے بخاری کی سند سے نقل کیا ہے پہلا حصہ صحیحین میں حضرت سہل سے مروی ہے، تیسرا حصہ صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے۔

سلمان خیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ایک دن رات اللہ تعالیٰ کی راہ میں رباط (سرحد کی نگرانی) کی اسے ایک ماہ مقیم کے روزوں کا ثواب ہوگا اور جو نگرانی کرتے ہوئے فوت ہوگیا اسے تا قیامت اسی قدر اجر ملتا رہے گا (شہیدوں کی طرح اسے رزق دیا جائے گا اور اسے فتنہ (قبر کے فتنہ) سے محفوظ رکھا جائے گا۔(2) امام مسلم نے اس روایت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ایک دن رات کی سرحدوں کی نگرانی ایک ماہ روزوں اور انہیں زندہ کرنے سے بہتر ہے۔ اگر وہ اس عمل میں مر گیا تو قیامت تک اس کا عمل جاری رہے گا (یعنی اس کے عمل کا ثواب لکھا جاتا رہے گا) اس پر (شہید کا) رزق جاری کیا جائے گا اور اسے (قبر کی) آزمائش سے محفوظ رکھا جائے گا۔

امام احمد اور ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا ہے جس نے ایک دن اور ایک رات اللہ تعالیٰ کی راہ میں سرحدوں کی نگرانی کی تو اس کا یہ عمل رمضان شریف کے روزوں اور رات بھر کی نمازوں کے برابر ہوگا جس میں نہ افطار کرتا ہے اور نہ ہی ضرورت طبعی کے بغیر نماز چھوڑتا ہے۔

حضرت فضالہ بن عبید حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں ہر میت کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر وہ آدمی جو سرحدوں کی نگرانی کرتے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 395 (التجاریہ)　　2۔ ایضاً

ہوئے فوت ہو کیونکہ اس کا عمل تا قیامت بڑھتا ہی رہتا ہے اور وہ قبر کی آزمائش سے محفوظ رہتا ہے (1) اسے امام ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کیا۔ اسے دارمی نے عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں سرحدوں پر ایک دن کی چوکیداری دوسرے مقامات پر ہزاروں دنوں کی چوکیداری سے بہتر ہے۔ اسے ترمذی اور نسائی نے نقل کیا ہے (2) امام بغوی نے کہا ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن نے کہا نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایسے غزوات نہیں ہوتے تھے جن میں سرحدوں پر نگرانی کی ضرورت پڑتی ہو لیکن نماز کے بعد نماز کے انتظار کی صورت میں رباط ہوتا (3) اس تاویل کی دلیل حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسے عمل کی خبر نہ دوں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمہاری خطائیں مٹا دے اور جس کے وسیلہ سے تمہارے درجات بلند فرما دے۔ پس وہ رباط ہے پس وہ رباط ہے (نماز کے بعد نماز کا انتظار)۔ اسے امام بغوی نے روایت کیا (4) امام مسلم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

؎ فلاح کا معنی ناپسندیدہ چیز سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد پسندیدہ چیز کو پا لینا ہے۔ لعل کا لفظ اس لئے استعمال ہوا کیونکہ عواقب تو مخفی ہیں کہ کہیں لوگ اعمال کے بغیر ہی آرزوؤں پر انحصار نہ کر لیں۔

حضرت عثمان بن عفان سے مروی ہے جس نے سورۂ آل عمران کی آخری آیات رات کو پڑھیں اس کے حق میں پوری رات کی عبادت لکھ دی جائے گی۔ اسے دارمی نے روایت کیا ہے۔ ابو امامہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زہراوین (سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران) پڑھو کیونکہ یہ دونوں قیامت کے روز آئیں گی، گویا وہ قرأت کرنے والے پر دو بادل ہیں یا دو سائبان ہیں یا پر پھیلائے ہوئے پرندوں کے دو جھنڈ ہیں، دونوں اپنے قاریوں کے بارے میں جھگڑا کریں گی۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ (5) نواس بن سمعان سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا قیامت کو قرآن اور اس پر عمل کرنے والے لوگوں کو لایا جائے گا۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران سب سے آگے ہوں گی گویا یہ دو بادل ہیں یا دو سیاہ سائبان ہیں جن میں چمک ہے اور یا پر پھیلائے پرندوں کے دو جھنڈ ہیں، یہ اپنے پڑھنے والوں اور ان پر عمل کرنے والوں کی حمایت کریں گی۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ (6)

مکحول سے مروی ہے جس نے جمعہ کے روز سورۂ آل عمران پڑھی رات تک فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔

1۔ جامع ترمذی، ابواب الجہاد، جلد 1، صفحہ 195 (وزارت تعلیم)
2۔ سنن نسائی، جلد 2، صفحہ 51 (وزارت تعلیم)
3۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 395 (التجاریہ)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 395 (التجاریہ)
5۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 270 (قدیمی)
6۔ ایضاً

سورۃ النساء

آیاتہا ۱۷۶ — سورۃ النساء مدنیۃ ۹۲ — رکوعاتہا ۲۴

سورۃ النساء مدنی ہے اس کی ایک سو چھتر آیات اور چوبیس رکوع ہیں۔

بیہقی نے دلائل میں ابن عباس سے کئی طرق سے روایت کیا ہے کہ سورۃ نساء مدینہ میں نازل ہوئی اسی طرح ابن منذر نے قتادہ سے روایت کیا اور امام بخاری نے بھی قتادہ سے نقل کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝

"اے لوگو[1] ڈرو اپنے رب سے[2] جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے[3] اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا[4] اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں (کثیر تعداد میں)[5] اور ڈرو اللہ سے وہ اللہ مانگتے ہو تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) جس کے واسطے سے[6] اور (ڈرو) رحموں (کے قطع کرنے) سے[7] بے شک اللہ تعالیٰ تم پر ہر وقت نگران ہے۔"[8]

[1] اصل میں خطاب تو ان لوگوں کو ہے جو حضور ﷺ کے پاس موجود تھے، باقی تمام لوگ ان کے تابع ہوں گے۔

[2] اپنے رب کے عتاب سے ڈرو اس طرح کہ تم اس کی اطاعت کرو۔

[3] ابتداء میں ایک نفس یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا۔

[4] اس جملہ کا عطف خلقکم پر ہے یا اس کا عطف کلام محذوف پر ہے تقدیر کلام یوں ہوگی خَلَقَهَا وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا یعنی حضرت حواء کو ان کی پسلی سے پیدا کیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت کرو، بے شک یہ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں متفق علیہ۔(1) ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے حضرت حواء حضرت آدم (علیہما السلام) کی چھوٹی پسلی سے پیدا کی گئیں(2) ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ حضرت حواء کو حضرت آدم سے پیدا کیا گیا جبکہ حضرت آدم سوئے ہوئے تھے پس آپ بیدار ہو گئے الحدیث(3)۔ خلقها منها زوجها یہ سابقہ جملہ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ کی تقریر ہوگی۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 469 (وزارت تعلیم) 2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 206 (العلمیہ) 3۔ ایضاً

۵ حضرت آدم اور حضرت حواء سے پھیلا دیئے کثیر مرد اور عورتیں۔ اے مخاطبو تمہارے علاوہ بے شمار افراد پیدا کئے۔ یہاں رجالا کی صفت کثیر پر اکتفا کیا۔ نساء کی صفت ذکر نہیں کی۔ مقصود مردوں کی کثرت کے ضمن میں عورتوں کی کثرت بیان کرنا ہے۔ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ عورتوں کی تعداد زیادہ ہو۔ اسی لئے شریعت مطہرہ میں ایک مرد کے لئے چار عورتوں سے شادی جائز قرار دی۔ کثیرا کو مذکر اس لئے ذکر کیا کیونکہ رجال سے مراد مجموعہ لیا گیا۔ تقویٰ کے حکم کو اس قصہ کے آخر میں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال نعمت پر دلالت کرتا ہے جو دونوں خشیت اور طاعت کا تقاضا کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ جو بعد میں صلہ رحمی اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں تقویٰ کا جو حکم دیا گیا اس کی یہ تمہید ہے۔

۶ کوفہ کے قراء نے سین کو مخفف پڑھا ہے اور ایک نے تاء کو حذف کیا ہے جبکہ باقی قراء نے سین کو مشدد پڑھا ہے اور ایک تاء کو سین سے بدل کر سین کو سین میں ادغام کیا ہے، یعنی تم میں سے بعض بعض سے سوال کرتے ہیں اور وہ کہتا میں تجھ سے اللہ تعالیٰ کے واسطہ کے ساتھ سوال کرتا ہوں۔

۷ یہ منصوب ہے اور اس کا عطف لفظ اللہ پر ہے یعنی تم قطع رحمی سے بچو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رحم عرش کے ساتھ معلق ہے، وہ کہتی ہے خبردار جس نے مجھے جوڑا اللہ تعالیٰ اسے جوڑے گا اور جس نے مجھے توڑا اللہ تعالیٰ اسے توڑے گا۔(1) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا۔ جب وہ اس سے فارغ ہوا تو رحم اٹھی اور اللہ تعالیٰ سے چمٹ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا رک جا۔ رحم نے عرض کی یہ اس کا مقام ہے جو کاٹے جانے سے تیری پناہ چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اس پر راضی نہیں کہ میں اس سے تعلق قائم رکھوں جو تجھے جوڑے اور میں اس سے تعلق منقطع کرلوں جو تجھے توڑے۔ اس نے عرض کی اے میرے رب میں راضی ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے ہی ہوگا۔ متفق علیہ۔(2) حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جوڑنے والا وہ نہیں جو بدلے میں جوڑے بلکہ جوڑنے والا وہ ہے جو اس کے ساتھ صلہ رحمی کرے جو اس سے قطع رحمی کرے(3) اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو یہ پسند کرے کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر لمبی کردی جائے پس وہ صلہ رحمی کرے متفق علیہ۔(4)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہا ایک آدمی نے عرض کی یارسول اللہ میرے کچھ رشتہ دار ہیں جن سے میں صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ مجھ سے قطع تعلق کرتے ہیں، میں ان سے احسان کرتا ہوں اور وہ مجھ سے زیادتی کرتے ہیں، میں ان سے بردباری سے پیش آتا ہوں، وہ مجھ سے جاہلوں والا رویہ اپناتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا اگر تو اسی طرح ہے جس طرح تو نے کہا تو گویا ان پر خاک ڈال رہا ہے۔ جب تک تو ایسا کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرا ایک مددگار رہے گا(5) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حمزہ نے الارحام کو مجرور پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ ضمیر مجرور پر معطوف ہوگا۔ یہ آیت کریمہ اہل کوفہ کے ان علماء و نحویین کی دلیل ہے جو ضمیر مجرور پر حرف جار کے اعادہ کے بغیر عطف جائز سمجھتے ہیں کیونکہ یہ قراءت بھی متواتر ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رحم کا واسطہ دے کر باہم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں، کسی کی شفقتیں حاصل کرتا ہوں تو یہ جملہ کہا جاتا ہے۔ باللہ و بالرحم افعل کذا۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 315 (قدیمی) 2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 716 (وزارت تعلیم) 3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 886 (ایضاً)
4۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 885 (وزارت تعلیم 5۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 315 (قدیمی)

۵ رقیب کا معنی پورا پورا باخبر اور نگہبان ہے۔ پس تم اس سے غافل نہ ہو مقاتل اور کلبی نے کہا کہ غطفان کے ایک آدمی کے پاس اپنے یتیم بھتیجے کا بہت سا مال تھا۔ جب یتیم بالغ ہوا تو اس نے اپنے مال کا مطالبہ کیا۔ چچا نے اسے مال دینے سے انکار کر دیا۔ دونوں اپنا معاملہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں لے آئے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔(1)

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝

"اور دے دو یتیموں کو ان کے مال ۱؎ اور نہ بدلو (اپنی) ردی چیز کو (ان کی) عمدہ چیز ۲؎ سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں سے ملا کر ۳؎ واقعی یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ ۴؎"

۱؎ جب چچا نے یہ آیت کریمہ سنی تو کہا ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس رسول مکرم کی اطاعت کی۔ ہم بڑے گناہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اور بھتیجے کا مال اس کے حوالے کر دیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے آپ کو نفس کے حرص سے بچایا اور اس طرح اپنے رب کی اطاعت کی وہ ضرور اس کی جنت میں داخل ہوگا۔ جب اس نوجوان نے اپنا مال لیا تو اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اجر ثابت ہو گیا اور بوجھ باقی رہا۔ اسے ثعلبی اور واحدی نے روایت کیا ہے۔ اسے بغوی نے بھی روایت کیا ہے۔ خطاب اولیاء اور وصیوں کے لئے ہے۔ یتامی یتیم کی جمع ہے۔ یہ اس بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ دادا موجود نہ ہو۔ یہ یتم سے مشتق ہے جس کا معنی منفرد ہونا ہے۔ اسی سے در یتیم بولا جاتا ہے۔ امام بیضاوی نے کہا جب یہ اسم کے قائم مقام ہو گیا (اصل میں صفت مشبہ کا صیغہ ہے لیکن بطور اسم استعمال ہوتا ہے) جس طرح فارس اور صاحب اصل وضع میں اسم فاعل ہیں لیکن اسم کے قائم مقام ہو گئے۔ تو اس لئے انہیں موصوف کی ضرورت نہیں تو اس کی جمع یتائم بنی۔ پھر اس میں قلب ہوا تو جمع یتامی بن گئی۔ یا یتیم کی جمع یتمی بنی جس طرح اسیر کی جمع اسری آتی ہے پھر اس کی جمع یتامی آئی۔ اسی طرح اسری کی جمع اساری آتی ہے۔ اس کا اشتقاق تو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کا وقوع چھوٹوں اور بڑوں سب پر ہو کیونکہ باپ سے منفرد ہونے کا معنی موجود ہے لیکن عرف نے اسے اس بچے کے ساتھ خاص کر دیا ہے جو ابھی بالغ نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بالغ ہونے کے بعد یتیمی نہیں اور دن سے رات تک خاموش رہنا کوئی روزہ نہیں (2) اسے ابو داؤد نے حضرت علی سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یہ حدیث یا تو عرف پر محمول ہے یا شریعت کے حکم کا بیان ہے۔ یعنی بالغ ہونے کے بعد یتیمی کا حکم نہ لگایا جائے گا تو پھر بالا جماع آیت کا معنی یہ ہوگا ان یتیموں کو مال دے دو جب وہ بالغ ہو جائیں، نیز یہ آیت بھی اسی مفہوم پر دال ہے وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ کیونکہ جب سفیہ جو عاقل بالغ ہے کو بھی مال دینے سے روک دیا گیا تو نابالغ کو بدرجہ اولی مال دینا ممنوع ہوگا، یا تو آیت میں یتیم کا اطلاق اپنے اصل کے اعتبار سے ہے کیونکہ لغت میں یتیم کا اطلاق نابالغ اور بالغ دونوں پر ہو سکتا ہے۔ بطور مجاز اس بالغ پر یتیم کا اطلاق کیا کیونکہ اس کی یتیمی کا دور بہت ہی قریب ہے مقصود یہ ہے کہ جونہی وہ بالغ ہوں انہیں ان کے اموال دے دیئے جائیں۔

۲؎ تم مال بدلنے کی طلب نہ کرو۔ باب تفعل کا باب استفعال میں استعمال جائز ہے جس طرح تعجل استعجل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یتیم کا مال جو تم پر حرام ہے اور خبیث ہے۔ اپنے اموال میں سے جو حلال ہے کے ساتھ نہ بدلو۔ سعید بن جبیر، زہری اور سدی نے کہا کہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 396 (التجاریہ)
2۔ سنن ابی داؤد، جلد، صفحہ 397 (وزارت تعلیم)

یتیموں کے اولیاء یتیم کے مال میں سے عمدہ لے لیتے اور اس کی جگہ ردی رکھ دیتے۔ بعض اوقات وہ یتیم کے مال میں سے موٹی بکری لے لیتے اور اس کی جگہ کمزور بکری رکھ دیتے۔ عمدہ درہم لیتے اور ردی درہم رکھ دیتے اور کہہ دیتے درہم کے بدلے درہم ہو گیا ان لوگوں کو اس امر سے منع کر دیا گیا۔ مجاہد نے کہا آیت کا معنی یہ ہے حرام رزق کی طرف جلدی نہ کرو قبل اس کے کہ تم تک وہ رزق حلال پہنچے جس کا اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم خبیث امر کو طلب نہ کرو، یعنی ان کے اموال کو بغیر حفاظت کے نہ چھوڑے رکھو طیب امر کے بدلے میں یعنی اس کی حفاظت کرنا اور واصل مالک کو دینا۔

ے ھُم ضمیر سے مراد یتامیٰ ہیں، یعنی ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔ یہاں الی بمعنی مع ہے۔ ابن منذر نے قتادہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

ے بے شک یہ کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔ ابن عباس نے حضرت ابو ہریرہ سے اسی طرح نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو، ان میں سے ایک یتیم کا مال کھانا بھی ہے۔ متفق علیہ۔ (1)

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۝

"اور اگر ڈرو تم اس سے کہ نہ انصاف کر سکو گے تم لے یتیم بچوں کے معاملہ میں (تو ان سے نکاح نہ کرو) ے اور نکاح کرو جو پسند آئیں تمہیں (ان کے علاوہ دوسری) عورتوں سے ے دو دو تین تین اور چار چار اور ے اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی ے یا کنیزیں جن کے مالک ہوں تمہارے دائیں ہاتھ لے یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم ایک طرف ہی نہ جھک جاؤ" ے

لے اے اولیاء اگر تمہیں خوف ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے اور ظلم کرو گے۔ یہ قسط بمعنی جاد سے مشتق ہے۔ اسی سے ایک لفظ قاسطون استعمال ہوتا ہے، یعنی ظلم کرنے والے۔ تقسطوا باب افعال سے ہے اور اس میں یہاں سلب کا خاصہ پایا جا رہا ہے، یعنی اگر تمہیں ظلم کا خوف ہو۔

ے وہ بچیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں۔ جب تم ان سے نکاح کرو گے تو تم انصاف نہ کر سکو گے۔

ے یعنی تم ان یتیم عورتوں کے علاوہ اجنبی عورتوں سے شادی کر لو۔ یتامیٰ کا لفظ مذکر اور مونث دونوں پر بولا جاتا ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں زہری سے روایت کیا ہے، وہ عروہ بن زبیر سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اس آیت کے متعلق حضرت عائشہ سے پوچھا انہوں نے جواب دیا یہاں یتامیٰ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اولیاء کی پرورش میں ہوں اور غیر محرم ولی جیسے چچازاد بھائی ان کے جمال اور مال کی وجہ سے ان میں رغبت رکھتا ہے اور ارادہ کرتا ہے کہ ان جیسی عورتوں کو جو مہر دیا جاتا ہے اس سے کم مہر دے کر ان سے نکاح کر لے تو ان کے ساتھ انصاف کیے بغیر نکاح کرنے سے منع کر دیا گیا اور یہ حکم دیا گیا کہ وہ دوسری عورتوں سے شادی کرے۔ حضرت

1۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 388 (وزارت تعلیم)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا پھر لوگوں نے حضور ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَیَسْتَفْتُوْنَكَ فِی النِّسَآءِ ...... وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ نازل فرمائی (1) اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح فرمایا کہ جب یتیم لڑکی خوبصورت اور صاحب مال ہوتی ہے تو اولیاء اس میں رغبت رکھتے اور اسے پورا مہر نہ دیتے اور جب خوبصورت نہ ہوتی اور صاحب مال نہ ہوتی تو کوئی رغبت نہ رکھتے تو دوسری عورتوں کو تلاش کرتے تو فرمایا جس طرح تم ان کو اس وقت چھوڑ دیتے ہو جب تم ان سے رغبت نہیں رکھتے تو تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم ان سے نکاح کرو جب تم ان سے رغبت رکھتے ہو مگر صرف اس صورت میں کہ تم ان کے حقوق ادا کر دیجیے پورا مہر دو اور دوسرے حقوق ادا کرو۔

امام بغوی نے کہا حسن بصری نے کہا مدینہ طیبہ کے کچھ لوگ تھے ان کے زیر پرورش کچھ یتیم بچیاں تھیں ان میں سے کچھ ایسی لڑکیاں تھیں جو ان پر حلال تھیں تو یہ ان کے مال کی وجہ سے شادی کر لیتے کیونکہ انہیں یہ پسند نہ تھا کہ ان کے مال میں کوئی اجنبی شریک ہو۔(2)

عکرمہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اور یہی عطاء کی ابن عباس سے بھی روایت ہے کہ قریش کے آدمی دس دس عورتوں سے شادی کر لیتے جب ان کا بیویوں کے اخراجات سے ہاتھ تنگ پڑتا تو پرورش میں رہنے والی یتیم کے مال کی طرف راغب ہوتے اور اسے خرچ کر ڈالتے تو انہیں حکم دیا گیا کہ چار عورتوں سے زیادہ شادی نہ کرو کہ تمہیں یتیموں کا مال لینے کی ضرورت پڑے۔(3)

جب یتیموں کے مال کے متعلق وعید نازل ہوئی تو ان کے مال لینے میں احتیاط کرتے اور عورتوں سے نکاح کرنے میں پرواہ نہ کرتے اور جن سے چاہتے نکاح کر لیتے بعض اوقات عدل بھی نہ کرتے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ تمہیں عورتوں کے درمیان عدل کرنے کے بارے میں بھی ڈرنا چاہئے، تمہیں اتنی عورتوں سے شادی کرنی چاہئے جن کے حقوق کی ادائیگی تمہارے لئے ممکن ہو۔ اسے ابن جریر نے نقل کیا ہے۔ یہی سعید بن جبیر، ضحاک اور سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ یتیموں کی کفالت کرنے سے تو پرہیز کرتے اور زنا سے پرہیز نہ کرتے تو انہیں کہا گیا اگر تم یتیموں کے بارے میں خوفزدہ ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو زنا سے بھی بچو جو عورتیں تمہیں اچھی لگیں ان سے نکاح کرلو۔ یہ مجاہد کا قول ہے۔

سوال:۔ ذوی العقول کے لئے مَن کا لفظ استعمال ہوتا ہے جبکہ یہاں ما کا لفظ ذکر ہوا ہے۔

جواب:۔ یہاں صفت کا اعتبار کرتے ہوئے ما کا ذکر کیا کیونکہ ذوی العقول کی صفات کیلئے ما کا لفظ ہی ذکر کیا جاتا ہے۔ گویا کلام یوں کی گئی عورتوں میں سے جو پاکیزہ ہیں ان سے نکاح کرو۔ یا عورتوں کو غیر ذوی العقول کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی عقلیں کم ہیں جس طرح رب العالمین کے اس فرمان میں عورتوں کو ما سے تعبیر کیا ہے مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مَا طَابَ لَكُمْ کا معنی ہے وہ عورتیں جو بالغ ہوں۔ عرب کہتے ہیں طَابَتِ الثَّمَرَةُ یعنی کھجور پک گئی۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ سے جو روایت کی ہے۔ یہ تاویل اس کے زیادہ قریب ہے، یعنی تم یتیم عورتوں سے شادی نہ کرو اور بالغ عورتوں سے شادی کرو لیکن لکم کا کلمہ اس تاویل کے اولیٰ ہونے کا انکار کرتا ہے۔ اس صورت میں مناسب کلام یوں ہوتی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ عورتوں سے جو حلال ہیں کیونکہ ان میں سے کچھ ایسی بھی ہوتی ہیں جو حرام ہیں، جن کا آیت التحریم میں ذکر

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 387 (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 397 (التجاریہ) 3۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 397 (التجاریہ)

ہے یہ مجاہد کے قول کے زیادہ مناسب ہے، یعنی زنا سے بچو اور جو تمہارے لئے حلال ہیں ان سے نکاح کرو۔ لیکن اس تاویل کی صورت میں آیت مجمل بنتی ہے اور اجمال اصل کے خلاف ہے۔ زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس کا معنی یہ ہے جنہیں تمہارے نفس اچھا جانیں اور تمہارے نفس ان کی طرف مائل ہوں۔ یہ تمام تاویلات کے مناسب ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہوگا اگر تمہیں خوف ہو کہ تم یتیموں کے ضعف اور ان کے حمایتی نہ ہونے کی وجہ سے انصاف نہ کر سکو گے تو جن عورتوں کو تم پسند کرتے ہو ان سے شادی کر لو کیونکہ اس صورت میں تمہارا میلان ہی ان کے حقوق کا محافظ ہوگا، خواہ وہ یتیم ہو یا بالغ۔ ہو ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اگر منکوحہ عورت نفس کو محبوب ہو تو یہ انسان کو زنا سے بھی بچاتی ہے اور یہ کہنا بھی مناسب ہوگا کہ چار سے زیادہ عورتوں سے شادی نہ کرو بلکہ پسندیدہ عورتوں پر اکتفا کرو کیونکہ پسندیدہ عورتوں کا وجود کم ہوتا ہے۔

مسئلہ:۔ نکاح کا پیغام بھیجنے والے کے لئے بالا جماع سنت یہ ہے کہ وہ نکاح سے پہلے عورت کا منہ اور ہاتھ دیکھ لے۔ داؤد نے کہا سوائے شرمگاہ کے تمام جسم دیکھنا جائز ہے۔ حضرت جابر سے مروی ہے کہ جب تم میں سے کوئی عورت کو نکاح کا پیغام دے اگر وہ عورت کی ان چیزوں کو دیکھ سکتا ہے جن کی وجہ سے وہ دعوت دے رہا ہے تو ضرور دیکھے۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔(1) حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے کہ کہا میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اس عورت کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کی نہیں۔ آپ نے فرمایا اسے دیکھ لے کیونکہ یہ تم دونوں میں اتفاق پیدا کرانے کے زیادہ مناسب ہے(2) اسے امام احمدؒ امام ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

ہے یہ کلمات اعداد مکررہ سے معدول ہیں جو ثنتین ثنتین، ثلاث ثلاث اور اربع اربع ہیں۔ یہ دو اسباب عدل اور وصف کی وجہ سے غیر منصرف ہیں کیونکہ یہ کلمات صفت کے طور پر وضع کئے گئے ہیں۔ جبکہ جن کلمات سے یہ بنے ہیں وہ صفت کے لئے وضع نہیں کئے گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ غیر منصرف اس لئے ہیں کیونکہ ان میں عدل کا تکرار ہے کیونکہ یہ لفظ ثنتین سے اور اس کے معنی سے معدول ہیں یہ کلمات مَا طَابَ لَكُمْ جو فَانْكِحُوْا کا مفعول بہ ہے اس سے حال ہیں۔ بصریوں کے نزدیک یہ نکرہ ہیں، جبکہ کوفیوں کے نزدیک یہ معرفہ ہیں کیونکہ ان پر الف لام معرفہ کا داخل نہیں ہوتا، جبکہ یہ معرفہ ہوں گے تو یہ ماطاب سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہوں گے۔

مسئلہ:۔ رافضیوں نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ قول کیا ایک وقت میں نو عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے۔ نخعی اور ابن ابی لیلیٰ سے بھی اسی طرح منقول ہے کیونکہ ان کلمات کے درمیان واؤ عاطفہ ہے جو مطلق جمع کے لئے ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا آیت کا معنی یہ ہے تم دو اور تین اور چار سے نکاح کرو، ان کا مجموعہ نو ہوتا ہے۔ خارجیوں نے کہا اٹھارہ عورتوں سے بیک وقت نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ ان کلمات میں تکرار کا معنی پایا جاتا ہے۔

یہ دونوں قول باطل ہیں۔ خارجیوں کا قول تو اس لئے باطل ہے کہ مثنیٰ اور اس کے اخوات عدد مکرر سے ماخوذ ہیں وہ کسی عدد پر موقوف نہیں ہوتے یہ دو دو صفہ کے تکرار پر منحصر نہیں جس کسی شخص نے قوم سے کہا ان دراہم سے دو دو لے لو تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ سارے کے سارے ان میں سے دو دو درہم لے لیں۔ اس کا معنی یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ صرف چار درہم لو۔ اگر مذکورہ معنی ہوتا تو آیت کا معنی درست نہ رہتا کیونکہ تمام مردوں کے لئے دو یا تین یا چار یا اٹھارہ عورتوں تک نکاح کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اسی وجہ سے صاحب کشاف

1۔ سنن ابی داؤد، جلد، صفحہ 284 (وزارت تعلیم) 2۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 135 (وزارت تعلیم)

نے کہا اگر ان کلمات کو عدل کیے بغیر مفرد ذکر کیا جائے تو کوئی معنی بھی نہ بنے۔(1)

جو رافضیوں نے کہا اس کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بلغاء کے ہاں نو کے عدد کو بیان کرنے کے لئے یہ انداز اختیار نہیں کیا جاتا۔ یہ امر کسی پر بھی مخفی نہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے دو عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ اسی طرح ہر ایک کے لئے تین عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اسی طرح ہر ایک کے لئے چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔

امام بیضاوی نے کہا اگر آیت میں واؤ عاطفہ کی جگہ اَوْ کا لفظ ذکر کیا جاتا تو عدد میں اختلاف کا جواز ختم ہو جاتا(2) لیکن اس پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ واؤ کی وجہ سے عدد کے اتفاق کا جواز بھی جاتا رہتا ہے۔ حق بات یہی ہے کہ مثنی او ثلث اور مثنی و ثلث کے مفہوم میں کوئی تفاوت نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں نہ یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ تمام امت کا ان تینوں اقسام میں سے کسی ایک پر اجماع ضروری ہے نہ اس طرف ذہنی التفات ہوتا ہے کہ مختلف اقسام پر ہونا لازم ہے۔ یہاں واؤ کو اس لئے ذکر کیا کیونکہ جب مجموعہ کا مجموعہ سے مقابلہ ہو تو واؤ افراد کی تقسیم میں زیادہ موثر ہوتی ہے۔

مسئلہ:۔ ائمہ اربعہ اور جمہور مسلمانوں کے نزدیک ایک وقت میں چار سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ بعض لوگوں سے یہ بھی بیان کیا گیا کہ بغیر تعداد کی تعیین کے عورتوں سے نکاح کرنا مباح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ یہ عموم کا فائدہ دیتا ہے اور مثنی کا لفظ یہ عرفی تعداد ہے، کوئی قید وغیرہ نہیں، جس طرح یہ کہا جاتا ہے اس سمندر سے ایک دو یا تین مشکیزے لے لو۔ اگر ہم ان الفاظ کو بطور قید بھی تسلیم کرلیں تب بھی چار کا جواز ثابت ہوتا ہے اور اس سے زیادہ کے عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں۔ ہاں عدد کے ذکر سے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس سے زیادہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں مگر مفہوم کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں غور نہیں کرتے جَاعِلِ الْمَلٰٓىِٕكَةِ رُسُلًا اُولِیْۤ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں سے کوئی ایسا رسول نہیں بنایا جس کے چار سے زائد پر نہ ہوں۔ یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل امین کو دیکھا تو ان کے نو سو پر تھے اور نکاح میں اصل عمومی حلت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ان سے عموم ثابت ہوتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بات صحیح ہے کہ حضور ﷺ نے نو عورتوں سے شادی فرمائی۔ اصل حکم میں عدم تخصیص ہے۔ ہاں اگر کوئی تخصیص کی دلیل ہو تو معاملہ الگ ہے۔

ہمارے پیش نظر یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ قیس بن حارث کے حق میں نازل ہوئی۔ امام بغوی نے کہا روایت کی گئی ہے کہ قیس بن حارث کی آٹھ بیویاں تھیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار کو طلاق دے دو اور چار کو رد کے رکھو تو اس نے کہا میری وہ بیوی جس سے میری کوئی اولاد نہ تھی اسے کہتا جاتا تو آزاد ہے اور جس سے میری اولاد تھی اس سے کہتا تو میرے پاس ہی رہ(3) پس حضور ﷺ کی طرف سے آیت کی وضاحت ہو گئی اور آپ اللہ تعالیٰ کی مراد کو بہتر جاننے والے ہیں تو اس سے معلوم یہ ہوا کہ نکاح میں اصل حرمت اور تنگی ہے، جس طرح ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ میں بیان کیا ہے اور جو یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ عورتوں سے نکاح کے معاملہ میں اصل حلت ہے، یہ ممنوع ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان و احل لکم ما ورآء

1۔ تفسیر کشاف، جلد 1، صفحہ 468 2۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 102 (فراس) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 98 (التجاریہ)

ذلکم سے مراد مذکورہ عورتوں کے علاوہ عورتیں ہیں۔ یہ عام اور خاص ہونے کی بناء پر عدد پر دال نہیں بلکہ ان عورتوں میں ہر ایک عورت کی حلت پر دال ہے۔ اسی طرح رب العالمین کا یہ ارشاد اَلْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ کیونکہ جب جمع کا جمع کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو ہر ایک فرد کے ہر ایک فرد پر منقسم ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ آیت کریمہ نفس حلت کو بیان کرنے کے لئے نہیں بلکہ حلال عورتوں کی تعداد کو بیان کرنے کے لئے چلائی گئی کیونکہ نفس حلت تو اس آیت کے نزول سے پہلے بھی آیات و احادیث سے ثابت ہو چکی تھی۔ یہاں اس کا عدد کے ساتھ مقید کر کے ذکر حلت کو اسی عدد تک محدود کرنے کے لئے کیا گیا یا اس کی وضاحت کرنے کے لئے کہ عورتیں مطلقاً حلال نہیں بلکہ اس عدد میں حلال ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ یہ اسماء ما طاب سے حال بن رہے ہیں تو یہ عامل میں بھی قید ہوں گے جو فانکحوا ہے۔

نیز چار سے زیادہ عورتوں کی عدم حلت حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث سے بھی ثابت ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی مسلمان ہوئے تو دور جاہلیت کی دس بیویاں بھی مسلمان ہو گئیں تو نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا چار کو اپنے پاس رکھو اور باقی کو چھوڑ دو (1) اسے امام شافعی، امام احمد، امام ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

نوفل بن معاویہ کی حدیث بھی اس کی وضاحت کرتی ہے انہوں نے کہا میں مسلمان ہوا تو میری پانچ بیویاں تھیں۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا آپ نے فرمایا ایک کو طلاق دے دو۔ میں نے اسے طلاق دی جو سب سے زیادہ میرے پاس رہی، جو بانجھ تھی اور اس کی عمر ساٹھ سال تھی (2) اسے امام شافعی نے روایت کیا ہے۔ امام بغوی نے شرح السنہ میں روایت کیا ہے، چار عورتوں کی حلت پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ اجماع کے مقابلے میں بعض لوگوں کا قول باطل ہے۔ بدعتیوں میں سے کوئی بھی حلت کے عموم کی طرف نہیں گیا بلکہ خارجیوں نے اٹھارہ اور رافضیوں نے نو کی تعداد معین کی ہے۔

مسئلہ: جب کوئی آدمی مسلمان ہو جائے جبکہ اس سے قبل اس کی چار سے زیادہ بیویاں ہوں یا دو بہنیں ہوں یا ماں اور اس کی بیٹی ہو وہ عورتیں بھی اسی کے ساتھ مسلمان ہو جائیں یا وہ اہل کتاب میں سے ہوں تو امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام محمد کے نزدیک کہ چار سے زیادہ کی صورت میں چار کا انتخاب کر لے دو بہنوں یا اس جیسی صورت میں ایک کا انتخاب کرے۔

جبکہ امام ابو حنیفہ کا نقطہ نظر یہ ہے اگر ان سب عورتوں سے ایک ہی وقت میں عقد کیا تھا تو مرد اور عورتوں کے درمیان جدائی کر دی جائے گی (یعنی کسی کا نکاح بھی باقی نہیں رہے گا)۔ اگر نکاح ایک ہی وقت میں نہیں ہوا تو جن کا نکاح حلال تھا اور پہلے ہوا وہ جائز ہو گا اور جن کا نکاح بعد میں ہوا اور اس کی وجہ سے جمع کی صورت بنی یا چار سے زیادہ کی صورت بنی تو اس کا نکاح باطل ہو گا مگر اس صورت میں دونوں عورتیں اس سے جدا ہو جائیں گی جب وہ ماں بیٹی ہوں اور اس نے ان کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے ہوں۔

جو احادیث ہم نے اوپر ذکر کی ہیں اور ضحاک بن فیروز دیلمی کی حدیث جو اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں مسلمان ہوا ہوں اور میرے عقد میں دو بہنیں ہیں۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جسے پسند کرتا ہے اپنے پاس رکھ لے (3) اسے امام ترمذی، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے جو جمہور کی امام ابو حنیفہ کے خلاف دلیل ہیں۔

1۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 141 (وزارت تعلیم) 2۔ مصابیح السنہ، جلد 2، صفحہ 55، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
3۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 141 (وزارت تعلیم)

مسئلہ:۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک غلام کے لئے دو سے زیادہ عورتوں کے ساتھ عقد نکاح کرنا جائز نہیں جبکہ امام مالکؒ، داؤد اور ربیعہ کا یہ کہنا ہے کہ وہ چار سے شادی کر سکتا ہے کیونکہ آزاد اور غلام دونوں اس آیت کے ضمن میں داخل ہیں۔(1)

ہم یہ کہتے ہیں اس آیت کے مخاطب آزاد ہیں، غلام نہیں۔ اس کی دلیل آیت کا آخری حصہ ہے فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کیونکہ غلام کے لئے ملکیت کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ ابن جوزی نے تحقیق میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غلام دو عورتوں سے شادی کرے گا، دو طلاقیں دے گا اور لونڈی دو حیض عدت گزارے گی۔ امام بغوی نے معالم میں اسی طرح روایت کیا ہے۔ ساتھ ہی ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے اگر اسے حیض نہیں آتا تو دو ماہ عدت گزارے گی یا ایک ماہ اور پندرہ دن عدت گزارے گی۔ ابن جوزی نے کہا حاکم نے کہا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کا اجماع ہے کہ غلام دو سے زیادہ عورتوں کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا(2) اسے ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

ﻩ اے وہ لوگو جو نکاح کا ارادہ کرتے ہو اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم متعدد بیویوں میں عدل نہ کر سکو گے تو صرف ایک عورت کے ساتھ نکاح کرو اور زیادہ کو چھوڑ دو۔ ابو جعفر نے واحدۃٌ (مرفوع) پڑھا ہے کہ یہ فعل محذوف کا فاعل ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہو گی فَتَكْفِيْكُمْ وَاحِدَةٌ یا فَالْمُقْنِعُ وَاحِدَةٌ

ﻩ لونڈیاں کیونکہ ان کے وہ حقوق نہیں ہوتے جو بیویوں کے ہوتے ہیں اس کی باری نہیں ہوتی اور ان کی تعداد بھی معین نہیں ہوتی۔

مسئلہ:۔ ظلم سے خوف کی صورت میں ایک آزاد عورت یا باندی کے ساتھ نکاح پر اکتفاء کرنے کی شرط اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بیویوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان میں عدل کرنے پر قادر ہونے کی صورت میں ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا افضل ہے۔ جب شہوت کا غلبہ ہو تو بالا جماع نکاح فرض عین ہے بشرطیکہ نان ونفقہ دینے پر قادر ہو اور شہوت کا غلبہ نہ ہونے کی صورت میں مسنون اور مستحب ہے جبکہ اسے فتنہ اور حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کا خوف نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے جوانو! جو تم میں سے نکاح کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرے اور جو نکاح کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کی شہوت کو توڑنے کا باعث ہے (خصی کرنے والا ہے)(3) متفق علیہ

صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں(4) حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نکاح کا حکم دیتے تھے اور ترک نکاح کی سخت ممانعت کرتے تھے، ارشاد فرماتے جننے والی اور محبت کرنے والی عورتوں سے شادی کرو کیونکہ میں قیامت کے روز تم میں سے متقیوں کی کثرت کی وجہ سے فخر کروں گا۔ اسے امام احمد نے روایت کیا۔ حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عکاف بن خالد سے فرمایا کیا تیری بیوی ہے؟ اس نے عرض کی نہیں۔ فرمایا لونڈی؟ اس نے عرض کی وہ بھی نہیں۔ فرمایا تم خوشحال ہو؟ عرض کی خوشحال ہوں۔ فرمایا پھر تو شیطان کے بھائی ہو، ہمارا طریقہ تو نکاح کرنا ہے۔ تم میں سے سب سے برے نکاح نہ کرنے والے ہیں۔ ذلیل ترین موت مرنے والے نکاح نہ کرنے والے اور وہ شیطان کے باپ ہیں۔ داؤد نے کہا جو آدمی وطی اور نفقہ دینے پر قادر ہو اس پر

1۔ سنن ابی داؤد، جلد، صفحہ 289 (وزارت تعلیم) 2۔ سنن بیہقی، جلد 7، صفحہ 149 (الفکر)
3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 448-449 (قدیمی) 4۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 757 (وزارت تعلیم)

نکاح کرنا فرض عین ہے۔ وہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

ہے ایک عورت سے نکاح کرنا اور باندیوں پر اکتفاء کرنا ایک طرف جھک نہ جانے کے زیادہ قریب ہے عرب کہتے ہیں۔ عَالَ الْمِیْزَابُ پرنالہ ایک طرف جھک گیا، عَالَ الْحَاکِمُ اس وقت بولتے ہیں جب وہ ظلم کرے۔ عول الفریضہ سے مراد معین حصوں سے بڑھ جانا۔ مجاہد نے کہا الا تعولوا کا معنی ہے کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ(1) فراء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو تم پر فرض کیا ہے اس سے تجاوز نہ کر جاؤ، عول کا اصل معنی حد سے تجاوز کرنا ہے اسی سے ایک اصطلاح عول الفرائض استعمال ہوتی ہے۔

امام شافعی نے کہا تم زیادہ عیال دار نہ ہو جاؤ۔ امام بغوی نے کہا کہ امام شافعی نے جو معنی کیا ہے کسی اور عالم نے یہ تعبیر نہیں کی کیونکہ کثرت عیال کے لئے باب افعال استعمال ہوتا ہے(2) ابو حاتم نے کہا امام شافعی ہم سے زیادہ عربی لغت سے واقف تھے۔ شاید یہ ایک لغت میں مجرد بھی اس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ حمیر کی لغت ہے۔

امام بیضاوی فرماتے ہیں یہ عال الرجل عیالہ سے مشتق ہے یعنی اس نے بیوی بچوں کا بار اٹھایا یہاں کثرت عیال کو کنایہ کے طریقہ پر کثرت مؤنث سے تعبیر کیا۔ طلحہ بن مصرف نے کہا اس کا معنی الا تعیلوا ہے۔ پس امام شافعی کا ترجمہ درست ہو گیا۔ شاید عیال سے مراد ازواج (بیویاں) ہوں۔ اگر عیال سے مراد اولاد ہو تو بھی ٹھیک ہے کیونکہ باندیوں میں عزل کی اجازت کی وجہ سے بیوی کی نسبت اولاد کا امکان کم ہوتا ہے، جس طرح چار عورتوں کی نسبت ایک عورت سے شادی ہونے کی صورت میں اولاد کا امکان کم ہوتا ہے۔

وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــٴًـا مَّرِیْٓــٴًـا ۝

"اور دیا کرو اپنی عورتوں کو ان کے مہر[1] خوشی خوشی[2] پھر اگر وہ بخش دیں تمہیں کچھ اس سے[3] خوشدلی سے[4] تو کھاؤ اسے لذت حاصل کرتے ہوئے خوشگوار سمجھتے ہوئے۔"[5]

1۔ صدقات سے مراد مہر ہے۔ مہر کو صداق اور صدقہ کا نام دیا۔ کلبی اور ایک جماعت نے کہا یہ اولیاء کو خطاب ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابو صالح سے روایت نقل کی ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی بچی کا نکاح کرتا تو اس کا مہر خود وصول کرتا، بچی کو مہر نہ دیا جاتا۔ نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے سے منع کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی(3) اسی طرح امام بغوی نے کہا کہ عورت کا ولی جب اس کی شادی کرتا، اگر وہ عورت قبیلہ میں ہی رہتی تو اس کے مہر میں سے کچھ بھی نہ دیا جاتا، اگر اس کا خاوند اجنبی ہوتا تو ایک اونٹ پر اسے سوار کر کے خاوند کے پاس بھیج دیا جاتا اور اس کے مہر میں سے اسے کوئی چیز نہ دیتے۔(4)

حضرمی کا قول ہے کہ عورتوں کے اولیاء یہ کہتے میں اسے اپنی بہن اس شرط پر دیتا ہوں کہ دوسرا بھی اسے اپنی بہن عقد میں دے گا تو دونوں کا مہر نہیں ہو گا تو اولیاء کو ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا اور عقد میں دونوں عورتوں کا مہر معین کرنے کا حکم دیا گیا، اس نکاح کو شغار کہتے۔

مسئلہ:۔ نکاح شغار امام مالک اور امام احمد کے نزدیک باطل ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بھی یہی حکم ہے، بشرطیکہ انہوں نے عقد کرتے وقت یہ کہا ہو کہ ان میں سے ہر ایک کا بضعہ دوسری کا مہر ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں بلکہ یہ کہیں میں نے اپنی بیٹی کی شادی تجھ سے اس شرط پر کی کہ تو اپنی بیٹی کی شادی بغیر مہر کے میرے ساتھ کرے گا تو اس نے کہا میں نے بیٹی کا نکاح تجھ سے کر دیا تو امام شافعی

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 398 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، صفحہ 399 4۔ ایضاً

کے نزدیک یہ نکاح صحیح ہوگا۔ دونوں پر مہر لازم ہوگا جبکہ امام مالک اور امام احمد کا اس میں اختلاف ہے۔ یہ اختلاف شغار کی تعبیر کے اختلاف پر مبنی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ دونوں عقد جائز ہیں اور دونوں صورتوں میں مہر مثل لازم آئے گا۔

اگر ایک نے یہ کہا میں تجھ سے اپنی بیٹی کی شادی اس شرط پر کرتا ہوں کہ تو اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کرے گا اور مہر کا ذکر نہ کیا تو ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ نکاح بالاتفاق جائز ہے، یہ نکاح شغار نہیں ہوگا۔

اگر پہلے نے اپنے قول میں یہ اضافہ کیا کہ میری بیٹی کا بضعہ تیری بیٹی کا مہر ہوگا دوسرے نے قبول نہ کیا بلکہ اپنی بچی کا نکاح کر دیا اور اس کا مہر معین نہ کیا تو دوسرا نکاح بالاتفاق صحیح ہوگا اور پہلا امام ابوحنیفہ کے نزدیک صحیح ہوگا لیکن دوسرے ائمہ کے نزدیک صحیح نہ ہوگا۔

علماء ثلاثہ نے نکاح شغار کے بطلان پر حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نکاح شغار سے منع فرمایا۔ نکاح شغار یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ دوسرا اپنی بچی کی شادی اس سے کر دے گا جبکہ دونوں کا مہر نہیں ہوگا(1) متفق علیہ اسے سنن اربعہ کے اصحاب نے بھی نقل کیا ہے۔ امام مسلم کے ہاں ایک روایت ہے کہ اسلام میں شغار نہیں اس حدیث سے استدلال کی صورت یہ ہوگی کہ نفی اس کے حکم شرعی ہونے کو ختم کر رہی ہے اور پہلی احادیث میں نہی ہے اور نہی منہی عنہ کے فساد کا تقاضا کرتی ہے اور فاسد نکاح بالاتفاق ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا۔

اس کی عقلی توجیہ یہ ہے کہ نکاح شغار کی صورت میں ہر بضعہ مہر بھی ہوتا ہے اور اسی پر عقد نکاح بھی واقع ہوتا ہے۔ پس یہ بدل بھی ہوا اور مبدل بھی ہوا جو باطل ہے۔

احناف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ نہی اور نفی کا متعلق شغار کا مسمی ہے اور اس کے مفہوم سے جو چیز ماخوذ ہے وہ یہ ہے کہ اس کا مہر سے خالی ہونا اور بضعہ کا مہر بننا ہے، جبکہ ہم اس کی نفی کے قائل ہیں، یعنی ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ چیز مہر بن جائے گی، بلکہ ہم اسے باطل قرار دیتے ہیں۔ تاہم نکاح اس طرح ہو جائے گا کہ اس میں ایسی چیز کو مہر ذکر کیا گیا جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ پس یہ ایسا عقد نکاح ہوگا جو مہر مثل کو ثابت کرے گا جس طرح وہ نکاح ہوتا ہے جس میں خمر اور خنزیر کو بطور مہر معین کیا جاتا ہے۔ جو چیز یہاں نہی کا متعلق ہے اسے ثابت نہیں کرتے اور جسے ہم ثابت کرتے ہیں نہی اس سے متعلق نہیں ہوتی بلکہ دوسری عام آیات اس کی صحت پر دلالت کرتی ہیں۔ ہم نے اس کے مہر ہونے کو باطل قرار دے دیا اور ان میں سے ہر ایک منکوحہ ہوگی۔

ایک جماعت نے کہا یہاں خطاب مردوں کو ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو مہر ادا کریں۔(2)

نِحْلَةً ابوعبیدہ نے کہا اس کا معنی ہے خوشدلی سے یہ اٰتُوا فعل سے مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یا اٰتُوا فعل کے فاعل سے حال ہے یا صدقات سے حال ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو مال دیا ہے اس میں سے دو، نہ کہ کسی اور کے مال میں سے یا ایسے مال میں سے جس میں شبہ ہو۔

ابوعبیدہ نے کہا نحلہ وہ مال ہوتا ہے جو معین اور معلوم ہو(3) ایک قوم نے کہا نحلۃ کا معنی عطیہ اور ہبہ ہے، یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عطیہ اور فضل و احسان ہے۔ یہ صدقات سے حال ہونے کی حیثیت میں منصوب ہے۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 454 (قدیمی) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 399 (التجاریہ) 3۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 399 (التجاریہ)

جب یہ مہر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عورتوں کے لئے عطیہ ہے تو خاوندوں پر عورتوں کے لئے فرض ہو گیا۔ اسی چیز کو دیکھتے ہوئے قتادہ نے نحلۃ کا معنی فریضہ کیا ہے۔ ابن جریج نے کہا اس کا معنی معین فریضہ ہے۔ زجاج نے کہا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کیا ہوا۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے انتحل فلان کذا۔ اس صورت میں نحلۃ ماقبل فعل کا مفعول لہ ہوگا یا یہ صدقات سے حال ہوگا، یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری کیا ہوا قانون ہے۔ اس لئے تم اس کی پیروی کرو۔

۳ یعنی اگر وہ عورتیں خوشی سے تمہیں کچھ دیں۔ جب اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ کا معنی یہ تھا کہ تم ان میں سے ہر ایک کو اس کا مہر دو تو مِنْهُ میں ضمیر مفرد ذکر کی جو صداق کی طرف لوٹ رہی ہے جو کلام کے مفہوم سے سمجھا جا رہا ہے، یعنی ان عورتوں میں سے ہر ایک مہر میں سے جو خوشدلی سے دے آپ کے لئے۔ یہ بھی جائز ہے کہ تم مِنْهُ کی ضمیر کو اس صداق کی طرف لوٹائیں جو جمع کے ضمن میں مذکورہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں ضمیر ایتاء کے لئے ہے۔

۴ نفسًا طبن کے اسناد سے تمیز ہے، یعنی اگر وہ خوشی کے ساتھ تمہیں مہر میں سے کوئی چیز دیں۔ یہاں مبالغہ کے لئے طیب نفس کو فعل کی بنیاد بنایا ہے، پھر فعل کو نفسًا سے اصحاب نفوس کی طرف پھیرا ہے اور عن حرف جار صلہ ذکر کیا ہے کیونکہ یہ تجافی اور تجاوز کا معنی اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ من بعضیہ ذکر کرنے میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ جو چیز تمہیں ہبہ کی گئی ہے اسی پر اکتفاء کرو، اگرچہ وہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو تمام کی یا زیادہ کی طمع کرنا چھوڑ دو۔

۵ جو چیز تمہیں ہبہ کی گئی اسے لے لو۔ یعنی حلال بلا اعتراض هَنِيْٓـًٔا پاکیزہ خوشگوار جو گلے میں نہ اٹکے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جس سے انسان لذت حاصل کرے۔ مَرِيْٓـًٔا کا معنی جو انجام کے اعتبار سے اچھا ہو، مکمل ہضم ہو جاتا ہو، جو تکلیف نہ دیتا ہو۔ یہ دونوں صفت مشبہ کے صیغے ہیں، ھنی یھنی اور مری یمری سے مشتق ہیں۔ یہ مصدر کی جگہ رکھے گئے ہیں۔ یا یہ مصدر محذوف کی صفت ہیں یا یہ ضمیر سے حال ہیں۔ ابو جعفر نے انہیں ھنیا مریا بغیر ہمزہ کے مشدد پڑھا ہے۔ اسی طرح بری بریون اور خطیّۃ جبکہ باقی قراء نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَ اكْسُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۝

"اور نہ دے دو نادانوں کو [1] اپنے مال جنہیں بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہاری (زندگی کے) لئے سہارا [2] اور کھلاؤ انہیں اس مال سے [3] اور پہناؤ انہیں اور کہو ان سے بھلائی کی بات۔" [4]

۱ سفہاء سے مراد عورتیں اور بچے ہیں، انہیں سفہاء اس لئے کہا کیونکہ یہ جلد باز اور ناسمجھ ہوتے ہیں۔ ضحاک، مجاہد، زہری، کلبی اور دوسرے علماء نے بھی یہی کہا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے یہ زیادہ موافق ہے۔

۲ جس کے ساتھ تم گزر اوقات کرتے ہو۔ ضحاک نے کہا اسی کے ساتھ حج، جہاد اور نیکی کے کام کئے جاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ لوگ جہنم سے چھٹکارا حاصل کرتے ہیں(1) حضرت ابن عباس نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو مال تمہیں عطا فرمایا اور زندگی گزارنے کا سہارا بنایا وہ اپنی عورتوں اور بچوں کے حوالے نہ کرو کہ وہ تمہارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ پھر تو ان کے ہاتھوں کی طرف دیکھتا ہے بلکہ اس کو اپنے

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 400 (التجاریہ)

پاس رکھ اس کو بڑھانے کی کوشش کرتا رہ خود ان کی ضروریات اور ان کی تربیت پر خرچ کر(1) جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

[3] یہاں فی من کے معنی میں ہے۔

[4] نرم گفتگو کرو جس سے ان کے نفوس خوش رہیں۔ حضرت سعید بن جبیر اور عکرمہ نے کہا یہ آیت اس یتیم کے بارے میں ہے جو تیری پرورش میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے مال اسے نہ دو بلکہ اس پر خرچ کرو۔ یہاں اموال کی نسبت اولیاء کی طرف کی کیونکہ وہی اس کے نگہبان اور تدبیر کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ تاویل پہلی آیات اور بعد والی آیات کے مناسب ہے کیونکہ پہلی اور بعد والی تمام آیات کے مخاطب اولیاء ہی ہیں۔ آیت میں فیھا فرمایا تمامنھا نہیں فرمایا تا کہ اس بات پر دلالت ہو کہ تم ان کے اموال کو ان کے رزق کی جگہ بنا دو وہ اس طرح کہ تم اس میں تجارت کرو اس میں نفع حاصل کرو، تا کہ ان کے اخراجات نفع میں سے ہوں نہ کہ اصل مال سے کہ کہیں ایسا ہی نہ ہو کہ اخراجات اصل مال ہی کھا جائیں۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۗ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶

"اور آزماتے رہو یتیموں کو[1] یہاں تک کہ وہ پہنچ جائیں نکاح (کی عمر) [2] کو پس اگر محسوس کرو تم ان میں دانائی [3] تو لوٹا دو انہیں ان کے مال [4] اور نہ کھاؤ انہیں فضول خرچی سے اور جلدی جلدی [5] اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے [6] اور جو سرپرست غنی ہو تو اسے چاہئے کہ (یتیموں کے مال سے) پرہیز کرے [7] اور جو سرپرست فقیر ہو تو وہ کھالے مناسب مقدار سے [8] پھر جب لوٹاؤ تم ان کی طرف ان کے مال تو گواہ بنالو ان پر [9] اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا۔" [10]

[1] ان کے بالغ ہونے سے پہلے ان کی عقلوں کو آزماؤ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم انہیں تھوڑا سا مال دو تا کہ وہ خرچ کریں اور اس کی صورت حال واضح ہو اگر وہ سمجھدار ہو چکا ہوگا تو پہلی دفعہ ہی اس کا دانا ہونا ظاہر ہو جائے گا۔ اس آیت میں اس بات پر دلیل موجود ہے کہ عقلمند نابالغ کو تجارت کی اجازت دینا جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ امام شافعی کا قول یہ ہے چھوٹے بچے کو تجارت کا اذن دینا جائز نہیں۔ ابتلاء سے مراد یہ ہے کہ عقد کے مقدمات اس کے ذمہ لئے جائیں، تاہم پہلا معنی زیادہ واضح ہے۔

[2] یعنی نکاح اور عمل تو الد کے قابل ہو جائے لڑکے میں اس کی علامات یہ ہیں کہ احتلام، وطی کے ساتھ حمل کا ٹھہرنا وطی کے ساتھ مادہ منویہ کا خارج ہونا۔ بچی میں بھی یہ علامات ہوتی ہیں حیض، بدخوابی اور حمل کا ٹھہرنا۔ اگر ان علامات میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو دونوں کی عمر جب پندرہ سال ہو جائے۔ یہ امام مالک، امام احمد، امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد کا نقطہ نظر ہے۔ ایک روایت امام ابو حنیفہ سے بھی یہی مروی ہے۔

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 399 (التجاریہ)

امام ابوحنیفہ کا مشہور قول یہ ہے کہ جب یہ علامات ظاہر نہ ہوں تو لڑکی سترہ سال اور لڑکا اٹھارہ یا انیس سال کا ہو جائے تو وہ بالغ ہو جاتا ہے۔
جمہور علماء نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بچے کی عمر پندرہ سال کی ہو جائے تو وہ مکلف بن جاتا ہے، اس کی نیکیاں اور برائیاں لکھی جاتی ہیں، اس پر حد تو قائم کی جائے گی۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے خلافیات میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیحین میں مروی ہے کہ انہیں غزوہ احد کے روز رسول اللہ ﷺ پر پیش کیا گیا جبکہ ان کی عمر چودہ سال تھی۔ آپ نے اجازت نہ دی پھر آپ کو غزوہ خندق کے روز پیش کیا گیا تو عمر پندرہ سال سے بڑھ کر تھی تو حضور ﷺ نے غزوہ میں شرکت کی اجازت دے دی(1) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زیر ناف بالوں کا اگنا بھی بالغ ہونے کی علامت ہے۔

امام شافعی نے کہا یہ مشرکوں میں علامت ہے۔ مسلمانوں کے بارے میں آپ سے دو قول مروی ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس باب میں دلیل عطیہ قرظی کی حدیث ہے۔ انہوں نے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ پر یوم قریظہ کو پیش کیا گیا صحابہ کرام نے میرے بارے میں شک کیا تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس کے تحتی بال دیکھے جائیں کہ کیا اگے ہیں یا نہیں صحابہ نے دیکھا انہوں نے بال اگے ہوئے نہ پائے۔ مجھے چھوڑ دیا گیا اور مجھے قیدیوں کے ساتھ شامل کر دیا گیا۔ اسے اصحاب سنن نے روایت کیا ہے کہ امام ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

ے اگر تم دیکھو بالغ ہونے کے بعد تصرفات میں دانشمندی اور معاملات میں درستگی دیکھو۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد نے یہی کہا۔ امام شافعی نے کہا دین میں درستگی، مال کی حفاظت اور مناسب چیز کا علم دیکھو۔

امام بیہقی نے علی بن طلحہ سے وہ ابن عباس سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں قولہ تعالیٰ انستم منهم رشدا یعنی بالغ ہونے کے بعد تم ان کے دینی معاملات میں بہتری اور اموال کی حفاظت کو دیکھو۔ امام ثوری اپنی جامع میں منصور سے وہ مجاہد سے یوں ہی نقل کرتے ہیں۔ امام بیہقی یزید بن ہارون سے، وہ ہشام بن حسان سے اور وہ حسن سے نقل کرتے ہیں۔ فاسق امام شافعی کے نزدیک رشید نہیں جبکہ دوسرے لوگوں کے نزدیک رشید ہے۔

ے بالغ ہونے کے بعد بغیر تاخیر کے انہیں مال دے دو۔ یہ جزاء ہے کیونکہ اذا بلغوا میں شرط کا معنی موجود تھا جو حقیقت میں فادفعوا کی طرف ہے۔ حتیٰ ابتداء کے لئے ہے، اس کا ما قبل ما بعد کا سبب ہے۔ حتیٰ کو حرف جار بنا کر ما قبل جملہ کے متعلق کرنا صحیح نہیں کیونکہ اذا جو فی کا معنی دے اس پر حتیٰ کو داخل کرنا صحیح نہیں۔ معنی یہ ہوگا یتیموں کو آزماؤ جب آزما چکو تم انہیں ان کے مال دے دو جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں اور تم ان سے دانشمندی جان لو پس آزمائش کرنا مال دینے کے لئے سبب ہے اور مال دینا دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے (1) بالغ ہونا اور دانشمندی سے آگاہی ہونا۔ اسی وجہ سے امام شافعی، امام مالک، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ نے کہا جب تک ان سے دانشمندی ظاہر نہ ہوگی کبھی بھی انہیں مال نہ دیا جائے گا۔ جبکہ امام ابوحنیفہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جب اس کی عمر پچیس 25 سال ہو جائے تو اس کا مال اسے دے دیا جائے گا کیونکہ مال نہ دینے کی وجہ بلوغت کا آغاز تھا جبکہ اب وقت کافی گذر چکا ہے تو مانع باقی نہ رہا۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں اگر کوئی لڑکا دانشمند بالغ ہو پھر بے وقوف بن جائے تو اس کا مال نہیں روکا جائے گا کیونکہ اس پر

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 366 (وزارت تعلیم)

بچپنے کا کوئی اثر نہیں۔

امام ابوحنیفہ نے رشد فرمایا آیت میں اشد کی تنکیر تقلیل کا فائدہ دیتی ہے، یعنی کچھ دانشمندی ظاہر ہو جائے، اس کی مکمل دانشمندی کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ جب اس کی عمر 25 سال ہو جائے تو اس عمر میں کچھ نہ کچھ رشد ضرور حاصل ہو جاتا ہے۔ اب اگر اس کا مال اس لئے روکا جائے کہ اس کو ادب سکھایا جائے جبکہ اس عمر کے بعد ادب سکھانے کی کوئی صورت نہیں۔ اس وجہ سے مال روکے رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ پس مال دینا لازم ہے۔

مسئلہ:۔ وہ سفیہ جسے مال نہیں دیا جاتا اس کا اپنے مال میں تصرف قولی نافذ نہیں ہوتا، خواہ بیع ہو غلام کرنا ہو یا کوئی اور تصرف۔ یہ امام شافعی کا نقطہ نظر ہے۔ امام محمد کا نقطہ نظر یہ ہے جو عقد فسخ کا احتمال نہ رکھتا ہو۔ اس میں اس کا تصرف مالی نافذ ہو جاتا ہے، جس طرح آزاد کرنا اور جو فسخ کا احتمال رکھتا ہو اس میں تصرف نافذ نہیں ہوتا جیسے بیع وشراء ان میں جب تک ولی اجازت نہ دے نافذ نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف اور اکثر علماء کے نزدیک اس کا اپنے مال میں تصرف نافذ ہوگا جب تک قاضی اسے مجور قرار نہ دے۔ قاضی کے لئے اس پر حجر کرنا جائز ہوگا۔ جب قاضی حجر کر دے تو اس کی بیع نافذ نہیں ہوگی۔ اسی طرح اس کا وہ تصرف جن میں ہنسی مذاق موثر ہوتا ہے۔ اگر اس نے غلام کو آزاد کیا تو غلام آزاد ہو جائے گا اور غلام پر ضروری ہوگا کہ وہ اپنی قیمت کما کر دے۔ یہ صاحبین کے نزدیک ہے۔ امام محمد سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ قیمت کما کر دینا غلام پر لازم نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قاضی کے لئے یہ جائز نہیں کہ عاقل بالغ پر بے وقوفی، قرضہ اور فسق کی وجہ سے حجر کرے کیونکہ اس میں اس کو آدمیت کے مرتبہ سے گرانا ہے اور چوپاؤں کے ساتھ اسے شامل کرنا ہے۔ یہ فضول خرچی سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ اس لئے چھوٹی تکلیف دور کرنے کیلئے بڑی تکلیف اٹھانے کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد اور دوسرے علماء کی اس آیت میں دلیل یہ ہے کہ یہ آیت بے وقوف کو مال دینے سے مانع ہے جبکہ یہ بغیر حجر کے کوئی فائدہ مند نہیں کیونکہ وہ اپنی زبان سے نقصان کر دے گا جو اس کے ہاتھ سے محفوظ بنانے کی کوشش کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ کا فرمان یہ ہے مال نہ دینا فائدہ مند ہے کیونکہ عموماً بے وقوفی کا اظہار ہبہ کرنے اور صدقہ کرنے میں ہوتا ہے۔ یہ امور (قبضہ) پر موقوف ہیں کیونکہ ہبہ اس وقت مکمل نہیں ہوتا جب تک موہوبہ چیز پر قبضہ نہ کیا جائے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل حضرت انس کی حدیث ہے کہ ایک آدمی اپنے عقد میں کمزور تھا، وہ خرید و فروخت کرتا تو اس کے گھر والے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اسے عقد کرنے سے روک دیجئے۔ نبی کریم ﷺ نے اس آدمی کو بلایا اسے بیع کرنے سے منع کیا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں خرید و فروخت سے باز نہیں رہ سکتا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تو خرید و فروخت کرے تو کہنا کوئی دھوکہ نہیں ہونا چاہیے (یعنی مجھے خیار ہوگا)۔ اسے امام ترمذی اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ اس استدلال کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان پر حجر نہیں کیا اور نہ ہی نہی تحریم کی۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ وہ آدمی قصداً جلد باز نہیں تھا بلکہ عقل کی کمزوری کی وجہ سے بیع وشراء میں نقصان اٹھاتا تھا تو اس کے نقصان کا تدارک لا خلابہ (کوئی دھوکہ نہیں ہونا چاہئے) سے ممکن تھا جبکہ ہماری گفتگو سفیہ کے بارے میں ہے جو فضول خرچ بھی ہے اور اپنے اختیار سے مال ضائع کرتا ہے۔

امام بغوی نے کہا حجر کے جواز کی دلیل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا اتفاق ہے(1) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن حسن سے، انہوں نے امام ابو یوسف سے، انہوں نے ہشام بن عروہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن جعفر نے شور یدہ زمین ساٹھ ہزار درہم میں خریدی۔ حضرت علی شیر خدا نے فرمایا میں حضرت عثمان کے پاس جاتا ہوں اور تجھ پر حجر کراتا ہوں۔ عبداللہ بن جعفر حضرت زبیر کے پاس آئے۔ تمام صورتحال سے آگاہ کیا۔ حضرت زبیر نے کہا میں تیری اس بیع میں شریک کار ہوں۔ حضرت علی شیر خدا حضرت عثمان کے پاس آئے عبداللہ پر حجر لگا یئے۔ حضرت زبیر نے کہا میں اس بیع میں ان کا شریک کار ہوں۔ حضرت عثمان نے کہا میں کسی ایسے آدمی پر میں بیع کیسے حجر کر سکتا ہوں جس کے ساتھ حضرت زبیر شریک ہوں۔ ابوعبیدہ نے اپنی کتاب الاموال میں اپنی سند سے ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان نے حضرت علی سے فرمایا کیا تو اپنے بھتیجے (عبداللہ) کا ہاتھ نہیں پکڑے گا اور اس پر حجر نہیں کرے گا۔ اس نے ناکارہ زمین ساٹھ ہزار درہم میں خریدی ہے۔ مجھے تو یہ بھی پسند نہیں ہے کہ میں اسے اپنی اس جوتی کے بدل میں خریدوں پھر تمام قصہ ذکر کیا جس طرح پہلے گزرا ہے۔ امام بغوی نے کہا یہ مشورہ حجر کے جواز پر ان کی طرف سے اتفاق تھا لیکن حضرت زبیر نے حجر روکنے کے لئے یہ حیلہ کیا۔

مسئلہ:۔ جب چھوٹا بچہ دانشمند حالت میں بالغ ہو جائے پھر وہ جلد باز فضول خرچ ہو جائے تو ان علماء کے نزدیک اس کو بیع و شراء سے روک دینا جائز ہے جو جلد بازی کی حالت میں بالغ ہونے کی صورت میں بیع و شراء سے روک دینا جائز سمجھتے ہیں، جس طرح ابن جعفر کا قصہ اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ مدیون پر حجر کے جواز کی دلیل کعب بن مالک کی حدیث ہے جو وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ پر قرض کی وجہ سے حجر کیا تھا اور ان کا مال قرض میں بیع دیا تھا۔ اسے دار قطنی، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

ابوداؤد نے مراسیل عبدالرزاق کی مرسل روایت نقل کی ہے۔ اسی طرح سعید نے اپنی سنن میں اور ابن جوزی نے ابن مبارک کی حدیث جو وہ معمر سے معمر زہری سے وہ عبدالرحمن بن کعب بن مالک سے مرسل روایت نقل کرتے ہیں، کہا معاذ بن جبل نوجوان سخی تھے وہ اپنے پاس کوئی بھی چیز نہ روکتے، وہ لگا تار ادھار کرتے رہے یہاں تک کہ ان کا تمام مال ادھار کی نذر ہو گیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تا کہ آپ سے عرض کریں کہ آپ قرض خواہوں سے ارشاد فرمائیں۔ اگر وہ کسی کو چھوڑتے تو حضور ﷺ کی وجہ سے حضرت معاذ کو چھوڑتے حضور ﷺ نے قرض کے عوض میں ان کا سارا مال بیع دیا اور حضرت معاذ کے پاس کچھ بھی نہ بچا۔ عبد الحق نے کہا مرسل متصل سے زیادہ صحیح ہے۔

ابن اصلاح نے احکام میں کہا یہ حدیث ثابت ہے۔ یہ ہجرت کے نویں سال واقع ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے قرض خواہوں کے مطالبہ کا 5/7 حصہ ادا کیا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ باقی ماندہ بھی ہمارے لئے بیع دیجیے۔ آپ نے فرمایا اب تمہارا اس پر کوئی حق نہیں۔

امام ابو حنیفہ نے کہا کہ مقروض پر قاضی حجر کر سکتا ہے نہ ہی اس کا مال زبردستی بیع سکتا ہے کیونکہ یہ بھی حجر کی ایک صورت ہوتی ہے۔ ساتھ ہی یہ ایسی تجارت ہوگی جو باہمی رضامندی سے نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے الا ان تکون تجارۃ عن تراض لیکن اس کو قید

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 402 (التجاریہ)

کرسکتا ہے تا کہ وہ قرض خواہوں کے حقوق کی ادائیگی میں اپنا مال بیچے تا کہ اس کا ظلم ختم ہو۔

حضرت معاذ کے قصہ کا جواب یہ ہے ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ حضور ﷺ نے مال بیچا ہو اور حضرت معاذ اس سے راضی نہ ہوں، یہ محال ہے کہ حضرت معاذ حضور ﷺ کے عمل پر راضی نہ ہوں، حضور ﷺ نے ان کا مال ان کی اجازت سے بیچا۔ پس یہ وکیل کی بیع تھی یا فضولی کی بیع تھی جس کو بعد میں جائز قرار دیا گیا اور راوی کا قول حجر علی معاذ مالہ اباعہ یہ گمان ہے کہ حضور ﷺ کی بیع کو حجر قرار دیا، یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ امام بیہقی نے واقدی کے واسطہ سے اس حدیث کا ذکر کیا اور یہ اضافہ کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے بعد انہیں یمن بھیجا تا کہ اسکا نقصان پورا ہو جائے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب حج کیا تو حضرت معاذ کو یمن بھیجا یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے مال میں تجارت کی۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ پر حجر نہیں کیا۔

مسئلہ:۔ جب کوئی مفلس قرار دے دیا جائے اس کا مال قرض خواہوں میں تقسیم کر دیا جائے کچھ قرض باقی بھی رہ جائے وہ ایک ایسا پیشہ جانتا ہو جس کی اجرت ضروریات سے بچ جاتی ہو۔ امام احمد نے کہا حاکم اسے قرض کی ادائیگی کے لئے مزدوری کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اجازت دے گا۔ یہ دوسرے ائمہ کا قول بھی ہے۔ امام احمد نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے دار قطنی نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ میں نے ایک بوڑھے کو اسکندریہ میں دیکھا جسے سرق کہتے میں نے پوچھا یہ کیسا نام ہے؟ اس نے بتایا یہ وہ نام ہے جو رسول اللہ ﷺ نے میرا رکھا میں اسے کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے پوچھا تیرا یہ نام رسول اللہ ﷺ نے کیوں رکھا؟ اس نے بتایا میں مدینہ طیبہ آیا، میں نے لوگوں کو بتایا میرا مال آنے والا ہے۔ لوگوں نے آنے والے مال کو مجھ سے خرید لیا۔ اتفاق سے تمام مال ہلاک ہو گیا۔ لوگ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو سرق (چور) ہے۔ حضور ﷺ نے مجھے چار اونٹوں کے عوض بیچ دیا۔ جس نے مجھے خریدا اس سے دوسرے قرض خواہوں نے پوچھا تو اس کا کیا کرے گا۔ اس نے جواب دیا میں اسے آزاد کر دوں گا۔ انہوں نے کہا ہم تجھ سے اجر کے کم خواستگار نہیں۔ انہوں نے مجھے آزاد کر دیا۔ پس میرا نام باقی رہ گیا۔ ابن جوزی نے کہا وہ صحابی یہ جانتا تھا کہ میں اسے بیچ تو نہیں سکتا کیونکہ یہ آزاد ہے۔ وہ صرف اس کی خدمات بیچ سکتا تھا (مزدوری کرا سکتا تھا)۔ معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے خدمت لینے سے آزاد کر دیا۔

میں کہتا ہوں اس حدیث کو اجارہ پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ یہ مجہول عمل پر اجارہ ہے۔ یہ حدیث بالا جماع متروک ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو لوگوں میں تصرف کرنے کا اختیار تھا جبکہ کسی اور کو ایسا تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔

امام مسلم نے ابو سعید سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک آدمی کو پھلوں کی خریداری میں نقصان ہو گیا۔ اس کا قرض بہت زیادہ ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس پر صدقہ کرو لیکن وہ اس کے قرضہ تک نہ ہی پہنچا۔ آپ نے قرض خواہوں سے فرمایا یہ لے لو اس کے بعد تمہارا اس پر کوئی حق نہیں (1) یہ حدیث اس بات میں صریح ہے کہ مدیون کے لئے پورا قرض ادا کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں واللہ اعلم۔

ؔ اے رشتہ دارو تم یتیم کا مال نہ کھاؤ فضول خرچی اور جلدی جلدی۔ قاموس میں ہے سرف اعتدال کی ضد ہے۔ صحاح میں ہے سرف ہر فعل میں حد سے تجاوز کرنا جو انسان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اور فرمایا يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 16 (قدیمی)

لیکن مال خرچ کرنے میں اس لفظ کا استعمال زیادہ مشہور ہے۔ اسی لئے سفیان ثوری نے کہا جو تو نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر خرچ کیا وہ فضول خرچی ہے (بعض اوقات اس لفظ کا استعمال کثرت کے معنی میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا؟ بعض اوقات یہ کیفیت میں استعمال ہوتا ہے۔ خواہ وہ مال تھوڑا ہی ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ۔ میں کہتا ہوں یتیم کا مال خواہ تھوڑا ہی کھایا جائے اسراف ہوگا۔ اگر ولی خود خوشحال ہو مگر جب وہ فقیر ہو تو ضرورت سے زیادہ لینا اسراف ہوگا۔

وہ تم سے اپنا مال لیں اسراف اور بدار یہ دونوں مصدر ہیں اور حال کی جگہ واقع ہیں۔ ان یکبروا مصدر کے حکم میں ہے اور بدار کی وجہ سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی لَا تَاْكُلُوْا مُسْرِفِیْنَ وَمُبَادِرِیْنَ كِبَرَهُمْ۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ دونوں اکل سے مفعول لہٗ ہوں اور یہ بھی جائز ہے ان یکبروا بدارا کا مفعول لہٗ ہو۔

ے جو غنی ہو وہ یتیم کے مال سے رک جائے نہ تھوڑا لے نہ زیادہ لے استعف (باب استفعال) عف (مجرد) سے زیادہ بلیغ ہے۔ گویا اس نے زیادہ عفت کو طلب کیا۔

ۂ عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی میں فقیر ہوں میرے پاس کچھ بھی نہیں اور میری کفالت میں ایک یتیم بھی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یتیم کے مال میں سے کھا سکتے ہو نہ فضول خرچی کرتے ہوئے، نہ جلدی کرتے ہوئے اور نہ ہی اپنا مال جمع کرتے ہوئے(1) اسے ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری زیر کفالت ایک یتیم ہے، کیا میں اس کے مال میں سے کھا سکتا ہوں، فرمایا نیکی کے ساتھ کھا سکتے ہو یعنی اس کا مال اپنے پاس جمع نہ کرنے اور نہ ہی اس کے مال کے ساتھ اپنا مال بچاؤ۔ اسے ثعلبی نے روایت کیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جتنی تم اس کے مال کی حفاظت کرتے ہو اتنی ہی اجرت لے سکتے ہو۔ یہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے اور اسی پر ہم عمل کرتے ہیں۔

حضرت عطاء اور عکرمہ نے کہا وہ انگلیوں کے سروں کے ساتھ کھائے فضول خرچی نہ کرے اور نہ اس کے مال سے لباس زیب تن کرے۔

امام نخعی نے کہا یتیم کے مال میں سے کتان اور حلہ خرید کر نہ پہنے، بلکہ اتنا ہی لے جو اس کی بھوک مٹا دے اور شرمگاہ چھپا دے۔

ان تمام اقوال میں بعد میں اس کی ادائیگی لازم نہیں۔

حضرت حسن بصری اور ایک جماعت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس کے درختوں کی کھجوریں اور چوپاؤں کا دودھ نیکی سے کھا سکتا ہے۔ ان کی کوئی قضا نہ ہوگی مگر سونے چاندی کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر اس نے ان میں سے کوئی چیز لی تو اس پر لوٹانا لازم ہوگا۔

کلبی نے کہا معروف سے مراد چوپائے پر سواری کرنا اور خادم سے خدمت لینا ہے۔ وہ اس کے مال میں سے کوئی چیز نہیں کھا سکتا۔(2)

امام بغوی نے اپنی سند سے قاسم بن محمد سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی حضرت ابن عباس کے پاس آیا۔ عرض کی میرے پاس ایک یتیم ہے اس کی اونٹنیاں ہیں، کیا میں ان کا دودھ پی سکتا ہوں۔ فرمایا اگر تم گم شدہ اونٹ تلاش کرو خارش زدہ اونٹوں کی مالش کرو پانی کے دن انہیں پانی پلاؤ تو اس کا دودھ پی سکتے ہو مگر اس شرط کے ساتھ کہ اونٹ کے بچوں کو نقصان نہ پہنچاؤ اور نہ ہی دودھ مکمل نچوڑ لو۔(3)

امام شعبی نے کہا اس وقت تک نہ کھائے جب تک اس طرح مجبور نہ ہو جائے، جس طرح مردار کھانے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔

1۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 199 (وزارت تعلیم)　　2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 402 (التجاریہ)　　3، ایضاً

ایک قوم نے یہ کہا معروف سے مراد قرض ہے، یعنی جب ضرورتمند ہو تو یتیم کے مال سے قرض لے لے جب خود خوشحال ہو تو قرض ادا کر دے۔ یہ مجاہد اور سعید بن جبیر کا قول ہے۔ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کے مال میں اپنے آپ کو وہی حیثیت دے رکھی ہے جو یتیم کے ولی کی ہوتی ہے۔ اگر میں خود غنی ہوں تو اس سے بچتا ہوں۔ اگر ضرورتمند ہوتا ہوں تو معروف طریقے سے کھاتا ہوں، جب خوشحال ہوتا ہوں تو واپس کر دیتا ہوں۔

ۓ ان کے بالغ ہونے اور دانشمندی کے ظاہر ہونے کے بعد جب تم انہیں مال دو تو گواہ بنالو۔ یہ امر ارشاد ہے وجوب کے لئے نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تہمت اور خصومت کو ختم کرنے کے لئے گواہ بنالو۔ امام شافعی اور امام مالک نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ نگہبان کے مال دینے کے دعویٰ میں اس وقت تک اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی جب تک وہ گواہ نہیں بنائے گا۔

امام ابو حنیفہ نے کہا جب اس کے بینہ نہ ہوں قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ وہ امین ہے۔ اپنے اوپر ضمان کا انکار کرتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے۔

ۓ محاسبہ کرنے والا بدلہ دینے والا اور گواہ کافی ہے۔ کسی اور گواہ کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ولی کی قسم کے ساتھ تصدیق کی جائے گی اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے گا۔ باء زائدہ ہے اور لفظ اللہ اسم جلالت کمفیٰ کا فاعل ہے۔

ابوالشیخ ابن حبان نے کتاب الفرائض میں کلبی کے واسطہ سے، وہ ابو صالح سے، وہ ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ اہل جاہلیت بچیوں اور چھوٹے بچوں کو وارث نہ بناتے۔ ایک انصاری فوت ہو گیا جسے اوس بن ثابت کہتے اس نے دو بچیاں اور ایک چھوٹا بچہ پیچھے چھوڑے۔ اس کے چچازاد بھائی خالد اور عرفطہ آئے۔ یہی اس کے عصبہ تھے۔ ان دونوں نے اس کی تمام میراث لے لی۔ اس کی بیوی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ تمام واقعہ گوش گذار کیا۔ آپ نے فرمایا میں کچھ نہیں جانتا کہ اس مسئلہ میں کیا فیصلہ کروں تو مابعد آیت نازل ہوئی۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝

"مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اور عورتوں کیلئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اس ترکہ سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ یہ حصہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مقرر ہے۔" ۱

۱ والدین یا قریبی رشتہ دار جو ترکہ چھوڑ جائیں ان میں مردوں کا حصہ ہے اور عورتوں کا بھی عورتوں کے حصہ کے اہتمام کے لئے یہ انداز کلام اپنایا مِمَّا قَلَّ، او کثر فرما کر ان کو تنبیہ کر دی جو اس کا لحاظ نہیں رکھتے۔ یہ مما ترک سے بدل ہے اور ان حرف جار کو مکرر ذکر کیا ہے۔ نصیبا مفروضا یہ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور تاکید کا فائدہ دے رہا ہے جس طرح رب العالمین کا یہ فرمان ہے فریضۃ من اللہ۔ ظرف کے فاعل سے حال ہے کیونکہ معنی یہ ہے ان کے لئے حصہ ثابت ہے اس حال میں کہ یہ قطعی ہے۔ حقیقت میں حال اللہ تعالیٰ کا فرمان مفروضا ہے لیکن ظاہر کے اعتبار سے نصیبا کو حال بنایا اور مفروضا اس کی صفت ہے اور اسے حال موطئہ (تمہید) کہتے ہیں کیونکہ جو اصل حال ہے۔ اس سے یہ پہلے ہے یا یہ اختصاص کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی تقدیر کلام یوں ہوگی اعنی نصیبا مقطوعا، یعنی ان پر واجب ہے اس میں کسی کو تبدیلی کی اجازت نہیں اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ اگر وارث اپنے حصہ

سے اعراض کرے یا برأت کا اظہار کرے اس کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ آیت میں دو اعتبار سے اجمال ہے، ان میں سے ایک حصہ کی تعیین اور دوسرا اقرب سے مراد کیا ہے۔ دونوں کا بیان شرع (حدیث) میں وارد ہے۔ والدین کا ذکر جبکہ وہ اقربین میں بھی شامل ہیں۔ ایک تو عظمت شان کے لئے ہے اور دوسرا اس لئے کہ آیت کا سبب نزول والد کی میراث ہے۔

امام بغوی نے ذکر کیا کہ اوس بن ثابت انصاری فوت ہوئے۔ انہوں نے ایک عورت جسے ام کحہ کہتے اور تین بیٹیاں چھوڑیں۔ دو آدمی آئے جو میت کے چچازاد اور اس کے وصی تھے، جن کا نام سوید اور عرفجہ تھا۔ دونوں نے مال لے لیا اس کی بیوی اور بیٹیوں کو کچھ مال بھی نہ دیا(1) یہ لوگ دور جاہلیت میں عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت نہ دیتے تھے اگرچہ وہ چھوٹا بچہ لڑکا ہی کیوں نہ ہوتا۔ وہ مردوں کو ہی وراثت دیتے اور کہتے ہم اسے ہی وراثت دیتے ہیں جو جنگ کر سکے اور مال غنیمت جمع کر سکے۔ ام کحہ حاضر ہوئی اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اوس بن ثابت فوت ہو گیا ہے وہ میرے ذمہ بیٹیاں چھوڑ گیا ہے میں اس کی بیوی ہوں میرے پاس کچھ مال نہیں جو ان پر خرچ کروں۔ ان کے والد نے بہت کچھ مال چھوڑا تھا۔ وہ سوید اور عرفجہ کے پاس ہے۔ انہوں نے مجھے اور میری بیٹیوں کو کچھ بھی نہیں دیا جبکہ بیٹیاں میری گود میں ہیں۔ وہ کچھ کھاتی پیتی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو بلایا۔ دونوں نے عرض کی یا رسول اللہ اس کا بیٹا گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتا نہ یہ بیٹیاں تاوان دے سکتی ہیں، نہ دشمن سے جنگ کر سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا رسول اللہ ﷺ نے دونوں کی طرف پیغام بھیجا کہ اوس بن ثابت کے مال میں سے کچھ تقسیم نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بیٹیوں کے لئے حصہ معین فرما دیا ہے لیکن یہ واضح نہیں فرمایا کہ کتنا ہے میں انتظار نہیں کروں گا کہ دیکھوں اللہ تعالیٰ اس بارے میں کیا نازل فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سوید اور عرفجہ کو پیغام بھیجا کہ ام کحہ کو آٹھواں حصہ اس کی بیٹیوں کو دو ثلث اور باقی ماندہ مال تمہارے لئے ہے۔

میں کہتا ہوں جب اس کے بعد یوصیکم اللہ کا حکم نازل ہوا تو ضرورت کے وقت سے بیان کو مؤخر کرنا لازم نہیں آتا واللہ اعلم۔

سعد نے کہا کتب معتبرہ اور روایات صحیحہ میں یہ بات واقع ہوئی ہے کہ اوس بن ثابت جو حسان بن ثابت کے بھائی تھے۔ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ شیخ جلال الدین سیوطی نے کہا اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ جب وہ حسان کے بھائی تھے تو بھائی کی موجودگی میں چچازاد بھائی کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ ابن حجر نے اصابہ میں اسے ابن مندہ سے نقل کیا ہے اور غلط قرار دیا ہے کیونکہ حسان بن ثابت کا اوس بن ثابت بھائی نہیں تھا اور نہ ہی ان کے چچازاد عرفطہ اور خالد تھے۔ شیخ سیوطی نے ذکر کیا کہ صحابہ کی ایک جماعت کا نام اوس تھا جن کے والد کے نام مختلف تھے۔ شاید آیت ان میں سے ایک کے بارے میں نازل ہوئی۔ واللہ اعلم

وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝

"اور جب حاضر ہوں (ورثہ) کی تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم بچے اور مسکین تو دو انہیں بھی اس سے اور کہو ان سے اچھی بات۔"

قسمة سے مراد میراث کی تقسیم ہے، یعنی تقسیم کے وقت ان کے قریبی وارث رشتہ داروں کے علاوہ رشتہ دار آ جائیں۔ تو ترکہ یا جسے

1۔ تفسیر بغوی جلد 1 صفحہ 403 (التجاریہ)

تقسیم کیا جا رہا ہے اس میں سے بطور صدقہ انہیں دے دو۔ حضرت حسن بصری نے کہا وہ اس کا تابوت، برتن، بوسیدہ کپڑے، استعمال کا سامان اور وہ چیز جس کی تقسیم سے وہ حیاء محسوس کرتے وہ ان کو دے دیتے۔

سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا یہ آیت یوصیکم اللّٰہ کی آیت سے منسوخ ہے۔ ابن عباس، شعبی، نخعی، زہری، مجاہد اور ایک جماعت نے کہا یہ محکم ہے۔ قتادہ نے یحییٰ بن یعمر سے نقل کیا ہے تین آیتیں محکم ہیں، مدنی ہیں جنہیں لوگوں نے چھوڑ دیا ہے۔ یہ آیت، آیت استیذان، یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ امر وجوب کے لئے ہے یہ ایسا حق ہے جو چھوٹے بڑے سب لوگوں کے حق میں واجب ہے۔ اگر وارث بڑے ہوں تو وہ اپنے حصہ کے خود والی بنیں گے اگر چھوٹے ہوں تو ان کے ولی کو دے دیا جائے گا۔

محمد بن سیرین نے روایت کیا ہے کہ عبیدہ سلمانی نے یتیموں کے مال کو تقسیم کیا۔ ایک بکری ذبح کرنے کا حکم دیا پھر اس آیت میں مذکور لوگوں کے لئے کھانا تیار کیا گیا۔ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو یہ کھانا میرے مال میں سے ہوتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ امر استحباب کے لئے ہے۔ ابن عباس نے فرمایا اگر وارث بڑے ہوں وہ ان لوگوں کو کچھ دیں، جو دین اتنے قبل جائیں، ان پر کسی قسم کا احسان نہ جتلائیں۔ اگر وہ وارث چھوٹے ہوں تو ان کا ولی یا وصی معذرت کر دے، کہے میں اس مال کا مالک نہیں، یہ ان چھوٹے بچوں کا ہے۔ اگر یہ مال میرا ہوتا میں تمہیں ضرور دیتا۔ جب یہ خود بڑے ہوں گے تو تمہارے حقوق پہچانیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا کا یہی معنی ہے۔

وَلْیَخْشَ الَّذِیْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّیَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَیْهِمْ ۠ فَلْیَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْیَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ﴿۹﴾

"اور چاہئے کہ ڈریں جو (یتیموں کے سرپرست ہیں اور سوچیں کہ) اگر چھوڑ جاتے وہ اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے کمزور بچے تو وہ کتنے فکر مند ہوتے ان کے متعلق[1] پس چاہئے کہ وہ ڈریں اللہ[2] سے اور کہیں ایسی بات جو بالکل درست ہو"[3]

[1] ان کے ضائع ہونے کا انہیں خوف ہوتا۔ ظاہر بات یہ ہے کہ امر قوی وارثوں کے لئے ہے۔ یہ آیت رب العالمین کے اس ارشاد للرجال نصیب ...... اور اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ کے ساتھ متصل ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ قوی وارث عورتوں اور کمزوروں کا حصہ دیں اور غیر وارثوں جیسے محتاج، فقراء اور مساکین کو کچھ صدقہ کر دیں اور ان ضعفاء کے ضائع ہونے سے ڈریں، جس طرح اگر وہ بھی اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ جاتے تو ان کے ضائع ہو جانے کا خوف ہوتا۔ انہیں ان بچوں پر اسی طرح شفقت کرنی چاہئے جس طرح وہ اپنی اولادوں پر شفیق ہیں۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کمزور وارثوں کو ضائع کرنے میں اللہ سے ڈریں۔ گویا یہاں لفظ اللہ میں تنازع فعلین ہے۔ ایک فعل لیخش اور دوسرا لیتقوا۔

[2] یعنی لفظ اللہ میں بصریوں کے مذہب کے مطابق یہاں دوسرا فعل عمل کر رہا ہے اور پہلے فعل کا مفعول حذف ہے۔ اگر پہلا فعل عامل ہوتا تو کلام یوں ہوتی فلیتقوہ انہیں تقویٰ کا حکم دیا جو خشیت کی انتہاء ہے، جبکہ پہلے انہیں خشیت کا حکم دیا گیا۔ مقصود مبداء اور منتہی کی رعایت ہے۔

کلبی نے کہا یہ اوصیاء اور اولیاء کو امر ہے کہ وہ یتیموں کے معاملہ میں اللہ سے ڈریں، ان پر احسان کریں اور ان کے ساتھ وہی

سلوک کریں جو وہ پسند کرتے ہیں کہ ان کی کمزور اولاد کے بارے میں معاملہ کیا جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وابتلوا الیتمی کے ساتھ متصل ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے للرجال نصیب سے لیکر یہاں تک جملہ معترضہ ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ یتیموں کی ولایت انہیں آزمانا اور ترکہ کی تقسیم، یہ اس موصولہ ضابطہ کو دور کرنے کے بعد متصور ہو سکتی ہے۔ دور جاہلیت میں یہ ضابطہ تھا کہ ضعیفوں کے لئے کوئی میراث نہیں، یہ صرف اس کا حق ہے جو جنگ کر سکے۔

یہ بھی جائز ہے کہ یہ وارثوں کے لئے امر ہو وہ ان پر شفقت کریں جو غیر وارث قریبی رشتہ دار یتیم اور مساکین ترکہ کی تقسیم کے وقت حاضر ہو جائیں، یہ تصور کرتے ہوئے کہ اگر یہ ان کی اولاد ہوتی اور ان کے پیچھے کمزور رہ جاتی۔ کیا انہیں محروم رکھنے کو وہ جائز جانتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ آیت اس آدمی کے بارے میں ہے جس کے فوت ہونے کا وقت قریب ہو، اس کے پاس بیٹھنے والے اسے کہیں کہ تیری اولاد اور وارث تیرے کچھ کام نہ آئیں گے، غلام آزاد کر دے، فلاں کو اتنا دے دے، یہاں تک کہ وہ تمام خرچ کر دے۔ یہ اس مریض کے پاس حاضر لوگوں کو امر دیا جا رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں یا مریض کی اولاد کے بارے میں ڈریں۔ وہ اس کی اولاد پر بھی اسی طرح شفقت کریں جس طرح وہ اپنی اولاد پر شفقت کرتے ہیں۔ اسے اس حال میں نہ چھوڑیں کہ وہ اپنی اولاد کو نقصان پہنچائے اور انہیں مال نہ دے یا وصیت کرنے والوں کو حکم ہے کہ وہ کمزور وارثوں کی طرف نظر کریں جن کے ضائع ہونے کا خوف ہے۔ وہ وصیت میں اسراف سے کام نہ لیں اور ثلث مال سے زیادہ وصیت نہ کریں تا کہ وارث محروم نہ رہ جائیں لو کا جواب خافوا ہے۔

ع قوی وارث کمزور وارثوں کو شفقت اور حسن ادب کا قول کریں یا اولیا یتیموں کو شفقت کرتے ہوئے اچھی بات کریں جس طرح وہ اپنی اولادوں کے لئے کرتے ہیں یا وصیت کے وقت جو لوگ حاضر ہیں۔ وہ موصی (وصیت کرنے والا) کو مال کے تیسرے حصے سے کم کی وصیت کرنے کی بات کریں۔ تقسیم کے وقت حاضر ہونے والے فقراء کو معذرت کریں۔ یا وصیت کرنے والا وصیت میں اچھی بات کرے، یعنی تیسرے حصے سے کم میں وصیت کرے اور وصیت میں حسن نیت کی رعایت کرتے ہوئے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو۔

امام بغوی نے کہا مقاتل نے کہا جب مرثد بن زید جو بنی غطفان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے اپنے بھتیجے کا مال کھایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔(1)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ⑩

"بے شک وہ لوگ جو کھاتے ہیں یتیموں کے مال ظلم سے ل وہ تو بس کھا رہے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ ع اور وہ عنقریب جھونکے جائیں گے بھڑکتی آگ میں۔" ع

ل ظلما یا تو مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے اکلا ظلما یا یہ حال ہے۔ تقدیر کلام ظالمین ہے۔

ع یعنی ایسی چیز کھاتے ہیں جو انہیں جہنم کی طرف لے جائے گی۔ حدیث طیبہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں نے شب معراج میں ایک ایسی قوم دیکھی جن کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح تھے۔ ان میں اوپر والا نتھنوں کے ساتھ سمٹا ہوا تھا اور دوسرا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 405 (التجاریہ)

پیٹ پر لٹکا ہوا تھا اور جہنم کے دار وغے جہنم کے انگارے اور پتھر ان کے منہ میں ڈال رہے تھے۔ میں نے پوچھا جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل امین نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظلم کرتے ہوئے کھا جاتے ہیں(1)۔ اسے ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابو سعید خدری کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اپنی مسند میں ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں ابن ابی حبان نے اپنی صحیح میں ابی بردہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قبروں سے ایک قوم کو اٹھائے گا کہ ان کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ پوچھا گیا یہ کون ہیں؟ فرمایا کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى

سے جمہور علماء نے یَصْلَوْنَ کو یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی وہ اس میں داخل ہوں گے۔ ابن عامر اور ابو بکر نے یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی انہیں جہنم میں داخل کیا جائے گا اور انہیں جلایا جائے گا۔ سعیر فعیل کا وزن ہے جو مفعول کے معنی میں ہے۔ یہ سعرت النار سے مشتق ہے یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو اسے روشن کردے۔

ائمہ ستہ نے جابر بن عبداللہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق نے میری بنی مسلمہ میں عیادت کی نبی کریم ﷺ نے مجھے اس حالت میں پایا مجھے کوئی ہوش نہ تھا آپ نے پانی منگوایا۔ آپ نے وضو کیا۔ پھر مجھ پر چھینٹے مارے۔ مجھے افاقہ ہو گیا۔ میں نے عرض کی اے میرے آقا آپ مجھے میرے حال کے بارے میں کیا حکم ارشاد فرماتے ہیں۔ تو آیت کریمہ یوصیکم اللہ نازل ہوئی(2) امام احمد، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت جابر سے نقل کیا ہے کہ سعد بن ربیع کی بیوی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ دونوں سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں جو آپ کی معیت میں غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کے چچا نے ان کا تمام مال لے لیا ان کے لئے کچھ مال بھی نہ چھوڑا۔ اب مال کے بغیر ان سے کوئی نکاح بھی نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بارے میں فیصلہ فرمائے گا تو آیت میراث نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے چچا کی طرف پیغام بھیجا۔ فرمایا سعد کی دونوں بیٹیوں کو کل مال کا دو ثلث اور اس کی بیوی کو آٹھواں حصہ دے دو جو باقی بچے وہ تمہارا ہے۔(3)

حافظ نے کہا ہے جس نے یہ استدلال کیا کہ یہ آیت سعد کی بیٹیوں کے بارے میں نازل ہوئی، خصوصاً حضرت جابر کے قصہ میں نازل نہیں ہوئی کیونکہ جابر کا ان دنوں میں کوئی بیٹا نہ تھا۔ کہا جواب اس کا یہ ہے کہ آیت دونوں معاملوں میں اکٹھے نازل ہوئی۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا پہلا حصہ سعد کی بیٹیوں کے متعلق اور آخری وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ كَلٰلَةً جو اس آیت کے ساتھ متصل ہے۔ جابر کے قصہ کے متعلق نازل ہوئی ہو اور جابر کے قول فنزلت یوصیکم سے مراد وہ آیت ہو جو اس کے ساتھ متصل ہے۔ اس کا ایک تیسرا سبب بھی روایت کیا گیا ہے۔ ابن جریر نے سدی سے روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ عورتوں اور نابالغ بچوں کو وارث نہیں بناتے تھے۔ آدمی کی اولاد میں سے وہی وارث بنتا جو جنگ کر سکتا تھا عبدالرحمٰن حضرت حسان کے بھائی فوت ہوئے۔ انہوں نے اپنی بیوی ام کحہ اور پانچ بیٹیاں چھوڑیں۔ وارث مال لینے کے آئے۔ ام کحہ نے اس امر کی شکایت حضور ﷺ کی خدمت میں کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ۔ پھر ام کحہ کے بارے میں فرمایا وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ۔

سعد بن ربیع کے قصہ میں ایک اور وجہ بھی وارد ہے۔ قاضی اسماعیل نے احکام القرآن میں عبدالملک بن محمد بن حزم کی سند سے نقل کیا ہے کہ عمرہ بنت حرام حضرت سعد بن ربیع کی بیوی تھیں جو غزوۂ احد کو شہید ہو گئے۔ ان کی اس سے ایک بیٹی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 4، صفحہ 184 (التجاریہ) 2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 658 (وزارت تعلیم) 3۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 405 (التجاریہ)

میراث طلب کرنے کے لئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾

"حکم دیتا ہے اللہ تمہاری اولاد کی (میراث) کے بارے میں [1] ایک مرد (لڑکے) کا (حصہ) برابر ہے دو عورتوں (لڑکیوں) کے حصہ کے [2] پھر اگر ہوں صرف لڑکیاں دو سے زائد [3] تو ان کے لئے دو تہائی ہے جو میت نے چھوڑا [4] اور اگر ہو ایک ہی لڑکی تو اس کے لئے نصف ہے [5] اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اس سے جو میت نے چھوڑا بشرطیکہ میت کی اولاد ہو [6] اور اگر نہ ہو اس کی اولاد اور اس کے وارث صرف ماں باپ ہی ہوں تو اس کی ماں کا تیسرا حصہ ہے (باقی سب باپ کا) [7] اور اگر میت کے بہن بھائی ہوں [8] تو ماں کا چھٹا حصہ ہے [9] (اور یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہے [10] جو میت نے کی [11] اور قرض ادا کرنے کے بعد [12] تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کون ان میں سے زیادہ قریب ہے تمہیں نفع پہنچانے میں [13] یہ حصے مقرر ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے [14] بے شک اللہ تعالیٰ (تمہاری مصلحتوں کو) جاننے والا ہے بڑا دانا ہے۔" [15]

[1] اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے تم سے وعدہ کرتا ہے۔ میراث میں اولاد کے حصہ کے بارے میں یہ بھی جائز ہے کہ فی حرف جار لام کے معنی میں ہے۔ جس طرح حضور ﷺ کے ارشاد دَخَلَتْ اِمْرَأَةُ النَّارَ فِي هِرَّةٍ۔ ایک عورت بلی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی، میں فی حرف جار لام کے معنی میں ہے۔ مابعد کلام ماقبل کی تفصیل ہے۔

[2] یعنی ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا، یعنی اگر دو صنفیں جمع ہو جائیں اور دو عورتوں یا زیادہ کے ساتھ ایک بچہ یا زیادہ بچے ہوں تو مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا اور دلالۃ النص سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر بچہ ایک یا زیادہ ہوں اور بچی ایک ہو تو بچی کو بچے کا نصف ملے گا۔

ذکر کے حصہ کا خصوصاً ذکر اس کی فضیلت کو بیان کرنے کے لئے اور اس بات پر آگاہ کرنے کے لئے ہے کہ اس کا دگنا حصہ فضیلت بیان کرنے کے لئے کافی ہے۔ اولاد ہونے کی وجہ سے ان بچیوں کو محروم نہ رکھا جائے گا جبکہ وہ اولاد ہونے کے اعتبار سے ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہیں۔ یہ حکم اس وقت ہو گا جب دونوں صنفیں جمع ہوں۔ اگر اولاد صرف بچیاں ہوں تو پھر حکم یہ ہو گا۔

[3] کن ضمیر سے مراد اولاد ہے۔

سوال:۔ ضمیر مونث کیوں ذکر کی گئی؟ جواب: کیونکہ خبر مونث ہے۔ اس لئے ضمیر مونث ذکر کی یا ضمیر ان مذکورہ بچیوں کی طرف لوٹ رہی ہے جو اولاد کے ضمن میں مذکور ہیں۔

فوق اثنتین دوسری خبر ہے یا نساء کی صفت ہے۔ مراد ہے بچیاں دو سے زیادہ ہوں۔

؎ تمہارا فوت ہونے والا جو چھوڑ جائے اس کا دو ثلث۔

؎ اولاد کے ضمن میں جس بچی کا ذکر تھا۔ ھی ضمیر اس طرف لوٹ رہی ہے۔

وہ ایک ہو تو اس کے لئے نصف ہے نافع نے واحدۃ کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ ان کے نزدیک کان تامہ ہے۔ باقی قراء نے خبر ہونے کی حیثیت سے منصوب پڑھا ہے۔

آیت میں دو بچیوں کا ذکر نہیں فرمایا ابن عباس نے کہا ان کا حکم وہی ہے جو ایک بچی کا ہے کیونکہ یہ دو مذکورہ حصوں سے کم ہے اور کم یقیناً ثابت ہوتا ہے، جبکہ صحیح قول یہ ہے کہ دو کے لئے بھی ثلث ہے۔ اسی پر علماء کا اجماع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ فوق کا لفظ زائدہ ہے، جس طرح رب العالمین کے اس ارشاد میں ہے فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ اور اس کی تائید وہ حدیث بھی کرتی ہے جو ہم نے سعد بن ربیعہ کے سے ذکر کی ہے۔ آیت ان دونوں میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حکم دو بہنوں پر قیاس کرنے سے ثابت ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک بہن کے لئے نصف حصہ فرمایا جس طرح ایک بچی کے لئے نصف حصہ معین فرمایا۔ بھائیوں اور بہنوں کی صورت میں مذکر کو دوگنا حصہ دیا جس طرح بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہوں تو ایک بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ دیا دو بہنوں کے لئے دو ثلث اسی طرح دو بیٹوں کے لئے دو ثلث ہوگا۔ سنت اور اجماع سے یہ ثابت ہوا کہ دو سے زیادہ بہنوں کا حصہ دو بہنوں کی طرح ہے جو نص سے واضح ہے۔ دو بچیوں کا حصہ دو سے زیادہ بچیوں کی طرح ہوگا جن کا حصہ نص سے ثابت ہے، یعنی دو ثلث اس وجہ سے دو بچیوں کو ایک کے ساتھ شامل کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کیونکہ جب بیٹی ایک لڑکے کے ساتھ شامل ہو تو اس کو ثلث ملے گا جب اس کے ساتھ صرف ایک اور بیٹی شامل ہو تو پھر ثلث سے کم کیسے ہو سکتا ہے اس لئے ثابت ہوا کہ دو بیٹیوں کو بھی دو ثلث ملے گا واللہ اعلم۔

جب لڑکا ایک ہی ہو اور اس کے ساتھ کوئی عورت شامل نہ ہو تو اس کا ذکر نہیں۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مال سارے کا سارا اسی کا ہوگا کیونکہ وہ مونث کے مقابلہ میں زیادہ وراثت کا مستحق ہوتا ہے۔ اسے محروم کرنا جائز نہیں ہوگا اگر اس کا بھی بعض حصہ ہوتا تو ضرورت کے وقت اس سے خاموشی اختیار کرنا جائز نہ ہوتا۔ ان کے ساتھ کوئی اور عصبہ شریک نہ ہوگا کیونکہ یہ سب سے قریبی عصبہ ہے۔ اب وہ کسی اور کے لئے کوئی حصہ نہ چھوڑے گا۔

ایک اور دلیل یہ بھی ہے جب اللہ تعالیٰ نے مرد کے لئے عورت کا دوگنا معین کیا ہے۔ جب لڑکی اکیلی ہو تو اسے نصف ملتا ہے تو لازماً جب لڑکا اکیلا ہوگا تو لڑکی سے دوگنا ملے گا وہی کل ہے۔ جب اکیلے لڑکے کی صورت میں تمام مال اس کا ہوتا ہے تو صلبی بچہ ہونے کی صورت میں پوتے مذکر ہوں یا مونث ہوں یا ملے جلے ہوں، بالاجماع وہ اس سے محروم ہوں گے۔

مسئلہ:۔ تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بیٹا نہ ہونے کی صورت میں پوتے بیٹوں کے قائم مقام ہوں گے، پوتے زیادہ ہوں یا ایک ہو جبکہ پوتیاں نہ ہوں تو تمام مال ان کا ہوگا۔ اگر صرف ایک پوتی ہو تو اسے نصف ملے گا۔ اگر زیادہ ہوں تو انہیں دو ثلث ملے گا۔ اگر ملے جلے ہوں تو مذکر کو مونث سے دگنا ملے گا۔ اگر پوتے پوتیاں ملے جلے ہوں۔ ساتھ ہی ایک صلبی یا زیادہ صلبی لڑکیاں ہوں تو صلبی بچی یا بچیوں کو

حصہ دینے کے بعد باقی ماندہ مرد کو عورت کے مقابلے میں دوگنا دیا جائے گا۔ امام طحاوی نے حضرت عائشہ سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دو حقیقی بیٹیوں کی موجودگی میں پوتے پوتیوں کو تیسرے حصہ میں اور دو حقیقی بہنوں کی موجودگی میں باپ کی طرف سے بہن بھائیوں کو تیسرے حصہ میں حسب ضابطہ شریک کیا(1) اور ایک بیٹی یا زیادہ بیٹیوں کی صورت میں ایک مذکر یا زیادہ مذکروں کے لئے جو کچھ باقی بچے گا وہ ہوگا کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے فرائض (معین حصہ) صاحب فرائض کو دو جو فرائض سے بچے وہ مذکر ولی کو دو(2) متفق علیہ حضرت ابن عباس سے روایت مروی ہے کہ ایک صلبی بچے کی موجودگی میں ایک پوتی یا زیادہ پوتیوں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا تاکہ دو ثلث مکمل ہو جائیں (کیونکہ اس صورت میں بیٹی کو نصف مل چکا ہوگا) کیونکہ امام بخاری نے ہذیل بن شرحبیل سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی حضرت ابو موسیٰ اور حضرت سلیمان بن ربیعہ کے پاس آیا۔ دونوں سے پوچھا ایک آدمی فوت ہوا ہے جس کی اپنی ایک بیٹی ایک پوتی اور ایک حقیقی بہن موجود ہے۔ دونوں نے فرمایا بیٹی کے لئے نصف اور بہن کے لئے نصف ہے اور حضرت ابن مسعود کے پاس جاؤ وہ بھی ہماری موافقت کریں گے۔ وہ حضرت ابن مسعود کے پاس آیا آپ نے فرمایا اگر میں ایسا کروں تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ میں اس میں وہ فیصلہ کروں گا جو حضور ﷺ نے فرمایا بیٹی کے لئے نصف پوتی کے لئے چھٹا اور باقی ماندہ بہن کے لئے ہوگا پھر ہم حضرت ابو موسیٰ اشعری کے پاس گئے اور حضرت ابن مسعود کے قول سے انہیں آگاہ کیا۔ انہوں نے فرمایا جب تک یہ عالم موجود ہے۔ مجھ سے اپنے مسائل نہ پوچھا کرو بیٹیں صلبی بچیوں کے ساتھ وارث نہ بنیں گی جب تک انہیں دو ثلث نہ مل جائے۔ باقی ماندہ انہیں مل سکتا ہے مگر اس صورت میں جب صلبی بچیوں کے ساتھ کوئی مذکر بھی شامل ہو جائے تو پھر صلبی بچیاں عصبہ بن جائیں گی۔(3)

ؒ میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے لکل واحد منھما لابویہ سے بدل ہے۔ ان میں عامل کا تکرار ہے۔ حرف جار کو مکرر لانے کا فائدہ یہ ہے کہ سدس میں دونوں کے شریک ہونے کا جو وہم ہے۔ اس کو دور کیا جائے اجمال کے بعد تفصیل تاکید کے لئے ہے۔

اگر چہ وہ بچہ مذکر ہو یا مونث ہو صلبی ہو یا پوتا ہو، جب مرنے والے کا بچہ نہ ہو بلکہ بیٹی ہو یا پوتی ہو تو باپ کو چھٹا حصہ ملے گا اور اصحاب فروض کو دینے کے بعد جو بچے گا وہ بھی باپ کو عصبہ کی حیثیت سے ملے گا کیونکہ دوسرے عصبات کے مقابلہ میں یہ زیادہ قریبی ہے۔

ؒ ولد سے مراد بیٹا یا پوتا ہے یعنی تمام مال کا ثلث دیا جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہوگا جبکہ ان کے ساتھ کوئی اور صاحب فرض وارث نہ ہو۔ اگر مرنے والے (میاں بیوی) ہو تو ان کا حصہ دینے کے بعد اس کو تیسرا حصہ ملے گا۔ میاں بیوی کے علاوہ کسی اور وارث کا کوئی تصور نہ ہوگا کیونکہ ماں باپ کی موجودگی میں دادی دادا اور بہن بھائی وارث نہیں بنتے۔ یہ اس صورت میں ہے جب بچہ نہ ہو۔ یا اس کا معنی یہ ہے اس کے صرف ماں باپ وارث ہوں گے جو کچھ اس میت نے چھوڑا ہے۔ اس کا تیسرا حصہ ماں کا ہوگا کیونکہ بچے کی موجودگی میں پہلے ان کے لئے چھٹے حصے کا ذکر ہو چکا ہے۔ جب میت کا زوج (میاں بیوی) ہو تو قیاس کے ذریعے ہم والدہ کا حصہ نکال سکتے ہیں۔ جب میت کا زوج نہ ہو تو ماں کو باپ کا نصف ملتا ہے جو کل مال کا ثلث ہوتا ہے۔ اسی طرح جب میاں بیوی میں سے کوئی ایک ہو تو اس کا حصہ دینے کے بعد جو باقی بچے گا۔ اس میں سے ثلث ماں کا اور باقی ماندہ باپ کا ہوگا تاکہ مذکر کو مونث کا دگنا ملے کیونکہ یہاں رشتہ داری ایک جیسی ہے، یعنی کل کا ثلث اور دو ثلث یا باقی ماندہ کا ثلث اور دو ثلث۔

1۔ شرح معانی الآثار، جلد 2، صفحہ 395 (امدادیہ) 2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 997 (وزارت تعلیم) 3۔ ایضاً

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب جس راہ چلتے ہم بھی اسی کی اتباع کرتے، اسے آسان پاتے آپ سے ایک عورت اور والدین کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا بیوی کے لئے چوتھائی باقی ماندہ میں سے ماں کے لئے تیسرا حصہ بقایا سب باپ کا۔(1)

حضرت زید بن ثابت نے بھی یہی کہا ایک عورت اور والدین یا خاوند اور والدین میں یوں وراثت تقسیم ہوگی کہ میاں بیوی کا حصہ ادا کرنے کے بعد مال کو باقی ماندہ کا تیسرا حصہ اور بقایا باپ کو مل جائے گا۔ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے اگر باپ کی جگہ دادا ہو تو اس کے لئے کل کا تیسرا حصہ ملے گا۔

بیہقی نے عکرمہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ ماں کے لئے دونوں مسئلوں میں کل کا تیسرا حصہ ہے(2) شریح نے یہی کہا ہے۔ ابن سیرین نے بیوی اور والدین کے مسئلہ میں تو ان کی موافقت کی ہے اور خاوند اور والدین کے مسئلے میں اختلاف کیا ہے امام بیہقی نے نخعی سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس نے اس مسئلہ میں تمام علماء فرائض سے مختلف نقطہ نظر اپنایا ہے۔

وورثہ ابوہ اہ کے قول کے بعد باپ کے حصہ سے خاموشی اختیار کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ باقی دو ثلث باپ کا ہوگا کیونکہ میراث میں ماں کی بنسبت وہ زیادہ مستحق ہے۔ اسے محروم رکھنا صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی میراث پر وورثہ ابواہ سے آگاہ کردیا۔ اگر باقی ماندہ مال اس کا نہ ہوتا تو اس کے بیان سے سکوت جائز نہ ہوتا، باپ کے ساتھ کوئی اور عصبہ وارث نہ ہوگا کیونکہ بیٹے کی عدم موجودگی میں وہی سب سے قریبی عصبہ ہے۔ پس وہ کسی غیر کے لئے کوئی چیز نہ چھوڑے گا۔ یہ آیت اس بات پر بھی دال ہے کہ اگر اکیلی ماں وارث ہو تو بدرجہ اولیٰ اس کو تیسرا حصہ ملے گا، زیادتی پر اس کی کوئی دلیل نہ ہوگی۔

؎ حقیقی بھائی، باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے اخوۃ کا اطلاق ایک سے زیادہ پر ہوتا ہے۔ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے، خواہ وہ مذکر ہوں یا مونث ہوں یا ملے جلے ہوں۔ فرائض اور وصیت کے باب میں جمع کا صیغہ جہاں بھی استعمال ہو اس کی صورت حال یہی ہو گی۔ اس پر علماء کا اجماع ہے۔

حضرت ابن عباس نے کہا تین سے کم بہن بھائی ماں کے حصہ کے تیسرے حصہ سے چھٹے حصہ تک کم نہیں کر سکتے۔ حاکم نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عثمان کے پاس گئے اور کہا دو بھائیوں کی وجہ سے آپ ماں کے حصہ کو ایک تہائی سے کم کر کے چھٹے حصہ تک کیسے کر دیتے ہیں حالانکہ دو بھائی اخوۃ نہیں۔

حضرت عثمان غنی نے جواب دیا میں اس امر کو کیسے رد کر سکتا ہوں جو مجھ سے پہلے جاری و ساری ہے، شہروں میں عام ہے اور لوگ اس پر عامل ہیں۔ گویا حضرت عثمان غنی نے اجماع سے استدلال کیا۔

زید بن ثابت نے ایک اور جواب دیا لوگوں نے آپ سے پوچھا اے ابوسعید اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فان کان لہ اخوۃ جبکہ آپ دو بھائیوں کی وجہ سے ہی محروم کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا عرب دو بھائیوں کو بھی اخوۃ کہتے ہیں۔

؎ یہ آیت مفہوم مخالف اور ما قبل آیت مفہوم موافق کے ساتھ اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ ماں کو میت کے بھائی یا ایک بہن کی موجودگی میں ثلث ہی ملے گا کیونکہ جب اسے باپ کے ساتھ ثلث ملتا ہے تو بھائی یا بہن کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ ثلث ملے گا۔ حمزہ اور

1۔ الدرالمنثور، جلد 2، صفحہ 223 (العلمیہ) 2۔ سنن کبریٰ بیہقی، جلد 6، صفحہ 228 (الفکر)

کسائی یہاں دونوں جگہوں میں فلامہ قصص میں امہا زخرف میں ام الکتب پڑھا ہے ہمزہ کو کسرہ ما قبل حرف کو کسرہ کی اتباع کے طور پر ہے۔ باقی قراء نے ہمزہ کو اپنے اصل پر رکھتے ہوئے مضموم پڑھا ہے۔ جب ام کا کلمہ جمع کی طرف مضاف ہو اس کا ہمزہ کسرہ کے بعد آئے گا۔ یہ کل چار مواقع ہیں سورۂ نحل میں من بطون امھاتکم، اسی طرح سورۂ نور زمر اور نجم میں تو ہمزہ وصل میں ہمزہ اور میم دونوں کو کسرہ دیتے ہیں۔ کسائی وصل میں صرف ہمزہ کو کسرہ دیتے ہیں۔ اور میم کو فتح دیتے ہیں باقی قراء دونوں حالتوں میں ہمزہ کو ضمہ اور میم کو فتح دیتے ہیں۔

مسئلہ:۔ تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ دو بھائی اور بہنیں ماں کو ثلث (تیسرا حصہ) سے سدس (چھٹا حصہ) کی طرف لوٹا دیتی ہیں، اگرچہ یہ خود باپ کی موجودگی میں محروم رہتی ہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ چھٹا حصہ لیں گی جس سے انہوں نے ماں کو محروم کیا، جبکہ یہ نقطۂ نظر جمہور علماء کے خلاف ہے۔

مسئلہ:۔ باپ کی عدم موجودگی میں حقیقی دادا یا باپ دادا کی عدم موجودگی میں پردادا کا وہی حکم ہوگا جو باپ کا ہے لیکن نانا باپ کے قائم مقام نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ باپ کی طرف سے دادا نہیں ہوتا نہ وہ ماں کے قائم مقام ہو سکتا ہے کیونکہ نانا اس کی (عورت) جنس سے نہیں۔ اس کو جد فاسد کہتے ہیں۔ جد صحیح تو بچہ نہ ہونے کی موجودگی میں عصبہ بنتا ہے۔ اگر لڑکا ہو تو باپ کو چھٹا حصہ ملتا ہے اور اگر لڑکی ہو تو باپ کا چھٹا حصہ اور باقی ماندہ بھی اسی کو ملتا ہے۔ اس کا حکم باپ کے حکم سے مختلف بھی ہے کہ یہ ماں کو ثلث سے سدس کی طرف (ا) نہیں لوٹاتا اور نہ ہی چوتھائی (ب) کی طرف لوٹاتا ہے جبکہ میت کا میاں یا بیوی ہو جبکہ باپ ایسا کر دیتا ہے۔

علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کیا دادا باپ کی طرح بھائیوں کو محروم کرتا ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ سب بھائیوں کو محروم کر دیتا ہے، خواہ باپ کی جانب سے ہو یا ماں کی جانب سے ہو دونوں جانب سے حضرت ابوبکر صدیق اور دوسرے کثیر صحابہ سے یہی مروی ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ دادا انہیں محروم نہیں کرتا بشرطیکہ وہ اس کے حقیقی بھائی یا باپ کی طرف سے بھائی ہوں اگر ماں کی طرف سے بھائی ہوں تو پھر دادا انہیں محروم کر دے گا۔

ابن جوزی نے ان کے محروم نہ ہونے کا استدلال کرتے ہوئے کہا کہ بھائیوں کا وارث ہونا نص سے ثابت ہے اس لئے ان کی محرومی بھی نص سے ہی ثابت ہوگی۔

ہم اس کا جواب دیتے ہیں اگر معاملہ اس طرح ہے تو پھر ماں کی طرف سے بھائیوں کو تم کیوں محروم رکھتے ہو جبکہ ان کا وارث ہونا بھی قرآن میں منصوص ہے۔ ساتھ ہی تم یہ بھی کہتے ہو کہ پوتا تمام بھائیوں کو محروم کر دیتا ہے کیونکہ وہ بیٹے کے قائم مقام ہے تو پھر تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ دادا تمام بھائیوں کو محروم کرے گا کیونکہ وہ باپ کے قائم مقام ہے۔ ہمارے پیش نظر حضور ﷺ کا ارشاد ہے فرائض (مقررہ حصے) ان کے حقداروں کو دے دو جو باقی بچے تو جو قریبی مرد ہو اس کو دیدو(1) اس میں کوئی شک نہیں کہ دادا بھائی سے قریبی ہے کیونکہ بھائی کی بہ نسبت وہ میت کی اصل ہے۔

(ا) جب وارث دادا، ماں اور شوہر ہوں۔ دادا کو ایک حصہ، ماں کو دو حصے اور شوہر کو تین۔ گویا ماں کو تیسرا حصہ ملا۔

(ب) جب وارث دادا، ماں، اور بیوی ہوں تو دادا کو پانچ حصے، ماں کو چار اور تین بیوی کے ہوں گے۔ گویا ماں کو تیسرا حصہ ملا جبکہ باپ کی عدم موجودگی میں ماں کو پہلے مسئلہ میں ماں کو چھٹا اور دوسرے مسئلہ میں ماں کو چوتھا حصہ ملے گا۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 997 (وزارت تعلیم)

ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ جب دادا بھائیوں کے ساتھ جمع ہو جائے تو باہم تقسیم کی کوئی صورت نہیں کیونکہ قرابت کی جہت مختلف ہے اور دادا بھائیوں کے ساتھ بالاجماع ساقط نہیں ہوتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ابن حجر نے کہا اس میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے کیونکہ ابن حزم نے اس سلسلہ میں کئی اقوال ذکر کئے ہیں کہ بھائی دادا سے مقدم ہیں تو پھر اجماع کیسے ہو گیا۔ ہم کہتے ہیں کہ ایسے اقوال کے قائلین نہ ہونے کے بعد امت کا اس بات پر اتفاق ہے یا تو بھائیوں کو محروم کیا جائے گا یا مقاسمہ جاری ہو گا پس اجماع ثابت ہو گیا۔

مقاسمہ کا مذہب زید بن ثابت سے مروی ہے، ان کے نزدیک بھائیوں (ج) کے ساتھ دادا کا حکم یہ ہے کہ دادا کے لئے دو باتوں میں سے جو بہتر ہو گی وہی نافذ ہو گی مقاسمہ یا تمام کا تیسرا حصہ جبکہ ان کے ساتھ کوئی اور صاحب فرض نہ ہو۔

مقاسمہ کی تفسیر یہ ہے کہ دادا کو تقسیم میں ایک بھائی کے قائم مقام رکھا جائے اور علاتی بہن بھائی حقیقی بہن بھائیوں کے ساتھ حصہ بنانے میں شریک ہوں گے۔ جب دادا کو حصہ دے دیا جائے گا علاتی بھائیوں کو تقسیم سے خارج کر دیا جائے گا۔ باقی ماندہ حقیقی بہن بھائیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا جس طرح عام قاعدہ ہے کہ مرد کو عورت کے مقابلہ میں دوگنا ملے گا۔ لیکن اگر ایک حقیقی بہن ہو تو وہ دادا کے حصہ کے بعد کل مال کا نصف لے گی۔ پھر اگر کوئی چیز بچ گئی تو علاتی بہن بھائیوں کو قاعدہ کے مطابق حصہ دیا جائے گا، یعنی مرد کو عورت کے مقابلہ میں دوگنا ورنہ ان کے لئے کوئی شی نہ ہو گی۔ اس کی صورت یہ بنتی ہے کہ وارث دادا حقیقی بہن اور علاتی بہنیں ہیں۔ تقسیم اسی طرح ہو گی دادا بھائی کے قائم مقام ہے۔ مسئلہ بیس حصے بنانے میں پورا ہو گا۔

حقیقی بہن کو کل کا نصف یعنی دس حصے دادا کو آٹھ اور دو علاتی بہنوں کو ایک ایک حصہ ملے گا۔

اگر اس مسئلہ میں ایک علاتی بہن ہو تو اسے کچھ نہیں ملے گا۔ صورت یہ ہو گی دادا بھائی کے قائم مقام جو دو بہنوں کے برابر کل بہنیں چار بنیں جن میں تقسیم ہونا ہے۔ حقیقی بہن نصف لے گی دادا دو بہنوں کے برابر وہ بھی نصف لے جائے گا۔ علاتی بہن کے لئے کچھ نہیں بچے گا۔

اگر دادا اور بہن بھائیوں کے علاوہ کوئی اور صاحب فرض بھی ہو تو دادا کو تین امور میں سے جو افضل صورت ہو گی وہ ملے گی، یا تو تمام مال کا چھٹا حصہ دیا جائے گا، جس طرح وارث جب دادا' دادی' بیٹی اور دو بھائی موجود ہوں تو دادا کو چھٹا' دادی کو چھٹا' بیٹی کو کل کا نصف یعنی تین حصے اور دو بھائیوں کو ایک ایک حصہ برابر برابر۔

مذکورہ صورت میں بعض اوقات کوئی چیز نہیں بچتی جس طرح وارث اگر دادا' دو بیٹیاں' ماں اور شوہر موجود ہو اس صورت میں دادا کو چھٹا حصہ دیا جائے گا۔ عول میں اضافہ کیا جائے گا۔ اس مسئلہ میں اصل تو یوں ہونا چاہئے تھا بیٹیوں کو دو ثلث خاوند کو ایک چوتھائی ماں کو سدس تو یہ مخرج پورا نہیں ہوتا۔ اس لئے عول میں اضافہ کر کے پندرہ حصے بنائے جائیں گے۔ تقسیم اس طرح ہو گی بیٹیوں کو آٹھ شوہر تین' ماں دو اور دادا بھی دو بعض اوقات کچھ بچتا تو ہے لیکن چھٹے حصے سے کم بچتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وارث دادا' دو بیٹیاں اور خاوند کیونکہ ضابطہ کے مطابق بارہ حصے بنانے میں تقسیم ہو سکے گی' بیٹیوں کو دو تہائی یعنی آٹھ خاوند کو ایک چوتھائی یعنی تین باقی ایک حصہ بچتا ہے جبکہ دادا کو چھٹا حصہ ملنا چاہئے اس لئے عول تیرہ کرتے ہیں۔

بعض اوقات چھٹا حصہ بچتا ہے جس طرح وارث جب دادا' دو بیٹیاں اور ماں ہوں دادا کو پورا چھٹا حصہ ملے گا ان تمام صورتوں

(ج) بھائی حقیقی ہوں یا باپ کی طرف سے ہوں۔

میں بھائی محروم رہیں گے۔کل چھ حصے کئے جائیں، چار حصے بیٹیاں ایک ماں اور ایک دادا۔ یا باقی ماندہ کا تیسرا حصہ۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ دوسرے صاحب فرض کو حصہ دینے کے بعد دادا کو باقی ماندہ کا تیسرا حصہ دیا جائے اس کی صورت یہ بنتی ہے وارث دادا' دادی' دو بھائی اور ایک بہن ہو۔ یا مقاسمہ کی صورت میں جب وارث خاوند' دادا اور بھائی ہو حقیقی بہن یا علاتی بہن ان کے نزدیک دادا کی موجودگی میں صاحب فرض نہیں بنتی مگر مسئلہ اکدریہ میں وہ صاحب فرض بنتی ہے۔ اس مسئلہ کی صورت یہ ہے۔ کہ وارث خاوند' ماں' دادا' اور بہن ہو وراثت اس طرح تقسیم ہوگی۔ خاوند کو نصف' ماں کو تیسرا حصہ' دادا کو چھٹا حصہ ملے اور بہن کو نصف کیونکہ چھ حصے بنانے میں تقسیم ممکن نہیں۔ اس لئے حصے نو بنائے جائیں گے پھر دادا کے حصہ، یعنی نو کو بہن کے حصہ یعنی تین کے ساتھ ضرب دی جائے گی۔ کل حصے ستائیس بن جائیں گے جو اس طرح تقسیم ہوں گے۔ نو حصے خاوند کے' چھ ماں کے آٹھ دادا کے اور چار بہن کے یہ صورت اس لئے اپنائی جائے گی کیونکہ دادا کو مقاسمہ میں فائدہ ہے۔ اس مسئلہ کو اکدریہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ بنی اکدر کی عورت کے متعلق سامنے آیا تھا۔

اگر بہن کی جگہ بھائی یا دو بہنیں ہوں تو کوئی عول نہیں ہوگا نہ ہی کوئی مسئلہ اکدریہ جاری ہوگا۔ اس صورت میں بھائیوں کے لئے کوئی چیز نہ ہوگی۔

فائدہ:۔ صحابہ کرام کے درمیان دادا کے مسئلہ میں جبکہ بھائی بھی موجود ہوں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ امام بیہقی نے شعبی سے نقل کیا ہے کہ حجاج نے شعبی سے ماں' بہن اور دادا کے بارے میں پوچھا تو امام شعبی نے جواب دیا کہ اس مسئلہ میں پانچ صحابہ نے آپس میں اختلاف کیا ہے، وہ حضرت عثمان غنی' حضرت علی شیر خدا' عبداللہ بن مسعود' زید بن ثابت اور عبداللہ بن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ امام شعبی نے کہا حضرت عثمان نے فرمایا میں اس ترکہ کو تین حصوں میں تقسیم کروں گا اور ہر ایک کو تیسرا حصہ دوں گا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اسے چھ حصوں میں تقسیم کروں گا بہن کے لئے تین حصے ہوں گے ماں کے دو اور دادا کے لئے ایک حصہ ہوگا۔ حضرت بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس کے چھ حصے کروں گا، بہن کے لئے تین دادا کے لئے دو اور ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اس کے نو حصے کروں گا، تین حصے بہن کو چار حصے دادا اور ماں کو دو حصے دوں گا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم نخعی کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ رضی اللہ عنہ بھائی کو دادا پر فضیلت نہ دیتے تھے۔ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بہن کے لئے نصف ماں کیلئے چھٹا اور دادا کو باقی ماندہ ملے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف گئے ہیں وہ نص اور قیاس کے زیادہ موافق ہے۔

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جدہ صحیحہ وہ ہوتی ہے کہ میت اور اس کے درمیان جد فاسد داخل نہ ہوں۔ آپ کے نزدیک جدہ صحیحہ وارث ہوتی ہے، اگرچہ ان کی تعداد کثیر ہو اگر وہ ہم پلہ ہوں اور ساقط نہ ہوں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دادیوں میں سے صرف دو وارث بنیں گی باپ کی ماں اور اس کی امہات ماں کی ماں اور اس کی امہات ان میں سے قریبی بعیدی کو ساقط کر دے گی(1) امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا راجح قول ہے ان میں سے تین وارث ہوں گی، نانی' دادی اور پردادی، یہ ایک ہو یا زیادہ ہوں بالاتفاق ترکہ میں سے ان کا حصہ

1۔ موطا امام مالک، صفحہ 328 مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ ملتان

چھٹا ہوگا۔

جب ایک دادی ایک قرابت رکھتی ہو جس طرح دادی کی ماں اور دوسری دو قرابتیں رکھتی ہو، جس طرح پڑنانی اور وہ دادی کی ماں بھی ہو تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ابدان کا اعتبار کرتے ہوئے سدس کو نصف نصف کر کے دونوں کو دیا جائے گا جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جہات کا اعتبار کرتے ہوئے ثلث کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس باب میں قبیصہ بن ذویب کی حدیث ہے کہ ایک دادی میراث کے لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کتاب اللہ میں تیرے لئے کوئی حصہ مقرر نہیں اور سنت رسول ﷺ میں بھی تیرا کوئی حصہ نہیں تو واپس چلی جا تا کہ میں لوگوں سے اس بارے میں پوچھ لوں تو آپ نے صحابہ سے اس بارے میں پوچھا تو مغیرہ بن شعبہ نے کہا حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں ایک دادی حاضر ہوئی تو حضور ﷺ نے اسے چھٹا حصہ دیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تیرے ساتھ کوئی اور بھی ہے جو یہی کہے تو محمد بن مسلمہ نے مغیرہ بن شعبہ کی مثل آپ کو بتایا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وہی نافذ کر دیا۔ پھر ایک دادی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی جو میراث کا سوال کر رہی تھی۔ آپ نے فرمایا چھٹا حصہ ہے، اگر تم دو جمع ہو جاؤ تو یہ تمہارے درمیان برابر ہوگا اگر تم میں سے ایک ہو تو اس کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔(1) اسے امام مالک، امام احمد، امام ترمذی، ابو داؤد، دارمی، ابن ماجہ نے روایت کیا۔

ابن وہب نے روایت کیا ہے کہ وہ دادی جسے رسول اللہ ﷺ نے حصہ عطا فرمایا وہ نانی تھی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی نانی ہی آئی تھی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جو آئی تھی وہ دادی تھی۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا تو کوئی ایسا آدمی نہ تھا جو آپ کو اس بارے میں آگاہ کرے تو بنی حارثہ کے ایک لڑکے نے عرض کیا اے امیر المومنین آپ اس دادی کو کیوں وراثت نہیں دیتے؟ اگر یہ دادی مر جاتی اور یہ دنیا کے برابر مال چھوڑ جاتی تو یہ مرنے والا اس کا وارث ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے وارث تسلیم کر لیا۔

موطا امام مالک اور سنن بیہقی میں ہے کہ دو دادیاں حضرت ابو بکر صدیق کے پاس آئیں تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ جو دادی ماں کی طرف سے ہے اسے چھٹا حصہ دے دیں۔ تو ایک انصاری نے عرض کیا آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ آپ اسے محروم رکھ رہے ہیں جو مرتی اور یہ مرنے والا زندہ ہوتا تو یہ اس دادی کا وارث بنتا تو حضرت ابو بکر صدیق نے چھٹا حصہ ان دونوں میں برابر تقسیم کر دیا(2) دار قطنی نے اسے ابن عیینہ سے نقل کیا ہے اور وضاحت کی ہے کہ وہ انصاری عبد الرحمن بن سہل بن حارثہ تھے۔

علماء نے کہا نانی ماں کے قائم مقام ہوتی ہے تو اسے ماں کا کم سے کم حصہ دیا اور دادی کو نانی پر قیاس کر کے حصہ دیا کہ یہ والدین میں سے ایک کی ماں ہے۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تین دادیوں کو چھٹا حصہ دیا دو ماں کی طرف سے تھیں اور ایک باپ کی طرف سے تھی اسے دار قطنی نے سند مرسل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ابو داؤد نے مراسیل میں ایک اور سند سے ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے۔ دار قطنی اور بیہقی نے حسن کی مرسل سے نقل کیا بیہقی نے محمد بن نصر سے ذکر کیا ہے کہ اس پر صحابہ اور تابعین کا اتفاق منقول ہے مگر سعد بن ابی وقاص کی رائے مختلف ہے، تاہم انکار کی سند صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ ماں تمام دادیوں کو محروم کر دیتی ہے کیونکہ بریدہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دادی کے لئے چھٹا حصہ معین کیا ہے

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 31 (وزارت تعلیم)　　2۔ موطا امام مالک، صفحہ 662 (وزارت تعلیم)

جبکہ اس کے نیچے ماں نہ ہو(1) اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں عبید اللہ عتکی ہیں جس میں اختلاف ہے۔ ابن سکن نے اس کی تصحیح کی ہے

مسئلہ:۔ باپ ان دادیوں کو محروم کرتا ہے جو صرف باپ کی طرف سے دادیاں ہوں۔ یہ تینوں ائمہ کا نقطہ نظر ہے جبکہ امام احمد کا ایک قول ان سے مختلف ہے۔ آپ کا دوسرا قول وہی ہے جو دوسرے ائمہ سے منقول ہے۔ امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث سے استدلال کیا ہے، آپ نے ایک دادی کو بیٹے کے ساتھ وراثت میں حصہ دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ پہلی دادی ہے جسے بیٹے کی موجودگی میں پوتے کی وراثت سے چھٹا حصہ دیا(2) اسے امام ترمذی اور دارمی نے نقل کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں امام ترمذی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ قریبی بعیدی کو محروم کر دیتا ہے واللہ اعلم

لے من بعد وصیۃ یہ لفظ کے اعتبار سے ظرف مستقر ہے وہ فلامہ السدس ہے فاور معنی کے اعتبار سے تنازع فعلین کے طریقہ پر سابقہ جملہ میں جو بھی ظروف مستقرہ ہیں، ان کے متعلق ہو سکتا ہے جیسے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ان تمام میں وہی مقدر کیا جائے گا جو پہلے گزر چکا ہے یعنی هٰذِهِ الْأَنْصِبَاءُ لِهٰؤُلَاءِ الْوَرَثَةِ مِنْ مَا بَقِيَ مِنْ بَعْدِ اِنْفَاذِ وَصِيَّةٍ وصیت نافذ کرنے کے بعد جو مال باقی بچے گا یہ حصے ان ورثاء کو ملیں گے۔

ا۔ یوصی بھا کو ابن کثیر، ابن عامر اور ابوبکر نے صاد کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ معروف کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ میت کا ذکر پہلے سے چل رہا ہے۔ اس لئے ضمیر لوٹانا صحیح ہے۔ اگر وصیت ہوگی تو پھر یہ احکام جاری ہوں گے۔

۲۔ اگر میت پر قرض ہوگا تو اس کا قرض ادا کرنے کے بعد وراثت تقسیم ہوگی۔ یہاں او حرف عطف ذکر کیا ہے، واؤ کا ذکر نہیں کیا کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک میراث پر مقدم ہیں، خواہ ان کے ساتھ دوسرا ہو یا نہ ہو۔ یہاں وصیت کو قرض پر مقدم کیا ہے جبکہ حکم میں یہ قرض سے موخر ہے کیونکہ تمام لوگوں کو وصیت کرنے کی دعوت دی گئی اور قرض کیونکہ اسلامی طریقہ کے مطابق بخشش سے مانع ہوتا ہے تو یہ شاذ ہی اس پر پایا جائے گا۔

حضرت ابوقتادہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے بتایئے اگر میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں صبر کرتے ہوئے، اس کی رضا کا طالب ہوتے ہوئے، آگے بڑھتے ہوئے، نہ کہ پیٹھ کے بل بھاگتے ہوئے شہید ہو جاؤں، اللہ تعالیٰ میری خطائیں معاف کر دے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں، مگر قرض۔ جبرئیل امین نے اسی طرح کہا(3) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہید کا ہر گناہ بخش دیا جاتا ہے مگر قرض(4) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ:۔ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ترکہ میں سے سب سے پہلا حق میت کی تجہیز و تکفین کا ہوتا ہے۔ پھر باقی ماندہ مال کے تیسرے حصے سے وصیت ادا کی جائے گی۔ پھر باقی ماندہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے کہ تم اس آیت کو پڑھتے ہو من بعد وصیۃ رسول اللہ ﷺ نے وصیت سے پہلے قرض ادا فرمایا(5) اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 401 (وزارت تعلیم) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 31۔ ایضاً 3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 135۔ ایضاً
4۔ ایضاً 5۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 30 (وزارت تعلیم)

مسئلہ:۔ مال کے تیسرے حصے سے وصیت کا نفاذ حضرت سعد بن وقاص کی حدیث سے ثابت ہے۔ انہوں نے کہا فتح مکہ کے سال میں ایسا شدید بیمار ہوگیا کہ موت کے قریب جا پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ عیادت کرنے کے لئے میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس بہت زیادہ مال ہے۔ میری وارث صرف میری ایک بیٹی ہے۔ پس میں تمام مال کی وصیت کر جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں میں نے عرض کی دو ثلث کی وصیت کرتا ہوں۔ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کی نصف کی وصیت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں میں نے عرض کی تیسرے حصے کی وصیت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تیسرا حصہ ٹھیک ہے تیسرا حصہ کافی ہے۔ اگر تم اپنی اولاد کو غنی چھوڑ کر جاؤ گے۔ یہ ان کو فقیر چھوڑنے سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کا منہ دیکھتے رہیں تم اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر جو مال خرچ کرو گے۔ تمہیں اس کا اجر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ لقمہ جو تو اپنی بیوی کو کھلاتا ہے۔ اس پر بھی تمہیں اجر دیا جائے گا(1) متفق علیہ۔ امام ترمذی نے اسے اور الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس میں ہے دسویں حصے کی وصیت کرو۔ میں حضور ﷺ سے لگاتار کم مال چھوڑنے کے بارے میں گذارش کرتا رہا۔ آخر کار آپ نے فرمایا تیسرے حصے کی وصیت کرو اور تیسرا حصہ بھی بہت ہے۔ حضرت معاذ کی مرفوع حدیث ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے تمہاری وفات کے وقت اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہارے مال کے تیسرے حصے کی وصیت کرنے کی اجازت دے دی ہے تاکہ تمہاری نیکیوں میں اضافہ کرے اور تمہارے مالوں کو پاک کردے۔ اسے طبرانی نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اسے طبرانی اور احمد بن یا ابو درداء سے مرفوع نقل کیا ہے۔ اسے ابن ماجہ، بزار اور بیہقی نے ابو ہریرہ سے اور عقیلی نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔(2)

۳ تم نہیں جانتے کہ دنیا و آخرت میں اصول و فروع میں سے کون تمہارے لئے زیادہ نفع مند ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب کوئی آدمی جنت میں داخل ہوگا۔ وہ اپنے والدین بیوی اور اولاد کے بارے میں پوچھے گا۔ اسے بتایا جائے گا وہ تیرے مقام اور عمل تک نہیں پہنچے۔ وہ عرض کرے گا اے میرے رب میں نے اپنے لئے اور ان کے لئے عمل کیا تو اس کے رشتہ داروں کو بھی اس کے ساتھ ملانے کا حکم دے دیا جائے گا۔ اسے طبرانی نے کبیر میں ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں روایت کیا۔ امام بغوی نے کہا حضرت ابن عباس نے کہا تم میں سے جو اللہ تعالیٰ کی زیادہ اطاعت کرنے والا ہے وہی قیامت کے روز زیادہ بلند مرتبے والا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بعض مومنوں کی بعض مومنوں کے حق میں شفاعت قبول کرے گا۔ اگر والد جنت میں بلند مرتبہ پر فائز ہوگا تو بیٹے کو اس کے مرتبہ تک بلند کر دیا جائے گا۔ اگر بیٹا بلند مرتبہ پر فائز ہوگا تو والد کو اس کے مقام تک پہنچا دیا جائے گا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، جب لوگ یہ نہیں جانتے کہ اصول و فروع میں سے کون ان کے لئے زیادہ نفع کا باعث ہے۔ اسی لئے ترکہ کی تقسیم ان کے سپرد نہ کی(3) یعنی اگر تم جانتے ہوتے تو تم زیادہ نفع دینے والے کی طرف مائل ہو جاتے اور جب تم نہیں جانتے تو بعض وارثوں کو بعض وارثوں پر ترجیح دینا جائز نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وارث کے حق میں وصیت کرنا جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ سب وارث اسے جائز قرار دیں۔ اسے دار قطنی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور دار قطنی نے عمرو بن شعیب کی حدیث جو انہوں نے باپ سے اور انہوں نے دادا سے نقل کی ابوداؤد نے ابی امامہ سے نقل کی ہے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرما رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو حق دیدیا ہے کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں یا اس کا معنی یہ ہے تم نہیں جانتے کہ کون مورث تمہارے حق میں

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 33 (وزارت تعلیم) 2۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 199 (ایضا) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 410 (التجاریہ)

زیادہ نفع رساں ہے جو وصیت کرتا ہے اور وصیت پر عمل کر کے تم کو ثواب کا مستحق بنا دیتا ہے یا وہ زیادہ نفع رساں ہے جو وصیت نہیں کرتا (1) اور تمام مال تمہارے لئے چھوڑ جاتا ہے۔ ایھم اقرب لکم نفعا یہ جملہ مفعول ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے۔ لا تدرون یہ اٰبائکم کی خبر ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے جو تقسیم کے امر یا وصیت کی تنفیذ میں تاکید کے لئے آیا ہے۔

[۴] فریضۃ مصدر ہے، یعنی مفعول مطلق ہے، تاکید کیلئے آیا ہے اور ایسے فعل کے ساتھ منصوب ہے جس کا حذف واجب ہے، جسے نحوی تاکید نفسی کہتے ہیں کیونکہ یہ سابقہ جملہ کا مضمون ہے، اس میں غیر کا کوئی احتمال نہیں کیونکہ جملہ مفصلہ یوصیکم اللہ یہ فریضۃ ہونے کے علاوہ کسی اور مضمون کا احتمال نہیں رکھتا۔

یا یہ فعل یوصیکم اللہ کی وجہ سے منصوب ہے اور مفعول مطلق ہے کیونکہ یوصیکم اللہ کا معنی بھی یفرض علیکم ہے۔

[۵] وہ مصالح کو جانتا ہے اور اس نے میراث اور تقسیم کے جو احکام جاری کئے ہیں وہ حکمت سے لبریز ہیں۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾

"اور تمہارے لئے نصف ہے جو چھوڑ جائیں تمہاری بیویاں بشرطیکہ نہ ہو ان کی اولاد [1] اور اگر ہو ان کی اولاد تو تمہارے لئے چوتھائی ہے اس سے جو وہ چھوڑ جائیں (یہ تقسیم) اس وصیت کے پورا کرنے کے بعد ہے جو وہ کر جائیں اور قرض ادا کرنے کے بعد اور تمہاری بیویوں کا [2] چوتھا حصہ ہے اس سے جو تم چھوڑو بشرطیکہ نہ ہو تمہاری اولاد اور اگر ہو تمہاری اولاد تو ان کا آٹھواں حصہ ہے اس سے جو تم پیچھے چھوڑ جاؤ (یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہے جو تم نے کی ہو اور (تمہارا) قرض اتارنے کے بعد [3] اور اگر ہو وہ شخص جس کی میراث تقسیم کی جانے والی ہے [4] کلالہ [5] وہ مرد ہو یا عورت [6] اور اس کا [7] بھائی یا بہن ہو [8] تو ہر ایک کے لئے ان میں سے چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب شریک ہیں تہائی میں [9] (یہ تقسیم) وصیت پوری کرنے کے بعد ہے جو کی گئی ہے اور قرض ادا کرنے کے بعد بشرطیکہ اس سے نقصان نہ پہنچایا گیا ہو [10] (یہ نظام وراثت) حکم ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے [11] اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بردبار ہے۔" [12]

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 396 (وزارت تعلیم)

ؔ یعنی جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اس کا نصف تم خاوندوں کے لئے ہے۔
اگر ان کی اولاد نہ ہو، یعنی اولاد میں سے کوئی صاحب فرض یا عصبہ، خواہ وہ واسطہ کے ساتھ ہو یا بغیر واسطہ کے ہو۔
ؔ بیویوں کے لئے خواہ ایک ہو یا زیادہ۔
ؔ چوتھا حصہ ہوگا اگر تمہارا بیٹا یا پوتا نہ ہو۔ اگر تمہاری اولاد ہو تو انہیں آٹھواں حصہ دیا جائیگا۔ لیکن یہ حصہ وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہوگا۔ اسی طرح وہ عورت جسے طلاق رجعی دی گئی ہو وہ بھی وارث ہوگی۔ لیکن جسے طلاق بائنہ دی گئی ہو وہ وارث نہ ہوگی، اگر خاوند نے اسے حالت صحت میں طلاق دی ہو۔ اسی طرح اگر خاوند نے مرض الموت میں عورت کو طلاق رجعی دی تو وہ بالاتفاق وارث ہوگی جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ اس وقت بھی وارث ہوگی جبکہ خاوند مر گیا اور عورت ابھی عدت گزار رہی تھی۔ امام احمد کا قول یہ ہے اگر عورت کی عدت ختم بھی ہوگئی جبکہ اس نے ابھی کسی اور مرد سے شادی نہیں کی اور خاوند مر گیا تب بھی وہ عورت وارث ہو گی۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر اس نے شادی کر بھی لی تب بھی وہ وارث بنے گی۔ امام شافعی کے مذہب ثلاثہ کی طرح اقوال ہیں۔

اسی طرح اگر کسی مرد نے مرض الموت میں طلاق بائنہ دی تب بھی امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک وارث بنے گی، مگر امام ابوحنیفہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ یہ طلاق عورت کے مطالبہ پر نہ دی گئی ہو کیونکہ اگر اس نے مطالبہ کیا ہوگا تو وہ اپنے حق کو باطل کرنے پر راضی تھی۔ امام شافعی کے اس ضمن میں دو قول ہیں ان میں سے اظہر یہ ہے کہ وارث نہ ہوگی۔ امام احمد نے معمر سے روایت کیا ہے کہ غیلان بن سلمہ مسلمان ہوا تو اس کی دس بیویاں تھیں نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا ان میں سے چار کا انتخاب کر لو۔ جب حضرت عمر کا دور آیا تو اس نے اپنی بیویوں کو طلاق دی اور اپنا مال بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ خبر حضرت فاروق اعظم تک پہنچی، فرمایا میں گمان کرتا ہوں کہ اس شیطان نے تیری موت کی خبر سن لی ہے جو چوری چھپے باتیں سنتا ہے اس نے تیرے دل میں اس بات کا القاء کیا اور تجھے بتایا کہ تو تھوڑا عرصہ ہی زندہ رہے گا۔ خدا کی قسم یا تو تو اپنی عورتوں سے رجوع کرے گا اور تو اپنا مال واپس لے گا یا میں ان عورتوں کو تیرا وارث بنا دوں گا اور تیری قبر کے بارے میں حکم دوں گا کہ اس پر رجم کیا جائے، جس طرح ابورغال کی قبر پر رجم کیا جاتا ہے (1) امام بخاری نے موقوف کو صحیح قرار دیا۔ سند یوں بیان کی زہری سے، وہ سالم سے وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث اس اجماع کی دلیل ہے کہ طلاق رجعی کے بعد عدت کے اندر فوت ہونے کی صورت میں عورت وارث ہوگی۔

جمہور علماء کے نزدیک طلاق بائن کے بعد عدت میں مرد کے فوت ہونے کی صورت میں عورت کے وارث ہونے کی دلیل یہ روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی نے تماضر بنت اصبغ بن زیاد کلبیہ کو ایک قول کے مطابق بنت عمرو بن شرید سلمیہ کو وارث قرار دیا تھا جو عبد الرحمٰن بن عوف کی بیوی تھی، جنہیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے مرض الموت میں طلاق بائنہ دی اور خود اس کی عدت میں فوت ہو گئے تھے۔ حضرت عثمان غنی نے صحابہ کی موجودگی میں یہ فیصلہ کیا اور کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہ کیا۔ پس یہ صحابہ کا اجماع بن گیا۔ فرمایا میں عبدالرحمٰن بن عوف پر تہمت نہیں لگاتا لیکن میں نے یہ فیصلہ اس لئے کیا تا کہ سنت قائم کروں۔ ہمارے مذہب کے مطابق ہی حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت مغیرہ بن شعبہ کی رائے بھی ہے۔ ابوبکر رازی نے حضرت علی، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عائشہ اور حضرت زید بن ثابت سے بھی یہی نقطہ نظر نقل کیا ہے اور کسی صحابی

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 83 (دار صادر)

سے اس سے مختلف رائے نہیں جانی گئی۔ یہی امام نخعی، امام شعبی، سعید بن مسیب، ابن سیرین، عروہ، شریح، ربیعہ بن عبدالرحمن، طاؤس بن شبرمہ، ثوری، حماد بن ابی سلیمان اور حارث کا مذہب ہے۔

سے رجل سے مراد میت یا وارث ہے یورث فعل رجل کی صفت ہے۔ اگر رجل سے مراد میت ہو تو معنی ہو گا جس کی وراثت تقسیم کی جا رہی ہے، اگر مراد وارث ہو تو معنی ہو گا جو وارث بنے

سے یہ کان کی خبر ہے یا اس کی خبر یورث ہے اور کلالۃ یورث میں موجود ضمیر سے حال ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ کلالۃ اس کا مفعول لہ ہو یہ اس وقت ہو گا جب کلالہ سے مراد ایسی رشتہ داری نہ ہو جس میں تو الد کا سلسلہ نہ ہو۔ یہ اصل میں مصدر ہے جو کلال کے معنی میں ہے، جس کا معنی تھکنا اور عاجز آنا ہے۔ عرب کہتے ہیں كَلَّ الرَّجُلُ فِي مَشْيِهٖ كَلَالًا یعنی آدمی چلنے میں عاجز آ گیا، كَلَّ السَّيْفُ عَنْ ضَرْبَتِهٖ كُلُوْلًا وَ كَلَالَةً تلوار کند ہو گئی، كَلَّ اللِّسَانُ عَنِ الْكَلَامِ زبان گفتگو کرنے سے عاجز آ گئی۔ بعد میں یہ ایسی رشتہ داری کے لئے مجازاً استعمال ہونے لگا جس میں تو الد کا سلسلہ نہ ہو کیونکہ یہ دوسرے کی طرف منسوب ہونے سے عاجز ہوتا ہے۔ پھر اس شخص کو کہتے ہیں جس کا وارث والد یا بچہ نہ ہو جو کسی ایسے شخص کا وارث بنے، جس کا والد اور لڑکا نہ ہو اسے ذی کلالہ کہتے ہیں۔ امام بیضاوی نے اسی طرح کہا۔

امام بغوی نے کہا کلالہ ایسے مورث کو کہتے ہیں جس کی اولاد اور والد نہ ہو(1) یہ حضرت علی شیر خدا اور عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کیونکہ وہ فوت ہوا تو اس کی دونوں طرفیں موجود نہ تھیں۔ گویا اس کے نسب کے ستون کمزور ہو چکے تھے۔

سعید بن جبیر نے کہا یہ اس وارث کو کہتے ہیں جو میت کا والد اور ولد نہیں ہوتا کیونکہ یہ میت کو دو طرف سے گھیرے ہوتے ہیں لیکن نسب کے ستون میں کوئی نہیں ہوتا، جس طرح پٹی سر کو گھیرے ہوتی ہے جبکہ درمیانی سر خالی ہوتا ہے۔ اس پر حضرت جابر کی حدیث دلالت کرتی ہے بے شک میرے وارث کلالہ ہوں گے یعنی ایسے لوگ وارث ہوں گے جو نہ میری اولاد ہوں گے اور نہ ہی والدین۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کلالہ کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا میں اپنی رائے سے اس کی وضاحت کروں گا۔ اگر تعبیر صحیح ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اگر غلط فیصلہ ہو تو میری طرف اور شیطان کی طرف سے ہو گی۔ میں خیال کرتا ہوں کلالہ اسے کہتے ہیں جو والد اور ولد نہ ہو۔ جب حضرت عمر خلیفہ بنے تو کہا میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہوں کہ میں حضرت ابوبکر کا قول رد کر دوں، اسے امام بیہقی نے امام شعبی سے روایت کیا۔ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں کہا حاکم نے صحیح سند کے ساتھ ابن عباس سے انہوں نے حضرت عمر سے نقل کیا ہے حضرت ابوہریرہ سے ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے کلالہ کی تفسیر یوں کی وہ وارث جو والد اور ولد نہ ہو۔ اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔

ابوالشیخ نے براء سے نقل کیا ہے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے کلالہ کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا والد اور ولد کے علاوہ وارث کو کلالہ کہتے ہیں۔ اسی طرح ابوداؤد نے مراسیل میں ابو سلمہ بن عبدالرحمن سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا جو والد اور ولد نہ چھوڑے اس کے وارث کلالہ ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ کلالہ کی تفسیر میں والد اور ولد سے مراد اصول و فروع کے مذکر ہیں، یہاں تک کہ اگر میت کی کوئی بیٹی یا ماں ہو وہ بھی کلالہ ہو گی، جس کے اوپر حضرت جابر کی حدیث دلالت کرتی ہے کیونکہ اس آیت کے نازل ہونے کے حضرت جابر کی صرف ایک بیٹی تھی، ان کے والد موجود نہ تھے کیونکہ ان کے والد عبداللہ بن حرام اس سے قبل غزوہ احد

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 105 (فرائض)

میں شہید ہو گئے تھے۔ بھائی اور بہنیں ماں کے ساتھ بالا جماع وارث ہوتے ہیں۔ یہاں ولد کا لفظ پوتے کو بھی عام ہے۔ یہاں تک کہ بھائی پوتے کی موجودگی میں بلا جماع وارث نہیں ہوتے۔(1) اسی طرح والد دادا کو بھی عام ہے کیونکہ کلالہ کی تفسیر میں والد اور ولد میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔

۲؎ امراۃ کا عطف رجل پر ہے۔ نظم آیت یوں ہوئی وان کان رجل امراۃ یورث یعنی ان میں سے ایک کلالہ ہو۔

۳؎ لہ کی ضمیر رجل کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ وہ مذکر ہے۔ اس سے کلام کا آغاز ہے یا من رجلا وامرأۃ میں سے ایک ہے۔ ضمیر مذکر ہے جملہ ظرفیہ کان کی خبر پر معطوف ہے اگر رجل سے مراد میت ہو، اگر اس سے فرد وارث ہو تو ضمیر مورث کی طرف لوٹے گی جو سیاق کلام سے سمجھا جا رہا ہے، جس طرح لابویہ کی ضمیر میں ہوا اور جملہ ظرفیہ یورث میں موجود ضمیر سے حال ہوگا۔

۴؎ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ یہاں اخ اور اخت سے مراد ماں کی طرف سے بھائی اور بہن ہے جس پر ابی اور سعد بن ابی وقاص کی قرأت دلالت کرتی ہے۔ امام بیہقی نے روایت کیا ہے بیشک سعد (راوی نے کہا میں گمان کرتا ہوں یہاں سعد سے مراد ابن ابی وقاص ہیں) آپ یوں تلاوت کرتے ولہ اخ او اخت من ام ابو بکر بن منذر نے بھی حضرت سعد سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ زمخشری نے آپ سے اور ابی بن کعب سے اسی کی مثل بیان کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضرت ابن مسعود نے بھی اسی کی مثل قرأت کی۔ حافظ ابن حجر نے کہا میں اسے ابن مسعود سے خیال نہیں کرتا اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قرأت غیر متواترہ پر عمل کرنا جائز ہوتا ہے، جس طرح امام ابو حنیفہ کا نقطہ نظر ہے، جبکہ اس کی سند صحیح ہو، جبکہ امام شافعی نے اس سے مختلف رائے قائم کی ہے۔

امام بغوی نے کہا حضرت ابو بکر صدیق نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا وہ آیت جو اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء کے شروع میں فرائض کے بیان کے متعلق نازل فرمائی وہ ولد اور والد کے متعلق نازل فرمائی۔ دوسری آیت خاوند، بیوی اور ماں کی طرف سے بھائیوں کے متعلق نازل فرمائی، وہ آیت جس پر سورت کا اختتام ہے وہ حقیقی بھائیوں اور حقیقی بہنوں کے بارے میں نازل فرمائی۔ وہ آیت جس پر سورۂ انفال کا اختتام ہے وہ اللہ تعالیٰ نے اولی الارحام کے متعلق نازل فرمائی بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ(2)

۵؎ تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ ماں کی طرف سے جو اولاد ہوگی وہ صرف تیسرے حصے میں شریک ہوں گی۔ جب ان کی تعداد دو یا دو سے زیادہ ہو وہ مذکر یا مؤنث ہوں وہ استحقاق اور تقسیم میں برابر ہوں گے۔

علماء نے مسئلہ حماریہ میں اختلاف کیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب وارث خاوند، ماں، ماں کی طرف سے دو بھائی اور ایک ماں باپ کی طرف سے بھائی ہو، اس صورت میں خاوند کے لئے نصف، ماں کے لئے چھٹا، ماں کی طرف سے بھائیوں کے لئے تیسرا حصہ اور حقیقی بھائی کے لئے کچھ بھی نہیں ہوگا، خواہ وہ بھائی ایک ہو یا زیادہ ہوں۔ یہ نقطہ نظر امام ابو حنیفہ، امام احمد اور داؤد کا ہے کیونکہ یہ عصبہ ہے اور اصحاب فرائض کو ادا کرنے کے بعد کوئی چیز بچی ہی نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حقیقی بھائی ماں کی طرف سے بھائیوں کے ساتھ ترکہ کے اس تیسرے حصے میں شریک ہوں گے جو ماں کی طرف سے بھائیوں کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حقیقی بھائیوں کو شریک نہ کرتے تھے یہاں تک کہ آپ ایک مسئلہ میں مبتلا ہوئے حقیقی بھائی نے عرض کی اے امیر المومنین فرض کیجئے ہمارا باپ ایک گدھا تھا، کیا ہم ایک ماں کی اولاد نہیں، تو حضرت عمر

1۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 412 (التجاریہ)

2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 412 (التجاریہ)

فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی شریک کرلیا۔ اسی وجہ سے اس مسئلہ کو حماریہ کہتے ہیں۔ حاکم نے اسے مستدرک اور بیہقی نے سنن میں زید بن ثابت کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ اس سند میں ابوامیہ بن یعلی ثقفی ہے جو ضعیف ہے اور شعبی کے واسطہ سے حضرت عمرؓ حضرت علی اور حضرت زید بن ثابت سے نقل کیا ہے کہ باپ نے تو ان کے قرب میں اضافہ کیا ہے۔ دار قطنی نے وھب بن منبہ کے واسطے سے مسعود بن حکم ثقفی سے نقل کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک عورت کے بارے میں مسئلہ پیش ہوا جس نے اپنے پیچھے اپنا خاوند، ماں، ماں کی طرف سے بھائی اور ماں باپ کی طرف سے بھائی چھوڑے تھے۔ آپ نے ماں کی طرف سے بھائیوں کو حقیقی بھائیوں کے ساتھ شریک کیا۔ ایک آدمی نے سوال کیا آپ نے فلاں سال انہیں شریک نہیں کیا تھا۔ آپ نے فرمایا وہ اسی طرح رہے گا جو ہم نے فیصلہ کیا تھا۔ یہ بھی اسی طرح رہے گا جس طرح ہم نے فیصلہ کیا۔ اسے عبدالرزاق نے نقل کیا ہے۔ بیہقی نے ابن مبارک کے واسطہ سے معمر سے نقل کیا لیکن کہا حکم سے وہ ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں۔ نسائی نے اسے صائب قرار دیا۔ بیہقی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھائیوں کو شریک کیا اور حضرت علی شیر خدا نے شریک نہیں کیا۔

مسئلہ:۔ ماں کی اولاد حقیقی بچے، پوتے، باپ اور دادا کے ساتھ بالا جماع ساقط ہو جاتی ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ کیا دادا کی موجودگی میں علاتی بھائی یا حقیقی بھائی ساقط ہوں گے یا نہیں، جس طرح یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ماں کی موجودگی میں اخیافی بھائی ساقط ہوں کیونکہ جو فرد میت تک رشتہ کا ذریعہ ہو۔ اگر وہ خود موجود ہے تو دوسرے افراد ساقط ہو جائیں گے۔ لیکن ہم نے اجماع کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا اور اس لئے بھی کہ ماں تمام مال کی وارث نہیں بنتی۔

1 ابن کثیر، ابن عامر اور عاصم نے صاد کے فتحہ کے ساتھ فعل مجہول کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے صاد کے کسرہ کے ساتھ معروف کا صیغہ پڑھا ہے۔ جس نے یوصی کو معروف کا صیغہ پڑھا ہے ان نے غیر مضار کو اس کے فاعل سے حال پڑھا ہے، جنہوں نے اسے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اس صورت میں یہ اس فعل مضمر کے فاعل سے حال ہوگا جس پر یہ کلام دلالت کرتی ہے کیونکہ مجہول فعل معروف پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی وصیت میں تیسرے حصہ سے زیادہ کی وصیت کر کے وہ ورثاء کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو یا جھوٹا اقرار کر کے نقصان پہنچانے والا نہ ہو یا وصیت کے ذریعے محض وارثوں کو نقصان پہنچانا چاہتا ہو اللہ تعالیٰ کا قرب مقصود نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک ایک مرد اور عورت ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہتے ہیں۔ پھر ان کی موت کا وقت قریب ہوتا ہے۔ وہ وصیت کر کے نقصان پہنچاتے ہیں تو ان کے لئے جہنم کی آگ ثابت ہو جاتی ہے۔ پھر حضرت ابو ہریرہ نے یہ آیت پڑھی مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ غَيۡرَ مُضَآرٍّ ۔۔۔۔ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ (1)

اسے امام احمد، ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے وارث کی میراث کو قطع کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز جنت سے اس کا حصہ ختم کر دے گا (2) اسے ابن ماجہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے۔ حضرت علی سے مروی ہے کہ چوتھے حصے کی بجائے پانچواں حصہ وصیت کرنا مجھے زیادہ پسند ہے اور چوتھا حصہ وصیت کرنا تیسرے حصہ سے وصیت کرنا مجھے زیادہ محبوب ہے۔ اسے بیہقی نے روایت کیا۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے وہ آدمی جو پانچویں حصہ کی وصیت کرتا ہے وہ چوتھے حصہ کی وصیت کرنے سے بہتر ہے۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 33 2۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 196

فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں وصیت اور دین کو غیر مضار کی قید کے ساتھ مقید کیا ہے، جبکہ سابقہ میں کوئی قید نہیں تھی، جبکہ یہ سب میں معتبر اور ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ولادت کی رشتہ داری اور زوجیت کا حسن معاملہ عموماً نقصان پہنچانے سے مانع ہوتا ہے، جبکہ اخیافی رشتہ میں قربت کم ہوتی ہے نقصان پہنچانے کا اندیشہ ہو سکتا تھا اس لئے اس کے ساتھ اسے مقید کیا۔

فصل:۔ وصیت کی کئی صورتیں ہیں (1) واجب (2) مندوب (3) مباح (4) حرام (5) مکروہ

جس آدمی کے ذمہ قرض، زکوٰۃ، نذر، حج، فوت شدہ نماز اور فوت شدہ روزہ ہو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے اوپر قرض کے بارے میں وصیت کر جائے نماز اور روزہ کے بارے میں اپنے مال سے فدیہ کی وصیت کرے، قرضے اس کے تمام مال سے ادا کئے جائیں۔ سب سے پہلے وہ قرضے ادا کئے جائیں گے جن کے اسباب معروف ہوں گے۔ یہ امام ابوحنیفہ کا نقطہ نظر ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نقطہ نظر یہ ہے جن قرضوں کے اسباب معروف ہوں اور جن کے اسباب معروف نہ ہوں دونوں کو برابر حیثیت حاصل ہوگی اور قرض کے علاوہ جو ذمہ میں ہوگا اس کو مال کے تیسرے حصے سے پورا کیا جائے گا۔ یہ جائز نہیں، اس جیسی وصیت کو مہمل چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان پر کوئی حق ہو اور اس کے پاس کوئی ایسی چیز بھی ہو جس میں وہ وصیت کر سکتا ہے تو وہ دو راتیں بھی نہ گذارے مگر اس حال میں کہ وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہو(1) متفق علیہ۔ امام مسلم کی روایت میں تین راتوں کا ذکر ہے اور جس پر کسی کا کوئی حق نہ ہو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ تیسرے حصے سے کم میں صدقہ کی وصیت کرے، دسویں حصہ پانچویں حصہ یا چوتھائی حصہ کی وصیت کرے، تاہم اگر ورثاء غنی ہوں تو اسے تیسرے حصہ کی وصیت کرنا بھی جائز ہے جس طرح پہلی احادیث میں گذر چکا ہے، اگر ورثاء فقیر ہوں تو پھر وصیت کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور وصیت کو ترک کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں قریبی پر صدقہ کی صورت ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسکین پر صدقہ صرف صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے(2) اسے امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ ایسی وصیت حرام ہے جس میں وارثوں کو ضرر ہو یا انہیں نقصان پہنچانے کا قصد کیا گیا ہو۔

1 یہ مفعول مطلق ہے اور تاکید کے لئے آیا ہے، یعنی تقدیر کلام یوں ہوگی یوصیکم وصیۃً یا یہ غیر مضار سے مفعول بہ کے طور پر منصوب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ہے اس کو نقصان نہ پہنچایا جائے، یعنی ثلث سے زیادہ کی وصیت کر کے یا اولاد، ازواج اور اقارب کے حق میں وصیت میں اسراف کر کے یا جھوٹے اقرار کے ذریعے۔

2 جو نقصان پہنچائے اسے اور دوسری چیزوں سے وہ آگاہ ہے۔ اور وہ جلدی سزا نہیں دیتا۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

"یہ حدیں اللہ (کی مقرر کی ہوئی) ہیں اور جو شخص فرمانبرداری کریگا اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی داخل فرمائے گا

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 38-39 (قدیمی) 2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 83 (وزارت تعلیم)

اسے اللہ تعالیٰ باغوں میں بہتی ہوں گی جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گی وہ ان میں اور یہی ہے بڑی کامیابی۔" ؎

؎ یہاں تلک سے مراد یتیموں کے بارے میں احکام وصیتیں اور وراثتیں ہیں۔ حدود اللہ سے مراد اس کے وہ شرعی احکام ہیں جن سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہوتا۔

وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا ۖ وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۴﴾

"اور جو نافرمانی کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی اور تجاوز کرے گا اللہ کی (مقررہ) حدوں سے داخل کرے گا اسے اللہ آگ میں ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔" ؎

؎ نافع اور ابن عامر نے دونوں مقامات پر ندخلہ جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے اور باقی قراء نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے اور یدخلہ کی ضمیر کو دونوں مواقع پر من کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے مفرد ذکر کیا ہے۔ خالدین اور خالدا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہیں۔ ایک دفعہ جمع اور دوسری دفعہ مفرد من کے لفظ اور معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ خالد کو نار کی صفت بنانا جائز نہیں، ورنہ ضمیر کو ظاہر کرنا ضروری ہوتا حقیقی اور علاتی بہن بھائیوں کا ذکر سورت کے آخر میں ہوگا یہاں فرائض کے باقی ماندہ مسائل ذکر کرتے ہیں۔

مسئلہ:۔ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب فرائض ترکہ کے حصوں سے بڑھ جائیں تو حصہ کے مطابق ان میں سے ہر ایک میں نقص واقع ہوگا۔ اس مسئلہ کو عائلہ کہتے ہیں یہ نام دینے کی وجہ سے اصحاب فرائض کے حصوں میں باہم تعارض ہوتا ہے اور ان میں سے کسی حصہ کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ اس لئے ان کے اصل حصوں سے دوسروں کو طرف میلان کیا جاتا ہے۔ اس لئے اسے یہ نام دیا گیا۔ اس مسئلہ کو دیون (قرضوں) پر بھی قیاس کیا جاتا ہے۔ جب لوگوں کے قرض میت پر اس کے ترکہ سے زائد ہوں تو قرض خواہوں کے حصہ میں تناسب سے کمی کر دی جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اس مسئلہ پر اجماع ہوا، جب ایک عورت فوت ہوئی تو اس نے اپنے پیچھے ایک خاوند اور دو بہنیں چھوڑی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو جمع کیا، ان سے مشورہ طلب کیا، ارشاد فرمایا اگر ایک آدمی مر جاتا اور وہ اپنے پیچھے چھ درہم چھوڑ جاتا ہے جبکہ اس پر ایک آدمی کے تین درہم اور دوسرے کے چار درہم تھے، کیا اسکے مال کے سات حصے نہیں بنائے جائیں گے؟ تو صحابہ نے آپ کے قول کو پسند کیا۔ پھر حضرت ابن عباس نے حضرت عمر کے وصال کے بعد اس کی مخالفت کی اور اس مسئلہ کا انکار کر دیا۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ نے حضرت عمر کی موجودگی میں یہ نہ کیا تھا تو حضرت ابن عباس نے کہا میں نے آپ کے خوف کی وجہ سے ایسا کیا تھا جب کہ آپ کا بڑا دبدبہ تھا۔ حضرت ابن عباس سے کہا گیا آپ کی جماعت کے ساتھ رائے آپ کی اکیلی رائے سے ہمیں زیادہ محبوب ہے۔ اسے امام بیہقی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ ایک آدمی عالج صحراء کے ریت کے ذرے شمار کرے وہ مال میں نصف نصف کرے پھر اس میں تیسرا حصہ نکالے جب نصف نصف کرنے سے مال ختم ہو گیا تو تیسرے حصے کی گنجائش کہاں۔ آپ سے پوچھا گیا سب سے پہلے میراث میں عول کا قاعدہ کس نے جاری کیا۔ فرمایا حضرت عمر نے اور پھر سارا قصہ ذکر کیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا قسم بخدا اگر اسے مقدم رکھا جائے جسے اللہ تعالیٰ نے مقدم رکھا ہے تو عول کے قاعدہ کو جاری نہ کرنا پڑے گا۔ حاکم نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے آپ سے پوچھا گیا اللہ تعالیٰ نے کسے مقدم کیا جواب

دیا اللہ تعالیٰ نے جس کے حصہ کو دوسرے حصہ کی صورت میں بیان کیا ہے، مکمل ختم نہیں کیا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا ہے اور ہر وہ حصہ جب اسے زائل کیا تو اس کے لئے باقی ماندہ کے سوا کچھ بیان نہ کیا تو اسے اللہ تعالیٰ نے مؤخر کیا ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا وہ میاں بیوی اور ماں ہے جسے مؤخر کیا وہ بہنیں اور بیٹیاں ہیں جب ایسے ورثاء جمع ہو جائیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقدم و مؤخر کیا ہے تو وراثت کی تقسیم ان سے شروع ہوگی، جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا اسے پورا حق دیا جائیگا۔ اگر کوئی چیز باقی بچی تو اسے مؤخر کر دے دیا جائے گا۔ اگر کوئی چیز نہ بچی تو ان کے لئے کچھ بھی نہ ہوگا۔ محمد بن حنیفہ نے اس قول میں حضرت ابن عباس کی موافقت کی۔

مسئلہ:۔ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اصحاب فرائض ترکہ میں سے جو چھوڑ دیں گے وہ سب سے قریبی مرد کو ملے گا جس طرح گذشتہ حدیث سے ثابت ہے اس آدمی کو عصبہ کہتے ہیں جب کوئی صاحب فرضی نہ ہو تو یہی مرد تمام مال کا وارث ہوتا ہے۔ میت کے سب سے قریب اس کا بیٹا پھر اس کا پوتا پھر اس سے نیچے اگر ہو تو اس کا باپ پھر دادا پھر اس سے اوپر اگر ہو پھر حقیقی بھائی پھر علاتی بھائی (باپ کی طرف سے) پھر حقیقی بھتیجا پھر علاتی بھائی کا بیٹا۔ ان سے جو نیچے ہوں ان کا حق اسی طریقہ پر ہوگا، پھر حقیقی چچا پھر باپ کی طرف سے چچا پھر ان کے بیٹے اسی طرح پھر اسی طرح اگر ان سے نیچے ہوں پھر والد کے چچا پہلے حقیقی اور پھر علاتی پھر ان کی اولاد پھر ان کے نیچے اسی طرح دادوں کے چچا الی نہایۃ تک حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حقیقی بھائی باہم وارث ہوتے ہیں علاتی بھائی باہم وارث نہیں ہوتے ایک آدمی حقیقی بھائی کا وارث ہوتا ہے علاتی بھائی کا وارث نہیں ہوتا(1) اسے امام ترمذی، ابن ماجہ، حاکم نے روایت کیا اس میں کوئی اختلاف نہیں صرف وہی اختلاف ہے جو بھائیوں کا دادا کے ساتھ تقسیم کرنے میں ہے۔

مسئلہ:۔ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورتوں میں سے جس کا حصہ نصف اور دو ثلث ہو وہ اپنے بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ یہ معاملہ اولاد اور بھائیوں میں ہوگا اور عورتوں میں سے جو اہل فرائض نہیں جبکہ ان کا بھائی عصبہ ہے وہ عورتیں عصبہ نہ ہوں گی جس طرح پھوپھی اور بھتیجی۔

مسئلہ:۔ عصبات میں سے آخری عصبہ بالاجماع آزاد کرنے والا آقا ہوگا، یعنی اگر مرنے والے کے اصحاب فروض اور نسبی عصبات نہ ہوں تو آزاد کرنے والے آقا کو وراثت ملے گی۔ امام بیہقی اور عبدالرزاق نے روایت بیان کی ہے کہ ایک آدمی ایک شخص کو حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں لایا۔ عرض کی میں نے اسے خریدا اور آزاد کر دیا۔ اس کی میراث کا معاملہ کیا ہوگا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ اگر اس نے کوئی عصبہ چھوڑا تو اس کا عصبہ زیادہ حقدار ہوگا، ورنہ ولاء (آزاد شدہ غلام کا مال) تیرے لئے ہوگی۔ صحیحین میں ہے ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہوگی۔(2) پھر آزاد کرنے والے کے عصبات اس کے مستحق ہوں گے، عورتوں کے لئے کوئی ولاء نہیں مگر جنہوں نے غلاموں کو آزاد کیا یا ان کے آزاد کردہ غلاموں نے آزاد کیا۔ امام نسائی اور ابن ماجہ نے بنت حمزہ کی حدیث روایت کی ہے کہ بنت حمزہ نے ایک غلام آزاد کیا، اس کا غلام فوت ہو گیا جس نے اپنی بیٹی اور بنت حمزہ کو پیچھے چھوڑا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی بیٹی کو نصف اور سابقہ مالکہ بنت حمزہ کو نصف نصف عطا فرمایا۔ دارقطنی اور طحاوی نے اس حدیث کو مرسل روایت کیا ہے۔ بیہقی نے کہا، تمام راوی اس بات پر متفق ہیں کہ بنت حمزہ نے اسے آزاد کیا تھا، اس کے باپ نے اسے آزاد نہیں کیا تھا۔ اس باب میں ابن عباس سے روایت بھی مروی ہے۔ اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 30 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 493 (قدیمی)

مسئلہ:۔ اصحاب فرائض کو حصہ دینے کے بعد اگر ترکہ میں سے کوئی حصہ بچ جائے اور میت کے لئے کوئی عصبہ نہ ہو تو اصحاب فرائض کے حصہ کے مطابق باقی ماندہ مال بھی انہیں دے دیا جائے گا لیکن زوجین اس میں شامل نہ ہوں گے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا نقطہ نظر ہے امام مالک اور امام شافعی نے کہا باقی ماندہ مال انہیں نہیں دیا جائے گا بلکہ باقی ماندہ مال بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا۔ اصحاب شافعی میں سے متاخرین نے یہ فتویٰ دیا کہ بیت المال کا نظام مناسب نہ ہونے کی وجہ سے اصحاب فرائض کو ہی باقی ماندہ دے دیا جائے گا۔ قاضی عبدالوہاب مالکی نے ابوالحسن سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان نے حضرت علی، حضرت ابن عباس اور ابن مسعود سے صحیح امر یہی ہے کہ وہ ذوالارحام کو وارث نہیں بناتے تھے اور اصحاب فروض کی طرف باقی ماندہ مال نہیں لوٹاتے تھے۔ امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عبداللہ ذی رحم محرم رشتہ داروں کو وارث بناتے تھے۔ راوی نے کہا میں نے پوچھا کیا حضرت علی شیر خدا بھی ایسا کرتے تھے؟ کہا وہ ایسے معاملہ میں سب سے سخت تھے(1) آپ نے اپنی سند سے دو ذریعوں سے سوید بن غفلہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی فوت ہوا اس نے بیٹی بیوی اور مالکہ چھوڑی۔ سوید نے کہا میں حضرت علی شیر خدا کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اس قسم کا مسئلہ آپ کے سامنے پیش ہوا۔ حضرت علی شیر خدا نے بیٹی کو نصف، بیوی کو آٹھواں حصہ پھر باقی ماندہ بیٹی کو ہی دے دیا اور مالکہ کو کوئی چیز نہ دی۔ ابو جعفر سے دو سندوں کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت علی شیر خدا باقی ماندہ میراث کو بھی حصہ کے مطابق اصحاب فرائض کو دے دیتے تھے(2) امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ مسروق سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ کے پاس ماں کی طرف سے بھائیوں اور ماں کا مسئلہ پیش ہوا۔ آپ نے بھائیوں کو تیسرا حصہ اور باقی ماندہ ماں کو دے دیا۔ فرمایا جس کا کوئی اور عصبہ نہ ہو ماں اس کا عصبہ ہے وہ ماں کی موجودگی میں ماں کی طرف سے بھائیوں، حقیقی بیٹی کی موجودگی میں پوتیوں حقیقی بہن کی موجودگی میں باپ کی طرف سے بہنوں، بیوی، دادی اور خاوند کی طرف کوئی چیز نہیں لوٹاتے تھے(3) امام طحاوی نے فرمایا ہمارے نزدیک صحیح وہ ہے جس طرف حضرت علی شیر خدا گئے ہیں نہ وہ جس طرف عبداللہ بن مسعود گئے ہیں کہ میراث میں سے جو چیز بچ جائے وہ اصحاب فروض کو ان کے حصہ کے مطابق دے دیا جائے۔ اسی طرح قریب کے رشتہ داروں کو دور کے رشتہ داروں پر مقدم نہ کیا جائے، بلکہ باقی ماندہ مال کو حصہ کے مطابق ان میں تقسیم کر دیا جائے کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ وہ اپنے مقررہ حصہ کے اعتبار سے وارث ہیں، جبکہ رشتہ داری مختلف ہے، ان میں سے بعض قریبی رشتہ داری کی وجہ سے بعیدی رشتہ دار سے میراث میں زیادہ کا مستحق نہیں۔ یہی ائمہ احناف (امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد) کا نقطہ نظر ہے۔

مسئلہ:۔ تمام علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ فرض اور عصبہ دو جہتوں کے اجتماع کی صورت میں دونوں جہتوں کا اکٹھے اعتبار کیا جائے گا جب ایک عورت تین چچازاد بھائی چھوڑ کر مر جاتی ہے۔ ایک اس کا ماں کی طرف سے بھائی ہے۔ دوسرا اس کا خاوند ہے ماں کی طرف سے بھائی کو چھٹا حصہ دیا جائے گا۔ دوسرے کو زوجیت کی وجہ سے نصف ملے گا جو باقی بچے گا۔ وہ ان تینوں میں برابر تقسیم کیا جائے گا مسئلہ اٹھارہ اجزاء کرنے سے صحیح ہو گا پانچ حصے پہلے کو ملیں گے گیارہ حصے دوسرے کو ملیں گے اور دو حصے تیسرے کو ملیں گے۔

جب فرض کی دو جہتیں اکٹھی ہو جائیں اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے کہا وہ اقوی صورت کے اعتبار سے وارث ہو گا، جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک دونوں جہتوں کے اعتبار سے وارث ہو گا۔ یہ چیز ایک مجوسی میں ہی متصور ہو

1۔ شرح معانی الآثار، جلد 2، صفحہ 398 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان 2۔ شرح معانی الآثار، جلد 2، صفحہ 398 (امدادیہ)
3۔ ایضاً

سکتی ہے کہ وہ ذی محرم عورت سے شادی کرتا ہے پھر وہ مسلمان ہو جاتا ہے یا مسلمان جو شبہ کی وجہ سے محرم سے وطی کرتا ہے اور مر جاتا ہے۔ ایک مجوسی اپنی بیٹی سے نکاح کرتا ہے۔ اس نے ایک بچی جنی پھر دوسری بیٹی سے نکاح کرتا ہے۔ اس نے ایک لڑکا جنا اس بچے کی ماں اس کی ماں بھی ہے اور باپ کی طرف سے بہن بھی پہلی بیٹی اس بچے کی نانی بھی ہے اور باپ کی طرف سے بہن بھی۔

مسئلہ:۔ اصحاب فروض اور عصبات کے علاوہ ذوی الارحام کی میراث کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے، جبکہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ زوجین کے علاوہ اگر اصحاب فروض میں سے کوئی ایک ہو اور عصبات میں سے کوئی ایک ہو تو ان ذوی الارحام کو وارث تسلیم نہیں کیا جائے گا مگر وہ روایت جو سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ ماموں کی لڑکی کی موجودگی میں وارث بنے گا۔ امام ابو حنیفہ اور امام احمد نے انہیں وارث بنایا اور حضرات علی شیر خدا ابن مسعود اور ابن عباس سے یہی منقول کیا ہے۔ امام مالک اور امام شافعی ان کے وارث نہ بنانے کی طرف گئے ہیں۔ اگر اور وارث نہ ہوں تو مال بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا۔ علماء نے کہا یہ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت زیدؓ زہری اور اوزاعی سے مروی ہے۔ شافعیہ میں سے متاخرین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ انہیں وارث بنایا جائے گا کیونکہ بیت المال کا نظام ٹھیک نہیں۔

ہمارے پیش نظر ذوی الارحام کے وارث بننے کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ امام بغوی نے ابو بکر سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اپنے خطبہ میں کہا کہ یہ آیت کریمہ اولی الارحام کے بارے میں نازل ہوئی کہ ان میں سے بعض بعض سے قریبی ہیں۔

علماء نے اعتراض کیا اس آیت میں تمہارے لئے کوئی دلیل نہیں کیونکہ لوگ منہ بولے بیٹوں کو ورثہ دیتے تھے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ کو متبنیٰ بنایا تھا۔ لوگ دور جاہلیت میں یہ عہد و پیمان بھی کرتے تھے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث بنیں گے تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت کو نازل فرمایا تا کہ اس طرز عمل کا خاتمہ ہو اور میراث کو ذوی الارحام کی طرف پھیر دیا جائے، فرمایا لوگوں کو ان کے آباء کے اعتبار سے بلاؤ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ انصاف پر مبنی ہے۔ آیت میں اولی الارحام سے مراد عصبات ہیں اور اصحاب فروض ہیں۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں اگر یہ شان نزول مان بھی لیا جائے تب بھی اعتبار عموم لفظ کا ہوگا، خصوص سبب کا نہ ہوگا۔ یہ لفظ عام ہے یہ اصحاب فروض، عصبات اور دوسرے لوگوں کو بھی شامل ہے۔ ہمارے پیش نظر کئی احادیث ہیں ایک ابامہ بن سہل کی حدیث ہے کہ ایک آدمی کو تیر لگا وہ مر گیا ماموں کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہیں حضرت ابو عبیدہ نے اس بارے میں حضرت عمر کی طرف خط لکھا۔ حضرت عمر نے یہ جواب ارشاد فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو (1) اسے امام احمد اور بزار نے روایت کیا ہے۔ امام طحاوی نے ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اس کا سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہوگا اور ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو۔ حضرت مقدام بن معدیکرب کی رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث ہے کہ ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو وہ اس کا وارث ہوگا اور اس کی طرف سے دیت بھی دے گا (2) اسے امام احمد، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا ہے، نیز حاکم نے اس کی تصحیح بھی کی ہے اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 28 (دار صادر) 2۔ سنن ابی داؤد، جلد، صفحہ 402 (وزارت تعلیم)

ابوزرعہ سے روایت کیا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ امام بیہقی نے اضطراب کی وجہ سے اسے معلل قرار دیا۔ امام طحاوی نے اس لفظ کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے جس نے مال چھوڑا یہ اس کے وارثوں کا ہوگا۔ جس کا کوئی وارث نہ ہو میں اس کا وارث ہوں، میں اس کی دیت دوں گا اور اس کا وارث بنوں گا۔ ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو، وہ اس کی طرف سے دیت دے گا اور اس کا وارث ہوگا اور ایک اور روایت میں اسی کی مثل ہے۔ مگر یہ فرمایا میں اس کا وارث بھی بنوں گا اور اس کی جان بھی چھڑا دوں گا۔ ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں۔ وہ اس کا وارث بھی بنے گا اور اس کی جان بھی چھڑائے گا۔ میں کہتا ہوں حضور ﷺ کے ارشاد اَنَا وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ کا معنی یہ ہے کہ جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا مال بیت المال کے لئے ہے اور نبی کریم ﷺ بیت المال کے ولی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حضور ﷺ سے یہ حدیث بھی ہے ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو(1) اسے امام ترمذی نسائی اور طحاوی نے روایت کیا۔ امام نسائی نے اضطراب کی وجہ سے اسے معلل قرار دیا۔ دار قطنی نے اسے راجح اور بیہقی نے اسے موقوف قرار دیا ہے۔ واسع بن حبان کی حدیث بھی ہے ثابت بن دحداح فوت ہوئے یہ باہر سے آئے ہوئے تھے اس کے نسب کے بارے میں کسی کو علم نہ تھا رسول اللہ ﷺ نے عاصم بن عدی سے فرمایا کیا تم اس کے نسب کو پہچانتے ہو؟ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ابولبابہ بن منذر کو بلایا جو ان کا بھانجا تھا، اسے میراث عطا کی(2) اسے امام طحاوی نے روایت کیا۔ امام طحاوی نے حضرت عمر کے آثار کو بھی بیان کیا کہ آپ نے پھوپھی کو دو ثلث اور خالہ کو ایک ثلث دیا دو تہائی باپ کی رشتہ داری کی وجہ سے اور ایک تہائی ماں کی رشتہ داری کی وجہ سے۔(3)

علماء نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ سے پھوپھی اور خالہ کی وراثت کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا میں اپنے طور پر کچھ نہیں جانتا۔ یہاں تک کہ میرے پاس جبرئیل امین آئے۔ پھر فرمایا پھوپھی اور خالہ کی وراثت کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟ وہ آدمی حاضر ہوا حضور ﷺ نے فرمایا جبرائیل امین نے خاموشی سے مجھے بتایا کہ ان دونوں کے لئے کچھ بھی نہیں۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا حدیث ضعیف ہے۔ دار قطنی نے کہا اس کو صرف مسعدہ نے محمد بن عمرو سے روایت کیا ہے۔ مسعدہ ضعیف اور حدیث کو وضع کرنے والا ہے جبکہ صحیح روایت مرسل ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہم نے اس کی مروی روایات جلا دیں۔ اسے حاکم نے عبد اللہ بن دینار کی حدیث سے جو انہوں نے عبد اللہ بن عمر سے نقل کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔ ان کی سند میں عبد اللہ بن جعفر مدنی ہے جو ضعیف ہے۔ حاکم نے اس کی ایک شاہد روایت نقل کی ہے جو شریک بن عبد اللہ کی حدیث ہے کہ حارث بن ابی عبیدہ نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ سے پھوپھی اور خالہ کو میراث دیئے جانے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے یہ ذکر کیا اس سند میں سلیمان بن داؤد متروک ہے۔ دار قطنی نے شریک کے علاوہ ایک اور سند سے مرسل روایت نقل کی ہے۔ زید بن اسلم کی روایت جو عطا بن یسار سے مروی ہے کہ ایک انصاری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی یا رسول اللہ ایک آدمی ہلاک ہوا، اس نے اپنے پیچھے اپنی پھوپھی اور خالہ چھوڑی ہے۔ اس نے یہ سوال اس وقت کیا جب کہ آپ دراز گوش پر سوار تھے۔ آپ رک گئے۔ پھر آپ نے ہاتھ اٹھائے دعا کی اے اللہ ایک آدمی ہلاک ہوا، اس نے اپنی پھوپھی اور خالہ چھوڑی ہے۔ ایک آدمی اس کے بارے میں دریافت کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ تین دفعہ اسی طرح کرتے ہیں۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 32 (وزارت تعلیم)　2۔ شرح معانی الآثار، جلد 3، صفحہ 396 (امدادیہ)　3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 398

پھر فرمایا ان کے لئے کچھ بھی نہیں (1) اسے امام طحاوی نے مختلف طرق سے روایت کیا ہے۔ نیز دار قطنی اور نسائی نے روایت کیا حدیث مرسل ہے۔ ابوداؤد نے اسے مراسیل میں ذکر کیا۔ حاکم نے مستدرک میں ابوسعید کے ذکر کے ساتھ اسے متصل نقل کیا۔ اس کی سند میں ضعف ہے۔ طبرانی نے بھی صغیر میں اسے ابوسعید کی حدیث سے متصل نقل کیا ہے۔ جبکہ یہ روایت انہوں نے محمد بن حرث مخزومی کے تعارف میں نقل کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ابوسعید کے علاوہ کوئی اور شخص قابل اعتراض نہیں۔ ان احادیث میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پہلے پھوپھی اور خالہ کو میراث دینے کے بارے میں پوچھا گیا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ پہلے کیونکہ ان کے بارے میں کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا۔ اس لئے آپ نے فرمایا ان کے لئے کوئی چیز نہیں۔ پھر ذوی الارحام کو وراثت دینے کے بارے میں حکم نازل ہوا تو آپ نے فرمایا خالو اس کا وارث ہے جس کا کوئی اور وارث نہ ہو واللہ اعلم۔

مسئلہ:۔ ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں (1) میت کے فروع (نسل) (2) میت کے اصول (آباؤ اجداد) (3) میت کے قریبی اصل کے فروع (4) میت کے بعیدی اصل کے فروع۔

پہلی قسم دوسری قسم کو، دوسری تیسری کو اور تیسری چوتھی قسم کو محروم کر دیتی ہے۔ ہر قسم سے قریبی دور والے کو محروم کر دے گا۔ اگر وہ برابر ہوں تو جس کا رشتہ ہے وارث کی وجہ سے ہوگا۔ وہ ذی رحم کی وجہ سے رشتہ دار کو محروم کر دے گا۔ بھائیوں، بہنوں، چچاؤں، پھوپھیوں، ماموں اور خالہ میں قرابت کی قوت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر دائرہ قرابت ایک ہو تو حقیقی چچا کی بیٹی علاتی چچا کی بیٹی سے اولیٰ ہوگی۔ جب دائرہ قرابت ایک نہ ہو تو قرابت کی قوت کا اعتبار نہ ہوگا جس طرح ایک باپ کی علاتی بہن ہے اور ایک حقیقی خالہ ہے، ان میں سے کوئی بھی دوسرے کو محروم نہ کرے گی۔ باپ کی قرابت کی وجہ سے اسے دو تہائی اور ماں کی قرابت کی وجہ سے ایک تہائی ملے گا۔ امام طحاوی نے حضرت عمر سے روایت کیا جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا اور جسے دو قرابتیں حاصل ہوں اس کا حصہ دوگنا ہو جائے گا اور مال ذوی الارحام میں افراد کے اعتبار سے تقسیم کر دیا جائے گا۔ یہ نقطہ نظر امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام حسن کا ہے، جبکہ امام محمد کا نقطہ نظر یہ ہے افراد کے اعتبار کے ساتھ ساتھ میت سے ان کی قرابت کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے گا۔ تفصیلی گفتگو طوالت کا تقاضا کرتی ہے جبکہ یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

مسئلہ:۔ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جان بوجھ کر قتل قاتل کو مقتول کی وراثت سے محروم کر دیتا ہے۔ اسی طرح قتل خطا بھی قاتل کو مقتول کی وراثت سے محروم کر دیتا ہے۔ یہ ائمہ ثلاثہ (۱) کا نقطہ نظر ہے۔ امام مالک نے فرمایا کہ قتل کی صورت میں قاتل وراثت کا حقدار ہوگا تاہم دیت میں اس کا حصہ نہ ہوگا۔

ہماری دلیل حضور ﷺ کا عمومی ارشاد ہے قاتل (مقتول کا) وارث نہیں ہوتا (2) اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ اس سند میں اسحاق بن عبد اللہ ہروی متروک الحدیث ہے۔ امام نسائی، دار قطنی نے عمرو بن شعیب سے، انہوں نے باپ سے، انہوں نے دادا سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ امام بیہقی اور دار قطنی رحمہما اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

حضرت امام مالک نے عبد اللہ بن عمر کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے روز فرمایا دو دینوں

(۱) امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم

1۔ شرح معانی الآثار، جلد 2، صفحہ 398 (امدادیہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 133 (قدیمی)

والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں بنتے عورت خاوند کی دیت اور اس کے مال کی وارث ہوگی اور خاوند بھی عورت کی دیت اور اس کے مال کا وارث ہوگا، جبکہ ان میں سے ایک دوسرے کو جان بوجھ کر قتل نہ کرے۔ اگر ان میں سے ایک نے دوسرے کو جان بوجھ کر قتل کیا تو وہ اس کی دیت کا وارث نہ ہوگا۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں حسن بن صالح ہے جو مجروح ہے۔

ہشام بن عروہ کی حدیث سے استدلال کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی ولی کو خطاء قتل کر دیتا ہے۔ وہ اس کے مال کا وارث ہوگا لیکن مقتول کی دیت کا وارث نہیں ہوگا۔ اس سند میں مسلم بن علی ہے۔ یحییٰ نے اس کے متعلق کہا یہ کچھ بھی نہیں۔ دار قطنی نے کہا یہ متروک ہے۔ دار قطنی نے اسے سعید بن مسیب کی حدیث سے مرسل روایت کیا ہے کہ جان بوجھ کر یا خطا سے قتل کرنے والا مقتول کی دیت کا وارث نہیں ہوتا۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔

ہم ان کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ احادیث قتل خطا کی صورت میں بطریق مفہوم قاتل کو مقتول کے وارث ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ہمارے نزدیک مفہوم حجت نہیں۔ پھر یہ اصول کے بھی خلاف ہے کہ بعض ترکہ میں وارث مانا جائے اور بعض میں وارث نہ مانا جائے۔

مسئلہ:۔ تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔ اسے شیخین اور اصحاب سنن اربعہ نے اسامہ بن زید کی حدیث سے روایت کیا حضرت معاذ، ابن مسیب اور نخعی سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان تو کافر کا وارث ہوگا لیکن اس کے برعکس نہیں ہوگا۔ جس طرح مسلمان کتابیہ عورت سے شادی کر سکتا ہے لیکن کتابی مرد مسلمان عورت سے شادی نہیں کر سکتا۔ امام احمد نے اس حکم سے دو امروں کو مستثنیٰ کیا ہے۔ ان میں ایک یہ ہے مسلمان اس کافر غلام کا وارث ہوگا جس کو اسی نے آزاد کیا تھا اور آزاد شدہ غلام کا کوئی اور وارث بھی نہ تھا۔ وہ حضرت جابر کی مرفوع حدیث سے استدلال کرتے ہیں مسلمان کسی نصرانی کا وارث نہیں ہوگا مگر اس صورت میں کہ مرنے والا اس کا آزاد کردہ غلام یا لونڈی ہو۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا۔ دار قطنی نے کہا اسے موقوفاً روایت کیا گیا ہے اور یہ محفوظ ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں یہاں غلام اور لونڈی سے مراد وہ غلام اور لونڈی ہے جنہیں تجارت کا اذن دیا گیا ہو کیونکہ ان دونوں کا مال آقا کا مال ہے اس کے اوپر میراث کے لفظ کا اطلاق مجازاً ہوگا کیونکہ آزاد شدہ حقیقت میں اب غلام نہیں ہوتا۔

دوسری صورت میں یہ ہے کہ جب مسلمان میت کے رشتہ دار کافر ہوں، ترکہ کی تقسیم سے پہلے وہ مسلمان ہو جائیں تو اس صورت میں آپ کے نزدیک وہ وراثت کے مستحق ہوں گے۔ ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ آپ کے نزدیک بھی جمہور مذہب کے مطابق مستحق نہ ہوں گے۔ امام احمد نے حضرت ابن عباس کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تقسیم دور جاہلیت میں کی گئی وہ اسی طرح رہے گی اور ہر وہ تقسیم جو اسلام میں کی گئی وہ اسلام کے ضابطہ کے مطابق ہوگی۔(1) اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔

ابن عمر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو میراث دور جاہلیت میں تقسیم کی گئی وہ اسی کے مطابق رہے گی اور جو دور اسلام میں تقسیم کی گئی اسی کے مطابق رہے گی(2) اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔ ان دونوں احادیث میں امام احمد کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ ان دونوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں وراثت کی تقسیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے معین کردہ حصوں کے مطابق ہوگی نہ جاہلیت کے طریقوں کے مطابق تقسیم ہوگی۔ اسی طرح عروہ بن زبیر کی حدیث سے جو وہ استدلال کرتے ہیں ان کے لئے کوئی دلیل نہیں، روایت

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 404 (وزارت تعلیم) 2۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 202 (وزارت تعلیم)

یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان ہونے کے وقت جو چیز جس کی تھی اسی کی ہوگی۔ اسے ابن جوزی نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ:۔ نصرانی یہودی کا وارث ہوگا۔ اسی طرح یہودی نصرانی کا وارث ہوگا۔ اسی طرح کفر کی دو ملتوں والے ایک دوسرے کے وارث ہوں گے کیونکہ ایک ملت ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا نقطہ نظر ہے اور اصل میراث ہے۔

امام مالک اور امام احمد کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ دو مختلف دینوں والے ایک دو کے وارث نہیں ہوتے (1) اسے امام احمد، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دار قطنی نے عمرو بن شعیب سے، وہ اپنے باپ، وہ دادا سے روایت کرتے ہیں۔ اس سند میں یعقوب بن عطاء ضعیف ہے۔ اسے ابن حبان نے عبداللہ بن عمر کی حدیث سے بیان کیا اور اسے ترمذی نے حضرت جابر کی حدیث سے روایت کیا اور اسے غریب کہا۔ ان کی سند میں ابن ابی لیلیٰ ہے جو ضعیف ہے۔ بزار نے اسے ابوہریرہ کی حدیث سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ایک ملت کے لوگ دوسری ملت کے لوگوں کے وارث نہیں بنتے۔ اس سند میں ایک راوی عمرو بن راشد ہے جو لین الحدیث ہے۔ اسے امام نسائی، حاکم اور دار قطنی نے اسامہ بن زید کی حدیث سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا۔ دار قطنی نے کہا اسامہ کی حدیث میں یہ الفاظ غیر محفوظ ہیں۔ عبدالحق کو وہم ہوا۔ اس نے اسے امام مسلم کی طرف منسوب کر دیا۔ بیہقی نے اسامہ کی حدیث سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا۔ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔ دو ملتوں والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے (2) اس کی سند میں خلیل بن مرہ ضعیف ہے۔ پھر ملتین سے مراد اسلام اور کفر ہے واللہ اعلم۔

مسئلہ:۔ تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ وہ چھوڑ کر جاتے ہیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے وہ مسلمانوں کی بھلائی کے کاموں پر خرچ کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں شیعہ مخالف ہیں۔ وہ اس مسئلہ میں انبیاء کے بعد افضل الخلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت فاطمۃ الزہراء کو وراثت سے محروم رکھا۔ شیعہ نے یوں استدلال کیا کہ یہ حدیث نَحْنُ مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُوَرِّثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ ہم گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑ کر جائیں گے وہ صدقہ ہوتا ہے" فرد ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے قرآن حکیم کا یہ حکم یوصیکم اللہ چھوڑ دیا گیا جبکہ یہ حدیث قرآن کی اس آیت کے بھی خلاف ہے وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ۝ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ۔

اللہ تعالیٰ انہیں برباد کرے۔ عجیب باتیں کرتے ہیں۔ کیا وہ یہ نہیں جانتے اگرچہ یہ حدیث ہمارے لئے آحاد ہے لیکن حضرت ابوبکر نے جب خود حضور ﷺ کی زبان اقدس سے اسے سنا تو یہ ان کے لئے متواتر سے بھی درجہ میں بلند ہوگی کیونکہ محسوسات متواترات سے بھی بلند مرتبہ ہیں۔ نیز ان کا یہ کہنا کہ اسے صرف ابوبکر صدیق نے روایت کیا اور وہ فرد ہے۔ یہ بھی باطل ہے۔ بلکہ اسے صحابہ کی جماعت نے روایت کیا جن میں حذیفہ بن یمان، ابودرداء، حضرت عائشہ اور ابوہریرہ نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی موجودگی میں کہا جن میں حضرت علی شیر خدا حضرت عباس، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص تھے میں تمہیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہے، کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اس سے مراد آپ کی ذات

1۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 200 (وزارت تعلیم) 2۔ سنن کبریٰ بیہقی، جلد 6، صفحہ 218 (دار الفکر)

تھی صحابہ نے جواب دیا جی ہاں ہم جانتے ہیں پھر آپ حضرت علی شیر خدا اور حضرت عباس کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا دونوں نے کہا بالکل ہم اس کو جانتے ہیں (1) ان تمام صحابہ کی روایات احادیث کی کتابوں میں صحیح اور ثابت ہیں۔ یہ حدیث ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے درجہ شہرت تک پہنچی ہے۔ امت نے اسے قبول کیا۔ اس پر اجماع کیا۔ شیعہ کی کتابوں میں ایسی روایات موجود ہیں جو اس کی تائید کرتی ہیں۔ محمد بن یعقوب رازی نے کافی میں ابوالبختری سے انہوں نے ابوعبداللہ جعفر بن محمد صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما سے روایت کیا کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء درہم اور دینار ورثہ چھوڑ کر نہیں جاتے، بیشک انہوں نے اپنی احادیث کا ورثہ چھوڑا، جس نے ان میں سے کچھ حصہ لیا اس نے وافر حصہ لے لیا۔ انما کا کلمہ حصر کا فائدہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ سے مراد علم کی میراث ہے جس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے کیونکہ جہاں یہ فرمایا وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وہاں آگے یہ ہے يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ کیونکہ عُلِّمْنَا کا قول اس میراث کا بیان ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ اس سے مراد بھی علم کی میراث ہے کیونکہ حضرت یحییٰ بن زکریا حضرت یعقوب کی تمام اولاد کے مال کے وارث نہیں ہو سکتے تھے، جس چیز کے وارث بن سکتے تھے۔ وہ علم تھا واللہ اعلم۔

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝

"اور جو کوئی ارتکاب کرے بدکاری کا تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ طلب کرو (تہمت لگانے والے سے) ان پر چار مرد اپنوں میں سے۔ پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو بند کردو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ پورا کردے ان (کی زندگی) کو موت یا بنادے اللہ تعالیٰ ان کی رہائی کے لئے کوئی رستہ۔" [1]

[1] یہاں فاحشہ سے مراد زنا ہے۔ عورت اگر عورت سے ایسا عمل کرے تو اسے بھی یہ شامل ہے کیونکہ لفظ عام ہے نیز اجنبی عورت کی دبر میں لواطت کرنے کو بھی یہ شامل ہوگا۔ اے حکام تم ان لوگوں سے گواہ طلب کرو جو ان عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں۔ گواہ کہیں کہ ہم نے یوں دیکھا جس طرح سرمچو سرمہ دانی میں ہوتا ہے۔ گواہ چار مرد ہوں، مومن ہوں، عادل ہوں۔ بالاجماع حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔ اگر چار آدمی گواہی دے دیں۔ تو عورتوں کو گھروں میں قید کردو۔ یہاں تک کہ ان عورتوں کو موت آجائے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں او بمعنی الی ہے۔ سبیل سے مراد کوئی حکم شرعی جاری کردے۔ امام مسلم نے حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھ سے لے لو۔ مجھ سے لے لو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حکم جاری کردیا۔ غیر شادی شدہ عورت جب غیر شادی شدہ مرد سے بدکاری کرے تو اس کی سزا سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی ہے۔ غیر شادی شدہ جب شادی شدہ سے بدکاری کرے تو سو کوڑے اور رجم ہے۔ (2)

فائدہ:۔ علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا کیا گھر میں قید رکھنا حد تھی جو منسوخ ہو چکی ہے یا حد کے ظاہر ہونے تک انہیں قید رکھنا تھا؟

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 996 (وزارت تعلیم)　　2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 65 (قدیمی)

میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے حد کے نازل کرنے تک انہیں محبوس رکھنے کا حکم دیا اور حد کا حکم نازل ہونے کے بعد بھی منسوخ نہیں ہوا۔ ہدایہ میں ہے قاعدہ یہ ہے کہ حاکم اسے قید کر دے پھر گواہوں کی عدالت کے بارے میں سوال کرے۔ ہم سورۂ نور میں زنا کے کچھ مسائل بیان کریں گے ان شاء اللہ۔

وَالَّذٰنِ يَأْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾

"اور جو مرد و عورت ارتکاب کریں بدکاری کا تم میں سے تو خوب اذیت دو انہیں [1] پھر اگر دونوں توبہ کر لیں اور (نیز) اصلاح کر لیں تو چھوڑ دو انہیں [2] بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔" [3]

[1] ابن کثیر نے یہاں سورۂ طٰہٰ میں اِنَّ هٰذٰنِ، سورۂ حج میں هٰذٰانِ، سورۂ قصص میں هٰتَيْنِ، سورۂ فصلت میں اَرِنَا الَّذَيْنِ نون کے مشدد کے ساتھ اور پانچوں (1) مواقع پر ابن نے قبل الف مدہ کو قائم رکھتے ہوئے پڑھا ہے۔ باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ھا ضمیر سے مراد فاحشہ ہے، یعنی بدکاری اور لواطت۔

اکثر علماء کے نزدیک الذان سے مراد زانی اور زانیہ ہے۔ اسی طرح فاٰذوھما میں ھما سے مراد زانی اور زانیہ ہے۔ عطاء اور قتادہ نے کہا یہاں اذیت سے مراد یہ ہے کہ انہیں زبانی شرمندہ کیا جائے، یہ کہا جائے تجھے اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں، کیا تجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء نہیں آتی۔ ابن عباس نے کہا اس کا معنی ہے زبان اور ہاتھ دونوں سے اسے اذیت دی جائے، یعنی شرمندہ کیا جائے اور جوتوں سے اسے مارا جائے۔ اگر اس آیت سے مراد زانی اور زانیہ لیا جائے تو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں اسے قید کرنے کا ذکر ہے اور اس آیت میں اسے اذیت دینے کا ذکر ہے تو ان میں تطبیق کیسے ہوگی؟ ایک قول یہ کیا گیا کہ پہلی آیت شادی شدہ کے بارے میں تھی اور یہ غیر شادی شدہ کے بارے میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ آیت نزول کے اعتبار سے پہلی آیت سے مقدم ہے۔ زنا کی سزا پہلے اذیت، پھر قید کرنا اور پھر کوڑے مارنا نازل ہوئی۔

میرے نزدیک اس آیت سے مراد وہ مرد ہیں جو قوم لوط جیسا عمل کریں۔ یہی مجاہد کا قول ہے۔ اس صورت میں کوئی اشکال بھی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا شرع کے اندر معین نہیں۔ یہ امام کی رائے پر منحصر ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی نقطہ نظر ہے کہ امام جو مناسب سمجھے گا انہیں سزا دے گا۔ جب وہ فعل بار بار کرنے لگا اور اسے بار بار تعزیر لگائی جا چکی ہو اور وہ باز نہ آئے تو پھر امام ابوحنیفہ کے نزدیک اسے بطور سیاست قتل کیا جا سکتا ہے، وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو۔ ابن ہمام نے کہا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں، لیکن اسے تعزیر لگائی جائے گی اور اسے قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ قید میں ہی مر جائے۔ اگر وہ لواطت کا عادی ہو تو امام اسے قتل کر دے گا۔

امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا لواطت حد کو واجب کر دیتی ہے۔ امام مالک اور امام احمد کی اظہر روایت میں اور امام شافعی کے ایک قول میں یہ ہے کہ ایسے آدمی کی ہر حالت میں سزا رجم ہے، وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔

امام شافعی کا ایک قول یہ ہے اس کی حد تلوار سے اسے قتل کرنا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا راجح ترین قول ہے۔ یہی صاحبین کا قول ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت مروی ہے کہ اس کی حد حد زنا ہے غیر شادی شدہ کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور شادی شدہ

(1) یہ صرف تین مواقع پر ہے، پانچ کا ذکر شاید کاتب کو غلطی دینے کی بناء پر ہے۔

کو رجم کیا جائے گا کیونکہ یہ بھی زنا کے حکم میں ہے۔ کیونکہ یہ بھی شہوت کے محل میں بصورت کمال شہوت کو پورا کرنا ہے جو محل حرام ہے کیونکہ اس میں پانی کو ضائع کیا جاتا ہے، بلکہ یہ زنا سے بھی زیادہ شدید ہے کیونکہ زنا کی حرمت تو نکاح کر لینے سے ختم ہو جاتی ہے جبکہ لواطت کی حرمت کسی حالت میں ختم نہیں ہوتی۔ اس میں زنا کا حکم دلالت النص سے ثابت ہوگا۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی حکم ثابت ہوتا ہے جو امام بیہقی نے حضرت ابو موسیٰ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ جب کوئی ایک مرد دوسرے مرد کے پاس آتا ہے تو وہ دونوں زانی ہیں۔ اس سند میں محمد عبدالرحمن قشیری ہیں جس کی ابو حاتم نے تکذیب کی ہے۔ ابو الفتح ازدی نے اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت ابو موسیٰ سے ایک اور سند سے روایت کیا ہے۔ اس میں بشر بن فضل بجلی مجہول ہے۔ ابو داؤد طیالسی نے ان سے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے۔

امام ابو حنیفہ کا یہ قول ہے کہ لغت میں یہ زنا نہیں اسی وجہ سے صحابہ نے اس کے حکم میں اختلاف کیا۔ یہ زنا سے کم درجہ میں ہے کیونکہ اس میں جانبین سے داعی موجود نہیں ہوتا اس وجہ سے یہ زنا کے حکم میں نہیں۔

جس نے یہ کہا کہ اسے حد کے طور پر قتل کیا جائے گا وہ حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جسے تم قوم لوط والا عمل کرتے ہوئے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو (1) اسے امام احمد، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، بیہقی نے عکرمہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا کہ حضرت ابن عباس کی یہ حدیث اسی سند سے معروف ہے۔ حاکم نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔ امام بخاری نے کہا عمرو بن ابی عمر جو عکرمہ سے روایت کرتے ہیں وہ صدوق ہیں، لیکن انہوں نے عکرمہ سے منکر روایت کی ہیں۔ نسائی نے اسے منکر کہا اور کہا یہ قوی نہیں ہے۔ ابن معین نے کہا یہ ثقہ ہے۔ عکرمہ کی یہ حدیث جو وہ ابن عباس سے نقل کرتے ہیں اسے منکر قرار دیا جاتا ہے۔ ایک جماعت نے اس کی تخریج کی۔ حاکم نے کئی اور سندوں سے اسے روایت کیا اور اس کے بارے میں رائے ظاہر کرنے سے سکوت اختیار کیا۔ امام ذہبی نے اس پر اعتراض کیا اور عبدالرحمن عمری ساقط الحدیث ہے۔ اسے ابن ماجہ اور حاکم نے ابو ہریرہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند پہلی سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ حافظ نے بھی اسی طرح کہا اور کہا حضرت ابو ہریرہ کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ اسے بزار نے عاصم بن عمری کی سند سے روایت کیا جبکہ عاصم متروک ہے۔ ابن ماجہ نے اپنی سند سے اسے روایت کیا اور یہ الفاظ ذکر کئے کہ اوپر والے اور نیچے والے کو رجم کر دو۔ ابن صلاح نے احکام میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے لواطت کی وجہ سے کسی کو رجم کیا ہو اور نہ ہی اس بارے میں حکم دیا آپ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے یہ فرمایا فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

امام ابو حنیفہ نے کہا جب اس حدیث میں یہ تردد موجود ہے تو قتل کو حد تسلیم کرتے ہوئے قتل کا اقدام کرنا درست نہیں، جبکہ ہمارے نزدیک خبر واحد سے بھی کتاب اللہ پر زیادتی درست نہیں، اگرچہ وہ خبر واحد صحیح ہو۔ کتاب اللہ سے اس مجرم کے بارے میں ایذا ثابت ہے اور وہ تعزیر ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آیت کا لواطت کے بارے میں ہونا قطعی نہیں، بلکہ اکثر مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد زانی اور زانیہ ہے۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 176 (وزارت تعلیم)

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ لفظ عام ہے، اس وجہ سے یہ اسے بھی شامل ہوگی، اگرچہ یہ زنا کے متعلق ہی نازل ہوئی ہو کیونکہ فاحشہ کا اطلاق جس طرح زنا پر ہوتا ہے اسی طرح لواطت پر بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے بارے میں فرمایا اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ۔

اس باب میں صحابہ سے مختلف روایات ہیں۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں ابن ابی الدنیا کی سند سے محمد بن منکدر سے نقل کیا ہے کہ خالد بن ولید نے حضرت ابوبکر صدیق کی طرف خط لکھا کہ عرب کے علاقہ میں ایک ایسا آدمی دیکھا ہے کہ اس سے اسی طرح جماع کیا جاتا ہے جس طرح عورت سے تو حضرت ابوبکر صدیق نے صحابہ کرام کو جمع کیا۔ آپ نے صحابہ کرام سے پوچھا سب سے سخت قول حضرت علی شیر خدا کا تھا۔ فرمایا یہ ایسا گناہ ہے جس میں صرف ایک قوم نے نافرمانی کی۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا وہ تم جانتے ہو۔ ہم یہ رائے رکھتے ہیں کہ ہم اسے آگ کے ساتھ جلا دیں تو صحابہ کرام کی رائے اس پر جمع ہوگئی۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف اور بیہقی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ بستی میں کوئی بڑی عمارت تلاش کی جائے، اسے وہاں سے الٹا گرا دیا جائے پھر اس کے بعد اس پر پتھر برسائے جائیں۔ اس قول کا ماخذ یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو اسی طرح ہلاک کیا گیا کہ ان کی بستیوں کو اٹھا لیا گیا اور انہیں الٹ دیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب انہیں گرایا گیا تو عمارات بھی ان پر گریں۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ان دونوں کو بدبودار جگہ میں قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ مر جائیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کئی سندوں سے روایت کیا کہ انہوں نے ایک لواطت کرنے والے کو رجم کیا۔ ان اقوال ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث اور جو اس کے معنی میں روایات ہیں، ان میں یوں تطبیق کی جائے گی کہ ایک آدمی جب لواطت کا عادی ہو اس سے یہ فعل بار بار صادر ہو اور تعزیر سے بھی باز نہ آئے تو اسے کسی طریقے سے بھی قتل کیا جائے گا۔ تکرار اور عادت پر مرفوع حدیث کے یہ الفاظ مَنْ وَجَدْتُمُوْهُ يَعْمَلُ دلالت کرتے ہیں۔ حدیث میں یہ الفاظ نہیں من عمل عمل قوم لوط امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی نقطہ نظر ہے واللہ اعلم۔

۲؎ اگر وہ بدکاری سے باز آ جائیں اور وہ اپنے عمل کو درست کر لیں۔ تو ان دونوں سے اذیت کو ختم کر دو۔

۳؎ توبہ کا لغوی معنی رجوع کرنا ہے بندے کی طرف سے توبہ کا مطلب گناہ سے رجوع ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رجوع کا مطلب عذاب کے ارادے سے رجوع ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کا مطلب بندے کی توبہ کو قبول کرنا ہے یا بندے کو توبہ کی توفیق دینا ہے۔ رحیم یعنی وہ توبہ کرنے والوں پر رحم کرتا ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾

"توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے۱؎ ان کی توبہ ہے جو کر بیٹھتے ہیں گناہ بے سمجھی سے ۲؎ پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے ۳؎ پس یہی لوگ ہیں (نظر رحمت سے) توجہ فرماتا ہے اللہ ان پر ۴؎ اور ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور بڑی حکمت والا۔" ۵؎

۱؎ بندے کو عذاب دینے کے ارادہ سے رجوع یا توبہ کی قبولیت اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی وجہ سے یقینی ہے۔

۲؎ جو نا سمجھی سے برائی کر بیٹھیں۔ امام بغوی نے کہا قتادہ نے کہا تمام صحابہ کرام نے اس بات پر اجماع کیا کہ ہر معصیت جہالت ہے،

دو ارادہ سے ہو یا بغیر ارادہ کے ہو اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے وہ جاہل ہے(1) ابن جریر نے ابوالعالیہ سے اسی طرح بیان کیا۔ کلبی نے کہا وہ اس کے گناہ ہونے سے تو جاہل نہیں لیکن اس کی سزا سے ناواقفیت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ جہالت کا معنی ہے کہ انہوں نے فانی لذت کو باقی رہنے والی لذت پر ترجیح دی(2) میں کہتا ہوں جہالت کا معنی یہ ہے کہ نفس کے بھڑ کنے اور شہوت بہیمیہ کے غلبہ کے وقت ان کا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے غافل ہونا ہے۔

؎ من قریب میں من تبعیضیہ ہے، یعنی وہ قریبی وقت میں توبہ کر لیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ قریب کا معنی یہ ہے کہ قبل اس کے کہ گناہ اس کی اچھائیوں کو گھیر لے اور ان کو ختم کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس سے پہلے ان کے دل میں اس کی محبت رچ بس جائے اور اس کے دل پر مہر لگا دی جائے اور زنگ اس کے دل پر غالب آ جائے۔ سدی اور کلبی نے کہا قریب کا معنی یہ ہے کہ وہ مرض موت سے قبل حالت صحت میں توبہ کرے، تاہم صحیح بات یہ ہے کہ موت کے آنے اور عذاب کے فرشتوں کو دیکھنے سے پہلے وہ اپنی زندگی میں توبہ کرے۔ عکرمہ اور ضحاک نے یہی کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی اس پر دلالت کرتا ہے حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ

حضور ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک اس کی سانس اکھڑ نہ جائے(3) اسے امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے، حدیث صحیح ہے۔ حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک شیطان نے کہا تیری عزت اور جلال کی قسم میں بنی آدم کو اس وقت تک گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں روح ہے۔ تو رب العالمین نے فرمایا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم جب تک وہ مجھ سے بخشش طلب کرتے رہیں گے میں انہیں بخشتا رہوں گا۔(4) اسے امام احمد اور ابو یعلیٰ نے روایت کیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ دن کے وقت گناہ کرنے والا توبہ کرے، وہ دن کو ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ رات کے وقت گناہ کرنے والا توبہ کر لے، یہاں تک کہ قیامت برپا ہو جائے۔(5) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مغرب سے سورج طلوع ہونے سے پہلے توبہ کر لی اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا(6) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عمر کی مدت کو قریب فرمایا کیونکہ اس کے بعد والا عرصہ بہت طویل اور دور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی ہے قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ دنیا کی متاع قلیل ہے۔

؎ اللہ تعالیٰ جو وعدہ کرے اس کی خلاف ورزی محال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ پس یہ جملہ سابقہ جملہ کے لئے نتیجہ کے طور پر ہے۔

؎ جو اخلاص سے توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور توبہ کے بعد سزا نہیں دیتا۔

وَ لَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۸﴾

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 415 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 324 (وزارت تعلیم)
4۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 41 (دار صادر) 5۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 358 (قدیمی) 6۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 346 (قدیمی)

"اور نہیں یہ توبہ (جس کے قبول کرنے کا وعدہ ہے) ان لوگوں کے لئے جو کرتے رہتے ہیں برائیاں (ساری عمر) یہاں تک کہ جب آجائے کسی ایک کو ان میں سے موت ۱؎ (تو) کہے بے شک میں توبہ کرتا ہوں اب ۲؎ اور نہ ان لوگوں کی توبہ جو مرتے ہیں اس حال میں کہ وہ کافر ہیں ۳؎ انہیں کے لئے ہم نے تیار کر رکھا ہے عذاب دردناک ۴؎۔"

۱؎ موت حاضر ہونے سے مراد نزع کا واقع ہونا اور عذاب کے فرشتوں کا دیکھنا۔

۲؎ جب اس کی روح نکالی جا رہی تھی تو وہ اس وقت توبہ کرے کیونکہ اس وقت کافر کا ایمان اور نافرمان کی توبہ قبول نہیں ہوتی

۳؎ ولا الذین اس کا عطف للذین پر ہے۔ اس لئے یہ محل جر میں ہے، یعنی نہ ان کی توبہ قبول ہوگی جو حالت کفر میں مر جاتے ہیں وھم کفار یہ ترکیب کلام میں یموتون کی ضمیر سے حال بن رہا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشتا اور نہ ان کو عذاب دینے کے ارادہ سے رجوع نہیں فرماتا یا آخرت میں ان کی توبہ قبول نہیں فرماتا جب وہ یہ کہتے ہیں رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا --- اِنَّا مُوْقِنُوْنَ۔ یا اس کا معنی یہ ہے جب وہ لوگ کفر پر مریں گے تو دنیا میں بعض گناہوں سے ان کی توبہ قبول نہ ہوگی بلکہ ان کے کفر اور تمام گناہوں پر انہیں عذاب دیا جائے گا

۴؎ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اعتدنا یہ عتید سے مشتق ہے جس کا معنی حاضر ہے۔ یہ کلام ماقبل کلام کے لئے تاکید ہے یعنی ان کی توبہ قبول نہ ہوگی۔

امام بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے ابن عباس سے روایت کی جب کوئی آدمی فوت ہوتا تو اس کے قریبی عزیز اس کی بیوی کے بھی حقدار سمجھے جاتے، اگر ان میں سے کوئی اس سے شادی کرنا چاہتا تو وہ اس سے شادی کر لیتا اور اگر چاہتا تو کسی اور سے شادی کر دیتا۔ مرد کے عزیز و اقارب عورت کے عزیز و اقارب سے زیادہ حقدار سمجھے جاتے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (۱)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾

"اے ایمان والو! نہیں حلال تمہارے لئے کہ وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی ۱؎ اور نہ روکے رکھو انہیں ۲؎ تاکہ لے جاؤ کچھ حصہ اس (مہر وغیرہ) کا جو تم نے دیا ہے انہیں ۳؎ بجز اس صورت کے کہ ارتکاب کریں کھلی بدکاری کا ۴؎ اور زندگی بسر کرو اپنی بیویوں کے ساتھ عمدگی سے ۵؎ پھر اگر تم ناپسند کرو انہیں ۶؎ تو (صبر کرو) شاید تم ناپسند کرو کسی چیز کو اور رکھ دی ہو اللہ تعالیٰ نے اس میں (تمہارے لئے) خیر کثیر ۷؎"

۱؎ تم ان عورتوں کو بھی لے لو جس طرح تم ان کا مال لیتے ہو، وہ نہ چاہتی ہوں تب بھی تم ان سے شادی کر لو۔ حمزہ اور کسائی نے اسے کُرھا پڑھا ہے۔ اسی طرح سورۂ توبہ میں بھی کاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ کسائی نے کہا اس کی یہ دونوں لغتیں ہیں۔ فراء نے کہا جب اسے ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے تو معنی یہ ہوگا کسی دوسرے کو مجبور کیا جائے اور جب اسے فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے تو معنی ہوگا کہ جب وہ با دل ناخواستہ کام کرے۔

۲؎ امام بغوی نے کہا دور جاہلیت میں جب کوئی آدمی فوت ہو جاتا اور اس کی بیوی ہوتی، کسی دوسری بیوی سے اس کا بیٹا آتا یا میت کا

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 658 (وزارت تعلیم)

کوئی اور قریبی رشتہ دار آتا۔ اپنا کپڑا اس عورت پر یا اس کے خیمہ پر ڈال دیتا تو وہ اس عورت کا زیادہ حقدار ہوتا۔ اگر چاہتا تو میت نے اس عورت کو جو مہر دیا ہوتا اسی پر اس سے شادی کر لیتا، اگر چاہتا تو کسی اور سے اس کی شادی کر دیتا اور مہر خود وصول کر لیتا، اگر چاہتا تو اسے شادی کرنے سے روک دیتا۔ یہ تکلیف اس لئے دیتا تا کہ میت کے ترکہ میں سے اسے جو ورثہ ملا ہے وہ اسے بطور فدیہ دے دے(1) ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے یہی نقل کیا ہے فرمایا لوگوں کو ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ بغوی نے یہ زیادہ کیا ہے اگر وہ عورت مر جاتی تو جس نے اس پر کپڑا پھینکا ہوتا وہ اس کا وارث ہوتا اور اگر کپڑا ڈالنے سے پہلے وہ اپنے رشتے داروں کے پاس چلی جاتی تو وہ اپنے بارے میں خود فیصلہ کرنے کی مستحق ہوتی۔ یہ لوگ دور جاہلیت کے اسی دستور پر قائم تھے کہ ابو قیس بن اسلت انصاری فوت ہو گئے۔ انہوں نے اپنی بیوی کبیشہ بنت معن انصاریہ پیچھے چھوڑی۔ اس کا سوتیلا بیٹا تھا جسے حصن کہا جاتا۔ ابن حبان نے کہا اس کا نام قیس بن ابی قیس تھا۔ اس نے اپنا کپڑا کبیشہ پر ڈالا۔ اس عورت کے ساتھ نکاح کر لیا پھر اسے چھوڑ دیا۔ اس سے حقوق زوجیت ادا نہ کرتا، نہ ہی اسے خرچ دیتا۔ یہ تکلیف اس لئے دیتا تا کہ کبیشہ وراثت کا حصہ اسے دے دے۔ کبیشہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، عرض کی یا رسول اللہ کہ اس کا خاوند ابو قیس فوت ہو گیا۔ اس کا بیٹا میرے نکاح کا وارث بنا۔ وہ مجھ پر خرچ کرتا ہے نہ حقوق زوجیت ادا کرتا ہے۔ اور نہ ہی مجھے آزاد کرتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا تو اپنے گھر میں بیٹھ جا، یہاں تک کہ تیرے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(2)

؎ ولا تعضلو هن اس کا عطف ان ترثوا پر ہے۔ یہ اس کی وجہ سے محل نصب میں ہے اور لا نفی کی تاکید کے لئے ہے۔ عضل کا اصل معنی تنگ کرنا ہے۔ یہاں اس کا معنی ہو گا تم انہیں شادی کرنے سے نہ روکو۔

؎ یہاں بعض ما سے مراد مہر ہے۔ خطاب مومنوں کو ہے اور عام ہے لتذهبوا کی ضمیر مخاطبین کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی میت کے بعض وارث مراد ہیں اور اتیتموهن میں تم ضمیر سے مراد فوت ہو جانے والے خاوند مراد ہیں۔ اب اس کا معنی یہ ہو گا اے میت کے وارثو تم ان عورتوں کو تنگ نہ کرو تا کہ یہ عورتیں تمہیں فدیہ دیں اور تم وہ مال لے لو جو انہیں فوت ہو جانے والے خاوندوں نے بطور مہر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ خطاب دونوں صورتوں میں خاوندوں کو ہے جو بغیر ضرورت اور بغیر دلی رغبت کے انہیں اپنے عقد میں روکے رکھتے تھے تا کہ ان کے وارث بن جائیں یا وہ اپنے مہر واپس کر کے ان مہروں سے خلع لے لیں۔

میرے نزدیک ظاہر بات یہ ہے کہ لا یحل لکم میں خطاب وارثوں کو ہے اور کرها پر کلام مکمل ہو جاتی ہے اور یہ نئی کلام ہے جس میں خاوندوں سے خطاب کیا جا رہا ہے اور لا تعضلوهن یہ نہی کا صیغہ ہے اور مجزوم ہے۔ امام بغوی نے کہا حضرت ابن عباس کا قول ہے یہ اس آدمی کے بارے میں خطاب ہے جس کی ایک بیوی ہے، جس کی صحبت کو یہ پسند نہیں کرتا، ساتھ ہی ساتھ عورت کا مہر خاوند کے ذمہ ہے۔ خاوند اسے اس لئے تکلیف دیتا ہے تا کہ عورت اسے فدیہ دے اور جو مہر اس نے لیا ہے وہ خاوند کو واپس کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر سے اسے معاف کر دیا۔ اس تعبیر کی بناء پر لا تعضلوهن کا عطف لا یحل لکم پر ہو گا۔ یہ جملہ کا جملہ پر عطف ہو گا، مفرد کا مفرد پر عطف نہیں ہو گا۔

اعتراض:۔ اگر یہ قول کیا جائے کہ اس صورت میں جملہ انشائیہ کا جملہ خبریہ پر عطف لازم آتا ہے۔

جواب:۔ ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ لا یحل لکم اگرچہ لفظاً جملہ خبریہ ہے، تاہم معنی میں انشائیہ ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 418-417 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 417 (التجاریہ)

مردوں کو عورتوں کی وراثت لینے سے منع کیا گیا ہے۔ ایک ایسے جملہ کا دوسرے جملہ پر عطف جن کا اعراب میں کوئی محل نہ ہو وہ خبریہ وانشائیہ میں اختلاف کے باوجود جائز ہے۔

ؒ ابن کثیر اور ابو بکر نے یہاں سورۂ احزاب اور طلاق میں مبینہ کو اسم مفعول کا صیغہ پڑھا ہے اور باقی قراء نے اسم فاعل کا صیغہ پڑھا ہے۔ مستثنیٰ ظرف ہونے کی وجہ سے مفعول لہ ہونے کی وجہ سے یا حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ ذوالحال لا تعضلوھن کا مفعول ہے۔ تینوں تعبیروں کے اعتبار سے معنی یہ ہوگا بطور ظرف تم فدیہ لینے کے لئے کسی وقت بھی انہیں تنگ نہ کرو مگر ایسے وقت میں کہ وہ برائی کریں۔ مفعول لہ ہونے کی صورت میں تم فدیہ لینے کے لئے کسی سبب کے ساتھ بھی انہیں تنگ نہ کرو، مگر اس سبب سے کہ وہ برائی کریں۔ حال ہونے کی صورت میں تم فدیہ لینے کے لئے انہیں کسی حال میں بھی تنگ نہ کرو مگر اس حال میں کہ وہ بدکاری کریں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور قتادہ نے کہا کہ فاحشہ سے مراد نافرمانی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا اس کا معنی زنا ہے(1) یعنی جب عورت نافرمانی کرے یا بدکاری کرے تو خاوند کے لئے جائز ہے کہ اس کے ساتھ خلع کی بات چیت کرے۔ ہم نے خلع کے مسائل سورۂ بقرہ میں بیان کر دیئے ہیں۔ عطاء نے کہا جب عورت بدکاری کا ارتکاب کرتی تو جو مہر اس نے دیا ہوتا وہ واپس لے لیتا اور اسے گھر سے نکال دیتا پھر حدود کے احکام کے ساتھ اسے منسوخ کر دیا گیا۔

ۂ معروف کا معنی حقوق کی ادائیگی میں انصاف اور گفتگو میں احسان ہے۔ اس کا عطف لا تعضلوا پر ہے یا لا یحل لکم پر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا یہ کلام کے پہلے حصہ کے ساتھ متعلق ہے، یعنی تم عورتوں کو خوشی خوشی مہر دو اور ان سے اچھا سلوک کرو۔

لؑ اس کی بری شکل اور برے اخلاق کی وجہ سے تم انہیں ناپسند کرو تو تم صبر کرو ان سے جدائی اختیار نہ کرو اور نہ ہی انہیں تکلیف دو۔

ےؑ فیہ خیرا کثیرا فیہ میں ضمیر سے مراد ذلک الشیء ہے اور خیر کثیر سے مراد بڑا ثواب اور نیک لڑکا مراد ہے۔ عسیٰ والا جملہ اصل میں شرط کی جزاء کی علت ہے، تاہم اسے جزاء کے قائم مقام رکھا گیا اور عسیٰ کا فاعل معطوف علیہ اور معطوف دونوں ہیں اور امید کا متعلق حرف معطوف ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ ناپسندیدگی کی صورت میں بھی خیر کی امید رکھنی چاہئے۔

وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ۝

"اور اگر تم ارادہ کرلو کہ بدلو ایک بیوی کو پہلی بیوی کی جگہ 1 اور دے چکے ہو تم اسے 2 ڈھیروں مال 3 تو نہ لو اس مال سے کوئی چیز 4 کیا تم لینا چاہتے ہو اپنا مال 5 (زمانہ جاہلیت کی طرح) بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے 6"

1 تم نافرمانی اور فاحشہ کے ارتکاب سے پہلے کسی بیوی کو طلاق دینا چاہو اور کسی دوسری عورت سے شادی کرنا چاہو۔

2 ھن ضمیر زوج کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ جمع کا ارادہ کیا کیونکہ زوج جنس ہے جو واحد اور جمع پر بولا جاتا ہے۔ اگر جمع کا ارادہ نہ کیا جائے تو مردوں کی جماعت سے مقابلہ درست نہ ہوگا اور اتیتم میں مضاف حذف ہے۔ تقدیر کلام کا معنی ہوگا جس عورت کو تم میں سے کسی نے دیا ہو۔

3 یعنی کثیر مال بطور مہر۔ ابن جریر نے حضرت انس سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ قنطار سے مراد ایک ہزار دو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 417 (التجاریہ)

سو ہے(1) اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی حد نہیں۔ اس پر علماء کا اجماع ہے۔ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے ایک عورت نے اس وقت زیادہ مہر لینے کو جائز کہا تھا، جب حضرت عمر نے زیادہ مہر مقرر کرنے سے منع کیا۔ حضرت عمر نے عورت کا استدلال سن کر فرمایا تمام لوگ عمر سے زیادہ فقیہ ہیں، یہاں تک کہ باپردہ عورتیں بھی، تاہم بالا جماع یہ مستحب ہے کہ مہر زیادہ نہ مقرر کیا کرو کیونکہ اگر یہ دنیا میں عزت ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تقویٰ کی چیز ہوتی تو رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے۔ میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود یا اپنی بیٹی کا نکاح بارہ اوقیہ سے زیادہ پر کیا ہو۔ اسے امام احمد، چاروں سنن کے مصنفین اور دارمی نے روایت کیا۔ ابن حبان نے اپنی صحیح اور خطابی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین عورت وہ ہے جس کا مہر کم ہو۔ ابن حبان نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت کی برکت میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے عقد کا معاملہ آسان اور مہر کم ہو۔ امام احمد اور بیہقی نے روایت کیا ہے عورتوں میں سے سب سے بابرکت وہ ہے جس کا مہر سب سے کم ہو۔ اس کی سند عمدہ ہے حضرت ابو سلمہ سے مروی ہے، کہا میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے کتنا مہر مقرر تھا؟ تو حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا آپ کی تمام ازواج کا مہر بارہ اوقیہ اور نش تھا۔ حضرت عائشہ نے پوچھا کیا تو جانتا ہے نش کیا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا اوقیہ کا نصف(2) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ یہ کل پانچ سو درہم تھا۔ یہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے آپ کی بیویوں کا مہر تھا۔ لیکن ام حبیبہ اس حکم میں داخل نہیں۔ انہیں نجاشی نے چار ہزار درہم مہر حضور ﷺ کی طرف سے دیا تھا۔ اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا۔ ابن اسحٰق نے ابو جعفر سے نقل کیا ہے کہ نجاشی نے حضور ﷺ کی طرف سے چار سو دینار مہر دیا تھا۔ خلاصہ مہر میں ہے کہ حضرت خدیجہ کے ساتھ نکاح میں حضور ﷺ نے آپ کو بارہ اوقیہ سونا بطور مہر پیش کیا تھا۔ سونے کا اوقیہ سات مثقال کا ہوتا ہے۔ امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ جویریہ ثابت بن شماس اور ان کے چچازاد کے حصے میں آئیں۔ حضرت ثابت نے مدینہ طیبہ میں باغات کے عوض اپنی ملک میں لے لیا، پھر جویریہ سے عقد مکاتبہ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثابت کو مکاتبہ کا مال عطا فرمایا اور جویریہ کو عقد نکاح میں لے لیا۔ یہی مال مکاتبہ ان کا مہر بنا۔ سبل الرشاد میں ہے کہ ثابت بن قیس اور ان کے چچازاد بھائی نے جویریہ سے نو اوقیہ سونے پر عقد مکاتبہ کیا تھا۔

ے میں وضمیر سے مراد قنطار ہے۔

ھ أَتَأْخُذُونَهُ یہ استفہام انکار اور توبیخ کے لئے ہے۔

لے بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا یہ دونوں حال کی وجہ سے منصوب ہیں اور مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ معنی یہ ہوگا کیا تم بہتان لگاتے ہوئے اور گناہ کماتے ہوئے مال لیتے ہو یا بہتان کے سبب اور گناہ کے ارتکاب کے سبب تم مال لیتے ہو بہتان باطل قول کو کہتے ہیں۔ بعض اوقات فعل کو بھی باطل کہہ دیتے ہیں۔ یہاں فعل ہی مراد ہے۔ اس وجہ سے یہاں بہتان کی تفسیر ظلم سے کی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا جب کوئی آدمی نئی عورت سے شادی کرنا چاہتا تو پہلی بیوی پر بدکاری کی تہمت لگاتا۔ یہاں تک کہ اسے فدیہ دینے پر مجبور کر دیتا۔

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَّأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 417 (العلمیہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 458 (قدیمی)

غَلِيْظًا ۝

”اور کیوں کر (واپس) لیتے ہو تم مال کو حالانکہ مل جل چکے ہو تم (تنہائی میں) ایک دوسرے سے اور وہ لے چکی ہیں تم سے پختہ وعدہ“

[1] وَكَيْفَ تَأْخُذُوْنَهٗ یہ استفہام بھی انکار ہے کہ مہر کے متعین ہونے اور ادائیگی کے واجب ہونے کے بعد تم واپسی کا مطالبہ کیسے کر سکتے ہو۔

[2] وَقَدْ اَفْضٰى میں واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ حال بن رہا ہے۔ یعنی اس حال میں کہ تم ان سے حقوق زوجیت ادا کر چکے ہو۔ امام شافعی نے فرمایا یعنی تم ان سے دخول کر چکے ہو کیونکہ آپ کے نزدیک افضاء جماع سے کنایہ ہے۔ اسی وجہ سے امام شافعی کے ظاہر قول میں خلوت صحیحہ کی صورت میں وطی کے بغیر مہر ثابت نہیں ہوتا، اگر خاوند نے اس خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دے دی، جس خلوت میں وطی کے بغیر مہر ثابت نہیں ہوتا، اگر خاوند نے اس خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دیدی، جس خلوت میں کوئی طبعی اور شرعی مانع موجود نہ تھا تو آپ کے نزدیک خاوند پر نصف مہر واجب ہوگا۔

امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک خلوت صحیحہ کی صورت میں مہر لازم ہو جاتا ہے، اگرچہ اس نے وطی نہ کی ہو افضاء کا معنی فضاء میں داخل ہونا ہے اور لغت میں فضاء سے مراد صحراء ہے یہاں اس سے مراد خالی جگہ ہے۔

امام مالک نے فرمایا اگر اس نے خلوت کی اور خلوت کی مدت طویل ہوگئی تو مہر ثابت ہو جائے گا، اگرچہ اس نے وطی نہ کی ہو۔ ابن قاسم نے خلوت کی حد ایک سال بیان کی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خلوت صحیحہ کے بعد وطی سے قبل طلاق کی صورت میں نصف مہر کے وجوب کا استدلال اس آیت کریمہ سے کیا ہے وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ ..... اگر تم انہیں چھونے سے قبل طلاق دے دو جبکہ تم نے ان کا مہر متعین کیا تھا جو تم نے مہر معین کیا اس کا نصف ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ میں مجاز قطعی ہے کیونکہ مس کا حقیقی معنی جماع نہیں۔ یہ جو قول کیا گیا ہے کہ یہ جماع کے معنی میں ہے کہ تسمية الاخص باسم الاعم یعنی خاص کو عام کا نام دینا، یہ اس قول سے اولیٰ نہیں کہ یہ خلوت سے مجاز ہے کیونکہ خلوت مس کا سبب ہے مس خلوت کی غایت ہے۔ پس یہ تسمية السبب باسم المسبب بنا یعنی سبب کو مسبب کا نام دے دیا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ صدر اول کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خلوت کی صورت میں پورا مہر واجب ہوگا، خواہ اس نے وطی کی یا نہ کی شیخ ابوبکر رازی نے احکام میں اسی طرح نقل کیا۔ امام طحاوی نے اس میں اجماع صحابہ نقل کیا ہے۔ ابن منذر نے کہا یہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت جابرؓ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوہریرہ کا قول ہے۔

امام بیہقی نے احنف سے انہوں نے حضرت عمر اور حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ دونوں نے کہا جب خاوند نے دروازہ بند کر لیا اور پردہ لٹکا دیا تو عورت کو کامل ملے گا اس پر عدت لازم ہوگی۔ اس کی سند میں انقطاع ہے۔

موطا امام مالک میں یحییٰ بن سعید سے مروی ہے کہ وہ سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا جب پردے لٹکا دیئے گئے تو مہر واجب ہو گیا۔ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے اسی کی مثل کہا۔ دار قطنی

نے حضرت علی شیر خدا سے روایت کیا کہ جب خاوند نے دروازہ بند کر دیا اور پردہ لٹکا دیا مرد نے عورت کی شرمگاہ دیکھ لی تو اس پر مہر واجب ہو جائے گا۔ ابو عبید نے کتاب النکاح میں زرارہ بن اوفی سے روایت نقل کی ہے کہ خلفاء راشدین نے یہ فیصلہ کیا جب مرد نے دروازہ بند کر دیا اور پردہ لٹکا دیا تو مہر اور عدت واجب ہو جائے گی۔

دارقطنی نے اس باب میں ایک مرفوع حدیث محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان سے مرسل روایت نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے عورت کی اوڑھنی ہٹا دی اور اسے دیکھ لیا تو مہر واجب ہو جائے گا، اس نے وطی کی یا نہ کی۔ اس کی سند میں ابن لہیعہ ضعیف ہے، لیکن ابن جوزی نے کہا کہ ابن لہیعہ سے علماء نے احادیث روایت کی ہیں۔ ابوداؤد نے ابن ثوبان سے مراسیل میں ذکر کیا ہے اس کے راوی ثقہ ہیں۔ مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے۔ حضرات ابن مسعود اور ابن عباس سے امام شافعی کے مذہب کی طرح روایت کیا گیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ امام بیہقی نے امام شعبی سے، وہ حضرت ابن مسعود سے اس آدمی کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ جس نے عورت سے خلوت کی لیکن وطی نہ کی، اس عورت کے لئے نصف مہر ہے۔ یہ روایت منقطع ہے۔ امام شافعی نے ابن عباس سے اس کی مثل روایت کی ہے۔ اس کی سند میں ضعف ہے۔ ابن ابی شیبہ نے انہیں سے ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اسی طرح امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

لے یعنی مضبوط وعدہ لیا اس جملے کا عطف افضی پر ہے۔ حضرت حسن بصری، ابن سیرین، ضحاک اور قتادہ نے کہا یہ ولی کا وہ قول ہے جو وہ عقد نکاح کے وقت کرتا ہے کہ میں نے اسے تیرے عقد نکاح میں دیا۔ ان شرائط کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے مردوں پر عورتوں کے حق میں لازم کی ہیں کہ تم اچھے طریقے سے اپنے پاس رکھو گے یا انہیں آزاد کرو گے۔ امام شعبی اور عکرمہ نے کہا اس سے مراد وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا گیا کہ تم عورتوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ تم نے اللہ تعالیٰ کی امان کے ساتھ عقد میں لیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی شرمگاہوں کو اپنے اوپر حلال کیا۔ اسے امام مسلم نے حضرت جابر کی حدیث سے روایت کیا اور ابن جریر نے ابن عمر کی حدیث سے اسی کی مثل روایت کیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حق میں تم پر کچھ پابندیاں لگائی ہیں گویا عورتوں نے تم سے پختہ وعدہ لیا ہے۔

ابن ابی سعد نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے جب کوئی آدمی بیوی کو چھوڑ کر فوت ہوتا تو اس کا بیٹا اس عورت کا زیادہ حقدار سمجھا جاتا، اگر چاہتا تو خود نکاح کر لیتا، اگر چاہتا تو کسی اور سے نکاح کر دیتا جب ابو قیس بن اسلت فوت ہوا، اس کا بیٹا محصن اٹھا اور اس کی بیوی کے نکاح کا وارث بن گیا اور ترکہ میں سے اس کو کچھ بھی نہ دیا۔ وہ بیوہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئی اور آپ کی خدمت میں گذارش کی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا واپس لوٹ جا۔ شاید اللہ تعالیٰ تیرے بارے میں کوئی حکم نازل فرمائے۔ اسے ابن ابی حاتم، فریابی اور طبرانی نے عدی بن ثابت سے، انہوں نے ایک انصاری سے اسی کی مثل روایت کی ہے کہ ابو قیس بن اسلت فوت ہوا یہ انصار میں سے ایک صالح آدمی تھا تو اس کے بیٹے نے اس کی بیوہ کو پیغام نکاح دیا۔ اس بیوہ نے کہا میں تجھے بیٹا شمار کرتی ہوں اور تو اپنی قوم کے صالح لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ بیوہ عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور معاملہ پیش کیا۔ حضور نے فرمایا تو اپنے گھر لوٹ جا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقۡتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيۡلًا ﴿۲۲﴾

"اور نہ نکاح کرو جن سے نکاح کر چکے تمہارے باپ دادا[1] مگر جو ہو چکا (اس سے پہلے سو وہ معاف ہے)[2] بے شک یہ فعل بہت بے حیائی[3] اور نفرت کا فعل تھا[4] اور بہت برا طریقہ تھا[5]"

[1] مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ میں ما موصولہ ہے یعنی ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے آباء نے نکاح کیا یہاں ما کا ذکر کیا من کا ذکر نہیں اس سے صفت مراد ہے ذات مراد نہیں ایک قول یہ کیا گیا کہ ما مصدریہ ہے اور مفعول کے معنی میں ہے۔ من النساء دونوں صورتوں میں ما کا بیان ہے یہ ظاہر ہونے کے باوجود کہ آباء کی منکوحات عورتیں ہی ہوں گی۔ اس بیان کا فائدہ تعمیم ہے (عمومیت کا اظہار)

[2] إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ میں ظاہر ہے کہ یہاں مستثنیٰ منقطع ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ مگر جو گزر چکا کیونکہ اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ استثناء اس معنی سے ہے جو نہی کو لازم ہے۔ گویا یہ کہا گیا جن عورتوں سے تمہارے آباء نے نکاح کیا ان کے ساتھ نکاح کرنے سے تمہیں عذاب دیا جائے گا مگر جو گزر چکا۔

[3] یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبیح ترین صورت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کسی امت کو بھی رخصت نہیں دی۔

[4] اللہ تعالیٰ اور صاحب مروت لوگوں کے نزدیک سخت ناپسندیدہ جو بچہ باپ کی بیوی سے نکاح کرنے کی وجہ سے پیدا ہو جاتا۔ عرب اسے مقیت کہتے۔ انہیں میں سے اشعث بن قیس اور ابو معیط عمرو بن امیہ بھی تھے۔ مقت کا معنی سخت بغض ہے۔

[5] جو اس راہ پر چلتا ہے وہ سخت برے راہ پر چلتا ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میرا ماموں میرے پاس سے گزرا اور اس کے ساتھ جھنڈا بھی تھا۔ میں نے پوچھا کہاں جا رہے ہیں؟ کہا مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے آدمی کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے شادی کی، میں اس کا سر حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پیش کروں (1) اسے امام ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ انہیں کی ایک روایت نسائی، ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں اور اس کا مال چھین لوں۔ اس روایت میں ماموں کی جگہ چچا کے الفاظ ہیں۔

فائدہ:۔ یہاں آباء سے مراد عموم مجاز کی بنا پر بالا جماع اصول ہیں، یہاں تک کہ دادا کی منکوحہ بھی حرام ہے، اگرچہ وہ کتنا ہی اوپر چلا جائے، خواہ وہ دادا باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نکاح کا حقیقی معنی وطی کرنا ہے۔ ابن جوزی نے تحقیق میں یہی کہا ہے۔ اس آیت میں استدلال کرتے ہوئے یہ کہا گیا کہ زنا سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ آباء و اجداد کی موطوءہ عورتوں سے وطی نہ کرو، خواہ وہ نکاح صحیح کی وجہ سے موطوءہ ہوں یا نکاح فاسدہ سے ملک یمین کی وجہ سے موطوءہ ہوں یا شبہ کی وجہ سے یا زنا کی وجہ سے موطوءہ ہوں۔ قاموس میں ہے نکاح کا معنی وطی کرنا اور وطی کے لئے عقد کرنا ہے۔ یہ عبارت اشتراک کا فائدہ دیتی ہے۔ صحاح میں ہے نکاح کا اصل معنی عقد کرنا ہے، پھر جماع کے لئے مجازاً استعمال ہوا۔ یہ محال ہے کہ اصل میں یہ جماع کے لئے ہو اور مجاز کے طور پر عقد کے لئے استعمال ہو کیونکہ جماع کے تمام نام کنایات سے ہیں، جس طرح یہ عمل کرنا قبیح ہے۔ اسی طرح اس کا ذکر کرنا بھی قبیح ہے اس لئے یہ بھی محال ہے کہ فحش لفظ بول کر غیر فحش معنی مراد لیا جائے وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس آیت میں نکاح سے مراد عقد نکاح ہے، جماع نہیں کیونکہ تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ باپ کی

1۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 162 (وزارت تعلیم)

منکوحہ جس پر عقد نکاح واقع ہوا اور اس نے اس سے وطی نہ کی ہو وہ بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں اور زنا کیوجہ سے حرمت مصاہرت کا ثبوت مختلف فیہ ہے۔ آیت کو ایسے معنی پر محمول کرنا جو متفق علیہ معنی ثابت کرے اس سے زیادہ بہتر ہوتا ہے کہ غیر متفق علیہ معنی ثابت کیا جائے۔

اعتراض:۔ اگر کوئی یہ کہے جب آیت میں نکاح سے مراد عقد ہے تو ملک یمین کی وجہ سے باپ کی موطوءہ کی حرمت کا قول کیوں کیا گیا جبکہ اس عورت کی حرمت بھی متفق علیہ ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں اس عورت کی حرمت کی وجہ دلالۃ النص ہے کیونکہ عقد نکاح کا مقصود وطی ہی ہوا کرتا ہے اور وطی جزئیت کا سبب ہے۔ جب نکاح جو حلال وطی کا سبب ہے اور وہ حرمت مصاہرت کے ثابت کرنے کا سبب ہے تو حلال وطی بطریق اولی اس کو ثابت کرے گی۔

مسئلہ:۔ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک بدکاری حرمت مصاہرت کو ثابت نہیں کرے گی جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک زنا حرمت مصاہرت کو ثابت کرے گا۔ یہ امام مالک سے بھی ایک روایت ہے۔ امام احمد نے اس پر ایک اضافہ یہ کیا جب کوئی مرد کسی عورت سے بدفعلی کرتا ہے یا کسی مرد سے بدفعلی کرتا ہے تو وطی کرنے والے پر مفعول بہ کی ماں اور اس کی بیٹی حرام ہو جائے گی، خواہ مفعول بہ مرد ہو یا عورت ہو۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اس آیت سے حرمت مصاہرت ثابت کرنا ضعیف ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ حلال وطی پر قیاس کیا جائے کیونکہ حرمت کے ثبوت کی علت وہ وطی ہے جو ولد کا سبب ہے۔ حلت کا وصف (1) شرعاً لغو ہے کیونکہ مشترک لونڈی، بیٹے کی لونڈی، مکاتبہ جس عورت سے ظہار کیا ہوا ہو، مجوسیہ لونڈی، حائضہ، نفاس والی عورت، احرام باندھنے والی عورت اور روزہ دار کی وطی سب حرام ہیں، جبکہ بالا جماع ان تمام سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اصل میں معتبر وطی ہے خواہ حلال ہو یا حرام۔

ابن ہمام نے کہا ہمارے اصحاب نے اس ضمن میں کئی احادیث روایت کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے دور جاہلیت میں ایک عورت سے بدکاری کی کیا میں اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہوں؟ فرمایا میں اس کو جائز نہیں سمجھتا، یہ درست نہیں کہ ایک عورت کے جن مخفی حصوں پر تو مطلع ہوا اس کی بیٹی کے ان حصوں پر بھی تو مطلع ہو یہ روایت مرسل ہے اور منقطع ہے۔ اس کی سند میں ابو بکر عبدالرحمن بن بنت حکیم ہے۔ ابن وہب کی سند ہے جو وہ ایوب سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابن جریج سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا جو کسی عورت سے شادی کرے وہ اسے صرف ہاتھ سے دبائے، اس سے زیادہ کچھ نہ کرے وہ اس کی بیٹی سے شادی نہ کرے۔ یہ روایت منقطع ہے۔ ہمارے نزدیک مرسل قدح کا باعث نہیں جبکہ راوی ثقہ ہوں کلام اپنے اختتام کو پہنچی۔

امام شافعی نے دو حدیثوں سے استدلال کیا ہے ان میں سے ایک حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حرام حلال کو فاسد نہیں کرتا، اسے دار قطنی نے روایت کیا ہے۔ اس سند میں عثمان بن عبدالرحمن وقاصی ہیں یحییٰ بن معین نے کہا وہ کچھ بھی نہیں، وہ جھوٹ بولتا تھا۔ ابن معین نے اسے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔

---

(1) حلال وطی یا حرام وطی کا کوئی اعتبار نہیں۔

امام بخاری امام نسائی امام رازی اور ابوداؤد نے کہا وہ کچھ بھی نہیں۔ دار قطنی نے کہا وہ متروک ہے۔ ابن حبان نے کہا وہ ثقہ لوگوں سے موضوعات روایت کرتا تھا۔ اس کی روایت سے استدلال کرنا درست نہیں۔ دوسری حدیث عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ کی طرح ہے۔ اسے دار قطنی نے اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اس میں عبداللہ بن عمر جو عبیداللہ کے بھائی ہیں۔ ابن حبان نے کہا اس کی غلطیاں فحش ہیں۔ پس یہ اس بات کا مستحق ہو گیا کہ اس کی روایت ترک کی جائے۔ اسی سند میں اسحاق بن محمد عروی ہے۔ یحییٰ نے کہا یہ کوئی چیز نہیں، یہ کذاب ہے۔ امام بخاری نے کہا لوگوں نے اس کی روایات کو ترک کر دیا۔

مسئلہ:۔ وہ عورت جس سے بدکاری کی گئی اس کے بیٹے پر زانی باپ کی منکوحہ حرام ہے جس طرح مزنیہ کی بیٹی زانی باپ پر حرام ہے کیونکہ لغت کے اعتبار سے یہ اس کا بیٹا اور بیٹی ہیں۔ جب تک منقول ثابت نہ ہو خطاب لغت کے اعتبار سے ہوتا ہے، جس طرح لفظ صلوٰۃ وغیرہ، یہ منقول شرعی ہیں۔ اسی طرح جب ایک مرد نے اپنی بیوی سے بچے یا بچی کے نسب کی نفی کرتے ہوئے لعان کیا، قاضی نے دونوں کا نسب باپ سے ختم کر دیا اور اسے ماں کے ساتھ شامل کر دیا تو لعان کرنے والی عورت کے بیٹے کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ لعان کرنے والے مرد کی منکوحہ کے ساتھ شادی کرے، نہ ہی ملاعن (ا) کے لئے یہ جائز ہے کہ ملاعنہ (ب) کی بیٹی سے نکاح کرے کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ ملاعن اپنے آپ کو جھٹلا دے اور ان کے بارے میں نسب کا دعویٰ کر دے۔ پس ان دونوں کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔ مرد نے عورت کو یا عورت نے مرد کو شہوت کے ساتھ چھوا، امام ابو حنیفہ کے نزدیک حرمت مصاہرت کے ثبوت میں اس کا وہی حکم ہو گا جو وطی کا ہے۔ اسی طرح مرد کا عورت کی فرج داخل کو دیکھنا اور عورت کا مرد کے آلۂ تناسل کو شہوت کے ساتھ دیکھنا حرمت مصاہرت کو ثابت کر دیتا ہے۔ اگر مرد نے عورت کو چھوا تو اسے انزال ہو گیا یا عورت کی شرمگاہ کو دیکھا تو اسے انزال ہو گیا یا عورت کی دبر میں دخول کیا تو اسے انزال ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حرمت مصاہرت کو ثابت کرتا ہے جبکہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ کے نزدیک حرمت مصاہرت کو واجب نہیں کرتا۔ جبکہ امام شافعی امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک چھونا اور دیکھنا حرمت مصاہرت کو ثابت نہیں کرتے۔

امام ابو حنیفہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ چھونا اور دیکھنا دونوں ایسے سبب ہیں جو وطی کے داعی ہیں، تو محل احتیاط میں یہ دونوں وطی کے قائم مقام ہیں۔ جب اسے انزال ہو جائے تو پھر یہ دونوں وطی کے داعی نہیں رہتے۔ شہوت کے ساتھ چھونے کا مطلب یہ ہے کہ آلۂ تناسل منتشر ہو جائے یا اس کے انتشار میں اضافہ ہو جائے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ

(ا) لعان کرنے والا مرد (ب) لعان کرنے والی عورت

تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

"حرام کر دی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں ۱؎ اور تمہاری بیٹیاں ۲؎ اور تمہاری بہنیں ۳؎ اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں ۴؎ اور بھتیجیاں اور بھانجیاں ۵؎ اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری بہنیں رضاعت سے ۶؎ اور مائیں تمہاری بیویوں کی ۷؎ اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں ۸؎ جو تمہاری گودوں میں (پرورش پا رہی) ہیں ۹؎ ان بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو ۱۰؎ اور اگر تم نے صحبت نہ کی ہو ان بیویوں سے تو کوئی حرج نہیں تم پر (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) ۱۱؎ اور (حرام کی گئیں) بیویاں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری پشتوں سے ہیں ۱۲؎ (اور یہ بھی حرام ہے) کہ جمع کرو تم دو بہنوں کو ۱۳؎ مگر جو گزر چکا ہو (سو وہ معاف ہے) ۱۴؎ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ۱۵؎"

۱؎ امہات سے عموم مجاز کی بناء پر اصول مراد ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ لغت میں ام کا معنی اصل ہے۔ قاموس میں ہے تمام چیزوں کی ام اس کی اصل ہے۔ اسی سے ام القریٰ مکہ مکرمہ کو ام الکتاب سورۃ الفاتحہ یا لوح محفوظ کو کہتے ہیں۔ پس یہ لفظ ماں اور باپ دونوں طرف سے تمام جدات کو شامل ہوگا، خواہ وہ کتنی ہی اوپر چلی جائیں۔

۲؎ تمہاری بیٹیاں۔ یہ لفظ تمام نسل کو عموم مجاز کی بناء پر شامل ہوگا۔ پس یہ لفظ پوتیوں اور نواسیوں کو شامل ہوگا، خواہ کتنی ہی دور ہوں۔

۳؎ تمہاری بہنیں علاتی ہوں، اخیافی ہوں یا حقیقی ہوں

۴؎ تمہاری پھوپھیاں اور خالائیں، یہ باپ کی تمام بہنوں اور ماں کی تمام قسم کی بہنوں کو شامل ہے۔ بالا جماع انہیں کے ساتھ باپ اور ماں کی پھوپھیاں اور خالائیں، دادا اور دادی کی پھوپھیاں اور خالائیں شامل ہوں گی، خواہ وہ کتنی ہی اوپر چلی جائیں، وہ باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے، وہ باپ کی بہنیں ہوں یا ماں کی دادا کی بہنیں ہوں یا دادی کی حقیقی ہوں یا ماں باپ میں سے ایک کی طرف سے۔ گویا عموم مجاز کی بناء پر فرع قریب اصل بعید کے لئے حرام ہے۔ لیکن اصل بعید کی فرع بعید بالا جماع حلال ہے، جس طرح چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی بیٹی حلال ہے۔

۵؎ بھائی اور بہن کی بیٹیاں ان کی پوتیاں اور نواسیاں، اگرچہ وہ دور چلی جائیں، خواہ بہن بھائی حقیقی ہوں یا علاتی و اخیافی۔ اللہ تعالیٰ نے نسب کی وجہ سے سات محرمات کا ذکر فرمایا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ چار قسم کی عورتیں حرام ہیں۔ (1۔ اصل۔2۔ فرع۔3۔ اصل قریب کی فرع، اگرچہ وہ دور چلی جائے۔4۔ اصل بعید کی فرع قریب۔ اس سے بھی مختصر یوں کہا جاسکتا ہے کہ دو ایسے افراد میں نکاح حرام ہوگا کہ ان دونوں کے درمیان ولادت کا رشتہ ہو یا ان دونوں میں سے ایک دوسرے کے والدین کی فرع ہو۔

۶؎ اسی طرح رضاعی پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں بالا جماع حرام ہیں، جن کا نسبی رشتہ کے اعتبار سے حرام ہونا تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے رشتے حرام تھے۔ ایک روایت میں جو ولادت سے رشتے حرام ہوتے تھے(1) متفق علیہ۔ یہ حضرت عائشہ سے مروی حدیث ہے۔ حضرت علی شیر خدا سے یہ حدیث مروی ہے کہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کو اپنے چچا حضرت حمزہ کی بیٹی میں کچھ رغبت ہے کیونکہ وہ قریش کی

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 764 (وزارت تعلیم)

خوبصورت ترین نوجوان لڑکی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا آپ کو علم نہیں کہ حضرت حمزہ میرے رضاعی بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے رضاعت سے بھی ان رشتوں کو حرام قرار دیا جو نسب سے حرام قرار دیئے(1) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میرے رضاعی چچا آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا، یہاں تک کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ان کے بارے میں پوچھ لوں۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، میں نے آپ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا وہ تیرا چچا ہے، اسے اجازت دے دینا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے دودھ تو نہیں پلایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ تیرا چچا ہے، وہ تیرے گھر میں آ سکتا ہے۔ یہ واقعہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد ہوا(2) متفق علیہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے کہ انہوں نے ایک مرد کی آواز سنی جو حضرت حفصہ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ وہ آدمی آپ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا خیال ہے یہ فلاں ہے جو حفصہ کا رضاعی چچا ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اگر فلاں زندہ ہوتا جو حضرت عائشہ کا رضاعی چچا تھا، کیا میں اسے اپنے گھر آنے کی اجازت دے سکتی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں، رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہو جاتے ہیں(3) اسے بغوی نے روایت کیا۔

فائدہ:۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے اسی آیت اور حضور ﷺ کے مطلق ارشاد سے استدلال کیا، ارشاد یہ ہے رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہو جاتے ہیں کہ رضاعت خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ ہو، رشتہ حرمت ثابت ہو جاتا ہے۔ امام احمد کے اقوال میں سے بھی ایک قول یہی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا حرمت ثابت نہیں مگر پانچ دفعہ مختلف اوقات میں سیر ہو کر دودھ پلایا جائے جبکہ بچہ بھوکا ہو تو حرمت ثابت ہو گی۔ امام احمد کا دوسرا قول یہی ہے۔ امام احمد کا تیسرا قول یہ ہے تین دفعہ دودھ پلانا حرمت کو ثابت کر دیتا ہے۔ ابوثور، ابن منذر، داؤد اور ابو عبید کا یہی نقطہ نظر ہے۔ تین دفعہ پلانے کی دلیل حضرت ابن زبیر کی حضرت عائشہ سے مروی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایک دفعہ اور دو دفعہ چوسنا حرمت کو ثابت نہیں کرتا(4) ام فضل سے مرفوع حدیث میں مصہ کی جگہ رضعہ کے الفاظ ہیں۔ انہی سے ایک روایت میں املاجہ کے الفاظ ہیں۔ سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ ان تمام روایات کو امام مسلم نے روایت کیا۔ اسی طرح امام احمد، امام نسائی، ابن حبان اور ترمذی نے حضرت ابن زبیر کی حدیث اپنے باپ سے اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ طبری نے اضطراب کی وجہ سے اسے معلل قرار دیا ہے کیونکہ یہ روایت اس طرح روایت کی گئی ہے۔ ایک صورت میں حضرت ابن زبیر اپنے باپ حضرت زبیر سے وہ حضرت عائشہ سے وہ رسول ﷺ سے۔ دوسری صورت میں ابن زبیر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، وہ رسول اللہ ﷺ سے۔ تیسری صورت میں حضرت ابن زبیر براہ راست رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ ابن حبان نے تطبیق کی صورت ذکر کی ہے، ممکن ہے حضرت ابن زبیر نے سب سے یہ روایت سنی ہو۔

امام بخاری نے کہا صحیح یہ ہے حضرت ابن زبیر نے حضرت عائشہ صدیقہ سے یہ روایت سنی اور حضرت زبیر کے ذکر میں محمد بن دینار اکیلے

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 467 (قدیمی)　　2۔ ایضاً
3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 419 (التجاریہ)　　4۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 468 (قدیمی)

ہیں۔ اس میں ضعف اور اختلاف ہے اور حضرت عائشہ کے سقوط میں ارسال ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام نسائی نے اسے حضرت ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے ابن عبدالبر نے کہا مرفوع روایت صحیح نہیں۔ علماء نے کہا اگر اس حدیث سے ایک دفعہ یا دو دفعہ دودھ پینا حرمت کو ثابت نہیں کرتا تو تین دفعہ دودھ پینے میں حرمت کا ثبوت باقی رہے گا۔

پانچ دفعہ دودھ پینے میں حرمت کی علت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے کہ قرآن حکیم عشر رضعات معلومات (دس دفعہ دودھ پینا جو معلوم ہو) پر نازل ہوا پھر خمس معلومات سے اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو یہ اسی طرح پڑھا جاتا تھا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ امام ترمذی نے یوں روایت کی ہے قرآن حکیم میں دس دفعہ پینے کا حکم نازل ہوا پھر اس میں سے پانچ کو منسوخ کر دیا گیا۔ اور پانچ دفعہ پینے کا حکم دیا گیا جب رسول اللہ ﷺ نے پردہ فرمایا تو یہ حکم اس طرح تھا۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اخبار آحاد متواتر نص کے معارض نہیں ہو سکتیں۔ جب تعارض واقع ہوگا تو بطور احتیاط حرمت کو مقدم کیا جائے گا۔ اسی ضمن میں حضرت عائشہ کی حدیث بھی ہے، اگرچہ سند کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن معنوی انقطاع کی وجہ سے متروک ہے کیونکہ یہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو اس کی قرأت کی جاتی تھی جبکہ یہ بات قطعی ہے کہ معاملہ ایسا نہ تھا، ورنہ روافض کا یہ قول صحیح ہوگا کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد قرآن کا بہت سا حصہ چھوڑ دیا گیا جبکہ یہ قول کفر ہے کیونکہ اس سے قرآن حکیم کے اس ارشاد کا انکار لازم آتا ہے إِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔ ہاں اگر رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا یہ معنی کیا جائے کہ آپ کے وصال کا زمانہ قریب تھا تو یہ اس بات کا تقاضا کرے گا کہ جس طرح پہلے دس کا حکم منسوخ ہوا، پھر پانچ کا حکم بھی منسوخ ہو گیا۔ یہ تعبیر صحیح ہو گی جب لوگوں نے کہا کہ ایک دفعہ دودھ پینا حرمت ثابت نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ پہلے اسی طرح تھا پھر حکم منسوخ ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رضاعت کا معاملہ آخر کار اس طرف لوٹ آیا کہ رضاعت تھوڑی ہو یا زیادہ حرمت ثابت کرے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ تھوڑی رضاعت بھی حرمت ثابت کرے گی۔ آپ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن عمر سے کہا گیا ایک یا دو دفعہ دودھ پینے سے کوئی نیا حکم ثابت نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا فیصلہ عبداللہ بن زبیر کے فیصلے سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ اس حکم میں کوئی استثناء نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے قول "توفی ﷺ" کی یہ تعبیر کہ آپ کے وصال کے قریب اس کے حکم کی قرآن میں قرأت کی جاتی تھی۔ یہ صحیح نہیں کیونکہ قرأت کا تعلق لفظ سے ہوتا ہے، حکم سے نہیں ہوتا۔

مسئلہ:۔ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مدت رضاعت کے بعد رضاعت حرمت ثابت نہیں کرتی کیونکہ اس وقت دودھ پینے کے ساتھ نشوونما نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے اس مدت کے بعد دودھ پلانے والی کو ماں نہیں کہا جاتا۔ داؤد نے کہا جب بھی دودھ پلایا جائے حرمت ثابت ہو گی۔ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ ابی حذیفہ کی بیوی سہلہ بنت سہیل حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، عرض کی یا رسول اللہ میں سالم کے آنے سے ابو حذیفہ کے چہرے میں ناگواری دیکھتی ہوں جبکہ وہ ابو حذیفہ کا حلیف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو سالم کو پانچ دفعہ دودھ پلا دے تو اس پر حرام ہو جائے گی (1) اسے امام شافعی نے روایت کیا جبکہ امام مسلم اور دوسرے محدثین نے عدد کے ذکر کے بغیر یہ روایت نقل کی۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 469 (قدیمی)

جواب:۔ اجماع اس حدیث کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے جبکہ نبی کریم ﷺ سے یہ صحیح اور ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا وہ رضاعت حرمت کو ثابت کرتی ہے جو پستان سے ہو اور انتڑیوں کو پھاڑنے والی ہو (نشوونما کا باعث ہو) اور یہ دودھ چھڑانے سے پہلے ہو(1) اسے امام ترمذی نے ام سلمہ کی حدیث سے نقل کیا ہے اور فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔ حضور ﷺ سے یہ حدیث بھی مروی ہے یہ وہ رضاعت ہی حرمت کو ثابت کرتی ہے جو گوشت اور ہڈی میں اضافے کا باعث ہو۔ اسے ابوداؤد نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے جبکہ میرے پاس ایک آدمی تھا، آپ نے فرمایا اے عائشہ یہ کون ہیں؟ عرض کی یہ میرا رضاعی بھائی ہے۔ فرمایا اے عائشہ اپنے بھائیوں کے بارے میں دیکھ لو، وہی رضاعت حرمت کا باعث ہے جو بھوک سے (مدت رضاعت میں) ہو۔

مسئلہ:۔ وہ مدت رضاع جس میں حرمت ثابت ہوتی ہے وہ دو سال ہے۔ امام ابو یوسف محمد بن حسن، امام شافعی، امام احمد، امام مالک، سعید بن مسیب، عروہ اور امام شعبی کا یہی نقطہ نظر ہے۔ یہی حضرت عمر اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علی اور حضرت ابن مسعود سے نقل کیا۔ امام مالک سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس کی مدت دو سال اور ایک ماہ ہے اور دوسری روایت میں دو سال اور دو مہینے ہے تیسری روایت میں جب تک وہ دودھ کا محتاج ہو۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک مدت رضاع دو سال چھ ماہ ہے۔ امام زفر نے کہا تین سال ہے۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ مائیں اپنی اولاد کو دو سال دودھ پلائیں جو یہ ارادہ کرے کہ وہ رضاعت کو مکمل کرے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے دو سال میں دودھ پلانے کو مکمل قرار دیا اور تکمیل کے بعد مزید کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے، پس دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہوئی اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ دودھ پلانا نہیں ہے مگر دو سال میں۔ اسے دار قطنی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے اور کہا ہیثم بن جمیل اسے مرفوع ذکر کرنے میں اکیلا ہے، وہ ثقہ اور حافظ ہے۔ اسی طرح امام احمد اور عجلی نے اس کی توثیق کی۔ ابن عدی نے کہا وہ غلطی کر جاتا تھا۔ اسے سعید بن منصور نے ابن عیینہ سے نقل کیا اور اس کے بارے میں توقف کیا۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا یہاں دو چیزوں کا ذکر کیا اور ان کے لئے ایک ہی مدت بیان کی۔ پس یہ دونوں کے لئے کامل مدت ہے۔ جس طرح دو شخصوں پر قرض ہو تو ان کیلئے ایک مدت متعین کر دی جائے مگر حمل کی مدت میں تو کمی کرنے والی دلیل موجود ہے وہ حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ قول ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں رہ سکتا۔ اگرچہ تکلے کے دھرکہ کے برابر ایک دوسری روایت میں ہے کہ اگرچہ تکلے کے سایہ کے برابر اب اس قسم کی بات سمع کے بغیر نہیں کہی جا سکتی کیونکہ جن اقوال میں مقدار مذکور ہو وہ رائے سے نہیں پہچانی جاتی۔ پس دودھ پلانے کی مدت ظاہر کے مطابق رہے گی۔ یہ کئی وجوہ کی بنا پر کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

(1) اگر حضرت عائشہ صدیقہ کے قول کو حمل کی مدت میں کمی کرنے والا تسلیم کر لیا جائے تو یہ قول حضور ﷺ کے اس ارشاد سے بہتر نہیں کہ دو سال کے بعد کوئی رضاعت نہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ اس میں دو سالوں کا ذکر ہے یہ کمی

1۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 127 (وزارت تعلیم)

کرنے والے کیوں نہ ہوں گے۔

(2) تیس ماہ میں حقیقت و مجاز کو جمع کرنا لازم آتا ہے کہ حمل کے اعتبار سے تو چوبیس ماہ مقرر کئے جائیں گے اور دودھ چھڑانے میں تیس ماہ۔

(3) اس تاویل سے یہ بھی لازم آتا ہے تیس کو چوبیس پر معنوی اعتبار سے محمول کیا جا سکتا ہے، جبکہ اسماء اعداد میں سے کسی کو بھی دوسرے پر محمول کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ اپنے مسمیات میں اعلام کی طرح ہیں۔ یہ کثیر محققین کا نقطہ نظر ہے۔

امام ابو حنیفہ اور دوسرے لوگوں کے قول کی ایک اور توجیہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ غذا کی تبدیلی بھی لازمی ہے تاکہ دودھ کے ساتھ اس کی پرورش ختم ہو جائے۔ یہ وہ زیادہ سے زیادہ مدت ہے جس میں بچہ کسی دوسری خوراک کا عادی ہو جائے۔ امام مالک نے اس زیادتی کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔ امام زفر نے ایک سال متعین کیا ہے کیونکہ ایک سال چار موسموں پر مشتمل ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے اس کی مدت چھ ماہ متعین کی ہے کیونکہ یہ حمل کی کم سے کم مدت ہے۔ اس استدلال کی وجہ یہ ہے کہ جنین کی غذا اور رضیع کی غذا سے مختلف ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ شرع نے دو سال پہلے بچے کو دودھ کے علاوہ کوئی خوراک دینا حرام قرار نہیں دیا کہ دو سال سے زیادہ میں اس کے عادی ہونے کا اعتبار کیا جائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ دودھ کے ساتھ دو سال سے کم میں خوراک کا عادی ہو جائے۔ یہ ابن ہمام اور طحاوی کا نقطہ نظر ہے۔

ے امہات کا لفظ دادیوں کو شامل ہے خواہ وہ باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے وہ قریبی ہوں یا بعیدی حدیث کی وجہ سے ان کی رضاعی مائیں اور دادیاں ان کے ساتھ شامل ہیں اور اجماع کی وجہ سے ملک یمین اور شبہ کی وجہ سے موطوءہ شامل ہیں جبکہ زنا کی وجہ سے موطوءہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک شامل ہے۔ اسی طرح جس عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا گیا ہو وہ بھی شامل ہے۔

ﮯ ربائب ربیب کی جمع ہے ربیب عورت کے اس بچے کو کہتے ہیں جو کسی اور مرد سے ہو۔ اسے یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ عموماً خاوند اس کی بھی اسی طرح تربیت کرتا ہے جس طرح وہ اپنی اولاد کی تربیت کرتا ہے۔ یہ فعیل کا وزن ہے اور مفعول کے معنی میں ہے۔ اس کے آخر میں تاء اس لئے ہے کیونکہ اب یہ اسم بن چکا ہے۔ ربائب کا لفظ عموم مجاز یا قیاس کی وجہ سے بیویوں کی پوتیاں ان کی نواسیاں اگرچہ مزید نیچے ہوں اور ملک یمین یا شبہ کی وجہ سے موطوءہ عورتوں کی بیٹیاں ایک واسطہ سے ہوں یا کئی واسطوں سے ہوں مزنیہ عورتوں کی بیٹیاں اگرچہ دور تک چلی جائیں۔ یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک سب کو شامل ہے۔

ﮯ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ یہ صفت بطور عادت مذکور ہے۔ یہ صفت احترازی نہیں، یعنی اگر یہ عورتیں زیر پرورش نہ ہوں تو حلال ہیں، یہ مراد نہیں۔ داؤد نے کہا وہی ربائب حرام ہیں جو تمہاری گود میں پرورش پا رہی ہیں۔ عبد الرزاق اور ابن ابی حاتم نے اپنی صحیح سند کے ساتھ حضرت علی شیر خدا سے بھی روایت کیا ہے۔ یہاں اجماع سے مراد پہلے قرن کے بعد کا اجماع ہے۔

ﮯ مِّنْ نِّسَآىٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ صلہ موصول مل کر نسائکم کی صفت مقیدہ ہے اور بالاجماع یہ قید احترازی ہے، یعنی جن عورتوں سے تم نے دخول نہیں کیا ان کی بچیوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اسے دونوں نسائکم کی صفت بنانا جائز نہیں کیونکہ دونوں کے عامل مختلف ہیں اور دو مختلف عاملوں کا ایک معمول صحیح نہیں ہوتا۔ صرف فراء کی ایک روایت ہے ترکیب اور من نسائکم ظرف مستقر ہے۔ اسے موصول اول کا صلہ بنانا جائز ہے اور فی حجورکم اس کا متعلق۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسے حجورکم میں ضمیر سے حال بنایا جائے۔ زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ ربائبکم سے حال ہو جب اسے ربائبکم سے حال بنایا جائے تو اسے امہات کے ساتھ متعلق کرنا جائز نہیں

کیونکہ مِن کے کلمہ کو جب آپ ربائب کے متعلق کریں گے تو یہ ابتدائیہ ہوگا اور جب آپ اسے امہات کے متعلق کریں گے تو اس صورت میں اسے ابتدائیہ بنانا جائز نہ ہوگا بلکہ اس صورت میں اسے نسائکم کا بیان بنانا واجب ہوگا۔ جمہور ادباء کے نزدیک ایک کلمہ کو دو معنوں پر محمول نہیں کیا جاسکتا، اگرچہ امام شافعی کے نزدیک عموم مشترک جائز ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واجب آئے گا جب یہ نسائکم کا بیان ہو تو یہ اس سے حال بھی ہو ایک ہی چیز ربائبکم اور نسائکم سے حال ہو جبکہ ذوالحال کے عامل مختلف ہیں۔ یہ کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں کیونکہ ربائبکم فاعل کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور نسائکم مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔

امام بیضاوی نے کہا ایک صورت ہے جب تو مِن کو اتصالیہ بنائے (1) بیانیہ اور ابتدائیہ نہ بنائے تو دو مختلف معنی نہ ہوں گے بلکہ مِن دونوں میں قدر مشترک کے طور پر استعمال ہوگا۔ وہ معنی اتصال یعنی ملابست ہے اسی صورت میں ظرف امہات اور ربائب سے حال ہو گی۔ یہ دونوں ایک ہی جہت سے مرفوع ہوں گی۔ یہ تاویل حدیث مرفوع اور اجماع سے مردود ہے۔ عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس سے دخول کیا اس کے لئے اس کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ اگر اس نے دخول نہ کیا تو بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے اور جس مرد نے کسی عورت سے شادی کی اس نے اس سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو اس کی ماں سے نکاح حلال نہیں (2) اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث سند کے اعتبار سے درست نہیں۔ اسے ابن لہیعہ اور مثنیٰ بن صباح عمرو بن شعیب سے روایت کیا۔ یہ دونوں حدیث میں ضعیف قرار دیئے جاتے تھے۔ شیخ ابن حجر نے کہا اس باب میں حضرت ابن عباس کا قول بھی مروی ہے۔ اسے ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں قوی سند سے ذکر کیا۔ حضرت ابن عباس فرماتے جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو حقوق زوجیت ادا کرنے سے قبل طلاق دے یا وہ مر جائے تو اس کی ماں اس خاوند پر حلال نہیں ہوتی۔ طبرانی نے اس میں اجماع نقل کیا ہے۔

زید بن ثابت سے اس میں روایت مختلف ہے۔ ابن ابی شیبہ کی مسند میں ان سے روایت ہے۔ جب خاوند اسے حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل طلاق دے دے تو اس کی بیٹی سے نکاح میں کوئی حرج نہیں مگر جب وہ عورت پہلے ہی فوت ہو جائے تو اس کی بیٹی سے نکاح مکروہ جانتے تھے۔ امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے، انہوں نے زید بن ثابت سے روایت کی کہ حضرت زید بن ثابت سے ایک ایسے آدمی کے متعلق سوال کیا گیا جس نے ایک عورت سے شادی کی، پھر وہ عورت حقوق زوجیت کی ادائیگی سے پہلے ہی فوت ہو گئی کیا اس مرد کے لئے اس کی ماں سے نکاح کرنا حلال ہے؟ فرمایا نہیں ماں کا حکم مبہم ہے، بے شک شرط (وطی کی) پرورش پانے والی بچیوں کے بارے میں ہے۔ حضرت علی شیر خدا سے ایک قول منقول ہے کہ دونوں کی حرمت وطی سے مشروط ہے۔ اسے ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے۔ مجاہد نے بھی یہی کہا ابن ابی شیبہ اور دوسرے محدثین نے زید بن ثابت اور ابن عباس سے نقل کیا۔ عبدالرزاق اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن زبیر سے اسی طرح روایت کیا۔ اگر حضرت علی، مجاہد اور دوسرے علماء سے حرمت کے لئے وطی کی قید صحیح ہو تو شاید طبرانی کے اجماع کے قول سے مراد قرن اول اور قرن ثانی کے بعد کا اجماع ہوگا اور دخلتم بھن میں باء تعدیہ اور مصاحبت کے لئے ہوگی، یعنی تم نے انہیں پردہ میں داخل کر لیا، یہ حقوق زوجیت سے کنایہ ہے، جس طرح عرب کہتے ہیں بَنٰی عَلَیْھَا وَ ضَرَبَ عَلَیْھَا الْحِجَابَ ان دونوں جملوں سے مراد حقوق زوجیت ادا کرنا ہے، شہوت کے ساتھ چھونا اور شہوت کے ساتھ فرج داخل کی طرف دیکھنا۔ امام ابو

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 107 (فراس)
2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 133 (تقدیم وتاخیر) (وزارت تعلیم)

حنیفہ کے نزدیک اس کا حکم وہی ہے جو جماع کا حکم ہے۔

۱؎ قیاس کو رد کرنے کے لئے اشارہ کے بعد وضاحت کر دی (یہ ممکن تھا کہ غیر مدخولہ) پر قیاس کر لیا جاتا اور ان کی بیٹیوں کو بھی حرام تسلیم کر لیا جاتا)

۲؎ حلائل یہ حلیلہ کی جمع ہے جس کا معنی بیوی ہے۔ اس کو حلیلہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ خاوند کے لئے حلال ہوتی ہے یا اس لئے کہ یہ خاوند کے بستر پر فروکش ہوتی ہیں۔ بیویوں کے ساتھ ملک یمین کی وجہ سے موطوءہ یا شبہ کی وجہ سے موطوءہ بالا جماع شامل ہوں گی اور زنا کے ساتھ موطوءہ صرف امام ابو حنیفہ کے نزدیک شامل ہو گی۔ ابناء کم یہ لفظ عموم مجاز کی وجہ سے پوتوں اور نواسوں سب کو شامل ہو گا، اگرچہ وہ دور کے ہوں۔ مِنْ اَصْلَابِكُمْ کی قید سے منہ بولا بیٹا نکل گیا کیونکہ عرب منہ بولے بیٹے پر ابن کا اطلاق کرتے تھے، اگرچہ مجازاً ہی سہی ابن جریر نے اب جریج سے نقل کیا ہے، کہا میں نے عطاء سے وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ...... کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔ ہم آپس میں یہ بات چیت کیا کرتے کہ یہ آیت حضور ﷺ کے متعلق اس وقت نازل ہوئی۔ جب آپ نے زید بن حارثہ کی مطلقہ بیوی سے عقد نکاح کیا تو مشرکین نے آپ کے متعلق باتیں کیں تو یہ آیت اور وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ اور مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ نازل ہوئیں۔

پوتا اور نواسا واسطہ کے ساتھ ہو یا بغیر واسطہ کے وہ اس قید سے خارج نہیں کیونکہ یہ بھی اصلاب سے ہیں، اگرچہ واسطہ کے ساتھ ہیں رضاعی بیٹا اور اس کی نسل اگرچہ اس قید کی وجہ سے حکم سے خارج ہیں۔ لیکن ان کی بیویوں کی حرمت نص حدیث سے ثابت ہے۔ میری مراد حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ رضاع سے وہ چیز حرام ہو جاتی ہے جو نسب سے حرام ہو جاتی ہے۔ اسی پر اجماع ہے۔

۳؎ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ یہ محل رفع میں ہے اور اس کا عطف امهاتكم وبناتكم پر ہے یعنی تم پر دو بہنیں نکاح میں اور ملک یمین کی وجہ سے وطی میں جمع کرنا حرام ہے۔ ایسی دو بہنیں جو نسبی ہوں انہی کے ساتھ رضاعی بہنیں بھی شامل ہوں گی۔ ان کا حکم حدیث سے ثابت ہے، خواہ یہ علاتی ہوں، اخیافی ہوں، یا دونوں ہوں نسبی ہوں۔ یا رضاعی ہوں ایک بہن کے ساتھ بدکاری سے دوسری کا نکاح حرام نہیں ہوتا جس طرح ایک کی موت کے بعد دوسری کا نکاح یا ایک کی طلاق کے ختم ہونے کے بعد دوسری کا نکاح حرام نہیں ہوتا۔ سنت اور اجماع کی وجہ سے اسی حکم میں ایسی دو عورتوں کا جمع کرنا بھی حرام ہو گا جن میں عورت اور اس کی پھوپھی، عورت اور اس کی خالہ، اسی طرح عورت اور اس کے والد کی پھوپھی یا ماں کی پھوپھی یا ان دونوں میں سے ایک کی خالہ یا اجداد اور جدات کی پھوپھیاں، اگرچہ دور کی ہوں اور کسی جہت سے ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت اور اس کی پھوپھی، عورت اور اس کی خالہ کو جمع نہ کرے (1) متفق علیہ۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور دارمی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ کسی عورت سے اس کی پھوپھی پر اور پھوپھی سے اس کی بھتیجی پر اور کسی عورت سے اس کی خالہ پر اور خالہ سے اس کی بھانجی پر بڑی سے چھوٹی پر اور چھوٹی سے بڑی پر نکاح نہ کیا جائے۔ نسائی نے اسے بھانجی تک کے الفاظ کو روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔ امام بخاری نے جابر سے اس کی مثل روایت کیا ہے۔(2)

ابن عبد البر نے کہا ابو ہریرہ کی حدیث کے طرق متواتر ہیں۔ اس باب میں حضرت ابن عباس سے مروی روایت بھی ہے جسے امام

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 452 (قدیمی) 2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 766 (وزارت تعلیم)

احمد' ابوداؤد' ترمذی' ابن حبان نے روایت کیا۔

ابوسعید سے روایت ہے جسے ابن ماجہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت علی سے روایت مروی ہے جسے بزار نے روایت کیا۔ عبداللہ بن عمر سے روایت مروی ہے جسے ابن حبان نے روایت کیا۔ اس باب میں حضرت سعد بن ابی وقاص' زینب زوجہ مسعود' ابی امامہ' حضرت عائشہ' حضرت ابوموسیٰ اور سمرہ بن جندب سے روایت مروی ہیں۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی اور ابن عدی نے عکرمہ کی حدیث وہ ابن عباس سے یہی روایت نقل کرتے ہیں۔ اس کے آخر میں یہ اضافہ کیا جب تم یہ کرو گے تم ان کی رشتہ داری کو ختم کرو گے۔ ابوداؤد نے مراسیل میں عیسیٰ بن طلحہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی عورت سے اس کی رشتہ دار پر نکاح کرنے سے قطع رحمی کے خوف سے منع کیا(۱) ابن حبان نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا اگر تم نے ایسا کیا تو تم نے ان کی رحموں کو قطع کر دیا۔ رضاعی بہنوں کی نکاح میں جمع کرنے کی حرمت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس طرح نسبی رشتہ داری کو ختم کرنا حرام ہے۔ اسی طرح رضاعی رشتہ داری کو ختم کرنا حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے دودھ پلانے والی کی تکریم مروی ہے۔ ابوالطفیل غنوی سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت آئی تو نبی کریم ﷺ نے اس کے لئے چادر بچھا دی، یہاں تک کہ وہ اس پر بیٹھ گئی جب وہ چلی گئی تو کہا گیا یہ وہ عورت ہے جس نے نبی کریم ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ نسب اور رضاع سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جن میں سے ایک دوسرے کی فرع ہو یا اصل قریب کی فرع ہو اور مصاہرت سے عورت پر مرد کے اصول و فروع اور مرد پر عورت کے اصول مطلقاً اور فروع حقوق زوجیت کی شرط کے ساتھ حرام ہو جاتے ہیں اور مصاہرت سے خاوند اور عورت کے قریبی حرام نہیں ہوتے مگر جو نسب کے ستون ہوتے ہیں۔ ہاں بیوی اور اس کی اصل قریب کی فرع کو نکاح میں جمع کرنا اس لئے جائز نہیں تاکہ قطع رحمی سے بچا جا سکے اور رضاعت کی رشتہ داری کو ختم ہونے سے بچایا جائے واللہ اعلم۔

۱۴ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ یہ نہی کے معنی لازم سے مستثنیٰ ہے، یعنی ان عورتوں سے نکاح کرنے کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا مگر جو گزر چکا ظاہر بات یہ ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے اور لیکن کے معنی میں ہے۔ لیکن جو گزر چکا بے شک اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور اس کا مواخذہ نہیں کرے گا۔

۱۵ اللہ انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا کیونکہ وہ شرعی احکام جاننے سے ناواقف تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کو زیبا نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد انہیں گمراہ کر دے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ہمیں زیبا نہیں کہ ہم عذاب دیں یہاں تک کہ ہم رسول مبعوث کریں۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

۱۔ مراسیل ابی داؤد، صفحہ 11 (وزارت تعلیم)

"اور (حرام ہیں) خاوندوں والی عورتیں [1] مگر (کافروں کی وہ عورتیں) جو تمہارے ملک میں آ جائیں [2] [3] فرض کیا ہے اللہ تعالیٰ نے (ان احکام کو) تم پر [4] اور حلال کر دی گئی ہیں تمہارے لئے [5] ماسوا ان کے [6] تاکہ تم طلب کرو (ان کو) اپنے مالوں کے ذریعے [7] پاکدامن بنتے ہوئے [8] نہ زناکار بنتے ہوئے [9] پس جو تم نے لطف اٹھایا ہے ان سے تو دو ان کو ان کے مہر [10] جو مقرر ہیں [11] اور کوئی گناہ نہیں تم پر جس چیز پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ مقرر کئے ہوئے مہر کے بعد [12] بے شک اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے [13]"

[1] وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ کا عطف اُمّھٰتُکُمْ پر ہے، یعنی تم پر خاوندوں والی عورتیں حرام ہیں۔ کسی بھی مرد کے لئے ایسی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں جب تک ان کے خاوند فوت نہ ہو جائیں یا وہ انہیں طلاق نہ دے دیں۔ نیز وفات اور طلاق کی عدت ختم نہ ہو جائے شادی شدہ عورتوں کو محصنات کا نام دیا کیونکہ عقد نکاح یا خاوندوں نے انہیں پاکدامن بنا دیا ہے۔

امام بغوی نے کہا ابوسعید خدری نے کہا یہ ان عورتوں کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی جبکہ ان کے خاوند بھی تھے۔ بعض مسلمانوں نے ان عورتوں سے شادیاں کر لیں پھر ان کے خاوند ہجرت کر کے آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان عورتوں سے نکاح کرنے سے منع کر دیا۔(1)

میری رائے یہ ہے کہ شاید حدیث کا مفہوم یہ ہے۔ مہاجر عورت کا خاوند جب مسلمان ہو تو اس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں، اگرچہ وہ دار الحرب میں ہی ہو کیونکہ حقیقتاً دین میں اختلاف نہیں اور دار میں حکماً اختلاف نہ ہوگا مگر جب وہ مسلمان ہو جائے اور ہجرت کرے اور اس کا خاوند دار الحرب میں کافر ہو تو اس کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ...... وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ یعنی ایسی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لیکن ائمہ احناف کے نزدیک دار الحرب سے ہجرت کے ساتھ ہی میاں اور بیوی میں جدائی واقع ہو جائے گی کیونکہ دارین میں حقیقتاً اور حکماً اختلاف واقع ہو چکا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس فرقت کے بعد عدت بھی نہیں، جبکہ صاحبین کے نزدیک ان پر عدت بھی لازم ہوگی، جبکہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس عورت کے اسلام قبول کرنے کے بعد تین حیضوں سے فرقت واقع ہو جائے گی اگر اس نے دخول کیا ہو اگر اس نے دخول نہ کیا ہو تو اسلام قبول کرنے کے وقت سے فرقت واقع ہو جائے گی۔ وطن کے مختلف ہونے سے ان ائمہ کے نزدیک کوئی فرق نہیں پڑتا۔

[2] اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ عطاء نے کہا اس استثناء سے مراد یہ ہے کہ اس کی لونڈی اس کے غلام کے نکاح میں ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس لونڈی کو اس غلام خاوند سے الگ کرے۔ یہ قول بالاجماع مردود ہے۔ صحیح وہ ہے جسے امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے ابوسعید خدری سے نقل کیا۔ ہم نے اوطاس کی قیدی عورتیں اپنے قبضے میں لیں جن کے خاوند بھی تھے۔ ہم نے ناپسند کیا کہ ان سے وطی کریں ہم نے نبی کریم ﷺ سے ان کے متعلق پوچھا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (2) جس میں یہ بیان فرمایا اللہ تعالیٰ نے جنگ میں تمہیں جو عورتیں عطا کیں تم ان سے لطف اندوز ہو طبرانی نے ابن عباس سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا یہ آیت غزوۂ حنین کے موقع پر نازل ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے غزوہ حنین میں مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی تو مسلمانوں نے اہل کتاب کی چند عورتیں گرفتار کیں جن کے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 422 (التجاریہ)	2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 135 (وزارت تعلیم)

خاوند بھی موجود تھے جب کوئی مرد اپنے زیر قبضہ عورت سے خواہش پوری کرنا چاہتا تو وہ کہتی میرا خاوند موجود ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ سے ان کے متعلق پوچھا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب عورت خاوند کے ساتھ قید کی جائے یا خاوند کے بغیر قید کی جائے تو میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع ہوتی ہے اور استبراء رحم کے بعد اس عورت کا جو مالک بنتا ہے اس کے لئے وطی کرنا جائز ہوتا ہے کیونکہ روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے منادی نے غزوۂ اوطاس کے موقع پر اعلان کیا تھا کہ حاملہ عورتوں کیساتھ وطی نہ کی جائے جب تک وہ وضع حمل نہ کریں اور جو حاملہ نہیں ہیں ان سے اس وقت تک وطی نہ کرو جب تک انہیں حیض نہ آ جائے۔ جو آدمی اس عورت کا مالک بنتا اسے یہ بھی حق تھا کہ وہ اس عورت کی شادی کسی اور مرد سے کر دے۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ قید جس طرح قید کرنے والے کو قیدی کا مالک بنا دیتی ہے۔ اسی طرح یہ اس سے ہر طرح کا انتفاع بھی کر سکتا ہے۔ ان حقوق میں کسی اور کو کوئی حق حاصل نہیں ہوتا۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا یہی نقطۂ نظر ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اوطاس کی قیدی عورتیں اپنے خاوندوں کے ساتھ قید کی گئی تھیں۔

امام ابوحنیفہ نے کہا محض قید کرنے سے میاں بیوی میں فرقت واقع نہیں ہوتی۔ ہاں اس صورت میں جدائی واقع ہو جاتی ہے جب میاں بیوی میں سے ایک گرفتار کیا جائے کیونکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک دارین کا حقیقتاً اور حکماً مختلف ہونا جدائی کا موجب ہوتا ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے جب میاں بیوی مختلف داروں میں ہوں تو نکاح کے مصالح باقی نہیں رہتے تو یہ محرمیت کے مشابہ ہو گیا۔ قید ملک رقبہ کو خاص کرنے کا سبب ہے۔ ملک بضع کو خاص کرنے کا سبب نہیں کیونکہ یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم نہیں۔ یہ استدلال نص کے مقابل ہے۔

ابن ہمام نے کہا کہ اوطاس کے قیدیوں میں یہ روایت کیا گیا کہ صرف عورتیں گرفتار ہوئیں تھیں۔ امام ترمذی کی روایت اسی کا فائدہ دیتی ہے۔ ابوسعید سے مروی ہے کہ ہم نے اوطاس کی عورتیں گرفتار کیں جن کے خاوند بھی تھے۔ لوگوں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

میں کہتا ہوں ترمذی کے الفاظ میں ایسی کوئی چیز نہیں جو قطعی طور پر اس پر دلالت کرے کہ وہ ساری عورتیں خاوندوں کے بغیر گرفتار کی گئیں۔ اس میں ظاہر امام شافعی کا قول ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہو کہ وہ سب خاوندوں کے بغیر گرفتار کی گئیں تو اعتبار لفظ کے عموم کا ہوگا، سبب کے خاص ہونے کا نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے خاوند والیوں سے ملک یمین کے عنوان کے ساتھ استثناء کی ہے، اختلاف دارین سے استثناء نہیں کی۔

احناف یہ کہتے ہیں آیت بالا جماع اپنے عموم پر نہیں کیونکہ لفظ کا مقتضیٰ مملوکہ کے حلال ہونے کا تقاضا کرتا ہے، خواہ وہ قید کرنے، خریدنے، وارث ہونے یا کسی اور طریقہ سے مالک ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لونڈی سے خریدا گیا ہو اور اس کی شادی بھی ہو چکی ہو تو وہ بالا جماع اس حکم سے خارج ہے۔ پس ہم نے ان عورتوں کو اس حکم سے خارج کر دیا جو مردوں کے ساتھ گرفتار ہوئیں۔

میں یہ کہتا ہوں کہ عام کی تخصیص کے لئے کسی دلیل شرعی کی ضرورت ہوتی ہے، اگرچہ وہ عام ظنی ہو یہاں دلیل شرعی سے مراد نص، اجماع یا قیاس ہے مذہب کے ساتھ تخصیص کرنا جائز نہیں، جبکہ شادی شدہ خریدی گئی لونڈی کا اس حکم سے خارج ہونے کے بارے میں اجماع ممنوع ہے۔ امام بغوی نے کہا حضرت ابن مسعود نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ ارادہ کیا ہے کہ جب شادی شدہ لونڈی کو خریدا جائے تو میاں بیوی میں تفریق ہو جاتی ہے اور اس کی بیع طلاق بن جاتی ہے۔(1) اسے ابن ابی شیبہ، ابن جریر اور عبد بن حمید نے عبد

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 422 (التجاریہ)

اللہ بن مسعود سے روایت کیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہاں محصنات سے مراد وہ آزاد عورتیں ہیں جن کے خاوند ہوں اور قیاس کے ذریعے شادی شدہ لونڈیوں کو ان کے ساتھ ملا دیا گیا ہو تو آیت کا یہ معنی ہوگا کہ تم پر آزاد شادی شدہ عورتیں حرام ہیں مگر جن کے تم قید کرنے اور غلبہ پانے کے ذریعے مالک بنے ہو اس صورت میں خریدنے یا وراثت کے ذریعے مملوکہ کو حکم سے خارج کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ شراء سے پہلے وہ محصنات (آزاد) نہیں تھیں بلکہ وہ مملوکہ تھیں جب کہ وہ عورت جسے قید کیا گیا وہ گرفتاری سے پہلے آزاد تھی۔

ج كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ یہ مفعول مطلق ہے اور تاکید کے لئے آیا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ كِتَابًا، یعنی وہ عورتیں جن کا ذکر ہوا ان کی حرمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ابن جریر نے عبیدہ کے واسطہ سے حضرت عمر بن خطاب سے اس آیت کے بارے میں نقل کیا ہے کہ تمہارے لئے چار عورتیں مقرر کر دی ہیں۔ ابن منذر نے ابن جریج کے واسطہ سے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ایک سے چار تک نکاح میں جائز رکھ دی ہیں۔

ے وَاُحِلَّ لَكُمْ کو ابو جعفر، حمزہ، کسائی اور حفص نے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور باقی قاریوں نے معروف کا صیغہ پڑھا ہے۔ معروف کی صورت میں فاعل کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے گی جو لفظ کتاب اللہ میں ہے اس کا عطف حرمت پر ہے یا اس فعل مضمر پر ہے جس نے کتاب اللہ کو نصب دی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے عطف مشارکت کا تقاضا کرتا ہے اور کتاب اللہ والا جملہ تو سابقہ حرمت کی تاکید ہے تو اس جملہ کی اس تاکید کے ساتھ کیا مشارکت ہوگی۔

ہم جواب یہ دیں گے کہ دوسری عورتوں کی حلت اس حرمت کی تاکید بیان کرتی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اس کا عطف حرمت پر ہے تو حرمت کو مجہول اور فاعل کو معروف لانے میں کیا نکتہ ہے (معروف جمہور کی قرأت ہے)

ہم جواب دیں گے کہ حلت انعام ہے جبکہ حرمت اس کے برعکس ہے انعام کی نسبت اپنی ذات کی طرف صراحت سے کی جبکہ تحریم کی نسبت صراحۃً نہیں کی۔

ۃ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ سابقہ آیات میں جو محرمات ذکر کی گئی ہیں ان کے علاوہ اس حکم سے جو عورتیں سنت، اجماع اور قیاس سے خارج کی گئیں۔ وہ وہ ہیں جن کا ہم نے شرح میں ذکر کر دیا اسی طرح چار سے اوپر بھی حرام ہیں۔

ل حرام کردہ عورتوں کے علاوہ تم نکاح کے ساتھ مہر دے کر یا انہیں خرید کر چاہو۔

ے پاکدامن بنتے ہوئے یہ تبتغوا کے فاعل سے حال ہے کیونکہ عفت کا معنی شرمگاہ کو بے حیائی سے محفوظ رکھنا اور نفس کو ملامت اور سزا سے بچانا ہے۔

ہ نہ کہ بے حیاء بنتے ہوئے۔ یہ حال کے بعد حال ہے۔ سفاح کا معنی زنا ہے جو سفح سے مشتق ہے، جس کا معنی منی کو بہانا ہے کیونکہ بے حیائی کی صورت میں مقصود صرف شہوت پوری کرنا ہوتا ہے نسل کی بقاء مقصود نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ قول مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ سے بدل اشتمال ہے کیونکہ حلت کو محرمات کے علاوہ عورتوں کی طرف منسوب کرنے کا مقصود حلال طریقے سے انہیں چاہنا ہے کیونکہ محرمات کے علاوہ عورتیں مطلقاً حلال نہیں بلکہ ان کی حلت نکاح (1)

(1) اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَاُحِلَّ لَكُمْ عام نہیں جو مذکورہ محرمات کے علاوہ عورت کی حلت پر دلالت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صحیح یا ملک یمین کے ساتھ مقید ہے۔ ابتغاء بالاموال کا بھی یہی مفہوم ہے کیونکہ تیرا قول اعجبنی زید علمہ میں مقصود زید کی ذات نہیں ہوتی بلکہ اس کا علم بھی ہوتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ان تبتغوا کا تعلق احل لکم کے ساتھ ہو اور باء حرف جار کو مقدر مانا جائے، یعنی تمہارے لئے مذکورہ محرمات کے علاوہ عورتیں حلال کی گئیں اس سبب کیساتھ تم انہیں اپنے اموال سے چاہو نکاح کی صورت میں مہر دے کر یا انہیں خرید کر اسی کے اوپر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے" اور مومن عورت اگر وہ اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کو ہبہ کرے اگر نبی کریم ﷺ اس سے نکاح کرنا چاہیں وہ آپ کے لئے خاص ہے نہ کہ مومنین کے لئے" یہ ارشاد تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بغیر مہر کے نکاح حضور ﷺ کی خصوصیت ہے اور اگر مہر مقرر نہ کیا جائے تو قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ نکاح ہی ثابت نہ ہو، لیکن ہم نے قیاس کو چھوڑ دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ ...... یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ مہر معین کئے بغیر نکاح صحیح ہے ہم کہتے ہیں مہر نکاح کے لوازم اور احکام میں سے ہے۔ نکاح کی شرائط میں مہر کا ذکر کرنا نہیں۔ اس پر علماء کا اجماع ہے۔ لیکن امام شافعی کا نقطہ نظر یہ ہے اگر مرد نے شادی کی اور عورت کا مہر مقرر نہ کیا یا اس شرط پر شادی کی کہ اس عورت کا کوئی مہر نہ ہوگا اور دخول سے پہلے فوت ہو گیا اس عورت کے لئے کوئی مہر نہ ہوگا۔

جبکہ جمہور علماء کے نزدیک اس کے لئے مہر مثل واجب ہوگا جس طرح دخول کی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ مہر حق شرع کے طور پر ثابت ہے کیونکہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حلت مال کے بدلے میں چاہنے سے ثابت ہوگی (1) دوسری وجہ یہ ہے کہ باء الصاق کا معنی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس چاہنے کو حلال قرار دیا ہے جو مال کے ساتھ ملا ہوا ہے وطی کے پائے جانے تک موخر کرنا باء کے معنی پر عمل کرنے سے ترک لازم آتا ہے جس طرح امام شافعی نے اس عورت کے بارے میں فرمایا جس نے بغیر نکاح کے اپنے آپ کو پیش کیا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت علقمہ کی حدیث ہے کہ حضرت ابن مسعود سے ایک آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جس نے ایک عورت سے شادی کی اور اس کے لئے کوئی مہر معین نہ کیا اس نے دخول بھی نہ کیا تھا کہ خود فوت ہو گیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا عورت کے لئے مہر مثل ہے نہ کم نہ زیادہ اور اس عورت پر عدت بھی لازم ہوگی اور اس عورت کیلئے میراث بھی ہوگی۔ معقل بن سنان اشجعی اٹھ کھڑا ہوا اس نے کہا حضور ﷺ نے ہمارے خاندان کی ایک عورت بروع بنت واشق کے بارے میں یہی فیصلہ کیا۔ حضرت ابن مسعود اس سے خوش ہو گئے۔ اسے ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور دارمی نے اسی کی مثل کہا۔ بیہقی نے کہا اس حدیث کی تمام روایات اور سندیں صحیح ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے اگر مہر نکاح کے لوازم میں سے ہے تو یہ اس عورت کے حق میں بھی لازم ہونا چاہیے جس نے بغیر مہر کے اپنے آپ کو پیش کر دیا اور حقوق زوجیت سے پہلے اسے طلاق دے دی گئی جبکہ اس کے بارے میں سوائے امام احمد کی ایک روایت کے کسی امام کا قول نہیں امام احمد نے فرمایا مہر مثل کا نصف واجب ہوگا جبکہ آپ کا صحیح ترین قول وہی ہے جو جمہور علماء کا مذہب ہے کہ کوئی چیز واجب نہ ہوگی۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کرتا ہے اور نہ ہی مال کے بدلے میں چاہنے کے جواز میں ظاہر ہے بلکہ یہ مجمل ہے۔ اس میں نکاح صحیح بھی آتا ہے جو احصان کو ثابت کرتا ہے اور زنا بھی شامل ہے کیونکہ مال کے بدلے میں طلب دونوں میں موجود ہے۔ پس سنت یا اجماع سے نکاح کی جو شرائط (گواہیاں، اعلان اور ولی کی اجازت) وہ اس مجمل کا بیان ہیں۔ ان شرائط کو خبر واحد یا اجماع کے ساتھ قرآن پر زیادتی تصور نہ کیا جائے گا۔

1۔ سنن ابی داؤد، جلد، صفحہ 288 (وزارت تعلیم)

ہم یہ کہتے ہیں کہ متعہ (تین کپڑے) نصف مہر کے عوض میں ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے متعہ کے وجوب کا قول کیا ہے۔

مسئلہ:۔ جب ایک مرد نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کے لئے کوئی مہر نہ ہوگا تو اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے فرمایا یہ نکاح صحیح نہیں کیونکہ نکاح عقد معاوضہ ہے، جس طرح خرید وفروخت ہوتی ہے، ایسی بیع جس میں ثمن نہ دینے کی شرط ہو بالاجماع صحیح نہیں اسی طرح نکاح بھی صحیح نہ ہوگا۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ نکاح عقد معاوضہ نہیں بلکہ مہر شرعی حق کے طور پر لازم ہوا۔ مقصد اس محل کے شرف کا اظہار تھا۔ اگر یہ محض معاوضہ ہوتا تو مہر ذکر نہ کرنے کی صورت میں نکاح نہ ہوتا، جس طرح ثمن ذکر نہ کی جائے تو بیع نہیں ہوتی۔ یہ شرط لگانا کہ مہر نہ ہوگا یہ شرط فاسد ہے اس کے ساتھ نکاح فاسد نہ ہوگا اور شرط لغو چلی جائے گی۔ ثمن بیع کا رکن ہے۔ ثمن کے بغیر بیع نہ ہوگی پس نکاح اور بیع دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

فائدہ: یہ آیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مہر کے لئے مال ہونا ضروری ہے کیونکہ حلت مال کے ساتھ عورت کو چاہنے کے ساتھ مقید ہے اور منافع معلوم شرعی طور پر مال کے ساتھ لاحق کر دیئے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے نصوص اور اجماع کے ساتھ اجارہ جائز ہے جبکہ اجارہ منافع (۱) کی بیع ہوتا ہے، جبکہ قیاس ان کے عدم جواز کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ جس چیز پر عقد کیا جا رہا ہے وہ مال نہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ معدوم بھی ہے جو چیز بعد میں پائی جائے اس کی طرف تملیک کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہوتی۔ لیکن شرع نے اس کو مال مانا ہے اور ضرورت کی بنا پر اجارہ کو جائز قرار دیا اور جس چیز سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہے اسے منفعت کے قائم مقام رکھا ہے، جس طرح گھر کو کرایہ پر دینا۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ منافع اموال کے ساتھ شامل کر دیئے گئے ہیں تو پھر یہ جائز ہوگا کہ مرد عورت سے اس شرط پر نکاح کر لے کہ اس کا مہر خاوند کے گھر میں رہائش، خاوند کے غلام کی خدمت، خاوند کے گھوڑے پر سواری، اس پر بوجھ لادنا، خاوند کا عورت کی زمین کاشت کرنا یا اسی طرح کے دوسرے منافع جو معین مدت تک کے لئے ہوں، کیونکہ نکاح کی ضرورت ثابت ہے جس طرح اجرت پر لینے حاجت اور محل کے سپرد کر دینے سے انہیں ادا کرنا بھی ممکن ہے۔ پس یہ بھی مال کے بدلے میں چاہنے کی صورت ہوگی۔

مسئلہ:۔ اگر مرد نے اس شرط پر عورت سے نکاح کیا کہ وہ خود ایک سال تک اپنی بیوی کی خدمت کرے گا تو امام محمد فرماتے ہیں ایک سال کی خدمت کی قیمت لازم ہوگی کیونکہ خدمت نفع ہے اور منافع اموال کے ساتھ ملا دیئے گئے ہیں مگر خاوند کا بیوی کی خود خدمت کرنا عقد نکاح تقاضا کے برعکس ہے کیونکہ نکاح کا تقاضا تو یہ ہے کہ خاوند مالک ہے اور خدمت کرنا مملوک ہونے کا نتیجہ ہے جب معین کردہ چیز سپرد کرنے سے عاجز ہے تو قیمت واجب ہوگی۔ جبکہ شیخین کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ منافع کو مال اس وقت سمجھا جاتا ہے جب ان کا سپرد کرنا ممکن ہو۔ جب یہاں مناقضہ کی وجہ سے یہ ممتنع ہے تو اسے مال تسلیم نہیں کیا جائے گا پس یہ مہر مقرر کرنا درست نہ ہوا اور مہر مثل واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر مرد نے اس شرط پر عورت سے عقد نکاح کیا کہ دوسرا آزاد مرد عورت کی ایک سال خدمت کرے گا تو یہ مہر صحیح ہوگا۔ اگر وہ دوسرا مرد عورت کی خدمت پر راضی نہ ہوا تو مرد پر بالاتفاق سال بھر کی اجرت بطور مہر لازم ہوگی یا یہ خدمت ایک اجنبی مرد کی مخالفت کا باعث ہے تب بھی یہی حکم ہوگا۔

(۱) خدمات

مسئلہ:۔ اگر مرد نے عورت سے اس شرط پر عقد نکاح کیا کہ خاوند عورت کی بکریاں چرائے گا یا اس کی زمین کاشت کرے گا ایک روایت میں یہ جائز نہیں کیونکہ یہ بھی عورت کی خدمت کرنے کے مترادف ہے، جبکہ صحیح یہ ہے کہ یہ جائز ہے کیونکہ یہ محض عورت کی خدمت نہیں کیونکہ عمومی طریقہ یہی ہے کہ وہ دونوں اپنے مال کی حفاظت اور پرورش میں شریک ہوتے ہیں۔ اس کی صحت کی دلیل حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا قصہ ہے اور ہماری شریعت میں اس کی نفی نہیں کی گئی۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے عتبہ بن منذر سے روایت نقل کی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے سورۃ القصص کی آیات کی تلاوت کی، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ تک پہنچے تو فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب کی بیٹی سے نکاح اور کھانے کی شرط پر آٹھ یا دس سال تک خدمت کی۔ لیکن یہ قصہ اس وقت دلیل بن سکتا ہے جب بکریاں بیٹی کی ملکیت ہوں، حضرت شعیب کی ملکیت نہ ہوں، جبکہ ظاہر اس کے برعکس ہے کیونکہ بکریاں حضرت شعیب کی ملکیت تھیں۔

مسئلہ:۔ اگر مرد نے عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ عورت کو قرآن کی ایک سورت پڑھائے گا۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک یہ جائز ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت مروی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کی دوسری روایت میں یہ جائز نہیں، ان دونوں کے نزدیک مرد پر مہر مثل دینا لازم ہوگا۔ یہ اختلاف حقیقت میں علماء کے درمیان اس اختلاف پر مبنی ہے کہ کیا عبادات کے لئے کسی کو اجرت پر رکھنا جائز ہے یا نہیں جس طرح حج، اذان، قرآن کی تعلیم اور اس جیسی دوسری چیزیں جس نے عبادات کے لئے اجرت پر رکھنا جائز قرار دیا۔ انہوں نے اسے بطور مہر بھی صحیح قرار دیا جس نے عبادات کے لئے اجرت پر رکھنا جائز قرار نہیں دیا۔ اس نے مہر متعین کرنا بھی صحیح قرار نہیں دیا۔

تعلیم قرآنی کو مہر متعین کرنے کے لئے امام شافعی کے نزدیک دو طریقے ہیں (1) عبادات کی اجرت لینا جائز ہے (2) خصوصی طور پر قرآن کی تعلیم کو مہر بنانا۔ پہلی صورت کے لئے آپ کے پیش نظر دو حدیثیں ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت ابوسعید سے مروی ہے کہ چند صحابہ کرام ایک عرب قبیلہ کے پاس آئے، انہوں نے صحابہ کی ضیافت نہ کی۔ اسی اثناء میں ان کے سردار کو کسی چیز نے ڈس لیا قبیلہ والوں نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی دوائی ہے یا دم کرنے والا ہے؟ صحابہ نے کہا تم نے ہماری ضیافت نہیں کی ہم بھی اس وقت تک دم نہیں کریں گے جب تک تم اجرت مقرر نہ کرو گے تو قبیلہ والوں نے چند بکریاں ان کے لئے متعین کر دیں۔ صحابی سورۃ فاتحہ پڑھنے لگا، وہ اپنے منہ میں لعاب کو جمع کرتا اور اس کے زخم پر تھتکارتا رہا۔ وہ سردار صحت یاب ہو گیا۔ وہ بکریاں لے آئے صحابہ نے کہا ہم اس وقت تک نہ لیں گے جب تک حضور ﷺ سے نہ پوچھ لیں۔ حضور ﷺ سے پوچھا۔ آپ مسکرائے، پوچھا تمہیں کس نے بتایا کہ یہ دم ہے؟ بکریاں لے لو اور میرے لئے بھی ان میں سے حصہ نکالو۔

دوسری حدیث حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت ایک پانی (چشمہ) کے پاس سے گذری جہاں ایک ایسا آدمی موجود تھا جسے کسی چیز نے ڈس لیا تھا۔ چشمہ والوں میں سے ایک آدمی صحابہ سے ملا پوچھا کیا تم میں سے کوئی دم کرنے والا ہے۔ یہاں چشمہ پر ایک ایسا آدمی ہے جسے کسی چیز نے ڈس لیا ہے۔ ایک صحابی اس آدمی کے پاس آئے سورۃ فاتحہ پڑھی۔ وہ آدمی صحت یاب ہو گیا۔ وہ صحابی بکریاں لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔ صحابہ نے اسے ناپسند کیا اور کہا تو نے اللہ کی کتاب پر اجر لیا، یہ یہاں تک کہ سب صحابہ مدینے پہنچے۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس نے اللہ کی کتاب پر اجر لیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس چیز پر تم اجر لیتے ہو ان میں سے زیادہ حقدار اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے ایک روایت میں ہے تم نے ٹھیک کیا میرے لئے حصہ

متعین کر دو دونوں حدیثیں صحیحین میں ہیں۔ امام احمد اور ابو داؤد نے اسی کی مثل خارجہ بن صلت سے انہوں نے اپنے چچا سے نقل کیا ہے۔
ان دونوں حدیثوں کا جواب یہ دیا گیا جن سے مال لئے گئے وہ کافر تھے۔ ان کے مال لینا جائز ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دم محض عبادت نہیں اس پر اجرت لینا جائز ہے۔

امام شافعی کی دوسری صورت میں دلیل سہل بن سعد کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی۔ عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں نے اپنے آپ کو حضور کی خدمت میں ہبہ کر دیا۔ وہ طویل وقت تک کھڑی رہی۔ ایک آدمی اٹھا۔ عرض کی یارسول اللہ ﷺ اگر آپ کو اس سے غرض نہ ہو تو میری اس سے شادی کر دیں پوچھا کیا تیرے پاس کوئی چیز ہے جو بطور مہر تو اسے دے گا؟ اس نے عرض کیا یارسول اللہ میرے پاس تو اس چادر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ فرمایا کوئی چیز تلاش کرو، خواہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ اس نے تلاش کی مگر کوئی چیز نہ پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تجھے قرآن حکیم کا کچھ حصہ یاد ہے؟ اس نے عرض کی مجھے فلاں سورت یاد ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا میں نے تیرا نکاح اس عورت کے ساتھ فلاں فلاں سورت پر کر دیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے جاؤ میں نے اس سے تیرا نکاح کر دیا، اسے قرآن حکیم سکھا دینا(1) متفق علیہ۔

اس حدیث کا جواب یہ دیا گیا کہ جس طرح نبی کریم ﷺ کے خصائص میں ہے کہ آپ بغیر مہر کے اس عورت سے شادی کر لیں جو اپنے آپ کو حضور کے لئے پیش کرنے اسی طرح حضور ﷺ کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ بغیر مہر کے اس عورت کی شادی کر دیں جس نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کے لئے ہبہ کر دیا ہو، ابن جوزی نے مکحول سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرد کا نکاح قرآن کے ایک حصہ کی تعلیم پر کر دیا جو اس کے پاس موجود تھا۔ مکحول یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کسی ایک کے لئے جائز نہیں۔ امام طحاوی نے لیث سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ کے بعد یہ کسی کے لئے جائز نہیں۔

ابن جوزی نے اس حدیث کا جواب یہ دیا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں غربت کی وجہ سے یہ جائز تھا۔ میں یہ کہتا ہوں گویا ابن جوزی نے اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور نسخ محض احتمال سے ثابت نہیں ہوتا۔ پس یہ بھی آپ کے خصائص میں سے ایک بات ہوئی۔

امام ابو حنیفہ اور آپ کے ساتھیوں کے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے دو طریقے ہیں(1) عموماً عبادت پر اجرت لینا جائز نہیں(2) تعلیم مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ پہلے طریقے کا ثبوت چند احادیث سے ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک عبادہ بن صامت کی حدیث ہے، فرمایا میں نے اصحاب صفہ میں سے کچھ افراد کو لکھنا سکھایا اور قرآن کی تعلیم دی۔ ان میں سے ایک نے مجھے کمان تحفہ میں پیش کی۔ میں نے کہا جہاد میں اس کے ساتھ تیر اندازی کروں گا۔ میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا اگر تجھے یہ بات خوش کرتی ہے کہ تو آگ کا ایک طوق پہنے تو اسے لے لے۔ اسے امام احمد اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔(2) اس میں ایک راوی مغیرہ ہے، ابن جوزی نے کہا وہ ضعیف ہے۔ ان میں سے ایک ابی بن کعب کی حدیث ہے، فرمایا میں نے ایک آدمی کو قرآن کریم کی تعلیم دی، اس نے مجھے ایک کمان تحفہ میں پیش کی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اگر تو نے اسے لے لیا ہے تو نے جہنم کی کمان لی ہے تو میں نے وہ کمان اس آدمی کو واپس کر دی۔ اسے ابن جوزی نے روایت کیا۔

انہیں میں سے ایک عبدالرحمن بن سہل انصاری کی حدیث ہے اس نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ پڑھتے ہوئے سنا قرآن پڑھو اور

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 457 (مختصراً) (قدیمی)

اس میں غلو (ا) نہ کرو اس سے دور نہ (ب) ہو جاؤ اس کے ذریعے نہ کھاؤ اور اس کے ذریعے تکبر نہ کرو۔ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔
انہیں میں ایک مطرف بن عبداللہ کی حدیث ہے کہ عثمان بن ابی العاص نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے میری قوم کا امام بنا دیں۔ فرمایا کمزور ترین آدمی کا خیال رکھنا اور ایسا موذن مقرر کرنا جو آذان پر اجرت نہ لے۔ اسے امام احمد نے روایت کیا۔

دوسرے طریقے میں ان کی دلیل یہ ہے اگر ہم عبادت پر اجرت لینا جائز تسلیم کر بھی لیں تو قرآن کی تعلیم پر خاص کر اجرت لینا جائز نہیں کیونکہ اجارہ کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ عمل معلوم ہو یا وقت معلوم ہو تعلیم کبھی تھوڑے عمل سے حاصل ہو جاتی ہے اور بعض اوقات زیادہ عمل سے حاصل ہوتی ہے۔ نیز تعلیم متعلم میں ایک وصف پر موقوف ہے جسے پیدا کرنا معلم کی قدرت میں نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے جو چیز اس کی قدرت میں نہ ہو اس پر اجرت لینا جائز نہیں۔ جب اس پر اجرت لینا جائز نہ ہوا اور اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ شرع نے اسے اموال کے ساتھ شامل نہیں کیا۔ پس اسے مہر بنانا جائز نہ ہوا کیونکہ حلت اموال کے ساتھ عورتوں کو چاہنے کے ساتھ مشروط ہے۔
سہل بن سعد کی حدیث خبر واحد ہے۔ جب یہ کتاب اللہ کے مقابلہ میں ہوئی تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں نص ان تبتغوا باموالکم ہے۔
امام بیضاوی نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا فرمان ان تبتغوا یہ احل لکم کا مفعول لہ ہے۔ یہ حلال کرنے کی علت نہیں۔ پھر معنی یہ ہو گا کہ دوسری عورتیں اس لئے تم پر حلال کی گئیں تاکہ تم عورتوں کو اپنے مال کے ساتھ حاصل کرو یعنی مال کو ان کے مہر میں صرف کر کے یا ان کی ثمن کے طور پر خرچ کر کے اس حال میں تم پاک دامن بنو نہ کہ بدکار (1) امام بیضاوی نے یہاں مضاف مقدر کیا ہے تاکہ مفعول لہ بھی اس فاعل کا فعل بن جائے جو معلل لہ فعل کا فاعل ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ یہاں مضاف کو مقدر ماننے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ان اور ان کے ساتھ حرف جار کا حذف قیاسی ہے۔ پس لام کو مقدر ماننا جائز ہے جس میں ایک فاعل ہونا شرط نہیں۔ پھر امام بیضاوی نے اس تاویل کی طرف نظر کرتے ہوئے فرمایا کہ احناف نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ مہر کے لئے مال ہونا ضروری ہے، جبکہ اس آیت میں اس امر کی کوئی دلیل نہیں۔ امام بیضاوی کے قول لا حجۃ فیہ کا معنی یہ ہے کہ مال کو بے حیائی کے کاموں میں صرف کرنا جو دنیا و آخرت میں نقصان کا موجب ہے، اس سے بچاؤ کے لئے حلال قرار دینا اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ حلت مال کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ تاویل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ محرمات کے علاوہ عورتوں کی حلت مطلق ہے اور اس بات کا بھی تقاضا کرتی ہے کہ ان تبتغوا کا قول قید نہ ہو، جبکہ حقیقت حال ایسے نہیں کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ حلت نکاح کے ساتھ اور ملک یمین کے ساتھ مقید ہے اور مہر کے لئے مال ہونا ضروری ہے جس پر سب کا اتفاق ہے، یہاں تک کہ جس نے مردار، مٹی یا راکھ کو مہر معین کر کے شادی کی تو بالاجماع اس پر مہر مثل لازم ہو گا، جس طرح اس آدمی پر مہر مثل لازم ہوتا ہے جس نے بغیر مہر کے نکاح کیا ہو۔
امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قرآن حکیم کی ایک سورت کی تعلیم کو مہر معین کر کے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ وہ اس تعلیم کو مال کے ساتھ ملاتے ہیں جس طرح آپ اس پر اجرت لینا جائز سمجھتے ہیں۔ ہم نے اس کے حق میں اور مخالفت میں دلائل ذکر کر دیئے ہیں۔

(ا) حد سے تجاوز نہ کرو۔ نہایہ میں ہے آپ نے یہ اس لئے فرمایا کیونکہ آپ کے اخلاق و آداب میں یہ چیز تھی کہ امور میں میانہ روی کا حکم دیتے اور بہترین امر درمیانی امر ہے اور میانہ روی کی دونوں طرفیں مذموم ہیں۔
(ب) جفاء کا معنی کسی شے سے دور ہونا۔
1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 108 (فراس)

صحیح تاویل وہی ہے جس کو ہم نے ذکر کر دیا، جس سے اجماعی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

مسئلہ:۔ جس نے اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا اور اس کی آزادی کو ہی اس کا مہر قرار دیا، یعنی یہ کہا میں نے تجھے اس شرط پر آزاد کیا کہ تو مجھ سے اس آزادی کے عوض شادی کرے گی، بالاجماع یہ آزادی صحیح ہوگی۔

امام احمد نے کہا اگر یہ دو گواہوں کی موجودگی میں ہوا تو نکاح صحیح ہوگا کیونکہ حضرت صفیہ کے نکاح کا قصہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ امام احمد سے دوسری روایت میں یہ صحیح نہیں، جس طرح جمہور علماء کا نقطہ نظر ہے۔ اس عورت کو نکاح کرنے کا اختیار ہوگا، اگر وہ اپنے سابقہ مالک سے شادی کر لے تو جمہور علماء کے نزدیک اسے مہر مثل ملے گا جبکہ امام ابو یوسف اور سفیان کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ان کی دلیل ایک صحیح حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت صفیہ سے شادی کی اور ان کی آزادی کو ہی ان کا مہر بنا دیا اور بنی مصطلق کے قیدیوں میں حضرت جویریہ کا قصہ بھی ایسا ہی ہے۔ جویریہ ثابت بن قیس اور ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں آئی۔ انہوں نے جویریہ سے عقد مکاتبہ کیا۔ جویریہ مکاتبہ کے مال میں مدد طلب کرنے کی غرض سے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں تیری طرف سے مکاتبہ کا مال دے دیتا ہوں اور تجھ سے شادی کرتا ہوں۔ اس نے عرض کی مجھے منظور ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے ایسا کر دیا۔ اسے امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت عائشہ کی حدیث سے بیان کیا۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ بغیر مال کے نکاح تھا کیونکہ لونڈی اپنی رقبہ کی مالک نہیں ہوتی۔ پس اس نکاح کا حکم بغیر مہر کے نکاح کے حکم جیسا ہوگا پس مہر مثل واجب ہوگا۔ حدیث حجت نہیں بن سکتی کیونکہ مہر کے بغیر نکاح حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ۔

اگر وہ آزاد شدہ عورت سے شادی کر دے تو اس پر لازم ہوگا کہ اپنی قیمت کے برابر کما کر مالک کو دے۔ یہ امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد کا نقطہ نظر ہے۔ امام مالک اور امام زفر نے کہا آزاد شدہ لونڈی پر اپنی قیمت کما کر دینا لازم نہیں۔ احناف اور امام شافعی کے قول کی دلیل یہ ہے کہ آقا نے آزادی کو بضع کا عوض بنایا ہے جب اس عورت نے شادی سے انکار کر دیا تو بغیر عوض کے آزادی باقی رہے گی جبکہ آقا اس بات پر راضی نہیں اس لئے کما کر دینا اس پر لازم ہوگا، جس طرح اگر آقا نے غلام اس شرط پر آزاد کیا کہ وہ ایک سال تک سابقہ مالک کی خدمت کرے گا تو غلام پر اپنی قیمت کما کر دینا لازم ہوگی۔ یہ شیخین کا نقطہ نظر ہے، جب کہ امام محمد کے نزدیک ایک سال کی اجرت لازم ہوگی۔ امام مالک اور امام زفر کے قول کی دلیل یہ ہے کہ جب آزادی نکاح کا عوض نہیں بن سکتی تو بغیر عوض کے آزادی باقی رہے گی۔ اس لئے اگر اس نے شادی سے انکار کر دیا تو اس پر کما کر دینا لازم نہ ہوگا، جس طرح اگر وہ اس دعوت کو قبول کر لے تو اس پر کما کر دینا لازم نہیں یہ قول زیادہ واضح ہے۔

مسئلہ:۔ زیادہ سے زیادہ مہر کی بالاجماع کوئی حد نہیں۔ جس کی وضاحت ہم نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا میں کر دی ہے کم سے کم مہر میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کا فرمان یہ ہے کہ کم سے کم مہر کی کوئی حد نہیں، ہر وہ چیز جو بیع میں ثمن بن سکتی ہے وہ نکاح میں مہر بن سکتی ہے۔ ان دونوں کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلق ہونا ہے اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ

امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ مہر کی کم سے کم مقدار شرعاً مقرر ہے۔ یہ مال کی وہ مقدار ہے جس میں چور کا ہاتھ کاٹا جا سکتا ہے جبکہ اس کی مقدار میں دونوں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی مقدار دس درہم یا ایک دینار ہے جبکہ امام

مالک کے نزدیک اس کی مقدار دینار کا چوتھائی حصہ یا تین درہم ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے اپنے نقطہ نظر کو اس آیت سے ثابت کیا ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ علماء نے فرمایا فرض کا معنی تقدیر ہے، پس مہر شرع کی طرف سے متعین ہے جس نے اسے معین نہ کیا وہ کتاب اللہ کے حکم کو باطل کرنے والا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں تقدیر کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی، جس نے اس کی تقدیر بندے کے سپرد کی وہ متکلم کی ضمیر "نا" کو باطل کرنے والا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں یہ آیت نفقہ کے متعلق ہے، مہر کے متعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ کیونکہ مملوکہ کا کوئی مہر نہیں ہوتا۔ اگر اس آیت سے مہر کی تعیین ثابت ہو تو پھر لونڈی کی قیمت کی تعیین بھی لازم آئے گی، جبکہ یہ قول کسی نے بھی نہیں کیا۔

امام شافعی نے مہر کی کم سے کم مقدار شرع کی طرف سے متعین نہ ہونے کو احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں سے ایک سہل بن سعد کی حدیث ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں تلاش کرو خواہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ انہیں میں سے ایک عامر بن ربیعہ کی حدیث ہے کہ فزارہ کی ایک عورت نے دو جوتیوں پر عقد نکاح کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تو جوتے کے ایک جوڑے پر راضی ہے؟ اس نے عرض کیا جی ہاں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اسے جائز قرار دے دیا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔(1)

ابن جوزی نے کہا یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں عاصم بن عبید اللہ ہے یحییٰ بن معین نے کہا یہ ضعیف ہے، اس کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ ابن حبان نے کہا وہ فحش غلطیاں کیا کرتا تھا۔ اس لئے اس کی حدیث کو چھوڑ دیا گیا۔ انہیں میں سے ایک جابر بن عبد اللہ کی حدیث ہے، فرمایا اگر ایک آدمی مٹھی بھر کھانا بطور مہر ادا کرے تو وہ عورت اس کے لئے حلال ہوگی۔ ایک روایت میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ جس نے نکاح میں ہتھیلی بھر چیز دی تو اس نے عورت کو حلال کر لیا۔ یہ بھی کہا وہ آٹا ہو کھانا ہو۔ یا ستو ہو اسے دار قطنی نے روایت کیا ہے۔ ابو داؤد نے ان الفاظ کیساتھ روایت کیا ہے چلو بھر آٹا یا ستو۔ تمام سندوں میں صالح بن مسلم بن رومان راوی ہے جسے یحییٰ اور رازی نے ضعیف قرار دیا۔ بعض سندوں میں صالح بن مسلم کی جگہ موسیٰ بن مسلم آیا ہے۔ موسیٰ کے بارے میں کچھ پتہ نہیں۔ اسے دار قطنی نے عبد اللہ بن مؤمل سے اور انہوں ابو الزبیر سے، انہوں نے جابر سے روایت کیا ہے، کہا عورتوں سے ایک مٹھی یا دو مٹھیوں پر نکاح کیا کرتے تھے۔ امام احمد نے کہا ابن مومل کی احادیث منکر ہیں۔ یحییٰ نے کہا وہ ضعیف ہے اور انہیں میں سے ایک حدیث ابو سعید خدری سے مروی ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا بیوہ عورتوں سے شادی کرو اور علائق ادا کرو۔ عرض کی گئی علائق کیا ہے یا رسول اللہ؟ فرمایا جس پر دونوں کے اولیاء راضی ہو جائیں، خواہ وہ پیلو کے درخت کی ٹہنی ہو(2) اسے دار قطنی نے اسماعیل بن عیاش، سے انہوں نے بردہ بن سنان سے انہوں، نے ابو ہارون عبدی سے روایت کیا۔ اسمٰعیل بن عیاش کو علماء نے ضعیف قرار دیا۔ ابن حبان نے کہا وہ قابل حجت نہیں۔ ابو ہارون عبدی کا نام عمارہ بن جوین ہے۔ حماد بن زید نے کہا وہ جھوٹا تھا۔ امام احمد نے کہا وہ کچھ بھی نہیں۔ شعبہ نے کہا کہ وہ آگے بڑھ کر اگر میری گردن بھی اڑا دے، یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس کی بنسبت کہ میں ابو ہارون عبدی سے حدیث روایت کروں۔ سعدی نے کہا وہ جھوٹا اور مفتری ہے۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 132 (وزارت تعلیم) 2۔ مراسیل ابی داؤد، صفحہ 111 (وزارت تعلیم)

دار قطنی اور بیہقی نے اسی کی مثل محمد بن عبدالرحمٰن سلمان سے، اس نے اپنے باپ سے، اس نے ابن عباس سے روایت کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضرت ابن عمر سے دار قطنی اور طبرانی نے روایت کیا۔ یحییٰ بن معین نے کہا محمد بن عبدالرحمٰن کچھ بھی نہیں۔ ابن حبان نے کہا اس نے اپنے والد کی احادیث لکھ کر اس سے روایت کی ہیں جو سب موضوع ہیں۔ بیہقی نے حضرت عمر سے ایک روایت نقل کی ہے، اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ ابوداؤد نے مراسیل میں عبدالملک بن مغیرہ طائفی سے، اس نے عبدالرحمٰن سلیمانی سے مرسل روایت کی ہے۔ عبدالحق نے بیان کیا مرسل زیادہ صحیح ہے۔ بیہقی نے یحییٰ بن عبدالرحمٰن سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے جس نے ایک درہم کے بدلے میں حلال کرنا چاہا پس وہ حلال ہے۔ ابن شاہین نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ دو یا دو سے زیادہ درہموں کے ساتھ نکاح صحیح ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ نے حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار عورتوں کی شادی اولیاء کریں اور ان کی شادی کفو میں ہی کی جائے اور دس درہم سے کم مہر نہیں۔ اسے دار قطنی اور بیہقی نے روایت کیا۔ ابن جوزی نے کہا ہم نے اس حدیث کو کئی طرق سے روایت کیا جن کا دارومدار مبشر بن عبید پر ہے۔ ابن حنبل نے کہا مبشر کوئی چیز نہیں، اس کی احادیث موضوع اور جھوٹی ہیں، وہ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ دار قطنی نے کہا وہ جھوٹ بولتا تھا۔ ابن حبان نے کہا وہ ثقہ لوگوں سے موضوع روایات نقل کرتا تھا۔ ابن ہمام نے کہا اس حدیث کے کئی شواہد ہیں جو اس کو قوی بناتے ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جو حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے جو موقوف ہے کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے اور دس درہم سے کم مہر نہیں ہوگا۔ امام محمد نے کہا ہمیں یہ خبر حضرت علی، عبداللہ بن عمر، عامر اور ابراہیم سے پہنچی ہے اور طحاوی کی شرح میں اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر تک سند چلائی ہے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت نقل کی لیکن اس حدیث میں علی داؤد اودی ہے جو شعبی سے، وہ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں۔ یحییٰ بن معین نے کہا داؤد کی حدیث کچھ بھی نہیں۔ ابن حبان نے کہا داؤد رجوع کر لیتا تھا۔ نیز شعبی نے حضرت علی سے براہ راست نہیں سنا۔ بعض سندوں میں غیاث بن ابراہیم ہے۔ امام احمد، امام بخاری اور دار قطنی نے کہا غیاث بن ابراہیم متروک الحدیث ہے۔ یحییٰ نے کہا وہ کذاب تھا۔ ابن حبان نے کہا وہ حدیث گھڑ لیتا تھا۔ حضرت علی شیر خدا سے یہ بھی مروی ہے کہ مہر پانچ درہم سے کم نہیں۔ اس سند میں حسن بن دینار ہے۔ امام احمد نے کہا اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی تھی۔ یحییٰ نے کہا یہ کچھ بھی نہیں ابوحاتم نے کہا یہ کذاب ہے۔

میں کہتا ہوں اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دس درہم مہر مقرر کرنے والی حدیث صحیح نہیں بلکہ اس کی مخالف حدیث صحیح ہے، وہ سہل بن سعد کی حدیث ہے۔ اگر دس درہم مہر مقرر کرنے والی حدیث صحیح ہوتی تب بھی مطلق کتاب اللہ پر اس سے زیادتی صحیح نہ ہوتی۔ جو یہ قول کیا گیا ہے کہ مہر حق شرع کے طور پر واجب ہے اور اس کا سبب بضعہ کے شرف کو ظاہر کرنا ہے اور مطلق مال اس شرف کا تقاضا نہیں کرتا جس طرح گندم کا دانا اور روٹی کا ٹکڑا تو ایک ایسی تعلیل ہے جو کتاب اللہ کے مطلق حکم کو باطل کر دیتی ہے۔ پس اسے رد کر دیا جائے گا۔

ؤ ایک جماعت نے کہا یہاں استمتاع سے مراد نکاح متعہ ہے۔ یہ وہ عقد ہوتا ہے جس میں مخصوص وقت کے لئے معین مہر کے ساتھ بضعہ کی ملکیت کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ جب وہ مدت ختم ہو جاتی ہے تو بغیر طلاق کے عورت جدا ہو جاتی ہے۔ عورت اپنے رحم کو پاک کرتی ہے۔ متعاقدین کے درمیان کوئی وراثت جاری نہیں ہوتی نہ ہی اس عورت کو بیوی اور نہ ہی اس مرد کو خاوند کہا جاتا ہے۔ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں ابن جریج سے، وہ عطاء سے، وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اسے اب بھی حلال خیال کرتے تھے اور دلیل

کے طور پر یہ آیت پڑھتے اور کہتے ابی بن کعب کی قرأت میں اس آیت میں الی اجل مسمی کے الفاظ ہیں۔ وہ کہتے اللہ تعالیٰ حضرت عمر پر رحم فرمائے، متعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت تھا جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں پر رحم فرماتا۔ اگر حضرت عمر اس سے منع نہ کرتے تو کسی کو زنا کی ضرورت نہ ہوتی (1) ابن عبدالبر نے روایت کیا ہے کہ ابن عباس سے متعہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ متعہ کیا بدکاری ہے یا نکاح ہے انہوں نے جواب دیا یہ نہ نکاح ہے نہ بدکاری۔ پوچھا گیا پھر یہ کیا ہے؟ کہا یہ متعہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں نے پوچھا کیا اس عورت پر رحم پاک کرنے کے لئے ایک حیض گزارنا لازم ہے؟ فرمایا جی ہاں۔ میں نے پوچھا ان دونوں میں وراثت جاری ہوگی؟ فرمایا نہیں صحابہ کی ایک جماعت سے بھی اس کی حلت روایت کی گئی ہے۔ امام نسائی اور طحاوی نے کہا اسماء بنت ابی بکر سے نقل کیا ہم نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں متعہ کیا۔ امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم کے ابتدائی دور میں ایسا کیا (2) جب حضرت عمر کی خلافت کا آخری دور آیا تو آپ نے ہمیں اس چیز سے روک دیا پھر ہم نے ایسا نہ کیا۔

سلمہ بن اکوع سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، آپ نے متعہ کی اجازت دی۔ صحیحین میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک معین وقت تک عورت سے نکاح کرنے کی رخصت دی، پھر ابن مسعود نے یہ آیت پڑھی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ ...... (3) یہ تمام آثار اس بات کے مانع نہیں کہ یہ حکم منسوخ نہیں۔ صرف حضرت ابن عباس اور ابن مسعود کی روایت اس کے غیر منسوخ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت معاویہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے طائفہ میں ایک عورت سے متعہ کیا عمرو بن شیبہ نے اخبار مدینہ میں اپنی سند سے ذکر کیا کہ سلمہ بن امیہ نے ایک عورت سے متعہ کیا۔ یہ بات حضرت عمر تک جا پہنچی آپ نے اسے دھمکی دی۔ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں معبد بن امیہ سے متعہ کی حلت کے بارے میں روایت نقل کی ہے۔ حافظ نے کہا تابعین میں سے ابن جریج، طاؤس، عطاء ابن عباس کے شاگردوں سعید بن جبیر اور مکہ مکرمہ کے فقہاء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا۔ اسی وجہ سے اوزاعی نے کہا جسے حاکم نے علوم الحدیث میں روایت کیا ہے، اہل حجاز کے پانچ قول چھوڑ دیئے گئے۔ ان میں سے ایک اہل مکہ کا یہ قول ہے کہ عورتوں سے متعہ کرنا جائز ہے اور اہل مدینہ کا یہ قول کہ عورتوں سے دبر میں وطی کرنا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ متعہ کے عدم جواز اور اس کی حرمت پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ صرف شیعہ کا ایک طائفہ اس کے جواز کا قائل ہے۔ متعہ کی حرمت پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ..... کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس عورت کے ساتھ متعہ کیا گیا ہو اسے زوجہ نہیں کہتے۔ اسی وجہ سے ان میں باہم وراثت بھی تقسیم نہیں ہوتی۔ اگر آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ کا وہ معنی لیا جائے جو حضرت ابن عباس نے لیا ہے تو پھر یہ منسوخ ہوگی۔ امام مسلم نے ربیع بن سبرہ بن معبد جہنی سے روایت کی ہے کہ ان کے باپ نے بیان کیا کہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے لوگو میں نے تمہیں متعہ کی اجازت دی تھی، بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک حرام کر دیا ہے۔ جس کسی کے پاس ایسی عورت ہو تو اسے آزاد کر دے اور جو مال تم نے اسے دیا ہے وہ مال واپس نہ لے (4)

1۔ الدرالمنثور، جلد 2، صفحہ 252 (العلمیہ)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 451 (قدیمی)
3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 450 (قدیمی)
4۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 451 (قدیمی)

امام مسلم نے انہیں سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں متعہ کی اجازت دی میں اور ایک دوسرا آدمی بنی عامر کی ایک عورت کے پاس گئے۔ گویا وہ نوجوان اور لمبی گردن والی تھی۔ ہم نے اپنے آپ کو اس پر پیش کیا۔ اس نے پوچھا تو مجھے کیا دے گا؟ میں نے کہا اپنی چادر دوں گا۔ میرے ساتھی نے کہا میں بھی اپنی چادر دوں گا۔ میرے ساتھی کی چادر مجھ سے بہتر تھی، جبکہ میں اس سے زیادہ جوان تھا۔ جب اس نے میرے ساتھی کی چادر دیکھی تو اسے وہ اچھی لگی اور جب اس نے مجھے دیکھا تو مجھے پسند کیا۔ پھر اس نے کہا تو اور تیری چادر مجھے کافی ہے۔ میں اس کے پاس تین دن تک رہا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس ایسی عورت ہو جس کے ساتھ اس نے عقد متعہ کیا ہے اسے آزاد کر دے۔ (1)

ابن ماجہ نے صحیح سند سے حضرت عمر سے روایت کیا ہے کہ آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تین دن متعہ کی اجازت دی تھی پھر اسے حرام قرار دیا، مجھے اللہ کی قسم اگر مجھے علم ہوا کہ کسی نے شادی شدہ ہو کر کسی عورت سے متعہ کیا تو میں اسے پتھروں سے رجم کر دوں گا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے خطبہ ارشاد فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو عقد متعہ کرتے ہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا، جس کو میرے پاس لایا گیا کہ اس نے عقد متعہ کیا ہوگا تو میں اسے رجم کر دوں گا۔ حضرت ابن عمر سے متعہ کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا حرام ہے۔ آپ سے عرض کیا گیا ابن عباس اس کی حلت کا فتویٰ دیتے ہیں۔ فرمایا حضرت عمر کے دور میں ایسا فتویٰ کیوں نہیں دیا۔ امام مسلم نے سلمہ بن اکوع سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے غزوہ اوطاس میں تین دن کے لئے متعہ کی رخصت دی پھر ہمیں اس سے منع کر دیا۔ امام مسلم نے سبرہ بن معبد سے روایت کیا جب ہم مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو حضور ﷺ نے ہمیں اس کی اجازت دی۔ ابھی مکہ مکرمہ سے نہیں نکلے تھے کہ آپ نے ہمیں منع بھی کر دیا حازمی نے اپنی سند سے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک پر گئے۔ جب ہم شام کے علاقہ میں عقبہ کے مقام پر پہنچے تو کچھ عورتیں آگئیں۔ ہم نے ان سے عقد متعہ کیا۔ وہ ہمارے کجاووں میں سوار ہونا چاہتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ نے ان عورتوں کو دیکھ لیا۔ پوچھا یہ عورتیں کون ہیں؟ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ یہ وہ عورتیں ہیں جن سے ہم نے عقد متعہ کیا ہے۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سخت غضبناک ہوئے، یہاں تک کہ رخسار سرخ ہو گئے، چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آپ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر آپ نے متعہ سے ہمیں منع کر دیا۔ ہم مردوں اور عورتوں نے ایک دوسرے کو الوداع کہا۔ ہم نے دوبارہ ایسا نہ کیا اور نہ آئندہ ایسا کریں گے۔

امام طحاوی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے کہ آپ ثنیۃ الوداع کے مقام پر فروکش ہوئے۔ آپ نے چراغ اور روتی ہوئی عورتیں دیکھیں۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ آپ سے عرض کی گئی یہ وہ عورتیں ہیں جن کے ساتھ متعہ کیا گیا اور ابھی انہیں مردوں نے چھوڑ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے طلاق، نکاح، عدت اور میراث کے احکام کے ساتھ متعہ کو حرام کر دیا ہے اور دار قطنی کے نزدیک سند حسن کے ساتھ هدم المتعة کے الفاظ ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حسن اور عبداللہ سے جو محمد بن علی کے صاحبزادے ہیں، ان دونوں نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت علی سے روایت کیا کہ انہوں نے حضرت ابن عباس کے متعلق سنا کہ وہ عورتوں کے متعہ کے بارے میں نرمی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے ابن

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 451 (قدیمی)

عباس اس کو چھوڑ دو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے روز متعہ اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کر دیا(1) حضرت علی شیر خدا سے ہی ایک روایت ہے کہ آپ نے حضرت ابن عباس سے فرمایا تم میں کچھ گمراہی ہے۔ امام مسلم نے حضرت عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر مکہ مکرمہ میں خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، فرمایا کچھ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے اندھا کر دیا ہے جس طرح ان کی آنکھوں کو بے بصر کیا، وہ متعہ کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ وہ حضرت ابن عباس کی طرف اشارہ کر رہے تھے کیونکہ آخری عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔ حضرت ابن عباس نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو بلا بھیجا اور کہا تو جلف (بے وقوف) (ا) اور سنگدل آدمی ہے مجھے اپنی زندگی کی قسم متعہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں کیا جاتا تھا جو امام المتقین تھے۔ تو حضرت عبداللہ بن زبیر نے کہا تم خود ایسے کرو، اللہ کی قسم اگر تم نے ایسا کیا تو میں تجھے پتھروں سے رجم کر دوں گا۔(2)

ابن ابی عمرہ انصاری نے کہا اسلام کے ابتدائی دور میں اس کی اسے رخصت تھی جو ایسا کرنے پر مجبور تھا، جس طرح مردار، خون اور خنزیر کا گوشت مجبوری میں جائز ہے پھر اللہ تعالیٰ نے دین کو مضبوط کر دیا اور ہمیں متعہ سے منع کر دیا۔ امام بیہقی نے زہری سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباس نے اپنی وفات سے پہلے متعہ کی حلت سے رجوع کر لیا تھا۔ ابو عوانہ نے بھی اپنی صحیح میں یہی کہا۔

ابو داؤد نے اپنی ناسخ' ابن منذر اور نحاسی نے عطاء سے، انہوں نے ابن (ب) سے اس آیت کے ضمن میں نقل کیا ہے کہ اس آیت کو يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ الآیہ نے منسوخ کر دیا ہے۔ امام بیہقی اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن مسعود ابو داؤد اور بیہقی نے حضرت سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے کہ آیت میراث نے متعہ کو منسوخ کر دیا۔ امام ترمذی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ متعہ ابتداء اسلام میں تھا۔ ایک آدمی کسی شہر میں آتا جہاں اس کی کسی سے جان پہچان نہ ہوتی۔ جتنا عرصہ اس نے وہاں قیام کرنا ہوتا وہ عورت سے عقد متعہ کر لیتا۔ وہ عورت اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کی ضروریات کا خیال رکھتی، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ..... الآیہ حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا ان کے علاوہ تمام عورتیں حرام ہیں۔

میرا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت عبداللہ بن زبیر اور دوسرے علماء کے ساتھ مناظرہ کے بعد اپنے پہلے فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا۔ جب آپ حقیقت حال پر مطلع ہوئے تھے اور آپ پر ظاہر ہو گیا کہ یہ حکم منسوخ ہے۔

آپ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ آپ حالت اضطرار اور سفر میں زنا سے خوف کی حالت میں اس کو مباح کہتے تھے۔ اس کی دلیل حازمی کی وہ روایت ہے جو انہوں نے خطابی کی سند سے ابو المنہال سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے نقل کی کہا میں نے حضرت ابن عباس سے کہا قافلے آپ کے فتویٰ کو ہر طرف لے گئے اور شعراء نے بھی اس بارے میں طبع آزمائی شروع کر دی ہے۔ پوچھا شعراء نے کیا کہا میں نے بتایا:۔

ترجمہ۔ میں نے شیخ سے کہا جب اس کا قیام طویل ہو گیا، اے میرے ساتھی کیا آپ کو حضرت ابن عباس کے فتویٰ سے دلچسپی ہے؟ کیا آپ کو ایسی عورت سے غرض ہے جس کے اطراف نرم ہوں جو لوگوں کو واپس آنے تک آپ کا ٹھکانہ رہے؟ تو حضرت ابن عباس نے کہا سبحان اللہ (تعجب کرتے ہوئے) میں نے تو ایسا فتویٰ نہیں دیا۔ یہ تو اسی صورت میں جائز ہے جس صورت میں مردار، خنزیر کا گوشت

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 452 (قدیمی) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 452 (قدیمی)

(ا) جلف کا معنی احمق ہے۔ اس کا حقیقی معنی وہ مذبوحہ بکری جس کی جلد اتاری گئی ہو اور اس کا سر اور پاؤں کاٹ دیئے گئے ہوں۔ دنی کو بھی جلف کہتے ہیں۔ احمق کو ان دونوں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

(ب) شاید ابن عباس مراد ہیں۔

جو صرف مجبور آدمی کے لئے جائز ہوتا ہے۔

ابن منذر نے اپنی تفسیر میں، بیہقی نے اپنی سنن میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے کہا انّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ نہیں ہرگز نہیں قسم بخدا میں نے ایسا فتویٰ نہیں دیا اور نہ ہی اس کا میں نے ارادہ کیا، میں نے اسے صرف مجبور کے لئے مباح کیا ہے۔

ابن جریج نے بھی اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا۔ ابو عوانہ اپنی صحیح میں ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بصرہ میں کہا لوگو گواہ رہنا میں نے متعہ کی حلت کے فتویٰ سے رجوع کر لیا ہے، جبکہ آپ اٹھارہ سال تک اس کے مباح ہونے کو بیان کرتے رہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام مسلم کی بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ متعہ کی رخصت موجود ہے اور اس کی حرمت غزوۂ اوطاس میں ہوئی اور بعض میں ہے فتح مکہ کے روز حرمت ہوئی، جبکہ صحیحین میں ہے کہ غزوۂ خیبر کو حرمت ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر حرمت ہوئی تو ان سب میں تطبیق کیسے ہوگی۔

ہم اس کا جواب دیں گے کہ غزوۂ اوطاس فتح مکہ کے قریب ہی واقع ہوا۔ پس اوطاس کا سال اور فتح مکہ کا روز ایک ہی ہے۔ اب فتح مکہ اور غزوۂ خیبر میں تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ متعہ کی رخصت دو دفعہ ہوئی۔ پھر ہر دفعہ اسے منسوخ کر دیا گیا اور حرمت کا معاملہ تا قیامت باقی رہے گا۔ ابن ہمام نے اسی طرح کہا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے نکاح متعہ کا باب کہ اسے مباح کیا گیا، پھر اسے منسوخ کیا گیا، پھر اسے مباح کیا گیا، پھر اسے منسوخ کیا گیا، اب اس کی حرمت تا قیامت باقی ہے۔

بغوی نے کہا ربیع بن سلیمان نے کہا میں نے امام شافعی سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ متعہ کے بغیر اسلام میں کوئی ایسا امر نہیں جانتا جسے مباح کیا گیا ہو، پھر حرام قرار دیا گیا، پھر اسے مباح کیا گیا ہو پھر حرام قرار دیا گیا ہو(1) بعض علماء نے کہا یہ تین دفعہ منسوخ ہوا۔ ایک قول کیا گیا کہ یہ اس سے زیادہ دفعہ منسوخ کیا گیا۔ رہا غزوہ تبوک کا معاملہ تو اس سے یہ مراد نہیں لی گئی کہ اس سے پہلے رخصت تھی۔ وہاں تو جس نے بھی یہ فعل کیا اس نے اسکے ہمیشہ کے لئے حرام ہونے سے عدم واقفیت کے طور پر کیا۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ ناراض ہوئے، یہاں تک کہ آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور متعہ سے قطعی نہی کی۔ حازمی نے کہا رسول اللہ ﷺ نے حالت اقامت میں تو کبھی بھی اسے مباح نہیں کیا۔ آپ نے اسے بعض مخصوص اوقات میں ضرورت کے مطابق مباح کیا اور حجۃ الوداع کے موقع پر اسے حرام قرار دے دیا اور اس کی حرمت دائمی ہو گئی۔ واللہ اعلم۔

اکثر مفسرین نے کہا اس آیت سے متعہ مراد ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ سے مراد نکاح صحیح کے ساتھ اپنی عورتوں سے جماع کے ساتھ انتفاع اور لذت حاصل کرنا ہے۔ پس تم انہیں ان کے مہر دو۔ حضرت حسن بصری اور مجاہد نے یہی کہا۔ ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ استمتاع سے مراد نکاح ہے اور مہر کی ادائیگی کا حکم وہی ہے جو آیت وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً میں ہے۔

مسئلہ:۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آیت کا اگر یہ معنی لیا جائے تو یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت حقوق زوجیت کے بغیر مہر کی مستحق نہیں بنتی۔ پس یہ آیت امام مالک کی دلیل ہے کیونکہ آپ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بیوی حقوق زوجیت کی ادائیگی اور خاوند کی موت کے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 423 (التجاریہ)

بغیر مہر کی مستحق نہیں بنتی، وہ عقد کے ساتھ نصف مہر کی مستحق بنتی ہے۔ جبکہ جمہور علماء کا نقطہ نظر اس سے مختلف ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک عورت عقد کے ساتھ مکمل مہر کی مستحق تو بن جاتی ہے، تاہم حقوق زوجیت سے قبل طلاق دینے کی صورت میں نصف مہر ساقط ہو جاتا ہے۔

ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ میں باء الصاق کے لئے ہے جو اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مہر کا وجوب عقد کے ساتھ ہو اور حقوق زوجیت کی ادائیگی تک تراخی اس کے منافی ہے، جس طرح ہم نے اس کا ذکر اس آیت کے ضمن میں کر دیا۔ یہ آیت مہر کی ادائیگی کے وجوب اور حقوق زوجیت کی ادائیگی کی صورت میں مہر ساقط نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ اس پر دلالت نہیں کرتی کہ نفس عقد کے ساتھ مہر واجب ہی نہیں ہوگا بلکہ اس آیت میں اس بارے میں سکوت ہے۔ پس دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہ ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ امام مالک کے لئے بھی دلیل نہ بن سکی۔ جب عورت نفس عقد کے ساتھ مہر کی مالک بن جاتی ہے تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ خاوند کو حقوق زوجیت سے رک دے یا سفر پر جانے سے انکار کر دے، یہاں تک کہ وہ مہر ادا کرے۔ اسی لئے جو غلام بطور مہر معین کیا گیا اس تعین کے بعد اگر عورت اسے آزاد کر دے تو وہ آزاد ہو جائے گا، اگر مرد آزاد کرے تو وہ آزاد نہیں ہوگا واللہ اعلم۔

لے فریضۃ اجور سے حال ہے اور اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ یا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اِيْتَاءً مَفْرُوْضًا یا یہ خود مفعول مطلق ہے اور برائے تاکید ذکر کیا گیا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی فُرِضَ فَرِيْضَةً۔

لا بعض علماء نے ما قبل حصہ کو متعہ پر محمول کیا ہے۔ انہوں نے کہا اس کا معنی یہ ہے جب کسی آدمی نے مال کے بدلہ میں ایک مدت تک عقد کیا جب مدت مکمل ہو گئی، اگر عورت چاہے تو مدت میں اضافہ کرے اور مرد اجرت میں اضافہ کر دے، ورنہ وہ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔ اور بعض علماء نے ما قبل حصہ کو نکاح صحیح کے ساتھ لطف اندوز ہونے پر محمول کیا ہے انہوں نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ باہمی رضامندی سے عورت نے اپنے مہر میں سے جو کمی کی ہے یا تمام مہر کو ہبہ کر دیا یا خاوند نے مہر میں اضافہ کر دیا اس میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ:۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مہر میں زیادتی اصل عقد کے ساتھ شامل کر دی جائے گی۔ یہی حکم کمی کرنے کا ہوگا عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ زیادتی کا اس طرح مطالبہ کرے جس طرح اصل مہر طلب کرنے کا اسے حق حاصل ہے۔ یہ پھر امام شافعی کے خلاف دلیل ہوگی کیونکہ آپ کا قول یہ ہے زیادتی ایک جدید ہبہ ہے۔ اگر عورت نے اس پر قبضہ کر لیا تو یہ نافذ ہو جائے گا، اگر قبضہ نہ کیا تو یہ باطل ہو جائے گا۔ ہمارے قول کی دلیل یہ ہے کہ اگر امر اسی طرح ہو جس طرح امام شافعی نے فرمایا تو اس آیت کا کوئی فائدہ ظاہر نہ ہوگا کیونکہ جدید ہبہ تو کسی وقت بھی کیا جا سکتا ہے، اس وقت کے ساتھ تو اسے کچھ تخصیص حاصل نہیں۔

امام احمد نے فرمایا اگر خاوند مر جائے یا اس عورت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کر لئے جائیں تو مہر زیادتی کے ساتھ ثابت ہو جائے گا۔ اگر مرد نے حقوق زوجیت سے قبل اسے طلاق دے دی تو اس مہر کے ساتھ زیادتی بھی نصف لازم ہوگی۔ امام ابوحنیفہ کا نقطہ نظر بھی یہی ہے تاہم تھوڑا سا اختلاف ہے کہ اگر حقوق زوجیت سے قبل اسے طلاق دے دی تو زیادتی کے ساقط ہو جائے گی اور اس کا نصف لازم نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ..... فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ یہاں عقد کے موقع پر جو مہر معین کیا گیا تھا۔ اس کے نصف کے وجوب کو خاص کیا ہے۔

امام مالک کا فرمان ہے کہ اگر جماع ہوا تو زیادتی ثابت ہو جائے گی، اگر دخول سے پہلے طلاق دی تو نصف مہر کے ساتھ نصف زیادتی بھی لازم ہوگی، اگر وطی اور مہر پر قبضہ سے پہلے مر فوت ہو گیا تو زیادتی باطل ہو جائے گی۔

مسئلہ:۔ اگر عورت نے بعض مہر کو معاف کر دیا تو یہ بالاتفاق صحیح ہے۔ اگر نصف سے کم ہبہ کر دیا اور باقی پر قبضہ کر لیا اور وطی سے پہلے

خاوند نے اسے طلاق دے دی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک نصف سے زائد جو عورت نے لیا خاوند اسے واپس لے سکتا ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک جس مہر پر قبضہ کیا ہے اس کا نصف لے سکتا ہے۔

[21] اللہ تعالیٰ مصالح کو جانتا ہے اور جو احکام اس نے دیئے اس میں حکمتیں رکھیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

"اور جو نہ رکھتا ہو تم میں سے اس کی طاقت [1] کہ نکاح کرے [2] آزاد مسلمان عورتوں سے [3] تو وہ نکاح کرے جو تمہارے قبضہ میں ہیں تمہاری کنیزیں جو مسلمان ہیں [4] اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے تمہارے ایمان (کی کیفیت) کو [5] بعض تمہارے بعض (کی جنس) سے ہے [6] تو نکاح کرلو ان سے ان کے سرپرستوں کی اجازت سے [7] اور دو ان کے مہر [8] ان کے دستور کے موافق [9] (تاکہ نکاح سے) وہ پاکدامن بن جائیں نہ (اعلانیہ) زنا کار اور نہ بنانے والی ہوں پوشیدہ یار [10] اور جب وہ نکاح سے محفوظ ہو جائیں [11] پھر اگر وہ ارتکاب کریں بدکاری کا تو ان پر اس سزا کا نصف ہے [12] جو آزاد عورتوں کے لئے ہے یہ (لونڈیوں سے نکاح کی اجازت) اس کے لئے ہے جسے خطرہ ہو بدکاری میں مبتلا ہونے کا تم سے [13] اور تمہارا صبر کرنا بہتر ہے تمہارے لئے [14] اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے [15]"

[1] طول، طائل اور طائلہ سب کا معنی فضل، قدرت، غنا اور وسعت ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔ یہاں اس کا معنی استطاعت ہے جس کا معنی قدرت ہے۔ یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔

[2] یہ مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ طولا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو، جس کا معنی بلند ہونا ہے، جو فضل اور غناء کو لازم ہے اور ان ینکح حرف جار کے حذف ہونے کی وجہ سے منصوب ہو جو طولاً کے متعلق ہے، یعنی جو اتنی طاقت نہ رکھتا ہو کہ نکاح کر سکے۔ یہ بھی جائز ہے کہ طولاً لم یستطع کا مفعول لہ ہو اور ان ینکح مفعول بہ ہو، یعنی جو غنا کے سبب نکاح کی طاقت نہ رکھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ طول غنا کے معنی میں ہو اور ان ینکح ایک محذوف فعل کے ساتھ متعلق ہو۔

[3] یعنی آزاد مومن۔ ان کو محصنات کا نام اس لئے دیا کیونکہ یہ غلامی کی ذلت سے محفوظ ہیں۔

[4] تقدیر کلام یوں ہوگی پس اس مرد کو چاہئے کہ وہ ایسی عورت سے شادی کرے جو لونڈی ہو۔ یعنی جن کے تم میں سے بعض مالک ہوں وہ لونڈی کسی اور کی ہو کیونکہ انسان اپنی لونڈی سے شادی نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے ساتھ نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد نے اس آیت سے آزاد عورت کے ساتھ شادی کرنے کی قدرت کی صورت میں لونڈی سے نکاح کرنے کی حرمت پر

استدلال کیا اور کتابیہ لونڈی کے ساتھ نکاح کرنا مطلقاً حرام قرار دیا ہے کیونکہ جو فعل مقدر ہے وہ امر غائب کا صیغہ ہے، یعنی فلینکح یہاں امر اباحت کے لئے ہے۔ لونڈی کے ساتھ نکاح کی اباحت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ آزاد عورت کے ساتھ شادی کی طاقت نہ رکھتا ہو اور اگر وہ لونڈی ہو تو مومن ہو کیونکہ وصف شرط کے قائم مقام ہے اور شرط کا نہ پایا جانا حکم کے نہ پائے جانے کو مستلزم ہے۔ جب اباحت نہ رہی تو حرمت ثابت ہوگی۔ یہی قول حضرات جابر اور عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ امام بیہقی نے ابوالزبیر کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت جابر سے سنا، وہ فرماتے آزاد بیوی کی موجودگی میں لونڈی سے شادی نہیں کی جاسکتی اور لونڈی بیوی کی موجودگی میں آزاد عورت سے شادی کی جاسکتی ہے اور جو انسان آزاد عورت کو مہر دے سکے وہ کبھی بھی لونڈی سے شادی نہ کرے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ ابن منذر نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے لونڈیوں سے نکاح کرنا ان کے لئے حلال کیا ہے جو آزاد عورتوں کو خرچہ نہ دے سکتا ہو اور زنا کے ارتکاب کا خوف رکھتا ہو۔

احناف نے کہا پہلی بات تو یہ ہے مفہوم مخالف سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ 2۔ شرط کا نہ پایا جانا حکم کے نہ پائے جانے کو مستلزم نہیں کیونکہ شرط کا بلند ترین درجہ علت ہوتا ہے اور علت کا نہ پایا جانا معلول کے نہ پائے جانے کو مستلزم نہیں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ معلول کسی اور علت کی وجہ سے متحقق ہو۔ پس حکم کو کسی شرط کے ساتھ معلق و مشروط کرنا یا کسی وصف کے ساتھ مقید کرنا یہ اس چیز کو ثابت کرتا ہے کہ جب شرط اور وصف پایا جائے تو حکم بھی پایا جائے (جبکہ کوئی مانع موجود نہ ہو) لیکن شرط اور وصف کا نہ پایا جانا حکم کے نہ پائے جانے کے بارے میں خاموش رہے گا۔ اگر کسی اور علت کی وجہ سے حکم پایا گیا تو بہتر ورنہ حکم اصل کے اعتبار سے معدوم ہوگا نہ حکم (1) شرعی کے طور پر معدوم ہم جس مسئلہ میں بحث کر رہے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ لونڈیوں سے مطلق نکاح کرنا مباح ہے وہ مومن ہوں کتابیہ ہوں۔ خاوند آزاد عورت کے ساتھ نکاح پر قادر ہو یا قادر نہ ہو۔ یہ حکم ان آیات سے ثابت ہے جن میں عموم پایا جاتا ہے جیسے فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكُمْ

احناف کے نزدیک استدلال کی دوسری صورت یہ ہے کہ جو علماء مفہوم مخالف سے استدلال کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک مفہوم سے استدلال اس امر کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ قید بطور عادت ذکر نہ کی گئی ہو اور اس قید سے احتراز کے علاوہ کوئی اور فائدہ متصور نہ ہو، جبکہ یہاں یہ جائز ہے کہ کلام بطور عادت ذکر کی گئی ہو کیونکہ عادت یہی ہے کہ آزاد آدمی لونڈی سے نکاح کرنے میں رغبت نہیں رکھتا مگر جب وہ آزاد کے ساتھ نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو پھر وہ لونڈی سے نکاح کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عادۃً مسلمان ایک کافرہ کے ساتھ میل جول نہیں رکھتا۔ اسی وجہ سے یہاں المحصنات المؤمنات کی قید ذکر کی یہ قید بالاجماع احترازی نہیں۔ اسی وجہ سے امام شافعی نے کہا کہ جب ایک آدمی آزاد کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو لونڈی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ قید افضلیت کے بیان کے لئے ہو۔

تیسری صورت یہ ہے اگر ہم یہ تسلیم کر ہی لیں کہ مفہوم مخالف سے اباحت کی نفی کا فائدہ دیتا ہے تو اباحت کی نفی حرمت کے ثبوت کو مستلزم نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات اباحت کی نفی کراہت کے ضمن میں متحقق ہوتی ہے۔ ہم بھی اسے مکروہ کہتے ہیں، جس طرح بدائع میں ہے کتابیہ لونڈی بلکہ کتابیہ آزاد کے ساتھ نکاح کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے کفار کے ساتھ دوستی لازم آتی ہے، جبکہ ہمیں اس

(1) حکم اصل کے اعتبار سے معدوم ہوتا ہے اور شرط یا وصف کے پائے جانے سے عارضی طور پر متحقق ہوتا ہے کیونکہ حکم کو ان کے ساتھ معلق کر دیا گیا ہوتا ہے۔

بات سے منع کیا گیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو نکاح سے بڑھ کر کوئی اور رشتہ دو محبت کرنے والوں کی محبت میں اضافہ کا سبب نہیں دیکھے گا اسے ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا۔جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ اور فرمایا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک عورت سے چار وجوہ کی بناء پر شادی کی جاتی ہے، اس کے مال، نسبی شرافت، جمال اور دینداری تم دیندار عورت سے نکاح کر کے کامیابی حاصل کرو(1) متفق علیہ۔

یہ حدیث ابو ہریرہ سے مروی ہے۔امام مسلم کے نزدیک حضرت جابر سے حدیث مروی ہے کہ عورت سے نکاح اس کی دینداری، مال اور خوبصورتی کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں تو دیندار عورت سے نکاح کرنا لازم پکڑ۔اسے حاکم اور ابن حبان نے ابو سعید کی حدیث سے ابن ماجہ، بزار اور بیہقی نے عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے۔لونڈیوں کے ساتھ نکاح کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ یہ اولاد کو غلام بنانے رکھتا ہے اور غلامی حکماً موت ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے نطفہ کے لئے اچھی بیویوں کا انتخاب کرو۔یعنی تم اپنی کفو میں شادی کرو اپنی کفو میں شادی کرو۔اسے ابوداؤد اور حاکم نے روایت کیا۔بیہقی نے حضرت عائشہ سے اسے صحیح قرار دیا۔

ے تم میں باہم فضیلت ایمان اور اعمال کی وجہ سے ہے۔

ے تم میں سے بعض بعض کی جنس سے ہیں۔آزاد اور غلام سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے عیب اور اپنے آباء پر فخر کرنے کو ختم کر دیا۔اب انسان مومن متقی ہے یا فاجر بد بخت، یہ سب بنو آدم ہیں اور حضرت آدم مٹی سے پیدا ہوئے(2) اسے امام ترمذی نے اور ابوداؤد نے ابو ہریرہ کی مروی حدیث سے بیان کیا۔امام احمد اور بیہقی نے عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے یہ نسب کسی کے لئے کوئی عیب نہیں، سب حضرت آدم کی اولاد ہیں تو صاع کو صاع کے ساتھ کمائے اور اسے نہ بھر سکے گا۔کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں۔ہاں اگر فضیلت ہے تو دین اور تقویٰ کی وجہ سے کسی آدمی کے عیب کے لئے یہی کافی ہے کہ بدزبان، فحاش اور بخیل ہو(3) یہ دونوں جملے مردوں کو لونڈیوں سے نکاح کرنے کی طرف رغبت دلانے کے لئے ہیں اور ان سے نفرت کرنے سے منع کرنے کے لئے ہیں۔

ے ھن سے مراد مومن عورتیں ہیں، یعنی ان کی مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو۔یہاں ھن ضمیر فتیات کی طرف لوٹ رہی ہے۔ان سے مراد لونڈیاں ہیں۔یہ باندی (ا)، مکاتبہ (ب)، مدبرہ (ج) اور ام ولد (د) سب کو شامل ہے۔یہاں امر وجوب کے لئے ہے، یعنی لونڈیوں کا نکاح آقا کی اجازت کے بغیر نہیں ہوگا۔اسی طرح غلام کا نکاح بھی آقا کی اجازت کے بغیر نہیں ہوگا۔یہ امر وجوب کے لئے ہے۔اسی طرح دوبارہ اس کو ذکر کیا اور فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ پر اکتفا نہیں کیونکہ وہاں امر اباحت کے لئے تھا اور یہاں وجوب کے لئے ہے۔ایک ہی صیغہ میں وجوب اور اباحت کو جمع کرنا جائز نہیں۔غلام کا آقا کی اجازت کے بغیر نکاح نہ ہونا متفق علیہ امر ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بھی غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کرے وہ بدکردار ہے(4) اسے ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت

1۔صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 762 (وزارت تعلیم)
2۔جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 234 (وزارت تعلیم)
3۔مسند احمد، جلد 4، صفحہ 145 (وزارت تعلیم)
4۔جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 132 (وزارت تعلیم)

(ا) جو مکمل طور پر مملوک ہو۔
(ب) جس کے ساتھ مالک نے معاہدہ کر لیا ہو کہ اتنی رقم ادا کر دے تو تم آزاد ہو۔
(ج) جس کو مالک نے کہا کہ اس کی وفات پر وہ آزاد ہے
(د) جس کے بطن سے مالک کی اولاد ہو چکی ہو۔

جابر کی حدیث سے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن ہے اور سنن میں حضرت ابن عمر سے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا جب غلام نے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے۔

مسئلہ:۔ غلام جب آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو اسکے نکاح میں علماء کا اختلاف ہے، کیا وہ منعقد ہو جاتا ہے اور اس کا نفاذ آقا کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے یا وہ منعقد ہی نہیں ہوتا؟ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ اس صورت میں نکاح موقوف ہوگا۔ امام شافعی نے فرمایا یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

جمہور علماء کی دلیل یہ ہے کہ غلام اپنی اہلیت کے ساتھ تصرف کرتا ہے مولی کی اجازت اس لئے ضروری ہے کہ اگر نکاح لونڈی نے کیا تو آقا کو ملک یمین کی وجہ سے جو وطی کا حق تھا وہ فوت ہو گیا اور غلام کی طرف سے مہر دینا اس پر لازم ہو گیا۔ آیت میں مولی کی اجازت کا ذکر ہے اس کے عقد کرنے کا ذکر نہیں۔ امام شافعی حضور ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں فنکاحہ باطل۔ آیت میں باء الصاق کے لئے ہے۔ اس لئے عقد نکاح کے ساتھ اجازت ملی ہونی چاہئے پس نکاح بعد کی اجازت پر موقوف نہیں ہو سکتا۔

۵؎ امام مالک نے کہا اس آیت کے ظاہر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مہر ان لونڈیوں کا حق ہے۔ جبکہ جمہور علماء کا یہ کہنا ہے کہ اس لونڈی کا مہر اس کے مالک کی ملکیت ہوگا کیونکہ یہ مملوکہ ہے اور مملوکہ کا حکم جمادات کا ہوتا ہے۔ اسے مالک تصور نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے اس آیت کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا انہیں مہر ان کے گھر والوں کی اجازت سے دو اذن کا لفظ پہلے ذکر ہونے کی وجہ سے محذوف کر دیا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ مہر ان کے مالکوں کو دو یہاں موالی کا لفظ اس لئے حذف کر دیا گیا کیونکہ یہ ہر کسی کو معلوم ہے کہ مہر آقا کی ملکیت ہے اور یہ ضرورت دینیہ ہے۔ ان دونوں تاویلوں میں کمزوری موجود ہے کیونکہ عطف متاخر قید میں معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مشارکت کا تقاضا نہیں کرتا۔ ان دونوں کے درمیان متقدم قید میں اشتراک کا تقاضا کرتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مضاف کے حذف کے لئے کوئی نہ کوئی دلیل بھی ہونی چاہئے اتوھم کی بجائے اتوھن کو ترجیح دینے میں کوئی نہ کوئی نکتہ ہے جبکہ پہلے لفظ اہل کا ذکر ہو چکا ہے۔

علامہ محقق تفتازانی نے فرمایا اس میں نکتہ یہ ہے کہ مہر واجب ہے اور اس بات کا شعور دلایا جا رہا ہے کہ یہ بضعہ کا اجر ہے۔ اس وجہ سے مہر ان عورتوں کو دیا جانا چاہئے اور آقا ملک یمین کی وجہ سے مہر وصول کریں گے۔ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ لونڈی مہر پر قبضہ کرنے کی مالک ہوگی جس طرح عبد ماذون (جس غلام کو تجارت کی اجازت ہو) کو مالک کی طرف سے نکاح کی اجازت اسی طرح ہے جس طرح تجارت کی اجازت ہوتی ہے۔ مہر عورتوں کے حوالے کرنا ضروری ہے۔ آپ کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اجورھن کا معنی خرچہ کریں تو پھر اذن کا اعتبار نہ ہوگا۔

۶؎ یعنی ٹال مٹول اور کمی کے بغیر یہ مراد لینا بھی ممکن ہے کہ معروف سے مراد ان کے مالکوں کی اجازت سے انہیں مہر دیا جائے کیونکہ مالک کی اجازت کے بغیر انہیں مہر دینا شرعاً ناپسندیدہ ہے۔

۱۰؎ پاکدامن بنتے ہوئے نہ کہ اعلانیہ بدکار بنتے ہوئے۔ اخدان کا معنی ایسے دوست جو ان سے خفیہ طریقے سے بدکاری کریں۔ حسن نے کہا مسافحہ یہ ہے کہ جو مرد بھی اسے دعوت دے وہ عورت اس کی پیروی کرے اور ذات خدن اس عورت کو کہتے ہیں کہ وہ صرف ایک

مرد کے ساتھ دوستی اختیار کرے اور صرف اس سے ہی بدکاری کرے عرب پہلے طریقہ کو تو حرام کہتے دوسرے طریقہ کو جائز سمجھتے (1) اللہ تعالیٰ کا فرمان غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ یہ محصنات کا بیان ہے اور اس کا فرمان محصنت یہ فَانْكِحُوْهُنَّ اور اٰتُوْهُنَّ سے ایک کے مفعول سے حال ہے۔ ان میں تنازع فعلین (۱) کا قاعدہ جاری ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ان کے نکاح میں احصان کی قید افضلیت کے بیان کے لئے ہے۔ امام احمد کا نقطہ نظر یہ ہے کہ زانیہ کے ساتھ نکاح کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ اس سے توبہ نہ کرے، خواہ وہ آزاد ہو یا لونڈی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً ...... ہم اس کی تفسیر سورۂ نور میں بیان کریں گے ان شاء اللہ۔

امام مالک کا فرمان ہے زانیہ کے ساتھ نکاح کرنا مطلقاً مکروہ ہے (خواہ وہ توبہ کرلے) مہر کی ادائیگی کو احصان کے ساتھ مقید کرنا۔ اس امر پر مبنی ہے کہ نکاح کرنے میں یہ پہلے ہی شرط ہے کیونکہ جب ایک آدمی حالت احصان میں اس عورت سے شادی کرے گا تو قاعدہ استصحاب کی وجہ سے مہر کی ادائیگی بھی غالباً اسی حالت میں ہوگی۔ اس لئے یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ مہر کی ادائیگی پاکدامنی کے ساتھ مقید نہیں۔

(۱) حمزہ، کسائی اور ابوبکر نے ہمزہ اور صاد کے فتحہ کے ساتھ معروف کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی وہ عورتیں جنہوں نے شادی کیساتھ اپنی شرمگاہوں کو محفوظ کرلیا جبکہ دوسرے قراء نے متن کے موافق مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی ان کے خاوندوں نے انہیں محصن بنایا لغت میں احصان کا معنی روکنا ہے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ آزادی یا کدامنی نکاح اور اسلام کے معنی میں آیا ہے۔ ہر موقع محل کے مطابق اس کے معنی کا اعتبار کیا جائے گا۔ ہر معنی میں روکنے کی کوئی نہ کوئی صورت موجود ہے۔ یہاں اس سے مراد شادی کرنا ہے کیونکہ کلام امت مسلمہ میں ہو رہی ہے۔ عفت معنی لیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے مابعد ارشاد کے منافی ہوگا۔

(۲) فاحشہ سے مراد زنا ہے۔ محصنات سے مراد آزاد ہیں، یعنی آزاد یا کرہ عورتیں یہاں آزاد و شادی شدہ مراد لینا جائز نہیں کیونکہ ان کی حد رجم ہے۔ اس میں نصف کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ:۔ آزاد مرد اور آزاد عورت جب غیر شادی شدہ ہوں تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک زنا کی حد سو کوڑے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَلزَّانِیَةُ وَ الزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ

امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔ امام مالک کا قول یہ ہے کہ ایک سال کی جلاوطنی مردوں میں ہے۔ عورتوں میں نہیں سو کوڑوں کے ساتھ ایک سال کی جلاوطنی کے ثبوت کی دلیل عبادہ بن صامت کی دلیل ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں جب غیر شادی شدہ مرد غیر شادی شدہ عورت سے بدکاری کرے تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے (2) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ یہ روایت پہلے گزر چکی ہے۔ زید بن خالد سے مروی ہے، کہا میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا جو آدمی بدکاری کرتا اور شادی شدہ نہ ہوتا تو اس بارے میں آپ سو دروں اور ایک سال کی جلاوطنی کا حکم دیتے ہیں۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ امام مالک نے فرمایا بکر کا لفظ عورت کو شامل نہیں۔ اس لئے ایک سال کی جلاوطنی عورتوں کے حق میں لازم نہیں۔ یہ استدلال کوئی چیز نہیں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 426 (التجاریہ)　　2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 65 (قدیمی)

(۱) مسلم نحو کا قاعدہ ہے جب عامل دو ہوں اور معمول ایک ہو۔ یہاں بھی فعل دو ہیں اور حال ایک ہے۔ دونوں فعل اس میں عمل کر سکتے ہیں۔ تاہم افضلیت میں اختلاف ہے۔

کیونکہ حدیث کا سیاق عورتوں کے متعلق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے لے لو، مجھ سے لے لو اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے لئے حکم جاری کر دیا پھر آپ نے یہی ارشاد بیان فرمایا(1) لفظ بکر عورت کو شامل نہ ہونے کا قول قابل تسلیم نہیں۔ یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَلْبِکْرُ تُسْتَاذَنُ۔ یعنی باکرہ سے اجازت لی جائے گی اور حضرت زید کی حدیث میں من زنی کا کلمہ مذکر اور مونث دونوں کو شامل ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا یہ خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی ہے جو جائز نہیں۔ ہم اس بارے میں مزید بحث سورۂ نور میں کریں گے۔

مسئلہ:۔ غلام مرد ہو یا عورت شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ بدکاری کی صورت میں اس کی حد پچاس درے ہیں۔ یہ ائمہ اربعہ کا نقطۂ نظر ہے۔ لونڈی کا حکم تو عبارت النص سے ثابت ہے۔ غلام کا حکم دلالت النص سے بطریق مساوات ثابت ہوتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق غلام پر ایک سال جلاوطنی نہیں، جبکہ امام شافعی کے صحیح ترین قول میں نصف سال کی جلاوطنی ہو گی۔ ابوثور نے کہا غلاموں میں سے جو شادی شدہ ہے اس کو رجم کر دیا جائے گا۔ یہ آیت کریمہ ان کے خلاف جمہور علماء کی دلیل ہے کیونکہ یہ غلاموں کی نصف حد پر دلالت کرتی ہے۔ اس کا تصور صرف کوڑوں میں ہو سکتا ہے جہاں تک رجم کا تعلق ہے وہ تنصیف کو قبول نہیں کرتا۔

حضرت ابن عباس، مجاہد اور سعید بن جبیر اس طرف گئے ہیں کہ غلاموں میں سے غیر شادی پر کوئی حد نہیں۔ وہ اس آیت کی شرط کے مفہوم پر عمل کرتے ہیں جبکہ شرط کا مفہوم امام ابوحنیفہ کے نزدیک معتبر نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس آیت میں شرط کا مفہوم معتبر نہیں بلکہ مراد اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ مملوک اگرچہ شادی کی وجہ سے محصن بھی ہو تب بھی اس پر رجم نہیں ہو گا۔ اس کی حد صرف کوڑے ہیں جبکہ آزاد کا حکم اس سے مختلف ہے۔ یہ حکم حضور ﷺ کے عمومی ارشاد سے ثابت ہوتا ہے، فرمایا جب تم میں سے کسی کی لونڈی بدکاری کرے اور اس کا زنا واضح ہو جائے تو اس پر کوڑوں کی حد جاری کرو اور اسے لعن طعن نہ کرو پھر اگر وہ بدکاری کرے اور اس کا زنا واضح ہو جائے تو اس پر کوڑوں کی حد جاری کر دو اور اسے لعن طعن نہ کرو۔ اگر وہ تیسری بار بدکاری کرے اور اس کا زنا عام ہو جائے تو اسے بیچ دو۔ اگرچہ بالوں کی ایک رسی کے عوض۔ متفق علیہ۔ یہ ابوہریرہ سے حدیث مروی ہے کیونکہ امۃ کا لفظ نکرہ ہے جو شرط کے ضمن میں ہے۔ پس یہ عموم کا فائدہ دے گا۔ اسی پر اجماع ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرمایا اے لوگو اپنے غلاموں پر حد جاری شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ایک لونڈی نے بدکاری کی تو آپ نے مجھے اسے کوڑے مارنے کا حکم دیا جبکہ اس کے نفاس کا وقت قریب ہی گزرا تھا۔ مجھے خوف ہوا کہ اگر میں نے اس پر حد جاری کی تو میں اسے مار ڈالوں گا۔ میں نے اس بارے میں حضور ﷺ سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا تو نے اچھا کیا(2) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ عبداللہ بن عیاش بن ربیعہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے مجھے قریش کے چند جوانوں کے ساتھ حکومت کی زیر ملکیت لونڈیوں کو بدکاری کے جرم میں پچاس پچاس کوڑے مارنے کا حکم دیا۔

[3] یہ حد تم میں سے اس آدمی کے لئے ہے جو کوڑے لگنے کی تکلیف سے ڈرے تاکہ وہ زنا کے قریب نہ جائے۔

[4] شہوت پوری کرنے سے صبر کرنا اور زنا کے قریب نہ جانا دنیا و آخرت میں تمہارے لئے بہتر ہے۔ اکثر مفسرین نے یہ کہا کہ لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنا ان لوگوں کے ساتھ مختص ہے جن کو زنا میں پڑنے کا خوف ہو کیونکہ بدکاری دنیا و آخرت میں مشقت کا باعث ہے اور پاکدامن بنتے ہوئے لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنا یہ بھی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری اولاد میں غلام بن جائیں اور

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 65 (قدیمی) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 71 (قدیمی)

تا کہ تم مکروہ فعل کا ارتکاب نہ کرو کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے آزاد عورتیں گھر کی آبادی اور لونڈیاں اس کی تباہی ہیں۔ اسے ثعلبی اور دیلمی نے مسند فردوس میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ تحریر میں ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ میں کہتا ہوں شائد گھر کی ہلاکت اس معنی میں ہو کہ لونڈیوں کی اولاد ان کے مالکوں کی غلام ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کے خاوندوں کے گھر ان کی اولاد سے خالی رہ جاتے ہیں۔ یہ تاویل اس ارشاد باری تعالیٰ کے مناسب ہے۔

۞ یعنی جو لونڈیوں سے نکاح کرنے سے صبر نہ کرے اس کو بخشنے والا ہے اور اس پر رحم فرمانے والا ہے کہ اس نے لونڈیوں کیساتھ اجازت کی رخصت عطا فرمادی۔ اس آیت کا یہ معنی کیا جائے تو یہ امام شافعی اور امام مالک کی دلیل ہے کہ لونڈیوں کے ساتھ نکاح کی اجازت زنا کے خوف کے ساتھ مشروط ہے کیونکہ لام اختصاص کے لئے ہے۔ امام بغوی نے کہا یہی جابر کا قول ہے۔ طاؤس اور عمرو بن دینار نے بھی یہی کہا جب کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ کوئی شرط نہیں۔ لیکن وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیت کی وجہ سے بغیر ضرورت کے لونڈیوں سے نکاح کرنا مکروہ ہے۔

فائدہ:۔ امام شافعی اور امام احمد نے فرمایا لونڈیوں کے ساتھ مجبوری کی صورت میں جائز ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اولاد غلام رہتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب آدمی آزاد عورت کو مہر دے سکتا ہو تو جب لونڈی کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مومن لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے کی شرط ہے کیونکہ ایک لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایک سے زیادہ لونڈیوں سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک لونڈی کے ساتھ نکاح کرنا مطلقاً جائز ہے۔ یہ صرف مجبوری کی وجہ سے جائز نہیں لونڈی مسلمان ہو یا کتابیہ آزاد عورت کو مہر دے سکتا ہو۔ یا نہ دے سکتا ہو اگرچہ بغیر ضرورت کے مکروہ ہے۔ حلت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ اور فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم اولاد کا غلام رہنا۔ اگر بغیر ضرورت کے لونڈی سے نکاح کرنے کے لئے عدم جواز کے لئے علت ہوتا تو اس غلام کے لئے بھی لونڈی سے نکاح کرنا جائز نہ ہوتا جو آزاد عورت کے اخراجات برداشت کرنے کی قدرت رکھتا ہو حالانکہ ایسا قول کسی نے بھی نہیں کیا۔ نیز تمہارے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ ایک غلام دو لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے تو آزاد کے لئے تو یہ بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہئے کیونکہ غلام کی بنسبت آزاد کی حلت بڑھ کر ہے۔ اسی وجہ سے آزاد کے لئے چار عورتوں سے شادی کرنا نص سے ثابت ہے اور غلام کا دو عورتوں سے شادی کا جواز حدیث سے ثابت ہے، جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ نیز چار عورتوں کو مباح کرنے والی نص مطلق ہے اسے آزاد عورتوں کے ساتھ مقید کرنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔ آزاد کے لئے چار عورتیں لونڈیاں ہوں اور آزاد کے جواز میں امام مالک کا قول امام ابو حنیفہ کے قول کی طرح ہے۔

مسئلہ:۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک آزاد عورت پر لونڈی سے نکاح کرنا جائز نہیں مگر امام مالک کے نزدیک جواز کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اگر آزاد عورت اس بات پر راضی ہو تو لونڈی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ لونڈی پر آزاد عورت سے نکاح کرنا بالاجماع جائز ہے اور لونڈی کا نکاح فاسد نہ ہوگا۔

ائمہ ثلاثہ نے آزاد پر لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے کے عدم جواز پر اس آیت کے مفہوم سے استدلال کیا ہے فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا کیونکہ جس کے نکاح میں پہلے آزاد عورت ہو وہ آزاد کے ساتھ نکاح کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ یہ استدلال آزاد اور

غلام آزاد عورت کی رضامندی یا غیر رضامندی میں تفریق کا تقاضا نہیں کرتا۔

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ لونڈی کے ساتھ نکاح کے عدم جواز کا استدلال حدیث طیبہ سے کرتے ہیں، حضور نے فرمایا آزاد عورت پر لونڈی سے نکاح نہ کیا جائے اور فرمایا لونڈی پر آزاد عورت سے نکاح کر لیا جائے۔ امام بیہقی نے اسے روایت کیا اور طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت حسن بصری تک متصل سند سے روایت کیا اور عامر احول کی روایت کو غریب قرار دیا۔ عمرو بن عبید کی حضرت حسن بصری سے روایت معروف ہے۔ سعید بن منصور کی روایت میں یہ مبہم ہے۔ عبدالرزاق نے اسے حسن بصری سے مرسل نقل کیا ہے۔ اسی طرح ابن ابی شیبہ نے اسے روایت کیا ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے۔ اسی طرح امام شافعی کے نزدیک بھی حجت ہے۔ جب اقوال صحابہ اس کی تائید کریں یہاں اسے اقوال صحابہ سے تائید حاصل ہے۔ ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے حضرت علی شیر خدا سے موقوف روایت نقل کی ہے کہ آزاد عورت پر لونڈی سے نکاح نہیں کرنا چاہئے اور ان الفاظ کے ساتھ بھی وہ مروی ہے کہ آزاد عورت پر لونڈی سے نکاح کیا جانا چاہئے۔ اس کی سند حسن ہے۔ حضرت ابن مسعود سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ عبدالرزاق نے ابی الزبیر کے واسطہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت جابر سے سنا وہ فرماتے تھے کہ آزاد عورت پر لونڈی سے عقد نہ کیا جائے اور لونڈی پر آزاد عورت سے نکاح کر لیا جائے۔ امام بیہقی کے ہاں ایسی ہی روایت ہے۔ انہوں نے ان الفاظ کا اضافہ کیا جو آزاد عورت کا مہر رکھتا ہو وہ کبھی بھی لونڈی سے شادی نہ کرے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ عبدالرزاق کے نزدیک یہ روایت فرد ہے۔ ابن ابی شیبہ نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ لونڈی پر آزاد عورت سے شادی کی جائے اور آزاد پر لونڈی سے شادی نہ کی جائے۔ اس باب میں حضرت عائشہ کی حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غلام کی دو طلاقیں ہیں..... لونڈی پر آزاد سے شادی کی جائے اور آزاد پر لونڈی سے شادی نہ کی جائے۔ اسے دارقطنی نے روایت کیا۔ اس کی سند میں مظاہر بن اسلم ضعیف ہے۔

اعتراض:۔ یہاں امام ابوحنیفہ کے قاعدہ پر ایک اعتراض لازم آتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے ارشاد اُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ کی اخبار احاد سے تخصیص لازم آتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے۔ یہ حدیث اجماع کی وجہ سے قوی ہو گئی۔ اس لئے اعتراض باقی نہیں رہا۔

امام شافعی کے نزدیک غلام کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ آزاد عورت پر لونڈی سے نکاح کرے۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ غلام کے لئے بھی ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ جو مرسل روایات ہم نے ذکر کی ہیں وہ مطلق ہیں۔ اسی طرح ائمہ ثلاثہ نے آیت کے مفہوم سے آزاد کے لئے عدم جواز کا استدلال کیا ہے اس میں غلام بھی موجود ہے۔

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾

"چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ کھول کر بیان کر دے (اپنے احکام) تمہارے لئے [1] اور چلائے تم کو ان (کامیاب لوگوں) کی راہوں پر جو تم سے پہلے گزرے ہیں [2] اور اپنی رحمت سے توجہ فرمائے تم پر [3] اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے [4]"

[1] اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے دین کے احکام اور تمہارے امور کے مصالح بیان کرے۔ یہاں لام زائدہ ہے۔ فعل میں مستقبل

کا جو معنی پایا جا رہا ہے اس کی تاکید کے لئے ہے یا تعلیل کے لئے ہے۔
۲؎ یہ آیت اس امر پر دلیل ہے کہ سابقہ شریعتوں کے وہ احکام جو منسوخ نہیں ہوئے، ان پر عمل کرنا ہم پر لازم ہے۔ جب وہ ہمارے پاس کتاب اللہ اور سنت سے ثابت ہوں۔ یہودیوں کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ وہ کافر اور متہم ہیں مگر ان میں سے وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد کچھ بیان کریں جیسے عبداللہ بن السلام اور کعب الاحبار۔
۳؎ جن گناہوں کا تم نے وضاحت سے پہلے ارتکاب کیا ہے انہیں وہ بخش دے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ تمہیں توبہ کی توفیق دے یا ایسے امور کرنے کی توفیق دے جو تمہارے گناہوں کو مٹا دیں۔
۴؎ وہ مصالح کو جانتا ہے اور احکام دینے میں حکیم ہے۔

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾

"اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنی رحمت سے توجہ فرمائے تم پر اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو پیروی کر رہے ہیں اپنی خواہشوں کی کہ تم (حق سے) بالکل منہ موڑ لو ۱؎"

۱؎ تاکید اور مبالغہ کے لئے یتوب کو مکرر ذکر کیا۔ الذین سے مراد فاجر ہیں کیونکہ وہ انسان جو شرع کے حکم کے مطابق شہوت پوری کرے وہ شرع کی اتباع کرنے والا ہے۔ وہ شہوت پوری کرنے والا تو نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ الذین سے مراد بدکار ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا وہ مجوسی ہیں جو محرمات کو بھی حلال جانتے اور ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد یہودی ہیں کیونکہ وہ علاتی بہنوں اور بھتیجیوں اور بھانجیوں کو حلال جانتے ہیں۔ میل سے مراد حق سے اعراض کرنا یعنی وہ حرام کو حلال جانتے کیونکہ گناہ کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس کے ارتکاب کرنے کی بنسبت گناہ کو حلال جاننا یہ باطل کی طرف زیادہ میلان پر دلالت کرتا ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

"اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہلکا کرے تم سے (پابندیوں کا بوجھ) ۱؎ اور پیدا کیا گیا ہے انسان کمزور ۲؎"

۱؎ وہ تم پر تخفیف کرنا چاہتا ہے۔ اسی لئے اس نے تمہیں ایسی شریعت عطا فرمائی جو برحق آسان اور نرم ہے۔ کچھ ایسے احکام جو سابقہ شریعتوں میں حرام تھے تمہارے اوپر حلال کر دیئے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف اور ابن منذر نے تفسیر میں مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر جو آسانی کی ان میں لونڈی نصرانیہ اور یہودیہ سے نکاح بھی ہے۔ مدارک میں یہ ابن عباس کا قول ذکر کیا گیا۔
۲؎ وہ شہوات سے صبر نہیں کرتا اور طاعات کی مشقت برداشت نہیں کرتا۔ جتنا زمانہ قیامت کے قریب ہوگا ان میں کمزوری بڑھتی جائے گی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت میں تخفیف کی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

"اے ایمان والو! نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں ۱؎ ناجائز طریقہ سے ۲؎ مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی ۳؎ رضا مندی

سے[3] اور نہ ہلاک کرو اپنے آپ کو[4] بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ہے[5]"

[1] تم میں سے کوئی غیر کا مال نہ لے خواہ مسلمان ہو یا ذمی ہو حربی جس کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ٹوٹ ہو اس کا مال لینے میں کوئی حرج نہیں۔

[2] ایسے ذریعے سے جو شرع میں ممنوع ہے، جس طرح غصب، سرقہ، چوری، خیانت، جوا، سود اور فاسد معاہدے۔

[3] کوفہ کے قراء نے تجارۃً کو منصوب پڑھا ہے کیونکہ یہ تکون کی خبر ہے۔ اس کا اسم ضمیر ہے جو پوشیدہ ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ جِهَةُ الْاَکْلِ تِجَارَةً۔ باقی قراء نے اسے فاعل ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے۔ اس صورت میں کان تامہ ہوگا اور مستثنیٰ منقطع ہوگا۔ لیکن اس وقت کھاؤ جب کھانے کی صورت تجارت کی ہو یا اس وقت جب تجارت رضامندی سے واقع ہو۔

[4] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیع باہم رضامندی سے ہوتی ہے۔ اسے ابن ماجہ اور ابن منذر نے ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ دینے والے اور لینے والے کی رضامندی ہو۔ یا معنی یہ ہے لیکن تم یہ قصد کرو کہ کھانے کی صورت تجارت کی ہو۔ تجارت زبانی بیع کرنا یا بغیر قول کے مال کا تبادلہ کر لینا ہے۔ بیع حقیقت میں مال کو مال سے بدلنے کو کہتے ہیں۔ اجارہ مال کو معلوم منافع سے بدلنا ہے۔ وہ وجوہ جن کے ذریعے دوسرے کا مال لینا جائز ہوتا ہے ان میں سے صرف بیع کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ عموماً یہی صفت پائی جاتی ہے اور زیادہ پاکیزہ (1) ہے۔ رافع بن خدیج سے مروی ہے کہ کہا عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ کونسی کمائی پاکیزہ ہے؟ فرمایا جو آدمی کے ہاتھ کی کمائی ہے اور ہر شرط فاسد سے پاک بیع ہو (1) اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ مقدام بن معدیکرب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی نے کبھی بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا نہیں کھایا ہوگا، اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جو تم کھاتے ہو ان میں سب سے پاکیزہ تمہارے اپنے ہاتھ کی کمائی ہے۔ بے شک تمہاری اولاد بھی ہاتھ کی کمائی ہے (2) اسے امام ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ یہ آیت تجارت کے علاوہ دوسرے طریقوں کی نفی پر دلالت نہیں کرتی، جس طرح مہر، ہبہ، صدقہ، عاریہ اور دوسری صورتیں کیونکہ وہ باطل نہیں بلکہ یہ نصوص شرعیہ سے ثابت ہیں۔

احناف نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایجاب و قبول کے بعد مجلس میں متعاقدین میں سے کسی کے لئے بھی کوئی اختیار نہیں۔

امام مالک نے بھی یہی کہا کیونکہ یہ آیت باہمی رضامندی سے تجارت کے ذریعے ایک دوسرے کا مال لینے پر دلالت کرتی ہے، اگرچہ وہ

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 141 (صادر) 2۔ جامع ترمذی کتاب الاحکام، جلد 1، صفحہ 162 (وزارت تعلیم)

حاشیہ (۵) اصبہانی نے ابوامامہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ تاجر میں جب چار خصلتیں ہوں تو اس کی کمائی پاکیزہ ہوتی ہے۔ جب خریدے تو چیز کی برائی نہ کرے، جب بیچے تو چیز کی مدح نہ کرے، بیع میں حیل سازی نہ کرے اور اس بارے میں قسم نہ اٹھائے۔ امام احمد اور حاکم نے عبدالرحمٰن بن شبل سے روایت کیا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا تاجر ہی فاجر ہیں۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں، بیع حلال ہے۔ لیکن وہ قسم اٹھاتے ہیں تو گناہگار ہو جاتے ہیں۔ بات کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں۔ حاکم نے روایت نقل کی اور اسے صحیح قرار دیا کہ رفاعہ بن رافع نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تاجر قیامت کے روز فاجر اٹھائے جائیں گے مگر جو اللہ تعالیٰ سے ڈرا، نیکی کی اور سچ بولا۔ امام ترمذی نے نقل کیا اور اسے حسن قرار دیا۔ حاکم نے ابوسعید خدری سے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کہ سچا امانت دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہے۔ ابن ماجہ اور حاکم نے ابن عمر سے مرفوعاً نقل کیا ہے سچا، امین اور مسلمان تاجر قیامت کے روز شہداء کے ساتھ ہوگا۔ طبرانی نے صفوان بن امیہ سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد صالح تجار کے ساتھ ہے۔ اصبہانی نے حضرت انس سے مرفوع روایت نقل کی ہے سچا تاجر قیامت کے روز عرش کے سائے میں ہوگا۔ اصبہانی نے معاذ بن جبل سے روایت نقل کی فرمایا سب سے پاکیزہ کمائی ان تاجروں کی کمائی ہے جو بات کریں تو جھوٹ نہ بولیں، وعدہ کریں تو اسے نہ توڑیں، جب ان کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت نہ کریں، جب خریدیں تو چیز کی مذمت نہ کریں، جب بیچیں تو تعریف نہ کریں، جب ان پر قرض ہو تو ٹال مٹول نہ کریں اور جب انہوں نے قرض لینا ہو تو مقروض کو عار نہ دلائیں۔ از مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ابھی مجلس سے جدا نہ ہوئے ہوں ایک دوسرے کے مال لینے کا جواز بیع کے مکمل ہونے پر مبنی ہے اور بیع کی تکمیل خیار کے باقی نہ رہنے کا تقاضا کرتی ہے۔

امام شافعی اور امام احمد نے کہا جب تک وہ مجلس سے الگ نہیں ہوتے تو دونوں متعاقدین کو بیع توڑنے کا اختیار ہوتا ہے کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عمر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خرید و فروخت کرنے والوں میں سے ہر ایک کے لئے بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوگا جب تک وہ جدا نہ ہوں، اگر وہ دونوں سچ بولیں اور اپنی چیزوں کے عیوب بیان کردیں تو ان کی تجارت میں برکت ڈالی جاتی ہے، اگر وہ عیوب کو چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو تجارت کی برکت ختم کردی جاتی ہے (1) متفق علیہ۔

احناف نے کہا یہ ایسی احادیث ہیں کہ کتاب کے مقتضی کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان پر عمل کرنا جائز نہیں اور کتاب کا مقتضی یہ ہے کہ فسخ کرنے کا اختیار نہ ہو جس طرح ہم نے ذکر کیا۔ یہ احادیث خیار قبول پر محمول ہوں گی۔ کتاب اللہ کے حکم میں اسی چیز کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب تک وہ خرید و فروخت کررہے ہیں تو متبایعان ہیں۔ اس کے بعد ہو وہ متبایعان تھیں یا یہ خیار قبول کا احتمال رکھتا ہے۔ اس لئے اسی معنی پر اسے محمول کیا جائے گا۔ یہاں تفرق سے مراد باہم گفتگو کا رد و بدل ہے۔ ہدایہ میں اسی طرح ہے۔ ابن ہمام نے کہا تفرق سے مراد اقوال کا رد و بدل ہے۔ شرع اور عرف میں اکثر واقع ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ۔

میں یہ کہتا ہوں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ مجلس سے اٹھنے سے پہلے مبیع اور ثمن میں تصرف اور بیع کے مکمل ہونے پر دلالت کرتی ہے، لیکن اس کے فسخ کی ولایت کی نفی پر دلالت نہیں کرتی۔ اولی بات یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ خیار مجلس میں متعاقدین کو حاصل ہوگا جس طرح امام ابو حنیفہ نے عقد کے مکمل ہونے کے بعد خیار رؤیت اور خیار عیب کو ثابت کیا ہے تاکہ حدیث صحیح پر عمل کرنے سے ترک لازم نہ آئے۔ جو انہوں نے یہ کہا کہ حالت مباشرہ میں متبایعین ہیں اس کے بعد نہیں تو یہ بات قابل تسلیم نہیں کیونکہ دوسرے متعاقد کے قبول کرنے سے قبل وہ صرف بائع ہے وہ متبایعین نہیں بنے اور ایجاب و قبول کے بعد جب تک مجلس باقی رہے گی حالت مباشرہ بھی عرف اور شرع کے اعتبار سے قائم رہے گی کیونکہ مجلس کی تمام ساعتیں ایک ہی ساعت مانی جاتی ہیں۔ اس لئے جب تک مجلس باقی رہے گی اس وقت تک حقیقت میں وہ متبایعین ہی ہوں گے۔

یہ قول کہ تفرق سے اقوال میں رد و بدل مراد لینا یہ مجاز ہے جبکہ حقیقت کا اعتبار کرنا ممکن ہے کیونکہ حدیث کے بعض الفاظ اس تاویل سے انکار کرتے ہیں کیونکہ امام مسلم نے حضرت ابن عمر کی حدیث ان الفاظ سے بیان کی ہے جب دو آدمی آپس میں بیع و شراء کریں تو جب تک وہ جدا نہیں ہو جاتے اس وقت تک انہیں فسخ کرنے کا اختیار ہوگا (2) کیونکہ ف کل واحد منهما بالخيار میں فاء کا کلمہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں اختیار بیع و شراء کا قول کرنے کے بعد بھی حاصل ہے۔ عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے، انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا متعاقدین جب تک جدا نہ ہوں انہیں فسخ کا اختیار ہوگا مگر جب وہ عقود خیار والے ہوں (خیار شرط، خیار رؤیت، خیار عیب) تو انہیں عقد کے بعد بھی خیار فسخ ہوگا۔ کسی بھی متعاقد کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے ساتھی سے اس لئے جلدی جدا ہو جائے کہ وہ بیع کو فسخ ہی نہ کردے۔ (3) اسے امام ترمذی، ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 279 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 6 (قدیمی) 3۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 150 (وزارت تعلیم)

حضرت ابو ہریرہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ متعاقدین باہم رضامندی سے ہی مجلس سے جدا جدا ہوں۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا حضرت جابر سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عقد بیع کے بعد ایک اعرابی کو اختیار دیا۔ امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث صحیح غریب ہے۔ یہ احادیث بیع کے بعد مجلس سے جدا ہونے سے پہلے اقالہ(ا) کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے تم میں سے کوئی بھی اپنے آپ کو قتل نہ کرے۔ ثابت بن ضحاک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے دنیا میں کسی بھی چیز سے اپنے آپ کو ہلاک کیا قیامت کے روز اسی چیز کے ساتھ اسے عذاب دیا جائے گا۔ امام بغوی نے اسے امام شافعی کی سند سے روایت کیا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو پہاڑ سے لڑھکا (چھلانگ لگائی) وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اوپر سے نیچے کی طرف لڑھکتا رہے گا، جس نے اپنے آپ کو لوہے سے قتل کیا اس کا لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کے ساتھ اپنے آپ کو تکلیف دیتا رہے گا(1) اسے امام بخاری اور امام مسلم نے کچھ تقدیم و تاخیر کے ساتھ روایت کیا اور نسائی نے روایت کیا۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے جس نے زہر کھایا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا، جہنم کی آگ میں زہر کھاتا رہے گا(2) جندب بن عبداللہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں پہلی قوموں میں ایک آدمی کے اعضاء پر زخم آ گیا جس کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے چھری نکالی، اس نے اپنا ہاتھ کاٹ لیا، اس کا خون بہتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میرے بندے نے اپنے آپ کو ہلاک کرنے میں جلدی کی۔ میں نے اس پر جنت کو حرام کر دیا(3) اسے بغوی نے روایت کیا۔ ابوداؤد، ابن حبان اور حاکم نے اپنی صحیح میں حضرت عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس آیت کا معنی سردی کے خوف سے تیمم کرنا مراد لیا ہے تو نبی کریم ﷺ نے اس کا انکار نہ کیا۔ جب انہوں نے عرض کی مجھے ایک سخت سرد رات میں احتلام ہو گیا جبکہ میں غزوہ ذات السلاسل میں تھا۔ مجھے خوف لاحق ہوا کہ اگر میں نے غسل کیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ میں نے تیمم کیا۔ پھر میں نے نماز پڑھی۔ اس بات کا ذکر حضور ﷺ سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا اے عمرو تو نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھا دی جبکہ تو جنبی تھا۔ میں نے عرض کی کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد سنا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور کچھ ارشاد نہ فرمایا۔ حضرت حسن بصری، حضرت عکرمہ، عطاء بن ابی رباح اور سدی نے کہا اس کا معنی ہے تم اپنے بھائیوں کو قتل (ب) نہ کرو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ یہاں انفس سے مراد دینی بھائی ہیں۔ کسی مسلمان کو قتل کرنا شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔ حضرت جریر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں کو خاموش کراؤ۔ پھر فرمایا میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں اڑاتے رہو(4) اسے امام بخاری نے روایت کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ تم اپنے آپ کو باطل طریقے سے مال کھانے کے ساتھ ہلاک نہ کرو۔ یہ ارشاد دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی غیر کا مال باطل طریقے سے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 428 (التجاریہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 72 (قدیمی) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 428 (التجاریہ)
4۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 23 (وزارت تعلیم)

(ا) اقالہ: لغوی معنی الٹانا۔ اصطلاح فقہ میں اس سے مراد بیع کی پہلی شرطوں پر بیع کو ختم کرنا۔

(ب) عاصم بن بہدلہ سے مروی ہے کہ مسروق جنگ صفین میں آئے اور دونوں صفوں کے درمیان کھڑے ہو گئے۔ فرمایا، لوگو! خاموش ہو جاؤ، مجھے بتاؤ اگر آسمان سے تمہیں ندا کرنے والا ندا کرے، جو تم اس کو دیکھ بھی رہے ہو، اور کلام بھی سن رہے ہو، وہ تمہیں کہے کہ اس کام سے رک جاؤ جو تم کر رہے ہو تو کیا تم رک جاؤ گے؟ لوگوں نے کہا سبحان اللہ! کیوں نہیں۔ کہا جبریل بھی تو لے کر رسول اللہ ﷺ پر اترے اور ان کلمات کی تلاوت کی۔ فرمایا اس ارشاد سے اس منادی کی ندا زیادہ واضح نہ ہوگی۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ۔

کھانا اپنے آپ کو قتل اور ہلاک کرنا ہے کیونکہ یہ جہنم میں داخل کرنے کا سبب ہے دوسرا غیر کا مال کھانا اس کو تباہ کر دے گا۔

۲؎ اپنی رحمت کی زیادتی کے باعث اللہ تعالیٰ نے تمہیں نیکیوں کا حکم دیا اور تمہیں برائیوں سے روکا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا تا کہ قتل ہی ان کی توبہ بن جائے اور وہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے کہ اس نے توبہ کے لئے تمہیں قتل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ تمہاری توبہ کو شرمندگی اور استغفار بنا دیا۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝

"اور جو شخص کرے گا یوں سرکشی اور ظلم سے تو ڈال دیں گے ہم اسے آگ میں اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے۔ ۱؎"

۱؎ یعنی جس نے غیر کا مال کھایا یا اس نے معصوم نفس کو جان بوجھ کر قتل کر دیا اور اپنے آپ پر ظلم کرتے ہوئے ایسا کیا کیونکہ وہ خود اپنے آپ کو عذاب کے لئے پیش کرتا ہے۔ عدوانا اور ظلما یہ دونوں مصدر ہیں اور حال بن رہے ہیں یا دونوں مفعول لہ ہیں۔ آیت میں نار سے مراد جہنم کی آگ ہے اور جہنم کی آگ میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ وہ آدمی جو معصیت کو حلال جانتا ہے یہ وعید اس کو ہمیشہ کے لئے جہنم کا ایندھن بنانے کے بارے میں ہے اور جو اس کو حلال نہیں جانتا تو یہ اس امر کی وضاحت کیلئے ہے کہ وہ آدمی جہنم میں داخل ہونے کا مستحق بن جاتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت بھی جائز ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝

"اگر تم بچتے رہو گے ان بڑے بڑے کاموں سے روکا گیا ہے تمہیں جن سے ۱؎ تو ہم محو کر دیں گے تمہارے (اعمال نامہ سے) تمہاری برائیاں ۲؎ اور ہم داخل کریں گے تمہیں عزت کی جگہ میں ۳؎"

۱؎ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کبیرہ وہ گناہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جہنم، غضب، لعنت اور عذاب کا فیصلہ فرمایا ہو۔ ضحاک نے بھی یہی کہا ہے ہر وہ عمل جس پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں حد کی اور آخرت میں عذاب کی دھمکی دی۔

میں یہ کہتا ہوں گناہ کبیرہ کے تین مراتب ہیں (1) پہلا مرتبہ جو سب سے بڑا گناہ کبیرہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ اسی کے ساتھ ہر وہ عمل مل جائے گا جس میں رسول اللہ ﷺ کے پیغام کی تکذیب ہو اور یہ امر دلیل قطعی سے ثابت ہو، خواہ وہ صریح تکذیب ہو اور اس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو، اس کو کفر کہتے ہیں۔ یا اس میں تاویل کی گنجائش ہو، اس کو خواہش نفس اور بدعت کہتے ہیں۔ جس طرح روافض، خوارج، قدریہ، مجسمہ اور ان جیسے لوگوں کے اقوال۔ اسی ضمن میں حضرت علی شیر خدا اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے سب سے بڑا کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہونا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا اور اللہ تعالیٰ کے کرم (۱) سے ناامید ہونا۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ۔ اِنَّهٗ لَا يَايْـــــَٔـسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ

حاشیہ (۱) بزار اور طبرانی نے اوسط میں ابن عباس سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا گناہ کبیرہ کون سے ہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، اللہ تعالیٰ کے کرم سے ناامید ہونا اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہونا۔

دوسرا مرتبہ جس میں بندوں کے حقوق کا اتلاف ہوتا ہے جس طرح جان' مال اور عزت کی پامالی سفیان ثوری نے کہا گناہ کبیرہ وہ ہیں جن میں تیرے اور بندوں کے درمیان مظالم ہوں کیونکہ تیرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو کچھ ہے اس سے یہ امر بڑا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کبیر ہے جو تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے ہر چیز اس کے مقابلہ میں حقیر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ تیری مغفرت میرے گناہوں سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تین دیوان ہیں: ایک دیوان ایسا ہے جس کی اللہ تعالیٰ کوئی پرواہ نہیں کرتا، ایک دیوان ایسا ہے جس میں سے اللہ تعالیٰ کوئی چیز بھی نہیں چھوڑتا، ایک دیوان ایسا جسے اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا۔ وہ دیوان جسے اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا وہ شرک ہے وہ دیوان جس کی اللہ تعالیٰ کوئی پرواہ نہیں کرتا وہ بندے کا اپنے اوپر ان معاملات میں ظلم ہے جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہیں جیسے روزے اور نماز کا ترک، بے شک اللہ تعالیٰ انہیں بخش دیتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے اسے درگزر کرتا ہے وہ دیوان جس میں اللہ تعالیٰ کچھ بھی نہیں چھوڑتا وہ بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم ہے اس میں بدلہ لازمی ہے۔ اسے امام احمد اور حاکم نے روایت کیا۔ طبرانی نے اسی کی مثل حضرت سلمان اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث بیان کی بزار نے اسی کی مثل حضرت انس کی روایت ذکر کی۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز ایک منادی کرنے والا عرش کے اندر سے منادی کرے گا اے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین اور مومنات کو معاف کر دیا تم اپنے حقوق ایک دوسرے کو بخش دو اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اسے بغوی نے روایت کیا(1) حضرت ابو بکرہ سے مروی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر دسویں ذوالحجہ کو خطبہ میں ارشاد فرمایا بے شک تمہارے خون' مال اور عزتیں ایک دوسرے پر حرام کر دی گئیں، جس طرح اس دن کی اس شہر اور مہینے میں حرمت ہے(2) متفق علیہ۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور عمرو بن احوص سے صحیح قرار دیا۔ اسامہ بن شریک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی آدمی پر کوئی حرج نہیں مگر جس نے مسلمان کی عزت کو پامال کیا جبکہ وہ ظالم تھا۔ پس یہ وہ ہے جو نقصان میں رہا اور ہلاک ہو گیا۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ...... فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا میں دو مرتبوں کا بیان ہے جو کفر اور لوگوں پر ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندوں کے اموال اور ان کی جانوں پر ظلم بہت بڑے گناہوں میں سے ہے۔ وہ احادیث جو کبیرہ گناہوں کو شمار کرنے کے بارے میں وارد ہوئیں۔ وہ عموماً بندوں کے حقوق اور شرک کرنے کے بارے میں ہیں۔ انہیں میں سے حضرت انس اور عبد اللہ بن عمر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گناہ کبیرہ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا' والدین کی نافرمانی کرنا' نفس کو قتل کرنا' اور جھوٹی قسم(3) امام بخاری کے ہاں حضرت عبد اللہ کی روایت اور حضرت انس کی روایت میں یمین غموس کی جگہ جھوٹی گواہی ہے متفق علیہ۔ ابن مردویہ نے حضرت انس سے روایت کیا کہ یہ کل سات ہیں اور ان چیزوں کا اضافہ کیا پاکدامن عورت پر تہمت لگانا' یتیم کا مال کھانا' سود کھانا اور میدان جنگ سے فرار اختیار کرنا۔ انہیں میں سے ایک حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ وہ کونسی ہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا' جادو' ناحق کسی انسان کو قتل کرنا' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' میدان جنگ سے بھاگ جانا اور پاکدامن غافل مومن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانا(4) متفق

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 428 (التجاریہ)
2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 235-234 (وزارت تعلیم)
3۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 987 (وزارت تعلیم)
4۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 967 (وزارت تعلیم)

علیہ۔ ایک دوسری روایت میں ابن راہویہ اور دوسرے علماء نے اس چیز کا اضافہ کیا والدین کی نافرمانی کرنا اور بیت اللہ شریف میں بے دینی پھیلانا۔ انہیں میں سے حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا کہ تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے جب کہ اس نے تمہیں پیدا کیا پوچھا پھر کون سا؟ فرمایا اپنی اولاد کو اس لئے قتل کر دینا کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی۔ پوچھا پھر کون سا؟ فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی (1) وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ الآیۃ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہیں کرتے، وہ کسی ایسے نفس کو قتل نہیں کرتے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا مگر حق کیساتھ اور وہ بدکاری نہیں کرتے۔ یہ متفق علیہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پڑوسی کی بیوی کو خاص کر ذکر فرمایا کیونکہ اس میں پڑوسی کے حق کا اتلاف بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرنا دس عورتوں سے بدکاری کرنے سے بڑھ کر ہے۔ اسے امام احمد نے مقداد بن اسود سے روایت کیا۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ طبرانی نے انہیں سے کبیر اور اوسط میں روایت کیا۔

انہیں میں سے ایک حدیث عبد اللہ بن عمرو کی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے والدین کو گالی دے۔ عرض کی وہ اپنے والدین کو گالی کیسے دے گا؟ فرمایا وہ دوسرے آدمی کے والد کو گالی دیتا ہے، جواب میں وہ اس کے والد کو گالی دیتا ہے۔ وہ دوسرے آدمی کی والدہ کو گالی دیتا ہے، جواب میں وہ اس کی والدہ کو گالی دیتا ہے۔ اسے امام بغوی اور دوسرے محدثین نے روایت کیا۔(2)

انہیں احادیث میں سے ایک ابو بکرہ کی حدیث ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو تین بڑے گناہ کبیرہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ لوگوں نے عرض کی کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کیساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، (آپ پہلے ٹیک لگائے ہوئے تھے اٹھ بیٹھے) خبردار اور جھوٹی بات، خبردار اور جھوٹی بات۔ آپ اسے بار بار دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم یہ کہنے لگے کہ کاش آپ خاموش ہو جاتے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔(3)

فائدہ:۔ ذرا تے وقت حضور ﷺ کا جھوٹی بات میں مبالغہ کی وجہ یہ ہے کیونکہ یہ بہت سارے کبائر کو جامع ہے جیسے (1) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا (2) جھوٹی شہادت (3) جھوٹی قسم (4) بہتان لگانا (5) باطل دعویٰ کرنا (6) نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنا لے۔ متفق علیہ (7) غیبت زنا سے بھی بڑھ کر ہے۔ اسے بیہقی نے ابو سعید اور جابر سے مرفوع روایت کیا (8) چغل خوری۔ عبد الرحمن بن غنم اور اسماء سے مرفوع روایت ہے اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سب سے برے چغل خور ہیں۔ اسے امام احمد نے روایت کیا (9) فاسق کی تعریف کرنا۔ حضرت انس سے مرفوع روایت مروی ہے جب فاسق کی تعریف کی جائے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے اور عرش الٰہی اس کی وجہ سے کانپنے لگتا ہے۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا (10) ایسے آدمی پر لعنت کرنا جو لعنت کا مستحق نہ ہو کیونکہ جس آدمی پر لعنت کی جائے اور وہ اس کا مستحق نہ ہو تو لعنت لعنت کرنے والے کی طرف لوٹ آتی ہے۔ اسے امام ترمذی نے حضرت ابن عباس اور ابو داؤد نے حضرت ابن عباس اور ابو درداء سے مرفوع نقل کیا (11) طعن اور فحش گوئی کرنا۔ حضرت ابن مسعود سے مرفوع روایت منقول ہے مومن طعن کرنے والا، لعنت کرنے والا، فحش گوئی کرنے والا اور بے حیائی کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔ ان کے علاوہ بھی کئی اور گناہوں کو جھوٹا قول

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 701 (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 429 (قدیمی) 3۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 362 (وزارت تعلیم)

شامل ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی مجھے دو چیزوں کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ دو چیزوں سے مراد زبان اور شرمگاہ ہے اسے امام بخاری نے سہل بن سعد سے روایت کیا۔ امام مالک اور امام بیہقی نے صفوان بن سلیم سے مرسل روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں ہو سکتا ہے۔ عرض کی گئی کیا بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں۔ عرض کی گئی کیا جھوٹا ہو سکتا ہے؟ فرمایا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تین علامتیں ہیں اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اسے توڑ دے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا اور امام بخاری نے بھی اسی طرح روایت کیا۔
صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے مرفوع روایت ہے جس میں چار خصلتیں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے، یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے، جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، جب جھگڑا کرے تو گالی دے(1) واللہ اعلم۔

تیسرا مرتبہ:۔ یہ وہ گناہ کبیرہ ہیں جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں جیسے بدکاری اور شراب پینا۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عمرو سے روایت کیا کہ ان سے خمر کے بارے میں سوال کیا گیا فرمایا میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا فرمایا یہ سب سے بڑا گناہ ہے اور تمام فواحش کی جڑ ہے جس نے شراب نوشی کی وہ نماز چھوڑ دیتا ہے اور کبھی اپنی ماں، پھوپھی اور خالہ پر جا پڑتا ہے۔ عبد بن حمید نے حضرت ابن عباس سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب ایک بدکار بدکاری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، ایک چور، جب چوری (1) کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، ایک شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، ایک ڈاکو جب ڈاکہ ڈالتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، تم میں سے جب کوئی مال غنیمت سے چوری کرتا ہے تو چوری کرتے وقت مومن نہیں ہوتا، تم اس چیز سے بچو بچو۔ متفق علیہ(2) حضرت ابن عباس سے یہ روایت مروی ہے جب کوئی قاتل قتل کرتا ہے تو قتل کرتے وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔

میں یہ کہتا ہوں بدفعلی بھی زنا ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ...... الآیۃ ڈاکہ مارنا چوری سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کم تولنا چوری کے ساتھ شامل ہے وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ۔ خیانت بھی بڑی خباثت ہے اور یہ نفاق کی علامت ہے۔ اس باب میں سب سے بڑا گناہ وہ ہے جسے کرنے والا حقیر جانتا ہے اور آسان خیال کرتا ہے کیونکہ گناہ کو حقیر جاننا اگرچہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو بخشش سے دور کر دیتا ہے اور سرکشی پر دلالت کرتا ہے۔ بعض اوقات اسے کفر تک لے جاتا ہے اور جو چھوٹے گناہ کو بڑا خیال کرے، اس سے ڈرے وہ بخشش کا مستحق ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن گناہ کو یوں خیال کرتا ہے گویا پہاڑ اس کے سر پر آن پڑا ہو اور منافق گناہ کو یوں خیال کرتا ہے جس طرح اس کے ناک پر مکھی بیٹھی ہو کہ اس کی طرف اشارہ کیا اور وہ اڑ گئی۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ فرمایا تم ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہارے نزدیک بال سے بھی باریک ہیں جب کہ ہم انہیں رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہلاک کرنے والے اعمال میں شمار کرتے تھے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا اور امام احمد نے صحیح سند سے اسی

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 56 (قدیمی)   2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 55 (مختصراً) (قدیمی)

(1) چوری، خیانت اور تول میں کمی کرنا دوسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

کی مثل روایت کیا اس تحقیق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس نے گناہ کبیرہ کو سات کے عدد میں محصور کیا اس نے غلطی کی کیونکہ گناہ صغیرہ (۱) اصرار اور حقیر جاننے کے ساتھ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت نقل کی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کیا گناہ کبیرہ کل سات ہیں؟ فرمایا سات کے قریب ہیں مگر استغفار کے ساتھ کوئی کبیرہ نہیں اور اصرار کی صورت میں کوئی صغیرہ نہیں۔ فرمایا ہر وہ عمل جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے وہ کبیرہ ہے۔ ان میں سے انسان کوئی بھی عمل کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرنی چاہئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کا کوئی فرد بھی ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل نہیں کرے گا مگر اسے ہی جو اسلام سے پھر جائے یا کسی فرض کا انکار کر دے یا تقدیر کی تکذیب کرے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس کا فرمان ہے کہ استغفار کی صورت میں کوئی گناہ کبیرہ نہیں تو اس کبیرہ سے وہ گناہ مراد ہے جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتا ہے مگر جو حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے تو اس میں مظالم کو ختم کرنا اور مظلوم کو راضی کرنا ضروری ہے۔

فائدہ:۔ تمام تر معاصی کی بنیاد دل کی سختی ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل ہونے کا سبب ہے اور نفس کے رذائل ہیں جو درندگی اور حیوانی شہوات کے داعی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، جب وہ تندرست ہو جائے تو سارا جسم تندرست ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ خبردار وہ دل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ ...... فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ معاصی سے بچاؤ اس وقت تک متصور نہیں ہو سکتا جب دائمی حضور قلب، دل اور نفس کی صفائی نہ ہو۔ یہ چیزیں مشائخ کے وسیلہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جذب سے ہی ممکن ہیں۔ اس لئے ان مشائخ کی صحبت واتباع کو لازم پکڑو کیونکہ یہ وہ قوم ہیں جن کا ہم نشین بد بخت نہیں ہو سکتا اور ان سے محبت کرنے والا خائب وخاسر نہیں ہو سکتا۔

فائدہ:۔ جو یہ بات کہی جاتی ہے کہ بندہ ایسے مقام پر بھی فائز ہو جاتا ہے جہاں اسے گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔ اسکا یہ معنی نہیں کہ بعض لوگوں سے امور شرعیہ ساقط ہو جاتے ہیں اور ان کے لئے محرمات مباح ہو جاتی ہیں کیونکہ یہ تصور کرنا کفر محض اور زندیقی ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک انسان کا دل اور نفس جب پاک ہو جاتے ہیں تو جب تک حضوری نصیب رہتی ہے ان سے شاذ و نادر ہی گناہ صادر ہوتے ہیں اور جب بھی ان سے کبیرہ اور صغیرہ گناہ صادر ہوتا ہے اسے عظیم خیال کرتے ہیں، شرمندگی کا اظہار کرتے ہیں اور غمگین ہوتے ہیں۔ گویا ان کا نفس، گھر والے مال اور اولاد سب ہلاک ہو گئے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ شرمندگی، توبہ اور غمگین ہونا ان کے درجات کی بلندی اور نزول رحمت کا سبب ہوتی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں اللہ تعالیٰ جن کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔

عارف رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صبح کی نماز کے لئے شیطان کی طرف سے جگانے کا واقعہ ذکر کیا اس قصہ کی سند پر اگرچہ میں بذات خود مطلع نہیں ہو سکا، لیکن محض فرض کرتے ہوئے تمثیل کے لئے کافی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم تمہاری جگہ لے آتا جو گناہ کرتی اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتی۔ پس اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا۔ گویا یہ حدیث اس حالت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

۱۔ سیئات سے مراد چھوٹے گناہ ہیں، جس طرح بری نظر دیکھنا، چھونا، بوسہ لینا اور ان کے مشابہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا آنکھیں بدکاری کرتی ہیں ہاتھ بدکاری کرتے ہیں، اور پاؤں بدکاری کرتے ہیں۔ شرمگاہ تو ان کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب کرتی ہے۔ ان

(۱) امام ترمذی اور ابن حاتم نے ابن عباس سے اور ابن عباس نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ بغیر عذر کے دو نمازوں کو جمع کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ اس طرح ابن ابی شیبہ نے حضرات عمر، ابوموسیٰ اور ابوقتادہ سے اقوال نقل کئے ہیں۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ

تمام گناہوں کو نماز، روزہ اور اذکار مٹا دیتے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ، کیونکہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پانچوں نمازیں ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک، ایک رمضان دوسرے رمضان تک درمیان میں وقوع پذیر ہونے والے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں، جب وہ کبیرہ گناہ سے اجتناب کرے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔(1)

؎ نافع نے مجرو سے مدخلا پڑھا ہے۔ اسی طرح حج میں بھی مدخلا پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے متن کے مطابق پڑھا ہے۔ دونوں قراءتوں کی بناء پر یہ مکان کا احتمال رکھتا ہے۔ پس یہ مفعول بہ ہوگا اور مصدر کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ اس صورت میں مفعول بہ محذوف ہے۔ دونوں صورتوں میں معنی اس طرح ہوگا، یعنی ہم تمہیں خوبصورت جنت میں داخل کریں گے یا تمہیں جنت میں اچھی طرح داخل کریں گے واللہ اعلم۔

مجاہد نے کہا ام سلمہ نے کہا یا رسول اللہ بے شک مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم جہاد نہیں کرتیں۔ ان کے لئے وراثت میں ہم سے دوگنا ہے۔ اگر ہم بھی مرد ہوتیں ہم بھی اسی طرح جہاد کرتیں جس طرح وہ کرتے ہیں اور جو وہ میراث لیتے ہم بھی اتنی ہی وراثت لیتیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اسے امام ترمذی اور حاکم نے ام سلمہ سے روایت کیا۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۝

"اور نہ آرزو کرو؎ اس چیز کی بزرگی دی ہے اللہ نے جس سے تمہارے بعض کو بعض پر؎ مردوں کیلئے حصہ ہے؎ اس سے جو انہوں نے کمایا؎ اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے کمایا؎ اور مانگتے رہو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم کو؎ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے؎"

؎ ایک قول یہ کیا گیا جب اللہ تعالیٰ نے وراثت میں عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کا دوگنا حصہ رکھا تو عورتوں نے عرض کی ہم مردوں کے مقابلہ میں زیادتی کی زیادہ حقدار اور ضرورت مند تھیں کیونکہ ہم کمزور اور مرد قوی اور ذریعہ معاش کی تلاش میں زیادہ قدرت رکھنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ قتادہ اور سدی نے کہا جب اللہ تعالیٰ نے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ تو مردوں نے کہا ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمیں آخرت میں بھی نیکیوں میں فضیلت دی جائے گی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

؎ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقسیم کی وجہ سے ہے جو حکمت و تدبیر سے صادر ہوئی آرزو حسد کی طرف لے جاتی ہے جو کچھ فائدہ نہیں دیتی بلکہ جو انسان کو اپنی استطاعت کے مطابق نیکیاں حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنی چاہئے کیونکہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے قرب کا باعث اور دار آخرت میں فضیلت کا باعث ہوگی۔

؎ مردوں کا مال، ثواب اور فضل کا حصہ اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھا ہوا ہے۔

؎ جو انہوں نے اعمال کئے جیسے جہاد اور وہ عبادات جو ان کے ساتھ خاص ہیں اور جو خاص نہیں ان کے باعث مذکورہ چیزوں اور اس کے علاوہ غنیمت، وراثت اور تجارت میں حصہ موجود ہے۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 122 (قدیمی)

۵ عورتوں نے جو خاوندوں کی اطاعت کی' بچوں کی پرورش کی' عزت اور ناموس کی حفاظت کی ان کے علاوہ جو امور ان کے ساتھ خاص ہیں یا ان کے ساتھ خاص نہیں جیسے عبادات ان کی وجہ سے ان کے لئے مہر' نفقات' وراثت اور دوسری چیزیں ان کے لئے مقدر ہیں۔

۶ اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت میں زیادہ ثواب کا سوال کرنا چاہئے (۱) کیونکہ اس کے خزانے ختم نہیں ہوتے' کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بدلے میں دس سے لے کر سات سو گنا تک یا اس سے بھی زیادہ جتنا چاہتا ہے بدلہ عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں کمائی میں برکت عطا فرماتا ہے اور رزق میں بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرماتا ہے تو کچھ فائدہ نہیں دیتی اور حسد جائز نہیں ہوتا۔ ابن کثیر اور کسائی نے وَسَلُوْا پڑھا ہے۔ اسی سے سل اور فسل امر حاضر کے صیغے پڑھے جب اس سے پہلے فاء یا واؤ ہو کیونکہ ہمزہ کی حرکت نقل کر کے سین کو دی اور ہمزہ کو حذف کر دیا حمزہ نے وقف میں اصل پر پڑھا ہے اور باقی قراء نے سین کو سکون کے ساتھ مہموز کے ساتھ پڑھا ہے۔

۷ جو انسان جس فضیلت کا مستحق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے آگاہ ہے۔ یہ علم اس بات کا بھی متقاضی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو جس فضیلت سے نوازا ہے۔ اس کی استعداد بھی اسے عطا فرمائی اور استعداد اللہ تعالیٰ کے علم اجمالی کا پرتو ہے جس طرح صوفیاء کرام نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَ الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾

"اور ہر ایک کے لئے ۱ بنا دیئے ہیں ہم نے وارث اس مال سے جو چھوڑ جائیں ۲ ماں باپ اور قریبی رشتہ دار ۳ اور وہ لوگ جن سے بندھ چکا ہے تمہارا عہد و پیمان ۴ تو دو انہیں ان کا حصہ ۵ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرمانے والا ہے ۶"

۱ یہاں کل کا مضاف الیہ محذوف ہے اور جار مجرور مابعد کے متعلق ہے۔

۲ یعنی ہم نے ہر مال اور میت کے وارث بنا دیئے ہیں جو مال کی حفاظت کرتے ہیں اور میت کے وارث بنتے ہیں۔ مما ترک جار مجرور ظرف مستقر ہے' یعنی محذوف شبہ فعل کے متعلق ہے اور پھر مال کی صفت ہے۔ یہ پہلی تعبیر کی صورت میں ہے۔ عامل سے جدائی کی صورت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس میں صرف اس کا مقدم ہونا ضروری ہوتا ہے اور دوسری تقدیر کی صورت میں یہ ظرف لغو ہے اور فعل مقدر کے متعلق ہے جس پر موالی کا لفظ دلالت کرتا ہے اور وہ فعل موالی کی صفت ہوگا۔

۳ پہلی تقدیر کی صورت میں یہ ترک فعل کا فاعل ہے اور دوسری تقدیر کی صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی هُمُ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ۔ یہ بھی کہنا جائز ہے کہ لکل خبر ہو اور جَعَلْنَا مَوَالِيَ صفت ہو صفت میں ضمیر عائد محذوف ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان مِمَّا

---

(۱) امام ترمذی نے ابن مسعود سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔ ابن جریر نے صحابہ میں سے ایک سے نقل کیا اس کا نام نہیں لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو کیونکہ وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔ بہترین عبادت فراخی کا انتظار ہے۔ امام احمد نے حضرت انس سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ سے تین دفعہ جنت کا سوال نہیں کرتا کہ جنت اللہ تعالیٰ سے عرض کرتی ہے کہ اے اللہ اسے جنت میں داخل کر دے۔ کوئی مسلمان جہنم سے چھٹکارے کی تین دفعہ اللہ تعالیٰ سے التجا نہیں کرتا مگر جہنم کہتی ہے اے اللہ اسے جہنم سے پناہ دے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے وَاسْئَلُوا مِنْ فَضْلِهٖ کے بارے میں نقل کیا دعا عبادی امور میں سے نہیں بلکہ خود عبادت ہے۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ۔

تَرَكَ الْوَالِدَانِ ...... یہ مبتدا محذوف کی صفت ہو۔ تقدیر کلام یوں ہوگی لِكُلِّ جَمَاعَةٍ مِّنْ وَرَثَةٍ جَعَلْنَا۔

ے الَّذِيْنَ (۱) کا عطف الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ پر ہے۔

ے یہ سابقہ جملہ کا بیان ہے یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول مبتدا ہو جو اپنے ضمن میں شرط کا معنی لئے ہوئے ہے اور فاتوھم اس کی خبر ہو۔ یہ بھی جائز ہے اسم موصول فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہو جس کا مابعد اس کی تفسیر بیان کر رہا ہے۔ جس طرح اس مثال میں ہے زیدًا فَاضْرِبْهُ لیکن دوسری تاویل کی صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ خبر جملہ طلبیہ واقع ہو اعتماد علی شرط تفسیر کی صورت میں ترکیب اختصاص کا فائدہ دیتی ہے۔ یہاں کوئی اختصاص نہیں۔ زیادہ مناسب پہلی تاویل ہے اور اقربون پر وقف کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ سے منقول نہیں۔ وہ تاویل امام ابوحنیفہ کے مذہب کے منافی ہے کیونکہ آپ کے نزدیک مولی اعلیٰ تمام ترکہ یا جو باقی بچے اس کا وارث ہوتا ہے جبکہ مولیٰ اسفل وارث نہیں ہوتا۔ یہ صورت اس وقت ہوتی ہے جب میاں بیوی کو حصہ دے دیا جائے اور میت کا کوئی عصبہ اور نسبی صاحب فرض اور نہ کوئی ذی رحم محرم ہوتا ہے اور جب ان میں سے کوئی ایک بھی پایا جائے تو بالاجماع مولی اس کی کوئی میراث نہیں ہوتی۔

جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم دور جاہلیت اور ابتداء اسلام میں تھا اور حلیف کا چھٹا حصہ تھا۔ پھر یہ حکم اس ارشاد کے ساتھ منسوخ ہو گیا وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ جمہور کے نزدیک موالات کی صورت میں مولی کسی چیز کا وارث نہیں ہوگا بلکہ وارث نہ ہونے کی صورت میں ترکہ بیت المال کے لئے ہوگا۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ نسخ اس وقت متحقق ہوتا ہے جب تعارض پایا جائے۔ یہاں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اولوا الارحام میں حلیف کی وراثت کی نفی پر کوئی دلیل نہیں۔

---

(۱) ابوداؤد نے ناسخ میں داؤد بن حصین سے نقل کیا ہے میں ام سعد بنت ربیع کو قرآن سناتا تھا جنہوں نے چھوٹی عمر میں یتیم ہونے کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق کے ہاں پرورش پائی۔ میں نے جب یہ آیت یوں تلاوت کی وَالَّذِيْنَ عَاقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ تو فرمایا ایسے نہیں بلکہ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ۔ فرمایا یہ حضرت ابوبکر اور ان کے بیٹے کے حق میں نازل ہوئی۔ جب عبدالرحمٰن نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکر نے قسم اٹھائی کہ وہ اسے وارث نہیں بنائیں گے۔ جب عبدالرحمٰن مسلمان ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وراثت میں انہیں حصہ دیں۔ میں کہتا ہوں اس تاویل کی بناء پر اس آیت میں باہم معاہدہ کرنے والوں کا کوئی ذکر نہیں۔ عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے ابو مالک سے روایت کیا ہے کہ دور جاہلیت میں ایک آدمی ایک برادری کے پاس آتا۔ قبیلہ والے اس اجنبی سے معاہدہ کر لیتے کہ وہ ان کی قوم کا ایک فرد ہوگا۔ ہر دکھ، خوشی اور دیت کے معاملے میں وہ ان میں ایک قبیلہ کے فرد کی طرح ہوگا۔ وہ اپنی طرف سے اسے وہی چیز پیش کرتے جو اس سے لیتے تھے۔ جب بھی جنگ ہوتی تو کہتے اے فلاں تو ہم میں سے ہے۔ پس ہماری مدد کر اگر اسے کوئی منفعت ہوتی تو کہتے ہمیں عطا کر تو ہم میں سے ہے۔ جب وہ مدد طلب کرتا تو اس کی اس طرح مدد نہ کرتے جس طرح اپنوں کی مدد کرتے۔ اگر اسے کوئی مصیبت آ جاتی تو کوئی کچھ دے دیتا اور کوئی نہ دیتا۔ جس طرح اس سے لیتے اس طرح اسے نہ دیتے۔ ایسے لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی ان معاہدوں کی وجہ سے وہ پریشان تھے۔ گزارش کی ہم نے دور جاہلیت میں معاہدہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ یعنی انہیں بھی اسی طرح دو جس طرح تم ان سے لیتے ہو۔ دونوں نے ایک اور سند سے ابو مالک سے روایت کیا فرمایا وہ ایک قوم کا حلیف ہوتا تھا جو لوگوں سے اپنے معاملہ میں حاضری اور مشورہ طلب کرتا۔ عبد بن حمید اور ابن جریر نے ابن عمرو سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے روز فرمایا دور جاہلیت کے معاہدے پورے کرو کیونکہ اللہ ان میں مضبوطی پیدا فرماتا ہے۔ دور اسلام میں نئے معاہدے نہ کرو۔ امام احمد اور مسلم نے جبیر بن مطعم سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسلام میں کوئی معاہدہ نہیں جو معاہدہ دور جاہلیت میں تھا اسلام اس کی قوت میں اضافہ کرتا ہے۔ عبد بن حمید نے ابن عباس سے مرفوعاً نقل کیا ہے فرمایا ہر وہ معاہدہ جو دور جاہلیت میں تھا اسلام صرف اس کی سختی میں اضافہ کرتا ہے۔ عبدالرزاق اور عبد بن حمید نے زہری سے نقل کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام میں کوئی معاہدہ نہیں۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ۔

صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت حلیف کے وارث بننے کی نفی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ آیت کا آخری حصہ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا اس امر میں صریح ہے کہ موالی کے حق میں وصیت ضروری ہے اور وصیت کے بغیر ان کے لئے کچھ بھی نہیں مگر امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ حلیفوں کی وراثت ذوی الارحام میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے بھی منسوخ ہے۔ ہم یہی کہتے ہیں ذوی الارحام نہ ہونے کی صورت میں ان کی وراثت کا حکم باقی ہے۔ کیسے نہ ہو اس کا مال اس کا حق ہے وہ جس طرح چاہے اس کو صرف کرے (۱) بیت المال کے حوالے مال اس وقت کیا جائے گا جب مستحق نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ بیت المال خود حقدار ہے جس طرح امام شافعی فرماتے ہیں کیونکہ بیت المال کے وارث مجہول ہیں اور مجہول مستحق نہیں بن سکتا۔

مسئلہ:۔ مولی اسفل (جو باہر سے آکر کسی سے معاہدہ کرے اور پناہ لے) وہ مولی اعلیٰ (جس کی پناہ لی گئی ہو اور اس کے ساتھ معاہدہ کیا گیا ہو سے اپنی دوستی' معاہدہ ختم کر سکتا ہے جب تک کہ اس کی طرف سے دیت نہ دی گئی ہو کیونکہ یہ عقد لازم نہیں اور اس کا مقام وصیت جیسا ہے۔ اسی طرح مولی اعلیٰ کو بھی حق ہے کہ اس کی ولاء (معاہدہ) سے براءت کا اظہار کر دے کیونکہ یہ چیز لازم نہیں ہوتی مگر اس معاہدہ کو توڑنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دوسرا فریق بھی مجلس میں موجود ہو جس طرح وکیل کو معزول کیا جائے تو اس کو اطلاع کرنا ضروری ہوتا ہے مگر جب مولی اسفل پہلے کی عدم موجودگی میں کسی غیر کے ساتھ معاہدہ کرنے تو پہلے کی ولاء ساقط ہو جاتی ہے۔ جب اعلیٰ نے اسفل کی طرف سے دیت دی ہو اس صورت میں غیر سے ایسا معاہدہ کرنا جائز نہیں۔

۱؎ ان کا حصہ روکنے پر ڈرایا جارہا ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تا کہ خاوند کے خلاف دعویٰ کرے کہ اس نے اسے طمانچہ مارا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قصاص لازم ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

"مرد محافظ و نگران ہیں عورتوں پر ۱؎ اس وجہ سے فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر ۲؎ اور اس وجہ سے کہ مرد خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں سے (عورتوں کی ضرورت اور آرام کے لئے) ۳؎ تو نیک عورتیں اطاعت گزار ہوتی ہیں حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں (مردوں کی) غیر حاضری میں اللہ کی حفاظت سے ۴؎ اور وہ عورتیں اندیشہ ہو تمہیں جن کی نافرمانی کا ۵؎ تو (پہلے نرمی سے) انہیں سمجھاؤ اور پھر الگ کر دو انہیں خواب گاہوں سے ۶؎ اور (پھر بھی باز نہ آئیں) تو مارو انہیں ۷؎ پھر اگر وہ اطاعت کرنے لگیں تمہاری تو نہ تلاش کرو ان پر (ظلم کرنے کی) راہ ۸؎ یقیناً اللہ تعالیٰ (عظمت و کبریائی میں) سب سے بالا سب سے بڑا ہے ۹؎ "

(۱) زندگی میں اس نے ان سے معاہدہ کیا تھا، جبکہ شرعی حکم اس کے معارض نہیں تو مناسب یہی ہے کہ انہیں حصہ دیا جائے۔

1 جب آیت نازل ہوئی تو وہ عورت بغیر قصاص کے واپس آ گئی۔ ابن ابی شیبہ اور ابوداؤد نے مراسیل میں اس کا ذکر فرمایا۔ ابن جریر نے حسن بصری سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ ثعلبی اور واحدی نے بھی اسے روایت کیا۔ امام بغوی نے بھی اسی طرح ذکر کیا کہ یہ آیت سعد بن ربیع کے حق میں نازل ہوئی۔ وہ نقیبوں میں سے ایک تھے۔ ان کی ایک بیوی کا نام حبیبہ بنت زید تھا۔ یہ مقاتل کا قول ہے۔ کلبی نے کہا اس کی بیوی محمد بن مسلمہ کی بیٹی تھی۔ اس نے سعد بن ربیع اپنے خاوند کی نافرمانی کی تو انہوں نے بیوی کو طمانچہ مارا ان کے والد اسے لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے، عرض کی یارسول اللہ آپ نے میری بیٹی سعد بن ربیع کو دی تو اس نے میری بیٹی کو طمانچے مارے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تو اس سے قصاص لے لے۔ پھر فرمایا واپس چلے جاؤ، یہ جبرائیل امین میرے پاس تشریف لائے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو مجھ پر نازل کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہم نے ایک امر کا ارادہ کیا، اللہ تعالیٰ نے ایک اور چیز کا ارادہ کیا، اللہ تعالیٰ کا ارادہ بہتر ہے اور قصاص کو معاف فرما دیا(1) ابن مردویہ نے حضرت علی شیر خدا سے روایت کیا کہ ایک انصاری ایک عورت کو لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ عورت نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ اس نے مجھے مارا ہے اور میرے چہرے کو نشان زدہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے ایسا کا حق نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ مرد عورتوں پر یوں غالب ہیں جس طرح حاکم رعیت پر وہ ان کو ادب سکھانے کے ذمہ دار ہیں۔ مردوں کو قوام اسی لئے کہا گیا۔ قوام اور قیم کا معنی ایک ہی ہے، تاہم قوام قیم سے بلیغ ہے۔ یہ وہ شخص ہوتا ہے جو مصالح، تدبیر اور تادیب کا خیال رکھتا ہے۔ اس کی علت دو امور سے بیان کی گئی ہے، ایک عطائی اور دوسری کسبی۔

2 کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فضیلت دی مردوں کو عورتوں پر خلقت میں فضیلت دی جیسے کامل عقل دیا، حسن تدبیر سے نوازا، علم و جسم میں وسعت عطا فرمائی اعمال کو بروئے کار لانے اور استعداد و صلاحیت میں زیادتی بخشی۔ اسی وجہ سے انہیں نبوت، امامت، ولایت، قضا، حدود و قصاص اور دوسرے معاملات میں گواہ بنایا اور ان پر جہاد، جمعہ، عیدین کو واجب کیا الغرض خطبہ، جماعت وراثت میں زیادہ حصہ، نکاح میں مالک، کئی عورتوں سے نکاح، طلاق کا اختیار، اسی طرح نماز اور روزہ میں بغیر انقطاع کے کمال کی صلاحیتیں بخشیں۔ یہ وہبی امر ہے۔ اسی وجہ سے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں کسی انسان کو کسی انسان کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورت کو خاوند کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیتا(2) اسے امام احمد نے حضرت معاذ سے اور حضرت عائشہ سے اسی کی مثل روایت کیا۔ امام ترمذی نے ابوہریرہ اور ابوداؤد نے قیس بن سعد سے روایت کیا۔

3 یعنی مہر اور لازمی اخراجات خرچ کرتے ہیں۔ یہ امر کسبی ہے پھر عورتوں کو دو قسموں پر تقسیم کیا پہلی قسم یہ ہے۔

4 وہ اپنے خاوندوں کے حقوق کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والی ہوتی ہیں جن چیزوں کی حفاظت کرنا واجب ہے ان کی حفاظت کرتی ہیں جیسے شرمگاہیں، خاوندوں کے مال اور ان کے راز یہاں غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو دوسرے لوگوں سے پوشیدہ ہوں جیسے خاوندوں کے راز اور ان کے مخفی خزانے۔ لام حفظت کا صلہ ہے۔ ابن جریر نے طلحہ بن مطرف سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود کی قرأت میں ہے فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ فَاَصْلِحُوْا اِلَیْهِنَّ۔ سدی سے یہ نقل کیا ہے فَاَحْسِنُوْا اِلَیْهِنَّ۔ ابوجعفر نے اسم جلالہ کو منصوب پڑھا ہے۔ اس صورت میں ما موصولہ ہوگا اور فعل میں فاعل ضمیر ہوگی جو ما کی طرف لوٹے گی۔ معنی یہ ہوگا اس امر کے باعث جو اللہ تعالیٰ کے حق یا اس کی اطاعت کی حفاظت کرے وہ پاکدامنی اور شفقت ہے۔ عام قراء

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 432 (التجاریہ) 2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 138 (وزارت تعلیم)

نے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ اس صورت میں ما یا تو مصدر یہ ہے۔ معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے انہیں غیب کی حفاظت کا حکم دے کر اور اس کی توفیق عطا کر کے ان کی حفاظت کی یا یہ معنی کیا جاتا ہے کہ عورتوں کی طرف حفاظت کی نسبت کسب کے اعتبار سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلق کے اعتبار سے ہے اور پیدا کرنا کسب کا سبب ہوتا ہے۔ یا ما موصولہ ہوگا۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے مردوں پر مہر نفقہ ان کی ضروریات کا خیال رکھنا اور ان کی حفاظت کو لازم کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین (۱) عورت وہ ہے جب تو اسے دیکھے تو وہ تجھے خوش کر دے تو اسے حکم دے تو تیری اطاعت کرے، جب تو اس سے غائب ہو تو تیرے مال اور اولاد کی حفاظت کرے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔ اسے امام بغوی نے روایت کیا(1) ابن جریر نے مالِکَ وَ نَفْسِھَا کے الفاظ ذکر کئے ہیں۔ نسائی، حاکم اور بیہقی نے شعب الایمان میں انہیں سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کونسی عورت بہترین ہے؟ فرمایا جب وہ اسے دیکھے تو وہ خوش کر دے، جب حکم دے تو اس کی اطاعت کرے، جو مرد کو پسند نہیں ان میں وہ مرد کی مخالفت نہ کرے جیسے مال و اولاد۔ ایک روایت میں تحفظ فی نفسھا و مالہ کے الفاظ ہیں۔ سیوطی نے کہا حدیث کے اکثر طرق میں فی نفسھا و مالھا کے الفاظ ہیں۔ اسی طرح ابن ماجہ نے ابی امامہ کی حدیث نقل کی ہے۔ بعض طرق میں فی نفسھا و مالہ کے الفاظ ہیں طیبی نے کہا مالھا سے مراد خاوند کا مال ہے۔ مال کی نسبت عورت کی طرف کرنے کی وجہ یہ ہے کیونکہ قریبی تعلق ہوتا ہے اور وہی اس میں تصرف کرتی ہے۔ حضرت انس سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت جب پانچ نمازیں پڑھے رمضان کے روزے رکھے اپنی عزت کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے، وہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو ابونعیم نے اسے حلیہ میں روایت کیا۔ حضرت ام سلمہ سے مرفوع روایت مروی ہے جو عورت فوت ہو جائے اور اس کا خاوند اس سے راضی ہو وہ جنت میں داخل ہوگی(2) اسے امام ترمذی نے روایت کیا دوسری قسم کی عورتیں یہ ہیں۔

۵ نشوز سے مراد نافرمانی اور تکبر ہے۔ نشوز کا اصل معنی بلند ہونا ہے۔ اس سے ایک لفظ نشز ہے جس کا معنی ہے بلند جگہ ایک قول یہ کیا گیا تخافون کا معنی تعلمون ہے۔ قاموس میں خوف کا معنی علم بھی ہے۔ اسی سے یہ بھی ارشاد ہے وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ نشوز کے خوف سے مراد اس کا ہمیشہ کے لئے نافرمانی کا خوف ہو، تاہم جب تک نافرمانی کا ظہور نہ ہو اس وقت تک سزا جائز نہیں۔ میں یہ کہتا ہوں نشوز کا صرف خوف وعظ کے لئے کافی ہے۔

۶ زبانی نصیحت کرو، یعنی اللہ تعالیٰ کی پکڑ مارنے اور علیحدگی کی سزا سے ڈراؤ۔ جب انہیں نصیحت کام نہ دے تو ان کے بستروں پر نہ جاؤ۔ یہ حقوق زوجیت ادا کرنے سے کنایہ ہے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ بستر میں اس کی طرف پشت کرے۔ یہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 433 (التجاریہ) 3۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 138 (وزارت تعلیم)

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد اچھے اخلاق والی، محبت کرنے والی اور بچے جننے والی بیوی پالے تو اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرنے کے بعد بداخلاق اور ترش زبان والی عورت پائے تو اس سے بڑھ کر مصیبت کوئی نہیں۔ حضرت عمر سے ہی مروی ہے فرمایا عورتیں تین طرح کی ہیں (۱) پاکدامن، اطاعت شعار، نرم خو، محبت کرنے والی، بچے جننے والی جو حادثات زمانہ کے خلاف اپنے خاوند کی مدد کرتی ہیں، مصائب میں اضافہ نہیں کرتیں۔ ایسی عورتیں تو کم ہی پائے گا۔ (۲) دوسری عورتیں وہ ہیں جو صرف بچے ہی جنتی ہیں۔ (۳) تیسری عورتیں وہ ہیں جو کینہ پرور اور چھڑی نما، اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے اس کے گلے میں ڈال دیتا ہے، جب گلو خلاصی کا ارادہ کرتا ہے تو چھٹکارا دے دیتا ہے۔ اسے ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے نقل کیا۔ از مؤلف رحمۃ اللہ

فی المضاجع فرمایا ہے عن المضاجع نہیں فرمایا۔

۴ اگر ہم بستری نہ کرنا بھی نفع نہ دے تو انہیں مارو۔ اکثر مفسرین نے یہ کہا کہ اس سے مراد ایسا مارنا ہے جو زیادہ تکلیف نہ دے۔ مفسرین نے یہ قید اس لئے لگائی کیونکہ امام مسلم نے حضرت جابر سے حجۃ الوداع کے قصہ میں یہ روایت کی کہ حضور ﷺ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امان کے ساتھ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کیا۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ایسے آدمی کو نہ بٹھائیں جو تمہارے لئے ناپسند ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مارو لیکن وہ خفیف ہو شدید نہ ہو۔ ان کا تمہارے اوپر یہ حق ہے۔ تم انہیں اچھے طریقے سے رزق اور لباس دو۔ میں یہ کہتا ہوں یہ خبر واحد ہے مطلق کتاب اللہ کو اس سے مقید کرنا جائز نہیں۔ کتاب اللہ کا اطلاق اور اس کا سیاق اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کے ساتھ معاملہ اس کے جرم کے مطابق ہو۔ اگر اس سے نافرمانی کا خوف یوں ہو کہ اس سے درشتگی کے آثار نمایاں ہوں تو اسے نصیحت کرے، اگر وہ نافرمانی کی علامات کو ظاہر کرنے لگے تو اس سے بستر الگ کرے، اگر اسی طرز عمل پر اصرار کرے تو اس کی نافرمانی کے مطابق اسے مارے، اگر وہ بدکاری کا ارتکاب کرے، فرض نماز، رمضان کے روزے، جنابت اور حیض کا غسل چھوڑے تو اسے مارے اور ان چیزوں سے روکنے کے لئے جتنا مناسب سمجھے اسے محبوس رکھے، اگر اس کی نافرمانی اس سے کم درجہ کی ہو اور وہ اصرار بھی کرے وہ وعظ اور بستر علیحدہ کرنے سے بھی نہ رکے تو اسے خفیف سا مارے۔

۵ اگر وہ ابتداء سے ہی تمہاری اطاعت کریں یا نشوز کے بعد اطاعت کریں اور نافرمانی سے توبہ کرلیں تو تم ظلم کی راہ تلاش نہ کرو۔ کہتے ہیں بغوت الامر جب تو اسے طلب کرے۔ سبیلا تبغوا کا مفعول بہ ہے، یعنی ان میں جو نشوز پایا جارہا ہے اس سے توبہ کے بعد تم ان سے یوں رویہ رکھو گویا ان میں یہ چیز موجود نہ تھی کیونکہ گناہ سے تائب ایسے ہی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔

۶ تم ان پر ظلم نہ کرو جو تمہارے زیر نگیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو بلند ہے بڑا ہے، کیونکہ جو تمہارے زیر دست ہیں ان پر تمہاری قدرت سے زیادہ قدرت رکھتا ہے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی بلند شان کے باوجود تمہاری سیئات سے درگذر کرنے والا ہے، تمہاری توبہ قبول فرماتا ہے، تو تمہیں عورتوں کے معاملہ اپنے حقوق معاف کردینے چاہئیں۔ حضرت عبداللہ بن زمعہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی اپنی عورت کو غلاموں کی طرح نہ مارتا ہے پھر پچھلے پہر اس سے ہم بستری کررہا ہو متفق علیہ۔(1)

حکیم بن معاویہ قشیری اپنے والد سے نقل کرتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہماری بیویوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟ فرمایا جب وہ کھانے کی خواہش کرے تو مرد اسے کھانا کھلائے، جب وہ لباس طلب کرے تو یہ اسے لباس عطا کرے، اس کے منہ پر نہ مارے اس کی قباحت کا اظہار نہ کرے اور نہ ہی اس سے الگ تھلگ ہو مگر گھر میں ایسا کرے(2) اسے امام احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ایاس بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی باندیوں کو نہ مارو تو حضرت عمر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی عورتیں خاوندوں کی نافرمان ہوجائیں گی تو حضور ﷺ نے انہیں مارنے کی اجازت دی۔ تو رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے پاس کثیر عورتیں آنے لگیں جو اپنے خاوندوں کی شکایت کرتیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کثیر عورتیں ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئیں جو اپنے خاوندوں کی شکایت کرتی ہیں۔ ایسے لوگ تم میں سے اچھے نہیں(3) اسے ابوداؤد

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 784 (وزارت تعلیم)　2۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 134۔ ایضاً　3۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 292، باب النکاح۔ ایضاً

ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں سے حسن سلوک کرنے والا ہو، میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم میں سے بہترین ہوں (1) اسے امام ترمذی اور دارمی نے روایت کیا اور اسے ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا۔

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ﴿۳۵﴾

"اور اگر خوف کرو تم نا چاقی کا ان کے درمیان [1] تو مقرر کرو ایک پنچ مرد کے کنبہ سے اور ایک پنچ عورت کے کنبہ سے [2] اگر وہ دونوں (پنچ) ارادہ کریں گے صلح کرانے کا تو موافقت پیدا کر دے گا اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان [3] بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا اور ہر بات سے خبردار ہے [4]"

[1] اے حکام اگر تمہیں خوف ہو شقاق کا معنی دشمنی اور اختلاف ہے کیونکہ دشمنوں میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو اسے تکلیف دے یا ایسے پہلو کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے جس کی طرف اس کا دوسرا ساتھی جھکاؤ نہیں رکھتا۔ هما سے مراد میاں بیوی ہیں۔ میاں بیوی کا پہلے صراحۃً ذکر نہیں پھر بھی ضمیر ذکر کی جو ان کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ اس چیز کا ذکر ہوتا رہا ہے جو اس پر دال ہے وہ نشوز ہے کیونکہ نشوز کا معنی بیوی کا اپنے خاوند کی اطاعت سے انکار کرنا ہے، یا یہ کہا جائے گا کہ عورت کا صراحۃً ذکر ہوا اور خاوند کے لئے پہلے ضمیر کا ذکر ہے جیسے وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ یہاں شقاق کی نسبت مجازاً ظرف کی طرف کی ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے مَكْرُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ۔ یہاں خوف بمعنی ظن ہے۔ یعنی جب میاں بیوی سے ایسی چیزیں ظاہر ہوں جنہیں تم باہمی بغض شمار کرو اور ان کا حال حق و باطل میں مشتبہ ہو جائے۔

[2] تو ایک دانا عادل آدمی جو فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اسے خاوند کی طرف بھیجو اور ایک دوسرا آدمی جو عورت کے خاندان سے تعلق رکھتا ہو اسے عورت کی طرف بھیجو۔ یہاں دونوں حکموں کے لئے اہل کی قید ذکر کی ہے کیونکہ قریبی رشتہ دار حقیقی صورتحال سے زیادہ واقف ہوتے ہیں اور صلح کی زیادہ خواہش رکھتے ہیں۔ یہ قید استحباب کے لئے ہے، ورنہ اجنبی بھیج دیں تب بھی جائز ہے۔ دونوں حکم ان کے احوال کی تفتیش کریں گے اور ان میں سے ظالم کو پہچانیں گے۔ اگر ظلم خاوند کی طرف سے ہو گا تو دونوں خاوند کو بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرنے یا طلاق دینے کا کہیں گے اور اگر نا چاقی عورت کی طرف سے ہو گی تو اسے خاوند کی اطاعت یا فدیہ دینے کا کہیں گے۔ امام بغوی نے اپنی سند سے امام شافعی اور انہوں نے عبیدہ سے نقل کیا ہے انہوں نے اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک مرد اور عورت حضرت علی شیر خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے، دونوں کے سرپرست بھی ساتھ تھے۔ حضرت علی نے انہیں حکم بھیجنے کا ارشاد فرمایا انہوں نے اپنے اپنے حکم بھیجے (1) پھر حضرت علی نے انہیں فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری ذمہ داریاں کیا ہیں؟ تمہاری ذمہ

1۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 138 (وزارت تعلیم)

(1) حضرت ابن عباس سے مروی ہے مجھے اور حضرت معاویہ کو ثالث بنا کر بھیجا گیا۔ ہمیں کہا گیا اگر مناسب سمجھو تو دونوں کی صلح کرا دینا مناسب سمجھو تو طلاق کا فیصلہ کرا دینا ہمیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا۔

داری یہ ہے کہ اگر مصالحت مناسب سمجھو تو مصالحت کرا دینا اگر طلاق مناسب سمجھو تو تفریق کرا دینا۔ عورت نے یہ کہا میں کتاب اللہ کے فیصلہ پر راضی ہوں، جو مجھ پر فرض ہے یا میرا حق ہے وہ تسلیم ہے۔ مرد نے کہا جدائی تو قابل قبول نہیں حضرت علی شیر خدا نے فرمایا تو نے جھوٹ بولا، قسم بخدا فیصلہ اس وقت تک نہ ہوگا جب تک تو بھی اسی طرح اقرار نہ کرے جس طرح اس نے اقرار کیا۔(1)

امام مالک کا فرمان ہے خاوند کے ثالث کو اختیار ہے کہ خاوند کی رضا کے بغیر بھی عورت کو طلاق دے دے اور عورت کے ثالث کو اختیار ہے کہ عورت کی اجازت کے بغیر خلع کا فیصلہ کر دے۔ جب ثالث خلع میں ہی بہتری دیکھے تو مال کی ادائیگی عورت کے ذمہ لازم ہوگی کیونکہ حضرت علی شیر خدا نے دونوں ثالثوں کو جمع و تفریق کا اختیار دیا تھا اور جب خاوند نے جدائی کی نفی کی تھی تو آپ نے اس کی تکذیب کی تھی۔

جمہور علماء کے نزدیک دونوں ثالثوں کو یہ حق نہیں۔ ہاں اگر دونوں میاں بیوی نے ثالثوں کو اختیار دیا ہو تو بہتر ورنہ وہ حتی المقدور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے اصلاح کی کوشش کریں۔ بصورت دیگر حاکم کے سامنے ظالم کے بارے میں رائے دے دیں۔ پھر حاکم ظالم کو مجبور کرے خاوند کو حسن معاشرہ کے ساتھ بیوی اپنے پاس رکھنے یا احسان کے ساتھ طلاق دینے کا حکم دے اور بیوی کو نافرمانی چھوڑنے اور فدیہ دینے کا حکم دے۔ حضرت علی شیر خدا کا مرد کو یہ فرمانا حتیٰ تقر جدائی کے لئے اس کا راضی ہونا بھی شرط ہے جب تک وہ ثالث کو طلاق کا وکیل نہ بنائے اور اپنا معاملہ اس کے سپرد نہ کرے اس کی طلاق نافذ نہ ہوگی۔

سے الف تثنیہ کی ضمیر ثالثوں کے لئے ہے اور ہما ضمیر میاں بیوی کے لئے ہے، یعنی اگر دونوں ثالث ناراض میاں بیوی کے درمیان اصلاح احوال کا ارادہ کریں اور نیت بھی ان کی صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ ان کی کوشش سے میاں بیوی کے درمیان موافقت اور محبت پیدا کر دے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اصلاح موافقت اور جدائی سے عام ہو، یعنی اگر دونوں نے جو امر مناسب تھا اس کی کوشش کی، خواہ وہ نکاح کو باقی رکھنا تھا یا طلاق واقع کرنا، اللہ تعالیٰ اسی مناسب ترین کو آسان فرما دے گا۔ یا دونوں ضمیریں ثالثوں کے لئے ہیں، یعنی اگر دونوں نے اصلاح اور مظلوم کی مدد کا قصد کیا اور ان میں سے کسی کا بھی اپنے رشتہ دار کی غلط مدد کرنے کا ارادہ نہ تھا تو اللہ تعالیٰ ان دونوں میں موافقت پیدا فرما دے گا۔ وہ دونوں ایک فیصلہ پر متفق ہو جائیں گے، یہاں تک کہ مراد مکمل ہو جائے گی۔ یا دونوں ضمیریں میاں بیوی کے لئے ہیں، یعنی اگر دونوں میاں بیوی باہم اصلاح کا ارادہ کریں اور جو مناسب ہو اس کا مطالبہ کریں اللہ تعالیٰ ان کے درمیان الفت ڈال دے گا یا جو مناسب ہوگا اس کی توفیق دے گا۔ اس آیت میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جس نے اپنی نیت کو عمل میں درست رکھا اللہ تعالیٰ عمل کا انجام خیر کرے گا۔

سے وہ دلوں میں پوشیدہ اسرار اور امور کے نتائج سے آگاہ ہے اور میاں بیوی میں سے جو ظالم ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کا بدلہ دے گا۔

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْــٴًـا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾

"اور عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی کو اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو نیز رشتہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 435 (التجاریہ)

داروں ۳؎ اور یتیموں اور مسکینوں ۵؎ اور پڑوسی جو رشتہ دار ہیں ۶؎ اور پڑوسی جو رشتہ دار نہیں ۷؎ اور ہم مجلس ۸؎ اور مسافر ۹؎ اور جو (لونڈی غلام) تمہارے قبضہ میں ہیں (ان سب سے حسن سلوک کرو) ۱۰؎ بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اس کو جو مغرور ہو فخر کرنے والا ہو ۱۱؎"

۱؎ صحاح میں ہے عبودیت سے مراد عاجزی کا اظہار ہے عبادت عبودیت سے بھی بلیغ ہے کیونکہ یہ انتہا درجے کی عاجزی ہے۔ اس کا مستحق وہی ہو سکتا ہے جس میں حد درجے کی عظمت اور احسان و فضل پایا جائے۔ میں کہتا ہوں یہی وجہ ہے کہ عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے سے منع کیا گیا ہے۔

۲؎ شیئا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے اور یہاں تنوین حقارت بیان کرنے کے لئے ہے۔ اس میں انہیں شرمندہ کرنا ہے، یعنی تم اس کے ساتھ کسی حقیر چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، جبکہ اس کی کبریائی غیر متناہی ہے کیونکہ ممکنات میں سے ہر چیز واجب کے مقابلہ میں بہت حقیر ہے۔ یا یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی تم ان کیساتھ کسی قسم کا بھی شرک نہ کرو، یعنی شرک خفی نہ شرک جلی۔

عبادت کی دو قسمیں ہیں (۱) اضطراری ممکنات میں سے کسی چیز کے لئے بھی اس سے انحراف ممکن نہیں (سب اس کے احکام تکوینیہ کے سامنے مسخر ہیں) (2) دوسری اختیار کے ساتھ عبادت کرنا۔ آیت کریمہ میں اسی کا حکم دیا گیا۔ یہاں اس سے مراد اس کے احکام کی تعمیل اور منہی عنہ سے رکنا ہے۔ صوفیاء نے فرمایا عبادت کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو احکام کی تعمیل میں معدوم الارادہ (جس کا ارادہ نہ ہو) اور معدوم الاختیار (جس کا اختیار نہ ہو) بنا دے، جس طرح میت غسل دینے والے کے سامنے ہوتی ہے اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو۔ یہاں تک کہ امور مکلفہ اور امور تکوینیہ اس کے لئے ایک طرح کے ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ۔

حضرت معاذ بن جبل سے ایک روایت مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھا۔ آپ نے فرمایا اے معاذ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے خود ہی فرمایا اللہ تعالیٰ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں، کسی چیز کو اس کیساتھ شریک نہ ٹھہرائیں۔ اے معاذ کیا تو جانتا ہے جب وہ یہ کرلیں تو بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کا پیارا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ دے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دیدوں؟ فرمایا انہیں اعمال کرنے دو (1) اسے امام بغوی نے روایت کیا۔ صحیحین میں بھی اسی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں کہ صوفیاء کے نزدیک لَا يُعَذِّبَهُمْ کا معنی یہ ہے کہ انہیں ہجر و فراق کا عذاب نہ دے۔

۳؎ یعنی والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ حضرت معاذ سے ایک روایت مروی ہے کہ حضور ﷺ نے مجھے دس چیزوں کا تاکیدی حکم دیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرو اگرچہ تمہیں قتل کر دیا جائے اور جلا دیا جائے۔ اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرو۔ اگرچہ وہ تمہیں حکم دیں کہ تو اپنے گھر اور مال کو چھوڑ دے۔ اسے امام احمد نے روایت کیا۔ (2)

۴؎ قربی قرابت کے معنی میں مصدر ہے، یعنی قریبی رشتہ دار پر احسان کرو سلمان بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 436 (التجاریہ) 2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 238 (صادر)

مسکین پر صدقہ صرف صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ صدقہ اور صلہ رحمی ہے۔ اسے امام احمد نسائی ابن حبان حاکم اور ترمذی نے روایت کیا۔ امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا۔ نیز ابن ماجہ اور ابن خزیمہ نے نقل کیا۔ ابن خزیمہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں قریبی پر دو صدقے ہیں، ایک صدقہ اور دوسرا صلہ رحمی۔ اس آیت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ والدین اور قریبی رشتہ داروں پر خرچ کرنا واجب ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ غنی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ۔ عفو سے مراد جو ضرورت سے زائد ہو۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنے پیچھے غنا چھوڑ جائے۔ صدقہ کا آغاز ان سے کرو جو تیرے زیر کفالت ہیں۔ اسے امام بخاری نے ابو ہریرہ اور حکیم سے نقل کیا۔ امام مسلم نے حکیم سے نقل کیا والدین کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے نفقہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ خود کمانے سے معذور ہوں جیسے وہ ابھی چھوٹے ہوں اپاہج ہوں یا وہ عورت ہو، لیکن والدین میں یہ شرط نہیں۔ وجوب کی وجہ یہ ہے کہ یہ احسان نہیں کہ وہ خود غنی ہو اور اس کا رشتہ دار بھوکا مر جائے۔

ے ان کے بارے میں احسان واجب تو یہ ہے کہ اپنی زکوٰۃ انہیں دے اور احسان مستحب یہ ہے کہ اس سے زائد جو ہو سکے وہ انہیں دے۔ حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی سے اشارہ کیا اور تھوڑا سا درمیان میں فاصلہ رکھا(1) اسے امام بخاری نے روایت کیا۔ ابی امامہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور یہ عمل محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کرتا ہے، اس کا ہاتھ جتنے بالوں کے اوپر سے گزرتا ہے اس کے بدلے میں دس نیکیاں ہیں۔ جس نے اپنے یتیم یا وہ یتیم جو اس کی زیر کفالت ہے پر احسان کیا میں اور وہ جنت میں یوں ہوں گے، آپ نے اپنی انگلیوں میں تھوڑا فاصلہ رکھا۔ اسے امام بغوی نے روایت کیا۔

لے قریبی پڑوسی یا وہ پڑوسی اور رشتہ دار بھی ہو یا پڑوسی اور دینی بھائی ہو۔

ے دور کا پڑوسی یا پڑوسی جو رشتہ دار نہ ہو یا پڑوسی ہو لیکن دین مختلف ہو۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پڑوسی تین ہیں۔ ایک پڑوسی کے تین حقوق ہوتے ہیں (1) پڑوسی ہونے کا حق، رشتہ داری کا حق، اسلام کا حق، دوسرے پڑوسی کے دو حق ہوتے ہیں پڑوسی ہونے کا حق، اسلام کا حق، تیسرے پڑوسی کا ایک حق ہوتا ہے صرف پڑوسی ہونے کا حق، وہ اہل کتاب میں سے مشرک ہے۔ اسے حسن بن سفیان اور بزار نے اپنی مسندوں میں ابوالشیخ نے کتاب الثواب میں ابو نعیم نے حلیہ میں ذکر کیا۔ ابن عدی نے کامل میں عبداللہ بن عمر سے اسی کی مثل ذکر کیا ہے۔ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے، عرض کی یا رسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں، میں کسے ہدیہ بھیجوں؟ فرمایا جس کا دروازہ تیرے گھر کے قریب ہے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔(2)

حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تو شوربے والا سالن پکائے تو پانی زیادہ ڈال اور اپنے پڑوسی کا خیال رکھ۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے پڑوسی کے بارے میں لگاتار تاکیدی حکم دیتے رہے، یہاں تک کہ میں گمان کرنے لگا کہ وہ اسے وارث قرار دے دیں گے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔(3)

ے ابن عباس، عکرمہ، مجاہد اور قتادہ نے کہا اس سے مراد سفر کا ساتھی ہے۔ ابن جریج اور ابن زید نے کہا جو نفع کی غرض سے تیرے ساتھ

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 799 (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 436 (التجاریہ) 3۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 889 (وزارت تعلیم)

رہے۔اس صورت میں شاگرد اور استاد بھائی مراد ہوگا۔ حضرت علیؓ عبداللہ اور ابراہیم نخعی نے کہا اس سے مراد بیوی ہے جو مرد کے پہلو کے ساتھ ہوتی ہے۔(1)

9 ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد مسافر ہے، تاہم اکثر علماء نے کہا اس سے مراد مہمان ہے۔ ابی شریح خزاعی سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ اور روز جزاء پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی پر احسان کرے، جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے، جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے(2) اسے امام بغوی نے روایت کیا ہے۔ صحیحین میں ابی شریح کعبی سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ایک دن اس کی تعظیم بجالائے، ضیافت تین دن ہے، اس کے بعد صدقہ ہے(3) مہمان کو یہ زیبا نہیں کہ اتنے دن اس کے پاس ٹھہرے کہ اسے مشقت میں ڈال دے۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ دے، جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے متفق علیہ۔(4)

10 اس سے مراد غلام اور لونڈیاں ہیں۔ میں کہتا ہوں اس میں چوپائے بھی داخل ہیں۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غلام کا حق اس کا کھانا، لباس اور اسے ایسے عمل کا مکلف نہ بنانا جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔

حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے وہ بھائی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں مالک بنادیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس بھائی کو اس کی ملکیت میں دے تو جو خود کھاتا ہے اسے وہی کھلائے، جو خود پہنتا ہے اسے وہی پہنائے، اسے ایسے امر کا مکلف نہ بنائے جو اس پر شاق ہو۔ اگر اسے مشکل کام کی ذمہ داری دیتا ہے تو خود بھی اس کی مدد کرے، متفق علیہ۔(5)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تمہارے لئے کوئی تمہارا خادم کھانا بنائے، جبکہ اس نے گرمی اور دھواں برداشت کیا ہو، اسے ساتھ بٹھائے اور کھانا کھلائے۔ اگر کھانا بہت ہی قلیل ہو تو اسے ایک لقمہ یا دو لقمے ضرور کھلا دے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت ابو مسعود انصاری سے مروی ہے کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا میں نے اپنے پیچھے سے آواز سنی، میں خیال کرتا کہ وہ عبداللہ بن مسعود ہیں۔ جو یہ تھی اللہ تعالیٰ تیرے اوپر زیادہ قدرت رکھتا ہے بنسبت اس طاقت کے جو تو اس غلام پر رکھتا ہے۔ میں پیچھے متوجہ ہوا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ اللہ کی رضا کی خاطر آزاد ہے؟ فرمایا اگر تو ایسا نہ کرتا تو آگ تجھے ضرور مس کرتی۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے مرض موت میں فرماتے نماز کو لازم پکڑو اور اپنے غلاموں کا خیال رکھو(6) اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔ امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت علی سے اسی کی مثل روایت کیا۔ حضرت جابر حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا تین چیزیں جس میں ہوں اللہ اس کی موت کو آسان فرمادے گا اور اسے جنت میں داخل کرے گا، کمزور کے ساتھ نرمی، والدین پر شفقت اور غلام پر احسان۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا(7) حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا، عرض کی یا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 437 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 889 (وزارت تعلیم)
5۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 9 (وزارت تعلیم) 6۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 78 (صادر)
7۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 223 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

رسول اللہ ﷺ ہم خادم کو کتنی دفعہ معاف کریں؟ آپ خاموش رہے۔ پھر اس نے اپنی بات دہرائی۔ آپ پھر بھی خاموش رہے۔ جب تیسری دفعہ اس نے بات دہرائی تو آپ نے فرمایا ہر روز ستر دفعہ اسے معاف کرو۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت سہل بن حنظلہ سے روایت کیا ہے، فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ایک اونٹ کے پاس سے گذرے جس کی پیٹھ پیٹ سے لگی ہوئی تھی (سخت کمزور تھا)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان بے زبان چوپاؤں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو یہ سواری کے قابل ہوں تو سوار ہو جاؤ چھوڑنے کے قابل ہوں تو انہیں چھوڑ دو۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں سخت برے آدمی کے بارے میں نہ بتاؤں؟ وہ وہ ہے جو تنہا کھاتا ہے اپنے غلام کو مارتا ہے اپنا عطیہ روکتا ہے۔ اسے رزین نے روایت کیا۔ حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے خادم کو مارے، وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے، پس اپنے ہاتھ روک لو۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔ (1)

لا یعنی اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے۔ یہاں عدم حب ذکر کیا اور مراد بغض لیا جو متکبر ہو، اپنے رشتہ داروں پڑوسیوں اور ساتھیوں سے تحقیر کرتا ہو اور ان کی طرف توجہ تک نہ کرتا ہو اور ان پر فخر کرتا ہو۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک آدمی دو چادریں زیب تن کئے تکبر کرتا جا رہا تھا جبکہ وہ اپنے آپ پر فخر کر رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا۔ وہ قیامت تک اسی طرح دھنستا جائے گا (2) حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس آدمی کی طرف نظر رحمت نہیں کرے گا جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنی چادر کو گھسیٹا، متفق علیہ (3) عیاض بن حمار اشجعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تم تواضع کرو، یہاں تک کہ کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی پر فخر نہ کرے اور کوئی دوسرے پر زیادتی نہ کرے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے مسلمانوں کی جماعت اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ جنت کی خوشبو ایک ہزار سال کی مسافت سے محسوس کی جا سکے گی، لیکن والدین کی نافرمانی کرنے والا، قطع رحمی کرنے والا، بوڑھا بدکار، تکبر کرتے ہوئے اپنی چادر گھسیٹنے والا اس کی خوشبو نہ پائے گا۔ بے شک بڑائی تو صرف اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں بیان کیا ہے۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿۳۷﴾

"جو خود بھی بخل کرتے ہیں لے اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بھی بخل کرنے کا ۲ے اور چھپاتے ہیں جو عطا فرمایا انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے (فضل و کرم) سے ۳ے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لئے ۴ے ذلیل کرنے والا عذاب ۵ے"

لے جو چیز ان پر فرض ہے اس میں سے بخل کرتے ہیں۔ اسم موصول صلہ سے مل کر من کان سے بدل کل ہے، کیونکہ متکبر فخر کرنے والے اپنے ہم جنس افراد کے لئے تواضع پیش کرنے سے بخل کرتا ہے، یا اس لئے کہ مختال سے بھی یہی فرد مراد ہے اور جمع کا صیغہ من کے معنی کا

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 17 (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 438 (التجاریہ)
3۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 860 (وزارت تعلیم)

اعتبار کرتے ہوئے کہا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مذمت کی وجہ سے منصوب ہو یا مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے جو ھم ضمیر ہے، یا یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے جو احقاء لکل ملامة یا احقاء بالعذاب ہے۔

۲؎ حمزہ اور کسائی نے اسے یہاں بِالْبَخَل اور سورۂ حدید میں اَلْبَخَل پڑھا ہے۔ باقی قراء نے متن کے مطابق قرأت کی ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ امام بغوی نے کہا ابن عباس اور ابن زید نے کہا یہ آیت کردم بن زید، حیی بن اخطب، رفاعہ بن زید بن تابوت، اسامہ بن حبیب، نافع بن ابی نافع اور بحری بن عمرو کے بارے میں نازل ہوئی جو یہودی تھے۔ یہ انصار کے پاس آتے، ان سے میل جول رکھتے اور ان سے کہتے اپنے مال خرچ نہ کیا کرو، ہمیں ڈر ہے کہ کہیں تمہیں فقر نہ لے کیونکہ تم نہیں جانتے کہ کل کیا ہو(1) ابن اسحاق اور ابن جریر نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ اسی وجہ سے بخل سے مراد مال میں بخل کرنا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا بخل سے مراد علم چھپانا ہے۔ ابن ابی حاتم نے عطیہ عوفی کی سند سے نقل کیا ہے جو ضعیف ہے، وہ حضرت ابن عباس سے یہ روایت کرتا ہے یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور ﷺ کی صفت کو چھپایا۔ نبی کریم ﷺ کی صفات سے لوگوں کو آگاہ نہ کرنا اس سے بڑھ کر کوئی بخل نہیں ہوتا اور ان میں سے بعض نے بعض کو اس کا حکم بھی دیا۔

۳؎ یہاں فضل سے مراد مال ہے۔

۴؎ اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ ذکر کیا اس بات کا شعور دلانے کے لئے کہ جس کی یہ شان ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرنے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرے ہم نے اس کے لئے یہ عذاب تیار کر رکھا ہے۔

۵؎ جس طرح اس نے بخل کر کے اور نعمت کو چھپا کر نعمت کی تذلیل کی ضمیر غائب کی جگہ ضمیر متکلم ذکر کی تا کہ عذاب کی عظمت اور مزید ہولناکی کا بیان ہو۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سخی اللہ تعالیٰ کے قریب ہے، جنت کے قریب ہے، لوگوں کے قریب ہے اور جہنم سے دور ہے، جبکہ بخیل اللہ تعالیٰ جنت اور لوگوں سے دور ہے اور جہنم کے قریب ہے۔ جاہل سخی اللہ تعالیٰ کے ہاں بخیل عابد سے بہتر ہے۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں جنت میں دھوکے باز، بخیل اور احسان جتانے والا (1) داخل نہیں ہوگا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔

وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۝

"اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لئے ۱؎ اور نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور نہ روز قیامت پر ۲؎ اور رہو (بدقسمت) ہو جائے شیطان جس کا ساتھی پس وہ بہت برا ساتھی ہے ۳؎"

۱؎ رئاء ینفقون کا مفعول لہ ہے، یعنی وہ مال اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ لوگ اسے دیکھیں اور کہیں یہ کتنا سخی ہے۔ اسم موصول کا عطف اسم موصول پر ہے۔ دونوں کے درمیان قدر مشترک مذمت ہے۔ ریاکاری کے لئے خرچ کرنا ایسے ہی ہے جس طرح خرچ نہ کیا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 438 (التجاریہ)

(1) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرمایا جنت میں برے اخلاق والا نہیں ہوگا۔ خب دھوکے باز کو کہتے ہیں۔ یہ ایسا انسان ہوتا ہے جو لوگوں میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ

جائے یا اس لئے کیونکہ بخل اور اسراف انفاق کی نامناسب انتہائیں ہیں اور مذمت اور عذاب لانے میں برابر ہیں یا یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے جو فالشیطان قرین لہٗ ہے اس کے حذف پر وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا دلالت کر رہا ہے یا اس کا عطف کافرین پر ہے کیونکہ ریا کاری کے طور پر خرچ کرنا کفر اور شرک خفی ہے۔ اسی وجہ سے اس کلام کے ساتھ اس پر عطف کیا گیا۔

1 حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں شرکاء کے شرک سے بے نیاز ہوں، جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کیا میں اس کے شرک سے آلودہ عمل کو چھوڑ دوں گا(1) ایک روایت میں ہے کہ میں اس سے بری ہوں، اس نے جس کیلئے عمل کیا وہ اسی کے لئے ہے۔

حضرت عمر بن خطاب کی حدیث میں حضرت معاذ سے مرفوع روایت ہے کہ تھوڑا اسا ریا بھی شرک ہے۔ یہ آیت یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی جس طرح ہم نے ذکر کیا۔ سدی نے کہا یہ منافقین کے حق میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ مشرکین مکہ کے حق میں نازل ہوئی جو حضور ﷺ کی دشمنی میں اپنے مال خرچ کرتے تھے۔

2 قرین سے مراد ساتھی اور دوست ہے یہاں مخصوص بالذم محذوف ہے جو شیطان ہے۔ اس آیت میں شیطان کی متابعت اور اس کی دوستی سے ڈرایا جا رہا ہے یا مخصوص بالذم مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ ہے اس میں ان کے برے اعمال کی طرف اشارہ ہے جیسے بخل، ریاء اور دوسری چیزیں یہ سب شیطان کی دوستی کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئے یہ بھی جائز ہے کہ یہ ان کے لئے وعید ہو کہ جہنم میں بھی شیطان ان کا ساتھی ہوگا۔

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۝۳۹

"اور کیا نقصان ہوتا ان کا1 اگر ایمان لاتے اللہ پر اور روز آخرت پر2 اور خرچ کرتے3 اس سے جو دیا ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے4 اور اللہ تعالیٰ ان سے خوب واقف ہے5"

1 یعنی ان پر کیا بوجھ ہوتا یا انہیں کیا تکلیف ہوتی۔

2 کیونکہ انعام کرنے والے کا شکر حسن لذاتہ ہے۔ یہ عقل و نقل کے اعتبار سے کسی نقصان کا احتمال نہیں رکھتا۔

3 وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اس کی راہ میں خرچ کرتے اور دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ثواب کی طمع کرتے یا جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

4 اللہ تعالیٰ نے انہیں جو کثیر مال عطا فرمایا اس میں سے تھوڑا سا یعنی چالیسواں حصہ دے دیتے یا چوپاؤں میں اس سے بھی کم جبکہ یہ نصاب ضروریات سے فاضل تھا کیونکہ اتنا مال خرچ کرنا کسی پر بھی شاق نہیں اور اس میں کسی بھی اعتبار سے کوئی حرج بھی نہیں۔ ان کے اس جہل مرکب پر انہیں شرمندہ کرنے کے لئے استفہام کا کلمہ لایا گیا ہے۔ جہل مرکب اس لئے ہے کہ جس میں کمال منفعت پائی جا رہی ہے اس کو وہ تکلیف سمجھتے ہیں۔ اس میں انہیں جواب کی تلاش کرنے کے لئے فکر پر برانگیختہ کیا جا رہا ہے تا کہ ان کے لئے ان امور عظیمہ کے فوائد ظاہر ہوں جن کی طرف اللہ اور اس کا پیارا انہیں دعوت دیتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ جس امر کی

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 411 (قدیمی)

طرف دعوت دی جائے جب یہ معلوم ہو کہ اس امر میں میں کوئی ضرر نہیں تو تب بھی بطور احتیاط اسے قبول کر لینا چاہئے، چہ جائیکہ جب اس کے منافع بھی ظاہر ہو جائیں۔

یہ بیان کے لئے وعید ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾

"بے شک اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا ذرہ برابر بھی[1] (بلکہ) اگر ہو معمولی سی نیکی[2] تو دوگنا کر دیتا ہے اسے[3] اور دیتا ہے اپنے پاس سے اجر عظیم[4]"

[1] مثقال ثقل سے مفعال کے وزن پر ہے۔ ذرۃ کا معنی سرخ چھوٹی چیونٹی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ذرہ کا معنی وہ چھوٹے چھوٹے ذرات جو روشن دان سے اندر آنے والی روشنی میں اڑتے دکھائی دیتے ہیں جن کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔ معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ معمولی سا بھی ظلم نہیں کرتا۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کیلئے جو دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے وہ سراسر عدل ہے۔ اس میں کوئی ظلم نہیں، بلکہ حقوق اللہ جیسے توحید، عبادت اور والدین اور رشتہ داروں کے حقوق کی پامالی پر انہیں عذاب میں مبتلا نہ کرنا ان لوگوں پر ظلم ہوگا جنہیں وہ حقوق سے محروم رکھتے ہیں۔

یہ معنی کرنا بھی ممکن ہے کہ وہ عذاب کے اس طرح مستحق بن گئے کہ اگر انہیں عذاب سے محفوظ رکھا جائے تو گویا ان پر ظلم کیا جائے گا۔ ظلم کا معنی کسی شے کو غیر محل میں رکھنا اور ایسا فعل کرنا جو جائز نہ ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اشیاء کو پیدا فرمانے والا اور مالک الملک ہے۔ اگر وہ بغیر گناہ کے بھی جہاں بھر کو عذاب میں مبتلا کر دے تو پھر بھی ظلم نہ ہوگا۔ لیکن یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ اگر یہ فعل کسی اور سے صادر ہو تو ظلم شمار ہو یعنی اللہ تعالیٰ طاعات کے اجر میں کمی نہیں کرتا اور نافرمانیوں کی سزا میں اضافہ نہیں کرتا۔

امام بغوی نے اپنی سند میں حضرت انس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی بھی مومن کی نیکی کے بارے میں ظلم نہیں کرے گا دنیا میں اس کے بدلے میں رزق میں اضافہ کر دے گا اور آخرت میں اسے بدلہ دیا جائے گا رہا کافر اسے دنیا میں رزق کی صورت میں بدلہ دے دیا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کے لئے کوئی نیکی نہ ہوگی جس کا بدلہ اسے دیا جائے۔(1) اسے امام احمد اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مومن جہنم سے چھٹکارا پالیں گے اور مامون ہو جائیں گے تو تم میں سے کسی کا کسی بھائی کے حق میں مجادلہ اتنا سخت نہیں ہوگا جتنا مومن ان بھائیوں کے بارے میں اپنے رب سے جھگڑا کرے گا جنہیں جہنم میں داخل کیا جا چکا ہوگا۔ جنتی مومن عرض کریں گے اے ہمارے رب ہمارے بھائی ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، ہمارے ساتھ حج کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جاؤ اور جنہیں پہچانتے ہو انہیں نکال لاؤ۔ وہ جنتی ان جہنمیوں کے پاس آئیں گے، ان کی صورتوں سے انہیں پہچان لیں گے۔ جہنم نے ان کی صورتوں کو نہیں کھایا ہوگا۔ ان میں سے کچھ وہ ہوں گے جنہیں آگ نصف پنڈلی تک پہنچی ہوگی اور ان سے کچھ ہوں گے جنہیں آگ ٹخنوں تک پہنچی ہوگی وہ انہیں جہنم سے نکال

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 439 (التجاریہ)

لائیں گے۔لوگ عرض کریں گے اے ہمارے رب جن کے بارے میں تو نے حکم دیا تھا ہم انہیں نکال لے آئے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا جس کے دل میں دینار کے برابر بھی ایمان ہے اسے نکال لاؤ پھر جس کے دل میں نصف دینار کے برابر بھی ایمان ہے، یہاں تک کہ فرمائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے اسے بھی نکال لاؤ۔

ابوسعید نے کہا جو اس حدیث کی تصدیق نہ کرے وہ اس آیت کو تلاوت کرے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ.........الآیہ۔ جنتی عرض کریں گے اے ہمارے رب جن کے بارے میں تو نے حکم دیا تھا ہم انہیں نکال لے آئے، اب جہنم میں کوئی بھی ایسا موجود نہیں جس کے دل میں کچھ بھی ایمان ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا فرشتے شفاعت کر چکے، انبیاء شفاعت کر چکے، مومن شفاعت کر چکے، اب ارحم الراحمین (اللہ) باقی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ جہنم سے ایک مٹھی یا دو مٹھیاں لوگوں کو لے گا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اللہ کی رضا کی خاطر کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا ہوگا۔ یہ جل چکے ہوں گے یہاں تک کہ کوئلہ بن چکے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں پانی کی طرف لائے گا جسے ماء الحیاۃ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ پانی ان پر ڈالے گا۔ وہ یوں نشوونما پائیں گے جس طرح سیلاب کے پانی سے دانا اگتا ہے۔ ان کے جسم موتیوں کی طرح نکل آئیں گے۔ ان کی گردنوں میں یہ مہر لگی رہی ہوگی عتقاء اللہ (اللہ کے آزاد کردہ)۔ انہیں کہا جائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ جس کی تم خواہش کرو یا، جو تم دیکھو وہ تمہارے لئے ہے۔ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب تو نے ہمیں وہ عطا کر دیا جو تو نے عالمین میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے پاس تمہارے لئے اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب اب اس سے افضل کیا چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا میری رضا اب میں تم پر کبھی ناراض نہ ہوں گا۔ اسے امام بغوی نے اپنی سند سے روایت کیا۔ صحیحین میں اسی کی مثل ایک طویل حدیث میں ہے۔ تاہم ابوسعید کا یہ قول نہیں، جو اس کی تصدیق نہ کرے وہ اس آیت کی تلاوت کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ایک فرد کو اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کے سامنے بلائے گا۔ اس کے ننانوے رجسٹر کھولے جائیں گے۔ ہر رجسٹر حد نگاہ تک پھیلا ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کیا تو اس کا انکار کرتا ہے کیا تیرے اوپر میرے کراماً کاتبین نے ظلم کیا؟ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب ایسا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیگا کیا تیرا کوئی عذر یا کوئی نیکی ہے۔ وہ آدمی مبہوت ہو جائے گا۔ عرض کرے گا کوئی بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہاں تیری ایک نیکی میرے پاس ہے۔ آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ایک پرزہ نکالا جائے گا جس میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اپنے اعمال کے میزان کے پاس حاضر ہو جاؤ وہ عرض کرے گا اے میرے رب اس پرزہ کی ان رجسٹروں کے سامنے کیا حیثیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا تجھ پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ پھر اس کے رجسٹر ایک پلڑے میں اور وہ پرزہ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا۔ رجسٹروں والا پلڑہ اوپر اٹھ جائے گا[1] اور پرزے والا پلڑہ جھک جائے گا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے نام پر کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی اسے ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ ایک قوم نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خصم کے لئے خصم پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرے گا بلکہ اس کا حق اس سے لے گا اور ذرہ برابر ان پر ظلم نہیں کرے گا بلکہ عمل کا بدلہ دے گا اور اس کے اجر میں کئی گنا اضافہ کرے گا۔

تک خلاف قیاس تکن کے آخر سے نون حذف ہے۔ اس نون کو نون اعرابی کے مشابہ قرار دیا گیا اور نون کے حذف کے بعد بھی اس واؤ کو

1۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 328 (وزارت تعلیم)

دوبارہ نہیں لوٹایا گیا جسے اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف کیا گیا تھا۔ یہ دوسرا خلاف قیاس امر ہے گویا انہوں نے اس کے آخر میں حرف علت کو اس لئے دوبارہ ذکر نہیں کیا تا کہ اس شبہ سے بچا جاسکے کہ حرف جازم کے باوجود آخر میں حرف علت موجود ہے۔

حجاز مقدس کے قراء نے حسنۃ کو مرفوع پڑھا ہے۔ اس صورت میں کان تامہ ہوگا اور حسنۃ اس کا فاعل ہوگا۔ باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے کیونکہ یہ کان کی خبر ہے اور کان ناقصہ ہے۔ اسم کی ضمیر مثقال ذرۃ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

سوال:۔ پھر ضمیر مؤنث کیوں ذکر کی؟ جواب: خبر مونث ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے اسم کی ضمیر مؤنث ذکر کی۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مثقال کا مضاف الیہ مونث ہے۔

یعنی اسے اللہ تعالیٰ کئی گنا بڑھا دے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قسم اللہ کی، میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کو ہزاروں ہزار کرے گا۔ اسے ابن جریر اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

یعنی اور اس نیکی کرنے والے کو اپنی خصوصی عنایت سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ امام بغوی نے کہا جب اللہ تعالیٰ اسے اجر عظیم عطا فرمائے تو پھر اور کوئی کیسے اندازہ لگا سکتا ہے (1) حضرت ابن مسعود سے مروی ہے جب قیامت کا روز ہوگا اللہ تعالیٰ اگلوں پچھلوں کو جمع فرمائے گا۔ پھر ایک منادی کرنیوالا منادی کرے گا جو کسی سے حق کا مطالبہ کرنا چاہتا ہے وہ آئے اور اپنے حق کا مطالبہ کرے اور اپنا حق لے لے تو وہ آدمی خوش ہوگا، اس کا اپنے والدین، اولاد، بیوی اور بھائی پر حق ہوگا اور وہ ان سے وصول کرے گا، اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ الآیۃ ایک آدمی لایا جائے گا۔ ایک ندا کرنے والا سب کے سامنے اعلان کرے گا، یہ فلاں ہے، یہ فلاں ہے، جس کا اس پر کوئی حق ہو تو اس سے اپنا حق لے لے۔ پھر اس سے کہا جائے گا ان لوگوں کے حقوق ادا کرو۔ وہ عرض کرے گا اے میرے رب میں کہاں سے دوں؟ دنیا تو ختم ہو چکی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرمائے گا۔ اس کے اعمال دیکھو اور اس کے اعمال حسنہ سے ان لوگوں کو دے دو۔ اگر ذرہ برابر بھی نیکی رہ گئی تو فرشتے کہیں گے اے ہمارے رب اس کی ذرہ برابر نیکی رہ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے بندے کے لئے اسے کئی گناہ بڑھا دو اور میری رحمت و فضل سے اسے جنت میں داخل کر دو۔ اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ الآیۃ اگر کوئی بدبخت انسان ہوگا تو فرشتے کہیں گے اے اللہ اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں اور حقدار باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا حقداروں کی برائیوں کو لو اور اس کی برائیوں کے ساتھ شامل کر دو۔ پھر اس کے لئے جہنم کا پروانہ کاٹ دو۔ اسے امام بغوی نے روایت کیا۔ اسی طرح ابن المبارک، ابونعیم اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾

"اور کیا حال ہوگا (ان نافرمانوں) کا جب ہم لے آئیں گے ہر امت سے ایک گواہ اور (اے حبیب ﷺ!) ہم لے آئیں آپ کو ان سب پر گواہ[1]"

[1] کیف مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی کَيْفَ هُوَ لَاءِ الْكُفَّارُ۔ یہ استفہام ہولنا کی بیان کرنے کے لئے ہے۔ سابقہ آیت میں جو مفہوم تھا اس کی وضاحت بیان کرنے کے لئے ہے۔ یعنی جب تمہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں فرماتا بلکہ حقدار کا حق ظالم سے لے کر دیتا ہے اور اس میں سے کچھ بھی نہیں چھوڑتا تو پھر ان لوگوں کی کیا حالت ہوگی جنہوں نے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ادا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 441 (التجاریہ)

نہیں کیے۔ اذا کا تعلق اس تہویل کے ساتھ ہے جو استفہام سے مجھی جارہی ہے یعنی اس امت کے نبی کو لائیں گے اور ان لوگوں نے اچھے یا برے جو عمل کیے ہوں گے اور جو انہوں نے نبی کی تصدیق یا تکذیب کی ہوگی اس کے بارے میں گواہی دیں گے۔ پھر اے محمد مصطفی ﷺ ہم آپ کو اس امت دعوت پر گواہ لائیں گے تو نبی کریم ﷺ تمام امت پر گواہی دیں گے جنہوں نے آپ کو دیکھا یا نہیں دیکھا۔

ابن مبارک نے سعید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا مگر اس میں نبی کریم ﷺ پر آپ کی امت صبح و شام پیش کی جاتی ہے۔ آپ انہیں ان کی علامات اور اعمال سے پہچان لیتے ہیں۔ اسی لئے آپ ان پر گواہی دیں گے۔

امام بخاری نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے قرآن پاک پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں آپ کو قرآن سناؤں جبکہ یہ آپ پر نازل ہوا۔ فرمایا ہاں میں نے سورۂ نساء پڑھی یہاں تک کہ اس آیت تک پہنچا تو حضور ﷺ نے فرمایا بس تیرے لئے کافی ہے۔ میں آپ کی طرف متوجہ ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔(1)

ایک قول یہ کیا گیا کہ ھولاء کا مشار الیہ انبیاء ہیں کیونکہ وہ اپنی امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے جبکہ نبی کریم ﷺ انبیاء کی صداقت پر گواہی دیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا مشار الیہ اس امت کے مومن ہیں جو انبیاء کے حق میں گواہی دیں گے اور نبی کریم ﷺ اپنی امت کی تصدیق و تزکیہ کریں گے۔ ہم نے سورۂ بقرہ میں اس گواہی کے بارے میں ذکر کر دیا ہے۔

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَ لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝

"اس روز تمنا کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی رسول کی کہ کاش (انہیں دبا کر) ہموار کی جاتی ان پر زمین اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات"

یَوْمَئِذٍ سے مراد ہے جس روز اس طرح ہوگا اور آیت میں موجود تو تمنی کے لئے ہے، یعنی تمام کافر اور نافرمان آرزو کریں گے یا ان میں سے ایک جماعت مراد ہے۔ نافع اور ابن عامر نے اسے باب تفعل تَسَوّٰی کر کے پڑھا ہے یعنی باب تفعل کی تاء کو سین سے بدل دیا اور سین کو سین میں ادغام کر دیا۔ حمزہ اور کسائی نے تاء کے فتحہ اور سین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں تفعل کی ایک تاء کو حذف کر دیا گیا۔ دونوں قراءتوں میں اس کی اصل باب تفعل ہے۔ باقی قراء نے متن کے مطابق اور باب تفعیل سے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ قتادہ اور ابو عبیدہ نے کہا وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش زمین پھٹ جاتی وہ سارے کے سارے اس میں دھنس جاتے۔ پھر زمین ان پر برابر کر دی جاتی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے وہ اس بات کی خواہش کریں گے کہ انہیں نہ اٹھایا جائے۔ کلبی نے کہا اللہ تعالیٰ چوپاؤں، وحشی جانوروں، پرندوں اور درندوں کو فرمائے گا مٹی ہو جاؤ۔ پس ان پر زمین برابر کر دی جائے گی اس وقت یہ کافر تمنا کریں گے۔(2)

عطاء نے کہا اس کا معنی یہ ہے وہ خواہش کریں گے کاش ان پر زمین برابر کر دی جاتی اور انہوں نے حضور ﷺ کے معاملہ اور صفات کو نہ چھپایا ہوتا(3) یعنی یہ جملہ تسوی پر معطوف ہے اور تمنی میں داخل ہے اور مضارع کا صیغہ ماضی کے معنی میں ہے۔

دوسرے علماء نے فرمایا یہ نئی کلام ہے، یعنی وہ اس کو چھپانے پر قادر نہ ہوں گے کیونکہ جو کچھ وہ عمل کرتے رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں اور ان کے اعضاء خود ان کے خلاف گواہی دے رہے ہوں گے۔ اس صورت میں یہ جملہ یود پر معطوف ہوگا۔ ایک قول یہ کیا

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 659 (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 441 (التجاریہ) 3۔ ایضاً

گیا یہ واؤ حالیہ ہے اور جملہ یودے کے فاعل سے حال بن رہا ہے، یعنی وہ یہ پسند کرتے ہیں کہ زمین ان پر برابر کر دی جائے جب کہ حال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا بھی نہیں سکتے اور نہ ہی اس کی تکذیب کر سکتے ہیں کہ ہم مشرک نہ تھے۔

سعید بن جبیر نے کہا ایک آدمی نے حضرت ابن عباس سے عرض کی میں قرآن میں ایسی چیزیں پاتا ہوں جو مجھ پر مشتبہ ہیں۔ فرمایا بتاؤ وہ کون سی ہیں؟ اس نے کہا ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ اس میں باہم سوال کی نفی ہے جبکہ دوسری آیت میں وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ حَدِيْثًا میں باہم سوال کرنے کا ذکر ہے۔ ایک جگہ فرمایا وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ اس میں اللہ تعالیٰ پر کسی بات کے مخفی نہ ہونے کا ذکر ہے جبکہ دوسری جگہ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اس میں بات چھپانے کا ذکر ہے ایک جگہ فرمایا گیا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰهَا ...... وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا اس میں زمین کی تخلیق سے پہلے آسمان بنانے کا ذکر ہے جبکہ دوسری جگہ یہ ذکر ہے اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ ...... اس میں ذکر ہے کہ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی۔ اور فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا گویا وہ پہلے ان صفات سے متصف تھا اب نہیں۔ حضرت ابن عباس نے جواباً ارشاد فرمایا فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ میں جس سوال نہ کرنے کا ذکر ہے وہ نفخہ اولیٰ کے وقت ہے اور دوسری آیت نفخہ ثانیہ کے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَمَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اور لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا میں تطبیق یوں ہوگی جب کفار قیامت کے روز یہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مسلمانوں کے گناہوں کو بخش رہا ہے اور مشرکوں کے گناہوں کو نہیں بخش رہا تو مشرک اپنے شرک کا انکار کر دیں گے اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی بخش دے تو وہ مشرک نہ ہونے کی بات کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دے گا۔ پھر ان کے ہاتھ اور پاؤں وہ کچھ بتائیں گے جو اعمال وہ کرتے رہے تھے۔ اس وقت کفار اس بات کی تمنا کریں گے جس کا ذکر اس آیت میں ہو رہا ہے جس کی تفسیر کی جا رہی ہے۔ رہی زمین کی تخلیق کا مسئلہ تو اس کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمین کو بچھایا پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور دو دنوں میں سات آسمان بنا دیئے۔ پھر زمین کو دو دنوں میں بچھایا۔ پس زمین اور اس میں جو کچھ ہے اس کی تخلیق چار دنوں میں مکمل ہوگئی۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا کا معنی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سے ایسے ہی ہے۔ تمہیں قرآن میں اشتباہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا۔ امام بخاری اور دوسرے محدثین نے اسی طرح روایت کی۔ حسن نے کہا یہ کئی مواقع کے متعلق ہے کسی موقع پر وہ کلام نہیں کریں گے۔ کسی موقع پر لوگ کلام کریں گے اور جھوٹ بولیں گے اور کہیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے اور ایک مرحلہ میں وہ اپنے خلاف گواہی دیں گے، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ایک موقع پر وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے ایک موقع پر دنیا میں لوٹانے کا سوال کریں گے اور آخری مرحلہ میں ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے اعضاء کلام کریں گے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا کا یہی مفہوم ہے (1) واللہ اعلم۔

ابوداؤد، ترمذی اور حاکم نے حضرت علی سے روایت کیا، جبکہ امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ہمارے لئے کھانا تیار کیا اور ہمیں شراب پلائی یہ شراب کی حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے ہمیں نشے نے آلیا اور نماز کا وقت بھی ہو گیا۔ انہوں نے امامت کے لئے مجھے آگے کھڑا کر دیا۔ میں نے سورۂ کافرون کی تلاوت کی اور فعل مضارع کے صیغوں سے پہلے حرف نفی لا کو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 442 (وزارت تعلیم)

حذف کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(1)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

"اے ایمان والو! نہ قریب جاؤ نماز کے جب کہ تم نشہ کی حالت میں ہو[1] یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو (زبان سے) کہتے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں[3] مگر یہ کہ تم سفر کر رہے ہو[4] یہاں تک کہ تم غسل کر لو[5] اور اگر ہو تم بیمار یا سفر میں[6] یا آئے کوئی تم میں سے قضائے حاجت سے[7] یا ہاتھ لگایا ہو تم نے اپنی عورتوں کو[8] پھر نہ پاؤ پانی[9] تو (اس صورت میں) تیمم کر لو[10] پاک مٹی سے[11] اور (اس کا طریقہ یہ ہے کہ) ہاتھ پھیر لو اپنے چہروں پر[12] اور اپنے بازوؤں پر[13] بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا[14] اور بڑا بخشنے والا ہے[15]"

1۔ یعنی تم نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔

2۔ اس قید کا ذکر اس لئے کیا تا کہ سکر کی اس حد کا تعین ہو جائے جو نماز کے قریب جانے سے مانع ہے۔ اگر یہ اعتراف کیا جائے جب نشہ اس حد تک پہنچ جائے کہ انسان اپنی بات کا مفہوم ہی نہ جانتا ہو اس وقت تو اسے خطاب کرنا ہی صحیح نہیں ہوتا تو پھر نماز کے قریب جانے میں نہی کا خطاب کیسے صحیح ہوگا۔

ہم یہ کہیں گے خطاب ہوش کے بعد متوجہ ہوگا اور اس نہی سے مراد نماز کے اوقات میں نشہ دینے والی چیز کے قریب جانے سے روکنا ہے۔ امام بغوی نے کہا اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام نماز کے اوقات میں نشہ آور چیز کے قریب نہیں جاتے تھے، یہاں تک سورۂ مائدہ میں شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے یہ نہی کا صیغہ ہے اور معنی نفی کا دے رہا ہے، یعنی جب تک نشے کی حالت میں ہو گے تو تمہاری نماز نہ ہوگی اور آیت کا یہ حصہ حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ دوسری تقدیر کی صورت میں نفی صلوٰۃ کی غایت ہوگی اور پہلی تقدیر کی صورت میں نہی کی علت بیان کرنے کے لئے ہوگا اور کی کے معنی میں ہوگا۔ ضحاک بن مزاحم نے کہا اس سے مراد نیند کی بے ہوشی ہے۔ جب نیند کا غلبہ ہو تو نماز پڑھنے سے نہی ہوگی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے کسی کو اونگھ آ جائے جبکہ وہ نماز پڑھ رہا ہو تو وہ سو جائے، یہاں تک کہ اس کی نیند ختم ہو جائے کیونکہ تم سب میں سے جب کوئی نماز پڑھے اور وہ اونگھ رہا ہو۔ شاید وہ اپنے طور پر استغفار کر رہا ہو لیکن فی الحقیقت اپنے آپ کو گالی دے رہا ہو(2) متفق علیہ۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اس آیت میں یہ تنبیہ ہے کہ نمازی پر لازم ہے کہ اس کا دل حاضر ہو تا کہ جو کچھ کہہ رہا ہو اسے جانتا بھی ہو وہ قرآن کے معانی سمجھتا ہو اس میں غور و فکر کر رہا ہو اور جو چیز غافل کرے یا اس کے دل کو مصروف کرے اس سے وہ بچے واللہ اعلم۔

طبرانی نے حضرت اسلع سے روایت کی کہ میں حضور ﷺ کی خدمت کرتا تھا اور سامان سفر تیار کرتا تھا۔ ایک دن حضور ﷺ

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 127 (وزارت تعلیم)

2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 442 (التجاریہ)

نے مجھے فرمایا اے اسلع اٹھو اور سواری پر کجاوا باندھو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے حالت جنابت طاری ہو چکی ہے۔ ابن مردویہ نے ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا کہ مجھے ایک ٹھنڈی رات میں احتلام ہوا۔ مجھے خوف لاحق ہوا کہ اگر میں ٹھنڈے پانی کے ساتھ غسل کروں گا تو مر جاؤں گا یا مریض ہو جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضور ﷺ نے مجھے تیمم کا طریقہ بتایا ایک ضرب چہرے کے لئے اور ایک ضرب ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک میں اٹھا تیمم کیا۔ پھر میں نے کوچ کیا۔ فریابی، ابن منذر، اور ابن ابی حاتم نے حضرت علی سے اسی طرح نقل کیا۔

یعنی مسافر کو جنابت لاحق ہو جائے پس وہ تیمم کر لے۔ ہم اس کی تفصیل سورۂ مائدہ میں بیان کریں گے۔ سب سے پہلی آیت جو تیمم کی رخصت کے بارے میں نازل ہوئی وہ سورۂ مائدہ کی آیت ہے۔ وہ اس سے پہلے کی ہے۔ شاید اس آیت کا نزول اس آدمی کے تیمم کی رخصت کے لئے ہے جسے ٹھنڈا پانی استعمال کرنے کی صورت میں بیماری یا موت کا خوف لاحق ہو، جس پر حضرت اسلع کی حدیث دلالت کرتی ہے واللہ اعلم۔ جنب اسے کہتے ہیں جسے جنابت لاحق ہو۔ اس میں مذکر، مونث، واحد اور جمع سب برابر ہیں۔ اس کا عطف وانتم سکاری پر کرنا صحیح ہے۔ قاموس میں جنابت کا معنی منی ہے۔ احناف نے کہا ہے لغت میں جنابت کا معنی شہوت کی صورت میں منی کا نکلنا ہے۔ اجنب الرجل جملہ عرب میں اس وقت بولتے ہیں جب کوئی آدمی عورت سے شہوت پوری کرے۔ بعض علماء نے کہا جنابت کا اطلاق محض جماع پر ہوتا ہے، اسے انزال ہو یا نہ ہو۔ حافظ ابن حجر نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ کلام عرب اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جنابت کا لفظ حقیقت میں جماع پر بولا جائے، اگرچہ انزال نہ ہو کیونکہ جب یہ کلام کی جاتی ہے ان فُلَانًا اَجْنَبَ فلانۃ تو اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ فلاں مرد نے عورت سے جماع کیا، اگرچہ اسے انزال نہ بھی ہوا۔ جنابت کا اصل معنی دوری ہے۔ جماع کو جنابت اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس حالت میں وہ لوگوں سے دور ہوتے ہیں۔ داؤد ظاہری اس طرف گئے ہیں کہ جب جماع انزال کے بغیر ہو تو غسل واجب نہیں ہوتا کیونکہ روح کا گمان یہ ہے کہ جنابت سے مراد منی کا نکلنا ہے۔ اس مسئلہ میں انہوں نے ابی بن کعب کی حدیث سے استدلال کیا کہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ جب ایک آدمی عورت سے جماع کرے اور اسے انزال نہ ہو تو آپ نے فرمایا جسم کا جو حصہ عورت سے لگا اسے دھو ڈالے، پھر وضو کرے اور نماز پڑھ لے (1) متفق علیہ۔ اور حضرت ابو سعید خدری کی حدیث سے استدلال کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری کی طرف پیغام بھیجا وہ آدمی حاضر ہوا تو اس کے سر سے پانی کے قطرات گر رہے تھے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا شاید ہم نے آپ کو جلدی میں ڈال دیا۔ انہوں نے عرض کی جی ہاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تجھے جلدی ہو یا تجھے انزال نہ ہو تو تم پر صرف وضو لازم ہے (2) متفق علیہ۔ اور امام مسلم کی روایت میں ہے بے شک غسل انزال سے ہے۔

مسئلہ:۔ ائمہ اربعہ اور جمہور مسلمانوں نے جماع کی صورت میں غسل کے وجوب کا قول کیا ہے، اگرچہ انزال نہ ہو۔ اگر جنابت جماع کے معنی میں ہو، جس طرح امام شافعی نے کہا، اشتقاق کا تقاضا بھی یہی ہے، پس حکم اس آیت کے اطلاق سے ثابت ہوگا۔ اگر جنابت کا معنی منی کا شہوت کے ساتھ نکلنا لیا جائے تو معنی جماع میں یا تو حقیقۃً ثابت ہوگا یا حکماً ثابت ہوگا کیونکہ جماع عموماً منی کے نکلنے کا سبب ہوتا ہے۔ جماع کے وقت شرمگاہ آنکھوں سے اوجھل ہوتی ہے۔ منی بعض اوقات رقیق ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے نکلنے کا پتہ نہیں چلتا۔ اس لئے سبب کو مسبب کے قائم مقام رکھ دیا جس طرح نیند کو حدث کے قائم مقام رکھتے ہیں کیونکہ نیند کی حالت میں عموماً ہوا کے

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 43 (وزارت تعلیم)　　2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 30 (وزارت تعلیم)

نکلنے کا گمان ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آنکھیں بندھن ہیں۔ جب آنکھیں سو جاتی ہیں تو بندھن کھل جاتا ہے۔ اسے امام احمدؒ ابوداؤد، دارقطنی اور ابن ماجہ نے حضرت علی شیر خدا سے روایت کیا۔ جماع سے غسل کے وجوب کی دلیل احادیث اور جماع ہے۔ حضرت ابوہریرہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں جب کوئی مرد عورت کے پاس چار حصوں کے درمیان بیٹھے پھر کوشش کرے تو غسل فرض ہو جاتا ہے متفق علیہ۔(1)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مرد چار اعضاء کے درمیان بیٹھ گیا اور شرمگاہیں آپس میں مل گئیں تو غسل فرض ہو گیا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ امام ترمذی نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ جب شرمگاہ شرمگاہ سے تجاوز کر جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ میں نے اور رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا تو ہم نے غسل کیا۔(2)

جن دو احادیث سے داؤد ظاہری نے استدلال کیا تھا وہ دونوں منسوخ ہیں۔ امام احمد اور اصحاب سنن نے سہل بن سعد سے روایت کی کہ مجھے ابی بن کعب نے بیان کیا کہ انصار کہتے تھے کہ غسل منی کے نکلنے سے ہے۔ یہ رخصت تھی جو حضور ﷺ نے اسلام کے ابتدائی ایام میں عطا فرمائی تھی۔ پھر حضور ﷺ نے اس کے بعد مجھے غسل کا حکم دیا۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا۔ اسماعیلی نے کہا یہ بخاری کی شرط پر صحیح ہے۔ اگر یہ کہا جائے ابن ہارون اور دارقطنی نے یقین سے کہا کہ زہری نے سہل سے نہیں سنا۔ حافظ ابن حجر نے کہا ابوداؤد کے ہاں ایسے انداز میں یہ روایت ہے جو اس کے انقطاع کا تقاضا کرتی ہے۔ ابوداؤد نے عمرو بن حرب سے، انہوں نے ابن شہاب سے انہوں نے اس شخص سے جس سے وہ راضی ہیں کہ سہل بن سعد نے انہیں بتایا کہ ابی ابن کعب نے انہیں خبر دی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ابوداؤد کی سند صحیح ہے کیونکہ ثقہ آدمی جب یہ کہے مجھے ایک ثقہ آدمی نے یہ خبر دی یا اس نے خبر دی جس سے میں راضی ہوں تو وہ حدیث صحیح ہوتی ہے۔ یہ اس بات کو لازم نہیں کہ امام احمد، ابن ماجہ اور دوسرے محدثین کی سند منقطع ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ زہری نے اسے ثقہ سے سنا ہو اور انہوں نے سہل سے پھر وہ سہل سے ملے اور سہل نے خود بھی اسے حدیث بیان کی ہو۔

مسئلہ:۔ منی کے نکلنے سے بھی غسل بالاجماع واجب ہو جاتا ہے مگر امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ منی اپنے محل سے شہوت کے ساتھ جدا ہو جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک جدا ہونے اور نکلنے دونوں صورتوں میں شہوت اور ٹپکنے کی شرط ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں منی کا خروج غسل کو واجب کر دیتا ہے، اگرچہ لذت ساتھ شامل نہ بھی ہو، خواہ اس کا نکلنا ٹپکنے کی صورت میں ہو۔ یا نہ ہو امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ سے مذی کے متعلق پوچھا گیا۔ فرمایا اس میں صرف وضو ہے اور منی میں غسل لازم ہے۔ اسے امام طحاوی نے روایت کیا اور حضور ﷺ کے اس ارشاد میں جو گزرا ہے کہ غسل منی سے لازم آتا ہے اور حضرت ام سلمہ کی حدیث کہ حضرت ام سلیم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، عرض کی یا رسول اللہ کیا عورت پر بھی احتلام کی صورت میں غسل ہے فرمایا جب وہ پانی دیکھے(3) متفق علیہ۔ جمہور علماء نے کہا کہ حضور ﷺ کے ارشاد میں الماء المنی میں الف لام عہد خارجی کے لئے ہے اور معہود وہ منی ہے جو دفق اور شہوت کی صورت میں نکلے۔ امام شافعی کا قول زیادہ محتاط ہے۔ ان کے نزدیک الف لام جنسی ہے۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 43 (وزارت تعلیم)
2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 16 مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان۔
3۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 42 (وزارت تعلیم)

مسئلہ:۔ جب ایک آدمی نیند سے بیدار ہوا اور وہ منی یا مذی دیکھے تو اس پر غسل واجب ہوگا، اگر چہ اسے احتلام اور شہوت یاد نہ ہو کیونکہ نیند غفلت اور احتلام کا وقت ہے۔ منی بعض اوقات زمانے کی طوالت یا غذا کی خرابی کی وجہ سے بھی رقیق ہو جاتی ہے۔ پس یہ شک ظن کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ یہی منی ہے پس یہ غسل کو لازم کر دے گا۔ امام ترمذی نے حضرت عائشہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو تری پاتا ہے اور احتلام اسے یاد نہیں۔ فرمایا وہ غسل کرے(1) اور ایک ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ خواب دیکھتا ہے اسے احتلام ہوا لیکن تری نہیں پاتا، اس پر کوئی غسل فرض نہیں۔ اسی سند میں عبداللہ بن عمیر ہے جو عبداللہ بن عمر سے، وہ قاسم سے، وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں امام ترمذی نے کہا یحییٰ بن سعید نے حافظہ کے اعتبار سے اسے ضعیف قرار دیا۔

یہ جنباً سے حال متداخل ہے اور اس کے عموم سے مستثنیٰ ہے یا جنبا کی صفت ہے۔ دونوں تقدیروں کی صورت میں یہ استثناء مفرغ ہے۔ مفہوم یہ ہوگا کہ تم نماز کے قریب نہ جاؤ جنابت کی صورت میں کسی حال میں بھی مگر اس حالت میں کہ جنبی مسافر ہو یا قریب نہ جاؤ جنابت کی صورت میں جبکہ وہ کسی صفت سے بھی موصوف ہو مگر اس صفت کے ساتھ کہ وہ مسافر ہوں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب مسافر پانی نہ پائے یا اس کے استعمال پر قادر نہ ہو، پس وہ تیمم کر لے۔ ہم نے اس کے شان نزول کے متعلق جو روایات ذکر کی ہیں وہ اس کی شہادت دیتی ہیں۔ اس کے ذکر کے بعد تیمم کا ذکر بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ گویا متیمم کو مسافر سے بھی تعبیر کیا کیونکہ عمومی طور پر اس کے پاس مال نہیں ہوتا۔ اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ تیمم حدث کو ختم نہیں کرتا بلکہ اس کو چھپا دیتا ہے۔ جمہور علماء نے یہی کہا داؤد نے کہا تیمم حدث کو ختم کر دیتا ہے۔ اسی طرح احناف کی بعض کتب میں بھی آیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تیمم حدث کو ختم کر دیتا ہے اور پانی پایا جانا تیمم کے لئے اسی طرح ناقض ہے جس طرح وضو کے نواقض ہیں۔

میرے نزدیک صحیح نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ حدث کو ختم نہیں کرتا۔ اگر یہ رافع حدث ہوتا تو پانی کا پایا جانا اس کے لئے حدث متصور نہ ہوتا پانی کی موجودگی کا مٹی سے حاصل ہونے والی طہارت کی غایت بننا یہ سابقہ پوشیدہ حدیث کے ظہور کا تقاضا کرتی ہے نہ کہ نئے حدث کے پائے جانے کا تقاضا کرتی ہے۔

ابوداؤد ظاہر کے قول کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ پاکیزہ مٹی مسلمان کو طہارت عطا کرنے والی ہے، اگر چہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے۔ اسے اصحاب سنن نے ابوذر سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے لئے تمام زمین مسجد بنادی گئی اور اس کی مٹی پاکیزگی عطا کرنے والی ہے(2) اسے امام مسلم، ابن خزیمہ اور دوسرے علماء نے روایت کیا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں اور جو کچھ ان میں ہے وہ مجاز پر مبنی ہیں۔ جس کے اوپر ابوذر سے مروی حدیث کا آخری حصہ دلالت کرتا ہے جو یہ ہے۔ جب وہ پانی پائے تو ضرور استعمال کرے کیونکہ منی اگر حقیقت میں مطہر ہوتی تو رفع حدث کے بعد پانی کا استعمال واجب نہ ہوتا صحیحین میں عمران بن حصین سے اس قصہ کا ذکر ہے۔ اس میں یہ ہے کہ پانی کی عدم موجودگی میں جنبی کو تیمم کا حکم دیا۔ پھر جب اس نے پانی پایا تو اسے غسل کا حکم دیا اگر تیمم جنابت کو ختم کرنے والا ہوتا تو حضور ﷺ اسے غسل کا حکم نہ دیتے۔

فائدہ:۔ جو ہم نے پہلے ذکر کیا وہ حضرت علی، حضرت ابن عباس، مجاہد اور سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول تھا بعض مفسرین نے کہا کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم جنابت کی حالت میں ہو تو مساجد کے قریب نہ جاؤ مگر جب تم مسجد میں سے گزرنا چاہتے ہو جبکہ

1۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 16 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 199 (قدیمی)

ٹھہرنے کا ارادہ نہ ہو کیونکہ ابن جریر نے یزید بن ابی حبیب سے روایت کیا ہے کہ بعض صحابہ کے گھروں کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے۔ انہیں جنابت کی حالت طاری ہوتی جبکہ ان کے پاس پانی بھی نہ ہوتا وہ پانی لانے کا ارادہ کرتے اور مسجد کے علاوہ کوئی راستہ بھی نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا یہ حضرات ابن مسعود، سعید بن مسیب، ضحاک، حسن بصری، عکرمہ، نخعی اور زہری کا قول ہے۔ اسی تفسیر کی بناء پر امام مالک اور امام شافعی نے کہا جنبی کے لئے مسجد سے گزرنا مطلقاً جائز ہے۔ یہی حضرت حسن بصری کا قول ہے کیونکہ یہ لفظ عام ہے، اگرچہ سبب نزول خاص ہے کہ جنبی مسجد کے علاوہ کوئی گزرگاہ نہ پاتا ہو۔

ہمارے نزدیک جنبی کے لئے مسجد سے گزرنا جائز نہیں کیونکہ آیت کا یہ معنی مضاف کو مقدر ماننے پر منحصر ہے جبکہ اصل یہ ہے کہ کوئی چیز مقدر نہ مانی جائے۔ اگر اس آیت کا یہ معنی ہو کہ تم مساجد کے قریب نہ جاؤ تو پھر گھر کی مساجد میں داخل ہونا حرام ہوگا جبکہ ایسا قول کسی نے بھی نہیں کیا۔ اس صورت میں کوئی معنی اور مفہوم نہیں بنتا " کہ تم مساجد کے قریب نہ جاؤ جبکہ تم نشے کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم جان لو جو تم کہتے ہو کیونکہ آخری حصہ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے میں صریح ہے اور معطوف میں ایسی چیز مقدر ماننا درست نہیں جو معطوف علیہ میں مذکور یا مقدر نہ ہو۔

مسئلہ:۔ جس طرح امام ابو حنیفہ کے نزدیک مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں۔ اسی طرح امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ امام احمد نے فرمایا یہ جائز ہے۔ ہمارے پیش نظر حضور ﷺ کا ارشاد ہے ان گھروں کے دروازے مسجد سے پھیر لو کیونکہ میں مسجد کو حائض اور جنبی کے لئے حلال نہیں جانتا(1) اسے ابوداؤد، ابن ماجہ، بخاری نے تاریخ میں اور طبرانی نے افلت بن خلیفہ سے انہوں نے جسرہ بنت دجاجہ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ خطابی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا اور کہا افلت بن خلیفہ مجہول الحال ہے، ابن رفعہ نے کہا یہ متروک ہے۔ ہم کہتے ہیں ابن رفعہ کا قول مردود ہے۔ ائمہ حدیث میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا بلکہ امام احمد نے کہا میں اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتا۔ ابن خزیمہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ ابن قطان نے اسے حسن قرار دیا۔ اگر کسی نے اسے مجہول قرار دیا تو یہ کچھ نقصان نہیں پہنچاتا۔ یہ حدیث جس طرح امام احمد کے خلاف جمہور کی حجت ہے اسی طرح مطلق ہونے کی بناء پر یہ امام شافعی کے خلاف بھی حجت ہے بلکہ یہ کلام تو جنبی کے مسجد سے گزرنے سے منع کرنے کے لئے لائی گئی ہے واللہ اعلم۔

مسئلہ:۔ جنبی کے لئے طواف جائز نہیں کیونکہ وہ مسجد میں ہوتا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک اس کی قرأت کرنا بھی جائز نہیں۔ امام مالک نے کہا تعوذ کے لئے چند آیات کی تلاوت جائز ہے۔ داؤد ظاہری نے کہا یہ مطلقاً جائز ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس کی وضاحت وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ کے ضمن میں گزر چکی ہے کیونکہ جنبی کے لئے ایسے مصحف کو مس کرنا جائز نہیں جس میں ایسے نقوش ہوں جو قرآن پر دلالت کرتے ہوں جس طرح ہم اس کی وضاحت لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ میں کریں گے۔ تو اس کے لئے قرآن حکیم کے الفاظ کو اپنی زبان پر لانا بدرجہ اولیٰ جائز نہیں ہوگا۔ رہا محدث کے لئے قرآن حکیم کی تلاوت جبکہ اسے بھی قرآن حکیم چھونے سے منع کیا گیا وہ اس لئے جائز ہے کیونکہ حدث منہ میں سرایت نہیں کرتا بلکہ ظاہر بدن میں سرایت کرتا ہے۔ یا اس لئے جائز ہے کہ حدث عام طور پر واقع ہوتا ہے اس لئے حرج کو دور کرنے کی بناء پر قرأت کے مانع نہیں جب کہ جنابت کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ جنابت شاذ و نادر واقع ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے صحیح روایت کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا قرآن کی قرأت سے جنابت کے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 443 (تجاریہ)

سوا کوئی چیز میں رو کتے۔ اسے امام احمد اصحاب سنن' ابن خزیمہ' ابن حبان' حاکم' ابن جارود اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ نیز ابن سکن بیہقی' عبدالحق' بغوی نے شرح السنۃ اور صحیحین میں ہے کہ کہ رسول اللہ ﷺ نے وضوء سے پہلے آل عمران کی دس آخری آیات کی تلاوت کی۔

ؐ ایسا جنبی جو مسافر اور معذور نہ ہو اس کے لئے نماز کے قریب جانے سے نہی میں یہ بحث ہے کیونکہ مسافر اور معذور کے لئے تیمم کے ساتھ ایسا کرنا جائز ہے یا حالت جنابت میں نماز نفی کے لئے غایت ہے۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ غسل حالت جنابت میں نماز کے قریب نہ جانے کی غایت (ا) کیسے بن سکتا ہے جبکہ جنابت غسل کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ حتیٰ کا کلمہ ایسی چیز پر بھی داخل ہوتا ہے جو کسی چیز کے آخری جزء سے آگے ہو جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے بِمِتُّ الْبَارِحَةَ حَتَّى الصَّبَاحِ یعنی میں گذشتہ رات سویا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی (بعض اوقات غایۃ مغیا کی جنس سے نہیں ہوتی اس آیت میں بھی یہی صورت حال ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے اس قید کا فائدہ کیا ہے جبکہ جنابت کی حالت میں مقصود (حالت جنابت میں نماز سے نہی) اس کے بغیر بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو چیز جنابت کو زائل کر دیتی ہے۔ اس کا بیان ہو جائے ہم غسل کے مسائل سورۂ مائدہ میں وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا الآیۃ کے ضمن میں بیان کریں گے ان شاء اللہ۔

ؑ یہاں مرض اور سفر کی شرط عادت کے طور پر ہے کیونکہ عموماً پانی کا فقدان مرض اور سفر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک ان دونوں شرطوں کا کوئی مفہوم نہیں (یعنی کسی چیز کو خارج کرنے کے لئے ذکر نہیں کیا گیا)

امام شافعی فرماتے ہیں اگر ایک آدمی صحیح ہو کسی جگہ مقیم ہو عموماً وہاں پانی معدوم نہیں ہوتا تاہم اگر کسی دیہات میں پانی ختم ہو جائے وہ تیمم کے ساتھ نماز پڑھے جب پانی ملے تو ان شرطوں کی وجہ سے اس پر نماز کا اعادہ ضروری ہوگا۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ بالاجماع ان دونوں شرطوں کے مفہوم احترازی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی لئے پانی نہ ہونے کی صورت میں بالاجماع تیمم کے ساتھ نماز واجب ہوگی۔ اس لئے اعادہ کے واجب ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ وجوب کا سبب ایک ہے جو متکرر نہیں ہوتا۔ اس لئے واجب بھی متکرر نہیں ہوگا کیونکہ ان دونوں شرطوں کا مفہوم احترازی معتبر نہیں۔ اس لئے بالاتفاق اس آدمی پر اعادہ واجب نہیں ہوگا جو صحیح ہو مقیم ہو اور ایسی جگہ ہو جہاں پانی موجود نہ ہو۔ حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ وہ ربذہ کے مقام پر تھے اور کئی کئی دنوں تک پانی نہ ملتا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تو حضور ﷺ نے انہیں فرمایا تیرے لئے مٹی کافی ہے، اگرچہ تو دس سال تک پانی نہ پائے۔ ایک روایت میں ہے کہ پاکیزہ مٹی مسلمان کے لئے طہارت عطا کرنے والی ہے، اگرچہ یہ دس سال تک ہو (1) اسے اصحاب سنن نے روایت کیا۔ ابوداؤد نے اسے صحیح قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ یہ جنبی کی وضاحت ہے۔ یہاں جنبا کو حذف اس لئے کر دیا کیونکہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا یہاں سفر کا ذکر کیا جبکہ عابری سبیل کے ضمن میں اس کا ذکر پہلے ہو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 444 (التجاریہ)

(ا) عموماً غایت اس چیز کا جز ہوتی ہے جس کی غایت بیان کی جارہی ہوتی ہے جیسے میں نے مچھلی کھائی یہاں تک کہ اس کا سر بھی کھالیا۔ سر مچھلی کا جز ہے۔

چکا ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ یہ سفر اور مرض میں برابری کرنے کے لئے ہے کہ اس میں پانی پانے والا پانی نہ پانے والے کے ساتھ شامل ہے کیونکہ دونوں استعمال سے عاجز ہیں۔ پھر جئتم جو کلام میں مقدر ہے۔ اس پر مابعد قول کو معطوف کیا۔

یہ غائط کا لغوی معنی پست جگہ ہے غائط سے آنا ضرورت طبعیہ سے فارغ ہونے سے کنایہ ہے جیسے بول و براز کیونکہ انسان کی عادت یہی ہے کہ وہ اس ضرورت سے فراغت کے لئے پست جگہ کی طرف جاتا ہے۔ معنی یہ ہوگا جب تم میں سے کوئی بول و براز سے محدث ہو۔

مسئلہ:۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ سبیلین سے جب ایسی چیز نکلے جو معتاد ہو تو وہ وضو کو توڑ دیتی ہے لیکن اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ غیر عادی چیز جب سبیلین میں سے کسی ایک سے نکلے تو وہ ناقض وضو نہیں ہوگی۔ امام مالک کا نقطہ نظر یہ ہے کہ غیر عادی صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔

جمہور علماء کے نزدیک غیر عادی چیز کا نکلنا وضو کو توڑ دیتا ہے۔ یہی امام مالک سے بھی ایک روایت مروی ہے کیونکہ استحاضہ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کہ حضور ﷺ نے فاطمہ بنت حبیش سے فرمایا اپنے خون کو دھو اور ہر نماز کے لئے وضو کرو متفق علیہ۔(1) نہ ہی یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ سبیلین کے علاوہ اگر کوئی نجاست نکلے جیسے قے اور خون وغیرہ تو وہ بھی ناقض وضو نہ ہوں گے جس طرح امام شافعی کا نقطہ نظر ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا تھوڑی سی چیز ناقض وضو نہیں۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک نجاست کا نکلنا مطلقاً وضو کو توڑ دے گا۔ اس کی شرط یہ ہے کہ وہ نجس ہو جو دم سائل نہ ہو وہ نجس نہیں ہوتا تھوڑی قے کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ وہ تھوک کے حکم میں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اسے سبیلین سے نکلنے والی نجاست پر قیاس کیا جائے کیونکہ وضو کے وجوب کی علت نجاست کا نکلنا ہے۔ اگر کوئی یہ سوال کرے نجاست کے نکلنے سے وضو کا وجوب غیر معقول ہے تو اس میں قیاس جائز نہیں۔ ہم اس کا جواب یہ دیں گے نجاست کا نکلنا طہارت کے زائل ہونے میں موثر ہے۔ اتنی بات معقول ہے اور صرف چار اعضاء تک وضو کو محدود کرنا یہ غیر معقول ہے۔ لیکن جب پہلی صورت متجاوز ہوگی تو دوسری بھی متجاوز ہوگی (جب یہ ثابت ہو گیا کہ سبیلین کے علاوہ بھی نجاست نکل سکتی ہے تو پھر جو حکم سبیلین سے نکلنے والی نجاست پر لگایا گیا وہی حکم دوسری نجاست پر بھی لگایا جائے گا)۔

ہمارے پاس اس کے حق میں کئی احادیث بھی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث معدان کی ہے جو وہ ابو درداء سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قے کی اور وضو کیا پھر میں دمشق کی مسجد میں ثوبان سے ملا میں نے ان کے سامنے اس حدیث کا ذکر کیا انہوں نے جواب دیا۔ اس نے سچ کہا میں نے آپ کو وضو کرایا تھا۔(2) اسے امام احمد نے حسین المعلم سے، انہوں نے یحییٰ بن کثیر سے، انہوں نے اوزاعی سے، انہوں نے یعیش بن ولید مخزومی سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے معدان سے، انہوں نے ثوبان سے روایت کیا۔ علماء نے کہا اس میں اضطراب ہے۔ ان نے اسے معمر سے، انہوں نے یحییٰ بن کثیر سے، انہوں نے خالد بن معدان سے، انہوں نے ابو درداء سے روایت کیا۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ کسی راوی کا اضطراب کسی اور کے ضبط میں موثر نہیں ہو سکتا۔ اثرم نے کہا میں نے امام احمد سے پوچھا اس کے راویوں میں اضطراب ہے۔ فرمایا حسین معلم نے اسے اضطراب کے بغیر روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔ اس

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 47 (وزارت تعلیم) 2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 13 (وزارت تعلیم)

باب میں جتنی بھی روایات ہیں ان میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔ انہیں میں سے ایک حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز میں قے آئے وہ چلا جائے، وضو کرے، پھر سابقہ نماز پر بناء کر لے۔ یہ حکم اس وقت ہوگا جب تک وہ گفتگو نہ کرے۔ اسے دار قطنی نے اسماعیل بن عیاش کی حدیث سے روایت کیا۔ مجھے عبدالملک بن عبدالعزیز نے اپنے باپ سے، انہوں نے عبداللہ بن ابی ملیکہ سے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسے روایت کیا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ دار قطنی نے کہا ابن جریج کے اصحاب میں سے حفاظ اس حدیث کو ابن جریج سے، وہ اپنے باپ سے مرسل روایت کرتے ہیں۔ رہی ان کی وہ حدیث جو ابن ملیکہ سے وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں اسے اسماعیل بن عیاش نے روایت کیا ہے۔ ابو حاتم رازی نے کہا یہ کوئی چیز نہیں۔ ہم کہتے ہیں یحییٰ بن معین نے کہا اسماعیل بن عیاش ثقہ ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔ محدثین کی عادت یہ ہے کہ مرسل کو مقدم قرار دیتے ہیں۔ پھر مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے۔ اس باب میں کئی اور ضعیف احادیث ہیں جنہیں ہم نے طوالت کے خوف سے ذکر نہیں کیا۔

امام احمد بن حنبل نے قلیل اور کثیر میں فرق کا استدلال حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع حدیث سے کیا ہے کہ خون کے ایک یا دو قطروں میں وضو لازم نہیں ہوتا مگر جب وہ دم سائل بن جائے اور حضرت ابن عباس کی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے پھوڑوں کے خون میں رخصت عطا فرمائی۔ ان دونوں کو دار قطنی نے روایت کیا۔ لیکن ابو ہریرہ کی حدیث میں محمد بن فضل بن عطیہ ہے جس کی تکذیب امام احمد اور یحییٰ بن حیان نے کی جبکہ دوسری حدیث میں عطیہ نے عن کے لفظ سے روایت کیا ہے وہ مدلس ہے۔ دار قطنی نے کہا یہ کہنا باطل ہے کیونکہ امام مالک اور امام شافعی نے حضرت انس کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ آپ نے پچھنے لگوائے، نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔ جہاں پچھنے لگوائے تھے اس حصہ کے سوا کسی حصہ کو نہ دھویا۔ اسے دار قطنی اور بیہقی نے روایت کیا۔ اس کی سند میں صالح بن مقاتل ہے جو ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ابن عربی نے کہا کہ دار قطنی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، جبکہ حقیقت حال یہ نہیں بلکہ آپ نے فرمایا صالح قوی نہیں۔ امام نووی نے اسے ضعیف کی قسم میں ذکر کیا۔ ثوبان کی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے قے کی آپ نے پانی منگوایا۔ پس آپ نے وضو کیا میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا قے سے وضو فرض ہو جاتا ہے؟ فرمایا اگر یہ فرض ہوتا تو تو اسے قرآن میں پاتا۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا۔ اس کی سند میں عتبہ بن سکن ہے جو متروک الحدیث ہے۔ بیہقی نے کہا یہ وضع کی طرف منسوب ہے۔

ﮯ جمہور قراء نے یہاں اور سورۃ مائدہ میں اسے باب مفاعلہ سے پڑھا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے دونوں میں مجرد سے اَوْ لَمَسْتُمُ پڑھا ہے۔ حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حسن بصری، مجاہد اور قتادہ نے کہا یہ جماع سے کنایہ ہے(1) امام ابو حنیفہ اور ثوری نے بھی یہی کہا اس تاویل کی صورت میں اس کا عطف جنبا پر کرنا درست نہیں۔ اگر جماع کے معنی میں ہو اگر جنابت انزال کے معنی میں ہو تو پھر عطف درست ہے، جس طرح احناف نے کہا حضرت ابن مسعود، حضرت عمر، حضرت ابن عمر اور شعبی نے کہا یہاں اس سے مراد حقیقی معنی ہے، وہ دو جلدوں کا ملنا ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے علماء نے کہا جب درمیان میں پردہ حائل نہ ہو تو عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا گیا کہ اس کا معنی جماع کے علاوہ دوسری چیزیں ہیں جیسے چھونا وغیرہ۔ امام بیہقی نے انہیں سے یہ روایت کیا ہے کہ بوسہ لینا بھی مس میں سے ہے، اس میں وضو لازم

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 445 (التجاریہ)

ہوگا۔ امام شافعی اور امام مالک نے حضرت ابن عمر سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے جس نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا یا اپنے ہاتھ سے پکڑا، اس پر وضو ہے۔ امام احمد زہری اور اوزاعی نے بھی کہا امام شافعی سے یہی روایت ہے کہ عورت کو چھونا وضو کو توڑ دیتا ہے۔ امام مالک امام شافعی، لیث اور اسحاق نے کہا امام احمد سے یہی روایت ہے اگر چھونا شہوت کے ساتھ ہوا اور عورت بھی ایسی ہو جس کو دیکھ کر شہوت جاگتی ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، ورنہ وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام شافعی کا قول یہ ہے کہ ہتھیلی کے اندر والے حصہ سے چھونا شرط ہے۔ وہ اسے مرد کی شرمگاہ کے چھونے پر قیاس کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہیں اگرچہ یہ الگ الگ حادثوں میں واقع ہوئے۔ مرد کی شرمگاہ چھونے کے بارے میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد وارد ہے جب تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ شرمگاہ تک لے گیا۔ علماء نے کہا افضاء کا معنی بھی چھونا ہے۔ ہم کہتے ہیں افضاء کے لفظ کے ساتھ شرمگاہ کو چھونے کی حدیث صحیح نہیں۔ افضاء کا یہ معنی کرنا ہمارے اصول کے مطابق دو واقعات میں مطلق کو مقید پر محمول کرنا باطل ہے۔

امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق آیت کا معنی یہ ہوگا جب تم انزال کی صورت میں اپنی شہوت پوری کر چکو، مریض ہو یا مسافر یا سبیلین سے کسی چیز کے نکلنے کے ساتھ محدث یا تم نے بغیر انزال کے جماع کیا ہو تو تیمم کرو۔

امام شافعی کے مذہب کے مطابق معنی یہ ہوگا اگر تم نے مرض یا سفر کی حالت میں عورتوں سے جماع کیا یا سبیلین سے کسی شے کے نکلنے یا عورت کو چھونے سے تم محدث ہوئے تو تیمم کرو، اگر انہوں نے تقدیر کلام یوں نہ کی إِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا مَّرْضَى اور وہاں وہ جنبا کا کلمہ مقدر نہیں کرتے تو ان پر لازم ہوگا کہ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ میں او کو واؤ کے معنی میں لیں تو پھر تقدیر کلام یوں ہوگی مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ۔ اس صورت میں لامستم کو جماع کے معنی میں لینا ہوگا، چھونے کے معنی میں لینا درست نہیں تاکہ آیت سے جنبی کے لئے تیمم کے جواز کا حکم ثابت ہو کیونکہ حقیقت و مجاز کو جمع کرنا جائز نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیونکہ کلام مقدر نہ کرتے اور لمس کو چھونے کے معنی میں لیتے۔ اس لئے آپ جنبی کے لئے تیمم کو جائز خیال نہ کرتے جس طرح حضرت عمار کے ساتھ آپ کے جھگڑے کا قصہ دلالت کرتا ہے جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ ابن جوزی نے یہ استدلال کیا ہے عورت کو شہوت کیساتھ چھونا وضو کو توڑ دیتا ہے۔ یہ استدلال وہ اس حدیث سے کرتے ہیں جو انہوں نے حضرت معاذ بن جبل سے روایت کی ہے کہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ اس مرد کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جو اس عورت تک پہنچا، جو اس کے لئے حلال نہ تھی، ایک مرد جماع کے علاوہ عورت سے جو فائدہ اٹھا سکتا ہے، وہ سب کچھ کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تو اچھی طرح وضو کر پھر اٹھ اور نماز پڑھ اس حدیث سے اس موقع پر استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ مرد کا سوال اس بارے میں نہ تھا کہ اس عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹتا ہے یا کہ نہیں بلکہ اس کا سوال استغفار کے بارے میں تھا اور اس سزا کے بارے میں تھا جو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فرمائے گا تو نبی کریم ﷺ نے اسے سکھایا کہ وضو اور نماز اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گی، جس طرح حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں وارد ہوا جب ایک مسلمان وضو کرکے اپنے چہرے کو دھوئے تو اس کے چہرے سے تمام غلطیاں نکل جاتی ہیں اور حضرت عثمان کی مرفوع حدیث کہ جو میرے جیسا وضو کرے، پھر دو رکعت نماز ادا کرے ان میں سے اپنے آپ سے کوئی بات نہ کرے (پوری توجہ سے نماز پڑھے) اس کے پہلے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں (1) متفق علیہ۔ صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے کہ ایک آدمی

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 121 (مختلف احادیث کا مجموعہ) (قدیمی)

آیا، عرض کیا یارسول اللہ مجھ پر حد لازم ہو چکی، مجھ پر حد جاری فرمایئے۔ حضور ﷺ نے اس سے کچھ بھی سوال نہ کیا۔ نماز کا وقت ہو گیا اس نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی، الحدیث۔ اس حدیث میں وضو کرنے کا حکم نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی یارسول اللہ میں مدینہ طیبہ کی آخری حدود میں ایک عورت سے ملا اور اس سے جماع کرنے کے سوا ہر عمل کیا۔ باقی حدیث اسی طرح ہے جس طرح پہلے مذکور ہوئی تاہم یہ بات زائد ذکر کی کہ رسول اللہ نے یہ آیت تلاوت کی وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ۔

ہمارے پیش نظر حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، میں آپ کے سامنے یوں لیٹی ہوئی تھی جس طرح جنازہ ہوتا ہے جب آپ سجدہ فرماتے تو ہاتھ سے مس کرتے۔ میں اپنی ٹانگیں سمیٹ لیتی (1) ایک روایت میں ہے کہ راوی نے کہا ان دونوں گھروں میں چراغ نہ ہوتے تھے۔ متفق علیہ۔ اس حدیث کے شیخین کے نزدیک کثیر طرق ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک روایت یہ بھی ہے ایک دن میں نے آپ کو نہ پایا۔ میں نے آپ کو ہاتھوں سے تلاش کیا تو میرا ہاتھ آپ کے قدموں تک جا پہنچا جب کہ آپ سجدہ میں تھے، آپ یہ دعا کر رہے تھے اے اللہ میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ چاہتا ہوں اور تیری سزا سے تیرے عفو کی پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں میں تیری ثنا کا حق ادا نہیں کر سکتا تو اسی شان کا مالک ہے جیسے تو نے اپنی تعریف کی۔ اسے امام بخاری نے روایت کی۔ طبرانی کی ایک روایت میں ہے میں نے اپنا ہاتھ آپ کے بالوں میں رکھا کہ دیکھوں کہ آپ نے غسل کیا ہے یا کہ نہیں۔ حافظ نے کہا اس سیاق کا ظاہر ان دونوں قصوں کے مختلف ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ آپ سے ہی ایک اور روایت مروی ہے کہ آپ حضور ﷺ کے بالوں میں کنگھی کرتی تھیں جبکہ آپ معتکف ہوتے تھے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ حضور ﷺ کا مسجد میں اعتکاف کی حالت میں بھی ٹھہرنا بغیر وضو نہیں ہوتا تھا۔

حضرت عائشہ، حضرت میمونہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے مروی ہے کہ آقائے دو عالم ﷺ ان کے ساتھ ایک ہی برتن میں غسل فرماتے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ غسل سے پہلے وضو کرنا سنت ہے اور یہ محال ہے کہ حضور ﷺ کا ہاتھ آپ کے ہاتھ کو مس نہ کرے۔ حضرت ابو قتادہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نماز ادا فرماتے جبکہ آپ امامہ بنت زینب کو اٹھائے ہوتے تھے، متفق علیہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ میرے حجرے میں ہوتے آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے جبکہ آپ حیض کی حالت میں ہوتیں، متفق علیہ۔

رسول اللہ ﷺ کا وصال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں ہوا۔ عقل اس بات کو جائز قرار نہیں دیتی کہ آپ کا وصال طہارت پر نہ ہو۔ یہ تمام احادیث ہمارے لئے حجت ہیں اور اس کے خلاف دلیل ہیں جو یہ کہتا ہے کہ عورت کو چھونا ناقض وضو ہے۔ انہیں احادیث کی وجہ سے امام شافعی اور ان کے احباب نے اس آیت کو خاص کیا اور کہا کہ محض چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا مگر جو شہوت کے ساتھ ہو۔ ہماری ان کے خلاف حضرت عائشہ کی حدیث دلیل ہے کہ حضور ﷺ نے ازواج مطہرات میں سے ایک کا بوسہ لیا پھر آپ نماز کے لئے تشریف لے گئے لیکن آپ نے وضو نہ کیا (2) اسے بزار نے روایت کیا اور حسن قرار دیا۔ امام ترمذی، ابن ماجہ اور دوسرے محدثین نے وکیع سے، اس نے اعمش سے، اس نے حبیب بن ابی ثابت سے، اس نے عروہ سے، انہوں نے حضرت

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 74 (وزارت تعلیم)

2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 13 (وزارت تعلیم)

عائشہ سے روایت کیا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے امام بخاری نے اسے ضعیف قرار دیا اور یہ کہا بے شک حبیب نے عروہ سے نہیں سنا۔ ہم کہیں گے اس کے راوی ثقہ ہیں اور عدم سماع کی شہادت نفی پر شہادت ہے اور اسے امام احمد اور ابن ماجہ نے حجاج کی سند سے، انہوں نے عمرو بن شعیب سے، انہوں نے زینب لہمیہ سے، انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ وضو فرماتے پھر بوسہ لیتے نماز ادا فرماتے اور دوبارہ وضو نہ کرتے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے زینب لہمیہ مجہول ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ قرن ثانی کے مجہول کی روایت مقبول ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے حجاج مجروح ہے۔ ہم اس کے بارے میں یہ کہیں گے امام اوزاعی نے دار قطنی کی روایت میں جو عمرو سے مروی ہے، کے ساتھ اس کی یہ متابعت کی ہے، جبکہ عمرو لوگوں میں سے سب سے زیادہ ثقہ ہے۔ دار قطنی نے اسے سفیان ثوری سے انہوں نے ابی روق سے انہوں نے ابراہیم تیمی سے، انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے ابراہیم کا حضرت عائشہ سے سماع معروف نہیں اور اس باب میں حضور ﷺ سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں۔ میں یہ کہوں گا سماع کا امکان حدیث کی صحت کے لئے کافی ہوتا ہے۔ سماع کی معرفت کوئی ضروری نہیں ہوتی کیونکہ ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے اور ابراہیم تابعی اور ثقہ ہیں۔ امام ترمذی کے قول إِنَّهُ لَا شَيْءَ فِي هٰذَا الْبَابِ سے مراد حدیث مرفوع ہو جو متصل اور صحیح لنفسہ ہو ورنہ اس مرسل کے راوی ثقہ ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس روایت کو ابراہیم سے ابی روق اور عطیہ بن حارث کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا اور ابی روق سے ثوری اور امام ابو حنیفہ کے علاوہ کسی کی روایت معلوم نہیں جبکہ ان دونوں میں بھی اختلاف ہے۔ ثوری نے اسے حضرت عائشہ کی طرف امام ابو حنیفہ نے اسے حضرت حفصہ کی طرف منسوب کیا ہے، جبکہ ابراہیم کا ان دونوں سے حدیث سننا ثابت نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ چاروں ثقہ اور ائمہ ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ابراہیم نے دونوں حدیثیں مرسل روایت کی ہوں۔ ان میں سے ایک حضرت عائشہ سے اور دوسری حضرت حفصہ سے ثوری کو حضرت عائشہ سے مروی حدیث پہنچی ہے اور امام ابو حنیفہ کو حضرت حفصہ کی مروی حدیث پہنچی ہو۔ یہ علت فقہاء کے نزدیک قدح کا باعث نہیں جبکہ یہ حدیث ثوری سے، انہوں نے ابی روق سے، انہوں نے ابراہیم تیمی سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت عائشہ سے سند کے اتصال کے ساتھ روایت کیا۔

اگر یہ سوال کیا جائے اس حدیث کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ عثمان بن ابی شیبہ نے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ بوسہ لیتے جبکہ آپ روزے سے ہوتے، جبکہ عثمان کے علاوہ راوی یہ کہتے ہیں کہ آپ بوسہ لیتے اور وضو نہ کرتے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ راویوں کے ثقہ ہونے کے بعد فقہاء کے نزدیک یہ امر قدح کا باعث نہیں کیونکہ دونوں قولوں کے درمیان تطبیق ممکن ہے کہ یہ دو حدیثیں ہوں یا یہ ایک ہی حدیث ہو کہ گویا آپ بوسہ لیتے جبکہ آپ روزے سے ہوتے اور وضو نہ فرماتے بعض نے بعض الفاظ روایت کیے ہیں اور بعض نے بعض دوسرے الفاظ روایت کیے۔ یہ امام بخاری کے نزدیک جائز ہے۔ حافظ ابن حجر نے یہ کہا امام شافعی نے کہا سعید بن بنانہ نے محمد بن عمر سے، انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ بوسہ لیتے اور وضو نہ فرماتے۔ امام شافعی نے کہا میں سعید کے حال کو نہیں جانتا، اگر وہ ثقہ ہے تو پھر جو نبی کریم ﷺ سے روایت مروی ہے وہ حجت ہے۔ حافظ نے کہا یہ روایت دس سندوں سے مروی ہے جنہیں بیہقی نے خلافیات میں ذکر کیا اور اسے ضعیف قرار دیا۔ میں کہتا ہوں ایک ضعیف روایت جب متعدد طرق سے مروی ہو تو وہ حسن کے درجہ تک بلند ہو جاتی ہے۔ جبکہ مجھے علم ہے کہ ان طرق کے راویوں پر جھوٹ

کی تہمت نہیں۔اس باب میں حضرت ابی امامہ کی حدیث بھی ہے میں نے عرض کی یارسول اللہ ایک آدمی نماز کے لئے وضو کرتا ہے۔پھر اپنی زوجہ کا بوسہ لیتا ہے یا اس سے دل لگی کرتا ہے۔اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ فرمایا نہیں۔اسے دار قطنی نے روایت کیا۔اس میں رکن بن عبداللہ ہے جو متروک ہے۔جب اس حدیث کی سندیں بعض بعض کے ساتھ مل کر قوی ہوگئیں جبکہ وہ بالذات حسن ہیں یا مرسل صحیح ہیں تو اس سے یہ بات صحیح ثابت ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ بوسہ لینے سے وضو نہیں کرتے تھے۔ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہوگیا کہ عورت کو چھونا ناقض وضو نہیں۔اگر یہ چیز ناقض وضو ہوتی تو یہ صحابہ خصوصاً ازواج مطہرات سے ضرور منقول ہوتی جبکہ ان کی تعداد کثیر تھی وہ علم کے بیان کی شدید حریص تھیں انہیں حضور ﷺ کے ساتھ زیادہ میل جول کے مواقع ملتے،جس طرح آپ اس حدیث میں دیکھتے ہیں جسے حاکم نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ کوئی دن نہیں گذرتا تھا کہ حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لاتے آپ بوسہ لیتے اور لمس کرتے،الحدیث۔اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ آیت میں لمس سے مراد جماع ہے۔اگر لمس سے مراد جماع کے علاوہ کوئی اور چیز ہوتی تو عبادت کی کثرت کے ساتھ فائدہ کی قلت لازم آتی کیونکہ حدث کے لئے تیمم کا جواز اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے سمجھا جارہا ہے اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ جبکہ اس آیت کا مقصود یہ ہے کہ یہ وضاحت کی جائے کہ مٹی طہارت عطا کرنے میں مٹی کا نائب ہے۔یہاں حدث کو شمار کرنے کے لئے نہیں کیونکہ آیت میں کثیر احداث کو چھوڑ دیا گیا جس طرح نیند،غشی،جنون،سبیلین کے علاوہ نکلنے والی نجاست،قہقہہ،اونٹ کا گوشت کھانا اور شرمگاہ کو چھونا تو پھر لمس کے ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔کیونکہ پہلو کے بل،تکیہ لگا کر سونا،غشی اور جنون مطلقاً بالا جماع حدث ہیں کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے لیکن بول و براز اور نیند سے۔اسے ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا اور ترمذی نے صفوان بن عسال کی حدیث سے بیان کیا۔اسی طرح امام مالک کے نزدیک رکوع اور سجدہ کرنے والے کا سوجانا،امام شافعی کے نزدیک کھڑے ہونے والے کا سوجانا،امام احمد کے نزدیک کسی حالت میں بھی طویل نیند وضو کو توڑ دیتی ہے۔لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک جب کوئی آدمی نماز کی کسی حالت میں بھی سو جائے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو آدمی سجدے کی حالت میں سو گیا اس پر وضو نہیں یہاں تک کہ وہ پہلو کے بل سو جاتے تو اس کے اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔اسے عبداللہ بن احمد ابن عباس سے روایت کیا۔ابوداؤد اور ترمذی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا۔اس آدمی پر وضو نہیں جو کھڑے کھڑے سو گیا۔بیہقی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا جو آدمی بیٹھے کھڑے یا سجدہ کرتے ہوئے سو گیا اس پر وضو نہیں۔تمام طرق کا دارومدار یزید بن خالد دلائی پر ہے،اگرچہ بعض ائمہ نے اسے ضعیف قرار دیا۔لیکن صحیح وہی ہے جو بیہقی نے کہا کہ اس کی حدیث حسن ہے۔امام احمد نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ غشی اور جنون غفلت میں نیند سے بھی بڑھ کر ہیں۔اسی وجہ سے تمام علماء نے اس بات پر اتفاق کیا کہ یہ کسی حال میں بھی ہوں ناقض وضو ہیں۔

مسئلہ:۔ رکوع و سجود والی نماز میں قہقہہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناقض وضو ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جس نے اپنی نماز میں قہقہہ لگایا پس وہ اپنا وضو اور نماز لوٹائے۔اسے ابن عدی حضرت نے ابن عمر سے روایت کیا۔اس میں کچھ اور حصہ ہے جسے امام مسلم نے بطور متابع نقل کیا ہے۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے ثابت شدہ بات یہ ہے کہ وہ ثقہ مدلس ہے اگر وہ ثقہ سے اس لفظ یعنی حدثنا کے ساتھ روایت کرے جس طرح اس حدیث میں ہے تو وہ حجت ہوگی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نابینا کے قصہ میں یہ فرمانا مَنْ كَانَ مِنْكُمْ قَهْقَهَةً فَلْيُعِدِ الْوُضُوْءَ

وَالصَّلٰوۃَ تم میں سے جس نے قہقہہ لگایا وہ وضو اور نماز کا اعادہ کرے۔ اسے دار قطنی نے معبد خزاعی سے روایت کیا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ وہ صحابی ہے۔ اس کا نام ابن ام معبد ہے۔ اس کے راویوں میں سے امام ابوحنیفہ ہیں۔ ابن جوزی کو وہم ہوا۔ جب انہوں نے یہ کہا کہ امام ابوحنیفہ کو اس میں وہم ہوا۔ دار قطنی نے ایک انصاری سے روایت کیا اس سند میں خالد بن عبداللہ واسطی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ کسی نے اس پر طعن کیا ہے۔ اکثر محدثین نے یہ کہا صحیح ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔ ابوالعالیہ سے مروی ہے کہ جبکہ ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے۔ ہمارے مخالف نے حضرت جابر کی جس مرفوع روایت سے استدلال کیا وہ یہ ہے کہ ہنسنا (۱) نماز کو توڑ دیتا ہے، وضو کو نہیں توڑتا۔ اس کی سند میں عبدالرحمن بن اسحاق ابوشیبہ ہے جو ضعیف ہے۔ یحیٰ نے اسی طرح کہا۔ امام احمد نے کہا یہ کچھ بھی نہیں اور منکر ہے۔

مسئلہ:۔ اونٹ کا گوشت کھانا امام احمد کے نزدیک وضو کو توڑ دیتا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اونٹوں کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرو۔ اسے اصحاب سنن نے حضرت براء کی حدیث سے استدلال کیا۔ محدثین نے اسے صحیح قرار دیا۔ امام مسلم نے اسی کی مثل حضرت جابر سے روایت کی۔ امام احمد نے اسی کی مثل اسید بن حضیر اور ذی الغرۃ سے روایت نقل کی۔ ہمارے مخالف نے حضرت ابن عباس سے مروی مرفوع روایت ہے، سے استدلال کیا ہے وضو نجاست کے نکلنے سے لازم ہوتا ہے، کسی شے کے داخل ہونے سے لازم نہیں ہوتا۔ اسے دار قطنی اور بیہقی نے روایت کیا، تاہم یہ روایت ضعیف اور منکر ہے۔

مسئلہ:۔ شرمگاہ کو چھونا امام مالک اور امام احمد کے نزدیک وضو کو توڑ دیتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بھی یہی حکم ہوگا۔ اگر اس نے ہاتھ کی ہتھیلی سے شرمگاہ کو چھوا جب تک وہ نیا وضو نہ کرے نماز ادا نہ کرے۔ اسے ائمہ ثلاثہ، اصحاب سنن اربعہ اور دوسرے محدثین نے عروہ سے، انہوں نے مروان سے، انہوں بسرہ سے روایت کیا۔ پھر وہ بسرہ سے خود ملے اور اس سے روایت کیا۔ اس کے تمام راوی صحیحین کے راوی ہیں۔ امام ترمذی، یحیٰ اور دار قطنی نے اسے صحیح قرار دیا۔ امام بخاری نے کہا اس باب میں یہ صحیح ترین روایت ہے۔ امام ترمذی اور امام احمد نے زید بن خالد سے مرفوع روایت نقل کی ہے جو آدمی کسی کی شرمگاہ چھوئے پس وہ وضو کرے امام ترمذی، امام احمد اور بیہقی نے عمرو بن شعیب سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے دادا سے اسی کی مثل مرفوع روایت نقل کی۔ امام بخاری نے اس کی تصحیح کی، جس کی تصحیح کی حکایت امام ترمذی نے امام بخاری سے نقل کی۔ اسی باب میں وہ روایت بھی ہے جو ابن ماجہ نے ابوایوب سے روایت کی جو ضعیف ہے اور حاکم نے سعد بن ابی وقاص اور ام سلمہ سے نقل کی۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عباس سے نقل کی یہ ضعیف ہے۔ طبرانی نے اسے علی بن طلق سے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ ابن مندہ نے نعمان، انس، ابی بن کعب، معاویہ بن جندہ اور قبیصہ سے روایت ذکر کی۔ امام ترمذی نے اروی بنت انس سے روایت نقل کی۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل طلق بن علی کی حدیث ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ کیا وہ آدمی وضو کرے گا جس نے اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگایا؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا وہ بھی تیرے جسم کا حصہ ہے۔ اسے امام احمد اور اصحاب سنن نے روایت کیا۔ عمرو بن علی فلاس، ابن مدینی، ابن حبان، طبرانی اور ابن حزم نے اس کی تصحیح کی۔ امام شافعی، ابوزرعہ، ابوحاتم، دار قطنی اور بیہقی نے اسے ضعیف قرار دیا۔

میں کہتا ہوں اس حدیث کی پانچ سندیں ہیں چار ان میں سے کمزور ہیں، ایک کے راوی ثقہ ہیں مگر قیس بن طلق جو اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ اس میں اختلاف کیا گیا۔ امام احمد نے اسے ضعیف قرار دیا۔ عجلی نے اس کی توثیق کی یحیٰ سے دو روایتیں ہیں

---

(۱) جو اسے خود سنائی دے، اس کے ساتھ کھڑے آدمی کو سنائی نہ دے۔

جس نے اس کی توثیق کی۔ اسکے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے، ورنہ وہ ضعیف ہے۔ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حدیث حسن ہے لیکن بسرہ کی حدیث اس سے زیادہ قوی ہے۔ اس باب میں ابی امامہ عصمہ بن مالک اور حضرت عائشہ کی احادیث ہیں جو سب ضعیف ہیں۔ ابن حبان نے دعویٰ کیا کہ طلق کی حدیث منسوخ ہے کیونکہ شرمگاہ کو چھونے سے وضو کے ٹوٹنے والی حدیث کے راوی ابو ہریرہ ہیں۔ یہ چھ ہجری میں اسلام لائے جبکہ طلق ہجرت کی ابتداء میں ہی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ صحابہ مسجد کی تعمیر کر رہے تھے۔ دار قطنی نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس روایت کی سند ضعیف ہے کیونکہ طلق کا ہجرت کے ابتدائی ایام میں آنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ حضرت ابو ہریرہ کے اسلام لانے کے بعد دوبارہ نہیں آئے۔ نیز ابو ہریرہ کی حدیث ضعیف ہے، اس کے ساتھ بسرہ کی حدیث کا نسخ ثابت نہیں ہوتا واللہ اعلم۔

ف یعنی تم اس کے استعمال پر قادر نہ ہو سنت اور اجماع سے اس کی تفسیر اسی طرح ثابت ہے۔ پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونا ان چیزوں کو شامل ہوگا پانی نہ ہو، پانی ایک میل دور ہو یا ایسی جگہ ہو اگر یہ پانی کی طرف جائے وضو کرنے تو قافلہ غائب ہو جائے، کنویں سے پانی نکالنے کا آلہ گم ہو جائے یا کوئی مانع موجود ہو جیسے سانپ، درندہ یا دشمن جو پانی کے ذخیرہ پر غالب ہو یا پیاس کا خوف ہو سردی کی شدت یا کمزوری کی وجہ سے مرض لگنے کا خوف ہو، ایسی مرض ہو جو وضو کے لئے حرکت سے مانع ہو اور ایسا آدمی بھی کوئی نہ ہو جو اسے پانی لا دے پانی کے استعمال یا حرکت سے مرض کے بڑھ جانے کا خوف ہو نفس یا عضو کے تلف ہو جانے کا خوف ہو۔ امام شافعی سے ایک روایت یہ بھی ہے مرض میں نفس یا عضو کے تلف ہونے کے خوف کی شرط ہے۔ ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے۔ یہ آیت انصار کے ایک آدمی کے بارے میں نازل ہوئی وہ مریض تھا خود وضو نہیں کر سکتا تھا اس کا کوئی خادم بھی نہیں تھا جو اسے وضو کرائے اس نے اپنے معاملہ کا ذکر حضور ﷺ نے کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

ابن جریر نے ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کو زخم لگا۔ اس میں وہ بے ہوش ہو گئے۔ پھر اسی حالت میں احتلام ہو گیا۔ انہوں نے اس امر کی حضور ﷺ کو شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

حضرت عمرو بن عاص سے مروی ہے غزوہ ذات السلاسل میں ایک سخت سرد رات میں مجھے احتلام ہو گیا۔ مجھے خوف لاحق ہوا اگر میں نے اس سرد رات میں غسل کیا تو مر جاؤں گا۔ میں نے تیمم کیا۔ پھر میں نے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ اس معاملہ کو حضور صلی اللہ علیہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا اے عمرو تو نے جنابت کی حالت میں ساتھیوں کو نماز پڑھا دی۔ میں نے عرض کی، میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سن رکھا ہے وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ الآیہ۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور کچھ بھی نہ کہا (1) امام بخاری نے اسے معلق روایت کیا ہے۔ اسے ابو داؤد اور حاکم نے روایت کیا۔

حضرت ابن عمر سے ایک روایت مروی ہے کہ آپ جرف کے مقام پر موجود اپنی زمین سے واپس آ رہے تھے۔ جب آپ مربد کے مقام پر پہنچے تو عصر کی جماعت تیار تھی۔ آپ نے تیمم کیا اور عصر کی نماز پڑھ لی۔ پھر آپ مدینہ طیبہ میں پہنچے جب کہ سورج ابھی بلند تھا آپ نے عصر کی نماز کا اعادہ نہ کیا اسے امام شافعی اور امام مالک نے اپنے موطا میں مختصر روایت کیا جرف مدینہ طیبہ سے ایک فرسخ (1) فاصلہ پر ایک جگہ ہے ابو اسحاق نے بھی یہی کہا کہ مربد مدینہ طیبہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 48 (وزارت تعلیم) (1) تین ہاشمی میل۔ تقریباً آٹھ کلو میٹر۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا جب آپ سفر پر ہوتے نماز کا وقت ہو جاتا پانی ایک دو یا زیادہ تیر کے گرنے کے فاصلے پر ہوتا تو آپ اس طرف متوجہ نہ ہوتے۔ آپ یہ قافلہ کے نکل جانے کے خوف سے کرتے۔ عدول کا لفظ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ پانی میں دائیں یا بائیں ہوتا بالکل سامنے نہ ہوتا۔

مسئلہ:۔ امام شافعی نے فرمایا مسافر جب پانی نہ پائے تو اس پر لازم ہے کہ اپنے کجاوے اور اپنے ساتھیوں سے پانی مانگے۔ اگر وہ صحراء میں ہے اور اس کے سامنے کوئی رکاوٹ بھی نہیں تو وہ دائیں بائیں دیکھے۔ اگر اس کے سامنے کوئی ٹیلہ یا دیوار ہو تو اس سے اعراض کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً عربی زبان میں لم یجد کا لفظ اسی وقت بولا جاتا ہے جب وہ تلاش کرے اور پانی نہ پائے امام ابوحنیفہ نے کہا ساتھی سے پانی کا طلب کرنا شرط نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ پانی کو پانے والا نہیں کیونکہ اس کے ساتھی کا پانی اس کی ملک میں نہیں۔

۱۰ تم قصد کرو قاموس میں تیمم کا معنی تلاش کرنا اور کوشش کرنا ہے۔ اس میں یاء ہمزہ سے بدلی ہوئی ہے۔ یممہ کا معنی ہے اس نے قصد کیا اور یمامہ کا معنی قصد کرنا ہے۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا تیمم میں نیت شرط ہے جبکہ وضو اور غسل میں شرط نہیں۔ امام زفر فرماتے ہیں تیمم میں بھی نیت شرط نہیں جس طرح وضو اور غسل میں شرط نہیں۔ امام زفر کے خلاف یہ آیت ہماری دلیل ہے۔ تینوں ائمہ نے کہا کہ وضو اور غسل میں بھی نیت کرنا شرط ہے۔ ہم اس مسئلہ کو سورۂ مائدہ میں ذکر کریں گے۔

۱۱ صعید زمین کے ظاہری حصہ کو کہتے ہیں وہ مٹی ہو، ریت ہو، گچ ہو، چھوٹا ہو، پتھر ہو یا کوئی اور چیز، زجاج کہتے ہیں۔ اہل لغت میں اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں۔

میں یہ کہتا ہوں یہی وجہ ہے کہ امام بیضاوی نے اپنی تفسیر میں صرف مٹی کا ذکر نہیں کیا جبکہ آپ امام شافعی کے مقلد ہیں۔ امام بغوی نے کہا ابن عباس نے کہا صعید سے مراد مٹی ہے(1) قاموس میں ہے صعید مٹی یا زمین کا اوپر والا حصہ ہدایہ میں ہے کہ ابن عباس نے صعیدا طیبا کی تفسیر زرخیز مٹی کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا میں نے آپ کا یہ قول نہیں دیکھا۔ لیکن بیہقی اور ابن ابی حاتم نے آپ سے یہ قول نقل کیا کہ اطیب الصعید وہ مٹی ہوتی ہے جو کھیتی باڑی کے قابل ہو۔ اسے ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے مرفوع روایت نقل کیا ہے۔ اطیب کا لفظ یہ معنی بھی دیتا ہے کہ کھیتی باڑی والی مٹی کے علاوہ بھی صعید طیب ہو سکتی ہے۔

میں یہ کہتا ہوں اگر صعید کا لفظ مٹی اور سطح زمین میں مشترک ہے، جس طرح صاحب قاموس نے کہا، تو یہاں اس سے مراد سطح زمین ہوگی مٹی نہ ہوگی کیونکہ سورۂ مائدہ میں موجود یہ آیت کریمہ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ اس کا قرینہ ہے کیونکہ اگر یہ شرط لگائی جائے کہ زرخیز مٹی سے تیمم کرو تو لوگ حرج میں مبتلا ہوں گے، خصوصاً ان لوگوں کے لئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے آباد وادی، شور یدہ زمین، ریت اور پہاڑ میں سکونت عطا کی، وہ تو سخت مصیبت میں مبتلا ہوں گے۔ سطح زمین پر حضرت ابو ہریرہ کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے چھ چیزوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ مجھے جوامع کلم عطا کیے گئے، رعب سے میری مدد کی گئی، غنائم میرے حلال کیے گئے، زمین میرے لئے مطہر اور مسجد بنادی گئی مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔(2) اسے امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کیا۔ امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔ طبرانی نے اسے سند صحیح کے ساتھ سائب

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 447 (التجاریہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 199 (قدیمی)

بن یزید سے روایت کیا ہے کہ مجھے پانچ چیزوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ انہوں نے جوامع کلم اور ختم نبوت کا ذکر نہیں کیا اور ایک چیز کا اضافہ کیا میری امت کے لئے میری شفاعت کو ذخیرہ کر لیا گیا باقی حدیث پہلی حدیث کی طرح ہے۔

امام بیہقی نے ابی امامہ سے سند صحیح کیساتھ روایت کیا ہے کہ مجھے چار چیزوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ تمام زمین میرے لئے اور میری امت کے لئے مسجد اور مطہر بنادی گئی(1) میری امت میں سے جو بھی نماز پڑھنے کے لئے آیا اور اس نے ایسی چیز نہ پائی جس پر وہ نماز پڑھے وہ زمین کو مسجد اور پاکیزگی عطا کرنے والا پائے گا۔ اس حدیث میں تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجنے' دو ماہ کی مسافت پر رعب اور غنیمتوں کے حلال ہونے کا ذکر ہے۔ امام احمد کے نزدیک یہ الفاظ ہیں طهورا و مسجدا عمرو بن شعیب کی روایت میں ہے جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے میں اس سے تیمم کرلوں۔ صحیحین میں حضرت جابر سے مروی ہے مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئیں جو مجھ سے قبل کسی اور کو عطا نہیں کی گئیں، ان میں سے آپ نے یہ شمار کیا میرے لئے زمین کو مسجد اور پاکیزگی عطا کرنے والا بنادیا گیا(2) ابن جارود اور ابن منذر کے نزدیک حضرت انس سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے میرے لئے ہر پاکیزہ زمین مسجد اور طہور بنادی گئی۔ ان احادیث کے تمام الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ زمین کے تمام اجزاء مطہر ہیں جس طرح اس کے تمام اجزاء مسجد ہیں۔ اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے کیونکہ الارض میں الف لام جنسی ہے۔ ابی امامہ کی حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث زیادہ صریح اور اس مسئلہ پر زیادہ دلالت کرتی ہیں۔ یہ آیت امام ابوحنیفہ کے لئے حجت ہے جو آپ یہ کہتے ہیں کہ زمین کی تمام اقسام سے تیمم کرنا صحیح ہے وہ شور یدہ ہو ریت ہو بغیر غبار کے پتھر ہو یا کوئی اور چیز۔

امام مالک نے فرمایا نباتات سے بھی تیمم کرنا جائز ہے جب وہ زمین کے ساتھ متصل ہوں کیونکہ اس پر بھی قدرۃً صعید کا اطلاق ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف نے کہا صرف مٹی اور ریت سے تیمم کرنا صحیح ہے۔

امام شافعی اور امام احمد نے کہا صرف مٹی سے تیمم کرنا صحیح ہے۔ انہوں نے حضرت حذیفہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ہمیں لوگوں پر تین چیزوں میں فضیلت دی گئی، ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں جیسی بنائی گئیں۔ ہمارے لئے تمام زمین مسجد بنادی گئی، ہمارے لئے ہماری مٹی کو مطہر بنادیا گیا جب ہم پانی نہ پائیں(3) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ نیز انہوں نے حضرت علی کی حدیث سے استدلال کیا اس میں ہے کہ میرے لئے مٹی مطہر بنادی گئی۔ علماء نے کہا یہ خاص ہے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ عام کو بھی اسی پر محمول کیا جائے۔ ہم یہ کہتے ہیں یہ لقب کے مفہوم سے استدلال ہے اور جمہور علماء کے نزدیک لقب کا مفہوم حجت نہیں ہوتا۔ عام کو خاص پر محمول کرنا اس وقت لازم آتا ہے جب دونوں میں تعارض ہو جبکہ یہاں کوئی تعارض نہیں کیونکہ مٹی کے ذریعے تیمم یہ دوسری چیزوں کے ساتھ تیمم کی نفی نہیں کرتا بلکہ یہ اس سے خاموش ہے۔ مٹی کو خصوصاً اس لئے ذکر کیا کیونکہ مٹی سے تیمم کرنا افضل ہے۔

امام ابو یوسف نے ریت کے ساتھ تیمم کے جواز کا قول اس لئے کیا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے کہ جنگل میں رہنے والوں میں سے کچھ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی ہم تین یا چار مہینے صحراء میں رہتے ہیں ہم میں جنبی ہوتے ہیں نفاس اور حیض والی عورتیں بھی ہوتی ہیں جبکہ ہم پانی بھی نہیں پاتے حضور ﷺ نے فرمایا تم زمین سے طہارت حاصل کرو، پھر آپ نے اپنا

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 199 (قدیمی) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

ہاتھ زمین پر مارا۔ یہ چہرے پر مسح کرنے کے لئے ضرب تھی پھر آپ نے دوسری دفعہ ہاتھ مارا اور کہنیوں تک اپنے ہاتھوں پر مسح کیا۔ اسے ابن جوزی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس میں مثنی بن صباح ہے، امام احمد اور رازی نے کہا یہ کچھ بھی نہیں۔ امام نسائی نے کہا یہ متروک ہے۔

طیب کا مثبت معنی کرنا جائز نہیں کیونکہ مٹی کا پاک ہونا بالا جماع شرط ہے۔ اگر یہاں طہارت کے ساتھ مثبت معنی بھی کیا جائے تو حقیقت و مجاز کو جمع کرنا لازم آئے گا۔ جب مٹی کا پاک ہونا شرط ہے جو دلیل قطعی یعنی کتاب اللہ اور اجماع سے ثابت ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا جب زمین پہلے ناپاک ہو جائے پھر خشک ہونے سے پاک ہو جائے تو اس پر نماز پڑھنا تو جائز ہے، اس کے ساتھ تیمم کرنا جائز نہیں کیونکہ زمین کا خشک ہونے سے پاک ہونا۔ یہ خبر واحد سے ثابت ہے تو جو چیز نص قطعی سے بطور شرط ثابت ہے وہ اس حدیث سے ساقط نہ ہوگی۔ ائمہ ثلاثہ نے کہا اس پر نماز جائز نہیں اور خشک ہونے سے زمین کی پاکیزگی والی حدیث معروف نہیں جبکہ میرے نزدیک خشک ہونے سے اس پر پاکیزگی کا حکم لگانا بیان حدیث سے ثابت ہے جسے امام بخاری نے حمزہ بن عبداللہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کتے مسجد میں پیشاب کرتے اور اس میں آتے صحابہ کرام اس پر پانی نہ بہاتے تھے (1) سنن ابی داؤد، اسماعیلی ابی نعیم اور بیہقی میں اسی طرح ہے واللہ اعلم

1؎ اس میں باء زائدہ ہے۔ چہرے کو مسح سے گھیرنا یہ بالا جماع فرض ہے۔

2؎ کندھے تک کے حصہ کو ید کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے زہری سے یہ منقول ہے کہ تیمم میں بغلوں تک کا مسح کرنا واجب ہے۔ صحابہ سے بھی یہی منقول ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد انہوں نے بغلوں اور کندھوں تک مسح کیا۔ صحابہ کا یہ عمل آقائے دو عالم ﷺ کی طرف سے اس کی تفسیر سے پہلے تھا۔ حضرت عمار بن یاسر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذات الجیش میں پچھلی رات قیام کیا جب کہ اس سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ساتھ تھیں۔ آپ کا ظفاری منکوں کا ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہار کی تلاش کے لئے لوگوں کو روک لیا، یہاں تک کہ فجر روشن ہوگئی جبکہ لوگوں کے پاس پانی بھی نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر مٹی سے پاکیزگی حاصل کرنے کا حکم نازل کیا مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے زمین پر ہاتھ مارے اور مٹی نہ جھاڑی اور اپنے چہروں پر اپنے کندھوں تک مسح کیا اور ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے لے کر بغلوں تک مسح کیا (2) اسے ابن جوزی نے احمد کی سند سے روایت کیا۔ ابن ماجہ نے ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا کہ ہم نے کندھوں تک تیمم کیا۔ آپ کی ہی ایک روایت میں ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کندھوں تک مسح کیا لیکن حضور ﷺ کی تعلیم اور اجماع سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہاں سارا ہاتھ مراد نہیں۔ پس یہ مقدار میں مجمل ہے بعد میں حضور ﷺ نے تیمم میں ید کی مقدار بیان کی کہ تیمم میں اس کی مقدار وہی ہے جو وضو میں اس کی مقدار ہے یعنی کہنیوں تک مسح کیا جائے۔

حضرت عمار سے مروی ہے کہ میں اس قوم میں شامل تھا جب یہ آیت نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہم نے ایک ضرب چہرہ اور دوسری ضرب کہنیوں تک ہاتھوں پر مسح کرنے کے لئے لگائی۔ اسے بزار نے روایت کیا۔ حافظ ابن حجر نے رافعی کی احادیث کی تخریج میں ذکر کیا اور اس پر کوئی طعن نہیں کیا۔ ابوداؤد نے عمار کی حدیث روایت کی، اس میں کہا کہنیوں تک۔ لیکن اس کی

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 55 (وزارت تعلیم)　　2۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 264 (صادر)

سند میں ہے قتادہ نے کہا مجھے ایک محدث نے امام شعبی سے روایت کی، وہ محدث یہاں مبہم ہے۔ لیکن محدث کا لفظ اس کے ثقہ ہونے پر دلالت کرتا ہے پس اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس آیت کے شان نزول میں اسلع کی حدیث گزر چکی ہے، کہا مجھے رسول اللہ ﷺ نے تیمم دکھایا ایک ضرب چہرے کے لئے۔ اور ایک ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کے لئے لیکن اس کی سند میں ربیع بن بدر ضعیف ہے۔ لیکن عمار کی حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔ پس عمار اور اسلع کی احادیث اس آیت کا بیان بن گئیں۔

مسئلہ:۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے یہ کہا کہ تیمم میں کہنیوں تک مسح کرنا واجب ہے۔ حضرت جابر کی حدیث بھی اسی مذہب کی تائید کرتی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے کہا مجھے جنابت لاحق ہوگئی اور میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا(1) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیمم چہرے کے لئے ایک ضرب اور کہنیوں تک بازوؤں کے لئے ایک ضرب۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے ایک ہاتھ زمین پر مارا اور اپنے چہرے پر مسح کیا، پھر دوسرا ہاتھ مارا اور کہنیوں تک ہاتھوں پر مسح کیا۔ اسے حاکم نے روایت کیا، اور اسے صحیح قرار دیا جبکہ شیخین نے اسے نقل نہیں کیا۔ دار قطنی نے کہا اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ نیز ابن صمہ کی حدیث میں ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گذرا جبکہ آپ قضائے حاجت کر رہے تھے۔ میں نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب نہ دیا یہاں تک کہ فارغ ہونے کے بعد آپ دیوار کی طرف اٹھے۔ آپ کے پاس جو چھڑی تھی اسی سے اسے رگڑا پھر اپنا ہاتھ اس پر رکھا اور چہرے اور بازوؤں پر مسح کیا۔ اسے امام شافعی اور نسائی نے اپنی سند سے روایت کیا۔ نسائی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے اس میں ابوعصمہ ہے اور ابن خارجہ نے اس کی متابعت کی ہے۔ ابن جوزی نے کہا ان دونوں میں اعتراض کیا گیا، اس میں ایک راوی ابوالحویرث بھی ہے۔ حافظ نے کہا اس میں ضعف ہے۔

میں یہ کہتا ہوں ان میں سے کسی پر بھی جھوٹ کی تہمت نہیں۔ پس یہ حدیث حسن کے درجہ تک پہنچ گئی۔ یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے کہ آپ نے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا اور عبداللہ بن ابی اوفی کی حدیث کہ ان سے تیمم کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا نبی کریم ﷺ نے حضرت عمار کو حکم دیا کہ وہ اس طرح کرے اور اپنا ہاتھ زمین پر مارا پھر انہیں جھاڑا اور اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا۔ ایک روایت میں ہاتھوں کی جگہ کہنیوں کا ذکر ہے۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔ امام ذہبی نے اس سند کے کسی راوی کو بھی ضعفاء میں ذکر نہیں کیا مگر عثمان بن ابی شیبہ کے بارے میں کہا یہ امام بخاری کے شیخ ہیں۔ ان کے بارے میں جرح کی گئی جبکہ یہ خود سچے ہیں۔ پس یہ حدیث حسن ہے اس باب میں کئی اور ضعیف احادیث ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن عمر کی ابن صمہ جیسی حدیث ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا، اس روایت کا دارومدار محمد بن ثابت پر ہے جو ضعیف ہے۔ انہیں سے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تیمم دو ضربیں ہیں ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کے لئے اسے دار قطنی، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں علی بن ظبیان ہے جسے قطان اور ابن معین نے ضعیف قرار دیا۔ حاکم نے کہا یہ سچا ہے۔ سلیمان بن داؤد کی سند سے یہ بھی روایت مروی ہے جبکہ وہ متروک ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں حریش بن حریث ہے۔ ابوحاتم نے کہا یہ منکر الحدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی روایت مروی ہے کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ تیمم کیا۔ ہم نے اپنے ہاتھ پاک مٹی پر مارے،

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 50 (وزارت تعلیم)

پھر ہم نے اپنے ہاتھوں کو جھاڑا، پھر اس کے ساتھ اپنے ہاتھوں پر مسح کیا، پھر ہم نے دوسری دفعہ ہاتھ مارا اور کہنیوں سے ہاتھوں تک مسح کیا۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا۔ اس سند میں سلیمان بن ارقم متروک ہے۔ اس باب میں ابی امامہ کی حدیث ہے جسے طبرانی نے روایت کیا۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ امام مالک اور امام احمد نے کہا تیمم میں ایک ہی ضرب پر اکتفاء کرنا جائز ہے، اسی کے ساتھ اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرلے کیونکہ حضرت عمار سے مروی حدیث ہے میں ایک سریہ میں تھا۔ مجھے جنابت کی حالت طاری ہو گئی۔ میں مٹی میں الٹ پلٹ ہوا۔ جب میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا تیرے لئے اتنا ہی کافی تھا، آپ نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا، پھر اس میں پھونکا اور اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا۔ انہیں سے ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تیمم میں فرمایا ایک ضرب منہ اور ہتھیلیوں کے لئے ہے۔ ان دونوں کو امام احمد نے روایت کیا۔ صحیحین میں کئی طرق سے مروی ہے، بخاری کے بعض الفاظ یہ ہیں آپ کے لئے یہ کافی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اس میں پھونکا پھر اپنے چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کیا۔ امام مسلم نے یہ روایت کیا تیرے لئے یہ کافی ہے کہ تو اپنا ہاتھ زمین پر مارے، پھر اس میں پھونک مارے، پھر اپنے چہرے اور ہاتھ پر مسح کرے۔ امام بخاری کے نزدیک یہ الفاظ ہیں تیرے لئے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرنا کافی ہے۔ میں کہتا ہوں صحیحین کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت کہ حضرت یہ نہیں جانتے تھے کہ تیمم جنبی کے لئے کافی ہے۔ اس وقت انہیں صرف یہی علم تھا کہ یہ صرف محدث کے لئے ہے۔ اسی وجہ سے محدث کے تیمم پر قیاس کرتے ہوئے مٹی میں پہلو بدلے۔ علماء نے کہا شیخین نے حضرت عمار سے جو حدیث روایت کی ہے وہ اقوی ہے۔ ہم نے کہا اگرچہ ایک ایک سند کے اعتبار سے حضرت عمار کی حدیث اقوی ہے، تاہم جو ہم نے بات ذکر کی ہیں وہ راویوں کی کثرت اور سندوں کے مختلف ہونے کے اعتبار سے صحیح ہیں اور ضعیف ہیں، جو قوت میں صحیحین کی حدیث کے درجہ تک پہنچ گئی ہیں اس لئے وہ آپس میں متعارض ہو گئیں۔ پس اس لئے ہم نے اپنی روایات کو کئی وجوہ سے ترجیح دی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ امام احمد نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ وہ آیت کے نزول سے بہت بعد کی ہے اور متاخر روایت مجمل کا بیان نہیں ہو سکتی کیونکہ حاجت کے وقت بیان کا موخر ہونا جائز نہیں ہوتا۔ اگر اس حدیث کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے تو یہ کتاب اللہ کی ناسخ بنتی ہے جبکہ خبر واحد سے کتاب اللہ کا نسخ جائز نہیں۔ اس وجہ سے صحیحین کی روایت کتاب اللہ سے متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی۔

رہی ہماری احادیث ان میں سے کچھ کتاب اللہ کے بیان ہونے میں صریح ہیں کیونکہ وہ اس آیت کے نزول کے وقت کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ اس وجہ سے انہیں کتاب اللہ کا بیان بنانا صحیح ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ صحیحین کی احادیث تاویل کا احتمال رکھتی ہیں کہ یہ کہا جائے لفظ کف بولا اور مراد ید لیا کیونکہ جز بول کر کل مراد لیا جاتا ہے یا یہ کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے ضرب کی صورت بیان کی اور زمین میں پہلو بدلنے کی نفی کی اس میں تیمم کے تمام اجزاء کو بیان کرنے کا ارادہ نہیں کیا، جس طرح غسل میں فرمایا تیرے لئے یہی کافی ہے کہ تو اپنے سر پر تین چلو ڈال لے اس میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے اور سارے بدن کو دھونے کا ذکر نہیں کیونکہ وہاں مقصود یہ تھا کہ مینڈیاں کھولنے کی ضرورت نہیں۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ جب احادیث متعارض آ جائیں تو ان سے استدلال نہیں کیا جا سکتا پس اس لئے ہم نے وضو پر قیاس کیا اور

اس قیاس پر عمل کر لیا۔

چوتھی توجیہ یہ ہے کہ ہم نے احتیاط کو اختیار کیا اور کہنیوں تک مسح کرنے اور دو ضربیں لگانے کا حکم دیا۔

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسی نماز کے لئے تیمم کرنے کی اجازت ہے جو فوت ہو جائے تو اس کا کوئی نائب نہ ہو، جس طرح نماز عید، اس کے لئے ابتداء میں بھی تیمم کرنا جائز ہے اور دضو ٹوٹنے کی صورت میں بنا کرنے کے لئے بھی تیمم جائز ہے۔ اسی طرح جب ولی کوئی اور ہو تو نماز جنازہ کے لئے بھی تیمم کرنا جائز ہے مگر وقتی نماز اور جمعہ کی نماز کے لئے تیمم نہیں کر سکتا۔

امام مالک اور امام شافعی نے کہا نماز عید اور نماز جنازہ کے فوت ہونے کے خوف کی صورت میں بھی تیمم نہیں کر سکتا کیونکہ ان کی ادائیگی ضروری نہیں کیونکہ ان دونوں ائمہ کے نزدیک نماز عید سنت ہے واجب نہیں، جبکہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، کوئی بھی ادا کر دے تو لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ تاہم ان کے نزدیک وقتی اور جمعہ کی نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمم کر سکتا ہے۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک نماز لوٹانا واجب ہوگا، جبکہ امام احمد کے نزدیک ان میں سے کسی بھی نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمم جائز نہیں ہوگا کیونکہ مٹی سے پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ پانی موجود نہ ہو جبکہ وہ شرط موجود نہیں۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپ نے سلام کا جواب دینے کے لئے تیمم کیا۔

مسئلہ:۔ جب ایک آدمی نے تیمم کے ساتھ نماز پڑھ لی اور اس نے وقت میں پانی پالیا تو اس پر نماز کا لوٹانا واجب نہیں۔ عطاء، طاؤس، مکحول، ابن سیرین اور زہری نے کہا اعادہ کرنا واجب ہوگا۔ ہمارے پیش نظر حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ دو آدمی سفر کے لئے گھر سے نکلے نماز کا وقت ہو گیا جب کہ ان کے پاس پانی نہیں تھا۔ انہوں نے پاکیزہ مٹی سے تیمم کیا نماز ادا کی۔ پھر وقت میں پانی پایا۔ ان میں سے ایک نے وضو کیا اور نماز لوٹائی، جبکہ دوسرے نے نماز نہ لوٹائی۔ وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سب کچھ بیان کیا۔ اس آدمی سے فرمایا جس نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا تو نے سنت کو پالیا اور تیری نماز جائز ہو گئی اور جس نے نماز کا اعادہ کیا تھا اسے فرمایا تیرے دو اجر ہیں(1) اسے ابوداؤد، نسائی، حاکم اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ:۔ جس آدمی کے بعض اعضاء صحیح اور بعض زخمی ہوں وہ صحیح اعضاء کو دھوئے اور زخمی پر تیمم کرے یہ امام شافعی اور امام احمد کا مسلک ہے میرے نزدیک فتوی کیلئے یہی پسندیدہ قول ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا نقطہ نظر یہ ہے اگر اکثر اعضاء صحیح ہوں تو پھر صحیح کو دھویا جائے اور زخمی پر مسح کر لیا جائے، تیمم نہ کیا جائے۔ بصورت دیگر تیمم کر لیا جائے انہیں دھویا نہ جائے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کے بعض اعضاء صحیح ہیں پس وہ من وجہ پانی پانے والا ہے۔ اس لئے دھونا اس سے ساقط نہ ہوگا اور من وجہ مریض ہے کیونکہ وہ تمام اعضاء پر پانی استعمال کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ پس وہ تیمم کرے گا۔ اس کی تائید حضرت جابر کی حدیث کرتی ہے کہ ہم ایک سفر پر نکلے ایک آدمی کو پتھر لگا جس نے اس کے سر کو زخمی کر دیا۔ پھر اسے احتلام ہوا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کیا تم میرے لئے تیمم کی رخصت پاتے ہو؟ اس کے ساتھیوں نے کہا ہم تیرے لئے تیمم کی رخصت نہیں پاتے، تو پانی پر قادر ہے، اس لئے غسل کر۔ اس نے غسل کیا اور مر گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ساتھیوں کو فرمایا انہوں نے اسے قتل کیا، اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے۔ جب وہ خود نہیں جانتے تھے انہوں نے دوسروں سے سوال کیوں نہیں کیا۔ بے شک جہالت سے شفاء سوال کرنا ہے۔ اس کے لئے تیمم کافی تھا یا زخم پر پٹی باندھ لیتا اس پر مسح

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 49 (وزارت تعلیم)

کرتا اور باقی حصہ دھولیتا۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا اسی سند سے ابن جوزی نے روایت کیا۔

مسئلہ:۔ ایک تیمم سے کئی نمازیں پڑھنا جائز ہے جب تک اسے حدث لاحق نہ ہو یا اسے پانی نہ ملے۔ امام شافعی اور امام احمد نے کہا ہر نماز میں اسے نیا تیمم کرنا ہوگا۔ ہمارے پیش نظر حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ پاک مٹی مسلمانوں کو پاکیزگی عطا کرنے والی ہے، اگرچہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے جب وہ پانی پائے تو اسے استعمال کرے کیونکہ یہ بہتر ہے(1) اسے اصحاب سنن نے ابوذر کی حدیث سے روایت کیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ امام شافعی نے حضرت ابن عباس کے قول سے استدلال کیا ہے کہ سنت یہ ہے کہ ایک آدمی تیمم کے ساتھ ایک سے زیادہ نماز نہ پڑھے۔ اسے دار قطنی اور بیہقی نے روایت کیا۔ رافعی نے کہا صحابی کا قول من السنۃ اس سے مراد حضور ﷺ کی سنت ہوتی ہے، یہ مرفوع حکمی ہوتی ہے۔ اس باب میں حضرت علی شیر خدا کا ایک قول بھی ہے جسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا اور حضرت عمرو بن عاص سے موقوف روایت مروی ہے کہ وہ ہر نماز کیلئے تیمم کرتے تھے۔ قتادہ بھی یہی فتویٰ دیتے۔ دار قطنی نے اپنی سندوں کے ساتھ قتادہ سے نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عمر ہر نماز کیلئے تیمم کرتے تھے۔ اسے بیہقی نے روایت کیا۔

ہم نے کہا ان آثار میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ حضرت ابن عباس کے اثر کا جہاں تک تعلق ہے اس کی سند میں ابو یحییٰ ہے جو حسن بن عمارہ سے روایت کرتا ہے۔ یہ دونوں متروک ہیں۔ حسن نے کہا یہ بہت ضعیف ہے۔ حضرت علی سے مروی اس کی سند میں حجاج بن ارطاہ ہے جسے ابن مہدی اور قطان نے متروک کہا۔ امام اور دار قطنی نے کہا یہ قابل حجت نہیں۔ ابن معین اور نسائی نے کہا یہ قوی نہیں۔ عمرو بن عاص سے مروی اثر یہ منقطع ہے۔ قتادہ اور عمرو کے درمیان شدید ارسال ہے۔ ابن عمر کے اثر کی سند میں عامر الاحول ہے جس میں علماء نے اختلاف کیا۔ اسے امام احمد اور دوسرے لوگوں نے کمزور کیا اور ابو حاتم اور مسلم نے ثقہ قرار دیا۔ پھر یہ آثار مرفوع صحیح روایت کے معارض نہیں ہو سکتے۔ ہم اسے استحباب پر محمول کرتے ہیں اور ابن عباس کا قول من السنۃ اس سے مراد مستحب ہے واجب نہیں۔

مسئلہ:۔ جو دو طہارتیں (وضو تیمم) حاصل نہ کر سکے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک نماز نہ پڑھے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر قضا لازم ہوگی، جبکہ امام مالک کے نزدیک قضا لازم نہ ہوگی۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک وہ نماز پڑھے۔ جب پانی پائے تو امام شافعی کے نزدیک نماز کا لوٹانا واجب ہوگا جبکہ امام احمد کے نزدیک نماز نہیں لوٹائے گا۔

ہمارے پیش نظر یہ آیت ہے ولا جنبا یعنی تم نماز کے قریب نہ جاؤ جب کہ تم جنبی ہو مگر مسافر یہاں تک کہ تم غسل کر لو اور اگر تم مریض ہو۔

یہاں حالت جنابت میں نماز سے منع کیا اور پانی پانے والے کے لئے غسل کو نہی کی انتہا قرار دیا اور جو پانی نہ پائے اس کیلئے تیمم کو نہی کی انتہا قرار دیا پھر جو دونوں طہارتیں حاصل نہیں کر سکتا وہ غایت نہ ہونے کی وجہ سے نہی میں داخل نہیں ہوگا۔

اگر یہ سوال کیا جائے مسافر نہی سے خارج ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیں گے وہ ایسا مسافر ہے جس نے تیمم کیا ہو اگر یہ مراد نہ ہو تو پھر مسافر بغیر تیمم کے نماز پڑھتا۔

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 48 ((وزارت تعلیم)

امام شافعی کے لئے یہ کہنا ممکن ہے مسافر نبی سے مطلقاً خارج ہے۔ پھر اس پر تیمم کو واجب کیا گیا ہے اور تیمم کے وجوب کے لئے مٹی پر قدرت شرط ہے تا کہ تکلیف مالا یطاق لازم نہ آئے۔ جب وہ مٹی پر قادر نہ ہو اس سے تیمم ساقط ہو جاتا ہے اور نبی سے خارج رہتا ہے۔

ہماری دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے اللہ تعالیٰ وضو کے بغیر نماز قبول نہیں کرتا لفظ صلوٰۃ نفی کے تحت داخل ہونے کی بنا پر عام ہے۔ یہ قول کرنا اس پر محمول ہوگا جو طہارت پر قادر نہیں تو یہ بغیر دلیل کے عام کو خاص کرنا لازم آئے گا۔ ہمارے پیش نظر عمار بن یاسر کی حدیث بھی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب سے عرض کیا کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ سفر پر تھے۔ ہمیں جنابت نے آ لیا آپ نے نماز نہ پڑھی اور میں زمین پر لوٹ پوٹ ہوا اور نماز پڑھ لی۔ میں نے اس چیز کا ذکر حضور ﷺ سے کیا تو حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تیرے لئے اس طرح کرنا کافی تھا، متفق علیہ۔ اور حضور ﷺ نے حضرت عمر پر نماز چھوڑنے کی وجہ سے ناراضگی کا اظہار نہ کیا۔

امام شافعی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی روایت سے استدلال کیا کہ انہوں نے اسماء بنت ابی بکر سے ایک ہار عاریۃً لیا۔ وہ ہار گم ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہار کی تلاش میں کچھ لوگ بھیجے۔ انہیں نماز کا وقت ہو گیا۔ انہوں نے وضو کے بغیر نماز پڑھ لی۔ جب وہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پہنچے تو اس امر کی شکایت کی تو آیت تیمم نازل ہوئی۔ تو حضرت اسید بن حضیر نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔ اللہ کی قسم آپ پر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کوئی راہ پیدا فرما دیتا ہے اور مسلمانوں کے لئے اس میں برکت رکھ دیتا ہے۔ یہ روایت متفق علیہ ہے۔ ایک اور روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ اٹھے۔ آپ نے صبح کی تو پانی موجود نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے تیمم والی آیت کو نازل فرمایا۔ تو صحابہ کرام نے تیمم کیا۔ تو اسید بن حضیر نے کہا یہ بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے اے آل ابی بکر یہ تمہاری پہلی برکت نہیں۔ حضرت عائشہ نے کہا ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہم نے ہار کو وہاں پایا۔

ہم اس کا جواب یہ دیں گے یہ حدیث ہمارے حق میں دلیل ہے، ہمارے خلاف دلیل نہیں کیونکہ حضور ﷺ سے یہ منقول نہیں کہ حضور ﷺ نے نماز پڑھی ہو۔ انہوں نے یہ عمل اپنی رائے سے کیا اگر نماز بغیر طہارت کے جائز ہوتی تو آیت کے نازل ہونے کے بعد تیمم نہ کرتے۔

امام شافعی کا یہ قول کہ نماز کا اعادہ واجب ہوگا، جبکہ وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نماز طہارت کے بغیر بھی واجب ہوگی۔ یہ اصول کے قاعدہ کے مطابق باطل ہے کیونکہ وجوب کا سبب وقت ہے جو ایک ہے۔ اس لئے یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ واجب کے تکرار کے لئے سبب ہو۔

امام مالک کا قول کہ اس پر قضا نہیں یہ بھی باطل ہے۔ وہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ نماز کے ترک کرنے میں اس کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔ باطل ہونے کی وجہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے تم سے جو نماز فوت ہو جائے تو اسے قضا کرو۔ یہ فوت ہونے کی صورت میں قضا کے لئے امر ہے۔ یہ اس سے عام ہے کہ یہ ادائیگی کوتاہی کی وجہ سے ہو یا اس کے بغیر ہو۔ کیا تم جانتے نہیں کہ سونے والے پر قضاء کا واجب ہونا متفق علیہ ہے، جب کہ اس صورت میں اس کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔

۱۴۵؎ عفو کا اظہار یوں فرمایا کہ معاملہ کو تمہارے لئے آسان کر دیا اور تمہیں رخصت دی اور تمہارے گناہ بخش دے گا جو تم نے نشہ آور چیز استعمال کر کے نماز پڑھی یا آیت کے نازل ہونے سے پہلے تم نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھی۔

ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رفاعہ بن زید بن تابوت یہودیوں کا سردار تھا۔ جب حضور ﷺ سے

گفتگو کرتا تو اپنی زبان کو موڑ کر کہتا اے محمد کان ہماری طرف کیجئے تا کہ ہم آپ کو سمجھا ئیں۔ پھر اسلام میں طعن کرتا، اس میں عیب لگاتا۔
امام بغوی نے ابن عباس سے ذکر کیا کہ یہ آیت رفاعہ بن زید اور مالک بن دخشم کے حق میں نازل ہوئی۔(1)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿٤٤﴾

"کیا نہیں دیکھا آپ نے [1] ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے [2] وہ مول لے رہے ہیں گمراہی کو [3] اور (یہ بھی) چاہتے ہیں کہ بھٹک جاؤ تم بھی راہ راست سے [4]"

[1] یہ غیر معین فرد کو خطاب ہے جس پر تضلوا اور اعد تکم کا کلمہ دلالت کرتا ہے۔ یا قوم کے سردار کو خطاب ہے۔ جب سردار کو خطاب ہو تو قوم اس کے ضمن میں آجاتی ہے۔ رؤیت نظر سے مجازاً استعمال ہوتا ہے، ورنہ رویت آنکھ سے ہو یا دل سے۔ یہ فعل الیٰ حرف جار کیساتھ متعدی نہیں ہوتا۔

سوال:۔ یہاں یہ الیٰ حرف جار سے کیوں متعدی ہے۔

جواب:۔ جب اس سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہو تو پھر یہ فعل نظر کے معنی کو اپنے ضمن میں لئے ہوگا یا انتہاء کے معنی کو اپنے ضمن میں لئے ہو گا، خواہ اس سے آنکھ کا یا دل کا دیکھنا مراد لیا جائے۔ اسی وجہ سے الیٰ حرف جار کے ساتھ متعدی کیا۔

[2] مدینہ طیبہ کے یہودی ہیں نصیباً کو نکرہ حقارت بیان کرنے کے لئے ذکر کیا، یعنی انہیں کتاب کا تھوڑا سا حصہ دیا گیا۔ اس سے مراد صرف تورات کا پڑھنا ہے، اس کا سمجھنا اور دل سے یقین کرنا نہیں۔

[3] یہاں ضلالت سے مراد حضور ﷺ کا انکار ہے جو ہدایت کے بدلے میں حاصل کرتے ہیں، یعنی حضور ﷺ کی بعثت سے قبل جس ہدایت پر وہ پہلے تھے کیونکہ وہ آخر زمانہ میں ایسے نبی کی بعثت پر ایمان رکھتے تھے جو امی ہوگا اور وہ کفار کے خلاف اس کے وسیلہ سے دعا بھی مانگا کرتے تھے یا اس ہدایت کے بدلے گمراہی حاصل کرتے ہیں جو وہ نبی کریم ﷺ کی اتباع کر کے حاصل کر سکتے تھے۔

[4] یعنی اے مومنوں وہ ارادہ کرتے ہیں کہ تمہیں گمراہ کر دیں۔ آیت میں ہمزہ استفہام تقریر، تعجیب اور تحذیر کے لئے ہے، یعنی تحقیق آپ نے ان کی دشمنی کو دیکھ لیا جو وہ آپ سے اور مومنوں سے رکھتے ہیں، جبکہ وہ جانتے ہیں کہ آپ حق پر ہیں۔ پس آپ ان سے احتیاط برتیں کیونکہ سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو تمہارے بارے میں اس گمراہی کا ارادہ کرتا ہے، جو ابدی ہلاکت کو واجب کرنے والی ہے۔ پس تم اپنے معاملات میں انہیں خیر خواہ نہ سمجھو۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ڭ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾

"اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو [1] اور کافی ہے (تمہارے لئے) اللہ حامی [2] اور کافی ہے اللہ مددگار (تمہارے لئے) [3]"

[1] یہ جملہ تحذیر کی تاکید ہے۔

[2] یہاں فاعل پر باء زائدہ ہے۔ یہ نسبت فاعل کی نسبت اضافی کے ساتھ تاکید کے لئے ذکر کی گئی کیونکہ حرف الصاق کی زیادتی اس امر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 451 (التجاریہ)

کا فائدہ دیتی ہے کہ فاعل ہونا لازم ہے۔

۲؎ وہ تمہارے امور کا والی ہے اور تمہیں نفع دے گا اور تم سے ان کی خفیہ تدبیروں کی مضرتوں کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر تمہیں غالب کر دے گا۔ اس لئے ولایت اور نصرت میں اسی پر اکتفاء کرو، کسی اور کی طرف توجہ نہ کرو کیونکہ وہ سب سے زیادہ عالم بھی ہے اور قادر بھی۔ اس لئے اسی پر اکتفاء کرو کسی اور کو دوست نہ بناؤ، نہ کسی سے مدد مانگو۔ ولیا اور نصیرا یہ دونوں منصوب ہیں یا تو تمیز ہونے کی بناء پر یا حال ہونے کی بناء پر۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

"کچھ لوگ جو یہودی ہیں ۱؎ پھیر دیتے ہیں ۲؎ اللہ کے کلام کو ۳؎ اس کی اصلی جگہوں سے ۴؎ اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی ۵؎ اور (کہتے ہیں) سنو تم نہ سنائے جاؤ ۶؎ اور (کہتے ہیں) "راعنا" بے تل دیتے ہوئے اپنی زبانوں کو ۷؎ اور طعنہ زنی کرتے ہوئے دین میں ۸؎ اور اگر وہ (یوں) کہتے ہم نے (آپ کا ارشاد) سنا اور (اسے) مان لیا ۹؎ اور (ہماری عرض) سنئے اور نگاہ (کرم) فرمایئے ہم پر تو ہوتا بہت بہتر ان کے لئے اور بہت درست ۱۱؎ لیکن (اپنی رحمت سے) دور کر دیا انہیں اللہ نے بوجہ ان کے کفر کے ۱۲؎ پس نہیں ایمان لائیں گے مگر تھوڑے سے ۱۳؎"

۱؎ ایک قول یہ کیا گیا کہ الَّذِيْنَ ماقبل کے ساتھ متصل ہے اور یہ لِلَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا کا بیان ہے یا یہ اعدائکم کا بیان ہے یا یہ نصیر کے متعلق ہے۔ معنی یہ ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا ان لوگوں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے جو یہودی ہیں۔ اس صورت میں ما بعد کلام یحرفون ماقبل کلام کا حال حسب اقبل یا حالی مترادف ہوگا۔

۲؎ ایک قول یہ کیا گیا کہ مِنَ الَّذِيْنَ یہ نئی کلام ہے اور مابعد مقدر کلام کی ظرف ہے تقدیر کلام یوں ہوگی مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا فَرِيْقٌ يُّحَرِّفُوْنَ

۳؎ کلم کلمہ کی جمع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ اسم جنس ہے یہ جمع نہیں، جس پر مذکر ضمیر دلالت کرتی ہے جو اس کی طرف لوٹ رہی ہے۔

۴؎ اس تاویل کا یہ جواب دیا گیا کہ ضمیر کے مذکر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تقدیر کلام یوں ہے يُحَرِّفُوْنَ بَعْضَ الْكَلِمِ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔ علامہ تفتازانی نے اس کو پسند کیا کہ یہ اسم جنس ہو اور کہا جس نے اس کے جمع ہونے کا انکار کیا۔ اس نے اصطلاحی جمع ہونے کا انکار کیا اور جس نے اس کے جمع ہونے کو ثابت کیا اس نے یہ ارادہ کیا کہ یہ معنوی جمع ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قرأت اس کے کلام ہونے کی تائید کرتی ہے کیونکہ اس میں واؤ زائد ہے یعنی و من الذین ھادوا اسی طرح مصحف حفصہ بھی اسی کی تائید کرتی ہے کیونکہ اس کی قرأت اس طرح ہے مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا مَنْ يُّحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ یعنی ان میں تبدیلی کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تورات میں جس جگہ اسے رکھا ہے اسے ہٹا دیتے ہیں۔ یہاں الکلم سے مراد حضور ﷺ کی نعت ہے کیونکہ امام بیہقی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ اللہ

تعالیٰ نے تورات میں حضور ﷺ کی یہ صفات بیان فرمائیں سرگیں کشادہ آنکھیں، درمیانہ قد، گھنگریالے اور خوبصورت بال جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو یہودی علماء آپ سے حسد کا شکار ہو گئے۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں آپ کی صفات کو بدل دیا اور کہتے ہم اپنے ہاں آپ کی صفات نہیں پاتے اور کہتے ہمارے ہاں تو نبی امی کی یہ صفات ہیں: وہ طویل ہوں گے، نیلی آنکھیں اور لٹکے ہوئے بال اور اپنے نیچ لوگوں سے یہ کہتے یہ وہ نہیں ہے، یہ وہ نہیں ہے۔ انہوں نے عامی لوگوں پر صفات کو غلط ملط کر دیا۔ انہوں نے یہ اس لئے کیا کیونکہ یہ لوگ ان کی روزی کا ذریعہ تھے۔ یہ ان علماء کی خدمت کرتے۔ ان علماء کو خوف لاحق ہوا اگر یہ زبردست لوگ مسلمان ہو گئے تو ان کی روزی منقطع ہو جائے گی۔

بغوی نے کہا حضرت ابن عباس نے کہا یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے آتے، کسی معاملہ میں سوال کرتے۔ آپ انہیں بتا دیتے۔ وہ ظاہر یہ کرتے کہ وہ آپ کی بات کو قبول کرتے ہیں۔ جب وہ آپ کے پاس سے اٹھ جاتے تو آپ کے کلام میں تبدیلی کر دیتے(1) اس وجہ سے یہاں کلم سے مراد مطلق کلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ تورات میں سے کلمات کو اپنی جگہ سے پھیرنے سے مراد یہ ہے کہ ان آیات کا ایسا معنی کرنا جو اللہ تعالیٰ کی مراد نہ ہو جس طرح امت مسلمہ کے اہل ہواء (باطل فرقے) اس قرآن میں کرتے ہیں۔ تحریف کلمات کا یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ وہ ذو معنی کلمہ بولیں جو مدح اور ذم تو قیر و تحقیر دونوں کا احتمال رکھتا ہو، وہ مدح کو ظاہر کرتے ہیں اور ذم کو چھپاتے ہیں۔

یَقُوْلُوْنَ کا عطف یُحَرِّفُوْنَ پر ہے۔ اگر تحریف سے مراد تورات کی تحریف ہے تو یہ جملہ تحریف میں شامل نہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کو یہ کہتے ہیں اور یہ ان کے کفر کا بیان ہے کیونکہ وہ یہ کہتے تھے ہم سماع کے بعد آپ کی اطاعت نہیں کریں گے۔ یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے کہتے ہم نے محمد ﷺ کی بات سنی اور اس کی نافرمانی کی۔ یا یہ مراد ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کے پاس بات کو سنا اور اپنی قوم کے پاس جا کر نافرمانی کی۔ یہ ان کے نفاق کا بیان ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ انکی بعض تحریفات کا بیان ہو کیونکہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں یہ کہتے سمعنا۔ یہ ذو معنی لفظ ہے جس کا مفہوم یہ بھی ہے ہم نے قبول کرنے کے ساتھ سنا اور یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے ہم نے قبول کرنے کے بغیر سنا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ان کے قول سمعنا و عصینا کا بیان ہو جو ان کے سماع کے بعد ان کی نافرمانی کے ثابت ہونے سے کنایہ ہے کیونکہ جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ قول کے قائم مقام ہوتی ہے، یعنی وہ آپ کی بات کو سنتے ہیں پھر آپ کی نافرمانی کرتے ہیں۔

لے ایک قول یہ کیا گیا وہ نبی کریم ﷺ سے یہ کہتے آپ ہماری بات سنیں پھر اپنے دل میں کہتے آپ نہ سنیں۔ یہ بددعائیہ کلمات ہیں یعنی آپ بہرے ہو جائیں یا موت آ جائے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ وہ بلند آواز میں یہ کہتے جبکہ یہ کلمہ ذو معنی ہے جو تعظیم اور دعاء کا احتمال رکھتا ہے، یعنی آپ سنیں آپ کو کوئی ناپسندیدہ چیز نہ سنائی دے کیونکہ جب کوئی آدمی کسی کو گالی دے تو عرب کہتے ہیں اسمع فلان فلانا یہ گالی کا احتمال بھی رکھتا ہے، یعنی ہماری بات سنیں ہم آپ کے لئے ان الفاظ کے ساتھ بددعا کرتے ہیں لا سمعت یا اس کا مفہوم یہ ہے آپ کو ایسا جواب نہ سنائی دے جس سے آپ راضی ہیں۔ یا معنی یہ ہو گا آپ سنیں جبکہ آپ جس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اس کا آپ کو جواب نہ دیا جائے یا آپ ایسا کلام سنیں جو آپ کو سنائی نہ دے کیونکہ آپ کے کان سننے سے انکار کرتے ہیں۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 415 (التجاریہ)

اس صورت میں یہ مفعول بہ ہوگا۔

۷ راعنا یہ کلمہ بھی ذو معنی ہے کیونکہ عربی زبان میں تو اس کا معنی ہے ہماری رعایت کیجئے نگاہ کرم کیجئے، کہ ہم آپ سے گذارش کریں۔ عبرانی یا سریانی زبان میں اس کا معنی گالی ہے کیونکہ وہ آپس میں اسی کے مشابہ گالی دیتے تھے۔ وہ کہتے راعینا وہ دین کا مذاق اڑانے اور رسول اللہ ﷺ کا ٹھٹھا کرنے کے لئے ایسا کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی رحمتوں سے دور کرے۔

۸ لَیًّا اللہ تعالیٰ کے فرمان یقولون کا مفعول لہ ہے، یعنی وہ کہتے ہیں کہ وہ اپنی زبانوں سے حق کو باطل کے ساتھ اور ظاہری تعظیم کو باطنی گالی کیساتھ ملا دیں۔

۹ دین میں طعن کرنے کے لئے کیونکہ وہ یہ کہتے تھے۔ اگر یہ نبی برحق ہوتا تو جو کچھ ہم دلوں میں اس کے لئے چھپائے ہوئے ہیں اس کو ضرور ظاہر کر دیتا۔

۱۰ اگر خفیہ یا اعلانیہ سمعنا ور عصینا کے قول کی جگہ سمعنا واطعنا کہتے۔

۱۱ صرف واسمع کہتے ساتھ غیر مسمع نہ کہتے اور راعنا کی جگہ وانظرنا کہتے تو ان کا یہ قول ان کے لئے زیادہ بہتر اور مناسب ہوتا۔

۱۲ اللہ تعالیٰ نے انہیں رسوا کر دیا اور ہدایت سے دور کر دیا۔ ان کے کفر کی وجہ سے یہ لعنت اس امر کا نتیجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی توفیق نہ دی جو ان کے حق میں بہترین اور مناسب تھی۔

۱۳ قلیلاً مفعول مطلق یا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اِلَّا اِیْمَانًا قَلِیْلًا وَّتَصْدِیْقًا لَا یُعْبَأُ بِهٖ فَرْعًا یعنی ایسی تصدیق جس کا شرع میں اعتبار نہیں اور وہ بعض کتابوں، بعض رسولوں پر ایمان یا ظاہر میں ایمان مگر نفاق کے ساتھ یہ بھی جائز ہے کہ قلت سے مراد عدم لیا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ قلیلاً منہم سے مراد عبداللہ بن سلام اور ان جیسے لوگ ہیں۔

اس تاویل پر یہ اعتراض کیا گیا کہ کلام منفی میں مستثنیٰ کا منصوب ہونا نحویوں کے نزدیک پسندیدہ نہیں، اگرچہ ابن حاجب نے اس کو جائز قرار دیا ہے، جبکہ تمام قراء اسے منصوب پڑھنے میں متفق ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے اس موقع پر اللہ تعالیٰ کے فرمان لعنہم کو ان کی اکثریت پر لعنت مراد لی جائے جو جمہور کی تفسیر کے خلاف ہے۔ تفتازانی نے کہا یہ لعنھم اللّٰہ سے مستثنیٰ ہے واللہ اعلم۔

ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودی علماء کے سرداروں سے کلام کی جن میں عبداللہ بن صوریا اور کعب بن اسید تھے۔ حضور نے فرمایا اے یہودیوں کی جماعت اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اسلام قبول کر لو۔ اللہ کی قسم تم اچھی طرح جانتے ہو کہ جو پیغام حق میں تمہارے پاس لایا ہوں وہ حق ہے۔ انہوں نے کہا اے محمد رسول اللہ ﷺ ہم اسے نہیں پہچانتے انہوں نے کفر پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(1)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

"اے وہ لوگو جنہیں دی گئی کتاب ایمان لاؤ اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہم نے ۱ تاکہ تصدیق کرے اس کتاب

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 300 (العلمیہ)

کی جو تمہارے پاس ہے ۳؎ (ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم مسخ کر دیں چہرے ۴؎ پھر پھیر دیں انہیں پشتوں کی طرف ۵؎ یا لعنت کریں ان پر جس طرح ہم نے لعنت کی سبت والوں پر ۶؎ اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے ۷؎ ''

۱؎ کتاب سے مراد تورات ہے۔

۲؎ یعنی حضرت محمد ﷺ پر قرآن۔

۳؎ یعنی تورات۔

۴؎ وجوھا کے اوپر تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی وجوھکم طمس کا اصل معنی اثر کو زائل کرنا ہے معنی یہ ہوگا ہم چہرے کے آثار مٹا دیں گے جیسے کان آنکھ منہ اور ابرو۔

۵؎ ہم اسے گدی کی جانب پھیر دیں گے ایک قول یہ کیا گیا ہم منہ کو بال اگنے کی جگہ بنا دیں گے جس طرح بندروں کے منہ کیونکہ انسانوں کے بالوں کے اگنے کی جگہ چہرے کی پشتیں ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا ہم اسے اونٹ کے پاؤں کی طرح بنا دیں گے قتادہ اور ضحاک نے کہا ہم تمہیں نابینا بنا دیں گے۔ وجہ سے مراد آنکھ ہوگی۔

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان نہ لانے کی صورت میں ان کی صورتیں مسخ کرنے کا حکم دیا تھا جس کے اوپر وہ روایت دلالت کرتی ہے کہ عبداللہ بن سلام نے جب اس آیت کو سنا تو گھر جانے سے پہلے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ ان کا ہاتھ ان کے منہ پر تھا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا عرض کی یا رسول اللہ مجھے ڈر تھا کہ آپ تک پہنچنے سے پہلے میرا منہ میری گدی کی طرف نہ پھیر دیا جائے۔ اسی طرح وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جو کعب الاحبار سے مروی ہے جب انہوں نے اس آیت کو سنا تو حضرت فاروق اعظم کے دور میں مسلمان ہو گئے۔ عرض کی اے میرے رب میں ایمان لایا اے میرے رب میں مسلمان ہوا۔ یہ باتیں انہوں نے اس لئے کیں کہ وہ اس وعید کے لاحق ہونے سے خوفزدہ تھے (1) لیکن یہودی ایمان بھی نہ لائے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا بھی نہ دی۔

ہم یہ کہتے ہیں ایک قول یہ کیا گیا کہ قیامت کے برپا ہونے سے قبل یہ مسخ یہود میں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ وعید صرف اس صورت میں تھی جب ان میں سے کوئی بھی اسلام نہ لائے جب حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں نے اسلام قبول کر لیا تو باقی لوگوں سے اس وعید کو اٹھا لیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مسخ غلو کے طریقہ پر انہیں مسخ اور لعنت کی وعید کی ان پر لعنت کر دی گئی۔ اس وجہ سے یہ وعید ثابت ہوگئی۔ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے روز مسخ کرے گا۔

ابن عساکر اور خطیب نے حضرت معاذ بن جبل سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَأْتُوْنَ اَفْوَاجًا فرمایا میری امت دس جماعتوں کی صورت میں اٹھائی جائے گی۔ ایک جماعت بندروں کی صورت میں، ایک جماعت خنزیروں کی صورت میں، ایک جماعت کتوں کی صورت میں، ایک جماعت گدھوں کی صورت میں۔ ہم نے اس حدیث کو اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ مجاہد نے کہا نطمس وجوھا سے مراد یہ لیا گیا ہے کہ ہم انہیں گمراہی میں چھوڑ دیں گے تو پھر اس سے مراد دل کے چہرے کو مسخ کرنا اور ہدایت سے لوٹا دینا ہے۔

لیکن اس پر یہ سوال وارد ہوگا کہ یہ تاویل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ یہودیوں کے دل اس سے پہلے صاف تھے۔ ابن زید نے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 452 (التجاریہ)

کہا اس کا معنی یہ ہے ہم مدینہ سے ان کے آثار مٹا دیں گے اور ہم انہیں اس جگہ کی طرف لوٹا دیں گے جہاں سے آئے تھے۔ یعنی شام۔ یہ تاویل پہلے گذر چکی ہے کہ بنی نضیر کو اذرعات اور اریحا کی طرف جلا وطن کر دیا گیا۔

۵ یعنی یہودی جن پر حضرت داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے بددعا کی گئی۔

۶ یہ نافذ ہے، ہر صورت واقع ہو کر رہے گا کوئی بھی اس کے رد کرنے پر قادر نہ ہوگا۔

طبرانی اور ابن حاتم نے حضرت ابو ایوب انصاری سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی میرا ایک بھتیجا ہے جو حرام کاری سے باز نہیں آتا۔ پوچھا اس کا دین کون سا ہے؟ اس نے عرض کی نماز بھی پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار بھی کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے دین بطور ہبہ طلب کرو، اگر ہبہ دینے سے انکار کرے تو اس سے خرید لینا۔ اس آدمی نے جا کر بھتیجے سے مطالبہ کیا۔ اس نے انکار کر دیا چچا حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور تمام صورتحال عرض کی اور بتایا وہ اپنے دین کے بارے میں تو بڑا حریص ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾

"بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس بات کو کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ ۱ اور بخش دیتا ہے جو اس کے علاوہ ہے جس کو چاہتا ہے ۲ اور جو شریک ٹھہراتا ہے اللہ کے ساتھ وہ ارتکاب کرتا ہے ۳ گناہ عظیم کا ۴"

۱ یعنی واجب الوجود اور عبادت میں اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے، جب اسے موت آئے اور وہ مشرک ہو تو اسے نہیں بخشا جائے گا مگر جب وہ شرک سے توبہ کرے اور ایمان لائے تو اس سے پہلے جو اس سے شرک سرزد ہوا یا کوئی اور گناہ ہوا اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا کیونکہ گناہ سے جو توبہ کر لے وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے کوئی گناہ نہیں کیا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ اے محبوب فرما دیجئے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا اگر وہ اس سے رک جائیں تو ان کے سابقہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

۲ یعنی شرک کے علاوہ جو اس کے گناہ ہوں گے چھوٹے یا بڑے اس سے خطاً صادر ہوئے یا عمداً، اگر چہ وہ گناہ پر بغیر توبہ کے مر گیا۔ لمن یشاء شرک سے نیچے جتنے گناہ بھی ہیں سب کو عام ہے۔ اسے مشیت کے ساتھ مقید کیا مرجئہ کے مذہب کو باطل کر دیتا ہے کیونکہ انہوں نے ہر گناہ کے لئے مغفرت کے وجوب کا قول کیا ہے۔ انہوں نے یہ کہا ایمان کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا جس طرح شرک کے ساتھ کوئی نفع نہیں دیتا۔

معتزلہ کا مذہب ہے وہ گناہوں کی مغفرت کو توبہ کے ساتھ مقید کرتے ہیں یہ آیت توبہ کی قید کی نفی کرتی ہے کیونکہ یہ کلام مشرک اور مذنب کے درمیان فرق کرنے کے لئے چلائی گئی اور مشیت کی قید تائب کے لئے مغفرت اور دوسروں کے لئے عذاب کے واجب ہونے کے قول کی نفی کرتی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے مشیت کی قید وجوب کے منافی نہیں بلکہ مغفرت کے ثبوت کے بعد مشیت کا وجوب لازم ہو جاتا ہے۔ ہم یہ کہیں گے اس وقت تو اس قید کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

خارجیوں کا مذہب یہ ہے کہ ہر گناہ شرک ہے اور گناہگار ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل ہوگا۔ ابو یعلیٰ ابن منذر اور ابن عدی نے صحیح سند

کے ساتھ حضرت ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ ہم گناہ کبیرہ کے ارتکاب کرنے والے کے لئے مغفرت طلب کرنے سے رک جاتے تھے، یہاں تک کہ ہم نے نبی کریم ﷺ سے اس آیت کو سنا۔ فرمایا میں نے دعاء شفاعت اپنی امت کے گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لئے ذخیرہ کر رکھی ہے۔ یہ سن کر ہمارے دلوں میں جو خیالات تھے اس سے رک گئے۔ پھر ہم دعا کرنے لگے اور اس کی قبولیت کی امید بھی رکھتے ہیں۔

امام بغوی نے کلبی سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ یہ آیت وحشی اور اس جیسے لوگوں کے حق میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے حضرت حمزہ کو قتل کیا تو اس سے وعدہ کیا گیا کہ اگر تو نے ایسا کر دیا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا لیکن اس کا وعدہ پورا نہ کیا گیا۔ جب یہ مکہ مکرمہ آیا تو یہ اور اس کے ساتھی اپنے کئے پر نادم ہوئے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف خط لکھا اور کہا جو کچھ ہم نے کیا اس پر شرمندہ ہیں۔ ہمیں اسلام سے کوئی چیز نہیں روکتی مگر یہ کہ ہم نے آپ سے سن رکھا ہے جب کہ آپ مکہ مکرمہ میں تھے وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ جبکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی بجائے اوروں کی عبادت بھی کی، ہم نے ناحق قتل بھی کئے اور بدکاری کا ارتکاب بھی کیا۔ اگر یہ آیات نہ ہوتیں تو ہم ضرور آپ کی اتباع کرتے تو یہ دو آیتیں (ا) نازل ہوئیں حضور ﷺ نے ان دونوں آیات کو ان کی طرف بھیجا جب انہوں نے انکو پڑھا تو کہا یہ تو بڑی سخت شرط ہے، ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم اچھا عمل نہ کرسکیں تو یہ آیات نازل ہوئیں اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ تو حضور ﷺ نے یہ آیت ان کی طرف بھیجی۔ انہوں نے پھر پیغام بھیجا اگر ہم ان لوگوں میں سے نہ ہوں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہو تو یہ آیت نازل ہوئی يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ حضور ﷺ نے یہ آیت ان کی طرف بھیجی تو وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، آپ نے انہیں قبول کر لیا پھر حضور ﷺ نے وحشی سے پوچھا مجھے بتا تو نے حضرت حمزہ کو کیسے شہید کیا؟ جب اس نے آپ کو بتایا تو آپ نے فرمایا تو ہلاک ہو، اپنے چہرہ کو مجھ سے غائب رکھ۔ تو وحشی شام چلا گیا وہ موت تک وہاں ہی رہا (1) اگر یہ کہا جائے یہ قصہ مغفرت کے مشیت کے ساتھ مقید ہونے کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے تو پھر مرجیہ کا مذہب ثابت ہو گیا۔

ہم کہتے ہیں یہ تقیید نسخ کا احتمال نہیں رکھتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کوئی چیز بھی نہیں پائی جاسکتی وہ بخشش ہو یا کوئی اور ہو۔ لیکن اس آیت يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا کا وحشی کے حق میں نازل ہونا اس کے اہل مشیت ہونے پر دال ہے واللہ اعلم۔

امام بغوی نے ابو مجلز سے، انہوں نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا تو ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا، اس نے عرض کی شرک۔ یارسول اللہ۔ آپ خاموش رہے پھر دو تین دفعہ کھڑا ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ (ب)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 453 (التجاریہ)

(ا) اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا

(ب) ابو یعلیٰ اور ابن ابی حاتم نے حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بندہ بھی جب فوت ہوتا ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا تھا تو اس کے لئے مغفرت حلال ہو جاتی ہے۔ اگر چاہے تو بخش دے، اگر چاہے تو عذاب دے، اگر چاہے تو مستثنیٰ کر دے اور یہ آیت پڑھی اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ...... ابو یعلیٰ نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس سے کسی عمل پر ثواب کا وعدہ کرے تو وہ اسے پورا کرتا ہے اور جس سے وہ کسی پر سزا کا وعدہ کرے تو اسے اختیار ہے۔ طبرانی نے سلمان سے روایت نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک گناہ نہیں بخشا جاتا، ایک گناہ نہیں چھوڑا جاتا اور ایک گناہ بخش دیا جاتا ہے۔ جسے نہیں بخشا جاتا وہ شرک ہے، جو گناہ بخش دیا جاتا ہے وہ حقوق اللہ ہیں اور جسے نہیں چھوڑا جاتا وہ حقوق العباد میں لوگوں کا ایک دوسرے پر ظلم ہے۔

امام بغوی نے مطرف بن عبداللہ بن شخیر، سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جب کوئی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا مر جاتا تو ہم یہ گواہی دیتے کہ وہ جہنمی ہے، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو ہم ایسی باتوں سے رک گئے۔ امام بغوی نے کہا حضرت علی سے بیان کیا گیا کہ یہ آیت قرآن کی تمام آیات سے زیادہ امید دلانے والی ہے۔(1)

سے افراء کا معنی فساد برپا کرنا ہے اور افتراء جھوٹ شرک اور ظلم میں استعمال ہوتا ہے۔ صحاح میں اسی طرح ہے۔ معنی یہ ہوگا جس نے فساد برپا کیا اور جھوٹ بولا۔

ے اثما مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اس نے ارتکاب کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو معنی یہ ہوگا کہ اس نے بڑا گناہ کیا جس کے مقابلے میں ہر گناہ حقیر ہیں۔ اس گناہ اور دوسرے گناہوں کے درمیان یہی فرق ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو چیزیں ثابت شدہ ہیں۔ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ کونسی دو چیزیں ثابت ہیں؟ فرمایا جو فوت ہو جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کرتا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو مرے اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا تھا تو جہنم میں داخل ہوگا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ نے سفید لباس زیب تن کر رکھا تھا اور آپ سوئے ہوئے تھے۔ پھر میں حاضر ہوا جب کہ آپ بیدار ہو چکے تھے فرمایا جو بندہ کہے لا الہ الا اللہ پھر وہ اسی حالت پر مر گیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ میں نے عرض کی اگر چہ وہ بدکاری کرے اور چوری کرے؟ آپ نے فرمایا اگر چہ وہ بدکاری کرے اور چوری کرے۔ میں نے پھر عرض کی اگر چہ وہ بدکاری اور چوری کرے۔ آپ نے فرمایا اگر چہ وہ بدکاری کرے اور چوری کرے میں نے پھر عرض کی اگر چہ وہ بدکاری کرے اور چوری کرے۔ آپ نے فرمایا اگر چہ وہ بدکاری کرے اور چوری کرے ساتھ ہی ابوذر کی ناک خاک آلود ہو۔ حضرت ابوذر جب بھی اس حدیث کو بیان کرتے تو یہ کلمات ضرور ذکر کرتے اگر چہ ابوذر کی ناک خاک آلود ہو(2) متفق علیہ۔ اس باب میں کثیر احادیث ہیں۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس اور ابن جریر نے اسی کی مثل عکرمہ، ابو مالک، مجاہد اور دوسرے محدثین سے روایت کیا ہے کہ یہودی بچوں کو افضل جانتے، ان کے ساتھ نماز پڑھتے، ان کی طرف سے قربانیاں کرتے اور گمان کرتے ان کا کوئی گناہ نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت نازل فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾

"کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کو جو پاکباز بتلاتے ہیں اپنے آپ کو۔ بلکہ (یہ تو اللہ کی شان ہے کہ) پاکباز بنا دے جسے چاہے اور وہ نہیں ظلم کیے جائیں گے کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر بھی"

لے یہاں ہمزہ استفہام اس آدمی کی حالت پر تعجب کا اظہار کرنے کے لئے ہے جو اپنے آپ کو گناہوں سے پاک ظاہر کرتا ہے اور اپنے آپ کو پاکیزہ ظاہر کرنے کا مقصود لوگوں میں اپنی بڑائی کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ مقام اپنے آپ کو پاکیزہ ظاہر کرنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ لوگوں کی آنکھوں میں اپنے آپ کو گرانا کا باعث بن جاتا ہے۔ انسان کو بلند مقام اور تزکیہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تزکیہ اور اسے

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 66 (تقدیم و تاخیر کے ساتھ) (قدیمی) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 66 (قدیمی)

بندوں میں بلند کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔(1)

امام بغوی نے اور ثعلبی نے کلبی سے ذکر کیا کہ یہ آیت یہودیوں کے چند افراد کے بارے میں نازل ہوئی جن میں بحری بن عمرو نعمان بن اوفی، مرحب بن زید شامل ہیں یہ اپنے بچے حضور ﷺ کی خدمت میں لائے، عرض کی کیا ان پر کوئی گناہ ہے؟ فرمایا نہیں۔ کہنے لگے ہم بھی انہیں کی حالت پر ہیں۔ ہم دن کے وقت جو عمل کرتے ہیں رات کو انہیں بخش دیا جاتا ہے اور ہم رات کو جو عمل کرتے ہیں دن کے وقت انہیں بخش دیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

حضرت حسن بصری، ضحاک اور قتادہ نے کہا یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی، جب انہوں نے یہ کہا نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ اور انہوں نے کہا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى

میں کہتا ہوں اگرچہ اس آیت کا نزول خاص ہے لیکن حکم عام ہے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو گناہوں سے پاک ظاہر کرتے۔ طارق بن شہاب سے روایت مروی ہے، وہ حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک ایک انسان صبح گھر سے نکلتا ہے اور اس کے پاس اس کا دین ہوتا ہے۔ پھر وہ ایسے آدمی کے پاس آتا ہے جو اس کے لئے اور نہ اپنے لئے بھی کسی نفع و نقصان کا مالک ہوتا ہے۔ یہ اسے کہتا اللہ کی قسم تو فلاں فلاں ہے۔ واپس گھر آتا ہے تو دین میں سے کوئی چیز اس کے پاس نہیں ہوتی پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ (2)

مسئلہ:۔ کسی آدمی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو پاک ظاہر کرے، اپنی تعریف کرے اور اپنی طرف گناہوں سے طہارت کی نسبت ظاہر کرے۔ اس کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ غیر کے بارے میں ایسا حکم لگائے بلکہ اس کے بارے میں حسن ظن رکھے کیونکہ قطعی علم کے بغیر حکم لگانا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ نفس کے تزکیہ کا اظہار انسان کو عجب اور تکبر کی طرف لے جاتا ہے جن سے نہی کر دی گئی۔ حقیقت میں ہر ایک کا اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا قرب و ثواب ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یعنی بلکہ اللہ تعالیٰ ہی طہارت کا حکم لگاتا ہے اور اسے بخشش کے ذریعے گناہوں سے پاک فرماتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے اسے صالح بنا دیتا ہے۔ کیونکہ وہی پاک کرنے پر قادر ہے اور انسان کے اندر کے بھیدوں سے وہ علیم و خبیر ہے۔ اس میں اس بات کا شعور دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی یا الہام کے ذریعے علم ہونے کے بعد اپنے آپ یا غیر کی پاکیزگی کا اظہار کرنا جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس کا اظہار تکبر کی وجہ سے نہ ہو کیونکہ یہ نفس کے رذائل ہیں۔ احادیث طیبہ میں جو کچھ وارد ہوا ان کا معنی بھی وہی ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں، یہ کوئی فخر کی بات نہیں۔ سورۂ بقرہ میں حضور ﷺ کا ارشاد گذر چکا ہے کہ میں آسمانوں میں امین ہوں، زمین میں بھی امین ہوں۔ یہ ارشاد آپ نے اس وقت فرمایا جب منافقوں نے یہ کہا کہ آپ نے تقسیم میں زیادتی کی اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے تم میرے بعد زیادہ عدل کرنے والا نہیں پاؤ گے۔ اسے طبرانی اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے۔ امام احمد نے ابو سعید سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق جنتیوں میں سے بڑی عمر کے لوگوں کے سردار ہوں گے اور فرمایا حضرات حسن و حسین جنتیوں کے نوجوانوں کے سردار ہیں اور فرمایا فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 454 (التجاریہ)　　2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 454 (التجاریہ)

ہیں(۱)۔اسی طرح اولیاء اللہ کے کلام میں جو وارد ہے اور وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی وجہ سے ہے جس طرح غوث اعظم کا یہ قول میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔

ے جمع کی ضمیر من کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی جنکا تزکیہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ان کی پاکیزگی پر انہیں بدلہ دیا جائے گا اور ان کے ثواب میں کمی نہ کی جائے گی یا ضمیر تمام لوگوں کی طرف لوٹ رہی ہے جو سابقہ کلام میں سمجھے جا رہے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ پاکیزہ بنانے میں کسی پر ظلم نہیں کرے گا، جو اسکا اہل ہوگا اسے پاکیزہ بنایا جائے گا اور جو اہل نہیں ہوگا اس کو چھوڑ دے گا۔ یا ضمیر الذین یز کون انفسھم کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ انہیں کو ان کے جرم کے مطابق سزا دی جائے گی اور ان پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔

ے صحاح میں فتیلا کا معنی انگلیوں سے کسی چیز کو بٹنا اور حقیر چیز کے لئے اسے ضرب المثل کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد وہ دھاگہ ہے جو کھجور کی گٹھلی کے شق میں ہوتا ہے۔ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی ان پر معمولی ظلم بھی نہ کیا جائے گا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِیْنًا۠ (۵۰)

”دیکھئے کیسے گھڑتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور کافی ہے (انہیں رسوا کرنے کے لئے) یہ کھلا گناہ ل“

ل اے محمد ﷺ ان یہودیوں کو دیکھئے تو سہی یہ کیسے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہیں یا یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ جو وہ برا عمل دن کے وقت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انکی رات کے وقت بخش دیتا ہے اور جو رات کے وقت عمل کرتے ہیں انہیں دن میں بخش دیتا ہے۔ ان کا یہ بہتان واضح طور پر باطل ہے کیونکہ ان کا قول کہ وہ اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں، بدیہی طور پر باطل ہے اسے کسی دلیل کی ضرورت نہیں اور ان کا یہ قول گناہوں میں سے واضح گناہ ہے۔ کفی بہ والا جملہ حرف قد کے مقدر ہونے کے ساتھ یفترون کے فاعل سے حال ہے واللہ اعلم۔

مفسرین نے کہا کہ غزوہ احد کے بعد کعب بن اشرف ستر یہودی سواروں کے ساتھ مکہ مکرمہ گیا تا کہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف ان سے معاہدہ کرے اور جو اس کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وعدہ ہے اسے توڑ دے۔ کعب ابوسفیان کے پاس گیا ابوسفیان نے اسی بڑی عزت دی۔ دوسرے یہودی قریش کے گھروں میں ٹھہرے۔ اہل مکہ نے کہا تم اہل کتاب ہو اور حضرت محمد ﷺ بھی اہل کتاب ہیں۔ ہم اس سے بے خوف نہیں کہ یہ تمہاری طرف سے خفیہ تدبیر ہو۔ اگر تم یہ ارادہ رکھتے ہو کہ ہم تمہارے ساتھ اس مہم میں نکلیں گے تو ان دونوں بتوں کو سجدہ کرو اور ان پر ایمان لے آؤ۔ کعب نے اسی طرح کیا۔ پھر کعب بن اشرف نے اہل مکہ سے کہا تم میں سے اور ہم میں سے تیس تیس آدمی آئیں۔ ہم اپنے سینے کعبہ کے ساتھ لگائیں گے اور اس گھر کے مالک کے ساتھ معاہدہ کریں گے کہ ہم حضرت محمد ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے میں پوری پوری کوشش کریں گے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔(2)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ یَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا (۵۱)

”کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ (اب) اعتقاد رکھنے لگے ہیں جبت اور

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 207 (مختلف احادیث کا مجموعہ) (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 455 (التجاریہ)

طاغوت پر ۔ اور کہتے ہیں ان کے بارے جنہوں نے کفر کیا کہ یہ کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو ایمان لائے ہیں ۔"

۱۔ طبرانی اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس سے سابقہ واقعہ ہی ذکر کیا تاہم جبت اور طاغوت کی تفسیر میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ عکرمہ نے کہا یہ دو بت تھے جن کی مشرک اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کیا کرتے تھے۔ ہم نے اس قصہ کو جو بیان کیا ہے وہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ انہیں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ حبشہ کی زبان میں جبت شیطان کو کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں شائد اس بت کا نام بھی اسی نام سے رکھا گیا۔

ابو عبید نے کہا اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی عبادت بھی کی جاتی ہے اسے جبت اور طاغوت کہتے ہیں۔ لیکن عطف ان دونوں میں مغائرت کا تقاضا کرتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے جبت کی اصل جبس ہے جبس اسے کہتے ہیں جس میں کوئی خیر نہ ہو پھر اس کی سین کو تاء سے بدل دیا طاغوت طغیان سے فعلوت کے وزن پر ہے، جس کا معنی کفر و عصیان میں حد سے تجاوز کرنا ہے۔ اس کی اصل طغووت ہے۔ اس کے لام کلمہ کو عین کلمہ سے بدل دیا، پھر اس کی واؤ کو اس کے متحرک ہونے اور ما قبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے بدل دیا، اس طرح یہ طاغوت بن گیا۔ صحاح اور قاموس میں اسی طرح ہے۔ اس لئے جبت کا اطلاق ایسی چیز پر کرنا جائز ہے جس میں کوئی خیر نہ ہو اور طاغوت جو عصیان میں حد سے تجاوز کر جائے۔ اسی وجہ سے حیی بن اخطب کو جبت اور کعب بن اشرف کو طاغوت کا نام دیا گیا۔ ضحاک نے بھی اسی طرح کہا۔

عمر و شعبی اور مجاہد نے کہا جبت سے مراد جادو اور طاغوت سے مراد شیطان ہے۔ محمد بن سیرین نے کہا جبت سے مراد کاہن اور طاغوت سے مراد جادوگر ہے۔ سعید بن جبیر اور ابو العالیہ نے اس کے برعکس کہا۔

امام بغوی نے اپنی سند سے قبیصہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عیافہ (ا) طرق (ب) اور طیرہ (ج) جبت میں سے ہیں۔ یعنی ان میں کوئی خیر نہیں میں کہتا ہوں یہاں جو چیز ظاہر ہے کہ جبت سے مراد بت ہیں کیونکہ ان میں کوئی خیر نہیں اور طاغوت سے مراد بتوں کے شیاطین ہیں۔ ہر بت کا ایک شیطان تھا جو اس کی طرف سے تعبیر کرتا اور لوگ اس کی وجہ سے دھوکہ کھاجاتے۔ امام بیہقی نے ابو الطفیل سے روایت کی کہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو عزی بت گرانے کے لئے بھیجا۔ ابو طفیل نے کہا حضرت خالد نے ببول کے درخت کاٹ دیئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ آئے اور آ کر خبر دے دی، فرمایا تو نے کوئی چیز بھی دیکھی؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو نے اس کو نہیں گرایا۔ حضرت خالد پھر لوٹے، جب پجاریوں نے حضرت خالد کو دیکھا تو پہاڑ میں بھاگ گئے اور وہ کہہ رہے تھے اسے ہلاک کر دے، ورنہ خود ذلیل ہو کر مر جا تو ایک عورت نکلی جس کا رنگ سیاہ، جسم لباس سے خالی، بال بکھرے ہوئے، وہ اپنے سر اور چہرے پر مٹی ڈال رہی تھی۔ حضرت خالد نے تلوار سونت لی۔ آپ فرما رہے تھے اے عزی میں تیرا انکار کرتا ہوں، اب تیری پاکی نہیں بیان کرتا۔ میں نے دیکھ لیا اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلیل و رسوا کیا۔ اسے تلوار ماری اور دو ٹکڑوں میں کاٹ کر رکھ دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹے اور آپ کو خبر دی حضور ﷺ نے فرمایا وہی عزی تھی اب وہ ہمیشہ کے لئے تمہارے

(ا) عافیہ، پرندوں کو جھڑکنا، ان کے ناموں، آوازوں اور ان کے گزرنے سے فال پکڑنا۔ باب یہ ہے عاف یعیف عیفا۔ نہایہ

(ب) طرق، کنکریاں پھینکنا، عورتیں اس سے فال پکڑتی ہیں۔ نہایہ

(ج) طیرہ، کسی بھی چیز سے فال پکڑنا، اصل میں پرندوں یا ہرنوں کے گزرنے سے فال پکڑنا، تاہم اب یہ عام استعمال ہوتا ہے۔ نہایہ۔ از مؤلف رحمۃ اللہ

شہروں میں عبادت کیے جانے سے مایوس ہو گئی سبل الرشاد میں اسی طرح ہے واللہ اعلم

امام احمد اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے جب کعب بن اشرف مکہ مکرمہ میں آیا قریش نے کہا ہمیں بتاؤ تو سہی یہ بے اولاد اپنی قوم سے کٹا ہوا گمان کرتا ہے کہ وہ ہم سے بہتر ہے جبکہ ہم حج کے متولی' کعبہ کے متولی اور حاجیوں کو پانی پلانے والے ہیں۔ کعب بن اشرف نے کہا تم اس سے بہتر ہو تو یہ آیت نازل اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ اور یہ آیت نازل ہوئی۔

۲ یعنی کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں سے کہا کہ کفار مکہ مومنوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔

ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا کہ قریش' بنو غطفان' اور بنو قریظہ کو غزوہ احزاب میں مدینہ طیبہ پر حملہ کرانے والے حیی بن اخطب' سلام بن ابی الحقیق' ابو رافع' ربیع بن حقیق' ابو عمار وادر ہودہ بن قیس تھے۔ یہ سب بنو نضیر سے تعلق رکھتے تھے۔ جب یہ قریش کے پاس آئے تو کفار نے کہا یہ یہودیوں کے علماء ہیں اور پہلی تمام کتابوں کا علم رکھتے ہیں، ان سے پوچھو کیا ہمارا دین بہتر ہے یا حضرت محمد ﷺ کا دین بہتر ہے۔ ان لوگوں نے کہا تمہارا دین بہتر ہے اور تم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو مُلْكًا عَظِيمًا تک نازل فرمایا۔

امام بغوی نے ذکر کیا ہے کہ جب ابوسفیان نے کعب سے اس بارے میں پوچھا تو کعب نے کہا مجھے اپنے دین کی باتیں پیش کرو۔ ابوسفیان نے کہا ہم حاجیوں کے لئے کوہان والی (موٹی) اونٹنیاں ذبح کرتے ہیں، انہیں پانی پلاتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، قیدیوں کو آزاد کراتے ہیں' صلہ رحمی کرتے ہیں، بیت اللہ کو آباد رکھتے ہیں، اس کا طواف کرتے ہیں اور ہم اہل حرم ہیں، جبکہ حضرت محمد نے اپنے آباء کا دین چھوڑ دیا' قطع رحمی کی' حرم کو چھوڑ دیا۔ ہمارا دین قدیم ہے جبکہ محمد ﷺ کا دین نیا ہے۔ کعب نے کہا تم حضرت محمد ﷺ سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔(1)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝

" یہی (وہ بد نصیب) ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ تعالیٰ نے اور جس پر لعنت بھیجے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کا کوئی مددگار ۱ "

۱ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا جسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کر دے۔ اے مخاطب تو اس کا کوئی مددگار نہیں پائے گا، یعنی دنیا میں جنگ کی صورت میں اور آخرت میں عذاب کو دور کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اس آیت میں ان یہودیوں کا رد ہے جو رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے قریش سے مدد کے طالب تھے اور ان کے ساتھ معاہدہ کرنے چاہتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے بخل اور حسد کا ذکر کیا جو انتہائی بری خصلتیں ہیں کیونکہ وہ اپنے مال کو روکتے تھے اور دوسروں کے مال کے ضائع ہونے کی تمنا کرتے تھے۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۝

" کیا ان کے لئے کوئی حصہ ہے حکومت میں اگر ایسا ہوتا تو نہ دیتے یہ لوگوں کو تل برابر ۱ "

۱ یہاں ام منقطعہ ہے۔ ہمزہ کے معنی میں ضمناً اس کا انکار موجود ہے کہ ان کے لئے کوئی حکومت میں حصہ ہے اور اس گمان کی بھی نفی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 455 (التجاریہ)

ہے کہ وہ خیال کرتے کہ حکومت آخر کار انہیں کی طرف لوٹ آئے گی۔ یانصیبا من الملک سے مراد سرداری ہے جس کے فوت ہونے کے خوف سے یہودیوں نے حضور ﷺ کی نبوت کا انکار کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سیادت کا انکار کر دیا کیونکہ اس کے لوازم ان میں موجود نہیں وہ سخاوت ہے۔ وہ اس طرح کہ ان کے انتہائی بخیل ہونے کو ثابت کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس میں یہ ارشاد کیا جا رہا ہے کہ حضور ﷺ کی نبوت کا انکار اگر نفع مند ہوتا تو انہیں فائدہ دیتا جنہیں حضور ﷺ کی نبوت کے ظہور سے اپنی سیادت کے ختم ہونے کا خوف تھا مگر جنہیں یہ سرداری حاصل ہی نہیں ان کا آپ کی نبوت کا انکار حد درجہ کی بے وقوفی ہے۔

اگر ان لوگوں کو سرداری نصیب ہوتی تو بخل میں انتہا پر پہنچنے کی وجہ سے ذرہ برابر بھی کسی کو نہ دیتے تو اللہ تعالیٰ انہیں بادشاہی کیسے عطا فرما دے۔ یہ معنی کرنا بھی جائز ہے اگر یہ بادشاہ ہوتے تو ذرہ برابر دینے میں بخل کرتے تو ان کے بخل کا کیا عالم ہوگا۔ جب یہ فقیر اور تنگ دست ہوں گے۔ یہ ان کے بخل کی انتہا ہے نقیر کھجور کی گٹھلی پر نشان کو کہتے ہیں اور یہ قلت بیان کرنے کے لئے بطور ضرب المثل استعمال ہوتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ گمان کرتے ہیں کہ انہیں جو کچھ ملا وہ تواضع کی وجہ سے ملا ہے جبکہ ان کی نو بیویاں ہیں، ان کی پسندیدہ چیز شادی کرنا ہے، آپ سے کون بادشاہ بہتر ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کیا۔

اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۚ فَقَدۡ اٰتَیۡنَاۤ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ اٰتَیۡنٰہُمۡ مُّلۡکًا عَظِیۡمًا ﴿۵۴﴾

"کیا حسد کرتے ہیں لوگوں سے[1] اس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے[2] (وہ حسد کی آگ میں جلا کریں) ہم نے تو مرحمت فرمادی ہے ابراہیم کے گھرانے[3] کو کتاب اور حکمت اور عنایت فرمادی ہے انہیں عظیم الشان سلطنت بھی"

[1] یہ ام بل کے معنی میں ہے اور جمع کی ضمیر سے مراد یہودی ہیں۔ ابن سعد نے عفرہ کے غلام عمر سے نقل کیا ہے کہ واؤ ضمیر سے مراد ان کے علماء ہیں۔ حضرت ابن عباس، حسن بصری، مجاہد اور ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ الناس سے مراد حضور ﷺ اکیلے ہیں۔ وہ آپ ﷺ سے اس بات پر حسد کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے عورتیں حلال فرمائی تھیں۔ جیسا کہ پہلے اس کا ذکر ہوا[1] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد آپ اور آپ کے ساتھی ہیں۔ قتادہ نے کہا الناس سے مراد عرب ہیں۔ یہودی ان سے اس لئے حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت عطا فرمائی اور انہیں اپنے نبی ﷺ کے ساتھ عزت بخشی۔ ایک قول یہ کیا گیا الناس سے مراد تمام لوگ ہیں کیونکہ جس نے نبوت سے حسد کیا۔ اس نے لوگوں کے کمال اور ہدایت سے حسد کیا۔

[2] فضل سے مراد نبوت، کتاب، اللہ تعالیٰ کی رضا، دشمنوں کے خلاف مدد، دنیا میں عزت، عورتیں اور اس کے علاوہ جو چیزیں مرغوب ہوتی ہیں، عطا کیں اور جس نبی کا وعدہ کیا ہوا تھا وہ انہیں میں سے بنا دیا۔

[3] آل ابراہیم سے مراد حضور ﷺ کے اسلاف اور جد اعلیٰ کی اولاد ہیں جیسے حضرت اسماعیل، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب، اور بنی اسرائیل میں سے انبیاء، کتاب سے مراد تورات، انجیل اور زبور ہیں لام جنس کے لئے ہے۔ اور علم لدنی اور وہ علوم عطا فرمائے جو کتاب کے علاوہ آپ کو عطا کئے گئے۔ اور حضرت یوسف، حضرت طالوت، حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور دوسرے افراد کو ملک عطا فرمائے۔ تو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 456 (التجاریہ)

یہ کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ اور ان کے متبعین کو اس شان سے نوازے جو انہیں شان عطا فرمائی یا اس سے بھی بہتر شان عطا فرمائے۔ حضرت سلیمان کے حرم میں ایک ہزار عورتیں تھیں، تین سو مہر والی تھیں اور سات سو باندیاں تھیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے حرم میں سو عورتیں تھیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ کے حرم میں صرف نو عورتیں تھیں، جب اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ ارشاد فرمایا تو حضور ﷺ کی ازواج اور دوسری نعمتوں کے ذکر سے خاموش ہو گئے (1) اس آیت کا یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ ہم نے آل ابراہیم کو یہ نعمتیں عطا فرمائیں جبکہ ان کے حاسد بھی کثیر تھے اور ان کی قوت بھی بہت زیادہ تھی جس طرح نمرود فرعون اور دوسرے حکمران تو حاسدوں کو حسد نے کوئی فائدہ نہ دیا اور نہ ہی جن سے وہ حسد کرتے تھے ان کو ان کے حسد نے نقصان پہنچایا۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿55﴾

"تو ان سے کوئی ایمان لائے اس کے ساتھ [1] اور کسی نے منہ پھیر لیا اس سے [2] اور کافی ہے (انہیں جلانے کے لئے) جہنم کی دہکتی ہوئی آگ [3]"

[1] یہودیوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو حضور ﷺ پر ایمان لائے، جس طرح عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ یا آل ابراہیم میں سے جن کی بات ذکر کی گئی۔

[2] اور ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جنہوں نے اس سے اعراض کیا اور ایمان نہیں لائے۔ سدی نے کہا کہ بہ اور عنہ کی ضمیر حضرت ابراہیم کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک سال حضرت ابراہیم نے فصل کاشت کی اور لوگوں نے بھی فصل کاشت کی لوگوں کی کھیتی ہلاک ہو گئی اور حضرت ابراہیم کی کھیتی خوب پھلی پھولی۔ لوگ آپ کے پاس سوال لے کر گئے۔ آپ ارشاد فرماتے جو مجھ پر ایمان لایا میں اسے عطا کروں گا۔ پس جو ایمان لایا آپ نے اسے عطا کر دیا اور جو ایمان نہ لایا اسے کچھ نہ دیا۔ معنی پھر یہ ہو گا اگر لوگوں کا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہ لانا حضرت ابراہیم کے امر کو کمزور نہ کر سکا تو ان اشقیاء کا کفر آپ کے معاملہ کو کمزور نہ کر سکے گا۔

[3] یعنی جہنم کی دہکتی آگ ہو گی جس میں انہیں عذاب دیا جائے گا اسے دنیا میں عذاب دینے کی جلدی نہیں۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿56﴾

"بے شک جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا ہم ڈال دیں گے انہیں آگ میں جب بھی پک جائیں گی ان کی کھالیں تو بدل کر دے دیں گے ہم انہیں کھالیں دوسری [1] تاکہ وہ (مسلسل) چکھتے رہیں عذاب کو [2] بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے [3]"

[1] یہ سابقہ کلام کا بیان اور اس کی وضاحت کے لئے ہے اور نضجت کا معنی جل جانا ہے، یعنی اسی جلد کو ایک دوسری صورت میں لوٹایا جائے گا۔ جس طرح تو کہتا ہے بدلت الخاتم قرطا میں نے انگوٹھی کو بالی میں بدل دیا۔ یا اس کا معنی یہ ہو گا کہ اس سے جلانے کا اثر زائل کر دیا جائے گا تا کہ عذاب کا احساس لوٹ آئے۔ حضرت ابن عباس کے قول کا بھی یہی معنی ہے کہ کاغذ کی مانند ان کی جلد کو دوبارہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 456 (التجاریہ)

سفید کر دیا جائے گا۔ امام بغوی نے آپ سے یہ قول نقل کیا ہے(1) طبرانی' ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عمر سے اسی طرح نقل کیا کہ حضرت عمر کے سامنے اس آیت کو پڑھا گیا تو حضرت نے کہا میرے پاس اس کی تفسیر موجود ہے کہ ایک لمحہ میں سو بار اسے بدل دیا جائے گا اور کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح سنا۔ ابونعیم نے حلیہ میں ایک اور سند سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ایک ساعت میں ایک سو بیس دفعہ بدلا جائے گا۔ بیہقی نے ایک تیسری سند سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ایک گھڑی میں چھ ہزار دفعہ اسے جلایا جائے گا اور اسے نیا کیا جائے گا۔ امام بیہقی نے حضرت حسن بصری سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا کہ ہر روز ستر ہزار دفعہ آگ اسے کھائے گی جب بھی آگ اسے کھائے گی، انہیں حکم ہو گا لوٹ آؤ۔ تو وہ پہلی حالت کی طرح ہو جائیں گے۔

ابن ابی الدنیا نے حذیفہ سے نقل کیا ہے کہ جہنم میں آگ کے درندے کیسے آنکڑے اور تلواریں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیجے گا جو پچھلی سمت سے جہنمیوں کو آنکڑوں پر لٹکا دیں گے اور تلواروں سے ان کا ایک ایک عضو کاٹیں گے اور ان درندوں اور کتوں کے سامنے ڈالیں گے۔ جب بھی وہ عضو کاٹیں گے اس کی جگہ نیا عضو پیدا ہو جائے گا(2) میں کہتا ہوں سابقہ عضو کے اجزاء سے نیا عضو اور سابقہ جلد کے اجزاء سے نئی جلد۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کی جگہ نئی جلد پیدا کی جائے گی۔ حقیقت میں عذاب نافرمان نفس کو ہو گا جو ادراک رکھتا ہے نہ کہ آلات مدرکہ کو۔ اس لئے آلات کے بدلنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ عبدالعزیز بن یحییٰ نے کہا اللہ تعالیٰ جہنمیوں کو ایسی جلدیں پہنائے گا کہ جن جلدوں خود کچھ تکلیف نہ ہو گی۔ یہ عذاب کی زیادتی ان لوگوں پر واقع ہو گی۔ جب بھی ان کی جلد جل جائے گی اللہ تعالیٰ انہیں ایک اور جلد عطا فرمائے گا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے سَرَابِيلُهُم مِّن قَطِرَانٍ ان بس پا جامے لوگوں کو تکلیف دیں گے اور پاجاموں کو کچھ تکلیف نہ ہو گی۔

یہ تاکہ ان کے لئے عذاب کا چکھنا دائمی ہو جائے۔ ذوق فعل کی نسبت کفار کی طرف کی جلود کی طرف نہیں کی۔ یہ عبدالعزیز بن یحییٰ اور ان کے قول کی تائید کرتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عذاب صرف نافرمان نفس کو ملے گا۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کافر کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک تیز رفتار سوار کے لئے تین دن کی مسافت ہو گی(3) اسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت ابوہریرہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کافر کی داڑھ احد پہاڑ جیسی ہو گی اور اس کی جلد موٹائی تین دن کی مسافت جتنی ہو گی اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ عبداللہ مبارک نے انہیں سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے قیامت کے روز کافر کی داڑھ احد پہاڑ سے بڑی ہو گی جسے لوگ جانتے ہیں تا کہ جہنم ان سے بھر جائے اور کافر عذاب کا مزا چکھیں۔ امام ترمذی اور بیہقی کے نزدیک جہنمی کی ران بیضاء پہاڑ جتنی ہو گی۔ اس کی نشست گاہ مکہ کرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیانی مسافت کے برابر ہو گی اور اس کی جلد کی موٹائی چالیس ذراع ہو گی۔ امام احمد' امام ترمذی' حاکم (جبکہ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے) اور بیہقی نے کہا اس کی جلد کی چوڑائی ستر گز ہو گی اور اس کا بازو بیضاء پہاڑ جتنی ہو گا اور اس کی ران ورقان پہاڑ جتنی ہو گی۔ حضرت عبداللہ بن عمر نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں جہنمیوں کو جہنم میں بڑا کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ ایک آدمی کے کان کی لو اور اس کے کندھے کے درمیان سات سو سال کی مسافت ہو گی اور اس کی جلد کی موٹائی ستر گز ہو گی اور اس کی داڑھ احد پہاڑ جتنی ہو گی۔ امام ترمذی' بیہقی اور ہناد نے آپ سے ہی ایک مرفوع روایت ذکر کی ہے کہ کافر اپنی زبان کو دو فرسخ سے کھینچ رہا ہو گا۔ امام ترمذی کے ہاں فرسخ اور فرسخین دونوں لفظ آئے ہیں۔ امام احمد اور حاکم نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ آدمی کے کان کی لو اور اس کے کندھے کے درمیان چالیس سال کی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 456 (التجاریہ) 2۔ الدرالمنثور، جلد 2، صفحہ 311 (العلمیہ) 3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 362 (قدیمی)

مسافت ہوگی جس میں پیپ اور خون کی وادیاں بہہ رہی ہوں گی۔ ایک قول میں ہے نہریں کہا نہیں بلکہ وادیاں۔

سے اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کر لے اس سے کوئی نہیں روک سکتا اور وہ اپنی حکمت کے مطابق ہی سزا دیتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کیے عنقریب ہم داخل کریں گے انہیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں تا ابد ان کے لئے ان باغوں میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم داخل کریں گے انہیں گھنے سایہ میں لے''

لے حاکم نے ایک روایت حضرت ابوسعید سے نقل کی اور اسے صحیح قرار دیا۔ حضرت ابوسعید حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جنت میں بیویاں حیض، بول و براز، ریشہ، تھوک، بلغم، اولاد اور منی سے پاک ہوں گی۔ عطاء سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے بھی مروی ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت ہوگا جس میں سوار سو سال تک چلتا رہے گا۔ لیکن اس کو طے نہیں کر سکے گا۔ اگر چاہو تو اس آیت کی تلاوت کرو وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ متفق علیہ (1) امام احمد نے اس کے آخر میں یہ اضافہ کیا، اس کے نیچے جنت کو ڈھانپے ہوں گے ابن ابی حاتم نے ربیع بن انس سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا میں ذکر کیا ہے، فرمایا وہ عرش کا سایہ ہوگا جو ختم نہ ہوگا۔ ظَلِيْلٌ صفت کا صیغہ ہے اور ظل سے مشتق ہے اور تاکید کے لئے اسے بنایا گیا، جس طرح عربوں کا قول ہے شمس شامس، لیل لیل، یوم یوم۔ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنت کی نعمتیں دائمی ہیں واللہ اعلم۔

ابن مردویہ نے کلبی کی سند سے ابوصالح سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا تو آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا۔ جب وہ آ گیا فرمایا مجھے چابی دو۔ وہ چابی لے آیا۔ جب اس نے ہاتھ آگے بڑھایا تو حضرت عباس کھڑے ہو گئے۔ عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کے ساتھ یہ خدمت بھی میرے ذمہ کر دیجئے تو عثمان بن طلحہ نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عثمان چابی دو۔ عرض کی اللہ تعالیٰ کی امان میں لو۔ حضور ﷺ اٹھے بیت اللہ شریف کا دروازہ کھولا، بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ پھر آپ پر چابی لوٹانے کا حکم نازل ہوا۔ حضور ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا، چابی اسے عطا فرما دی (2) پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے تمہیں کہ (ان کے) سپرد کرو امانتوں کو جو ان کے اہل ہیں لے اور جب بھی فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان تو فیصلہ کرو انصاف سے سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے تمہیں سے بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا ہر چیز دیکھنے والا ہے ہے''

لے سنید نے اپنی تفسیر میں حجاج بن جریج اور ازرقی نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت عثمان بن طلحہ کے حق میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 378 (قدیمی)		2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 312 (العلمیہ)

ﷺ نے اس سے کعبہ کی چابی لی اور فتح مکہ کے روز اس میں داخل ہوئے، آپ باہر نکلے تو یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ آپ نے عثمان کو بلایا، اسے چابی عطا فرما دی۔ حضور ﷺ بیت اللہ شریف سے باہر نکلتے وقت اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے تو حضرت عمر بن خطاب نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں نے آپ کو اس سے قبل اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے نہیں سنا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس آیت کا نزول بیت اللہ شریف کے اندر ہوا تھا۔ حضرت سعید بن مسیب سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں اے بنی طلحہ ہمیشہ کے لئے اسے لے لو۔ تم پر کافر کے علاوہ کوئی ظلم نہیں کرے گا۔

ابن سعد نے ابراہیم بن محمد عبدری سے انہوں نے اپنے باپ سے اور محمد بن عمرو نے اپنے شیوخ سے روایت کیا کہ عثمان بن طلحہ نے کہا کہ ہجرت سے قبل حضور ﷺ مجھے مکہ میں ملے۔ آپ نے مجھے اسلام کی طرف دعوت دی۔ میں نے کہا اے محمد ﷺ مجھے تم پر تعجب ہو رہا ہے، تم یہ طمع رکھتے ہو کہ میں تیری اتباع کروں گا جب کہ تم نے اپنی قوم کے دین کی مخالفت کی اور تم ایک نیا دین لے آئے ہو، کیا ہم دور جاہلیت میں پیر اور جمعرات کے روز بیت اللہ شریف کے دروازہ کھولتے تھے۔ ایک دن آپ آئے اور لوگوں کی معیت میں اندر داخل ہونے کا ارادہ کیا۔ میں نے آپ کے لئے دروازہ بند کر دیا اور تلخ کلام کی آپ نے بڑی بردباری کا مظاہرہ کیا۔ پھر فرمایا اے عثمان شاید تم ایک روز چابی میرے ہاتھ میں دیکھو جسے میں چاہوں گا اسے دوں گا۔ میں نے کہا یقیناً اس وقت قریش ہلاک ہو چکے ہوں گے اور رسوائی ان کا مقدر بن چکی ہوگی۔ فرمایا نہیں بلکہ وہ آباد ہوں گے اور صاحب عزت ہوں گے اور کعبہ میں داخل ہوں گے۔ یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ میں گمان کرنے لگا کہ ایک دن ایسا ہو کر رہے گا۔ میں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر لیا مگر میری قوم میرے مسلمان ہونے پر میرے ساتھ سختی کرتی۔ جب فتح مکہ کا دن آیا، آپ نے مجھے فرمایا اے عثمان چابی لاؤ۔ میں چابی آپ کے پاس لے آیا۔ آپ نے اسے مجھ سے لے لیا۔ پھر مجھے واپس کر دیا۔ فرمایا اسے ہمیشہ کے لئے لے لو۔ اے عثمان تم سے اسے ظالم کے علاوہ کوئی نہیں چھینے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے گھر کا امین بنایا ہے۔ معروف طریقے سے تمہیں اس گھر سے جو ملے اسے لے لو۔ جب میں واپس پلٹا آپ نے مجھے ندا دی میں پلٹ کر گیا۔ آپ نے فرمایا جو کچھ میں نے تمہیں کہا تھا کیا اسی طرح نہیں ہوا؟ حضور ﷺ نے ہجرت سے قبل جو مجھے فرمایا وہ مجھے یاد آ گیا۔ میں نے عرض کیا کیوں نہیں، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ فاکہانی نے جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب چابی اسے عطا فرمائی تو فرمایا اسے چھپا کر رکھنا۔ زہری نے کہا اسی وجہ سے عثمان اس چابی کو چھپا کر رکھتے تھے۔

میں کہتا ہوں شائد اس حکم کی وجہ یہ بھی تھی کہ کئی لوگ اس کی طمع کرتے تھے کہ چابی ان کے پاس ہو، جس طرح ہم نے ابن مردویہ کی روایت سے ذکر کیا کہ حضرت عباس نے اس کی طمع کی۔ ابن عابد اور ازرقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی شیر خدا نے عرض کیا ہمارے لئے بیت اللہ شریف کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت جمع کر دیجئے تو یہ آیت نازل ہوئی، تو حضور ﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہ کو بلایا، فرمایا اے بنی طلحہ ہمیشہ کے لئے اسے لے لو تم سے ظالم ہی اسے چھینے گا۔

عبدالرزاق اور طبرانی نے زہری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت اللہ شریف سے نکلے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہمارے خاندان کو نبوت، حاجیوں کو پانی پلانا اور کعبہ کی دربانی دی گئی۔ کوئی قوم ہم سے بڑھ کر نصیب والی نہیں۔ رسول

اللہ ﷺ نے آپ کی بات کو ناپسند فرمایا۔ پھر آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا اور چابی اسے دے دی، فرمایا اسے چھپا کر رکھو۔

امام بغوی نے ذکر کیا کہ فتح مکہ کے روز جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے عثمان نے بیت اللہ شریف کا دروازہ بند کر لیا اور چھت پر چڑھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے چابی طلب کی۔ آپ سے عرض کی گئی وہ عثمان کے پاس ہے۔ اس نے چابی دینے سے انکار کر دیا اور کہا اگر میں یہ جانتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ ہیں تو میں انہیں چابی دینے سے انکار نہ کرتا۔ حضرت علی شیر خدا نے اس کی گردن مروڑی اور اس سے چابی لے لی، دروازہ کھولا۔ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے۔ دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو حضرت عباس نے چابی کا سوال کیا کہ انہیں عطا کی جائے تاکہ حاجیوں کو پانی پلانا اور بیت اللہ شریف کی دربانی ان کے لئے جمع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا، تو حضور ﷺ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ چابی عثمان کو واپس کرو اور اس سے معذرت کرو۔ حضرت علی نے ایسے ہی کیا۔ عثمان بن طلحہ نے کہا تو نے پہلے زبردستی کی اذیت دی، اب تو آیا ہے اور نرمی کر رہا ہے۔ حضرت علی نے کہا اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں حکم نازل فرمایا ہے اور آیت پڑھ کر سنائی تو عثمان نے کہا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ چابی اسی کے پاس رہی۔ جب وہ فوت ہوا تو اپنے چابی اپنے بھائی شیبہ کو دی۔ یہ چابی اور بیت اللہ شریف کی دربانی تا قیامت اسی کے خاندان میں رہے گی۔

فائدہ:۔ آیت کا نزول اگرچہ عثمان بن طلحہ کو بیت اللہ شریف کی چابی دینے کے بارے میں ہوا لیکن آیت الفاظ کے عموم کی وجہ سے ہر امانت اس کے مستحق کے حوالے کا فائدہ دیتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایسا کم ہی ہوا کہ حضور نے خطبہ ارشاد فرمایا ہو اور یہ کلمات نہ کہے ہوں اس آدمی کا ایمان نہیں جس میں امانت نہیں، اس آدمی کا دین نہیں جو وعدہ کا پکا نہیں۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبد اللہ سے مرفوع روایت ہے کہ حضور ﷺ نے نفاق کی علامات ذکر کیں، فرمایا جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔ (1)(1)

فائدہ:۔ امانت کی ادائیگی کا حکم ودیعت کے مال میں محصور نہیں، بلکہ یہ ہر کسی کا جو دوسرے پر حق ہوتا ہے اس کی ادائیگی کو بھی شامل

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 10 (وزارت تعلیم)

(1) کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا لوگوں سے سب سے پہلے امانت اٹھالی جائے گی۔ نماز آخر تک باقی رہے گی۔ بعض نمازیوں میں کوئی خیر نہیں۔ اسے حکیم نے زید بن ثابت سے روایت کیا۔ ابن جریر نے ابن عباس سے روایت کیا کہ اس میں خوشحال اور تنگدست کو کوئی رخصت نہیں دی گئی۔ بیہقی نے میمون بن مہران سے روایت کیا تین چیزیں ایسی ہیں جو نیک و بد کو ادا کی جائیں۔ صلہ رحمی رشتہ دار کو نیک ہو یا بد، امانت مستحق کو دی جائے، خواہ وہ نیک ہو یا بد، وعدہ پورا کیا جائے، نیک سے کیا ہو یا بد سے۔ عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے ابن مسعود سے روایت کیا کہ اللہ کی راہ میں شہادت تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے مگر امانت روز قیامت ایک آدمی کو لایا جائے گا۔ اگرچہ اسے فی سبیل اللہ قتل کیا گیا ہو۔ اسے حکم ہوگا امانت ادا کرو۔ وہ عرض کرے گا کہاں سے ادا کروں، دنیا تو ختم ہو چکی۔ حکم ہوگا اسے جہنم کے گڑھے کے پاس لے چلو۔ اسے لے جایا جائے گا۔ امانت کی شکل کی چیز ہوگی جو جہنم کے گڑھے میں پڑی ہوگی۔ وہ اسے اٹھائے گا اور اوپر چڑھنا شروع کرے گا، یہاں تک کہ جب وہ گمان کرے گا کہ وہ اس سے نکلا چاہتا ہے وہ امانت اس کے کندھے سے پھسل جائے گی۔ وہ گڑھے میں گر پڑے گی، وہ بھی ساتھ ہی اس میں ہمیشہ کے لئے گر پڑے گا۔ زاذان نے کہا میں براء بن عازب کے پاس آیا میں نے کہا کیا تو نے وہ نہیں سنا جو تیرا بھائی کہتا ہے؟ انہوں نے کہا عبد اللہ بن مسعود سچ کہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور مذکورہ آیت کی تلاوت کی کہا نماز میں امانت ہے، غسل جنابت میں امانت ہے، گفتگو میں امانت ہے، کیل میں امانت ہے، وزن میں امانت ہے، دین میں بھی امانت ہے اور سب سے شدید مال میں۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ

ہے جس طرح اس آیت کا سبب نزول دلالت کرتا ہے۔ اسی وجہ سے عظیم صوفیاء نے کہا کہ وجود اور اس کے (ا) توابع اور ممکن میں موجود ہر کمال یہ بالذات نہیں بلکہ یہ واجب الوجود جل شانہ سے حاصل کردہ اور اس کی طرف سے عطا کردہ امانت ہے۔ اب اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ان امانتوں کو ان کے مستحقین کے حوالے کر دیا جائے، اس طرح کہ وہ اپنے آپ کو اس سے محروم خیال کرے، جس طرح سلطان جب کسی بھنگی (صفائی کرنے والا، جھاڑو دینے والا) کو خلعت فاخرہ دے تو اس بھنگی پر لازم ہے کہ وہ ہر لحہ اس لباس سے اپنے آپ کو محروم خیال کرے اور اس خلعت کو بادشاہ کی عارضی عطا کردہ چیز سمجھے۔ جب صوفی پر اس امر کا ملاحظہ غالب آتا ہے تو حقیقت میں وہ اپنے آپ کو معدوم، وجود اور تمام کمالات سے خالی جانتا ہے اور اپنے آپ کو شرور اور نقائص کا مبدأ خیال کرتا ہے۔ یہ فناء کا مرتبہ ہے پھر بھی اس سے یہ عارضی رویت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ مرحلہ فناء الفناء کا ہے۔ پھر وہ اپنے نفس کو موجود پاتا ہے، لیکن اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کی عطا اور اپنے آپ کو ایسی صفات سے متصف پاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کا پرتو ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بقاء سے اپنے آپ کو باقی دیکھتا ہے۔ یہ بقاء کا مرتبہ ہے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے، الحدیث۔ جب ایک صوفی اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے جسے فناء اور بقاء سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے لئے بطور کنایہ اداء امانت ذکر کیا گیا۔ اس مرحلہ میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ صوفی سے اپنے نفس کا تزکیہ صادر ہو کیونکہ وہ نفس کو معدوم، کمالات سے خالی دیکھتا ہے۔ اس لحہ اس کے لئے جائز ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو کمالات عطا کئے ہیں ان کا ذکر کرے اور جو فضائل، مقامات اور معاملات میں اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام کیا ہے ان کو زبان پر لائے کیونکہ اس صورت میں کمالات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوں گے اور ان کمالات پر جو تعریف بھی ہوگی وہ صوفی کی نہ ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہوگی۔

پس تمام محامد اور ثنائیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں گی جس طرح اس آیت میں اشارہ ہے فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ گویا یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ساتھ متعلق ہے لا تزکوا انفسکم (ب) بل اللہ یزکی من یشاء ان کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ ان دونوں آیتوں کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو پاکیزہ ظاہر نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے اسے اپنا نور عطا فرما کر یا اپنے کمال کے سمندر میں سے ایک چھینٹا عطا فرما کر پاکیزہ بنا دیتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تمہارے پاس جو کمالات ہیں انہیں ان کے مستحقین کے حوالے کر دو تا کہ تمہاری طرف سے اپنے نفوس کو پاک کرنے کا تصور نہ ہو اور تم سے اپنے رب کے محامد میں سے بعض صادر ہوں۔ اس بحث سے تیرے لیے اس اعتراض کا جواب بھی آ گیا ہوگا جو بعض جہال مشائخ کے ان اقوال پر کرتے ہیں جن میں اظہار فخر کا شعور دلایا جاتا ہے کیونکہ یہ اظہار امانتوں کو ان کے مستحقین کے حوالے کرنے کے بعد ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت کے بعد حکمت کے مطابق بطور تحدیث نعمت کے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(2) اذا یہ ظرف کلام محذوف کے متعلق ہے۔ جس پر مابعد کلام دلالت کرتی ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی ویامرکم ان تحکموا بالعدل اذا حکمتم یعنی جب تم فیصلہ کرو۔

(ا) یعنی مخلوق کا وجود ہو یا اس کے کمالات سب اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں اور مخلوقات کے پاس بطور امانت ہیں۔ اب مخلوقات کا فرض ہے کہ اس میں خیانت نہ کرے۔

(ب) جو الفاظ ذکر کیے گئے ہیں یہ دو آیتوں کے حصے ہیں۔ پہلا حصہ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى یہ سورۂ نجم میں سے ہے۔ اگلا حصہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَھُمْ اس سورت کی آیت نمبر 49 کا حصہ ہے۔ شاید کاتب سے کوئی غلطی ہوگئی ہے یا بطور اقتباس اپنے ان الفاظ کو ذکر کیا

یہ محذوف کلام کی تفسیر ہے اس کا اعراب میں کوئی محل نہیں۔ عدل کا حکم بھی ادا امانت سے تعلق رکھتا ہے، اس میں کوتاہی کرنا خیانت ہے۔

حضرت ابوذر سے روایت ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے عامل بنا دیجئے۔ فرمایا اے ابوذر تو ضعیف ہے، جبکہ یہ امانت ہے، قیامت کے روز یہ رسوائی اور ندامت ہے مگر جس نے اسے حق کے ساتھ لیا اور اس کا حق ادا کیا۔ ایک اور روایت میں ہے فرمایا اے ابوذر میں تجھے کمزور جانتا ہوں اور میں تیرے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا اور یتیم کے مال کا والی نہ بننا اسے امام مسلم نے روایت کیا اس کے بعد جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی امانت ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت' رسول اللہ کی اطاعت اور حاکموں کی اطاعت۔

ے نعما میں ما نکرہ ہے، تمیز کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اس کی صفت یعظکم ہے، یا موصولہ ہے اور فاعل ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی نِعْمَ شَيْئًا یا نِعْمَ الشَّيْءُ الَّذِيْ۔

ے مخصوص بالمدح محذوف ہے، یعنی امانت ادا کرنا یا حکم میں عدل کرنا۔

ے اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال اور فیصلوں کو سننے والا ہے اور امانتوں میں جو کچھ تم کرتے ہو اسے دیکھنے والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انصاف کرنے والے نور کے منبروں پر ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی دائیں طرف ہوں گے۔ اس کے دونوں ہاتھ(1) دائیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں' اپنے گھر والوں اور جن کا انھیں والی بنایا گیا اس میں عدل کرتے ہیں(1) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت ابوسعید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین اور از روئے مجلس کے سب سے قریبی امام (امیر عادل) ہوگا اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سب سے مبغوض اور جنہیں سب سے زیادہ عذاب میں ڈالا جائے گا وہ وہ ظالم امام ہے۔ ایک روایت میں مجلس میں سب سے دور کے الفاظ ہیں(2) اسے امام ترمذی نے روایت کیا فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سایہ میں کون آگے ہوں گے؟ صحابہ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جب انہیں حق دیا جائے تو اسے قبول کریں، جب ان سے سوال کیا جائے تو ادا کر دیں اور لوگوں کے حق میں اسی طرح فیصلہ کریں جس طرح اپنے حق میں فیصلہ کرتے ہیں(3) اسے امام احمد نے روایت کیا۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں اسی کی مثل حضرت عمر بن خطاب سے مرفوع روایت نقل کی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿٥٩﴾

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو اپنے ذی شان رسول کی اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر جھگڑنے لگو تم کسی چیز میں تو لوٹا دو اسے اللہ اور اپنے رسول کے فرمان کی طرف یہ اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 121 (قدیمی) 2۔ جامع ترمذی کتاب الاحکام، صفحہ 159 (وزارت تعلیم) 3۔ شعب الایمان، جلد 7، صفحہ 504 (العلمیہ)

(1) یہ متشابہات میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم ہونے سے پاک ہے۔

پر اور روز قیامت پر بھی بہتر ہے اور بہت اچھا ہے اس کا انجام ہے۔"

لے شیخین اور اصحاب سنت نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن حذافہ کے بارے میں نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ نے انہیں ایک چھوٹے لشکر میں بھیجا(1) ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک چھوٹے لشکر میں بھیجا جس میں عمار بن یاسر بھی تھے۔ جس قوم پر یہ حملہ کرنا چاہتے تھے اس کی طرف یہ چلے۔ صبح کے وقت یہ وہاں پہنچے تو ساری قوم وہاں سے بھاگ چکی تھی۔ صرف ایک آدمی وہاں موجود تھا جو حضرت عمار کے پاس آیا اور کہا میں اسلام لا چکا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں لا الہ الا اللہ محمد عبدہ و رسولہ۔ حضرت عمار نے فرمایا اسلام تجھے نفع دے گا تو وہاں ہی ٹھہر جا۔ جب صبح ہوئی تو حضرت خالد نے حملہ کیا۔ حضرت عمار نے کہا اس آدمی کو چھوڑ دو کیونکہ یہ مسلمان ہو چکا ہے۔ یہ میری امان میں ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور اپنے معاملہ کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور ﷺ نے عمار کی امان کو جائز قرار دیا۔ تاہم انہیں امیر کی اجازت کے بغیر امان دینے سے منع کر دیا تو دونوں حضور ﷺ کے سامنے ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے خالد عمار کو گالی نہ دو کیونکہ جو عمار کو گالی دے گا اللہ تعالیٰ اسے گالی دے گا اور جس نے عمار سے بغض رکھا اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھے گا اور جس نے عمار پر لعن طعن کیا اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے گا۔ حضرت خالد نے حضرت عمار سے معذرت چاہی جس پر عمار ان سے راضی ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ابو شیبہ اور دوسرے محدثین نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی کہ اولی الامر سے مراد امراء ہیں۔ ایک میں یہ الفاظ ہیں ھم امراء السرایا یعنی لشکروں کے امیر مراد ہیں۔ یہ لفظ عام ہے جو بادشاہوں شہر کے امراء قاضیوں اور چھوٹے بڑے لشکروں کے امیروں کو شامل ہے۔ حضرت علی شیر خدا نے فرمایا امام پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرے، امانت ادا کرے۔ جب اس نے ایسا کیا تو رعیت پر فرض ہے کہ وہ امام کے حکم کو سنے اور اس کی اطاعت کرے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بعد ابو بکر و عمر کی اقتداء(1) کرنا(2) اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی متفق علیہ۔(3)

حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہا ہم نے رسول اللہ ﷺ کی ان امور پر بیعت کی تھی کہ حضور ﷺ کا حکم سنیں گے اور اطاعت کریں گے، تنگدستی کا عالم ہو یا خوشی کا، پسندیدہ امر میں بھی اور ناپسندیدہ امر میں بھی اور یہ کہ ہم حاکموں سے نہیں جھگڑیں گے۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 659 (وزارت تعلیم) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 207 (ایضاً) 3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 124 (قدیمی)

(1) اللہ تعالیٰ کے فرمان اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ کے بارے میں عکرمہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر ہیں کلبی سے مروی ہے اس سے مراد حضرات ابو بکر، عمر، عثمان، علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم ہیں۔ عکرمہ سے ام ولد کے بارے میں پوچھا گیا، فرمایا وہ سب آزاد ہیں۔ پوچھا گیا آپ کس دلیل سے یہ کہتے ہیں؟ کہا میں قرآن سے استدلال کرتا ہوں۔ لوگوں نے کہا قرآن کی کس آیت سے؟ کہا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے اَطِيْعُوا اللّٰهَ...... وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ کیا حضرت عمر اولی الامر تھے آپ نے فرمایا ام ولد آزاد ہو جاتی ہے اگرچہ نا تمام بچہ جنے۔ عمران بن حصین سے روایت ہے کہ حضرت عمر جس کسی کو عامل متعین کرتے تو اس کے عہد نامہ میں یہ بھی لکھتے اس کا حکم سنا جائے اس کی اطاعت کی جائے جب تک یہ عدل کرے۔ حضرت عمر سے مروی ہے فرمایا سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی نکٹا غلام امیر بنا دیا جائے۔ اگر وہ تجھے مارے تو صبر کرو، اگر وہ تجھے کسی ایسی بات کا حکم دے جو دین کو ختم کرنے کا باعث ہو تو اسے کہہ دو خون دے دیں گے دین نہ چھوڑیں گے۔ از مؤلف رحمہ اللہ

ہم جہاں کہیں ہوں گے حق کہیں گے یا قائم کریں گے اور ہم اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کریں گے متفق علیہ۔(1)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا امیر کا حکم سن اور اس کی اطاعت کر، اگر چہ وہ حبشی غلام ہو، اس کا سر گویا کشمش کا دانہ ہو۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔

حضرت ابی امامہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو، پانچ نمازیں ادا کرو۔ ایک ماہ کے روزے رکھو، اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو، جب تم پر کوئی امیر متعین کیا جائے تو اس کی اطاعت کرو تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے(2) اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔ اس آیت میں خاوند بھی شامل ہے جو بیوی کو حکم دیتا ہے، آقا شامل ہے جو غلام کو حکم دیتا ہے، والد شامل ہے جو اپنی اولاد کو حکم دیتا ہے۔ یا ان سے مراد ہے کہ یہ ان کے امیر ہوتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائیگا۔ پس امام بھی اپنی رعیت کا نگہبان ہے، اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائیگا، آدمی اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے، اس سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائیگا، عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد پر نگہبان ہے، اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائیگا، ایک آدمی کا غلام اپنے مالک کے اموال پر نگہبان ہے، اس سے اس مال کے بارے میں پوچھا جائیگا، پس تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائیگا۔(3)

اسی طرح یہ لفظ فقہاء، علماء اور مشائخ کو بھی شامل ہوگا بلکہ بدرجہ اولی ان پر صادق آئے گا کیونکہ یہ لوگ انبیاء کے وارث، اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول کے احکام کو ذخیرہ کرنے والے ہیں۔ ابن جریر، حاکم اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اولی الامر سے مراد فقیہ اور دیندار لوگ ہیں۔ ایک لفظ یوں بھی ہے کہ وہ اہل علم ہیں۔ ابن ابی شیبہ حاکم اور دوسرے محدثین نے اسی کی مثل جابر بن عبد اللہ سے روایت کی، جبکہ حاکم نے اسے صحیح کہا۔ ابو العالیہ اور مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ اس میں بھی صاحب علم لوگوں کا ذکر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ(4)۔ اسے امام احمد، امام ترمذی، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے کثیر بن قیس کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا لوگ تمہارے تابع ہیں، لوگ زمین کی اطراف سے دین سمجھنے کے لیے تمہاری طرف آئیں گے۔ اسے امام ترمذی نے ابو سعید خدری سے نقل کیا ہے۔

مسئلہ: امیر کی اطاعت کا وجوب یہ صرف ایسے حکم کے ساتھ خاص ہوگا جو شرع کے خلاف نہ ہو، جس پر آیت کا سیاق دلالت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اولی الامر کی اطاعت کا حکم انہیں عدل کرنے کے حکم کے بعد دینا اس بات پر تنبیہ ہے کہ ان کی اطاعت اسی وقت تک واجب ہے جب تک وہ عدل پر قائم رہیں۔ بعد والا حصہ اسی کی وضاحت کرتا ہے۔ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ۔ بعض فضلاء نے کہا اولی الامر کا صیغہ اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ ان کی متابعت انہیں معاملات میں واجب ہے جن کے وہ والی بنائے گئے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم میں عدل کرنے کا والی بنایا ہے۔ اگر حکم کو ایجاب کے لیے مانا جائے تو یہ زیادہ شدت کے ساتھ اس معنی پر دلالت کرے گا

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 125 (قدیمی)
2۔ جامع ترمذی، صفحہ 112 (وزارت تعلیم)
3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 122 (قدیمی)
4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 93 (وزارت تعلیم)

کیونکہ امراء کی اطاعت صرف انہیں امور میں ہوگی جو لوگوں پر ان کی طرف سے واجب ہیں۔ اگر امیر تجھے یہ کہے کہ فلاں آدمی کو اپنے مال سے ہزار روپے دے، تو تجھ پر اس کی اطاعت واجب نہیں۔

مسئلہ: جب قاضی یہ کہے میں نے اس پر رجم کا فیصلہ کیا ہے تو اسے رجم کر یا میں نے اس پر قطع ید کا حکم دیا ہے اس کا عضو کاٹ دے یا کوڑے مارنے کا حکم دیا ہے اسے کوڑے مار، تو تیرے لیے ایسا کرنا جائز ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ اس کی بات اس وقت تک نہ مانے جب تک دلیل کا مشاہدہ نہ کرے۔ مشائخ نے امام محمد کی اس روایت کو پسند کیا ہے کیونکہ قاضیوں کے احوال بدل چکے ہیں۔ امام ابو منصور نے کہا اگر قاضی عادل اور عالم ہو تو اس کا قول قبول کیا جائیگا کیونکہ اس پر غلطی اور خیانت کی تہمت نہیں۔ اگر وہ عادل اور جاہل ہے تو اس سے استفسار کیا جائیگا۔ اگر وہ اچھی طرح وضاحت کر دے تو اس کی تصدیق واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ اگر وہ فاسق ہو تو اس کا قول اس وقت تک قبول نہ ہوگا جب تک حکم کے سبب کا معاینہ نہ کر لیا جائے کیونکہ اس میں خطاء اور خیانت کی تہمت پائی جا رہی ہے۔ ہدایہ میں اسی طرح ہے۔

امام بخاری اور دوسرے محدثین نے ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن حذافہ کے بارے میں نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ نے انہیں ایک سریہ میں بھیجا(1) اسی طرح اسے مختصر نقل کیا ہے۔ داؤدی نے کہا کہ عبداللہ بن حذافہ ایک لشکر کے امیر بن کر باہر گئے۔ آپ سپاہیوں سے ناراض ہوئے، آگ روشن کرائی اور کہا سب اس میں داخل ہو جاؤ۔ بعض لوگ رک گئے اور بعض نے حکم کی تعمیل کا ارادہ کیا۔ حافظ ابن حجر نے کہا اس قصہ میں اس آیت کے نزول کا مقصود اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

ج اگر تم اختلاف میں پڑ جاؤ۔ سعید بن منصور اور دوسرے لوگوں نے مجاہد سے یہ روایت کی کہ اس کا معنی یہ ہے اگر علماء کے درمیان کسی معاملہ میں اختلاف واقع ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کے ارشادات کی طرف لوٹاؤ۔ ایک صورت یہ ہے امیر حکم دے تو بعض لوگ یہ کہیں کہ اس معاملہ میں ہمارے لیے امیر کی اطاعت جائز نہیں اور بعض کہیں امیر کی اطاعت واجب ہے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی طرف پھیر دو۔ جب تک آقائے دوعالم ﷺ نے دنیا سے پردہ نہیں فرمایا تو آپ کی ذات کی طرف اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی سنت کی طرف لوٹاؤ۔ جس امر میں کوئی نص موجود نہ ہو اس میں قیاس اور اجماع کی طرف لوٹا جائے کیونکہ یہ دونوں بھی قرآن وسنت کے تابع ہیں۔ اگر شرع اس معاملہ میں امیر کی اطاعت کی اجازت دے تو پھر امیر کی اطاعت کرو ورنہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ذکر کیا ایک مسلمان پر امیر کا حکم سننا اور اسے ماننا خواہ پسند ہو یا ناپسند واجب ہے، جبکہ وہ اسے معصیت کا حکم نہ دے۔ جب وہ مسلمان کو معصیت کا حکم دے تو پھر امیر کی بات سننا اور اطاعت لازم نہیں متفق علیہ۔(2)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گناہ میں کسی کی اطاعت نہیں۔ بے شک اطاعت اچھائی میں ہے، متفق علیہ۔(3) عمران بن حصین اور حکیم بن عمرو غفاری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ اسے امام احمد اور حاکم نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ مدارک میں ہے کہ مسلمہ بن عبدالملک بن مروان نے ابی حازم سے کہا کیا تمہیں ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا گیا اور یہ کلمات تلاوت کیے وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ۔ ابو حازم نے

1۔ صحیح بخاری، جلد2، صفحہ 659 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح مسلم، جلد2، صفحہ 125 (قدیمی) 3۔ ایضاً

نے کہا جب تم نے حق کی مخالفت کی تو تمہاری اطاعت اس ارشاد سے ختم کر دی گئی فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ
مسئلہ: جب قاضی کے سامنے کسی حاکم کا حکم پیش کیا جائے تو اسے نافذ کر دے مگر جب وہ کتاب اللہ کے خلاف ہو، جس طرح اس نے ایک گواہ اور مدعی سے قسم لے کر فیصلہ کیا ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے خلاف ہے وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ الآیہ یا وہ سنت مشہورہ کے خلاف ہو جس طرح وہ یہ حکم دے کہ یہ عورت اس پہلے خاوند کے لیے حلال ہے جس نے اسے تین طلاقیں دیں اور اس عورت نے دوسرے مرد سے نکاح کیا اور وطی نہ کی۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی حدیث کے خلاف ہے جو آپ نے رفاعہ کی بیوی کے قصہ میں روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تو اس وقت تک حلال نہیں یہاں تک کہ تو اس کا شہد چکھے اور وہ تیرا شہد چکھے۔ ہم نے اس کا ذکر سورۂ بقرہ میں کیا ہے۔ یا وہ حکم اجماع کے خلاف ہو مثلاً وہ ایسے جانور کا گوشت بیچنے کی اجازت دے جس پر جان بوجھ کر تکبیر نہ پڑھی گئی ہو کیونکہ یہ حکم اس اجماع کے خلاف جو پہلے کے زمانہ میں ہوا۔ اس صورت میں قاضی کے لیے اس کے حکم کو جاری کرنا جائز نہ ہوگا۔ ہدایہ میں اسی طرح ہے۔

مسئلہ: جب مجتہد ایک فتویٰ دے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ اس کا فتویٰ کتاب و سنت کے مخالف ہے تو ہم پر کتاب و سنت کی اتباع واجب ہے۔ بیہقی نے مدخل میں سند صحیح سے جو عبداللہ بن مبارک تک پہنچتی ہے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے امام ابوحنیفہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب کوئی حکم رسول اللہ ﷺ سے آ جائے تو میرے سر اور آنکھوں پر۔ روضۃ العلماء میں آپ سے یہ قول منقول ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاد اور صحابہ کرام کے قول کے مقابلہ میں میرا فتویٰ چھوڑ دو۔ آپ سے یہ قول بھی منقول ہے جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ میں خطاب بطور التفات ائمہ کو ہو۔ یعنی پہلے غائب کے صیغے تھے اب مخاطب کا صیغہ ذکر فرمایا۔

؂ یہ شرط ہے اور سابقہ کلام کیوجہ سے جزاء سے مستغنی ہے۔ اس امر کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا ذہنوں میں راسخ چیز پر ڈٹے رہنے سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف لوٹائے بغیر معنی کرنے سے تمہارا لوٹانا ازروئے انجام کے بہتر ہے۔
ابن جریر نے امام شعبی سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی اور منافق کے درمیان جھگڑا تھا۔ یہودی نے کہا میں اس معاملہ کو حضور ﷺ کے پاس لے جاتا ہوں کیونکہ اسے علم تھا آپ رشوت نہیں لیتے۔ منافق نے کہا ہم کسی یہودی کے پاس لیے چلتے ہیں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہودی رشوت لے لیتے ہیں اور فیصلہ میں بے انصافی کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ دونوں کا اتفاق جہینہ میں موجود ایک کاہن پر ہوا(1) دونوں اس کے پاس فیصلہ کے لیے گئے۔

ثعلبی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے ابن لہیعہ کے واسطہ سے ابوالاسود سے ایک مرسل روایت ذکر کی۔ بغوی نے کلبی کا قول جو ابوصالح سے، وہ حضرت ابن عباس سے نقل کرتے ہوئے اسی طرح ذکر کیا ایک منافق جس کا نام کلبی کے نزدیک بشر تھا، نے یہودی سے جھگڑا کیا۔ یہودی نے بشر کو دعوت دی آؤ اپنا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلتے ہیں۔ منافق نے یہودی کو کعب بن اشرف کے پاس جانے کو کہا۔ یہودی نے انکار کر دیا اور کہا میں صرف رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤں گا۔ منافق نے یہودی کی ضد دیکھی تو یہودی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 97 (الامیریہ)

جب دونوں آپ کے پاس سے اٹھے منافق نے یہودی سے اصرار کیا کہ فیصلہ کے لیے حضرت عمر کے پاس چلیں دونوں حضرت عمر کے پاس آئے۔ یہودی نے کہا پہلے ہم دونوں نے اپنا معاملہ حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ حضور ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ سنایا۔ یہ اس فیصلہ پر راضی نہ ہوا اور گمان کیا کہ وہ آپ کے پاس مسئلہ پیش کرے گا۔ حضرت عمر نے منافق سے پوچھا بتاؤ کیا بات ایسے ہی ہوئی۔ منافق نے کہا جی ہاں۔ حضرت عمر نے فرمایا ٹھہر جاؤ، یہاں تک کہ میں تمہارے پاس آتا ہوں۔ حضرت عمر گھر تشریف لے گئے، تلوار لی، باہر نکلے اور منافق کو قتل کر دیا۔ فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ پر راضی نہ ہو میں اسی طرح اس کا فیصلہ کرتا ہوں، تو یہ آیت نازل ہوئی۔(1)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۖ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾

"کیا نہیں دیکھا آپ نے ان کی طرف جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس کتاب کے ساتھ جو اتاری گئی آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اس کے باوجود چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرانے کے لیے (اپنے مقدمات) طاغوت کے پاس لے جائیں 1 حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ انکار کریں طاغوت کا 2 اور چاہتا ہے شیطان کہ بہکا دے انہیں بہت دور تک 3"

1 جبریل نے کہا کہ حضرت عمر نے حق اور باطل میں فرق کیا، اس وجہ سے انہیں فاروق نام دیا گیا اور کعب بن اشرف یا جہینہ کے کاہن کو طاغوت کا نام دیا گیا کیونکہ ان میں سرکشی بہت زیادہ تھی یا اس وجہ سے کہ وہ شیطان کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے یا اس کے پاس فیصلہ لے جانا ایسے ہی ہے جیسے شیطان کے پاس فیصلہ لے جایا جائے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ابو بردہ اسلمی کاہن تھا یہ یہودیوں کے ان معاملات میں فیصلہ کرتا جو ان کے درمیان متنازع فیہ ہوتے مسلمانوں میں سے کچھ لوگ بھی اس کے پاس فیصلہ کے لئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(2)

ابن ابی حاتم نے عکرمہ یا سعید کے واسطہ سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جلاس بن صامت، معتب بن قشیر، رافع بن زید اور بشر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ان کی قوم میں سے چند افراد نے انہیں ایک جھگڑے میں حضور ﷺ کے پاس جانے کے لیے کہا ان لوگوں نے قوم کے افراد کو کاہنوں کے پاس جانے کو کہا جو دور جاہلیت میں فیصلہ کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(3)

امام بغوی نے کہا سدی نے کہا ہے کہ کچھ یہودی مسلمان ہوئے اور بعض نے نفاق کیا۔ بنی قریظہ اور بنی نضیر میں دور جاہلیت میں یہ طریقہ تھا جب قریظہ کا کوئی آدمی بنی نضیر کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو قاتل کو قصاص میں قتل کر دیا جاتا یا دیت کے طور پر سو وسق کھجوریں لی جاتیں۔ جب بنو نضیر کا کوئی آدمی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو قاتل کو قتل نہ کیا جاتا بلکہ قاتل سے ساٹھ وسق کھجوروں کے بطور دیت لئے جاتے۔ بنی نضیر اوس کے حلیف تھے اور قریظہ خزرج کے حلیف تھے۔ بنو نضیر بنی قریظہ سے معزز بھی تھے اور تعداد میں بھی زیادہ تھے۔

جب اسلام آیا اور نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ تو بنو نضیر کے ایک آدمی نے بنو قریظہ کے ایک آدمی کو قتل کر دیا دونوں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 97 (فکر) 2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 319 (علمیہ) 3۔ ایضاً

قبیلہ کے افراد نے آپس میں جھگڑا کیا۔ بنونضیر نے کہا کہ ہماری اور تمہاری اسی بات پر صلح ہوئی تھی کہ ہم تم میں سے قاتل کو قتل کریں گے اور تم ہمارے خاندان میں سے قاتل کو قتل نہیں کرو گے اور تمہاری دیت ساٹھ وسق ہوگی۔ اور ہماری دیت سو وسق ہوگی ہم تمہیں وہ دیت دیتے ہیں۔ خزرج (قریظہ کے حلیف) نے کہا یہ تم دور جاہلیت میں کرتے رہے کیونکہ تمہاری تعداد زیادہ تھی اور ہماری تعداد کم تھی۔ اس وجہ سے تم ہم پر غالب تھے۔ آج تم اور ہم برابر ہیں۔ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں۔ ان میں سے جو منافق تھے انہوں نے کہا چلو ابو برزہ کاہن کی طرف چلتے ہیں۔ دونوں جماعتوں میں سے مسلمانوں نے کہا نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کے پاس چلتے ہیں (1) منافقین نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ لوگ ابو برزہ کے پاس گئے تو اللہ تعالیٰ نے قصاص والی آیت نازل فرمائی۔

۲۔ یعنی انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کی مخالفت کریں اور اس سے اپنی برات کا اظہار کریں، جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ مومنوں کو یہودیوں' کاہنوں اور شیاطین کی مخالفت اور ان سے قطع تعلق کا حکم دیا گیا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کسی کاہن کے پاس گیا اور کاہن جو کچھ کہے یہ اس کی تصدیق بھی کرے یا حائضہ عورت سے وطی کی یا اس کی دبر میں وطی کی تو حضور ﷺ پر جو وحی نازل ہوئی، اس سے بری ہو گیا۔(2)

اسے امام احمد اور اصحاب سنن اربعہ نے صحیح سند کے ساتھ ابو ہریرہ سے روایت کیا۔ طبرانی نے سند ضعیف کے ساتھ واثلہ سے روایت کیا ہے جو کسی کاہن کے پاس آیا اور اس سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو چالیس راتوں کے لیے توبہ اس سے روک لی جائیگی۔ اگر کاہن کی اس نے تصدیق کی تو اس نے کفر کیا۔(3)

۳۔ شیطان سے مراد جن وانس کے شیطان ہیں۔ ضَلٰلًا بَعِيْدًا سے مراد ایسی گمراہی جو حق سے بہت دور۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾

"اور جب کہا جائے انہیں ۱ کہ آؤ اس کتاب کی طرف جو اتاری ہے اللہ نے ۲ اور (آؤ) رسول (پاک) کی طرف ۳ تو آپ دیکھیں گے منافقوں کو ۴ کہ منہ موڑ لیتے ہیں آپ سے روگردانی کرتے ہوئے ۵"

۱۔ ہم ضمیر سے مراد منافق ہیں جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے۔

۲۔ ماانزل سے مراد قرآن حکیم ہے۔

۳۔ اس کا عطف مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ پر ہے۔ یہ عطف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن حکیم کے علاوہ اپنے علم سے بھی فیصلہ فرماتے جیسے وحی غیر متلو کے ساتھ اور اجتہاد کے ساتھ میری مراد یہ ہے جب اِذَا قِيْلَ کو رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ کے متعلق کریں۔

۴۔ الْمُنٰفِقِيْنَ اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا۔ مقصود ان کی قباحت اور اعراض کرنے کا سبب بیان کرنا تھا۔

۵۔ تجھے چھوڑ کر غیروں کی طرف مائل ہوتے ہیں کیونکہ انہیں یہ لالچ ہے کہ رشوت دے کر غلط فیصلہ کرا لیں گے۔ یہ جملہ منافقین سے حال بن رہا ہے۔ صدودا مصدر ہے یا اسم مصدر ہے اور حقیقت میں مصدر صد ہے۔ صحاح میں ہے صدود کسی سے اعراض کرنا اور رک جانا۔ بعض اوقات یہ پھیرنے اور روکنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس طرح اس آیت میں ہے فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ۔(4)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 98 (فکر) 2۔ مصابیح السنہ، صفحہ 1503 (علمیہ)

3۔ معجم کبیر طبرانی، جلد 22، صفحہ 69 (التراث الاسلامی) 4۔ الصحاح، جلد 2، صفحہ 89 (علمیہ)

ایک قول یہ کیا گیا جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منافق کو قتل کر دیا تو مقتول کے رشتہ دار قصاص کا مطالبہ کرنے کے لیے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ اللہ کے نام کی قسمیں اٹھا رہے تھے کہ ہم حضرت عمر کے پاس فیصلہ اس لیے لے گئے تا کہ وہ ہمارے ساتھی پر احسان کریں اور دونوں فریقوں میں صلح کرا دیں۔

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾

"پس کیا حال ہوتا ہے[1] جب پہنچتی ہے انہیں مصیبت[2] بوجہ ان (کرتوتوں) کے جو آگے بھیجے ہیں ان کے ہاتھوں نے[3] پھر حاضر ہوتے ہیں آپ کے پاس[4] قسمیں اٹھاتے ہوئے اللہ کی[5] (کہتے ہیں بخدا) نہیں قصد کیا تھا ہم نے مگر بھلائی اور باہمی مصالحت کا[6]"

[1] یہ استفہام تعجب کے اظہار کے لیے ہے کہ پہلے انہوں نے واضح اعراض کیا پھر وہ قسمیں اٹھا رہے ہیں۔ عجیب بات ہے وہ کچھ حیاء نہیں کرتے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی فکیف لا یستحیون۔

[2] یعنی حضرت عمر نے ان کے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ اذا کا لفظ صرف ظرف کا معنی دے رہا ہے، مستقبل کا معنی نہیں دے رہا۔

[3] جو انہوں نے رسول اللہ کے فیصلہ سے اعراض کیا اور کسی اور کے سامنے فیصلہ لے گئے۔

[4] معذرت کرنے اور قصاص کا مطالبہ کرنے کے لیے آ گئے۔ اس کا عطف اصابتھم پر ہے۔

[5] جھوٹ کے ظاہر ہونے کے بعد وہ اللہ کے نام کی قسمیں اٹھاتے ہیں۔ یہ جاؤک کے فعل کے فاعل سے حال ہے۔ باء یا تو یحلفون کا صلہ ہے یا یہ قسمیہ ہے اور دونوں صورتوں میں جواب قسم مابعد کلام ہے۔

[6] یعنی ہم نے کسی کو ثالث مان کر صرف اچھی طرح فیصلہ اور دونوں فریقوں میں مصالحت کا ارادہ کیا تھا۔ ہم نے آپ کے فیصلہ کی مخالفت کا ارادہ نہ کیا تھا۔ ہم آپ کے فیصلہ پر ناراض نہ تھے، یعنی ہم اس بات سے خوفزدہ ہوئے کہ اس سخت فیصلہ کی وجہ سے ہمارے درمیان دشمنی پیدا نہ ہو جائے۔ ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ ہی مصالحت کے لیے کافی تھے۔ تاہم حضرت عمر کے پاس بھی اس لیے گئے تھے تا کہ وہ ہمارے درمیان مصالحت کرا دیں اور باہمی محبت باقی رہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اذا استقبال کے معنی میں ہو اور شرط کا فائدہ دے۔ مصیبت سے مراد اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے یا نبی کریم ﷺ کی طرف سے انتقام ہے۔ جزاء پر اللہ تعالیٰ کا فرمان فکیف یحلفون باللہ دلالت کرتا ہے۔ یہ شرط ان اجزاء کے درمیان واقع ہوئی جو جزاء پر دلالت کرتے ہیں اور مراد زمانہ مستقبل میں ان کی قسم پر تعجب کرنا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ تقدیر کلام یوں ہو فَكَيْفَ يَكُوْنُ حَالُهُمْ، كَيْفَ يَصْنَعُوْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُصِيْبَةُ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہو آپ کی طرف سے انتقام ہو یا آپ کے صحابہ کی طرف سے انتقام ہو اور یہ سب کچھ ان کے اعمال کا نتیجہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ثم جاءوک یا تو اصابتھم پر معطوف ہے۔ یا یصنعون پر معطوف ہے درمیان میں جملہ معترضہ ہے اور کیف ان کی اس حالت کے بارے میں سوال ہے، جب انہیں آخرت میں عذاب دیا جائے یا دنیا میں عذاب دیا جائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اذا شرط کے لیے ہو اور یحلفون شرط کی جزاء ہو شرط اور جزاء دونوں ان کے حال کی کیفیت کا بیان ہوں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾

"یہ لوگ ہیں خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے ۱؎ (اے حبیب) چشم پوشی فرمائیے ان ۲؎ سے اور نصیحت کرتے رہیے انہیں ۳؎ اور کہیے انہیں تنہائی میں ایسی بات جو موثر ہو ۴؎"

۱؎ اللہ تعالیٰ ان کے نفاق کو جانتا ہے اس لیے یمین غموس سوائے جہنم میں داخل ہونے کے۔

۲؎ ان کی معذرت قبول کرنے یا قصاص کا مطالبہ قبول کرنے سے اعراض کیجئے کیونکہ اس کا خون رائیگاں ہے۔

۳؎ انہیں نفاق سے باز آنے اور اخلاص کے ساتھ ایمان لانے کی نصیحت کیجئے۔

۴؎ اور انہیں ان کے بارے میں ایسی نصیحت کیجئے جس کی تاثیر ان کے دلوں تک پہنچے۔ حضرت حسن بصری کا قول یہ ہے قول بلیغ ہے کہ وہ انہیں یہ کہے کہ تم نفاق کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو قتل کر رہے ہو۔ کیونکہ یہ قول ان میں اثر کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرانا مراد ہے۔ کشاف میں یہ ذکر کیا گیا کہ فِيٓ أَنْفُسِهِمْ کا تعلق بَلِيغًا سے ہے، یعنی ایسا قول جو ان کے دلوں تک پہنچنے والا ہو(1) امام بیضاوی نے کشاف کے قول کو ضعیف قرار دیا کیونکہ صفت کا معمول موصوف پر مقدم نہیں ہو سکتا۔(2)

امام بیضاوی کے اعتراض کا یہ جواب دیا گیا کہ فِيٓ أَنْفُسِهِمْ بَلِيغًا کے متعلق ہے وہ محذوف ہے اور کلام میں موجود قَوْلًا بَلِيغًا محذوف کی تفسیر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس آیت کا معنی یہ کیا جائے آپ ان کو سزا دینے سے اعراض کریں کیونکہ انہیں ساتھ رکھنے میں مصلحت ہے اور زبان سے انہیں نصیحت کرتے رہیں اور خصوصی نصیحت تنہائی میں کریں کیونکہ خفیہ طریقہ سے نصیحت زیادہ موثر ہوتی ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿٦٤﴾

"اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے ۱؎ اللہ کے اذن سے ۲؎ اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر حاضر ہوتے آپ کے پاس ۳؎ اور مغفرت طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے ۴؎ نیز مغفرت طلب کرتا ان کے لیے رسول (کریم) بھی ۵؎ تو وہ ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول فرمانے والا نہایت رحم فرمانے والا ۶؎"

۱؎ لوگوں پر آپ کی اطاعت لازم ہے کیونکہ رسالت سے یہی مقصود ہے

۲؎ اذن سے مراد اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، یعنی جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیا گیا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ لوگ اس کی اتباع کریں، جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی نہ ہو اور رسول اللہ کی اطاعت نہ کرے وہ واجب القتل ہے۔ گویا اس نے اس کی رسالت کو قبول نہیں کیا۔

۳؎ اگر یہ منافق جنہوں نے نفاق اور طاغوت کو ثالث مان کر اپنی جانوں پر ظلم کیا پھر وہ اخلاص کے ساتھ توبہ کرتے ہوئے آپ کی بارگاہ

1۔ تفسیر کشاف، جلد 1، صفحہ 527 (الاعلام)
2۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ کازرونی، جلد 2، صفحہ 209 (فکر)

میں پہنچ جائیں۔ جملہ ذلک بیان کی خبر ہے اور اذ ظرفیہ اسی فعل کے متعلق ہے۔
۔ نفاق سے توبہ کر کے اور اخلاص کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں معذرت کر کے اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہوں۔
۔ خطاب سے صیغہ کے غائب کے صیغہ کی طرف کلام کو پھیرا گیا ہے۔ مقصود حضور ﷺ کی شان بیان کرنا اور اس بات پر آگاہ کرنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شان عذر قبول کرنے کا تقاضا کرتی ہے، اگرچہ جرم کتنا ہی عظیم ہو۔
۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا پائیں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وجد صادف کے معنی میں ہو۔ اس صورت میں توابا حال ہوگا اور رحیماً اس سے بدل ہوگا تو ابا میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہوگا یا یہ حال مترادف ہوگا۔

ائمہ نے زبیر بن عوام سے نقل کیا ہے کہ ان کا ایک انصاری سے پہاڑی نالے کے پانی کے بارے میں جھگڑا تھا۔ دونوں اس سے اپنی زمین سیراب کرتے تھے۔ دونوں نے اپنا مسئلہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر سے فرمایا اپنی زمین سیراب کرو۔ پھر اپنے پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ دو تو انصاری غصے ہو گیا۔ عرض کی یا رسول اللہ یہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی ہے (آپ اس کی طرف داری کر رہے ہیں)۔ حضور ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ پھر حضور نے فرمایا اے زبیر زمین سیراب کرو اور پانی کو روکے رکھو، یہاں تک کہ وہ دیواروں تک پہنچ جائے۔ اس صورت میں حضور ﷺ نے حضرت زبیر کو ان کا پورا پورا حق دے دیا جبکہ اس سے قبل رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو ایسے امر کا مشورہ دیا جس میں حضرت زبیر اور انصاری کے لیے سہولت تھی۔ جب انصاری نے رسول اللہ ﷺ کو غصہ دلایا تو آپ نے حضرت زبیر کو صریح حکم کے ساتھ پورا حق دے دیا۔ حضرت زبیر نے کہا اللہ کی قسم میرا گمان ہے کہ اس آیت کا نزول اسی واقعہ کے بارے میں ہوا۔(1)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾

"پس اے (مصطفیٰ) تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے۔ یہاں تک کہ حاکم بنائیں آپ کو ہر اس جھگڑے میں جو پھوٹ پڑا ان کے درمیان۔ پھر نہ پائیں اپنے نفسوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ آپ نے کیا اور تسلیم کر لیں دل و جان سے۔"

۔ طبرانی نے کبیر اور حمیدی نے اپنی مسند میں ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ حضرت زبیر نے ایک آدمی کے ساتھ جھگڑے کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور ﷺ نے حضرت زبیر کے حق میں فیصلہ دیا۔ دوسرے آدمی نے کہا آپ نے یہ فیصلہ حضرت زبیر کے حق میں اس لیے دیا ہے کیونکہ وہ آپ کا پھوپھی زاد ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

امام بغوی نے کہا جس انصاری کا حضرت زبیر سے جھگڑا ہوا تھا۔ اس کا نام حاطب بن ابی بلتعہ تھا(2) میں کہتا ہوں ابن ابی حاتم نے سعید بن مسیب سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ان دونوں کا پانی کے بارے میں جھگڑا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ کیا پہلے اوپر والا پانی لگائے پھر نیچے والا پانی لگائے۔

میں یہ کہتا ہوں دوسرا آدمی کا نام حاطب بن ابی بلتعہ ذکر کرنا یہ وہم پر مبنی ہے کیونکہ حاطب بن ابی بلتعہ انصاری نہ تھے بلکہ یہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 101 (فکر)　　2۔ ایضاً

مہاجرین میں سے تھے جو غزوہ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ شاید یہ کوئی اوس یا خزرج میں سے منافق ہوگا جسے انصاری کا نام دیا گیا کیونکہ یہ نسبی طور پر ان کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔(1)

امام بغوی نے کہا جب یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اٹھے تو مقداد کے پاس سے گزرے۔ مقداد نے پوچھا فیصلہ کس کے حق میں ہوا انصاری نے کہا ان کے پھوپھی زاد بھائی کے حق میں اور اپنا منہ بگاڑا تو وہ یہودی جو مقداد کے پاس موجود تھا، وہ سمجھ گیا' اس نے کہا اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے۔ ایک طرف یہ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں پھر ان کے فیصلہ پر تہمت لگاتے ہیں اللہ کی قسم ہم نے ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں گناہ کیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس گناہ سے توبہ کرنے کو کہا۔ ساتھ ہی فرمایا اپنے آپ کو قتل کرو۔ ہم نے ایسے ہی کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں ہمارے مقتولوں کی تعداد ستر ہزار ہوگئی، تب وہ ہم سے راضی ہوا۔

حضرت ثابت بن شماس بن قیس نے کہا خبردار اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ میرے اس قول کی صداقت کو جانتا ہے۔ اگر حضور ﷺ مجھے خودکشی کا حکم دیں تو میں کر گزروں گا(2) امام بغوی نے کہا مجاہد اور شعبی کا قول ہے یہ آیت بشر منافق اور یہودی کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنا معاملہ حضرت فاروق اعظم کی خدمت میں لے گئے تھے(3) جس واقعہ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، جس پر اس آیت کا سیاق دلالت کرتا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح ان لوگوں نے کیا جو یہ گمان کرتے تھے کہ وہ سچے مومن ہیں پھر وہ آپ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوئے۔ پھر نئے سرے سے قسم اٹھائی اور فرمایا تیرے رب کی قسم وہ ایماندار نہیں ہو سکتے۔ یہ بھی جائز ہے کہ لا زائدہ ہو جس طرح لا اقسم میں لا زائدہ ہے۔

یعنی ان کے درمیان اختلاف ہو اور معاملہ ان پر خلط ملط ہو جائے۔ اسی سے ایک لفظ شجر ہے کیونکہ اس کی ٹہنیاں آپس میں خلط ملط ہوتی ہیں۔

لا یجدوا کا عطف یحکموک پر ہے۔ حرج سے مراد آپ کے فیصلہ کے بارے میں دل میں تنگی ہے۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد شک ہے کیونکہ شک کرنے والا ہمیشہ معاملہ میں تنگی محسوس کرتا ہے اور فیصلہ میں آپ کی اس طرح اطاعت کریں جس طرح خوشی سے اطاعت ہوتی ہے اس میں جبر کی کوئی کیفیت نہیں ہوتی۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝

"اور اگر ہم فرض کر دیتے ان پر کہ قتل کرو اپنے آپ کو یا نکل جاؤ اپنے اپنے گھروں سے تو نہ بجا لاتے اس کو مگر چند آدمی ان میں سے اور اگر وہ کرتے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہوتا بہتر ان کے لیے اور اسی طرح سختی سے اللہ کے احکام پر ثابت قدم ہو جاتے"

اگر ہم ان پر فرض کر دیں جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اور تیرے فیصلہ پر راضی نہ ہوئے وہ منافق تھے۔ یہ جائز نہیں کہ ہم ضمیر تمام مومنین کی طرف لوٹائی جائے جو اس زمانہ میں موجود تھے۔ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم تھے۔ کیونکہ کلام منافقین کے بارے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 101 (تجاری) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

میں چلائی گئی تو پھر صحابہ کے بارے میں یہ حکم کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اگر ان پر یہ فرض کیا جاتا تو وہ ایسا نہ کرتے جبکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی ان الفاظ میں مدح کی کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ۔ اسی طرح کی دوسری آیات بھی ہیں رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے صحابہ کی یوں تعریف کی خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ اِخْتَارَنِيْ وَاخْتَارَلِيْ اَصْحَابًا اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب کیا اور میرے لیے میرے صحابہ کو پسند کیا۔ اگر یہ ضمیر صحابہ کی طرف لوٹتی تو موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کی ان پر فضیلت ظاہر ہو جاتی کیونکہ جب انہیں اس طریقہ سے توبہ کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اپنے آپ کو قتل کیا۔

؎ تم نے جو حضور ﷺ کے فیصلہ سے اعراض کیا اور دوسرے لوگوں کا فیصلہ لینا چاہا تو اس سے توبہ کرنے کے لیے اپنے آپ کو قتل کرو۔ یہاں ان مفسرہ ہے کیونکہ کتبنا قول کا معنی موجود ہے یا ان مصدریہ ہے۔ پھر معنی یہ ہوگا کہ ہم نے انہیں اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا جس طرح ہم نے بنی اسرائیل کو اس وقت قتل کرنے کا حکم دیا جب انہوں نے بچھڑے کی پوجا کی۔

؎ یا گھروں سے نکل جاؤ جس طرح ہم نے بنی اسرائیل کو مصر سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ گھروں سے نکلنے سے مراد جہاد ہو اور اس میں اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کرنا ہو۔

ابوعمرو اور یعقوب نے انِ نون کے کسرہ کے ساتھ اور او میں واؤ کو ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ضمہ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ راء پر ضمہ ہے یا اسے واؤ جمع کے مشابہ سمجھنے کی وجہ سے مضموم پڑھا ہے۔ عاصم اور حمزہ نے دونوں کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے دونوں کو مضموم پڑھا ہے اور انہیں ہمزہ وصل کے قائم مقام رکھا ہے

؎ ؕ ضمیر سے مراد قتل، ہجرت یا جو ان پر فرض کیا جاتا۔ ابن عامر نے قليلا نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ مستثنیٰ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ کیونکہ جب کلام منفی ہو تو اس وقت یہ بدل ہوتا ہے۔ یہ تھوڑے بھی اس لیے ایسا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نفاق کے بعد اخلاص کی توفیق دی واللہ اعلم۔

ابن جریر نے سدی سے روایت کی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو ثابت بن قیس اور ایک یہودی نے باہم فخر کا اظہار کیا۔ یہودی نے کہا اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے ہم پر قتل کو فرض کیا تو ہم نے اپنے آپ کو قتل کیا۔ ثابت بن قیس نے کہا اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ ہم پر بھی اس حکم کو لازم کرتا تو ہم بھی ایسے ہی کرتے (1) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

؎ ما یوعظون سے مراد رسول اللہ کی متابعت اور خوشی سے آپ کی اطاعت ہے یعنی اگر وہ ایسا کرتے جس کا انہیں حکم دیا گیا تو یہ ان کے ایمان کو ثابت کرنے اور ان کے اعمال پر ثواب کو ثابت کرنے کا باعث ہوتا۔ تثبیتاً تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ حسن بصری اور مقاتل نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر، حضرت عمار بن یاسر، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضور ﷺ کے چند اور صحابہ نے کہا اگر اللہ تعالیٰ ہمیں یہ حکم دیتا تو ہم ایسا کر گزرتے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس آزمائش سے محفوظ رکھا۔ یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان مضبوط پہاڑوں سے بھی پختہ ہے۔

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۶۷

1۔ تفسیر خازن مع حاشیہ بغوی، جلد 1، صفحہ 463 (تجاریہ)

"تو اس وقت ۱؎ ہم بھی عطا فرماتے انہیں اپنے پاس سے اجر عظیم ۲؎"

۱؎ یعنی جب وہ ایسا کرتے اس جملے کا عطف لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ پر ہے یا یہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ سوال کیا گیا ان کے ثابت قدم ہونے کے بعد کیا ہوا تو فرمایا وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ فرمایا یہاں واو مستانفہ ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ ان کے ثابت قدم ہونے کے بعد جو ان کیلئے جواب تھا۔ اس میں اذا شرطیہ کا لانا مناسب نہیں بلکہ اٰتَيْنٰهُمْ جواب کافی تھا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ثابت قدم ہونے کے بعد جواب میں شرط کو مقدر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لو میں امتناع جواب پر دلالت ہوتی ہے جبکہ یہاں ایسا نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں واو قسمیں ہو۔ تقدیر کلام یوں ہوگی وَاللّٰهِ اِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ۔

۲؎ یہ بھی جائز ہے کہ آیت کے شروع میں واو عاطفہ ہو اور جملہ کا عطف مقدر کلام پر ہو جس کی تقدیر یہ ہو اِذًا لَّهُمْ اَجْرُ التَّثَبُّتِ وَاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ۔ من لدنا سے مراد ان کے اعمال کے ثواب اور ثابت قدم رہنے کے ثواب سے زائد اجر بطور فضل و احسان عطا فرمائے گا۔

وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾

"اور ضرور پہنچاتے انہیں سیدھے راستہ تک ۱؎"

۱؎ صراطاً فعل ھدینا کا مفعول ثانی ہے۔ یعنی ایسے راستہ پر چلتے ہیں جس راہ پر چل کر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچ جاتے ہیں۔

طبرانی نے ایک ایسی سند سے جس پر کوئی اعتراض نہیں۔ ابو نعیم اور ضیاء نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا اور ضیاء نے اس روایت کو حسن قرار دیا کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت حاضر ہوا۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے اپنی ذات اور اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں، آپ کو یاد کرتا ہوں تو اس وقت تک صبر نہیں آتا جب تک آپ کو دیکھ نہ لوں۔ مجھے جب اپنی موت اور آپ کا اس جہان سے پردہ فرمانا یاد آتا ہے تو مجھے معلوم ہوتا ہے جب آپ جنت میں داخل ہونگے تو آپ کا مرتبہ انبیاء کے ساتھ ہوگا اور میں اگر جنت میں داخل ہو بھی گیا تو مجھے ڈر ہے کہ میں آپ کو نہ دیکھ سکوں گا۔ حضور ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ جبرائیل امین اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام لائے۔(1)

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾

"اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی ۱؎ تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء ۲؎ اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ۳؎ اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی ۴؎"

۱؎ جس نے فرائض کی ادائیگی اور سنن کی اتباع میں اللہ اور رسول کی اتباع کی۔

۲؎ طبرانی نے حضرت ابن عباس سے حضرت عائشہ صدیقہ جیسی روایت نقل کی ہے۔ ابن ابی حاتم نے مسروق سے روایت نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے عرض کیا ہمیں مناسب نہیں لگتا کہ آپ سے جدا ہوں کیونکہ جب آپ اس جہاں سے پردہ فرمائیں گے آپ کا مرتبہ ہم سے بہت بلند ہوگا ہم تو آپ کو دیکھ بھی نہ سکیں گے (2) ابن جریر نے ربیع سے نقل کیا۔ کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ نے کہا

1۔ معجم کبیر طبرانی، جلد 12، صفحہ 87-86 (التراث الاسلامی)

2۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 104 (امیریہ)

ہم اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو اہل ایمان پر جنت میں درجات کے اعتبار سے فضیلت حاصل ہے جو آپ کی اتباع کرے اور آپ کی تصدیق کرے، اگر وہ جنت میں جمع ہو بھی جائیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک دوسرے کو دیکھیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا بلند درجات والے کم درجات والوں کی طرف اتریں گے، وہ ان کے باغات میں جمع ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعام کیا ہوگا اس کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں گے۔(1)

امام مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے ربیعہ بن کعب اسلمی سے روایت کیا ہے میں حضور ﷺ کی خدمت میں آتا آپ کے لیے پانی لاتا اور کوئی کام ہوتا تو اسے بجالاتا۔ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا مانگ۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ میں آپ سے جنت میں آپ کی سنگت مانگتا ہوں۔ فرمایا اس کے علاوہ بھی کچھ مانگتا ہے؟ میں نے عرض کی بس یہی۔ فرمایا پس کثرت سجود کے ساتھ میری مدد کر۔(2)

عکرمہ سے منقول ہے کہا ایک نوجوان حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ عرض کی اے اللہ کے نبی دنیا میں ہم آپ کی زیارت کرتے ہیں، قیامت کے روز ہم آپ کا دیدار نہ کر سکیں گے۔ بے شک آپ کے درجات بہت بلند ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضور ﷺ نے اس نوجوان کو فرمایا تم جنت میں میرے ساتھ ہو گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ابن جریر نے اسی کی مثل سعید بن جبیر، مسروق، ربیع، قتادہ اور سدی سے مرسل روایت ذکر کی۔

امام بغوی نے ذکر کیا کہ یہ آیت حضرت ثوبان جو رسول اللہ ﷺ کے غلام تھے کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ حضور ﷺ سے حد درجہ محبت کرتے تھے اور آپ کی جدائی پر صبر نہ کر سکتے تھے۔ ایک روز وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کا رنگ بدلا ہوا تھا اور چہرے سے غم کے آثار نمایاں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کس چیز نے تیرے رنگ کو بدل دیا۔ عرض کی یارسول اللہ مجھے کوئی مرض نہیں اور نہ کوئی درد ہے۔ بات یہ ہے جب میں آپ کا دیدار نہیں کر پاتا تو سخت وحشت محسوس کرتا ہوں۔ یہ کیفیت اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک کہ میں آپ سے ملاقات نہ کر لوں۔ پھر مجھے دار آخرت یاد آیا تو میں ڈرنے لگا کہ میں آپ کا دیدار نہ کر سکوں گا کیونکہ آپ انبیاء کے ساتھ بلند مقامات میں ہوں گے۔ اگر میں جنت میں داخل ہو بھی گیا تو میرا مقام آپ کے مقام سے بہت نیچے ہوگا۔ اگر میں جنت میں داخل نہ ہوسکا تو کبھی بھی آپ کی زیارت نہ کر سکوں گا تو یہ آیت نازل ہوئی۔(3)

؎ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں پر انعام کیا ان کی چار قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے مراتب کے لحاظ سے ذکر فرمایا۔ باقی تمام لوگوں کو برانگیختہ کیا کہ ان سے پیچھے نہ رہیں۔

پہلی قسم کے لوگ انبیاء ہیں جن کے تعین کے مبادی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں وہ خالص دائمی تجلیات ذاتیہ میں مستغرق ہوتے ہیں۔ وہاں صفات کا حجاب بھی حائل نہیں ہوتا۔ انہیں تجلیات کو کمالات نبوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ اس مقام کو اصل کے اعتبار سے پانے والے اور اس میں راسخ ہوتے ہیں۔ یہ مخلوقات کی تکمیل اور انہیں فطرتی استعداد، ان کی محنت اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق قرب کے مراتب کی طرف لے جانے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں تک احکام پہنچانے والے ہوتے ہیں جو احکام لوگوں کی دنیا و آخرت کو بہتر بنا دیتے ہیں۔

دوسری قسم صدیقین کی ہے۔ یہ صفت صدق میں انتہائی مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ ظاہری و باطنی طور پر انبیاء کی کامل اتباع سے متصف

1۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 104 (امیریہ) 2۔ صحیح مسلم: 226، جلد 4، صفحہ 173 (علمیہ) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 103 (فکر)

ہوتے ہیں۔ یہ کمالات نبوت اور خالص دائمی تجلیات ذاتیہ میں انبیاء کی وراثت اور ان کی تبع میں بغیر حجاب کے مستغرق ہوتے ہیں۔

تیسری قسم شہداء کی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفوس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرنے کی وجہ سے کچھ تجلیات ذاتیہ کا ان پر فیضان ہو۔

چوتھی قسم صالحین کی ہے۔ جنہوں نے رذائل کو مٹا کر اپنے نفوس کی اصلاح کی محبت کے سمندر سے پلا کر اور دائمی ذکر جو غیر اللہ میں مشغول ہونے سے بے نیاز کر دے۔ اس سے اپنے دلوں کی اصلاح اور معاصی سے دور رہ کر اپنے بدنوں کی اصلاح کی وہ فنا فی اللہ اور بقاء باللہ کے مقام کو حاصل کر کے صفات و افعال کی تجلیات کے مستحق بنتے ہیں اور تجلیات ذاتیہ کا پرتو حاصل کرتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہے، اگرچہ یہ صفات کے حجاب کے پیچھے سے ہو، انہیں لوگوں کی زبانوں میں اولیاء کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین سے یہ وعدہ کیا ہے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد جس قدر مومنوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان چاروں اصناف کی معیت اور زیارت سے نوازے گا۔

یہاں صدیقین سے غیر مراد انبیاء ہیں۔ اسی طرح صالحین سے مراد غیر انبیاء اور غیر صدیقین ہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے مذکورہ تفسیر بیان کی ورنہ صدیق نبی سے عام ہے۔ اور صالح سب سے عام ہے اسی وجہ سے صدیق اور صالح کا اطلاق انبیاء پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۔ حضرت یحییٰ کے متعلق فرمایا وَسَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔

یہ چاروں اقسام کے لوگ کتنے اچھے رفیق ہیں۔ رفیقا تمیز یا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ یہ واحد اور جمع پر بولا جاتا ہے اس لیے اس کی جمع ذکر نہیں کی۔

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝

"یہ (محض) فضل ہے اللہ تعالیٰ کا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا۔"

ذلک سے مراد منعم علیہم کی مرافقت ہے، جبکہ ان جیسے اعمال بھی نہیں۔ الفضل اسم اشارہ کی صفت ہے یا اس کی خبر ہے۔ من اللہ یہ خبر ہے یا حال ہے ساتھ ملنے اور سنگت کے سبب کو اللہ تعالیٰ کی ذات بہتر جانتی ہے۔ وہ سبب محبت ہے جس نے محب کو محبوب کے ساتھ ملا دیا جبکہ محب کے اعمال محبوب جیسے نہ تھے اور یہ ایک ایسا امر ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا اور یہ امر کراما کاتبین پر بھی ظاہر نہیں ہوگا۔ حضرت انس سے مروی ہے ایک آدمی نے حضور ﷺ سے عرض کیا ایک آدمی ایک قوم سے محبت کرتا ہے(1) اور ان کے ساتھ اعمال میں نہیں ملتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ آدمی کا انجام انہیں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ اسے امام احمد اور شیخین نے روایت کیا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعود سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حضرت انس سے مروی ہے ایک آدمی نے حضور ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ قیامت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا تعجب ہے، تو نے اس کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے عرض کی میں نے اور کوئی تیاری نہیں کی، صرف میں اللہ اور اس کے پیارے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا تو انہیں کے ساتھ ہوگا جن سے تو محبت کرتا ہے۔ حضرت انس نے کہا میں نے مسلمانوں کو اسلام لانے کے بعد کسی بھی چیز سے اتنا خوش نہیں

1۔ صحیح مسلم: 165، جلد 16، صفحہ 154 (علمیہ)

دیکھا جتنا وہ اس ارشاد سے خوش ہوئے، متفق علیہ۔(1) یہ بھی جائز ہے کہ ذلک کا مشار الیہ ان لوگوں کا مرتبہ ہو جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، یعنی انہوں نے یہ درجہ نہ پایا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے جبکہ ان کے اعمال ایسے نہ تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ تک رسائی عموماً اللہ تعالیٰ کی طرف سے چن لینے سے ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دوسرے کے قریب رہو اور اپنے اعمال کو درست رکھو۔ یہ جان لو تم میں سے کوئی آدمی بھی اپنے عمل سے جنت میں نہ جائے گا۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ بھی۔ فرمایا ہاں میں بھی نہیں مگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل میں چھپا لے، متفق علیہ۔(2)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿٧١﴾

"اے ایمان والو! ہوشیار رہو پھر (وقت آ جائے تو) نکلو ٹولیاں بن کر یا نکلو سب مل کر۔ 1"

1 حذر اور حذر اسی طرح استعمال ہوتے ہیں جیسے اثر اور اثر مثل اور مثل اس کا معنی یہ ہے کہ ایسی چیز جس کے ساتھ دشمن سے بچا جائے۔ انفروا کا معنی اخرجوا یعنی نکلنا ہے۔ ثبات(1) کا معنی متفرق جماعتیں۔ یہ ثبۃ کی جمع ہے۔ اس کی جمع ثبین کے وزن پر بھی آتی ہے یعنی اس کا آخری حرف جو حذف تھا اسے واپس لاتے ہیں۔

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿٧٢﴾

"اور بے شک تم میں سے بعض 1 ایسے بھی ہیں 2 جو ضرور دیر لگائیں گے 3 پھر اگر پہنچے تمہیں کوئی مصیبت 4 تو وہ کہے 5 احسان فرمایا ہے اللہ نے مجھ پر کہ میں نہیں تھا ان کے ہمراہ جنگ میں حاضر 6"

1 وَاِنَّ مِنْكُمْ: اس کا عطف خُذُوْا حِذْرَكُمْ پر اس طرح ہے جس طرح ایک قصہ کا عطف دوسرے قصہ پر کیا جاتا ہے۔ یا یہ فلیقاتل تک جملہ معترضہ ہے

2 لمن میں لام ابتدائیہ ہے۔ جو ان کے اسم پر داخل ہوا کیونکہ ان اور اس کے اسم کے درمیان خبر سے فاصلہ آ گیا ہے۔

3 لیبطئن یہ محذوف قسم کا جواب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی ان منکم واللہ لیبطئن یعنی جو جہاد سے گھر بیٹھے رہتے ہیں اور سستی کرتے ہیں وہ منافق ہیں۔ یہ بطاء سے مشتق ہے جس کا معنی ابطاء یہ ہے فعل لازم ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو بھی جہاد سے روکتے ہیں جس طرح احد کے روز ابن ابی نے لوگوں کو جہاد سے روکا بطا بطوء سے منقول ہے جس طرح ثقل یثقل سے

4 اے مومنوں اگر تمہیں شہادت یا شکست کا سامنا ہو

5 تو گھروں میں بیٹھ رہنے والا منافق کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انعام کیا ہے

6 ہم ضمیر سے مراد مومن ہیں۔ شہید سے مراد حاضر ہے یعنی جو مصیبت مومنوں کو پہنچی ہمیں نہیں پہنچی۔

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ

1۔ صحیح مسلم: 162-163، جلد 16، صفحہ 153 (علیہ) 2۔ صحیح مسلم: 76، جلد 17، صفحہ 132 (علیہ)

(1) حضرت ابن عباس سے مروی ہے ثبات سے مراد ایسی جماعت ہے جس کی تعداد دس یا اس سے اوپر ہو۔ مجاہد سے مروی ہے اس سے مراد چھوٹی جماعتیں ہیں۔ از مؤلف رحمہ اللہ

يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

"اور اگر ملے تمہیں فضل (فتح اور مال غنیمت) اللہ کی مہربانی سے تو ضرور کہے[1] جیسے نہیں تھی تمہارے درمیان اور اس کے درمیان کوئی دوستی[2] کاش میں بھی ہوتا ان کے ہمراہ[3] تو حاصل کرتا بڑی کامیابی[4]"

[1] فضل سے مراد فتح اور غنیمت ہے۔ لیقولن میں فعل کو موکد ذکر کیا۔ مقصود یہ ہے کہ ان کی حسرت بہت زیادہ ہے۔ کَاَنْ یہ مثقلہ سے مخففہ ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے۔ لم تکن کو ابن کثیر اور حفص نے واحد مونث غائب کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے واحد مذکر غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔

[2] قول اور مقولہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ یہ ان کے عقیدہ کی کمزوری پر تنبیہ کرنے کے لیے تمنی کا ذکر ہے۔ ان کا یہ قول ایسے آدمی کے قول کی طرح ہے جس کے ساتھ تمہارا کوئی رشتہ نہ ہو وہ تمہاری دوستی سے صرف مال حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تمہیں کامیابی ہو تو اس پر وہ حسد کرتے ہیں یا لیقولن میں جو ضمیر ہے اس سے یہ جملہ حال ہے یا یہ بھی مقولہ ہے، یعنی گھروں میں بیٹھ رہنے والا کمزور مسلمانوں سے گفتگو کے دوران یہ بات کہتا ہے۔ گویا تمہارا اور حضور ﷺ کے درمیان کوئی محبت کا رشتہ نہیں کیونکہ آپ نے تم سے کوئی مدد نہیں لی ورنہ جس طرح مجاہدین کامیاب و کامران ہوئے اسی طرح تمہیں بھی مال و دولت ملتی۔

[3] اے میری قوم کاش میں ان کے ساتھ ہوتا۔ یہاں ھم ضمیر سے مراد مومنین ہیں ایک قول یہ کیا گیا کہ یا کا لفظ مجازاً تنبیہ کے لیے بولا گیا۔

[4] فَاَفُوْزَ تمنی کے جواب میں ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی میں بھی مال غنیمت میں سے وافر حصہ پاتا۔ امام بغوی نے کہا كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ پہلے جملہ کے ساتھ متصل ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ ......(1) امام بیضاوی نے کہا یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ جملہ کے اجزاء میں ایسی چیزوں کے ساتھ جدائی کرنا صحیح نہیں ہوتا جن کا ان کے ساتھ لفظی اور معنوی تعلق نہ ہو۔(2)

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَ مَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

"پس چاہیے کہ لڑا کریں[1] اللہ کی راہ میں (صرف) وہ لوگ جنہوں نے بیچ دی دنیا کی زندگی آخرت کے عوض[2] اور جو شخص لڑے اللہ کی راہ میں پھر (خواہ) مارا جائے یا غالب آئے (تو دونوں حالتوں میں) ہم دیں گے اسے اجر عظیم[3]"

[1] فَلْيُقَاتِلْ اس کا عطف خذوا حذرکم پر ہے اس میں خطاب کے صیغہ سے غائب کے صیغہ کی طرف عدول ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ فاء جزائیہ ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی اِنْ بَطَّاُوْا هٰؤُلَاءِ الْمُنَافِقُوْنَ فَلْيُقَاتِلْ اگر یہ منافق گھروں میں بیٹھے رہیں تو انہیں جہاد کرنا چاہیے۔

[2] وہ مخلص لوگ جو آخرت کی طلب میں اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ الذین اسم موصول فاعل ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یشرون یہاں یشترون کے معنی میں ہے، یعنی وہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں، وہ منافق لوگ ہیں، یعنی انہیں چاہیے کہ اخلاص کے ساتھ ایمان لائیں نفاق کو چھوڑ دیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں تا کہ دنیا و آخرت میں ان کے لیے کوئی حسرت نہ رہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول مفعول ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو اور اس سے مراد کافر اور منافق ہوں جو دنیا کو آخرت پر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 106 (فکر)　　2۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ کازرونی، جلد 2، صفحہ 217 (فکر)

ترجیح دیتے ہیں۔ فَلْيُقَاتِلْ میں ضمیر مرفوع الذین امنوا کی طرف لوٹ رہی ہے جنہیں خذوا حذرکم سے خطاب کیا گیا۔

سے انہیں آخرت میں اجر عظیم دیں گے اللہ تعالیٰ نے مجاہد کے ساتھ اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے کیونکہ وہ اعلاء کلمۃ الحق کے لیے کوشش کرتا ہے، خواہ وہ شہید ہو جائے اور اسے غلبہ میسر نہ ہو۔ اس انعام کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنی طاقت کے مطابق کوششیں صرف کیں یا وہ غالب آ گیا اور اسے ملک و غنیمت حاصل ہوگئی کیونکہ اس کا غنیمتیں حاصل کرنا اس کے اجر میں کمی نہیں کرتا جب مال اس کے لیے اہمیت نہ رکھتا ہو بلکہ اس کا مقصود صرف دین کا غلبہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اس آدمی کے ساتھ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلتا ہے۔ اسے کوئی چیز جہاد پر نہیں لے جاتی مگر ایمان اور رسول اللہ کی تصدیق کہ یا تو میں اسے اجر و غنیمت کے ساتھ لوٹاؤں گا۔ یا اسے جنت میں داخل کروں گا۔ متفق علیہ (1) یہاں حرف اَوْ منع خلو (1) کے طریقہ پر ہے۔ آپ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال ایسے ہی ہے جیسے روزے دار رات کو قیام کرنے والے اور خشوع و خضوع سے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرنے والے کی وہ نماز کو چھوڑتا ہے نہ روزے کو، یہاں تک کہ وہ جہاد سے واپس لوٹتا ہے (2) ایک روایت میں ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے کے گھر میں غنیمت اور اجر کے ساتھ لوٹاتا ہے یا اسے موت عطا کرتا ہے اور اسے جنت میں داخل کر دیتا ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾

"اور کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ جنگ نہیں کرتے ہو راہ خدا میں حالانکہ کئی بے بس مرد اور عورتیں اور بچے ایسے بھی ہیں جو (ظلم سے تنگ آ کر) عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب نکال ہمیں اس بستی سے ظالم ہیں جس کے رہنے والے اور بنادے ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی دوست اور بنادے ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی مددگار"۔

ا۔ وَمَا لَكُمْ مبتدا اور خبر ہے۔ لَا تُقَاتِلُونَ یہ حال ہے، اس میں عامل ظرف مستقر ہے معنی یہ ہوگا کون سی چیز تمہارے لیے ثابت ہوئی جس کی وجہ سے تم نے جہاد چھوڑ دیا یہاں ما استفہامیہ ان کے جہاد ترک کرنے اور اس میں سستی کرنے پر ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کیلئے ہے۔ مستضعفین کا عطف لفظ اللہ اسم جلالت یا سَبِيلِ اللَّهِ پر ہے۔ معنی یہ بنے گا اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور کمزور مومنوں کو آزاد کرانے کے لیے کیوں جہاد نہیں کرتے۔ اس صورت میں مستضعفین سے پہلے مضاف محذوف ہوگا جو خلاص ہے یا سَبِيل ہے۔ اس سے مراد مکہ مکرمہ میں موجود کمزور مسلمانوں کو مشرکین کے تسلط سے آزادی دلوانا ہے۔ مستضعفین کو اختصاص کے طریقہ پر منصوب پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ سَبِيلِ اللَّه کا لفظ ابواب خیر کو عام ہے۔ کمزور مسلمانوں کو کفار سے آزادی دلوانا ان میں سے عظیم ترین ہے۔ وہ مرد ہوں، عورتیں ہوں یا بچے جو مکہ مکرمہ میں کفار سے اذیتیں برداشت کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہیں۔

نصیر سے مراد ایسا مددگار ہے جو مشرکین کے ظلم سے ہمیں محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور رسول اکرم

1۔ صحیح بخاری: 36 (فکر) 2۔ صحیح مسلم: 110، جلد 13، (العلمیہ)

(1) علم منطق کی اصطلاح ہے، یہ قضیہ منفصلہ کی ایک قسم ہے، کسی شے سے دونوں قضیے جدا نہیں ہو سکتے، ہاں جمع ہو سکتے ہیں۔

ﷺ کے ہاتھ پر مکہ مکرمہ کی فتح نصیب فرمائی۔ حضرت عتاب بن اسید کو انکا والی بنایا گیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے انکا مددگار بنایا۔ وہ مظلوموں سے انصاف کرتے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْۤا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ ۚ اِنَّ كَیْدَ الشَّیْطٰنِ كَانَ ضَعِیْفًا ﴿۷۶﴾

"جو ایمان لائے ہیں وہ جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں وہ جنگ کرتے ہیں طاغوت کی راہ میں تو (اے ایمان والو) لڑو شیطان کے حامیوں سے بے شک شیطان کا فریب کمزور ہے ۱؎"

۱؎ سبیل اللہ سے مراد ایسا راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہو۔ سبیل طاغوت سے مراد شیطان کی اطاعت ہے اور ایسا راستہ ہے جو جہنم کے گڑھوں میں انہیں شیطان تک پہنچا دے۔ اولیاء الشیطن سے مراد کفار کے لشکر ہیں۔ پھر مومنوں کو حوصلہ دیا کہ شیطان کی خفیہ تدبیر کمزور ہے اور وہ صرف وسوسہ پر قادر ہے کیونکہ شیطان نے غزوہ بدر کے روز کفار سے یہ کہا تھا لا غالب لکم۔ مگر جب فرشتوں کو دیکھا تو بھاگ کھڑا ہوا کفار کو چھوڑ دیا کہا اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْۤ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ......

نسائی اور حاکم نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور ان کے ساتھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں تھے۔ عرض کی یا نبی اللہ جب ہم مشرک تھے تو ہم عزت دار تھے۔ جب ہم ایمان لائے تو ذلیل و خوار ہو گئے۔ فرمایا مجھے معاف کرنے کا حکم ہے۔ تم قوم سے جنگ نہ کرو(1) جب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مدینہ میں قیام عطا کیا تو جہاد کا حکم دیا۔ اس وقت بعض لوگوں نے بزدلی دکھائی اور جہاد سے رک گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْۤا اَیْدِیَكُمْ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً ۚ وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۷۷﴾

"کیا نہیں دیکھا آپ نے ۱؎ ان لوگوں کی طرف جنہیں جپ کہا گیا ۲؎ کہ روکو اپنے ہاتھوں کو اور قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوۃ (ان باتوں کو تو مان لیا) ۳؎ پھر فرض کیا گیا ان پر جہاد ۴؎ تب ایک گروہ ان میں سے ڈرنے لگ گیا لوگوں سے جیسے ڈرا جاتا ہے خدا سے ۵؎ یا اس سے بھی زیادہ ۶؎ اور کہنے لگے اے ہمارے پروردگار کیوں فرض کر دیا تو نے ہم پر جہاد (اور) کیوں نہ مہلت دی تو نے ہمیں تھوڑی مدت تک ۷؎ (اے ترجمان حقیقت انہیں) کہو دنیا کا سامان بہت قلیل ہے ۸؎ اور آخرت زیادہ بہتر ہے اس کے لیے جو تقوی اختیار کیے ہے ۹؎ اور نہیں ظلم کیا جائے گا تم پر کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر ۱۰؎"

۱؎ اَلَمْ تَرَ حرف استفہام تعجب کے لیے ہے۔ تعجب کی بنیاد یہ تھی کہ جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا تو ان میں سے ایک جماعت جہاد سے گھر

1۔ مستدرک حاکم: 3200 (علمیہ)

بیٹھ رہی اور لوگوں سے ڈرنے لگی مگر جب انہیں قتال نے منع کیا گیا تھا تو سب سے قتال کرنے کے لیے پیش پیش تھی۔ ہاتھ روکنے کے حکم سے واضح ہو رہا ہے کہ وہ جنگ کے درپے تھے کیونکہ روکنا اسی چیز میں متحقق ہوتا ہے جب روکے جانے والا عمل اس سے صادر ہوا چاہتا ہو۔

1 امام بغوی نے کلبی سے نقل کیا ہے کہ ان سے مراد حضرات عبدالرحمٰن بن عوف زہری، مقداد بن اسود کندی، قدامہ بن مظعون جمحی، سعد بن ابی وقاص اور ایک جماعت تھی جنہوں نے مکہ مکرمہ میں مشرکین سے بڑی تکلیفیں اٹھائی تھیں، یہ عرض کرتے تھے یا رسول اللہ ہمیں ان مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت دیں کیونکہ انہوں نے ہمیں اذیتیں دی ہیں تو رسول اللہ ﷺ انہیں ارشاد فرماتے۔

2 جنگ سے ہاتھ روک لو کیونکہ مجھے جنگ کا حکم نہیں دیا گیا(1) بلکہ جن امور کا تمہیں حکم دیا گیا ہے انہیں بجالاؤ۔ اس میں اس بات پر بھی تنبیہ ہے کہ اپنے دل اور نفس کی اصلاح کے لیے نفس کے ساتھ جہاد کرنا کفار کے ساتھ جہاد کرنے سے مقدم ہے کیونکہ نفس کے ساتھ جہاد نفس کی اصلاح کے لیے ہوتا ہے۔ اس لئے یہ دوسرے سے اہم ہے کیونکہ اس میں مقصود دوسروں کی اصلاح اور عالم کو فساد سے پاک کرنا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے پہلی قسم کو فرض عین اور دوسری قسم کو فرض کفایہ قرار دیا۔

3 جب صحابہ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اور مشرکین کے ساتھ جہاد ان پر فرض کیا گیا تو یہ حکم بعض افراد پر شاق گزرا اور وہ بزدل بن گئے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

4 إِذَا فَرِيقٌ میں اذا مفاجات کے لیے ہے اور لما کا جواب ہے۔ فریق موصوف منهم جار مجرور اس کی صفت ہے۔ يَخْشَوْنَ النَّاسَ مبتدا کی خبر ہے خشیة اللہ میں مصدر مفعول بہ کی طرف مضاف ہے اور مصدر مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی وہ لوگوں سے یوں ڈرتے ہیں جس طرح وہ اللہ سے ڈرتے ہیں یا یخشون کے فاعل سے حال بن رہا ہے۔

5 جب كَخَشْيَةِ اللّٰهِ کو حال بنایا جائے تو اشد کا عطف اس پر ہوگا مگر جب وہ مفعول مطلق ہو تو پھر عطف کرنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ اسم تفضیل جب اپنے مابعد کو نصب دے تو یہ اس کی جنس سے نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا عطف اسم جلالت پر ہوگا وہ لوگوں سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی طرح یا اس سے بھی زیادہ ڈرتے ہیں۔ اس میں لفظ او تخییر کے لیے ہیں شک کے لیے نہیں، یعنی اگر تو یہ کہے کہ ان کا لوگوں سے ڈرنا اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ سے ڈرنا تو تو سچا ہوگا اگر تو یہ کہے کہ یہ ڈرنا اس سے بھی زیادہ ہے تو تب بھی تو صحیح ہوگا کیونکہ اس میں مثلیت اور زیادتی متحقق ہے۔ یہ کلام مجاز پر مبنی ہے کیونکہ جب وہ جنگ کرنے سے گھروں میں بیٹھ گئے کیونکہ وہ بزدل بن گئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں جلدی نہ کی تو ان کے بارے میں کہا گیا یہ لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی نسبت زیادہ ڈرتے ہیں تو سبب یعنی شدید ڈرنے کو مسبب یعنی گھروں میں بیٹھ رہنے اور حکم کی تعمیل نہ کرنے پر اطلاق کیا کیونکہ یہ کفر ہے بلکہ بعض اوقات نافرمانی کا ارتکاب نفس کی خواہش، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے غفلت اور اس کی بخشش کی امید کی وجہ سے ہوتا ہے نہ کہ اس اعتقاد کی وجہ سے کہ لوگ اللہ تعالیٰ سے سخت عذاب دے سکتے ہیں یا اس پر قادر ہیں

اس آیت کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے خارجیوں نے یہ کہا کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا کافر ہوتا ہے کیونکہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جہاد سے انحراف کرنے والے اللہ تعالیٰ کی بجائے لوگوں سے زیادہ ڈرتے ہیں اور اس قضیہ میں انہوں نے معقولات سے استدلال کیا کہ عقلمند آدمی کو جب یہ یقین ہو کہ اس بل میں سانپ ہے تو وہ اپنا ہاتھ اس بل میں داخل نہیں کرے گا جب وہ ہاتھ داخل

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 109 (فکر)

کرے تو اس سے قطعی طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ اسے اس سوراخ میں سانپ کے ہونے کا یقین نہ تھا۔ اس طرح جس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ وعید کی آیات پر ایمان نہیں رکھتا۔ اگر اسے گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر عذاب کے واقع ہونے کا یقین ہوتا تو اس کا ارتکاب نہ کرتا ہم نے جوڑ کر کیا ہے۔ اس سے یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آیت مجاز پر مبنی ہے۔

ے عرض کرنے لگے تو نے جہاد کیوں فرض کر دیا کہ ہمیں شہید کر دیا جائے تو نے ہمیں موت تک دنیا میں مہلت کیوں نہیں دی کہ ہم اپنے بستروں پر مرتے۔ دونوں جملوں کو بغیر عطف کے ذکر کیا تا کہ اس امر پر دلالت کرے کہ کبھی ان کا قول یہ ہوتا ہے اور کبھی ان کا قول یہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں ایک کلام نہیں۔ یہ جہاد کی فرضیت کی حکمت کو جاننے کے بارے میں سوال نہیں کیونکہ اس کی حکمت تو معروف و معلوم تھی بلکہ یہ محض ایک آرزو تھی اور موت کے ڈر سے قتال سے رکنے کی مدت میں اضافہ کا مطالبہ تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے یہ کلام منہ سے نہیں نکالی تھی بلکہ ابھی ان کے دل میں تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بیان کر دیا۔

۸ دنیا کی منفعت اور اس سے لطف اندوز ہونا تھوڑے عرصہ کے لئے ہے جبکہ آخرت کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ جلد ختم ہونے والی ہے، اگرچہ وہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو اگر وہ بالفرض عمر زیادہ کر بھی دے تو بھی عمر کی طوالت کی خواہش تمہیں کوئی نفع نہ دے گی۔

۹ جو آدمی شرک اور نافرمانی سے بچا اس کے لیے دنیا کی بنسبت آخرت کا ثواب بہتر ہے۔ اس لیے تم گھروں میں بیٹھ رہنے سے بچتے ہوئے اور جہاد میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرکے آخرت کے بدلہ میں اضافہ طلب کرو۔ گویا یہ کلام لم کتبت علینا کا جواب ہے۔ اگر یہ مقدر کیا جائے کہ ان کا کلام جہاد کی حکمت کے بارے میں سوال ہے تو پھر اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ جہاد کی فرضیت کی حکمت یہ ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاؤ۔

۱۰ تمہارے ثواب میں معمولی کمی بھی نہ کی جائیگی اس لیے اس سے اعراض نہ کرو۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ موت کی جو مدت تمہارے لیے معین کی گئی ہے۔ اسے قتال کے ساتھ کم نہ کیا جائیگا۔ ابن کثیر، ابو جعفر، حمزہ اور کسائی نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ پہلے غائب کے صیغے ہیں، جبکہ باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ خطاب کا صیغہ ہے یہ کلام منافقین کے اس قول کا رد ہے جو انہوں نے شہداء احد کے بارے میں کیا تھا کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو انہیں شہید نہ کیا جاتا۔

اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍؕ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِؕ فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا۝

"جہاں کہیں تم ہو گے لے آلے گی تمہیں موت اگرچہ (پناہ گزیں) ہو تم مضبوط قلعوں میں ۲ اور اگر پہنچے انہیں کوئی بھلائی ۳ تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر پہنچے انہیں کوئی تکلیف تو کہتے ہیں یہ آپ کی طرف سے ہے ۴ (اے میرے رسول ﷺ) آپ فرمائیے سب اللہ کی طرف سے ہے ۵ تو کیا ہو گیا ہے اس قوم کو بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں جاتے ۶"

۱ اینما تکونوا میں ما زائدہ ہے اور این میں شرط کا جو معنی پایا جاتا ہے اس کی تاکید کے لیے آیا ہے۔

۲؎ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ سے مراد بلند محلات اور قلعے ہیں۔ قتادہ نے کہا اس کا معنی محفوظ قلعے ہیں۔ عکرمہ نے کہا چونے اور مسالے سے تعمیر کیا گیا کیونکہ شید کا معنی چونا ہوتا ہے۔ اس آیت کو اس مقام پر لانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ان کے اس قول کا جواب ہے لَوْ لَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ۔ مراد یہ ہے کہ قتال کے ذریعے موت کو جلدی نہیں لایا جاسکتا اور احتیاط موت کو دور نہیں کر سکتی اور نہ ہی تقدیر کو ٹال سکتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے پر یہودیوں اور منافقوں نے جب یہ کہا جب سے یہ آئے ہیں ہم لگاتار اپنے پھلوں اور کھیتوں میں کمی دیکھ رہے ہیں تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

۳؎ اگر منافقین اور یہودیوں کو شادابی بھاؤ میں کمی احوال واولاد میں زیادتی نصیب ہو تو کہتے ہیں۔

۴؎ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لیے مقدر ہے (ہم اسی کے اہل تھے) اگر تکلیف پہنچے تو کہتے ہیں یہ آپ کی نحوست کی وجہ سے ہے نعوذ باللہ من ہذا القول، اگر چہ فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہو۔

۵؎ اے محمد ﷺ فرما دیجئے۔ راحت اور تنگی سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، خواہ فضل واحسان کے ارادہ سے ہو یا حکمت کے تقاضا کے مطابق بطور انتقام ہو۔ یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی اور کی نحوست سے کسی سے انتقام لے وہ خود جب کفر وعصیان میں منہمک ہیں۔ تو ان کا تکلیف کو حضور ﷺ کی نحوست کی طرف منسوب کرنا واضح طور پر باطل ہے۔

۶؎ قوم سے مراد کافر ہیں۔ ایسے لوگ فہم اور تفقہ کے قریب بھی نہیں جاتے، چہ جائیکہ اس کو حقیقت میں سمجھیں۔ حدیث سے مراد قرآن ہے۔ اگر وہ قرآن کو سمجھتے، اس کے معانی میں تدبر کرتے تو یہ جان لیتے کہ خیر اور شر سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کو غیر کے عمل کی وجہ سے عذاب نہیں دیتا، یا وہ چوپاؤں کی طرح کوئی بات بھی نہیں سمجھتے یا وہ وقوع پذیر ہونے والے واقع کو نہیں سمجھتے کہ ان سے جو اعمال صادر ہوتے رہے اس میں وہ سوچ بچار کرتے کہ کیا یہ نیکی ہے جو انعام کا تقاضا کرتی ہے یا برائی ہے جو ناراضگی کا تقاضا کرتی ہے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝

" جو پہنچے آپ کو بھلائی سو وہ اللہ کی طرف سے ہے؎۱ اور جو پہنچے آپ کو تکلیف سو وہ آپ کی طرف سے ہے؎۲ اور بھیجا ہے ہم نے آپ کو سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر؎۳ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کی رسالت کا) گواہ؎۴ "

۱؎ اے انسان تمہیں جو بھی نعمت پہنچتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر فضل واحسان ہوتا ہے، تمہاری طرف سے اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی کیونکہ انسان طاعات میں سے جو بھی عمل کرتا ہے، اگر انسان کی طرف سے ان کا واقع ہونا مان بھی لیا جائے ان میں نافرمانی کی کوئی آمیزش نہ ہو اور وہ قبولیت کے قابل بھی ہوں اور انسان تمام اوقات کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزارنے والا ہو تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کی نعمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ناپسندیدہ امور سے محفوظ رکھا اور اپنے پسندیدہ امور کی توفیق عطا فرمائی تو اس کی توفیق پر انسان کو شکر بجالانا واجب ہے تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ بندہ اپنے اس عمل پر دنیا یا آخرت کے بدلے کا مستحق ہے جبکہ انسان کا وجود اور اس کے توابع (جن پر طاعت کا صدور منحصر ہے) سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جنہیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے یہ طاعت اس نعمت کا شکر نہیں بن سکتی۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہو

سکتا۔ عرض کی گئی آپ بھی؟ فرمایا میں بھی نہیں، متفق علیہ۔ یہ حدیث ابو ہریرہ سے مروی ہے۔(1)

؎ اے انسان جو تمہیں مصیبت پہنچتی ہے وہ تیرے اعمال کا نتیجہ ہے۔ ابن منذر نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن مسعود کی قرأت میں یہ بھی تھا وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ وَاَنَا كَتَبْتُهَا عَلَيْكَ، یعنی یہ تیرے اپنے اعمال کی شامت ہے، کسی اور کی نحوست کا نتیجہ نہیں۔(2) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کو پیدا فرمایا تا کہ تیری بعض نافرمانیوں کا انتقام لیا جائے اور تیرے گناہوں کی جزا دی جائے۔ اگر وہ انسان کافر ہو تو دنیا کی مصیبت آخرت میں واقع ہونے والے عذاب کا نمونہ ہوتی ہے۔ اگر وہ انسان مومن ہوں تو یہ مصیبت اس کے گناہوں کا کفارہ اور اس کے درجات کی بلندی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مصیبت بھی انسان کو پہنچتی ہے، یہاں تک کہ جو کانٹا اسے چبھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے، متفق علیہ۔(3) حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسان کو جو دکھ یا بیماری لگتی ہے یہاں تک کہ کانٹا جو اسے چبھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں انسان کے گناہ بخش دیتا ہے، متفق علیہ۔(4)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انسان کو جو ٹھوکر لگتی ہے یا اس سے کم و بیش تکلیف آتی ہے وہ اس کے گناہ کے عوض میں ہوتی ہے، اس کے بدلے میں جو گناہ معاف ہوتے ہیں وہ زیادہ ہوتے ہیں۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے(5)

کفار تکلیف کی نسبت جو رسول اللہ ﷺ کی طرف کرتے تھے اس آیت میں اس کا جواب ہے۔

؎ رسولاً کا لفظ مفعول مطلق یا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اگر جار مجرور کو فعل کے ساتھ متعلق کیا جائے تو اس سے تاکید کا قصد ہوگا۔ اگر رسولا کے ساتھ متعلق ہو تو اس سے عمومیت کا ارادہ ہوگا، جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً۔ اس جملہ میں بھی ان کے اس قول کا رد ہے جب وہ یہ کہتے هٰذَا مِنْ عِنْدِكَ، یعنی مصیبت کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کرتے۔ جبکہ آپ کی شان یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بن کر تشریف لائے، آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ کفار کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کیا گیا، انہیں دنیا یا آخرت میں جو عذاب پہنچتا ہے وہ ان کے نفوس کی نحوست کا نتیجہ ہوتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نہ کی تھی۔

؎ دنیا میں معجزات عطا فرما کر اور قیامت کے روز آپ کے بارے جو کوئی جھگڑا کرے گا تو اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں شہادت کردے گا کفار کے الزام کے لیے اللہ تعالیٰ اور انہیں عذاب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے کیونکہ اس روز اللہ تعالیٰ بادشاہ ہوگا، وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ اسے فیصلہ کرنے کے لیے کسی اور کی گواہی کی ضرورت نہ ہوگی، واللہ اعلم۔

امام بغوی نے کہا رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے تھے جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی۔ بعض منافقین نے کہا یہ تو ہم سے اس بات کا ارادہ کرتے ہیں کہ ہم انہیں رب بنالیں، جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو رب مان لیا تو اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت نازل فرمائی۔(6)

1۔ صحیح مسلم: 72، جلد 17، صفحہ 132 (علمیہ)
2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 331 (علمیہ)
3۔ صحیح مسلم: 49، جلد 16، صفحہ 106 (علمیہ)
4۔ صحیح مسلم: 52، جلد 106، صفحہ 106 (علمیہ)
5۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی: 965 (علمیہ)
6۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 113 (فکر)

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾

"جس نے اطاعت کی رسول کی تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی اور جس نے منہ پھیرا تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان کا پاسبان بنا کر [1]"

[1] رسول اللہ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس لیے ہے کیونکہ حضور ﷺ تو پیغام حق پہنچانے والے ہیں، حکم دینے والا اللہ ہے اے محبوب جو آپ کی اطاعت نہ کرے اس پر آپ غمگین نہ ہوں کیونکہ آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ حفیظاً یہ کاف ضمیر سے حال ہے، یعنی آپ کے ذمہ پیغام حق پہنچانا اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے ہم نے آپ کو ان کے اعمال کی مخالفت اور ان کا محاسبہ کرنے کے لیے مبعوث نہیں کیا۔

وَ يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

"اور کہتے ہیں ہم نے حکم مان لیا [1] اور جب باہر نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو رات بھر مشورہ کرتا ہے ایک گروہ [2] ان میں سے اس کے برعکس جو آپ نے فرمایا [3] اور اللہ تعالیٰ لکھ رہا ہے جو وہ راتوں کو سوچا کرتے ہیں [4] پس رخ (انور) موڑ لیجئے ان سے [5] اور بھروسہ کیجئے اللہ پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز [6]"

[1] جب آپ منافقوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ کہتے ہیں ہمارا تو کام ہی اطاعت کرنا ہے۔ طاعۃ خبر ہے اور اس کا مبتدا امرنا محذوف ہے۔ مصدر ہونے کی حیثیت سے اسے منصوب ہونا چاہیے لیکن دوام اور ثبات پر دلالت کرنے کے لئے اسے نصب سے رفع کی طرف پھیرا گیا ہے۔

[2] برزوا کا معنی نکلنا ہے۔ ابو عمرو اور حمزہ نے تاء کو طاء میں مدغم کر کے پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اظہار کر کے پڑھا ہے۔ بیت کا معنی بدلنا ہے۔ قتادہ اور کلبی نے یہی کیا ہے۔ اخفش نے کہا بیت کا معنی قدر ہے۔ جب کسی چیز کا اندازہ لگایا جائے تو عرب کہتے ہیں قد بیّت۔ وہ اسے شعراء کے بیت کے ساتھ یا بنائے گئے گھر کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ ابو عبیدہ اور قتیبی نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ دن کے وقت انہوں نے آپ سے جو وعدہ کیا تھا رات کے وقت اسے تبدیل کر دیا۔

[3] تقول میں ضمیر طائفہ کی طرف لوٹے گی، یعنی انہوں نے جو کچھ آپ سے طاعت کے بارے میں کہا تھا۔ اس کے برعکس ایک طائفہ دھوکہ دہی کرتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ تقول میں خطاب حضور سے ہو۔

[4] مراد اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ لکھتے ہیں جو وہ رات کو مشورہ کرتے ہیں تا کہ انہیں دھوکہ دینے پر انہیں پوری پوری سزا دی جائے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے مشوروں کو اس وحی میں شامل لیتا ہے جو آپ کی طرف کی جا رہی ہوتی ہے تا کہ آپ بھی ان کے رازوں سے آگاہ ہو جائیں۔

[5] آپ ان کی طرف نہ توجہ کریں اعراض کا معنی پرواہ نہ کرنا اور ان سے پہلو تہی کرنا ہے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ انہیں نہ چھیڑیں اور ان کے اسماء نہ بتائیں۔

۶؎ تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرو۔ جب تو نے انکا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا تو اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے ان سے انتقام لے لے گا اور وہ تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچا ئیں گے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ﴿۸۲﴾

"تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں؟ ۱؎ اور (اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ) اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے (بھیجا گیا) ہوتا تو ضرور پاتے اس میں اختلاف کثیر ۲؎ "

۱؎ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ میں واؤ ضمیر سے مراد منافق ہیں، یعنی کیا منافق قرآن حکیم کے الفاظ اور معانی میں تدبر نہیں کرتے اور اس میں جو غرائب ہیں ان میں نظر و فکر نہیں کرتے تا کہ ان پر یہ حقیقت ظاہر ہو جائے کہ یہ انسان کا کلام نہیں کہ انہیں ایمان کی نعمت حاصل ہو جاتی اور وہ نفاق کو چھوڑ دیتے۔ تدبر کا اصل معنی کسی شے کے عواقب میں غور و فکر کرنا ہے۔ اس میں قیاس کی صحت پر دلیل ہے۔

۲؎ کفار کے گمان کے مطابق اگر قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا تو وہ اس میں بہت بڑا اختلاف پاتے، یعنی معانی میں تضاد اور الفاظ میں تفاوت ہوتا اس طرح کہ بعض الفاظ فصیح اور بعض رکیک ہوتے، بعض کا مقابلہ مشکل ہوتا اور بعض کا آسان، آنے والے زمانے کی خبروں میں سے بعض میں مطابقت ہوتی، جب کہ بعض میں مطابقت نہ ہوتی کیونکہ انسان کی قوت میں نقص ہے۔ ناسخ اور منسوخ اختلاف کے باب میں سے نہیں بلکہ نسخ کا مطلب اس حکم کی مدت کا بیان ہوتا ہے جس میں اختلاف کیا جاتا ہے یہ چیز اس امر پر مبنی ہے کہ زمانے کے مختلف ہونے کی بناء پر حکم اور مصالح میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے۔

امام بغوی نے کہا کہ نبی کریم ﷺ چھوٹے لشکر بھیجا کرتے جب وہ غالب آ جاتے یا مغلوب ہو جاتے تو منافق ان کی خبر لینے میں جلدی کرتے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے گفتگو کرنے سے قبل یہ منافق لوگوں سے گفتگو کرتے اس کے ذریعے وہ مومنوں کے دلوں کو کمزور کرتے (۱) ایک قول یہ کیا گیا کہ مسلمانوں میں سے کمزور رائے لوگوں کو جب چھوٹے لشکروں کی خبر پہنچتی یا رسول اللہ ﷺ فتح یا خوف کے بارے میں لوگوں کو آگاہ فرماتے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی تو یہ کمزور دل مسلمان اس بات کو عام کر دیتے۔ اس میں فساد کی صورت پیدا ہوتی کیونکہ مد مقابل جب اس کی بات سنتا ہے تو اپنے دفاع کا سوچتا ہے اور جب اسے خوف کی کیفیت کا علم ہوتا ہے تو وہ جنگ فساد کی کوشش کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۳﴾

"اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا خوف کی تو چرچا کرنے لگتے ہیں اس کا ۱؎ اور اگر لوٹا دیتے اسے رسول (کریم) کی طرف اور با اقتدار لوگوں کی طرف اپنی جماعت سے ۲؎ تو جان لیتے اس خبر (کی حقیقت) کو وہ لوگ جو نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں بات کا ان میں سے ۳؎ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور نہ ہوتی اس کی رحمت ۴؎ تو ضرور تم اتباع کرنے لگتے شیطان کا سوائے چند آدمیوں کے ۵؎ "

۱۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 115 (فکر)

۱؎ جَآءَهُمْ میں هُمْ ضمیر سے مراد منافقین یا مسلمانوں میں سے کمزور رائے ہیں۔ امن سے مراد فتح اور سلامتی ہے۔ خوف سے مراد شکست یا خرابی ہے تو اسے پھیلا دیتے ہیں۔

۲؎ اگر وہ اس خبر کو رسول اللہ یا صاحب رائے صحابہ کی طرف پھیر دیتے جیسے حضرات ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضوان اللہ علیہم کیونکہ یہ صاحب بصیرت لوگ ہیں یا اس لیے کہ عموماً انہیں ہی امیر بنایا جاتا ہے یا اس لیے کہ نبی کریم ﷺ لوگوں کو حکم دینے سے قبل ان سے مشورہ فرماتے ہیں یا لوگوں کی ان کی اقتداء کا حکم ارشاد فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل زمین میں سے میرے دو وزیر ابو بکر و عمر ہیں۔ اسے امام ترمذی نے ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے۔(1) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے ابوبکر و عمر کی اقتدا کرو اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔(2)

۳؎ استنباط کا معنی استخراج ہے۔ عربی کا مقولہ ہے استنبط الماء جب اس نے پانی نکالا۔ یعنی وہ اپنی نظر و فکر سے اس امر کے مناسب بات اخذ کر لیتے ہیں کہ اس کو عام کرنا مناسب ہے یا مخفی رکھنا مناسب ہے۔ الذین یستنبطون سے مراد نبی کریم ﷺ اور صحابہ سے اولی الامر مراد ہیں۔ یہاں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا۔ یہاں مقام تو تعلمونہ کا تھا۔ یہاں علم بمعنی معرفت ہے جو ایک مفعول کا تقاضا کرتا ہے اور منہم الذین سے حال ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ نبی کریم ﷺ اور صاحب الرائے صحابہ کرام اس خبر کے مناسب بات کو اخذ کر لیتے یا مستنبطین سے مراد وہ لوگ ہیں جو باتوں کو عام کرتے ہیں۔ اس صورت میں منہم فعل کے متعلق ہوگا۔ معنی یہ ہوگا کہ خبروں کو عام کرنے والے نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ سے ایسا علم حاصل کرتے جو اس امر کے مناسب ہے۔

۴؎ یہاں اضافت عہد خارجی کے لیے ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت رسولوں کو مبعوث فرما کر اور کتابیں نازل کر کے نہ ہوتی۔

۵؎ تو تم کفر اور گمراہی کے ساتھ شیطان کی اتباع کرتے استثنا مخاطب کی ضمیر سے ہے یا یہ استثناء مفرغ ہے۔ یعنی تم ضرور شیطان کی اتباع کرتے مگر تم میں سے بعض اس سے حسن رائے اور اللہ تعالیٰ کی عصمت کی وجہ بچے رہے۔ جس طرح زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، یہ اللہ تعالیٰ کا اور طرح کا فضل ہے یا تم شیطان کی بعض امور میں ضرور اتباع کرتے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تمہارا شیطان کی اتباع سے محفوظ بچنا رسول اللہ ﷺ اور قرآن سے حاصل شدہ ہے کیونکہ تمہاری عقلیں کثیر اشیاء کے حسن و قبح کی معرفت کو نہیں پہچانتیں اس لیے نبی کریم ﷺ سے اجازت لیے بغیر تم خبر کو عام کرنے کی جلدی نہ کرو۔ امام مسلم نے حضرت عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کی تو میں مسجد میں داخل ہوا تو لوگ کنکریوں سے زمین کرید رہے تھے اور کہہ رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ پس میں وہ تھا جس نے امر کا استنباط کیا۔ واللہ اعلم۔(3)

جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا جنہوں نے جہاد سے سستی کی اور انہوں نے بزدلی دکھاتے ہوئے جو کچھ کیا اس کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جہاد کا حکم دیا اگرچہ آپ اکیلے ہوں مدد کا وعدہ فرمایا اور متنبہ کیا کہ کسی کا گھر بیٹھ جانا آپ کو کچھ نقصان نہیں دے گا اور نہ ہی آپ پر کسی غیر کے فعل سے مواخذہ ہوگا۔

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِیْلًا ﴿۸۴﴾

1۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی: 3680 (علمیہ) 2۔ ایضاً: 3662 (علمیہ) 3۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 333 (علمیہ)

"تو (اے محبوب) جہاد کرو اللہ کی راہ میں ۱؎ نہ تکلیف دی جائے گی آپ کو سوائے اپنی ذات کے ۲؎ اور ابھاریں آپ ایمان والوں کو (جہاد پر) ۳؎ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ روک دے زور ان لوگوں کا جو کفر کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی گرفت بہت سخت ہے۔ نیز وہ سزا دینے میں بہت سخت ہے ۵؎"

۱؎ اگر وہ لوگ جہاد سے بیٹھ رہیں اور تجھے تنہا چھوڑ دیں تب بھی جہاد کرو۔

۲؎ آپ کو صرف اپنے عمل کا مکلف بنایا جائے گا ان کی مخالفت اور ان کا گھروں میں بیٹھے (۱) رہنا تجھے کچھ نقصان نہ پہنچائے گا۔ امام بغوی نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ احد کے بعد ابوسفیان سے ذی قعدہ میں میلہ کے موقع پر بدر صغریٰ میں جنگ کا عہد کیا۔ جب وقت آ گیا تو آقائے دو عالم ﷺ نے صحابہ کو جنگ کے لیے نکلنے کی دعوت دی تو بعض لوگوں نے اسے ناپسند کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(1) ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

۳؎ آپ مومنوں کو جنگ پر برانگیختہ کریں کیونکہ آپ کے ذمہ پیغام حق پہنچانا اور برانگیختہ کرنا ہے۔

۴؎ یعنی کافروں کو قتال سے روک دے رسول اللہ ﷺ ستر سواروں کے ساتھ بدر صغریٰ کی طرف نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ تمام صحابہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس لوٹے انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی تھی اس کا واقعہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

۵؎ اللہ تعالیٰ بڑی طاقت اور دبدبے والا ہے قریش اور دوسروں کی بنسبت زیادہ عذاب دینے والا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے دھمکی ہے جنہوں نے کفار کے خوف سے رسول اللہ ﷺ کی اتباع نہ کی۔ امام بغوی نے کہا اللہ تعالیٰ کے فرمان فقاتل میں فاء اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا جواب ہے وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ...... الآیۃ(2) واللہ اعلم۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝

"جو کرے گا سفارش اچھی ۱؎ ہوگا اس کا حصہ اس میں سے ۲؎ اور جو کرے گا سفارش بری ۳؎ تو ہوگا اس کے لیے بوجھ اس سے ۴؎ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ۵؎"

۱؎ اس میں کسی مسلمان کے حق کی رعایت کر لے اور اس سے تکلیف کو دور کر دے یا اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نفع پہنچائے۔

۲؎ شفاعت کرنے والے کے لیے بھی شفاعت کا ثواب ہوگا۔ مجاہد نے کہا یہ ان کی بعض بعض کے حق میں شفاعت ہے۔ شفیع کو شفاعت پر اجر دیا جائیگا، اگرچہ اس کی شفاعت قبول نہ کی جائے۔ ابن ابی حاتم اور دوسرے محدثین نے حضرت حسن بصری اور ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جب کوئی آدمی سوال کرتا یا اپنی حاجت پیش کرتا تو آپ ہماری طرف متوجہ ہوتے۔ فرماتے اس کی شفاعت کرو تمہیں اجر دیا جائیگا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہے گا فیصلہ کر دے گا، متفق علیہ۔(3)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 116 (فکر) 3۔ صحیح مسلم: 145، جلد 16، صفحہ 146 (علمیہ) 4۔ معجم اوسط طبرانی، جلد 3، صفحہ 196 (المعارف)

(۱) ابن سعد نے خالد بن معدان سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔ اگر وہ دعوت کو قبول نہ کریں تو عرب والوں کی طرف، اگر وہ قبول نہ کریں تو فارس والوں کی طرف، اگر وہ قبول نہ کریں تو پھر بنی ہاشم کی طرف، اگر وہ بھی قبول نہ کریں تو اپنی ذات کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بھلائی پر راہنمائی کرنے والا بھلائی کرنے والے کی طرح ہے۔ اسے بزار نے ابن مسعود سے روایت کیا۔ طبرانی نے ان سے اور سہل بن سعد سے روایت کیا۔

فائدہ: اچھی سفارش میں سے مسلمان کے لیے دعا بھی ہے۔ حضرت ابودرداء سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی آدمی عدم موجودگی میں بھائی کے حق میں دعا کرتا ہے تو فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں اور کہتے ہیں تمہارے لیے بھی اسی کی مثل ہو(1) ابن عباس نے فرمایا بہترین سفارش لوگوں کے درمیان صلح کرانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ لوگوں میں اچھی بات ہے، جس کے ذریعے ثواب اور خیر حاصل کیا جاتا ہے۔

۳ سیئہ سے مراد جو محرومی کو ثابت کرے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا چغل خوری کرنا شفاعت سیئہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد غیبت ہے اور لوگوں میں بری بات کرنا جس سے شر پھیلے۔

۴ اس شفاعت کرنے والے کے لیے بھی اس کا بوجھ ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی مومن کے قتل میں ایک کلمہ برابر بھی حصہ لیا وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا اٰیِسٌ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ تعالیٰ (2) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

۵ حضرت ابن عباس نے فرمایا مقیت کا معنی قدرت رکھنے والا۔ یہ اقات علی الشیئ سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ اس چیز پر قادر ہو۔ یہ قوت سے مشتق ہے کیونکہ روزی انسان کے بدن کو قوت پہنچاتی ہے۔ مجاہد نے کہا اس کا معنی حاضر ناظر ہے۔ قتادہ نے کہا نگہبان۔ ایک قول یہ کیا گیا وہ ہر حیوان کو روزی عطا فرمانے والا ہے۔

وَ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ﴿۸۶﴾

"اور جب سلام دیا جائے تمہیں کسی لفظ دعا سے ۱ تو سلام دو تم ایسے لفظ سے جو بہتر ہو اس سے یا (کم از کم) وہ ہر ادو وہی لفظ ۲ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے ۳"

۱ تحیۃ مصدر ہے اور حیاک اللّٰہ جملہ بولا جاتا ہے جو اصل میں تو جملہ خبریہ ہے، پھر دعا کے لیے بولا جانے لگا۔ عرب کہتے ہیں حیاء اللّٰہ یعنی اللہ تعالیٰ تیری زندگی کو طویل کردے۔ پھر اسلام آنے کے بعد تحیہ کو سلام سے بدل دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان تحیہ کو سلام بنا دیا۔ حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ ہم دور جاہلیت میں یہ کہا کرتے تھے۔ انعم اللّٰہ اور انعم صباحا جب اسلام آ گیا تو ہمیں اس چیز سے منع کر دیا گیا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔(3) حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ساٹھ گز لمبا پیدا کیا۔ جب پیدا کر چکا فرمایا جاؤ اور اس جماعت کو سلام کہو۔ یہ فرشتوں کی ایک جماعت تھی جو بیٹھی ہوئی تھی اور سنو وہ تمہیں کس طرح سلام کرتے ہیں، وہ تیرا اور تیری اولاد کا سلام ہوگا۔ آپ گئے، فرمایا السلام علیکم۔ اس جماعت نے جواب دیا السلام علیک ورحمۃ اللہ۔ فرمایا فرشتوں نے رحمۃ اللہ کے لفظ کا اضافہ کر دیا۔ متفق علیہ (4)

1۔ سنن ابن ماجہ، جلد 3، صفحہ 270 (علمیہ)
2۔ سنن ابن ماجہ: 2620 (علمیہ)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 353 (وزارت تعلیم)
4۔ صحیح مسلم: 28، جلد 17، صفحہ 147 (علمیہ)

یا ردوھا میں ھا ضمیر سے پہلے مثل کا لفظ محذوف ہے امر وجوب کے لیے ہے اور او کا حکم تخییر کے لیے ہے۔ سلام کے جواب میں واجب یہ ہے کہ سلام جیسا جواب دیا جائے کیونکہ یہ دو امروں میں سے ادنیٰ امر ہے۔ مستحب یہ ہے کہ رحمت اور برکت کے الفاظ کا اضافہ کر کے جواب دیا جائے۔ جب بھی وہ سلام یا جواب میں اضافہ کرے گا تو وہ ثواب میں کثرت کا اور فضیلت کا باعث ہوگا۔

عمران بن حصین سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی السلام علیکم، آپ نے اسے جواب ارشاد فرمایا۔ وہ بیٹھ گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا دس۔ پھر ایک اور آیا، عرض کی السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ نے اسے جواب ارشاد فرمایا پھر فرمایا۔ بیس پھر ایک اور آیا، عرض کی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ نے اسے جواب دیا اور بیٹھ گیا۔ فرمایا تیس(1) اسے امام ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا۔ حضرت معاذ بن انس سے اسی کی مثل مروی ہے۔ تاہم یہ اضافہ کیا کہ پھر ایک اور آیا اس نے عرض کی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ نے جواب ارشاد فرمایا چالیس۔ فضائل میں اضافہ اسی طرح ہوتا ہے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا زیادتی کی کامل صورت یہ ہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عباس کو سلام کیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پھر اور الفاظ کا بھی اضافہ کیا۔ ابن عباس نے ارشاد فرمایا سلام برکاتہ پر ختم ہو گیا(2) امام بغوی نے اسے ذکر کیا۔ امام احمد نے زہد میں ابن ابی حاتم، طبرانی نے کبیر اور ابن مردویہ نے سلمان فارسی کی حدیث نقل کی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی السلام علیکم۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ایک دوسرے آدمی نے یوں سلام عرض کیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تو حضور ﷺ نے یوں جواب ارشاد فرمایا وعلیکم السلام۔ اس آدمی نے عرض کی آپ نے مجھے کم جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا وہ کہاں گیا اور یہی آیت تلاوت کی۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا تو نے میرے لیے کوئی زائد چیز نہیں چھوڑی تو میں نے اسی طرح جواب دے دیا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس کے جواب میں علیک السلام کہنا کافی ہے۔ یہ اس لیے کہ نفس سلام میں مماثلت کافی ہے۔ یا وعلیکم السلام میں الف لام عہد خارجی کا ہے تو سلام کرنے والے کے کلام میں جو رحمت اور برکت کا ذکر تھا تو جواب ان کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔

مسئلہ: جب ایک آدمی نے جماعت کو سلام کیا اور ان میں سے ایک نے جواب دیا تو یہ حکم باقی افراد سے ساقط ہو جائے گا کیونکہ جواب دینا ان پر فرض کفایہ تھا۔ سراجیہ میں اسی طرح ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جب ایک جماعت گزر رہی ہو تو ایک آدمی سلام کہہ دے تو یہ جائز ہے اور بیٹھے ہوئے افراد میں سے ایک بھی جواب دے دے تو یہ بھی کفایت کر جائیگا۔ اسے امام بغوی نے مصابیح میں موقوفاً نقل کیا ہے(3) امام بیہقی نے شعب الایمان میں مرفوعاً نقل کیا ہے۔ ابوداؤد نے اسے روایت کیا اور کہا حسن بن علی نے اسے مرفوع نقل کیا ہے۔ یہ ابوداؤد کے شیخ ہیں مگر جب جماعت میں سے ایک معین فرد کو سلام کیا جائے جیسے سلام کرنے والا یہ کہے اے فلاں تجھے سلام ہو تو اس صورت میں اس پر سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ جماعت میں سے اگر کوئی اور جواب دے تو اس معین فرد سے حکم ساقط نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر اس جماعت کے علاوہ کوئی اور جواب دے تو اس سے بھی حکم ساقط نہیں ہوتا۔

مسئلہ: پہلے سلام دینا مسنون ہے یہ احسن اور افضل ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جنت میں داخل نہیں ہو گے یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ اور تم ایمان دار نہیں ہو سکتے، یہاں تک کہ آپس میں محبت کرو، کیا میں تمہیں ایسی

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 350 (وزارت تعلیم)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 118 (فکر)
3۔ مصابیح السنہ: 1540 (علمیہ)

چیز کے بارے میں آگاہ نہ کروں کہ اگر تم اسے کرو تو تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو؟ آپس میں ایک دوسرے کو سلام ہوا کرو(1) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا پہلے سلام دینے والا تکبر سے پاک ہوتا(2) ہے۔ اسے امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔ حضرت ابی امامہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کا سب سے قرب رکھنے والا وہ ہے جو پہلے سلام دے(3) اسے امام احمد ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کونسا اسلام بہترین ہے، یعنی اسلام کی خصلتوں میں سے کونسی خصلت بہترین ہے؟ فرمایا تیرا دوسروں کو کھانا کھلانا اور اسے سلام کہنا جسے تو جانتا ہو اور اسے بھی جسے تو نہیں جانتا، متفق علیہ(4)۔

مسئلہ: سوار پیدل چلنے والے کو پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے زیادہ افراد کو سلام کریں گے۔ شیخین نے اپنی صحیحوں میں یہ الفاظ حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً نقل کیے ہیں(5) ایک روایت میں امام بخاری نے کچھ اضافہ کیا ہے چھوٹا بڑے کو سلام کرے گا۔

مسئلہ: بچوں اور عورتوں کو بھی سلام کیا جائیگا کیونکہ حضرت انس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے انہیں سلام فرمایا، متفق علیہ(6) اور جریر سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ عورتوں کے پاس سے گزرے تو انہیں سلام فرمایا۔ اسے امام احمد نے روایت کیا۔ فتاوی الغرائب میں ہے کہ نوجوان اجنبی عورتوں اور بے ریش لڑکوں کو سلام دینا مکروہ ہے۔ اگر وہ سلام کریں تو جواب دینا واجب نہیں میں۔ یہ کہتا ہوں یہ حکم اس وقت ہوگا جب فتنے کا خوف ہو۔

مسئلہ: جب گھر داخل ہو تو گھر والوں کو سلام دے حضرت انس سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بیٹے جب تو گھر والوں کے پاس جائے تو سلام کر یہ تیرے لیے اور تیرے گھر والوں کے لیے برکت کا باعث ہوگا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔(7)

مسئلہ: اگر وہ ایسے گھر میں داخل ہو جہاں کوئی بھی نہ ہو تو وہ یہ کہے اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ کیونکہ فرشتے اسے جواب دیں گے۔ شرع میں اسی طرح ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً

مسئلہ: جب بھی مسلمان بھائی کو ملے اسے سلام کرے اگر دونوں کے درمیان درخت یا دیوار ہو تو وہ نیا سلام کرے کیونکہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو ملے تو اسے سلام کہے۔ اگر درمیان میں درخت یا دیوار یا پتھر ہو پھر وہ اسے ملے تو پھر بھی اسے سلام کرے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔(8)

مسئلہ: جب الوداع ہوں تب بھی سلام کریں حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم گھروں میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو جب تم باہر نکلو تو سلام کے ساتھ گھر والوں کو الوداع کرو(9) اسے امام بیہقی نے شعب الایمان میں مرسل روایت کی ہے۔ حضرت ابوہریرہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں جب تم میں سے کوئی مجلس تک جا پہنچے تو انہیں سلام کرے، اگر مناسب سمجھے تو بیٹھ جائے، پھر جب وہاں سے اٹھے تو انہیں سلام کرے۔ پہلا سلام دوسرے سے زیادہ ضروری نہیں۔ اسے امام ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا۔(10)

1۔ صحیح مسلم:93، جلد2، صفحہ31 (علمیہ)　2۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد3، صفحہ11 (فکر)　3۔ جامع ترمذی:2694 (علمیہ)
4۔ صحیح بخاری:12، جلد1، صفحہ74 (علمیہ)　5۔ صحیح مسلم:1، جلد14، صفحہ119 (علمیہ)　6۔ ایضاً:14، جلد14، صفحہ125 (علمیہ)
7۔ جامع ترمذی:2698 (علمیہ)　8۔ سنن ابی داؤد، جلد2، صفحہ315 (وزارت تعلیم)
9۔ شعب الایمان:8845 (علمیہ)　10۔ جامع ترمذی:2706 (علمیہ)

مسئلہ: جب کوئی آدمی کسی غائب کا تجھے سلام پہنچائے تو سلام پہنچانے والے کو یہ کہہ تجھ پر اور اس پر سلام غالب نے اپنے باپ سے، اس نے دادا سے روایت کی کہ مجھے میرے والد نے رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا کہا میں آپ کی خدمت میں آیا اور سلام پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تجھ پر اور تیرے والد پر سلام۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔(1)

مسئلہ: کفار کو ابتداء سلام کہنا جائز نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یہود و نصاریٰ کو ابتداء میں سلام نہ کرو جب تم میں سے کوئی انہیں راستہ میں ملے تو اسے تنگ جگہ سے گزرنے پر مجبور کردے۔ اسے امام مسلم نے ابو ہریرہ سے روایت کیا(2) اگر اس قوم میں مسلمان، مشرک اور یہودی اکٹھے ہوں تو انہیں سلام کرے(3) اسے شیخین نے اسامہ بن زید کی مرفوع حدیث سے نقل کیا ہے۔ لیکن اس قوم میں سے صرف مسلمانوں کی نیت کرے تاکہ کافر کے لیے سلام میں ابتداء کرنا لازم نہ ہو۔

مسئلہ: ذمیوں کو سلام کا جواب دینے میں کوئی حرج نہیں لیکن علیک سے زیادہ کلام نہ کرے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جب تمہیں اہل کتاب سلام کریں تو تم علیکم کہو۔ متفق علیہ۔(4)

مسئلہ: نماز اور خطبہ میں سلام کا جواب دینا واجب نہیں بلکہ یہ جائز ہی نہیں۔ جواب دینے سے نماز باطل ہو جائے گی۔ جب ایک آدمی بلند آواز سے قرآن کی قرأت کر رہا ہو، علم کا مذاکرہ ہو، اذان یا اقامت کہہ رہا ہو تو سلام کا جواب کا دینا واجب نہیں۔ ان مواقع میں جواب دینا جائز ہے۔

؎ یعنی محاسبہ کرنے والا اور جزاء دینے والا۔ مجاہد نے کہا حسیبا کا معنی حفیظ نگہبان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ حقوق العباد میں سے ہر چیز پر محاسبہ کرنے والا ہے، جس طرح سلام اور چھینک مارنے والے کو جواب دینا اور اس کے علاوہ دوسرے حقوق۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک مومن کے دوسرے مومن پر چھ حقوق ہیں، جب مریض ہو تو اس کی عیادت کرے، جب وہ فوت ہو تو اس کے جنازہ میں حاضر ہو، جب وہ دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کرے، جب ملے تو اسے سلام کرے جب چھینک مارے تو یرحمک اللہ کے ساتھ اس کا جواب دے، وہ غائب ہو یا حاضر ہو اس کے لیے مخلص ہو(5) اسے امام نسائی نے روایت کیا۔ امام ترمذی اور دارمی نے حضرت علی شیر خدا سے اسی طرح روایت کیا اور چھٹی چیز یہ ذکر کی کہ وہ اس کے لیے وہ ہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرے اور ینصح لہ کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔ معنی ایک ہی ہے۔ حضرت ابو سعید خدری نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا راستوں میں ٹھہرنے سے بچو عرض کی ہمارے لیے ان مجلسوں کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، ان میں ہم گفتگو کرتے ہیں۔ فرمایا اگر تم بیٹھنا ہی چاہتے ہو تو راستے کو اس کا حق ادا کرو۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ راستے کا حق کیا ہے؟ فرمایا آنکھ نیچی رکھنا' تکلیف دہ چیز کا دور کرنا' سلام کا جواب دینا' نیکی کا حکم دینا اور منکر سے روکنا متفق علیہ۔(6)

حضرت ابو ہریرہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا راستہ کی راہنمائی کرنا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے اس قصہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ مظلوم کی مدد کرو اور بھٹکے ہوئے کو راہ دکھاؤ۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 354 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم: 13، جلد 14، صفحہ 124 (علمیہ)
3۔ صحیح بخاری: 5899 (ابن کثیر)
4۔ صحیح مسلم: 6، جلد 14، صفحہ 121 (علمیہ)
5۔ جامع ترمذی: 2737 (علمیہ)
6۔ صحیح مسلم: 3، جلد 14، صفحہ 120 (علمیہ)

مسئلہ: سلام کی تکمیل مصافحہ اور معانقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آپس میں سلام کی تکمیل مصافحہ ہے (1) اسے امام احمد اور ترمذی نے ابی امامہ سے روایت کیا۔ ابوذر سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے نہیں ملا مگر آپ نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ ایک دن آپ نے میری طرف پیغام بھیجا۔ میں گھر میں موجود نہ تھا۔ جب میں گھر آیا تو مجھے حضور کے پیغام کے بارے میں بتایا گیا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے مجھے سینے سے لگایا۔ یہ معانقہ بہت ہی عمدہ اور اعلیٰ تھا (2) اسے ابوداؤد نے روایت کیا امام شعبی سے مروی ہے کہ حضور ﷺ حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ ملتے تو ان سے معانقہ فرماتے اور ان کی آنکھوں کے درمیان پیشانی کا بوسہ لیتے (3) اسے ابوداؤد اور بیہقی نے شعب میں مرسل روایت کی ہے۔ شرح السنہ میں جعفر بن ابی طالب سے اسی طرح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھے ملے تو آپ نے مجھ سے معانقہ کیا۔ عطاء خراسانی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا باہم مصافحہ کیا کرو، یہ کینے کو دور کر دیتا ہے۔ ایک دوسرے کو ہدیے دیا کرو، تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے اور تم سے بخل دور ہو جائے گا (4) اسے امام مالک نے مرسل نقل کیا ہے۔ براء بن عازب سے مروی ہے کہ مسلمان جب آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے درمیان کوئی گناہ نہیں ہوتا مگر وہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اسے امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ (5)

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

"اللہ نہیں کوئی معبود بغیر اس کے[1] وہ ضرور جمع کرے گا تمہیں[2] قیامت کے دن[3] نہیں ذرا شک اس کے آنے[4] میں اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کہنے میں[5]"

1۔ اَللّٰهُ اسم جلالت مبتدا ہے اور لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خبر ہے یا جملہ معترضہ ہے۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد والے جملے میں جو خبر پائی جا رہی ہے اس کی تاکید کے لیے ہے۔

2۔ لَيَجْمَعَنَّكُمْ فعل خبر کے بعد خبر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد حسیبا کے مفہوم جیسا اس کا بھی مفہوم ہے یا یہ کہا جائے گا لفظ اللہ مبتدا ہے لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ جملہ معترضہ ہے اور لَيَجْمَعَنَّكُمْ خبر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں قبروں سے اٹھائے گا۔

3۔ اصل معنی میں ہے، یعنی تمہیں قیامت کے دن کی طرف لے جایا جائیگا یا تمہیں قیامت کے دن جمع کیا جائیگا۔ قیام اور قیامت دونوں مصدر ہیں جس طرح طلب اور طلابہ۔ اس سے مراد حساب کے لیے ان کا اٹھ کھڑا ہونا ہے۔

4۔ ضمیر سے مراد یوم ہے یا جمع ہے۔ یہ جملہ یوم سے حال ہے یا مصدر کی صفت ہے۔

5۔ حدیث سے مراد قول ہے۔ یہ جملہ علت کے قائم مقام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خبر میں کسی طریقے سے بھی جھوٹ داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ کی ذات میں محال ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے ثابت ہو وہ حق ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ حمزہ اور کسائی نے اصدق اور ہر وہ صاد جو ساکن ہو اور جس کے بعد دال ہو اسے زاء کے اشمام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

امام بخاری اور دوسرے محدثین نے زید بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب احد کی طرف چلے تو جو لوگ آپ کے

1۔ جامع ترمذی: 2731 (علمیہ)
2۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 352 (وزارت تعلیم)
3۔ ایضاً، صفحہ 353 (وزارت تعلیم)
4۔ موطا امام مالک، جلد 2، صفحہ 908 (التراث الاسلامی)
5۔ شعب الایمان: 8955 (علمیہ)

ساتھ نکلے تھے وہ واپس آ گئے۔ اصحاب رسول اللہ ﷺ ان کے بارے میں دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ کہتا ہم ان سے جنگ کریں گے۔ دوسرا کہتا ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔(1)

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

"سو کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ منافقوں کے بارے میں (تم) دو گروہ بن گئے ہو[1] حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اوندھا کر دیا ہے انہیں[2] بوجہ ان کرتوتوں کے جو انہوں نے کئے ہیں[3] کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اسے راہ دکھاؤ جسے گمراہ کر دیا اللہ نے ہے[4] اور جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لیے ہدایت کا راستہ[5]"

[1] فِئَتَيْنِ ترکیب کلام میں حال ہے۔ اس کا عامل ظرف مستقر ہے اور معنی فعل عامل ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی مَا تَصْنَعُوْنَ حَالَ تَحَزُّبِكُمْ فِئَتَيْنِ اور فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ سے حال ہے۔ یعنی تم ان کے بارے میں گروہوں میں بٹے ہوئے ہو یا کُمْ ضمیر سے حال ہے۔ یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ان کے بارے میں افتراق کا شکار ہو اور افتراق کا مفہوم فِئَتَيْنِ سے سمجھا جا رہا ہے اور فاء کا کلمہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اصدق حدیثا سے تفریع کے لیے ہے۔ یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس میں اختلاف کرتے ہو اور تم اس معاملہ کو اس کے سپرد کیوں نہیں کرتے جو سب سے سچا ہے جس کی وہ تمہیں خبر دے تم اس پر اعتقاد رکھو اور جس کا تمہیں حکم دے اس کی اطاعت کرو۔

سعید بن منصور اور ابن ابی حاتم نے حضرت سعد بن معاذ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ (ا) ارشاد فرمایا جو مجھے اذیت دیتا ہے اور ان لوگوں کو اپنے گھر میں جمع کرتا ہے جو مجھے اذیت دیتے ہیں ان سے میری طرف سے کون نبٹنے کے لیے تیار ہے؟ تو حضرت سعد بن معاذ نے کہا اگر وہ آدمی اوس خاندان سے تعلق رکھتا ہے تو ہم اسے قتل کر دیں گے اور اگر ہمارا خزرجی بھائی ہے آپ حکم دیں گے تو ہم آپ کی اطاعت کریں گے۔ تو حضرت سعد بن عبادہ نے کہا اے ابن معاذ یہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نہیں، تم اچھی طرح جانتے ہو وہ تمہارے خاندان سے تعلق نہیں رکھتا۔ تو حضرت اسید بن حضیر نے کہا اے ابن عبادہ تو منافق ہے اور منافقین سے محبت کرتا ہے۔ محمد بن مسلمہ کھڑے ہوئے، کہا سب خاموش ہو جاؤ کیونکہ ہمارے درمیان رسول اللہ ﷺ موجود ہیں، وہ ہمیں حکم دیں گے، آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ امام احمد نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عربوں کی ایک جماعت مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو مدینہ طیبہ اور اس کی چراگاہوں کی وباء نے واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا تو وہ واپس چلے گئے۔ جب وہ مدینہ طیبہ سے باہر نکلے تو انہیں صحابہ کرام کی ایک جماعت ملی۔ ان واپس جانے والوں سے پوچھا کیا وجہ ہے؟ تم واپس جا رہے ہو۔ انہوں نے کہا ہمیں مدینہ طیبہ کی بیماری (ب) نے آ لیا۔ صحابہ نے پوچھا کیا تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اسوہ نہیں ہے (یعنی آپ تو ہجرت کے بعد یہیں مقیم رہے)۔ بعض صحابہ نے کہا یہ

1۔ صحیح بخاری:3975 (فکر)

(ا) ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا تمہاری اس آدمی کے بارے میں کیا رائے ہے جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے درمیان جھگڑا پیدا کرنا چاہتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کی برائی کرتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت کا اعلان کر دیا ہے۔ پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت کی جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ کی برأت میں نازل فرمائیں۔ از مؤلف رحمہ اللہ

(ب) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ شہر طیبہ ہے۔ یہ خبیث کو یوں نکال دیتا ہے جیسے آگ چاندی کی میل کچیل نکال دیتی ہے۔

لوٹنے والے منافق ہیں اور بعض نے کہا منافق نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ اس کی سند میں تدلیس اور انقطاع ہے۔

امام بغوی نے کہا مجاہد نے کہا وہ ایک ایسی قوم تھی جو مدینہ طیبہ کی طرف گئی، اسلام قبول کیا۔ پھر مرتد ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ سے مکہ مکرمہ جانے کی اجازت طلب کی تا کہ سامان لے آئیں اور یہاں تجارت کریں۔ وہ مدینہ طیبہ سے چلے گئے اور مکہ مکرمہ میں ہی مقیم ہوگئے۔ مسلمان ان کے بارے میں اختلاف کا شکار ہو گئے۔ بعض نے کہا وہ منافق ہیں۔ بعض نے کہا وہ مومن ہیں۔ بعض نے کہا وہ قریش کے افراد تھے جو مدینہ طیبہ آئے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ پھر وہ شرمندہ ہوئے اور سیر کرتے ہوئے مدینہ طیبہ سے باہر نکل آئے، یہاں تک کہ مدینہ طیبہ سے بہت دور چلے گئے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف خط لکھا ہم اسی ایمان پر قائم ہیں جس پر ہم آپ سے جدا ہوئے تھے۔ لیکن ہمارے پیٹ خراب ہو گئے اور اپنے علاقہ کی محبت نے ہمیں آلیا۔ پھر وہ تجارت کی غرض سے شام روانہ ہوئے جس کی خبر مسلمانوں کو ہوگئی۔ بعض صحابہ نے کہا ہم ان کی طرف جاتے ہیں، ان کے ساتھ جنگ کریں گے اور ان کے مال چھین لیں گے کیونکہ انہوں نے ہمارے دین سے ارتداد اختیار کیا۔ ایک طائفہ نے کہا تم ایسی قوم سے کیسے جنگ کر سکتے ہو جو تمہارے دین پر قائم ہے اور ان میں صرف یہ نقص ہے کہ انہوں نے اپنے گھر نہیں چھوڑے (1) تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ بعض نے کہا یہ ایسی قوم تھی جو مکہ مکرمہ میں مسلمان ہوئے اور انہوں نے ہجرت نہ کی وہ مشرکین کی مدد کرتے تھے۔

۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں کفر کی طرف لوٹا دیا۔ رکس کا اصل معنی کسی شے کو الٹا کر دینا۔

۳۔ یعنی جس کے باعث مرتد ہوئے اور دار الحرب چلے گئے۔

۴۔ یعنی تم انہیں ہدایت یافتہ قرار دیتے ہو جنہیں اللہ تعالیٰ نے گمراہ قرار دیا۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور بندہ اپنے افعال کا سبب ہے۔

۵۔ یعنی جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کے لئے حق کی طرف جانے والا راستہ۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾

"وہ دوست رکھتے ہیں اگر تم بھی کفر کرنے لگو جیسے انہوں نے کفر کیا تا کہ تم سب یکساں ہو جاؤ۔۱ پس نہ بناؤ تم ان سے اپنے دوست یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اللہ کی راہ میں ۲۔ پس اگر وہ (ہجرت سے) منہ موڑیں تو پکڑ لو انہیں ۳ اور قتل کرو انہیں جہاں کہیں پاؤ ان کو ۴ اور نہ بناؤ ان سے (کسی کو) اپنا دوست اور نہ مددگار ۵"

۱۔ وہ لوگ جو کفر کی طرف لوٹ گئے تھے۔ انہوں نے آرزو کی کاش تم بھی کفر کرتے۔ یہاں لو لیت کے معنی میں ہے۔ تکفرون یہ وداد کے معنی میں ہے۔ کما کفروا تم اسی طرح کفر کرتے جس طرح انہوں نے کفر کیا۔ سواء یعنی تم ان کے ساتھ گمراہی میں برابر ہو جاتے۔ اس کا عطف تکفرون پر ہے اگر فتکونون کو تمنی کے جواب کی وجہ سے نصب دی جائے تو نحوی قاعدہ کی بناء پر یہ جائز ہے، لیکن یہاں ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ مصحف میں ایسے نہیں آیا۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 120 (علمیہ)

[2] ایسے لوگوں کے ساتھ دوستی اختیار کرنے سے منع کر دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ ایمان لانے کے بعد ہجرت کریں، مصائب پر صابر ہوں اور ثواب کے خواہشمند ہوں۔ ان کے پیش نظر کوئی دنیاوی غرض نہ ہو۔ عکرمہ نے کہا ہجرت کی تین صورتیں ہیں (1) ابتداء اسلام میں مومنین کی ہجرت (2) مجاہدین کی ہجرت وہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہاد کے لیے نکلیں جب کے مصائب پر صبر کریں اور آخرت میں ثواب کے طالب ہوں (3) اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کیا مومنوں کا ان کو چھوڑ دینا۔

[3] اگر وہ ایمان سے منہ موڑ لیں یا ایمان لانے کے بعد ہجرت سے روگردانی کریں تو انہیں قیدی بنالو کیونکہ ان دنوں ہجرت فرض تھی۔

[4] جس طرح تم کافروں کے ساتھ سلوک کرتے ہو اسی طرح جہاں انہیں پاؤ انہیں قتل کر دو۔

[5] ان کے ساتھ دوستی اختیار کرنے سے روکنے کے لیے نہی کو مکرر ذکر کیا ہے تاکہ حکم میں تاکید آئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے پہلی نہی اس لیے تھی کہ انہیں پکڑنے سے پہلے دوست نہ بنایا جائے اور یہ نہی انہیں پکڑنے کے بعد دوستی اختیار کرنے کے بارے میں ہے۔ اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ کفار سے مدد طلب کرنا جائز نہیں۔ امام زہری نے ذکر کیا کہ انصار نے نبی کریم ﷺ سے اس وقت اجازت چاہی تھی جب عبد اللہ بن ابی احد سے لوٹ آیا تھا کہ ہم اپنے یہودی حلیفوں سے مدد حاصل کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ضرورت کی مدد کی ہمیں ضرورت نہیں۔

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿٩٠﴾

"مگر ان کو (قتل نہ کرو) جو تعلق رکھتے ہیں[1] اس قوم سے کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ ہے[2] یا آ گئے ہوں تمہارے پاس[3] اس حال میں کہ تنگ ہو چکے ہوں ان کے سینے[4] کہ جنگ کریں تم سے[5] یا جنگ کریں اپنی قوم سے[6] اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو مسلط کر دیتا انہیں تم پر تو وہ ضرور لڑتے تم سے[7] پھر اگر وہ کنارہ کر لیں تم سے[8] اور نہ جنگ کریں تمہارے ساتھ اور بھیجیں تمہاری طرف صلح (کا پیغام)[9] تو نہیں بنائی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان پر (زیادتی کرنے کی) راہ[10]"

[1] إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ یہ فخذوهم واقتلوهم سے مستثنیٰ ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان جملہ معترضہ لانا کیسے درست ہو سکتا ہے جبکہ جملہ معترضہ کا استثناء میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ہم یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان لا تتخذوا یہ قتل کی تاکید کے لیے ہے۔ گویا کلام یوں کی گئی ہے انہیں قتل کر دو اور دوستی اور مدد کے لالچ میں ان کے قتل کو ترک نہ کرو۔ معنی یہ ہوگا مگر وہ لوگ جو پہنچ جائیں اور مل جائیں اس قوم سے۔

[2] بغوی نے کہا یہ بنو اسلم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہلال بن عویمر اسلمی کے ساتھ معاہدہ ہوا تھا جبکہ وہ مکہ مکرمہ کی طرف گیا کہ وہ حضور ﷺ کی مدد نہیں کرے گا اور آپ کے خلاف کسی اور کی بھی مدد نہیں کرے گا اور ہلال کی قوم کا جو فرد اس کی پناہ میں آیا یا کسی

اور قوم کا فرد اس کی پناہ کا طالب ہو تو اس کے لیے اس طرح پناہ ہوگی جس طرح ہلال کے لیے پناہ ہے (1) ابن ابی حاتم نے مجاہد سے اس طرح نقل کیا ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ سراقہ بن مالک مدلجی نے انہیں بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ اہل بدر اور اہل احد پر غالب رہے اور ارد گرد کے لوگ مسلمان ہونے لگے تو سراقہ نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی کہ حضور ﷺ حضرت خالد بن ولید کو میری قوم بنی مدلج کی طرف بھیجنا چاہتے ہیں میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی میں آپ کو احسان کا واسطہ دیتا ہوں، مجھے یہ خبر پہنچی کہ آپ خالد بن ولید کو میری قوم کے پاس بھیجنا چاہتے ہیں۔ میں ارادہ کرتا ہوں کہ آپ ان سے معاہدہ کر لیں۔ اگر آپ کی قوم مسلمان ہوگئی تو یہ قوم بھی مسلمان ہو جائیگی۔ اگر آپ کی قوم مسلمان نہ ہوئی تو ان سے کوئی اندیشہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد کا ہاتھ پکڑا، فرمایا ان کے ساتھ جاؤ جو مناسب سمجھو ان کے ساتھ معاملہ کرو۔ حضرت خالد بن ولید نے ان کے ساتھ اس بات پر صلح کی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی کی مدد نہ کریں گے۔ اگر قریش مسلمان ہو گئے تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جو آدمی بھی ان کے پاس پہنچ جاتا تو وہ بھی ان کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ پر سمجھا جاتا (2) ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا کہ یہ آیت ہلال بن عویمر اسلمی، سراقہ بن مالک مدلجی اور بنی خزیمہ بن عامر بن عبد مناف کے حق میں نازل ہوئی۔ ضحاک نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ وہ بنو بکر بن زید ہیں جن کی مسلمانوں سے صلح تھی۔ مقاتل نے کہا یہ بنی خزاعہ ہیں۔

سے اس کا عطف الذین کے صلہ پر ہے یا اس کا عطف قوم کی صفت پر ہے۔ پہلا قول زیادہ واضح ہے کیونکہ آگے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ کیونکہ ان سے قتال نہ کرنے کا حکم ان کے الگ تھلگ ہونے کی وجہ سے ہے، غیر جانبداروں کے ساتھ ملنے کی وجہ سے نہیں۔

ﷺ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ یہ قد کے مضمر ہونے کے ساتھ حال ہے یا یہ جاءو کم کا بیان ہے ایک قول یہ کیا گیا یہ محذوف کی صفت ہے تقدیر کلام یوں ہوگی جَآءُوْكُمْ قَوْمٌ حَصِرَتْ۔ معنی یہ ہوگا ان کے دل تنگ پڑ گئے۔

ﷺ ان مصدر یہ سے پہلے عن حرف جار یا لام حرف جار یا کراہت کا لفظ محذوف ہے۔

ﷺ یعنی ان کے دل اس معاہدہ کی وجہ سے جنگ سے تنگ پڑ گئے جو تمہارے اور ان کے درمیان موجود ہے۔ اسی وجہ سے وہ تمہارے ساتھ ہو کر قریش کے ساتھ جنگ کرنے سے بھی رک گئے۔ یہ بنو مدلج ہیں۔ انہوں نے یہ معاہدہ کیا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں سے اور قریش دونوں سے یہ معاہدہ کیا کہ ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے اللہ تعالیٰ نے مرتدین کے ساتھ اس صورت میں جنگ کرنے سے منع کر دیا۔ جب وہ ایک ایسی قوم کے پاس پہنچ جائیں جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے کیونکہ جو ایسی قوم کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے تو اس کا حکم بھی وہی ہوتا ہے جو معاہدہ والی قوم کا تھا کیونکہ ان کے ساتھ جنگ معاہدہ والے لوگوں کے ساتھ جنگ ہوگی جو جائز نہیں۔

ﷺ یعنی ان کے دلوں سے تمہارا رعب ختم کر دیا جاتا اور وہ تم سے اپنے ہاتھ نہ روکتے فقتل پر لام مفتوح اس امر پر تنبیہ کے لیے ہے کہ یہ مستقل جواب ہے۔ مجموعا ایک جواب نہیں کیونکہ غلبہ جنگ کو مستلزم نہیں بلکہ غلبہ کے بعد باہم قتال اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے اس آیت میں اس احسان کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر کیا کہ ان کے دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔

8۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے الگ ہو جائیں۔

9۔ یہاں سلم سے مراد صلح اور اطاعت ہے

10۔ یعنی انہیں پکڑنے اور قتل کرنے کی کوئی راہ نہیں چھوڑی اس طریق سے مراد ان کے قتل کا مباح ہونا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 23-122 (قر) 2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 342 (علمیہ)

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَ يَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَ يُلْقُوْۤا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَ يَكُفُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَ اُولٰٓىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾

"تم پاؤ گے چند اور لوگ جو چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور امن میں رہیں اپنی قوم سے (لیکن) جب بھی پھیرے جاتے ہیں فتنہ کی طرف تو منہ کے بل گر پڑتے ہیں اس میں سو اگر نہ کنارہ کریں تم سے نہ بھیجیں تمہاری طرف صلح (کا پیغام) اور نہ روک لیں اپنے ہاتھ تو پکڑ لو انہیں اور قتل کرو انہیں جہاں تم پاؤ انہیں اور یہی لوگ ہیں کہ دیا ہے ہم نے تمہیں ان پر کھلا اختیار [1]"

[1] اخرین قوما کی صفت ہے یعنی تم ایسی قوم کو پاؤ گے جو تمہیں اور اپنے آپ کو امن میں رکھنا چاہتی ہے تو ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کرو۔ کلبی نے ابو صالح سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ وہ بنو اسد اور بنو غطفان ہیں۔ یہ مدینہ طیبہ میں آئے، دکھاوے کے مسلمان بن گئے۔ جب ان میں سے کسی کو اس کی قوم کا آدمی ملتا اور پوچھتا تو کیوں مسلمان ہوا تو جواب میں کہتا میں اس بندر بچھو پر ایمان لایا (یعنی ان کی معصیت سے محفوظ ہونا چاہتا تھا وہ اشارہ مسلمانوں کی طرف کرتا)۔

جب رسول اللہ ﷺ صحابہ سے ملتے تو کہتے ہم تمہارے دین پر ہیں یہ قول کرنے کا مقصد دونوں جماعتوں سے محفوظ ہونا تھا(1) لیکن ان کی حالت یہ تھی جب بھی انہیں کفر اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی دعوت دی جاتی تو اس میں شامل ہو جاتے اگر ایسے لوگ تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے باز نہ آئیں اور تمہاری صلح کی دعوت پر لبیک نہ کہیں اور اپنے ہاتھوں کو جنگ سے نہ روکیں تو انہیں جہاں پاؤ قتل کر دو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں واضح حکم دے رکھا ہے کیونکہ ان کی دشمنی ظاہر ہو چکی ہے اور کفر، دھوکہ اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کا حال عیاں ہو چکا ہے۔

امام بغوی نے کہا عیاش بن ربیعہ مخزومی ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اسلام قبول کیا، پھر اسے خوف لاحق ہوا کہ اس کا اسلام اس کے گھر والوں پر ظاہر ہو جائیگا۔ وہ بھاگ کر مدینہ طیبہ چلا گیا اور اپنے قلعہ میں محصور ہو گیا۔ اس کی والدہ اس کی وجہ سے سخت پریشان ہو گئی۔ اپنے دونوں بیٹوں حارث اور ابوجہل کو کہا جو دونوں والدہ کی طرف سے بھائی تھے اللہ کی قسم میں کسی مکان میں داخل ہونگی نہ کچھ کھاؤں پیوں گی، یہاں تک کہ تم اسے میرے پاس لے آؤ۔ دونوں اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ حارث بن زید بن ابی انیسہ بھی ان کے ساتھ ہو لیا، یہاں تک کہ وہ مدینہ طیبہ آئے۔ پھر وہ عیاش کے پاس پہنچے، جبکہ وہ ایک گڑھی میں قلعہ بند تھا دونوں نے کہا نیچے آجا کیونکہ تیری والدہ تیرے بعد کمرے میں داخل نہیں ہوئی۔ اس نے قسم اٹھائی ہے کہ وہ کچھ کھائے گی نہ کچھ پیے گی یہاں تک کہ تو واپس آجائے۔ ہمارا تمہارے ساتھ وعدہ ہے کہ ہم تجھے کسی چیز پر مجبور نہ کریں گے اور تیرے اور تیرے دین کے درمیان حائل نہیں ہونگے۔ جب انہوں نے اس کی ماں کے اضطراب کا ذکر کیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ کیا وہ نیچے اتر آیا۔ اسے مدینہ سے نکال لے گئے اور اسے تانت سے باندھ لیا اور ہر ایک نے اسے سو کوڑے مارے۔ پھر اسے ماں کے پاس

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 124 (فکر)

لے آئے۔ جب وہ ماں کے پاس پہنچا تو ماں نے کہا میں اس وقت تک تجھے اس تو ہڑ سے آزاد نہیں کروں گی جب تک تو ایمان سے انکار نہیں کرے گا پھر اسے اسی طرح جکڑا دھوپ میں پھینک دیا۔ وہ اسی طرح پڑا رہا جتنی دیر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ پھر عیاش نے ان کے سامنے وہ قول کر دیا جو ان کا مطالبہ تھا۔ حارث بن زید اس کے پاس آیا کیا یہ وہ دین تھا جس کو تو نے اپنایا، اللہ کی قسم اگر وہ ہدایت تھا تو تو نے ہدایت کو چھوڑ دیا، اگر وہ گمراہی تھا تو تو گمراہی پر رہا۔ عیاش اس کی گفتگو پر غضبناک ہو گیا۔ کہا اللہ کی قسم میں جب تجھے تنہا ملوں گا میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اس کے بعد عیاش پھر مسلمان ہو گیا، ہجرت کی۔ اس کے بعد حارث بن زید بھی مسلمان ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی۔ اس روز عیاش موجود نہیں تھا اور اس کے اسلام لانے کا بھی اسے علم نہ تھا۔ ایک روز عیاش قباء کے علاقہ میں گھوم پھر رہا تھا کہ حارث بن زید سے ملا اور اسے قتل کر دیا۔ لوگوں نے اسے کہا تجھ پر افسوس، تو نے کیا کر دیا، یہ تو مسلمان ہو چکا تھا عیاش رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی یا رسول اللہ آپ میرے اور حارث کے معاملہ سے آگاہ ہیں، مجھے اس کے اسلام قبول کرنے کا علم نہیں تھا۔ اب میں نے اس کو قتل کر دیا ہے(1)۔

ابن جریر نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ حارث بن زید ابو جہل کے ساتھ مل کر عیاش بن ابی ربیعہ کو اذیتیں دیتا تھا پھر حارث نے نبی کریم ﷺ کی طرف ہجرت کی اسے عیاش حرہ کے مقام پر ملا اور تلوار سے قتل کر دیا گمان یہ تھا کہ ابھی تک وہ کافر ہے پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو خبر دی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔(2)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

"اور نہیں (جائز) کسی مومن کے لیے کہ قتل کرے کسی مومن کو [1] مگر غلطی سے [2] اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو غلطی سے [3] تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) آزاد کرے مسلمان غلام [4] اور خون بہا [5] ادا کرے مقتول کے گھر والوں کو [6] مگر یہ کہ وہ خود ہی (خون بہا) معاف کر دیں [7] پھر اگر ہو (مقتول) اس قوم سے جو دشمن ہے تمہاری [8] لیکن وہ (مقتول) خود مومن ہو (قاتل) آزاد کرے ایک مسلمان غلام [9] اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ ہو چکا ہے تمہارے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ تو (قاتل) خون بہا دے دے اس کے گھر والوں کو [10] اور آزاد کرے ایک مسلمان غلام [11] تو جو شخص غلام نہ پا سکے تو روزے رکھے دو ماہ لگاتار [12] (اس گناہ کی) توبہ اللہ کی طرف سے [13] (یہی مقرر ہے) اور ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا [14]"

[1] کسی مومن کا یہ حق نہیں کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کرے۔ امام بغوی نے سابقہ روایت کی طرح مجاہد اور سدی سے بھی نقل کیا ہے۔ ابن اسحاق ابو یعلیٰ حارث بن ابی اسامہ نے قاسم بن محمد سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے،

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 125 (فکر) 2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 344 (علمیہ)

انہوں نے حضرت ابن عباس سے اسی کو مثل روایت کیا ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ مومن اس حیثیت سے کہ وہ مومن ہے، اس کے لیے یہ زیبا نہیں کہ اس سے ناحق قتل کا فعل سرزد ہو نہ اس سے فعل سرزد ہوتا ہے اور نہ سرزد ہونا چاہیے کیونکہ یہ عمل اس کے دین کے اہم ممنوعات میں سے ہے۔ اس کا ایمان بھی اس سے مانع ہے۔ یہ جملہ مومن کے ہاتھ سے مومن کے قتل نہ ہونے کی خبر دے رہا ہے۔ مقصود قتل نہ کرنے میں مبالغہ کا اظہار ہے۔ گویا جس نے مومن کو ناحق قتل کر دیا اس کا ایمان کمال نقص کی وجہ سے ایمان نہ ہونے کے مقام تک پہنچ گیا۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا بھی یہی معنی ہے۔ لَا يَقْتُلُ حِيْنَ يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ جب وہ کسی ناحق کو قتل کرتا ہے تو وہ حالت ایمان میں قتل نہیں کرتا[1] اسے امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ صحاح میں ہے جب کوئی چیز کسی دوسری چیز کے لیے وصف لازم ہو اور اس سے کم ہی جدا ہوتی ہو وہاں کَانَ کا استعمال ہوتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا، وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا۔ اسی طرح جب کوئی چیز دوسری چیز سے عموماً جدا رہتی ہو جس کا حصول نادر ہو یا حصول ہوتا ہی نہ ہو وہاں مَا كَانَ کا استعمال ہوتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ جبکہ اللہ تعالیٰ نے یوم احد کو قتل اور شکست کے ذریعے عذاب دیا جب شیطان نے ان کے بعض اعمال کے باعث پھسلا دیا۔ وہ عمل حضور ﷺ کی نافرمانی تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ نفی ہے، تاہم معنی نہی کا دے گی، جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا یعنی تم رسول اللہ کو اذیت نہ دو اور آپ کے بعد کبھی بھی آپ کی ازواج سے نکاح نہ کرو۔

سے اِلَّا خَطَـًٔا یہ حال ہونے، مفعول لہ ہونے یا مفعول مطلق ہونے کے اعتبار سے منصوب ہے۔ تینوں تاویلوں کی بناء پر معنی یہ ہوگا کسی حال میں بھی قتل نہ کرے، مگر خطا کی حالت میں، کسی مقصد کے لیے بھی نہیں مگر خطا کی وجہ سے اور کوئی قتل نہ کرے مگر قتل خطا۔ یہ استثناء مفرغ (۱) ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ لمومن سے مستثنیٰ ہو۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ اس صورت میں پسندیدہ اعراب جر ہے جبکہ تمام قراء اس کو منصوب پڑھنے پر متفق ہیں۔

جواب: جب مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان زیادہ فاصلہ آ جائے تو مستثنیٰ پر نصب پڑھنا پسندیدہ ہے۔ اس کی وضاحت شہید نے کی اور رضی نے اس کی موافقت کی ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ مستثنیٰ منقطع ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ان یقتل قتل عمد پر دلالت کرتا ہے جو افعال اختیاریہ کی شان ہے۔ سابقہ حکم میں قتل خطا داخل نہیں پھر معنی یہ ہوگا لیکن اگر وہ خطاً قتل کرے تو اس کی جزا یہ ہوگی۔

سے قتل کی دو قسمیں ہیں قتل عمد، قتل خطا۔ ہم نے قتل عمد کے ضمن میں مختلف اقوال، قصاص کا حکم، مال کا واجب ہونا اور قصاص کی کیفیت سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ کی تفسیر کے ضمن میں ذکر کر دی ہے۔ وہاں صرف یہ بات رہ گئی تھی کہ کیا اس میں کفارہ واجب ہوگا یا نہیں۔

امام ابو حنیفہ اور امام مالک کی رائے یہ ہے کہ کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ امام شافعی کا قول ہے واجب ہوگا۔ امام احمد سے دو روایتیں مروی ہیں جو دوسرے ائمہ سے اوپر مذکور ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا جب اس آیت سے قتل خطا میں کفارہ واجب ہوتا ہے تو قتل عمد کی صورت میں بدرجہ اولیٰ کفارہ واجب ہوگا۔

1۔ صحیح بخاری: 6424 (ابن کثیر)

(۱) کلام منفی ہوتی ہے۔ مستثنیٰ منہ محذوف ہوتا ہے اور مستثنیٰ کو قول کے مطابق اعراب دیا جاتا ہے۔

حضرت واثلہ بن اسقع سے روایت ہے کہ ہم اپنے ایک ساتھی کے ساتھ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے جو قتل کی وجہ سے جہنم کا مستحق بن چکا تھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کرو اس غلام کے ہر عضو کے عوض اس کے اعضاء جہنم کی آگ سے آزاد ہو جائیں گے (1) امام رافعی نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔

ہم کہتے ہیں حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ میں صرف استوجب (مستحق ہوا) ہے۔ انہوں نے النار بالقتل قتل کے ساتھ آگ کا ذکر نہیں کیا۔ اس لیے یہ دلیل نہیں بن سکتا۔ دلالۃ النص سے حکم لگانا ممنوع ہے کیونکہ قتل عمد گناہ کبیرہ ہے۔ کفارہ کے ساتھ پاکیزگی ممکن نہیں۔ اگر حکم ایسے ہی ہو تو پھر قتل عمد کا دروازہ کھل جائے گا۔ قتل خطا کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ یہ احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے نافرمانی اور مباح چیز کے درمیان گھومنے والا ہے (خطاً کوئی بھی کام کیا جائے اس پر مؤاخذہ نہیں ہوتا) اس لیے وہ امر جو عبادت اور عقوبت کے درمیان گھومنے والا ہو اس کے ساتھ پاک ہونا ممکن ہے۔ یہی وہ فرق ہے جو یمین غموس اور یمین منعقدہ میں کفارہ کے واجب ہونے کے اعتبار سے موجود ہے یمین غموس میں کفارہ نہیں اور یمین منعقدہ میں کفارہ ہے۔ یہ ہمارا نقطہ (1) نظر ہے۔

قتل خطا کی کئی قسمیں ہیں۔ انہیں سے ایک شبہ بالعمد ہے۔ اس قسم کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا جب ایسی چیز کے ساتھ کسی انسان کو ارادۃً قتل کیا جائے جو قتل کرنے کے لیے نہ بنائی گئی ہو۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا ایسی چیز کے ساتھ عمداً قتل کرنا جس سے وہ عموماً بچ جاتا ہے۔

امام شافعی نے فرمایا عمداً ایسی ضرب لگانا جس سے عموماً مضروب نہیں مرتا۔ لیکن وہ اس ضرب سے مر گیا جیسے کسی نے دوسرے فرد کو ایک یا دو ڈنڈے مارے اور وہ مر گیا تو یہ بالاتفاق شبہ بالعمد ہوگا۔ جس نے کسی کو چھوٹے ڈنڈے سے مارا اور لگاتار مارتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو وہ امام شافعی کے نزدیک قتل عمد ہوگا اور احناف کے نزدیک شبہ بالعمد ہوگا۔

جس نے کسی کو بڑے پتھر یا بڑی لکڑی سے مارا جس سے وہ بچتا نہ ہو تو یہ سب کے نزدیک قتل عمد ہوگا، جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک شبہ بالعمد ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا اس میں قصاص نہیں ہوگا۔ اگرچہ وہ جبل ابوقبیس بھی اٹھا کر اسے مار دے۔ قتل کی وہ صورت جو جان تلف کرنے میں قتل عمد شمار ہوتا ہے اعضاء میں بالاجماع وہ عمد ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ قتل خطا شبہ عمد کوڑے اور لاٹھی سے قتل کرنا ہے اس استدلال کی دلیل آگے آئے گی کہ سوط اور عصا کا لفظ چھوٹے اور بڑے دونوں کو عام ہے۔ جمہور علماء نے کہا عصا کا لفظ عرف میں چھوٹے کوڑے پر ہی بولا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

خطا کی قسموں میں سے دوسری قسم یہ ہے کہ ارادہ میں غلطی کر جائے۔ وہ یہ ہے کہ وہ شکار گمان کرتے ہوئے کسی انسان کو تیر

1۔ معرفۃ السنن والآثار از بیہقی: 16444 (العلمیہ)

(1) قتل عمد اور یمین غموس میں کفارہ واجب نہ ہونے کی دلیل وہ روایت بھی ہے جیسے ابن ابی شیبہ، امام بخاری، امام مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملا کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا، اس نے اپنے مال کی زکوۃ خوش دلی سے دی ہو، اس نے (امیر کے) حکم کو سنا اور اس کی اطاعت کی اس کے لئے جنت ہے۔ پانچ چیزوں میں کفارہ نہیں: ناحق کسی کو قتل کرنا، مومن پر بہتان باندھنا، میدان جنگ سے بھاگ جانا، ناحق مال لینے کے لئے قسم اٹھانا۔ از مؤلف رحمہ اللہ۔ پانچویں کا آپ نے ذکر نہیں کیا۔ مترجم

مارے یا کسی مسلمان کو حربی گمان کرتے ہوئے تیر مارے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ فعل میں خطا کرے کہ وہ کسی ٹارگٹ کو تیر مارے اور وہ مومن کو جا لگے۔ چوتھی صورت یہ ہے جو خطاء کے قائم مقام ہے جیسے کوئی آدمی سویا ہوا ہو اور کسی مومن پر کروٹ بدلے اور اسے قتل کر دے۔ پانچویں صورت قتل بالسبب ہے جیسے کوئی آدمی غیر کی ملکیت میں گڑھا کھودتا ہے یا پتھر رکھ دیتا ہے۔ ان تمام اقسام میں حکم ایک ہی ہے کہ بالا جماع دیت قوم پر واجب ہوگی کیونکہ یہ ایسا قتل ہے جس میں قصاص واجب نہیں ہوتا۔ اس لیے معصوم جان کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے دیت واجب ہوگی۔ نیز تمام قسموں میں کفارہ قتل کرنے والے پر واجب ہوگا اور قاتل مقتول کی وراثت سے محروم ہوگا۔ مگر امام ابوحنیفہ نے قتل بالسبب میں اختلاف کیا ہے کیونکہ آپ کے نزدیک یہ حقیقت میں قتل نہیں کیونکہ قتل بدن میں تصرف کرنا ہے جو نہیں پایا گیا۔ یہ تصرف انسانی بدن کے علاوہ ایک اور چیز میں پایا گیا۔ جمہور علماء کی دلیل یہ ہے کہ شرع نے اسے قاتل کے قائم مقام رکھا ہے۔ اس لیے دیت واجب ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً یہ عام ہے اور کفارہ کے وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔

فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ اس آیت کا اقتضاء یہ ہے کہ دیت قتل میں کبھی واجب ہوتی ہے اور کبھی واجب نہیں ہوتی۔ کفارہ کا معاملہ اس سے مختلف ہے کیونکہ یہ ہر صورت میں واجب ہوتا ہے۔ نیز کفارہ گناہ دور کرنے کے لیے ہے کیونکہ یہ قول کرتا کہ جب کوئی سویا ہوا انسان کسی دوسرے شخص پر کروٹ بدلے اور اسے مار ڈالے تو اس پر کفارہ واجب ہوگا، جبکہ حضور ﷺ نے فرمایا تین افراد پر کوئی باز پرس نہیں، کوئی آدمی سویا ہوا ہو جب تک بیدار نہ ہو جائے۔ دوسری طرف ایک آدمی کسی غیر کی ملکیت میں ظلم کرتے ہوئے گڑھا کھودے اور اس میں کوئی مومن گر کر مر جائے اور اس پر کفارہ واجب نہ ہو یہ پسندیدہ نہیں۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ سے ایک قول مروی ہے کہ شبہ بالعمد میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ کفایہ جو ہدایہ کی شرح ہے، میں مذکور ہے کہ جرجانی نے کہا کہ ہمارے اصحاب سے ایک روایت مروی ہے کہ شبہ عمد میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ (1)

میں کہتا ہوں یہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ قصاص قتل کا آلہ نہ ہونے کی وجہ سے ساقط ہوا۔ رہی معصیت تو وہ اس وقت کامل ہوتی ہے جب مومن کو قتل کرنے کا ارادہ کیا جائے۔ جب ارادہ ہو تو وہ گناہ کبیرہ ہے بلکہ یہ تلوار یا ایسی چیز کے ساتھ قتل کرنے سے بھی زیادہ قبیح ہے۔ کیا تم جانتے نہیں کہ جس آدمی پر قصاص واجب ہو جائے اسے تلوار کے ساتھ ہی قتل کرنا جائز ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان واجب کیا ہے۔ جب تم کسی کو قتل کرو تو اچھی طرح کرو جب ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو۔ چاہیے کہ ذبح کرنے والا اپنی چھری کو تیز کرے اور ذبیحہ کو آرام پہنچائے (2) اسے امام احمد، امام مسلم اور سنن اربعہ کے اصحاب نے شداد بن اوس کی روایت سے ذکر کیا۔

تحریر رقبۃ ترکیب کلام میں مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی فَجَزَاؤُهٗ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ. تحریر سے مراد آزاد کرنا ہے۔ حر کا معنی عمدہ شے ہے۔ قاموس میں ہے حر ہر شے کی بہترین چیز کو کہتے ہیں (3) اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ آزاد میں کرم اور خیر ہوتا ہے۔

رقبہ سے مراد جان ہے، جس طرح جان کو راس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تحریر رقبۃ کا لفظ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ رقبہ میں کامل ہو۔ اس لیے

1۔ الہدایہ اخیرین، جلد 1، صفحہ 562 (شرکت)
2۔ جامع ترمذی، 1409 (علمیہ)
3۔ القاموس المحیط، جلد 1، صفحہ 531 (التراث العربی)

ام ولد کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ پہلے ہی آزادی کی مستحق بن چکی ہے اور اس کی بیع جائز نہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ام ولد کو اس کے بچے نے آزاد کر دیا ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ کے نزدیک مدبر کو کفارہ کے طور پر آزاد کرنا جائز نہیں اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مدبر کی بیع جائز نہیں، جبکہ امام شافعی کے نزدیک اس کی بیع جائز ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ مکاتب جس نے مال نہ دیا ہو اسے کفارہ کے طور پر آزاد کرنا جائز ہے کیونکہ مکاتبہ کا معاہدہ دونوں کی رضامندی سے ختم بھی ہو سکتا ہے، جبکہ امام شافعی کے نزدیک ایسا مکاتب بھی آزاد کرنا جائز نہیں جس طرح وہ مکاتب آزاد کرنا جائز نہیں جس نے کچھ مال دے دیا ہو۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ مجنون، نابینا، گونگا اور بہرہ غلام جو کچھ بھی نہ سنتا ہو، جس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوں جس کے دونوں پاؤں کٹے ہوں یا ایک سمت سے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں تو اسے کفارہ کے طور پر آزاد کرنا جائز نہیں کیونکہ منفعت مطلق فوت ہو تو وہ نہ ہونے کی طرح ہوتا ہے۔

اگر مختلف سمتوں سے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں یا کانا ہو، آنکھیں بھی نہ کھلتی ہوں، برص کا مریض ہو یا آشوب چشم کا مریض ہو تو اس کو کفارہ کے طور پر آزاد کرنا جائز ہے۔ یہ ناقص المنفعت ہے، مکمل ناکارہ نہیں۔ عنین، خصی اور مقطوع الذکر کو آزاد کرنا جائز ہے کیونکہ غلاموں میں اس صلاحیت کا ہونا اصل غرض سے زائد ہے۔ اسی طرح وہ لونڈی جیسے رتقاء (شرمگاہ میں بڑھی ہوئی ہڈی والی) اور قرناء (بدمعاش) کو آزاد کرنا جائز ہوتا ہے کیونکہ خدمت لینے کی صلاحیت اس میں موجود ہوتی ہے۔

مسئلہ: کفارہ کے واجب ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ قاتل عاقل، بالغ اور مسلمان ہو کیونکہ کفارہ عبادت ہے، اس میں بھی وہ چیزیں شرط ہوں گی جو تمام عبادتوں میں شرط ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا ان میں سے کوئی بھی شرط نہیں۔ وہ کفارہ کو اموال کی ضمانت پر قیاس کرتے ہیں جس طرح دیت ہوتی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ قیاس مع الفارق (1) ہے۔

مسئلہ: امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک کفارہ میں یہ شرط ہے کہ غلام کی آزادی اپنے اختیار سے ہو۔ اگر اس نے اپنے والد کو کفارہ ادا کرنے کے لیے خریدا تو آپ کے نزدیک کفارہ کی ادائیگی نہ ہو گی۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک کفارہ کی نیت کو ایسے سبب کے ساتھ ملانا جائز ہے جو آزادی کا موجب ہو۔ اس لیے آپ کا قول یہ ہے جب اس آدمی نے اپنے قریبی رشتہ دار کو خریدتے وقت کفارہ کی نیت کی تو یہ جائز ہو گا۔ اسی طرح جب اسے قریبی رشتہ دار ہبہ کیا جا رہا تھا یا اس کے لیے وصیت کی جا رہی تھی تو اس نے کفارہ کی نیت کر لی تو یہ بھی جائز ہو گا۔ اگر قاتل باپ یا بیٹے کا وارث بنا اور وارث بنتے وقت اس نے کفارہ کی نیت کر لی تو تمام ائمہ کے نزدیک یہ جائز نہ ہو گا۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کفارہ قتل میں مومن غلام کو آزاد کرنا شرط ہے۔ وہ اس نص سے استدلال کرتے ہیں جبکہ قسم، ظہار اور روزے کے کفارہ میں شرط نہیں۔ لیکن اس میں یہ کافی ہے کہ اس پر مسلمان ہونے کا حکم لگایا گیا ہو مثلاً اگر اسے چھوٹی عمر میں آزاد کیا گیا اور اس کے والدین میں سے ایک مسلمان تھا تو یہ جائز ہو گا۔

ابن منذر، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے مومنہ سے مراد وہ غلام ہے جو ایمان کی سمجھ بوجھ رکھتا

---

(1) یہ اصول فقہ کی اصطلاح ہے۔ جب ایک چیز کو دوسری چیز پر قیاس کیا جائے اور مجتہد کے نزدیک دونوں میں علت ایک جیسی نہ ہو تو اسے قیاس مع الفارق کا نام دیتے ہیں۔

ہو روزہ رکھے اور نماز پڑھتا ہو اور قرآن حکیم میں جہاں غلام کی صفت مومنہ نہیں ہے اس سے مراد تو مولود اور اس سے بڑا ہے(1) عبدالرزاق نے قتادہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابی بن کعب کی روایت میں یہ بھی ہے۔

بچے اس میں بچہ جائز نہیں۔

ﮦ اس کا عطف تحریر رقبہ پر ہے، یعنی اس کی جزاء دیت ہے۔ قاموس میں ہے دیت دال کے کسرہ کے ساتھ ہے، یہ مقتول کا حق ہے(2) یہ مقدار اور جس پر واجب ہے اس کے بارے میں مجمل ہے، اسے نبی کریم ﷺ نے واضح کیا ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ کے نزدیک دیت عاقلہ (۱) پر واجب ہوتی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قاتل بھی برادری میں شامل ہوگا، جبکہ امام شافعی کے نزدیک قاتل پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔ عاقلہ پر دیت کا وجوب اگرچہ کتاب اللہ سے ظاہر میں مستنبط نہیں لیکن سنت مشہورہ اور اجماع سے ثابت ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حذیل کی دو عورتیں لڑ پڑیں۔ ایک نے دوسری کو پتھر مارا اور عورت اور اس کے پیٹ میں موجود بچے کو مار ڈالا، تو رسول اللہ ﷺ نے جنین کی دیت غلام یا لونڈی اور عورت کی دیت قبیلہ پر لازم کی(3) ایک اور حدیث میں یوں بھی آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتولہ عورت کی دیت قاتلہ کے قبیلہ اور رحم میں موجود بچے کی دیت ایک غلام مقرر کی۔ اخبار آحاد اجماع کی مدد سے حکم میں نص کتاب جیسی قوی ہو جاتی ہیں۔ امام بیہقی نے امام شافعی کے واسطہ سے روایت کیا ہے ہم نے اہل علم میں یہ عام پایا ہے کہ جب کوئی آزاد مسلمان کسی دوسرے آزاد کو غلطی سے قتل کر دے تو حضور ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ قاتل کے قبیلہ پر سو اونٹ لازم ہوں گے۔ ان میں یہ بھی اجماعی مسئلہ ہے کہ یہ دیت تین سال میں مکمل کرنا ہوگی اور ہر سال میں تیسرا حصہ ہوگی(4) بیہقی ابن لہیعہ کے واسطہ سے یحییٰ بن سعید سے۔ انہوں نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ سنت یہ ہے کہ دیت تین سال میں مکمل کی جائے۔

امام شافعی سے جو بیان کیا گیا ہے وہ اجماع کا فائدہ دیتا ہے۔ امام ترمذی نے اپنی جامع اور ابن منذر نے روایت کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق اور بیہقی نے امام شعبی کے واسطہ سے حضرت عمر سے روایت کیا ہے، جبکہ یہ منقطع ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکمل دیت تین سال، نصف دیت دو سال اور نصف سے کم ایک سال میں ادا کرنے کا حکم دیا(5) امام بیہقی نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یزید بن ابی حبیب کی روایت سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے اور اس میں ابن لہیعہ ہے۔

مسئلہ: ارادہ کے ساتھ قتل کرنے کی صورت میں صلح یا بعض وارثوں کے معاف کرنے کی صورت میں جو مال لازم ہوتا ہے وہ قبیلہ پر واجب نہیں ہوتا بلکہ وہ قاتل کے مال میں واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح قتل کے اقرار کی صورت میں جو مال لازم ہوتا ہے وہ بھی عاقلہ پر واجب نہیں ہوتا۔ اسی طرح غلام کے قتل کی صورت میں بھی عاقلہ پر دیت واجب نہیں ہوتی، خواہ غلام قاتل ہو یا مقتول ہو، سب مال قتل کرنے والے کے اپنے مال میں لازم ہوگا۔ دار قطنی اور طبرانی شامیین کی مسند میں عبادہ بن صامت کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ معترف پر لازم ہونے والی دیت میں سے کچھ بھی عاقلہ پر لازم نہ کرو(6) اس کی سند ضعیف ہے۔ اس سند میں محمد بن سعید کذاب ہے اور حارث بن نبہان منکر الحدیث ہے۔ دار قطنی اور بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوف روایت

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 345 (علمیہ)　2۔ القاموس المحیط، جلد 2، صفحہ 758
3۔ معرفۃ السنن والآثار: 16327 (الوفاء)　4۔ ایضاً: 16307 (الوفاء)　5۔ ایضاً: 16308 (الوفاء)
6۔ سنن الدار قطنی، جلد 3، صفحہ 178 (محاسن)　(۱) قبیلہ، برادری یا جو جماعت اس کی حمایت کرے۔

نقل کی ہے غلام، ارادۃً، صلح اور اعتراف کی صورت میں عاقلہ پر دیت لازم نہ ہوگی(1) یہ روایت منقطع ہے، اس کی سند میں عبد الملک بن حسین ہے جو ضعیف ہے۔ محفوظ حدیث عامر عن شعبی سے مروی ہے۔ امام بیہقی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ عاقلہ قتل عمد، صلح، اقرار اور غلام کے قتل کرنے کی صورت میں دیت کی ذمہ دار نہ ہوگی(2) موطا میں امام زہری سے مروی ہے طریقہ یہی چلتا آ رہا ہے کہ عاقلہ اس میں سے کسی چیز کی ذمہ دار نہ ہوگی(3) بیہقی نے ابو الزناد سے، انہوں نے مدینہ طیبہ کے فقہاء سے یہی روایت کی ہے۔

مسئلہ: امام شافعی کے نزدیک عاقلہ سے مراد قبیلہ اور والد کی طرف سے نسبی رشتہ دار ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک محکمہ والے (اہل دیوان) اگر وہ ملازم نہ ہوتو پھر قبیلہ قریبی پہلے پھر بعد والے ملائے جائیں گے۔ آزاد شدہ غلام کی عاقلہ آزاد کرنے والے کی عاقلہ ہو گی جن کا آپس میں معاہدہ ہو کہ جان و مال ایک جیسا ہے تو اس کی عاقلہ معاہد اور اس کی عاقلہ ہوگی۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک سال میں ایک آدمی پر چار درہم سے زیادہ لازم نہیں کیے جائیں گے۔ آپ سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ تین سالوں میں چار سے زائد درہم لازم نہیں کیے جائیں گے۔

مسئلہ: جس قاتل کی عاقلہ نہ ہو تو مقتول کی دیت بیت المال سے ادا کی جائیگی۔

دیت کی مقدار میں فصل

مسئلہ: شبہ عمد میں مقتول کی دیت، دیت مغلظہ ہوگی۔ قتل عمد کی صورت میں اگر کسی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے تو بھی دیت مغلظہ واجب ہوگی۔ شبہ عمد میں قاتل کو قتل نہ کیا جائیگا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شیطان نے لوگوں میں فتنہ و فساد پیدا کر دیا۔ فتنہ اور اسلحہ کے بغیر اندھا دھند پتھر برسائے گئے(4) امام احمد نے عمرو بن شعیب کی حدیث روایت کی ہے، وہ اپنے باپ اور وہ دادا سے روایت کرتے ہیں قتل خطا کی دوسری صورتوں میں دیت مخففہ ہے دیت مغلظہ صرف اونٹوں میں متحقق ہوتی ہے یہ امر توقیفی ہے اس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں احناف میں سے شیخین کے نزدیک دیت مغلظہ اس طرح ہے کہ سو اونٹوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا جائیگا پچیس بنت مخاض (ا) پچیس بنت لبون (ب) پچیس حقہ (ج) اور پچیس جذعہ (د) ہوں گے۔ جبکہ امام محمد، امام شافعی اور دوسرے ائمہ کے نزدیک تیس جذعہ تیس حقہ اور چالیس ثنیہ ہوں گے (ھ) سارے کے سارے چالیس اپنے پیٹوں میں بچے بھی رکھتے ہوں۔

امام شافعی اور ان کے ہمنواؤں نے حضرت عبد اللہ بن عمرو کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار قتل شبہ عمد میں (جو درے اور عصا کے ساتھ قتل کیا جائے) دیت سو اونٹ ہیں، ان میں سے چالیس ایسے ہوں جن کی رحموں میں بچے بھی ہوں(5) اسے امام احمد، ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا۔ امام ترمذی اور ابن ماجہ نے عمرو بن شعیب کی حدیث سے روایت کیا، وہ اپنے باپ، وہ اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں جس نے دوسرے کو جان بوجھ کر قتل کیا اسے مقتول کے اولیاء کے سپرد کر دیا جائیگا، اگر چاہیں تو اسے قتل کر دیں، اگر چاہیں تو دیت لے لیں۔ تیس حقہ، تیس جذعہ اور

1۔ سنن کبریٰ بیہقی، جلد 8، صفحہ 104 (فکر)
2۔ معرفۃ السنن والآثار: 16264 (الوفاء)
3۔ موطا امام مالک، صفحہ 675 (وزارت تعلیم)
4۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 224 (الاسلامی)
5۔ سنن نسائی، جلد 8، صفحہ 42 (البیان)

(ا) جو ایک سال کا ہو۔ (ب) جو دو سال کا ہو چکا ہو۔ (ج) جو تین سال کا ہو چکا ہو
(د) جو چار سال کا ہو چکا ہو۔ (ھ) جو پانچ سال کا ہو چکا ہو۔

چالیس ڈنڈے جو حاملہ ہوں(1) حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے خبردار دیت غلیظہ میں سو اونٹ ہیں، چالیس ڈنڈے جو حاملہ ہوں(2) اسے دار قطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں انقطاع ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ مومن کے قتل کی صورت میں سو اونٹ ہیں(3) اونٹنی جب حاملہ بھی جائے تو یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے پیٹ میں بچہ ہے۔ اگر یہ معلوم ہو بھی جائے تو حمل بھی من وجہ حیوان ہے اور وہ عنقریب الگ ہو کر باہر آنے والا ہے۔ گابھن اونٹنیاں لازم کرنے میں شرعی حکم سے زیادتی لازم آئیگی جو صرف سو اونٹ ہیں۔ یہ نص کے مقابلہ میں استدلال ہے، تاہم ظاہر یہ ہے کہ فی بطنها ولدها سے مراد اونٹنی کا بچے کے اہل ہونا ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ: دیت مخففہ کی صورت میں اونٹ پانچ حصوں میں تقسیم ہونگے۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک بیس جذعہ بیس حقہ بیس بنت لبون بیس بنت مخاض اور بیس ابن مخاض (نر) لازم ہونگے۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک صرف ابن مخاض کی جگہ ابن لبون ہیں امام ابوحنیفہ اور امام احمد کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام احمد، اصحاب سنن، بزار، دار قطنی اور بیہقی نے حجاج بن ارطام کی حدیث روایت کی ہے، انہوں نے زید بن جبیر سے، انہوں نے خشف بن مالک سے، انہوں نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قتل خطا کی دیت میں بیس بنت مخاض، بیس ابن مخاض، بیس بنت لبون، بیس حقہ اور بیس جزعہ لازم کیے(4) امام مالک اور امام شافعی نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جسے دار قطنی نے ابوعبیدہ سے روایت کیا کہ عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ قتل خطا کی دیت پانچ حصوں میں منقسم ہے بیس حقہ بیس جزعہ بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون اور بیس ابن لبون (مذکر)(5)

دار قطنی نے کہا اس کی سند حسن ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں۔ رہی خشف بن مالک کی حدیث وہ ضعیف ہے اور اہل معرفت کے نزدیک چندان وجوہ کی وجہ سے غیر ثابت ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ روایت اس حدیث کے مخالف ہے جسے ابوعبیدہ نے اپنے باپ سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، ابوعبیدہ اپنے باپ کی حدیث سے اور ان کے مذہب سے خشف بن مالک کی نسبت زیادہ آگاہ تھے اور عبداللہ بن مسعود اپنے رب سے زیادہ ڈرنے والے اور دین کے معاملہ میں زیادہ حریص تھے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ یہ روایت کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا اور پھر وہ اس روایت کے خلاف فتویٰ دیں اور کہا خشف ایک مجہول شخص ہے، اس سے صرف زید بن جبیر نے روایت کیا ہے۔ پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ زید سے حجاج بن ارطاۃ کے علاوہ کسی اور نے روایت کیا ہے، وہ ایک مدلس آدمی تھا پھر حجاج سے کئی لوگوں نے روایت کیا ہے اور مختلف انداز میں روایت کیا۔

ابن جوزی نے کہا دار قطنی کا قول اس کے معارض ہے کہ ابوعبیدہ نے اپنے باپ سے نہیں سنا تو ان کے لیے یہ کیسے جائز ہو گیا کہ وہ اس کے ذکر سے خاموش رہے اور ثقہ کے بارے میں یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ وہ مجہول ہے۔ محدثین کی یہ شرط کہ اس سے کم از کم دو راوی روایت کریں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ حافظ ابن حجر نے کہا بیہقی نے دار قطنی پر اعتراض کیا اور کہا دار قطنی کو غلطی لگی اور بہترین گھوڑے کو بھی کبھی ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ میں نے اس سے سفیان ثوری کی جامع میں منصور سے، انہوں نے ابراہیم سے، انہوں نے عبداللہ سے اسی طرح ابواسحق سے، وہ علقمہ سے، وہ عبداللہ سے، اسی طرح عبدالرحمن بن یزید بن ہارون سے، انہوں نے سلیمان تیمی سے، انہوں نے ابومجلز سے انہوں نے ابوعبیدہ سے، انہوں عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا، سب میں ابن مخاض کا ذکر ہے۔

1۔ جامع ترمذی: 1387 (علمیہ)　2۔ سنن الدار قطنی، جلد 3، صفحہ 173 (محاسن)　3۔ مصابیح السنۃ: 583 (علمیہ)
4۔ جامع ترمذی: 1386 (علمیہ)　5۔ سنن الدار قطنی، جلد 3، صفحہ 172 (محاسن)

مسئلہ: سونے میں دیت ہزار دینار اور چاندی میں بارہ ہزار درہم ہے۔ یہ امام احمد کا نقطہ نظر ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا دس ہزار درہم ہے۔ امام شافعی نے کہا دیت میں اصل اونٹ ہیں، اگر اونٹ ناپید ہو جائیں تو دونوں قولوں کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ ایک یہ ہے ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم، دوسرا یہ ہے کہ دیت پر قبضہ کے وقت اونٹوں کی قیمت کا اندازہ لگایا جائیگا، کم ہو جائے یا زیادہ۔

دیت میں ہزار دینار، یہ ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کی روایت سے ثابت ہے، جس کو ہم عنقریب ذکر کریں گے اور چاندی میں دیت حضرت ابن عباس کی حضور ﷺ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے بارہ ہزار درہم کا حکم ارشاد فرمایا۔(1) اسے اصحاب سنن نے عکرمہ کی حدیث سے روایت کیا۔ اس کی سند میں عمرو بن دینار پر اختلاف ہو گیا۔ محمد بن مسلم طائفی نے عمرو بن دینار سے، انہوں نے عکرمہ سے، انہوں نے ابن عباس سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا۔ سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے، انہوں نے عکرمہ سے مرسل روایت نقل کی ہے۔ عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ مرسل زیادہ صحیح ہے۔ ابن حزم نے کہا ابن عیینہ کے مشہور شاگردوں نے اسی طرح روایت کیا۔

امام ابو حنیفہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں درہم کا وزن چھ دانگ تھا، جبکہ فاروق اعظم کے دور میں درہم سات دانگ کا ہو گیا۔ اس طرح بارہ ہزار درہم فاروق اعظم کے دور کے دس ہزار درہم کے برابر ہو جاتے ہیں۔

امام شافعی کے قول کی دلیل عمرو بن شعیب کی حدیث ہے جو وہ اپنے باپ سے اور وہ دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ دیہاتیوں میں اونٹ کی قیمت کا اعتبار کرتے تھے، جب اس کی قیمت زیادہ ہو جاتی تو دیت بڑھا دیتے، جب اونٹ کی قیمت کم ہو جاتی تو آپ دیت میں کمی کر دیتے۔(2) اسے امام شافعی نے مسلم سے، انہوں نے ابن جریج سے، انہوں نے عمرو بن شعیب سے نقل کیا ہے۔ نیز اسے ابو داؤد اور نسائی نے محمد بن راشد کی حدیث سے روایت کیا ہے، وہ سلیمان بن موسیٰ سے، وہ عمرو بن شعیب سے، وہ اپنے باپ سے اور وہ دادا سے نقل کرتے ہیں۔

مسئلہ: جمہور علماء کے نزدیک انہیں تین اقسام سے دیت ادا کی جائیگی۔ امام ابو یوسف امام محمد اور امام احمد کے نزدیک ان تین اقسام کے علاوہ دو سو گائیں یا دو ہزار بھیڑ بکریاں، دو سو جوڑے کپڑے اور ہر جوڑا دو کپڑوں پر مشتمل ہو کیونکہ عطاء نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے مالک پر سو اونٹ، گائے کے مالکوں پر دو سو گائیں، بھیڑ بکریوں کے مالکوں پر دو ہزار بھیڑ بکریاں اور حلوں کے مالکوں پر دو سو حلے(1) لازم کیے(3) اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔ ابن جوزی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے اور اس کے بارے میں طعن سے خاموش رہے۔ ابو داؤد نے اسے مرسلاً عطاء سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح فیصلہ کیا۔

مسئلہ: جان کے اتلاف سے کم میں عمومی دیت ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے وہ اپنے باپ سے، وہ دادا سے روایت کرتے ہیں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کو خط لکھا۔ جس میں یہ تحریر تھا جس نے کسی مومن کو ناحق قتل کیا اس سے قصاص لیا جائیگا مگر اس صورت میں کہ مقتول کے اولیاء راضی ہو جائیں۔ اس میں یہ بھی تحریر ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائیگا۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ انسان کی دیت سو اونٹ ہے سونے کے مالکوں پر ایک ہزار دینار ناک کاٹ دینے میں مکمل دیت، سارے دانت توڑنے میں مکمل دیت، دونوں ہونٹوں میں مکمل دیت، خصیتین میں مکمل دیت، آلۂ تناسل میں مکمل دیت، ریڑھ کی ہڈی توڑنے میں مکمل دیت، دونوں

1۔ جامع ترمذی: 1388 (علیمیہ) 2۔ سنن نسائی، جلد 8، صفحہ 43 (الریان)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 269 (وزارت تعلیم) (1) کپڑوں کا جوڑا

آنکھیں پھوڑ دینے میں مکمل دیت اور دونوں ہاتھ کاٹ دینے میں مکمل دیت، ایک ہاتھ میں پچاس اونٹ، دونوں پاؤں میں مکمل دیت، ایک پاؤں میں نصف دیت، وہ زخم جو دماغ کی جھلی تک پہنچ جائے اس میں دیت کا تیسرا حصہ، وہ زخم جو پیٹ تک پہنچ جائے اس میں دیت کا تیسرا حصہ، وہ زخم جو ہڈی کو اپنی جگہ سے ہلا دے اس میں پندرہ اونٹ، ہاتھ اور پاؤں کی ہر انگلی میں دس اونٹ، ایک دانت میں پانچ اونٹ(1) اسے نسائی اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ امام مالک کی روایت میں ایک آنکھ ضائع کرنے میں پچاس اونٹ، وہ زخم جو ہڈی کو ظاہر کردے میں پانچ اونٹ ہیں۔ علماء حدیث نے اس حدیث کی صحت میں اختلاف کیا ہے۔ ابوداؤد نے مراسیل میں کہا اس حدیث کو مسند ذکر کیا گیا۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ حاکم' ابن حبان اور بیہقی نے اسے صحیح قرار دیا۔ امام احمد سے نقل کیا گیا کہ میں امید کرتا ہوں کہ یہ صحیح ہو، ائمہ کی جماعت نے اس حدیث کو مذکورہ مکتوب کی شہرت کی وجہ سے صحیح قرار دیا ہے، اس کی سند کی وجہ سے صحیح قرار نہیں دیا۔

امام شافعی نے اپنی کتاب رسالہ میں فرمایا کہ علماء نے اس حدیث کو اس وقت تک قبول نہ کیا، یہاں تک کہ ثابت ہو گیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا مکتوب ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا اہل سیر کے نزدیک یہ مکتوب مشہور ہے۔ اس میں جو کچھ ہے اہل علم کے نزدیک اتنا معروف ہے کہ اپنی شہرت کی وجہ سے سند سے مستغنی ہو گیا کیونکہ یہ روایت معنی متواتر کے مشابہ ہے کیونکہ لوگوں نے اسے قبول کیا اور اسے پہچانا۔ امام حاکم نے کہا حضرت عمر بن عبدالعزیز اور وقت کے امام زہری نے اس مکتوب کے صحیح ہونے کا قول کیا ہے پھر ان دونوں تک سند کو ذکر کیا عبدالرزاق نے اپنی سند سے سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیٹ تک پہنچنے والے زخم کے بارے میں کل دیت کے تیسرے حصے کا فیصلہ کیا(2) ابن ابی شیبہ نے اسی طرح روایت کیا۔ دار قطنی نے زید بن ثابت سے ہاشمہ(ا) میں موقوف روایت نقل کی ہے کہ اس میں دس اونٹ ہوں گے(3) عبدالرزاق اور بیہقی نے ان سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ تاہم مرفوع ذکر کیا جو صحیح نہیں۔ ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے ابن ابی اسحاق سے، انہوں نے مکحول سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہڈی ظاہر کرنے والے زخم میں پانچ اونٹ لازم کیے، اس سے کم میں کوئی چیز معین نہیں فرمائی۔ عبدالرزاق نے اپنے شیخ سے، انہوں نے حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موضحہ (ب) سے کم میں کوئی چیز معین نہیں کی(4) اسے امام بیہقی نے ابن شہاب' ربیعہ' ابوالزناد اور اسحاق بن ابی طلحہ سے مرسل روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کو برابر قرار دیا ہے، فرمایا دانت برابر ہیں، وہ ظاہر والے دانت حکم میں داڑھوں جیسے ہیں یہ اور یہ برابر ہیں(5) اسے ابوداؤد اور بزار نے مکمل روایت کیا۔ ابن ماجہ نے مختصر نقل کیا ہے۔ ابن حبان نے روایت کیا صحیح بخاری میں یہ اور یہ برابر ہیں یعنی چھوٹی انگلی اور انگوٹھا۔ ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ نے عمرو بن شعیب کی حدیث انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے دادا سے یوں نقل کی ہے کہ انگلیاں اور دانت برابر ہیں، ہر انگلی میں دس اونٹ اور ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں۔ ابن ابی شیبہ نے ابو خالد سے، انہوں نے عوف سے نقل کیا ہے کہ میں نے حجاج کے دور میں ایک شیخ سے سنا جس کا نام ابو مہلب تھا جو میرے والد کے چچا تھے کہ حضرت فاروق اعظم کے زمانہ میں ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو سر میں پتھر مارا جس کی وجہ سے اس کی قوت سماعت' عقل' زبان اور آلۂ تناسل بے کار ہو گئے۔ وہ اپنی بیوی سے حقوق

1۔ سنن نسائی، جلد 8، صفحہ 58 (الریان) 2۔ مصنف عبدالرزاق: 17619 (المجلس)

3۔ معرفۃ السنن والآثار: 16084 (الوفاء) 4۔ ایضاً: 16085 (الوفاء)

5۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 217 (وزارت تعلیم)

(ا) ایسی ضرب جو ہڈی کو توڑ دے (ب) ایسا زخم جو ہڈی کو ظاہر کر دے۔

زوجیت ادا نہیں کرسکتا تھا۔ حضرت فاروق اعظم نے اس میں چار دیتوں کو لازم کیا جبکہ وہ ابھی زندہ تھا۔

مسئلہ: جب عورت قتل ہو جائے یا زخمی ہو جائے اور اس قتل میں دیت لازم ہو جائے تو مرد کی دیت کا نصف لازم ہوگی۔ امام شافعی نے کہا دیت کے تیسرے حصے سے کم میں نصف کا حکم جاری نہیں کیا جائیگا۔ پھر امام شافعی نے جمہور کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ امام شافعی نے محمد بن حسن سے، انہوں نے امام ابوحنیفہ سے، انہوں نے حماد سے، انہوں نے ابراہیم نخعی سے، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قتل اور زخم کی صورت میں عورت کی دیت مرد کا نصف ہوگی۔ سعید بن منصور نے زکریا اور دوسرے محدثین سے، انہوں نے امام شعبی سے انہوں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عورتوں کے زخم کی دیت مردوں سے نصف ہوگی، مرد میں دیت تھوڑی ہو۔ یا زیادہ ہو امام بغوی نے حضرت علی بن جعد سے، انہوں نے شعبہ سے، انہوں نے حکم سے انہوں نے شعبی سے انہوں نے زید بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ مردوں اور عورتوں کی دیت کل دیت کے تیسرے حصہ تک برابر ہوگی، اس سے زائد میں عورت کی دیت مرد سے نصف ہوگی۔ ابن مسعود نے کہا مگر دانت اور موضحہ زخم میں کیونکہ ان میں مرد اور عورت برابر ہیں۔ حضرت علی شیر خدا نے فرمایا نصف ہوگی۔ سعید بن منصور نے ہشیم سے، انہوں نے مغیرہ سے، انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے حضرت عمر سے روایت کیا ہے کہ چھوٹی انگلی اور انگوٹھا برابر ہیں کیونکہ عورتوں اور مردوں کے زخم دانتوں اور موضحہ میں برابر ہوتے ہیں، ان کے علاوہ عورتوں کی دیت مردوں سے نصف ہوگی۔ امام بیہقی نے سفیان سے، انہوں نے جابر سے، انہوں نے شعبی سے، انہوں نے شریح سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے خط لکھا اور اسی کی مثل ذکر کیا۔ امام نسائی نے اسماعیل بن عیاش کی روایت نقل کی، انہوں نے ابن جریج سے، انہوں نے عمرو بن شعیب سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے دادا سے روایت کیا ہے کہ عورت کی تیسرے حصے تک دیت مرد کے برابر ہوگی، اس سے اوپر نصف ہو گی(1) امام مالک نے حضرت زید ابن ثابت، حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور ان کے ساتھ موافقت کرنے والوں کا قول لیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا امام مالک ذکر کرتے تھے کہ یہ سنت ہے، اس لیے میں آپ کی پیروی کرتا تھا، حالانکہ میرے دل میں کچھ شبہ رہتا تھا۔ پھر مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ ان کے نزدیک سنت سے مراد اہل مدینہ کا طریقہ ہے تو میں نے اس قول سے رجوع کر لیا۔ حضرت علی شیر خدا کا قول امام شعبی کے نزدیک سب سے پسندیدہ تھا۔ جمہور نے اسی کو اپنایا کیونکہ عورت کی حالت مرد سے ناقص ہے۔ اس کی منفعت مرد کی منفعت سے کم ہے۔ جب جان کے اتلاف میں بالاتفاق نصف دیت لازم کرنے میں نقصان کا اثر ظاہر ہو چکا ہے، اسی طرح عورت کے اطراف و اجزاء میں بھی یہی حکم ہوگا، انہیں تیسرے حصہ سے اوپر پر قیاس کریں گے اور نصف کا حکم لگائیں گے۔

مسئلہ: غلام کی دیت اس کی قیمت اور لونڈی کی دیت اس کی قیمت ہوگی، خواہ وہ کس حد تک پہنچ جائے۔ یہ امام شافعی اور امام ابو یوسف کا نقطہ نظر ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول ہے مگر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب غلام کی قیمت بارہ ہزار درہم یا اس سے زائد ہو جائے اور لونڈی کی قیمت پانچ ہزار درہم یا اس سے زائد ہو جائے تو دس ہزار اور پانچ ہزار میں سے دس درہم کم کر دیے جائیں گے۔ غلام کے زخم کی دیت اس کی قیمت کے حساب سے ہوگی جس طرح مرد کے زخم کی دیت اس کی دیت کے حساب سے ہوتی ہے۔ امام

1۔ سنن نسائی، جلد 8، صفحہ 45 (الحدیث)

بیہقی نے حضرت عمر اور حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ دونوں نے اس آزاد کے بارے میں کہا جس نے غلام کو قتل کر دیا تھا کہ آزاد پر غلام کی قیمت ہوگی، خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو جائے۔ عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے غلام میں اس کی قیمت یوں ہی لازم کی ہے جس طرح آزاد میں (ا) دیت (1) اس روایت میں انقطاع ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علی سے روایت کیا ہے۔ امام شافعی نے صحیح سند کے ساتھ زہری سے روایت کیا ہے کہ غلاموں کے زخموں کی دیت اس کی قیمت کے تناسب سے جس طرح آزاد کے زخموں کی دیت اس کی دیت کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

امام ابوحنیفہ کے قول کی دلیل یہ ہے دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ یہ آزاد اور غلام دونوں کو عام ہے۔ اسی وجہ سے غلام کو قتل کرنے میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔ غلام کو خطاً قتل کرنے سے جو چیز واجب ہوتی ہے، وہ آدمی ہونے کی حیثیت سے دیت اور اس کے نفس کی ضمان ہے۔ اس لیے یہ جائز نہیں کہ وہ آزاد کی دیت سے زائد یا اس کے مساوی ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ وہ آزاد کی دیت سے کم ہو۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ آزاد عورت کی دیت مکمل انسان ہوتے کے باوجود آزاد مرد کے مقابلہ میں کم ہے تو غلام کی دیت بدرجہ اولی کم ہونی چاہیے کیونکہ وہ ایک اعتبار سے آدمی اور دوسرے اعتبار سے مال ہے۔ اگر ایک آدمی نے غلام غصب کیا جس کی قیمت بیس ہزار درہم ہے وہ غلام غاصب کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا تو بالا تفاق اس کی مکمل قیمت واجب ہوگی، خواہ کتنی ہی مقدار تک پہنچ جائے کیونکہ غصب کی ضمانت مال کے مقابلہ میں ہوتی ہے۔ اس میں کسی اور چیز کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

مسئلہ: جب کوئی غلام خطاء جنایت کرے تو اس کے آقا کو کہا جائیگا یا تو یہ غلام جنایت کے بدلے میں دے یا اس کا فدیہ دے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالی نے کہا غلام کی جنایت غلام کے ذمہ ہوگی۔ اس جنایت میں اس غلام کو بیچا جائیگا مگر جب آقا جنایت کا تاوان ادا کر دے تو بیچنے کی ضرورت نہیں۔ اس اختلاف کا ثمرہ اس وقت ظاہر ہوگا کہ جنایت کے بعد اگر آقا اس غلام کو آزاد کر دے تو کیا غلام سے حق کا مطالبہ کیا جائیگا یا آقا سے مطالبہ کیا جائیگا۔ امام شافعی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ آزادی کے بعد غلام سے مطالبہ کیا جائیگا آقا سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ نے کہا اگر آقا نے غلام کی جنایت جاننے کے بعد غلام کو آزاد کیا تو جنایت کا تاوان لازم ہوگا، اگر اس کی جنایت جاننے سے پہلے آزاد کیا تو آقا پر دیت اور غلام کی قیمت میں سے جو کم ہوگی وہ اس پر واجب ہوگی۔

1۔ جو مقتول کے ورثاء کو دی جائے وہ اس کو ترکہ کی طرح تقسیم کریں گے، یعنی اس کی تجہیز و تکفین میں خرچ کریں گے۔ جو باقی بچے گا اس سے قرضے ادا کریں گے۔ پھر جو باقی بچے گا تو اس کے تیسرے حصے، یا اگر سب چاہیں تو زیادہ سے وصیتیں ادا کریں گے۔ جو باقی بچے گا اسے ورثاء میں تقسیم کر دیں گے۔

2۔ وارث دیت معاف کر دیں یا مقتول زخمی ہونے کے بعد قتل سے پہلے معاف کر دے۔ اللہ تعالی نے معاف کرنے کو صدقہ کے لفظ سے تعبیر کیا تاکہ لوگوں کو اس پر برانگیختہ کیا جائے۔ نیز معاف کرنے کی فضیلت پر آگاہ کیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نیکی صدقہ ہے (2) اسے امام بخاری نے حضرت جابر سے اور امام مسلم نے حذیفہ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ جو لوگ صدقہ قبول کرنا اس لیے پسند

1۔ مصنف عبدالرزاق:18150 (مجلس) 2۔ صحیح بخاری:5675 (ابن کثیر)

(ا) بعض صورتوں میں مکمل دیت، بعض زخموں میں دیت کا کچھ حصہ۔ اسی طرح غلام کے بارے میں حکم ہوگا، بعض صورتوں میں مکمل قیمت جیسے ناک، آنکھیں، کان مکمل ضائع ہو جائیں تو مکمل قیمت، بعض صورتوں میں قیمت کا کچھ حصہ۔

نہیں کرتے کہ یہ ہاتھوں کی میل کچیل ہے انہیں معافی کی صورت میں ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے اور کلام محذوف کے ساتھ متعلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی۔ وَاجِبَۃٌ عَلٰی عَاقِلَتِہٖ یا مسلمۃ کے ساتھ متعلق ہے، یعنی محل نصب میں ہے کیونکہ یہ عاقلہ سے یا اہل سے حال ہے یا یہ ظرف زمان ہے یعنی دیت عاقلہ پر واجب ہوگی، وہ کسی حال میں بھی ہوں مگر اس حالت میں کہ قاتل کے ورثاء ان پر صدقہ کر دیں یا یہ مقتول کے ورثاء کو ادا کی جائے گی، وہ کسی حال میں بھی ہوں مگر اس حالت میں کہ وہ عاقلہ پر صدقہ کر دیں یا وہ ہر زمان میں ادا کی جائیگی مگر جب وہ عاقلہ پر صدقہ کر دیں۔

۵ اگر مقتول تمہاری دشمن قوم سے ہو لفظ عدو واحد اور جمع پر بولا جاتا ہے۔

۶ تو جبکہ مقتول خود مومن ہو تو اس کی جزا مومن غلام کو آزاد کرنا ہے دیت لازم نہ ہوگی۔ علماء نے کہا اس کا معنی یہ ہے جب کوئی مسلمان دارالحرب میں ہو، اس نے اسلام لانے کے بعد ہماری طرف ہجرت نہ کی یا ہجرت تو کی پھر دارالحرب کی طرف مسلمان کی حیثیت سے لوٹ گیا، کسی مسلمان نے اسے خطأً قتل کر دیا تو اس کے قتل کی وجہ سے کفارہ واجب ہوگا کیونکہ وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے معصوم ہو چکا تھا اور اس کے قتل سے گناہ لازم آیا۔ دیت اس لیے واجب نہیں ہوگی کیونکہ دیت کو لازم کرنے والی عصمت دارالاسلام کی وجہ سے ہوتی ہے موجود نہیں۔ عاقلہ پر دیت اس لیے لازم ہے کیونکہ انہوں نے مقتول کی مدد نہیں کی دارالحرب میں ان کے لیے مدد کرنا ممکن نہیں تھا۔ ابن منذر نے جریر بن عبداللہ بجلی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مشرکین کے ساتھ مقیم رہا تو وہ ہمارے ذمہ سے فارغ ہے۔(1)

ایک قول یہ کیا گیا کہ جب مقتول مسلمان تھا اور وہ دارالاسلام میں تھا جس کا نسب کفار کی قوم سے تھا، جس کے رشتہ دار دارالحرب میں تھے، جو مسلمانوں سے برسر پیکار تھے، جس طرح حارث بن زید کا معاملہ تھا تو ایسے مقتول میں صرف ایک مومن غلام کو آزاد کرنا لازم ہوگا، اس میں دیت نہ ہوگی کیونکہ مسلمانوں اور مقتول کی قوم میں کوئی معاہدہ نہیں جس وجہ سے انہیں مسلمانوں پر کوئی چیز واجب کرنے کا کوئی حق نہیں۔ نیز مسلمان اور کافر کے درمیان کوئی وراثت جاری نہیں ہوتی۔ تاہم پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ جب مقتول کے وارث نہ ہوں تو اس کی دیت بیت المال میں جمع کرادی جاتی ہے۔ آیت کا عموم دوسرے قول کو راجح قرار دیتا ہے۔

۷ یعنی اگر مقتول کفار کی ایسی قوم سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو تو اس کی جزاء یہ ہے کہ دیت قاتل کی عاقلہ پر واجب ہوگی جو مقتول کے ورثاء کو ادا کی جائیگی۔ لیے اسی وقت متصور ہو سکتا ہے جب مقتول ذمی کافر یا ایسا کافر جس کے ساتھ معاہدہ ہو یا ایسا مسلمان جس کا مسلمان وارث ہو ورنہ اس کی دیت بیت المال میں جمع کرادی جائیگی۔

مدارک میں فرمایا اس میں اس امر پر دلیل ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت جیسی ہے۔ میں کہتا ہوں اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ دیت مجمل لفظ ہے جس کی وضاحت حضور ﷺ سے مختلف انداز میں آئی ہے، جس طرح ہم نے مرد اور عورت کی دیت آزاد اور غلام کی دیت میں فرق ذکر کیا ہے اسی طرح مسلمان اور کافر کی دیت میں اختلاف جائز ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ کے نزدیک مسلمان اور کافر کی دیت برابر ہے۔ امام مالک نے کہا کافر کوئی بھی ہو اس کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے، یعنی چھ ہزار درہم۔ امام شافعی نے فرمایا یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم، مجوسی اور بت پرست کی دیت آٹھ

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 347 (علمیہ)

سو درہم ہے۔ امام احمد نے فرمایا اگر قتل عمداً کیا جائے تو اس کی دیت مسلمان پر اپنے مال میں سے ہے اسی طرح ہو گی جس طرح مسلمان کی دیت ہوتی ہے۔ اگر خطاً قتل ہو جائے تو ان سے دو روایتیں ہیں جس طرح کتابی کے بارے میں امام مالک اور امام شافعی کے دو قول ہیں۔ آتش پرست اور بت پرست کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔

امام مالک نے عمرو بن شعیب کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو وہ اپنے باپ اور وہ دادا سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے روز خطاب فرمایا، حدیث طویل ہے، اس میں یہ بھی ہے مومن کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائیگا، کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے(1) ایک روایت میں یہ ہے معاہد کی دیت آزاد کی دیت کا نصف ہے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ امام ترمذی نے بھی اسی طرح روایت کیا۔ امام سیوطی نے کہا یہ روایت حسن ہے۔ امام احمد نے عمرو بن شعیب سے، انہوں نے اپنے باپ شعیب سے، انہوں نے عمرو کے دادا یعنی اپنے والد عبداللہ بن عمرو سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے دو طریقوں سے روایت کی ہے، ایک کے الفاظ یہ ہیں کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے، دوسرے کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ دونوں اہل کتاب یہودی، نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔

یہودی اور نصرانی کے بارے میں امام شافعی کے قول کی دلیل عمرو بن شعیب کی حدیث ہے جو اپنے باپ سے اور ان کے باپ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دیت آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی اور ان دنوں میں اہل کتاب کی دیت مسلمانوں کی دیت کا نصف تھی۔ یہ اسی طرح رہی یہاں تک کہ حضرت عمر خلیفہ بنے، آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، فرمایا اونٹ مہنگے ہو گئے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سونے کے مالکوں پر ایک ہزار دینار اور چاندی کے مالکوں پر بارہ ہزار درہم لازم کیے، گائے کے مالکوں پر دو سو گائیں، بھیڑ بکریوں کے مالکوں پر دو ہزار بکریاں اور کپڑوں کے مالکوں پر دو سو جوڑے لازم کیے۔ راوی نے کہا حضرت عمر نے ذمیوں کی دیت کو چھوڑ دیا اور اس میں اضافہ نہ کیا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔(2)

امام شافعی نے فضیل بن عیاض سے روایت کیا ہے، انہوں نے منصور بن معتمر سے، انہوں نے ثابت بن حداد سے، انہوں نے ابن مسیب سے، انہوں نے حضرت عمر سے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم کا فیصلہ کیا، مجوسی کی دیت میں آٹھ سو درہم کا فیصلہ کیا(3) دار قطنی نے اپنی سند سے سعید بن مسیب سے اسی طرح روایت کیا۔ امام بیہقی نے امام شافعی سے، انہوں نے سفیان سے، انہوں نے صدقہ بن یسار سے روایت کیا ہے کہ ہم نے صدقہ بن یسار کو حضرت سعید بن مسیب کی طرف بھیجا کہ آپ سے معاہد کی دیت کے بارے میں پوچھیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار ہزار درہم کا فیصلہ کیا۔ امام بیہقی اور دار قطنی نے حضرت عمر سے روایت کیا کہ آپ نے مجوسی کے متعلق چار سو درہم کا فیصلہ کیا(4) ابن حزم نے ایصال میں ابن لہیعہ کے واسطہ سے یزید بن حبیب سے، انہوں نے ابو الخیر سے، انہوں نے عقبہ بن عامر سے روایت کیا

1۔ جامع ترمذی: 1413 (علمیہ)
2۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 69-268 (وزارت تعلیم)
3۔ سنن الدار قطنی، جلد 3، صفحہ 146 (محاسن)
4۔ معرفۃ السنن والآثار: 16217 (الوفاء)

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے(1) امام طحاوی، ابن عدی اور بیہقی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس کی سند ابن لہیعہ کے واسطہ سے ضعیف ہے۔ عقبہ بن عامر نے کہا حضرت عثمان کی خلافت میں ایک آدمی نے شکاری کتے کو مارڈالا۔ کتوں میں اس جیسا کوئی نہ تھا۔ اس کتے کی قیمت آٹھ سو درہم لگائی گئی حضرت عثمان نے یہی قیمت ہلاک کرنے والے پر لازم کی۔ پس مجوسی کی دیت کتے کی قیمت بن گئی۔

امام بیہقی نے ابن لہیعہ کی سند سے، وہ یزید بن ابی حبیب سے، وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود مجوسی کی دیت کے بارے میں فرماتے تھے کہ اس کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت ہے(2) اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے۔ ہدایہ میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں معاہد کی دیت ایک ہزار دینار تھی(3) صاحب ہدایہ نے کہا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے اسی طرح فیصلہ کیا۔ میں کہتا ہوں حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث کو دار قطنی نے روایت کیا ہے اور کہا اس حدیث کو ابوبکر قرشی کے علاوہ حضرت نافع سے کسی نے بھی نقل نہیں کیا اور نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا، جبکہ ابوبکر قرشی نہدی متروک ہے اور کہا یہ حدیث باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔ ابن حبان نے بھی اسی طرح کہا کہ یہ روایت باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں یعنی یہ حضور ﷺ کا کلام نہیں اور ابوبکر قرشی کی روایت سے استدلال کرنا درست نہیں۔

دار قطنی نے اسامہ بن زید کی روایت نقل کی کہ حضور ﷺ نے معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر معین فرمائی(4) اور کہا اس سند میں عثمان بن عبدالرحمٰن وقاصی ہے جو متروک ہے۔ دار قطنی نے ابن عباس کی روایت بھی نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ نے عامر قبیلہ کے دو افراد کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر رکھی تھی(5) ابوبکر بن عیاش جو اس حدیث کا راوی ہے نے کہا یہ دونوں معاہد تھے۔ دار قطنی نے کہا اس سند میں ابوسعید سعید بن مرزبان بقال ہے یحییٰ نے کہا یہ کچھ بھی نہیں اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی تھی فلاس نے کہا یہ متروک ہے۔

جہاں تک حضرت عمر کے اثر کا تعلق ہے تو عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں رباح سے، انہوں نے عبداللہ سے، انہوں نے حمید سے، انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا کہ ایک یہودی بغیر ارادہ کے قتل کر دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے حق میں بارہ ہزار درہم کا فیصلہ کیا(6) اس کی سند میں رباح ضعیف ہے۔ امام طحاوی اور حاکم نے جعفر بن عبداللہ بن حکم کی حدیث روایت کی ہے کہ رفاعہ بن اشمول یہودی شام میں قتل کر دیا گیا۔ حضرت عمر نے اس کی دیت ایک ہزار دینار مقرر کی۔ امام ابوحنیفہ نے جن روایات سے استدلال کیا ہے امام احمد نے انہیں قتل عمد پر اور دوسرے علماء نے جن سے استدلال کیا انہیں قتل خطا پر محمول کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(1) اگر قاتل مومن غلام کا مالک ہو یا اس کے حاصل کرنے پر قادر ہو کیونکہ اس کے پاس رقم موجود ہے جو قرض اور ضروریات اصلیہ سے فارغ ہے تو قاتل کے مال میں سے آزاد کرنا ضروری ہے۔

(2) جو ایسے غلام پر قادر نہ ہو تو قاتل پر دو ماہ کے روزے لازم ہوں گے جو پے در پے رکھے جائیں، جس نے بغیر عذر کے دو ماہ کے روزوں

1۔ معرفۃ السنن والآثار: 16217 (الوفاء)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 128 (فکر)
3۔ ہدایہ اخیرین، صفحہ 586 (شرکت)
4۔ سنن الدار قطنی، جلد 3، صفحہ 145 (محاسن)
5۔ سنن الدار قطنی، جلد 3، صفحہ 71 (محاسن)
6۔ مصنف عبدالرزاق: 18495 (المجلس)

کے درمیان روزہ نہ رکھا یا نیت نہ کی یا کسی اور روزہ کی نیت کر لی تو تمام علماء کے نزدیک نئے سرے سے روزے رکھنے ہونگے کیونکہ کتاب اللہ متتابعین کا حکم ہے۔ اگر عورت نے حیض کیوجہ سے روزہ نہ رکھا تو بالاتفاق اس پر نئے سرے سے روزے رکھنا لازم نہ ہونگے، جس نے مرض یا سفر کے عذر کیوجہ سے روزہ نہ رکھا تو جمہور علماء کے نزدیک نئے سرے سے روزے لازم ہونگے، جبکہ امام شافعی کا ایک قول اس سے مختلف ہے۔ یہ آپ کا قدیمی قول ہے۔ ابن ابی حاتم نے مجاہد سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اگر وہ روزے رکھنے سے بھی عاجز آ گیا تو امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک کھانا کھلانا لازم نہیں ہوگا اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے صحیح قول یہی ہے۔ امام شافعی کے ایک قول اور امام احمد کے نزدیک ظہار پر قیاس کرتے ہوئے یہ جائز ہے(1) ابن ابی حاتم نے مجاہد سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ ایسا قیاس ہے جو قیاس مع الفارق ہے، یعنی ایسی علت موجود نہیں جو مقیس اور مقیس علیہ کو جمع کرنے والی ہو، نص اور آیت میں مذکور کل واجب ہے۔

؂ توبہ علت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یہ حکم اس لیے مشروع کیا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کرے، یا یہ مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ تَوْبَةً یا فَلْيَتُبْ تَوْبَةً یا اس کا مضاف محذوف ہے۔ اگر صیام کو ظرف کا فاعل بنایا جائے تو یہ صیام سے حال ہوگا یا ظرف میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہوگا اگر صیام کو مبتدا بنایا جائے۔ معنی یہ ہوگا اس پر دو ماہ کے روزے اور توبہ ہے مطلب یہ ہوگا روزے توبہ کی قبولیت کا سبب ہیں۔ آپ کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ بطور مدح اسے منصوب پڑھیں تو یہ صیام کی مدح کے طور پر منصوب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے توبہ بنایا۔

؂ من اللہ توبہ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ قاتل کی حالت کو جانتا ہے اور جو اس نے حکم دیا ہے وہ حکمت کے مطابق ہے۔

امام بغوی نے کہا کہ مقیس بن ضبابہ کندی اور اس کا بھائی ہشام مسلمان ہوئے۔ مقیس بن ضبابہ نے اپنے بھائی کو بنی نجار میں مقتول پایا۔ مقیس حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور صورتحال عرض کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ بنی فہر کا ایک آدمی بنی نجار کے پاس بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ اگر تم ہشام بن ضبابہ کے قاتل کو جانتے ہو تو اسے مقیس کے حوالے کر دو تا کہ یہ اس سے قصاص لے، اگر تم قاتل کو نہیں جانتے تو اسے دیت دو۔ فہری نے یہ پیغام بنی نجار تک پہنچایا۔ انہوں نے کہا ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کو سنا اور اس کی اطاعت کی۔ ہم اس کے قاتل کو نہیں جانتے مگر ہم اس کی دیت ادا کرتے ہیں۔ بنی نجار نے مقیس کو سو اونٹ دے دیئے۔ پھر وہ دونوں مدینہ طیبہ کی طرف لوٹ رہے تھے کہ شیطان مقیس کے پاس آیا۔ اس کے دل میں وسوسہ ڈالا کیا تو اپنے بھائی کے قتل کی دیت قبول کرتا ہے، جبکہ یہ تیرے لیے عار ہوگی، جو آدمی تیرے ساتھ ہے اس کو قتل کر دے۔ یہ جان کے بدلے جان ہو جائیگی اور دیت منافع ہوگی۔ فہری مقیس سے غافل ہوا تو مقیس نے فہری کو پتھر مارا اور اس کا سر پھاڑ دیا۔ پھر اونٹ پر سوار ہوا اور باقی اونٹوں کو ہانکا اور مرتد ہو کر مکہ مکرمہ لوٹ گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔(2)

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

"اور جو شخص قتل کرے کسی مومن کو ؂ جان بوجھ کر ؂ تو اس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اس میں ؂ اور غضب ناک

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 129 (فکر) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 30-129 (فکر)

ہوگا اللہ تعالیٰ اس پر اور اپنی رحمت سے دور کردے گا اسے اور تیار کر رکھا ہے اس نے اس کے لیے عذاب عظیم ہے"

لے جس نے مومن کے ایمان پر ناراض ہوتے ہوئے اور اس کے قتل کو حلال جانتے ہوئے اسے قتل کیا، جس طرح مقیس نے فہری کو قتل کیا۔

ے امام بغوی نے مقیس کا جو قصہ ذکر کیا ہے۔ اس کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے خلاف استدلال کرنا ممکن ہے کہ کسی بھاری چیز کے ساتھ قتل کرنا بھی قتل عمد کی قسم ہے جبکہ امام ابوحنیفہ نے اسے شبہ عمد قرار دیا۔

امام ابوحنیفہ کی طرف سے جرجانی کی روایت کے مطابق یہ جواب ممکن ہے کہ شبہ عمد کا گناہ کے اعتبار سے وہی حکم ہے جو قتل عمد کا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا اس کا کوئی کفارہ نہیں ہوتا۔ یہ قصاص کے ساقط ہونے میں قتل عمد کے خلاف ہے کیونکہ آلہ کے اعتبار سے عمد نہیں بلکہ شبہ عمد ہے۔ اس آیت کا مقتضی گناہ ہے قصاص نہیں۔

فائدہ: امام بغوی نے کہا مقیس بن ضبابہ وہی شخص ہے جسے حضور ﷺ نے عام امان سے مستثنیٰ قرار دیا۔ اسی وجہ سے اسے اس وقت قتل کر دیا گیا جب وہ کعبہ شریف کے پردوں کے ساتھ لپٹا ہوا تھا۔(1)

ابن جریر نے ابن جریج کی سند سے عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ ایک انصاری نے مقیس بن ضبابہ کے بھائی کو قتل کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے دیت ادا کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اس نے دیت قبول کر لی پھر اپنے بھائی کے قاتل پر حملہ کر دیا اور اسے قتل کر دیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میں اسے حرم اور حل میں امان نہیں دوں گا۔ فتح مکہ کے روز اسے قتل کر دیا گیا(2) ابن جریج نے کہا اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ روایت ظاہر میں مرسل ہے لیکن ابوداؤد نے عکرمہ سے روایت کیا کہ آیات کی تفسیر کے متعلق میں جو بھی تمہیں کہوں وہ حضرت ابن عباس سے مروی ہوگی۔ اس بناء پر یہ متصل ہے۔ یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ہشام کا قاتل معروف تھا۔ شائید یہ قتل خطا کی وجہ سے ہوا کیونکہ حضور ﷺ نے دیت کا حکم ارشاد فرمایا، جبکہ بغوی کی روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قاتل معلوم نہیں تھا۔ اس قسم کے معاملہ میں حکم قسم لینے اور دیت کا ہوتا ہے۔ قسم کے مسائل اس کی شرائط اور اس میں اختلاف وضاحت کا متقاضی ہے جن کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں۔

سے اس کی یہ سزا اس کے کفر اور ایمان سے دشمنی کے باعث ہے یا اس نے مومن کے قتل کو مباح جانا۔ یہاں خلود سے مراد طویل وقت تک ٹھہرنا ہے۔ طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ سے نقل کیا ہے، حضرت ابوہریرہ نے حضور ﷺ سے نقل کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے جزا دے۔

سے لعنت سے مراد ہے کہ اسے رحمت سے دور کر دیا۔ شیخین نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے کی توبہ قبول نہیں کی جاتی۔ امام بغوی نے کہا حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے کی کوئی توبہ نہیں(3) کہا گیا کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ...... وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ...... اِلَّا مَنْ تَابَ تو انہوں نے جواب دیا یہ دور جاہلیت میں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کچھ مشرکوں نے قتل کیے تھے اور بدکاری کی تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی جس کی طرف آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں وہ بہترین ہے، کاش جو کچھ ہم نے کیا ہے اس

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 130 (فکر) 2۔ الدرالمنثور، جلد 2، صفحہ 349 (علمیہ) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 130 (فکر)

کے کفارہ کے بارے میں ہمیں بتاتے تو یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ .... اِلَّا مَنْ تَابَ۔ یہ آیت انہیں لوگوں کے متعلق ہے۔ وہ آیت جو سورۃ النساء میں ہے وہ اس آدمی کے بارے میں ہے جب اس نے اسلام کو اس کے احکام کے ساتھ پہچان لیا پھر اس نے قتل کیا تو اس کی جزا جہنم ہے۔ حضرت ابن عباس سے اس کے برعکس بھی منقول ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کی جزا جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کے عمل کی اسے سزا دے لیکن وہ فضل و احسان فرماتا ہے اور اس کے ایمان کی وجہ سے اسے ہمیشہ جہنم کا ایندھن نہیں بناتا۔(1)

سعید بن منصور اور بیہقی نے سنن میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی میں نے اپنا حوض بھرا اور اپنے جانور کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ میں ابھی بیدار نہ ہوا تھا کہ ایک آدمی اونٹنی دوڑاتے ہوئے آیا، حوض کی دیوار گرادی اور سارا پانی بہہ گیا۔ میں گھبرا کر اٹھا اور اسے تلوار سے قتل کر دیا تو حضور ﷺ نے اسے توبہ کا حکم دیا۔(2)

سعید بن منصور نے کہا ہمیں سفیان بن عیینہ نے بیان کیا اہل علم سے جب ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ جواب ارشاد فرماتے ایسے آدمی کی کوئی توبہ نہیں، جب کوئی آدمی اس معصیت کا شکار ہوتا تو علماء اسے توبہ کا حکم دیتے۔

حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کے دونوں قولوں میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ ارادہ سے قتل کرنا بندے کے حق اور اللہ تعالیٰ کے حق پر بھی جنایت ہے۔ جب علماء یہ فرماتے کہ اس کی کوئی توبہ نہیں تو اس سے ان کی مراد بندے کے حق میں اس کی کوئی توبہ نہیں، اس میں صرف قصاص ہے، دنیا میں یا آخرت میں جس طرح نصوص میں وضاحت ہے۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا یہی مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہر گناہ کے بارے میں بخشش کی امید ہے مگر جو مشرک کی حیثیت سے مرا یا جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا(3) اسے ابو داؤد نے ابو درداء کی حدیث سے روایت کیا۔ امام نسائی نے اسے روایت کیا۔ حاکم نے معاویہ سے صحیح کہا۔

وہ علماء جو اس کی توبہ کی قبولیت کا قول کرتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کی تلافی میں یہ فائدہ مند ہے۔ زید بن ثابت نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـهًا اٰخَرَ تو ہم اس نرمی پر متعجب ہوئے اور سات ماہ تک اسی طرح ٹھہرے رہے۔ پھر اس نرمی کے بعد سختی کا حکم نازل ہوا اور نرمی کا حکم منسوخ ہو گیا۔ اس تغلیظ سے اس آیت کا ارادہ کیا۔ اس آیت کو سورۂ فرقان میں موجود آیت کا ناسخ ماننا یہ زید بن ثابت کا گمان ہے کیونکہ یہ آیت اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ اس کی کوئی توبہ نہیں بلکہ اس آیت میں مذکور قتل عمد کی جزاء ہے اور اس جزاء کا تصور اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب وہ توبہ نہ کرے اور مر جائے۔ اگر وہ توبہ کرے تو گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔ میری اس سے مراد حقوق اللہ کے بارے میں ہے، حقوق العباد میں ظلم کو ختم کرنا اور بندے کو راضی کرنا ضروری ہے۔

فائدہ: معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور خوارج نے استدلال کیا کہ وہ کافر ہے۔ مگر اہل سنت اس آیت کی تاویل کرتے ہیں جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے کیونکہ علماء کا اجماع ہے کہ مومن اگر توبہ کے بغیر بھی مر جائے تو وہ جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا اور گناہ کبیرہ مومن کو ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ یہ اجماع اس معنی پر مشتمل ہے جو کتاب و سنت سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ جو ذرا برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھے گا۔ ہم

1۔ سنن سعید بن منصور، 675 (علمیہ) 2۔ ایضاً 3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 31-230 (وزارت تعلیم)

نے اس کی تفسیر اس کے محل میں ذکر کر دی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "اے ایمان والو! تم پر مقتولوں میں قصاص فرض کیا گیا ہے۔" اس میں قاتل کو مومن کہا گیا اور حضور ﷺ کا فرمان جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا، اگرچہ اس نے بدکاری کی اور چوری کی۔ یہ ابوذر سے متفق علیہ روایت ہے (1) اور حضور ﷺ کا فرمان جو آدمی اس حال میں فوت ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا (2) اسے امام مسلم نے حضرت جابر سے نقل کیا ہے اور حضور ﷺ کا فرمان مجھ سے بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، بدکاری نہیں کرو گے، اولادوں کو قتل نہیں کرو گے، اپنی طرف سے گھڑ کر کسی پر بہتان نہیں لگاؤ گے، نیکی کے معاملات میں نافرمانی نہیں کرو گے۔ جس نے تم میں سے وعدہ پورا کیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے، جس نے ان اعمال بد میں سے کسی کا ارتکاب کیا اور اسے دنیا میں اس کی سزا مل گئی تو یہ اس کا کفارہ ہوگا اور جس نے ان اعمال بد میں سے کسی کا ارتکاب کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے پردہ میں رکھا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، چاہے تو معاف کر دے، چاہے عذاب دے۔ ہم نے آپ کے ہاتھ پر ان چیزوں کی بیعت کی (3) یہ روایت متفق علیہ ہے اور حدیث عبادہ بن صامت سے مروی ہے۔

فصل: ارادہ کے ساتھ قتل کرنے والے کے بارے میں جو روایت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز لوگوں کے درمیان سب سے پہلے قتل کے فیصلے کیے جائیں گے، متفق علیہ۔ (4) آپ سے ہی ایک روایت مروی ہے ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا تو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے تجھیں پیدا کیا۔ عرض کی پھر کونسا؟ فرمایا بھوک کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دینے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے (5) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو، ان میں سے ناحق انسان کو قتل کرنا شمار کیا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا، متفق علیہ (6) حضرت ابن عباس سے مروی روایت ہے جب وہ قتل کرتا ہے تو حالت ایمان میں قتل نہیں کرتا (7) اسے امام بخاری نے روایت کیا۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی تباہی ایک مومن کے قتل سے کم درجہ رکھتی ہے۔ (8) اسے امام ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔ ابن ماجہ نے براء بن عازب سے روایت کیا ہے۔ امام نسائی نے بریدہ کی حدیث نقل کی مومن کا قتل اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کے زوال سے بڑھ کر ہے (9)۔ حضرت ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ اگر زمین و آسمان والے ایک مومن آدمی کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سب کو جہنم میں ڈال دے گا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔ (10) حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے دیکھا، آپ ارشاد فرما رہے تھے تو کتنا پاکیزہ ہے، تیری خوشبو کتنی پاکیزہ ہے، تو کتنا عظیم ہے، تیری حرمت کتنی عظیم ہے، قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی ایک مومن کی حرمت اس کا مال اور جان تیری حرمت سے بڑھ کر ہے اسے

1۔ صحیح مسلم: 154، جلد 2، صفحہ 81 (علمیہ)
2۔ صحیح مسلم: 151، جلد 2، صفحہ 80 (علمیہ)
3۔ صحیح مسلم: 41، جلد 11، صفحہ 185 (علمیہ)
4۔ ایضاً: 28، جلد 2، صفحہ 139 (علمیہ)
5۔ صحیح مسلم: 142، جلد 2، صفحہ 70 (علمیہ)
6۔ صحیح مسلم: 145، جلد 2، صفحہ 72 (علمیہ)
7۔ مجمع الزوائد: 12292 (علمیہ)
8۔ جامع ترمذی: 1395 (علمیہ)
9۔ سنن نسائی، جلد 7، صفحہ 83 (الحدیث)
10۔ جامع ترمذی: 1398 (علمیہ)

ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔(1)

حضرت ابودرداء رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مومن اس وقت تک جہنم سے آزاد اور صالح رہتا ہے، جب تک ناحق کسی کے قتل کا ارتکاب نہیں کرتا۔ جب وہ ناحق کسی کو قتل کر دیتا ہے تو خود ہلاک ہو جاتا ہے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے جس نے کسی مسلمان کے قتل میں معاونت کی خواہ ایک لفظ کا کچھ حصہ ہی کیوں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کی آنکھوں کے درمیاں اٰیِسٌ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس، لکھا ہوگا(2) اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔ طبرانی نے ابن عباس کی حدیث سے، ابن الجوزی نے ابوسعید خدری سے، ابونعیم نے حلیہ میں حضرت عمر سے اس کی مثل موقوفاً نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

امام بخاری، امام ترمذی، امام حاکم اور دوسرے محدثین نے عکرمہ سے، انہوں نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ بنی سلیم کا ایک آدمی اصحاب رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا، جبکہ وہ ریوڑ ہانک کر جا رہا تھا۔ اس نے صحابہ کو سلام کیا۔ صحابہ نے کہا اس نے ہمیں سلام محض اپنے بچاؤ کے لیے کیا ہے۔ صحابہ اس کی طرف بڑھے اور اسے قتل کر دیا اور اس کا ریوڑ حضور ﷺ کی خدمت میں بطور غنیمت پیش کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔(3)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

"اے اہل ایمان جب تم سفر پر نکلو اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) تو خوب تحقیق کر لو(1) اور نہ کہو اسے جو بھیجتا ہے تم پر سلام(2) کہ تم مومن نہیں ہو(3) تم تلاش کرتے ہو(4) سامان دنیوی زندگی کا(5) پس اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں(6) (وہ تمہیں غنی کر دے گا) ایسے ہی (کافر) تم بھی تھے(7) اس سے پہلے(8) پھر احسان فرمایا اللہ نے تم پر(9) تو خوب تحقیق کر لیا کرو(10) یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے جو کچھ تم کرتے ہو خبردار ہے(11)"

(1) اے مومنو جب تم سفر کرو یا جہاد کے لیے باہر جاؤ تو خود تحقیق کر لیا کرو۔ حمزہ اور نسائی نے یہاں دونوں مقامات اور سورۂ حجرات میں فَتَثَبَّتُوْا پڑھا ہے۔ یعنی تم رک جاؤ یہاں تک کہ مومن اور کافر میں امتیاز کر لو۔ باقی قراء نے متن کے مطابق پڑھا ہے۔ تَبَيَّنَتِ الْاَمْرُ یہ جملہ اس وقت کہا جاتا ہے جب تو کسی معاملہ میں غور و فکر کرے اور اس کا بیان طلب کرے، یعنی معاملہ کے ظاہر ہونے سے پہلے تم جلدی نہیں کرو گے۔

امام بغوی نے کلبی کے واسطہ سے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ مقتول کا نام مرداس بن نہیک تھا جو اہل فدک سے تعلق رکھتے تھے۔

1۔ سنن ابن ماجہ: 3932 (علمیہ) 2۔ سنن ابن ماجہ: 2620 (علمیہ) 3۔ جامع ترمذی: 3030 (علمیہ)

(۱) وہ چھوٹا لشکر جس میں حضور ﷺ خود تشریف نہیں لے جاتے تھے۔

یہ مسلمان تھے جبکہ ان کی قوم کا کوئی اور مسلمان نہیں تھا۔ ان کی قوم نے حضور ﷺ کے سریہ (۱) کے بارے میں سنا کہ وہ ان پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس سریہ کا امیر غالب بن فضالہ لیثی تھے۔ سب لوگ بھاگ گئے مگر مرداس وہی مقیم رہے کیونکہ وہ مسلمان ہو چکے تھے۔ جب انہوں نے گھوڑوں کو دیکھا تو خوف ہوا کہ کہیں یہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کے علاوہ کوئی اور نہ ہو۔ انہوں نے اپنا ریوڑ ایک محفوظ جگہ میں چھوڑا اور خود پہاڑ پر چڑھ گئے۔ جب گھڑ سوار قریب آ گئے تو مرداس نے ان کی تکبیر سنی۔ جب تکبیر سنی تو پہچان گئے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ہیں۔ انہوں نے اللہ اکبر کی آواز بلند کی اور نیچے اتر آئے۔ وہ زبان سے یہ کہہ رہے ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ السلام علیکم! اسامہ بن زید نے اس پر حملہ کیا اور قتل کر دیا۔ اس کے ریوڑ کو ہانکا۔ پھر نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹ آئے۔ رسول اللہ ﷺ اس واقعہ سے سخت دکھی ہوئے۔ ان صحابہ کے پہنچنے سے پہلے آپ کو خبر مل چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے اس کا مال حاصل کرنے کے لیے اسے قتل کیا۔ پھر یہ آیت اسامہ بن زید پر پڑھی۔ اسامہ نے عرض کی یا رسول اللہ میرے لیے بخشش طلب کیجئے۔ فرمایا میں کیسے دعا کروں جبکہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات تین دفعہ دہرائی اسامہ نے کہا رسول اللہ ﷺ اسے بار بار دہراتے رہے، یہاں تک کہ میں خواہش کرنے لگا کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد تین دفعہ میرے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ پھر فرمایا ایک غلام آزاد کرو۔ ثعلبی نے کلبی کی سند سے اس طرح روایت کیا ہے۔ ابوظبیان نے اسامہ بن زید سے نقل کیا ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ اس نے اسلحہ کے ڈر سے یہ کلمہ پڑھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو نے اس کا دل کیوں نہیں پھاڑ ڈالا تا کہ تو جان لیتا کہ اس نے کہا یا نہیں۔(1)

بزار نے ایک اور سند سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا لشکر بھیجا جس میں مقداد بھی تھے۔ جب مجاہدین اس قوم تک پہنچے تو یہ معلوم ہوا کہ وہ سب بھاگ گئے ہیں۔ صرف ایک آدمی ہے جس کے پاس کثیر مال ہے۔ اس نے کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ تو مقداد نے اسے قتل کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا جب مقتول نے لا الہ الا اللہ کہا تھا تو پھر بھی تو نے اسے قتل کر دیا تو کل (قیامت) تیرا کیا حال ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ امام احمد، امام طبرانی اور دوسرے محدثین نے عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی سے روایت کیا ہے۔ ابن جریر نے اسی کی مثل ابن عمر کی حدیث سے روایت کیا کہ عبداللہ ابی حدرد نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک جماعت میں جہاد پر بھیجا جن میں ابوقتادہ، محلم بن جثامہ بن قیس لیثی بھی تھے۔ ہمارے پاس سے عامر بن اضبط اشجعی گزرا۔ اس نے ہمیں سلام کیا تو محلم نے اس پر حملہ کر دیا اور قتل (۱) کر دیا۔ جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ کی خبر دی تو ہمارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، ابن مندہ نے جزء بن حدرجان سے نقل کیا ہے میرا بھائی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 132 (فکر)

(۱) ابن جریر نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محلم بن جثامہ کو ایک لشکر میں بھیجا۔ لشکر کو عامر بن اضبط ملا اور مسلمانوں جیسا سلام کیا۔ دور جاہلیت میں محلم اور عامر کی دشمنی تھی۔ محلم نے عامر کو تیر مارا اور اسے قتل کر دیا۔ اس واقعہ کی خبر حضور ﷺ کو پہنچی۔ محلم جب حاضر ہوئے تو دعائے مغفرت کی التجاء کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے نہ بخشے۔ محلم اٹھا جبکہ اس کے آنسو بہہ رہے تھے۔ لمحہ بھی نہ گزرا تھا کہ فوت ہو گیا۔ صحابہ نے اسے دفن کیا تو زمین نے اس کی لاش کو اگل دیا۔ صحابہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا زمین تمہارے ساتھی سے بدوں کو بھی قبول کر لیتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ لوگوں کو عبرت دلائے۔ پھر انہوں نے اس کی لاش کو پہاڑ میں پھینک دیا اور اس پر پتھر پھینک دیئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ از مؤلف رحمۃ اللہ

فدادنبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے صحابہ سے کہا میں ایمان لا چکا ہوں۔ صحابہ نے اس کا ایمان لانا قبول نہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ مجھے یہ خبر پہنچی تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی اور نبی کریم ﷺ نے میرے بھائی کی دیت مجھے عطا فرمائی۔ ابن جریر نے سدی کی سند سے، اور عبد نے قتادہ کی سند سے ابن ابی حاتم نے ابن لہیعہ کے واسطہ سے ابو الزبیر سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت مرداس کے بارے میں نازل ہوئی۔(1)

۲۔ نافع، ابن عامر اور حمزہ نے السَّلَمَ پڑھا ہے۔ اس کا معنی استلام اور انقیاد ہے۔ باقی قراء نے اسے السلام پڑھا ہے، یعنی تمہیں السلام علیکم کہے۔ ایک قول یہ کیا گیا دونوں قراتوں کی صورت میں اس کا معنی السلام علیکم ہے۔ یہ روایت اس کی بہترین شاہد ہے جسے ثعلبی اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

۳۔ تو مومن نہیں اور تو نے یہ اقرار جان بچانے کے لیے کیا ہے۔

۴۔ یہ لا تقولوا میں ضمیر سے حال ہے اور یہ اس سبب کا شعور دلا رہا ہے جو وضاحت طلب کرنے سے روکنے کا باعث بنا۔

۵۔ یہاں عرض سے مراد دنیا کے منافع ہیں یعنی مال اور غنیمت۔ اسے عرض کا نام اس لیے دیا گیا کیونکہ یہ فانی ہے اور عرض ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو دائمی نہ ہو۔

۶۔ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں کثیر غنیمتیں ہیں۔ وہ تمہیں مال کے حصول کے لیے دنیا میں ایسے افعال سے بے نیاز کر دے گا اور آخرت میں اس نے مومنوں اور متقین کے لیے کثیر اجر تیار کر رکھے ہیں۔

۷۔ کذلک میں کاف کان کی خبر مقدم ہے یعنی تم بھی اس طرح تھے۔

۸۔ اس سے پہلے کہ تم اسلام میں داخل ہوئے اور کلمہ توحید پڑھا، جس کے ذریعے تمہارے خون اور اموال محفوظ ہو گئے، جبکہ یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی گئی کہ تمہارے دلوں نے تمہاری زبانوں کی موافقت کی تھی یا نہیں۔

۹۔ ایمان اور دین میں استقامت عطا کر کے تم پر احسان کیا یا اس کا معنی یہ ہے ہجرت سے پہلے تم بھی اسی طرح تھے کہ تم مومنوں میں لا الٰہ الا اللہ کے کلمہ کے ساتھ امان پاتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے ذریعے تم پر احسان کیا۔ قتادہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ اس سے قبل تم بھی گمراہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے تم پر احسان کیا اور لا الٰہ الا اللہ کے اقرار کی توفیق عطا فرمائی۔ سعید بن جبیر نے کہا تم بھی اسی طرح مشرکین سے اپنے ایمان کو چھپاتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم پر اسلام کے اظہار کے ساتھ احسان کیا۔

۱۰۔ اچھی طرح چھان بین کرنے کے بارے میں حکم کو مکرر ذکر کیا یا تو چھان بین کرنے کے امر کی تاکید اس کی تعظیم اور حکم کو ان کے حال پر مرتب کرنے کی تاکید مقصود ہے کیونکہ حکم کی علت ان کے مذکورہ حال سے بیان کی۔ پھر انہیں جھنجھوڑا اور ترتیب میں تاکید آ گئی۔ کہا جاتا ہے یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کے فرمان فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ کی فرع ہے۔ معنی یہ ہو گا غنیمت لینے میں انتظار کرو اور خوب چھان بین کرو، یہاں تک کہ تمہارے لیے یہ ظاہر ہو کہ یہ غنیمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم تک پہنچی ہے اور تمہارے لیے حلال ہے یا یہ حرام ہے اور دنیا کے سامان سے تعلق رکھتی ہے، یا یہ معنی کیا جاتا ہے کہ اس چھان بین کا پہلا حکم تو قتل میں جلدی کی نفی کے لیے تھا۔ یہاں تک کہ اس سے اسلام کی علامات ظاہر ہو جائیں (پھر قتل جائز نہیں)۔ دوسرا جب اسلام کی علامات ظاہر ہو جائیں تو قتل میں جلدی کرنے سے نفی کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 140 (الامیریہ)

لیے تھا یہاں تک کہ ان کا کفر اور نفاق ظاہر ہو جائے۔

!! اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال اور اغراض کو جانتا ہے تمہاری نیت اور مقاصد کے مطابق تمہارے اعمال پر تمہیں جزا دے گا۔

فائدہ: اس آیت میں دلیل ہے کہ دیناوی احکام جاری کرنے کے لیے جسے مجبور کیا گیا ہو اس کا ایمان صحیح ہے اور مجتہد بھی غلطی بھی کر جاتا ہے۔ حق کی طلب میں اگر اس نے کوئی کوتاہی نہ کی ہو تو اس کی خطا بخش دی جاتی ہے اور مجتہد پر توقف چھان بین اور اجتہادی کوشش لازم ہے۔ پہلی نظر میں اس کے لیے جو ظاہر ہو وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہو۔ جب اس نے توقف اور چھان بین کی وہ اجتہاد میں غلطی بھی کر جائے تو اس کو اجر دیا جاتا ہے۔ جو آدمی لا الہ الا اللہ کہے اس پر کفر کا حکم لگانا جائز نہیں، جبکہ وہ کتابی اور مسلمان میں مشترک ہے۔ اس کے قتل میں جلدی نہ کی جائے، یہاں تک کہ اس کا معاملہ خوب ظاہر ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

جب غازی کسی بستی میں اسلام کے شعار دیکھیں تو ان پر واجب ہے کہ بستی والوں سے اپنے ہاتھ روک لیں کیونکہ نبی کریم ﷺ جب کسی قوم پر حملہ کرتے، اگر ان سے اذان کی آواز سنتے تو ان سے ہاتھوں کو روک لیتے، اگر ان سے اذان کی آواز نہ سنتے تو ان پر حملہ کر دیتے۔ امام بغوی نے امام شافعی کے واسطے سے ابن عصام سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کوئی چھوٹا لشکر روانہ کرتے تو فرماتے جب تم مسجد دیکھو اور موذن کی اذان سنو تو کسی کو بھی قتل نہ کرو، واللہ اعلم۔(1)

امام بخاری، ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے زید بن ثابت سے، امام بخاری نے براء بن عازب سے، طبرانی نے زید بن ارقم سے، ابن حبان نے ابن عاصم سے اور امام ترمذی نے ابن عباس سے اسی کی مثل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زید بن ثابت کو یہ لکھوایا لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ زید نے کہا ابن ام مکتوم آئے جبکہ حضور ﷺ مجھے املاء کرا رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر میں جہاد کی طاقت رکھتا تو میں ضرور جہاد کرتا(2) جبکہ عبداللہ بن ام مکتوم نابینا تھے۔ حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے عبداللہ بن جحش اور ابن ام مکتوم نے کہا ہم نابینا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی جبکہ آپ کی ران حضرت زید بن ثابت کی ران پر تھی۔ زید بن ثابت نے کہا مجھے اس کا برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ مجھے خوف ہوا کہ میری ران ٹوٹ جائے گی پھر وحی ختم ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی موقع پر یہ آیت نازل فرمائی۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾

"نہیں برابر ہو سکتے (گھروں میں) بیٹھنے والے مسلمان ۱؎ سوائے معذوروں کے ۲؎ اور جہاد کرنے والے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے ۳؎ بزرگی دی ہے اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے (گھروں میں) بیٹھ رہنے والوں پر ۴؎ درجہ میں ۵؎ اور سب سے وعدہ فرمایا ہے اللہ نے بھلائی کا ہے لیکن فضیلت دی ہے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم سے۔ ۶؎"

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 134 (فکر) 2۔ سنن نسائی، جلد 6، صفحہ 9 (الحدیث)

1. من المومنین القاعدون سے حال ہے یا قاعدون میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہے۔

2. غیر مرفوع ہونے کی صورت میں قاعدون کی صفت ہے یا اس سے بدل ہے۔ یہاں غیر معرفہ ہے کیونکہ غیر اولی الضرر سے مراد وہ فرد ہے جس میں کوئی نقص نہ ہو اس لیے یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ نکرہ کو جب معرفہ کا بدل بنایا جائے تو اس کی صفت کا لگانا ضروری ہوتا ہے۔

یہ تعبیر کرنا ضعیف ہے کہ قاعدین نکرہ کے حکم میں ہے کیونکہ اس سے معین قوم مراد نہیں لی گئی کیونکہ معرفہ جب نکرہ کے حکم میں ہو تب بھی اس کی صفت اس چیز کے ساتھ لگانا جائز نہیں جس کے ساتھ نکرہ کی صفت لگائی جاتی ہے مگر جب جملہ صفت بنے اور اس کا فعل فعل مضارع ہو جس طرح اس قول میں ہے وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَى اللَّئِيْمِ يَسُبُّنِيْ۔ نافع، ابن عامر اور کسائی نے اسے استثناء کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے، حال کے طور پر منصوب پڑھنا مشکل ہے کیونکہ یہ معرفہ ہے۔

3. صحاح میں ضرر کا معنی برا حال ہے(1) یا یہ کیفیت اس کے نفس میں ہوگی کیونکہ علم فضل اور عفت کی کمی ہے یا بدن میں جیسے کوئی عضو نہ ہو یا اس میں کوئی نقص ہو یا ظاہری حالت کے اعتبار سے ایسی کیفیت ہو جیسے مال اور وجاہت میں کمی ہو۔ قاموس میں ہے ضرر ضر کی طرح برے حال کو کہتے ہیں۔ اس سے لفظ ضریر بولتے ہیں جس کا معنی نابینا ہے۔(2)

میں کہتا ہوں یہاں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپاہج اور مریض نہ ہوں یا اس سے مراد بدن یا آنکھ کو یا مال میں کمزوری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس کا قرینہ ہے۔

4. یعنی ان کے درمیان جو جہاد نہیں کرتے اور ان کے درمیان جو اپنی جانوں اور مال کے ساتھ جہاد کرتے ہیں کوئی مساوات نہیں مگر ایسے لوگ جو کسی عذر کی وجہ سے جہاد نہیں کرتے جیسے اپاہج ہیں، نابینا ہیں یا اس کے علاوہ کوئی مرض ہے یا ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں۔ ایسے لوگ مجاہدین کے ہم مرتبہ ہو سکتے ہیں بشرطیکہ اگر وہ قادر ہوتے تو جہاد کا ارادہ رکھتے۔

امام بخاری حضرت انس سے اور ابن سعد نے حضرت انس اور حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس لوٹے۔ آپ مدینہ طیبہ کے قریب آئے، فرمایا مدینہ طیبہ میں ایسے لوگ ہیں تم نے جو بھی مسافت طے کی اور جس وادی سے بھی گزرے وہ تمہارے ساتھ تھے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ جبکہ وہ مدینہ میں رہے؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ مدینہ میں ہی رہے۔ انہیں عذر نے روک رکھا تھا(3) مقسم نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے، فرمایا غزوۂ بدر میں شرکت نہ کرنے والے اور اس میں شرکت کرنے والے برابر نہیں۔

5. یہاں قاعدین سے مراد مومن ہیں جو معذور نہ تھے کیونکہ اسم معرفہ جب مکرر ذکر کیا جائے تو دوسرے اسم سے مراد بعینہٖ پہلے کا مصداق ہوتا ہے۔

6. حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی بدرجة یا یہ مفعول مطلق ہے کیونکہ یہ فضّل فعل کے اس مصدر کے قائم مقام ہے جو عدد پر دلالت کرتا ہے۔ گویا کلام یوں کی گئی فضلهم تفضيلة جس طرح اس مثال میں سوطا مفعول مطلق ہے ضربته سوطا یا یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی ذوی درجة للہ یہ جملہ سابقہ جملہ کی وضاحت کر رہا ہے جس میں برابری کی

1۔ الصحاح، جلد 2، صفحہ 413 (علمیہ) 2۔ القاموس المحیط، جلد 1، صفحہ 801 (التراث العربی)

3۔ صحیح بخاری، جلد 3، صفحہ 120 حدیث نمبر 4329 (فکر)

نفی کی گئی تھی۔ صرف اسی جملہ پر اقتصار نہیں کیا حالانکہ یہ مساوات کی نفی سے غنی کر دیتا ہے۔ اقتصار نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مساوات میں نفی فضیلت کو اجمال اور دلالت کے طریقے پر ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ اجمال کے بعد تفصیل اور دلالت کے بعد تصریح تاکید میں اضافہ کا باعث ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے جو آدمی اطاعت کرے اور جو اطاعت نہ کرے۔ ان میں عدم مساوات ظاہر باہر ہے۔ اس کی وضاحت کا کیا فائدہ۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں اس کا فائدہ اس پر آگاہ کرنا اور جہاد میں رغبت دلانا ہے۔ زیادہ مناسب یہ تھا کہ یہ کہا جاتا کہ جہاد میں شریک نہ ہونے کی صورت میں بعض اوقات دل کے فارغ ہونے کی وجہ سے ایسی طاعات اور حقوق اللہ اور حقوق العباد بجالاتا ہے جو جہاد کی حالت میں بجا نہیں لاتا۔ یہ چیز جہاد میں شرکت نہ کرنے والے کو مجاہد پر فضیلت کا وہم دلاتی ہے۔

اس آیت کا فائدہ یہ ہے کہ اس وہم کو دور کیا جائے۔ حضرت ابوہریرہ سے ایک روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال دن کو روزہ رکھنے والے، رات کے وقت قیام کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی آیات (احکام) پر دوام اختیار کرنے والے کی طرح ہے، جو روزہ چھوڑتا ہے نہ نماز، یہاں تک وہ مجاہد واپس گھر آ جائے۔ متفق علیہ۔(1)

یہ مجاہدین اور عذر کے بغیر گھر بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی وجہ سے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے، اگر یہ فرض عین ہوتا تو گھر میں بیٹھ رہنے والا سزا کا مستحق ہوتا نہ کہ ثواب کا۔

فصل: تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب کفار اپنے گھروں میں ہی رہیں تو امام پر لازم ہے کہ وہ بذات خود یا لشکروں کی مدد سے جنگ جاری رکھے تاکہ جہاد کا سلسلہ منقطع نہ ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین نے جہاد نہیں چھوڑا۔ جب مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد کے لیے سرگرم عمل رہے جن کی وجہ سے کفار کا شر دور ہوتا رہے اور اعلاء کلمۃ اللہ کا سلسلہ جاری رہے تو جہاد دوسرے لوگوں سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی حالت میں غلام آقا کی اجازت کے بغیر، عورت خاوند کی اجازت کے بغیر، مقروض قرض خواہ کی اجازت کے بغیر، بیٹا والدین کے منع کرنے پر جہاد پر نہیں جا سکتا۔ کیونکہ ان کے بغیر بھی جماعت کافی ہے تو پھر حقوق العباد کے اتلاف کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی بھی اس فریضہ کو سرانجام نہ دے تو سب لوگ گنہگار ہوں گے۔ صرف معذور لوگ گناہ سے بچیں گے۔

تمام علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ یہ علاقہ کے لوگوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے ساتھ والے علاقے کے کفار کے ساتھ جہاد کا سلسلہ جاری رکھیں۔ اگر وہ خود عاجز ہیں تو ساتھ والے لوگ ان کی مدد کریں۔ جب وہ قدرت کے باوجود اس پر سستی کریں تو ان کے قریب رہنے والوں پر جہاد فرض ہوگا، پھر ان کے قریب رہنے والوں پر۔ یہ سلسلہ زمین کے آخری کونے تک جائے گا۔

مسئلہ: تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے جب دو لشکر ملیں تو موجود مسلمانوں پر ثابت قدم رہنا واجب ہے اور فرار حرام ہے مگر جنگی چال یا اپنی جماعت کے ساتھ ملنے یا کفار کی تعداد مسلمانوں سے بہت زیادہ ہو تو ان کے لیے فرار اختیار کرنا مباح ہے۔ لیکن ایسے موقع پر ثابت قدم رہنا افضل ہے۔

مسئلہ: جہاد کے لیے زاد راہ اور سواری ضروری ہے۔ ساتھ ہی ساتھ تینوں ائمہ(1) کے نزدیک اسباب اور آلات کی سلامتی ضروری ہے۔ یہ شرط اس صورت میں ہے جب ایک شہر والوں پر جہاد متعین ہو جائے۔ اس شہر اور جہاد کی جگہ کے درمیان سفر کی مسافت ہو۔

1۔ صحیح بخاری: 2738 (فکر)

(1) امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ

امام مالک نے فرمایا یہ شرط نہیں۔

ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ جس کے پاس زادہ راہ اور سواری نہ ہو تو وہ اہل ضرر میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَّلَا عَلَی الَّذِیْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَیْهِ بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔

مسئلہ: تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جب دشمن مومنوں کے علاقہ پر حملہ آور ہو تو ہر مکلف پر جہاد کے لیے نکلنا فرض ہے، وہ آزاد مرد ہو یا غلام، غنی ہو یا فقیر، وہ اس شہر کا رہنے والا ہو اور معذور بھی نہ ہو۔ اس صورت میں جہاد فرض عین ہوتا ہے۔ اس میں بندے کا حق غالب نہیں ہو سکتا جیسے آقا قرض خواہ اور والدین جس طرح نماز اور روزے کا معاملہ ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا عورت بھی اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکل جائیگی۔ اگر اس شہر والے جنگ کے لیے کافی ہوں تو باقی لوگوں سے یہ حکم ساقط ہو جائے گا۔ اگر وہ کافی نہ ہوں تو قریبی بستی والے لوگوں پر ان کی مدد واجب ہوگی۔ اگر وہ گھروں میں بیٹھے رہیں تو ان کے ساتھ والے لوگوں پر مدد کرنا واجب ہوگا۔ یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا۔ واللہ اعلم۔

۵ وہ لوگ جو اپنے اموال اور جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں ان مومنوں پر جو گھروں میں بغیر عذر کے بیٹھے رہیں اجر عظیم کے ساتھ فضیلت دی ہے۔ اجراً مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ فضل اجر دینے کے معنی میں ہے یا یہ مفعول ثانی ہے کیونکہ فضل عطا کرنے کا معنی لیے ہوئے ہے۔ گویا یہ فرمایا یعنی ان مجاہدین کو گھروں میں بیٹھ رہنے والوں پر زیادہ اجر عطا فرمایا۔

دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۹۶﴾

"(ان کے لیے) بلند درجے ہیں اللہ (کی جناب) سے اور (نوید) بخشش اور رحمت ہے ۱؎ اور ہے اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا۔ ۲؎"

۱؎ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرب اور جنت کے درجے مغفرت اور رحمت ہے۔ یہ تینوں اسماء اجراً عظیماً سے بدل ہیں۔ درجات اس کے لیے جو گناہگار نہیں، مغفرت گناہگار کے لیے اور رحمت ان دونوں کو شامل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ درجات کو مفعول مطلق کی حیثیت سے نصب دی جائے جس طرح ضربتہم اسواطا میں اسواطا مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اور اجراً اس کا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ حال کو ذوالحال سے مقدم اس لیے کیا گیا کیونکہ ذوالحال نکرہ ہے مغفرۃ اور رحمۃ اپنے مضمر فعلوں کے مفعول مطلق ہیں۔ مجاہدین کی فضیلت کو مکرر ذکر کیا اور انہیں مجمل اور مفصل ذکر کر کے مبالغہ سے کام لیا گیا کیونکہ پہلے مساوات کی نفی کر کے ان کی فضیلت کی طرف اشارہ کیا۔ پھر درجۃ کے لفظ کے ساتھ اجمالاً فضیلت کا ذکر کیا۔ پھر اس فرمان کے ساتھ ان کی فضیلت کی وضاحت فرمائی اَجْرًا عَظِیْمًا دَرَجٰتٍ ...... رَحْمَةً۔ مقصود جہاد کی طرف رغبت دلانا اور اس کی عظمت بیان کرنا ہے۔ پہلی دفعہ درجۃ کو واحد اور دوسری دفعہ جمع کا صیغہ ذکر کرنے میں کوئی منافات نہیں کیونکہ مراد پہلے پر مجاہد کو ہر گھر میں بیٹھ رہنے والے پر فضیلت دینا ہے اور بعد میں تمام کو تمام پر فضیلت دینا ہے اور مقصود ہر درجہ کو ہر فرد پر منقسم کرنا ہے، یا مراد مجاہدین کی حالت کا اختلاف ہے کیونکہ ان میں سے بعض وہ ہیں جنہیں ایک درجہ کے ساتھ فضیلت دی گئی اور بعض وہ ہیں جنہیں کئی درجات میں فضیلت دی گئی۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ درجہ سے مراد دنیا میں غنیمت، کامیابی، سلطنت اور اچھا ذکر ہے اور دنیا میں جو کچھ ہے اس کی حقارت بیان کرنے کے لیے درجہ کو واحد ذکر کیا اور درجات سے مراد وہ انعامات ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے آخرت میں وعدہ کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ پہلے درجہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے درجہ کی بلندی ہے اور درجات سے مراد جنات میں ان کی منازل ہیں۔
ایک قول یہ کیا گیا کہ پہلے مجاہد جنہوں نے کفار سے جہاد کیا ان کے لیے ایک درجہ ہے اور بعد والے جنہوں نے اپنے نفوس سے جہاد کیا ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم جو اللہ تعالیٰ کے قرب کے درجات' اس کی مغفرت اور رحمت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کامل مجاہد وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کیا اور مہاجر وہ ہے جس نے خطاؤں اور گناہوں کو چھوڑا۔ اسے امام بیہقی نے شعب الایمان میں فضالہ سے روایت کیا۔(1)

ایک قول یہ کیا گیا پہلی آیت میں قاعدین سے مراد معذور ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو ایک درجہ فضیلت دی کیونکہ مجاہدین نے نیت کے ساتھ ساتھ عملاً جہاد بھی کیا جبکہ معذوروں کی طرف سے صرف نیت تھی اور جہاد کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین اور معذروں کے ساتھ ان کی نیتوں کی وجہ سے اچھے اجر کا وعدہ کیا ہے۔ مقاتل نے اسی طرح کہا۔

دوسرے قاعدین وہ افراد ہیں جو معذور نہیں، ان پر اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو اجر عظیم کے ساتھ فضیلت دی۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے درجات' مغفرت اور رحمت ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو سعید جو اللہ تعالیٰ کے رب' اسلام کے دین اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نبی ہونے پر راضی ہوا۔ اسی کے لیے جنت ثابت ہے۔ ابو سعید اس ارشاد سے خوش ہوئے، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ دوبارہ ارشاد فرمائیں، تو حضور ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک اور بات بھی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ جنت میں بندے کے سو درجے بلند فرماتا ہے اور ہر دو درجوں میں اتنی مسافت ہے جتنی زمین و آسمان کے درمیان ہے۔ ابو سعید نے عرض کی یا رسول اللہ وہ کیا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔(2)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، نماز قائم کی، رمضان کے روزے رکھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے، وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے یا اپنی پیدائشی جگہ میں مقیم رہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول کیا ہم لوگوں کو یہ خوشخبری نہ دے دیں۔ فرمایا جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لیے تیار کر رکھے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ہے۔ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ سب سے بہترین جنت ہے۔ اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے۔ اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔(3)

یعنی وہ گناہوں کو بخشنے والا اور مجاہدین پر رحم فرمانے والا ہے، انہیں عظیم درجات عطا فرمانے والا ہے واللہ اعلم۔

امام بغوی نے ذکر فرمایا کہ اہل مکہ کے کچھ لوگوں نے کلمہ تو پڑھ لیا تھا اور ہجرت نہ کی تھی۔ انہیں میں سے قیس بن فاکہہ بن مغیرہ' قیس بن ولید بن مغیرہ اور ان جیسے لوگ تھے۔ جب مشرک غزوۂ بدر کے لیے مکہ مکرمہ سے نکلے، یہ بھی ان کے ساتھ نکلے۔ انہوں نے کفار کے ساتھ مل کر جنگ کی۔(4)

1۔ شعب الایمان: 11123 (علمیہ)
2۔ صحیح بخاری: 116، جلد 13 صفحہ 25 (علمیہ)
3۔ صحیح بخاری: 2637 (ابن کثیر)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 2 صفحہ 137 (فکر)

امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت مشرکین کے ساتھ تھی اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف مشرکوں کی تعداد میں اضافہ کرتے، پھینکا گیا تیر آتا، ان میں سے کسی کو لگ جاتا اور اسے قتل کر دیتا یا وہ تلوار کی زد میں آتا اور مارا جاتا۔(1)

میں کہتا ہوں ان کا قول یُکَثِّرُ سَوَادُ الْمُشْرِکِیْنَ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں کرتے تھے۔ ابن مندہ نے اسے نقل کیا اور نام بھی ذکر کیے۔ ان میں قیس بن ولید بن مغیرہ، ابوالقیس بن فاکہ بن مغیرہ، ولید بن عتبہ بن ربیعہ، عمرو بن امیہ، علی بن امیہ بن خلف ان کے اسی عمل کو بھی ذکر کیا کہ وہ بدر کی طرف نکلے، جب مسلمانوں کی قلیل تعداد کو دیکھا تو ان کے دلوں میں شک داخل ہو گیا اور کہا ان کے دین نے انہیں دھوکہ میں ڈال دیا، پس وہ بدر کے روز قتل ہو گئے۔

میں کہتا ہوں یہ روایت کہ ان کے دلوں میں شک داخل ہو گیا ان کے ارتداد پر دلالت کرتا ہے جبکہ قرآن حکیم کی آیت ان کے کفر میں دلالت نہیں کرتی۔ ابن ابی حاتم نے بھی اس کا ذکر کیا اور ان میں حارث بن ربیعہ بن اسود اور عاص بن عتبہ بن حجاج کا اضافہ کیا۔(2)

طبرانی نے ابن عباس سے روایت کیا کہ مکہ مکرمہ میں ایک جماعت تھی جو مسلمان ہو چکی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی تو انہوں نے ہجرت پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور خوفزدہ ہو گئے۔ ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک جماعت تھی جو مسلمان ہو چکے تھے۔ تاہم اسلام کو مخفی رکھتے تھے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر مشرک انہیں ساتھ لے آئے۔ ان میں سے بعض قتل کر دیے گئے۔ مسلمانوں نے کہا یہ مسلمان تھے۔ انہیں جنگ میں شریک ہونے پر مجبور کیا گیا، ان کے لیے دعاء مغفرت کرو تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔(3)

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾

"بے شک وہ لوگ کہ قبض کیا ان (کی روحوں) کو فرشتوں نے ۱؎ اس حال میں کہ وہ ظلم تو ڑ رہے تھے اپنی جانوں پر ۲؎ فرشتوں نے انہیں کہا ۳؎ تم کس شغل میں تھے ۴؎ (معذرت کرتے ہوئے) انہوں نے کہا ۵؎ ہم تو بے بس تھے زمین میں ۶؎ فرشتوں نے کہا ۷؎ کیا نہیں تھی اللہ کی زمین کشادہ تا کہ تم ہجرت کرتے اس میں ۸؎ یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے ۹؎ اور جہنم بہت بری پلٹ کر آنے کی جگہ ہے ۱۰؎"

۱؎ توفی کا لفظ ماضی اور مضارع دونوں فعلوں کا احتمال رکھتا ہے۔ مضارع کی صورت میں ایک تاء حذف ہوگی۔ توفی کا معنی روح قبض کرنا ہے۔ ملائکہ سے مراد ملک الموت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ۔ عرب بعض اوقات جمع کے صیغہ کے ساتھ واحد کو پکارتے تھے، جبکہ صحیح قول یہ ہے کہ یہاں ملک الموت اور اس کے ساتھی مراد ہیں کیونکہ امام احمد اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ سے طویل حدیث روایت کی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مومن کی موت کا وقت قریب ہوتا ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشم کا کپڑا لاتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جنگ کی طرف چل، جبکہ تو اللہ پر راضی اور اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی اور اپنے رب کی طرف چل جو تجھ سے ناراض نہیں۔ مگر جب کافر کی موت کا

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 365 (علمیہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 365 (علمیہ) 3۔ ایضاً

وقت قریب آتا ہے تو فرشتے ٹاٹ کا ایک ٹکڑا لاتے ہیں، وہ اسے کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرف چل، جبکہ تو اللہ تعالیٰ سے ناراض اور اللہ تعالیٰ تجھ سے ناراض (1) امام احمد نے براء بن عازب سے طویل حدیث روایت کی، اس میں یہ بھی ہے جب بندہ مومن دنیا سے تعلق منقطع کرنے والا ہوتا ہے اور آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس پر سفید چہروں والے فرشتے نازل ہوتے ہیں، گویا ان کے چہرے سورج ہیں۔ ان کے پاس جنت کا کفن اور حنوط (خوشبو) ہوتا ہے۔ پھر وہ حد نگاہ تک بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت آتا ہے۔ وہ اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے اے پاکیزہ نفس اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رضوان کی طرف نکلو۔ راوی نے کہا تو اس کی روح بدن سے یوں نکلتی ہے جیسے مشکیزہ سے قطرہ بہتا ہے تو ملک الموت اسے پکڑ لیتا ہے۔ جب وہ اسے پکڑتا ہے تو فرشتے اسے اس کے پاس آنکھ جھپکنے کے برابر بھی نہیں رہنے دیتے کہ اسے لے لیتے ہیں اور اس کفن اور حنوط میں رکھ دیتے ہیں۔ جب کافر کا اس دنیا سے کوچ کرنے اور آخرت کی طرف متوجہ ہونے کا وقت آتا ہے تو آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے اترتے ہیں جن کے پاس ٹاٹ ہوتا ہے۔ فرشتے اس کے پاس حد نگاہ تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آجاتا ہے اور اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے اے خبیث نفس اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی طرف نکلو۔ راوی نے کہا روح اس کے جسم میں بکھر جاتی ہے۔ ملک الموت اسے یوں نکالتا ہے جیسے بھیگی اون سے آنکڑا۔ پھر وہ اسے پکڑ لیتا ہے۔ دوسرے فرشتے اسے ایک ساعت بھی نہیں رہنے دیتے کہ اسے اس ٹاٹ میں رکھ لیتے ہیں (2) ابن جریر، ابن منذر اور ابن عباس سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے مکہ مکرمہ میں رہ جانے والے مسلمانوں کو خط لکھا کہ اب تمہارا وہاں رہنا فائدہ مند نہیں۔ ان مسلمانوں نے وہاں سے ہجرت کی مشرکوں نے انہیں پکڑ لیا اور واپس لے گئے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: فَإِذَآ أُوذِيَ فِي ٱللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ ٱلنَّاسِ كَعَذَابِ ٱللَّهِ۔ تو مسلمانوں نے انہیں خط لکھا تو مکہ مکرمہ میں مقیم مسلمانوں نے کہا ہم ہجرت کریں گے۔ اگر کسی نے ہمارا پیچھا کیا ہم اس سے جنگ کریں گے۔ وہ مکہ مکرمہ سے نکلے۔ کفار نے انکا پیچھا کیا۔ کچھ بچ نکلے اور کچھ قتل ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوا۔ الآیہ

ے انہوں نے ہجرت کا فریضہ چھوڑ کر اور دار شرک میں مقیم رہ کر معصیت کا ارتکاب کر کے اور کفار کی موافقت کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ ظالمی مفعول کی ضمیر سے حال ہے۔ امام بغوی نے کہا نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے بعد ہجرت کے بغیر اسلام قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں (3) اسے ابوداؤد اور امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ مجاشع بن مسعود سے روایت کیا ہے اور ابن جریر نے ضحاک سے روایت کی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ دار کفر سے ہجرت محکم فریضہ ہے بشرطیکہ وہ ہجرت پر قادر ہو۔ یہ حکم منسوخ نہیں۔ یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ ایسی جگہ سے ہجرت کرنا واجب ہے جہاں شریعت کے احکام جاری کرنا ممکن نہ ہوں۔ حضور ﷺ کے ارشاد لَا هِجْرَةَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ کا مفہوم یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ دار الاسلام بن گیا تھا اب فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ سے ہجرت واجب نہ تھی۔ اس لیے فتح مکہ کے بعد جس نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی وہ مہاجرین میں شمار نہ ہوا اور نہ ہی اسے ہجرت کا ثواب ملا۔ ہجرت کا فرض ہونا غیر مہاجر کے اسلام قبول نہ کرنے کو مستلزم نہیں اور نہ ہی اس حکم کو مستلزم ہے کہ وہ مومن نہیں بلکہ ان کے گنہگار ہونے اور ان سے دوستی ترک کرنے کو مستلزم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ

ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَلَمْ يُهَاجِرُوا۟...... فَعَلَيْكُمُ ٱلنَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَـٰقٌ

ے فرشتوں نے عار دلاتے ہوئے کہا۔ قالوا کا جملہ ان کی خبر ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہو گی قالوا لهم یہ بھی جائز

1۔ سنن نسائی، جلد 4، صفحہ 8 (الحدیث)　2۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 287 (صادر)　3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 137 (فکر)

ہے یہ طائکہ سے حال ہواور اس سے پہلے لفظ قد محذوف ہو یا ضمیر منصوب سے حال ہو جو تو فیھم الملٹکۃ میں ہے اور قد مضمر ہوگا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی وَقَدْ قَالُوْا لَهُمْ۔

۴ یہ قالوا کا مقولہ ہے، یعنی تم کس حالت میں تھے، کیا تم مسلمان تھے جس طرح تمہارا اقرار دلالت کرتا ہے یا تم کافر تھے جس پر تمہارا کفار کے پاس ٹھہرنا اور بغیر عذر کے ان کی موافقت کرنا دلالت کرتا ہے۔

۵ جن لوگوں نے ہجرت کے فریضے کو چھوڑا تھا۔ اب انہیں موت آنے والی ہے۔ انہوں نے کہا یہ انّ کی خبر ہے۔ اس صورت میں جبکہ اس کا ماقبل حال ہو اور یہ جملہ مستانفہ ہو۔ جب ماقبل جملہ انّ کی خبر تصور کی جائے گویا یہ سائل کا جواب ہے جو یہ پوچھتا ہے کہ جنہیں موت آنے والی ہے۔ انہوں نے کیا جواب دیا تھا جب انہیں فرشتوں نے وہ کہا جس کا ذکر کیا گیا۔

۶ یہاں ارض سے مراد مکہ مکرمہ ہے، یعنی ہم کفار کی مخالفت پر قادر نہ تھے یا ہم دین کے اظہار اور اعلاء کلمۃ الحق سے عاجز تھے۔

۷ فرشتوں نے انہیں جھٹلانے اور شرمندہ کرنے کے لیے کہا یہ جملہ مستانفہ ہے۔ جب قریب الموت لوگوں نے عذر پیش کیا تو فرشتوں نے ان کے جواب میں کہا۔

۸ تم مکہ مکرمہ سے ایسے علاقہ کی طرف نکلنے پر قادر تھے جہاں تمہیں اسلام کے اظہار، کفار کی مخالفت اور اعلاء کلمۃ الحق سے کوئی رکاوٹ نہ تھی، جس طرح مہاجرین نے مدینہ طیبہ اور حبشہ کی طرف ہجرت کی فتھاجروا محل نصب میں ہے کیونکہ یہ استفہام کے جواب میں ہے۔

۹ وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ فا تعقیبیہ اور سبب کے لیے ہے، یعنی ان کا ٹھکانہ جہنم اس لیے ہے کہ انہوں نے ہجرت کو ترک کیا۔ یہ کفر کو مستلزم ہے نہ جہنم میں دائمی عذاب کو۔ یہ جملہ ماقبل جملہ کا معطوف ہے اور اس کا نتیجہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ فاولٰئک والا جملہ انّ کی خبر ہو۔ اس پر فاء اس لیے آئی کیونکہ انّ کے اسم میں شرط کا معنی پایا جاتا ہے اور اس کا ماقبل جملہ حال ہے یا یہ جملہ مستانفہ ہے۔

۱۰ ان کا ٹھکانہ بہت برا ہے یا جہنم بہت برا ٹھکانہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو آدمی اپنے دین کے ساتھ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف بھاگا اگرچہ ایک بالشت بھاگا ہو اس کے لیے جنت لازم ہوگی۔ اس کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم اور اس کے نبی حضرت محمد ﷺ جنت میں اس کے ساتھی ہوں گے۔ (1)

۱۱ ثعلبی نے اسے حسین کی حدیث سے مرسل نقل کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کا بہترین مال بھیڑ بکریاں ہیں جنہیں وہ پہاڑ کی چوٹیوں پر لے جاتا ہے اور اپنے دین کو بچانے کے لیے فتنوں سے دور بھاگتا ہے (2) اسے امام بخاری اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام تمام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، ہجرت تمام پہلے گناہوں کو مٹا دیتی ہے، حج تمام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اسے امام مسلم نے عمرو بن عاص سے روایت کیا۔ (3)

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾

1۔ تفسیر قرطبی، جلد 5، صفحہ 347　2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 321 (فکر)　3۔ صحیح مسلم: 192، جلد 2، صفحہ 118 (علمیہ)

”مگر واقعی کمزور ہے بس [1] مرد [2] اور عورتیں اور بچے [3] جو نہیں کر سکتے تھے (ہجرت کی) کوئی تدبیر اور نہیں جانتے تھے (وہاں سے نکلنے کا) کوئی راستہ [4]“

[1] یہ مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ اسم موصول اور اس کی ضمیر میں داخل نہیں۔ اشارہ اسم موصول کی طرف ہے کیونکہ یہ ظالم نہیں کیونکہ قدرت کے بعد ہی ایک امر واجب ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔

[2] جس طرح انتہائی بوڑھا، مریض، کمزور اور اپاہج جو پیدل سفر پر قادر نہ ہو اور سواری کی استطاعت نہ رکھتا ہو، عیال دار ہو اور انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ کر سکتا ہو۔ اگر ان کو چھوڑ کر خود ہجرت کرے تو ان کے ضائع ہو جانے کا خوف ہے۔

[3] عورتیں کیونکہ عموماً ضعیف ہوتی ہیں اور بچے ان کو استثناء میں ذکر کرنا امر میں مبالغہ کے لیے ہے اور اس بات کا شعور دلاتا ہے کہ جب وہ بالغ ہو جائیں اور ہجرت پر قادر ہوں تو ان پر بھی ہجرت واجب ہوگی یا ولدان سے مراد ان کے اولیاء ہیں کیونکہ جب اولیاء دار شرک سے ہجرت پر قادر ہوں تو ان پر بھی ہجرت واجب ہوگی ورنہ وہ مستضعفین میں شمار ہوں گے۔ یہاں غلام کا ذکر نہیں کیا۔ جب غلام ہجرت پر قادر ہو تو اس پر ہجرت واجب ہے۔ آقا کا حق اسے ہجرت سے نہیں روک سکتا کیونکہ حقوق العباد فرض عین پر غالب نہیں آ سکتے۔ محمد بن اسحاق نے یونس بن بکیر کی روایت میں کہا مجھے عبداللہ بن مکرم اور محمد بن یحییٰ نے اپنے شیوخ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منادی کرنے والے نے ندا دی۔ یہ اس وقت ہوا جب حضور ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا، جو غلام بھی قلعہ سے نیچے اتر آیا اور ہمارے پاس آ گیا وہ آزاد ہے تو قلعہ سے دس سے زائد افراد نکل آئے حافظ محمد بن یوسف صالحی نے سبل الرشاد میں ان کے نام گنوائے ہیں۔ امام احمد نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غلاموں میں سے جو ہماری طرف آ گیا وہ آزاد ہے۔ غلام نکل آئے۔ ان میں ابو بکرہ بھی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے آزاد کر دیا (1) صحیحین میں ابو عثمان نہدی سے مروی ہے سعد نے کہا یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر پھینکا۔ ابو بکرہ طائف کے قلعہ کی دیوار پر تھے۔ یہ طائف میں تیئیسویں فرد تھے جو حضور ﷺ کے پاس آئے۔ یہ امر اہل طائف پر بڑا شاق گزرا۔ انہوں نے غلاموں پر سختی شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان آزاد کردہ غلاموں میں سے ہر ایک کو ایک ایک آدمی کے حوالے کر دیا جو اس کے اخراجات برداشت کرے۔ اس کے لیے سواری کا انتظام کرے اور صحابہ کو حکم دیا کہ انہیں قرآن کی تعلیم دیں اور دین کے احکام بتائیں۔ جب بنو ثقیف مسلمان ہو گئے تو ان کے سرداروں نے ان آزاد کردہ غلاموں کے بارے میں بات چیت کی جن میں سے ایک حارث بن کلدہ بھی تھا کہ انہیں دوبارہ غلامی میں دے دیا جائے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں، ان تک رسائی کی کوئی صورت نہیں۔

[4] حیلہ کا معنی مہارت، اچھی نظر اور تصرف پر قدرت ہے، یعنی وہ ہجرت پر قدرت نہیں رکھتے اور اس کے اسباب بھی نہیں پاتے، نہ خود راستہ پہچانتے ہیں اور نہ ہی کوئی راہنما پاتے ہیں۔

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾

”تو یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں امید کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے گا ان سے اور اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے [1]“

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 248 (صادر)

؎ اللہ تعالیٰ نے آیت میں عسیٰ (امید) اور عفو کا لفظ اس امر سے آگاہ کرنے کے لیے فرمایا کہ ہجرت نہ کرنا بہت بڑا معاملہ ہے، یہاں تک کہ معذور کو بھی بے خوف نہیں ہو جانا چاہیے بلکہ موقع کی تاڑ میں رہنا چاہیے اور اس کا دل ہجرت کے ساتھ معلق رہنا چاہیے۔ ابن عباس نے کہا میں اور میری ماں ان لوگوں میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے معذور قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نماز میں ان ضعفاء کے لیے دعائیں کرتے تھے (1) امام بخاری اور دوسرے محدثین نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے جب رسول اللہ ﷺ عشاء کی آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو یوں دعا فرماتے اے اللہ عیاش بن ربیعہ کو نجات عطا فرما، اے اللہ ولید بن ولید کو نجات عطا فرما، اے اللہ سلمہ بن ہشام کو نجات عطا فرما، اے اللہ کمزور مومنوں کو نجات عطا فرما، اے اللہ مضر پر اپنا عذاب نازل فرما، اے اللہ انہیں اس طرح خشک سالی کا شکار کر جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں خشک سالی ہوئی تھی۔ (2)

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۰۰

"اور جو شخص ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں پائے گا زمین میں پناہ کے لیے بہت جگہ ؎ اور کشادہ روزی ؎ اور جو شخص نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے ؎ اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف ؎ پھر آ لے اس کو راہ میں موت تو ثابت ہو گیا اس کا اجر اللہ کے ذمہ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ؎"

؎ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے مراغماً کا معنی تحولاً کیا ہے یعنی ایسی جگہ جس طرف وہ منتقل ہوا۔ یہ رغام سے مشتق ہے یعنی مٹی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ایسا راستہ جو اس کی قوم کو رسوا کرے گا یعنی وہ اپنی قوم کو چھوڑے گا جبکہ وہ راضی نہ ہوں گے۔ یہ بھی رغام سے مشتق ہے جس کا معنی مٹی ہے۔ مجاہد نے کہا ناپسندیدہ چیز سے بچتے ہوئے۔ ابو عبید نے کہا مراغم کا معنی ہجرت کی جگہ ہے کہا جاتا ہے۔ راغمت قومی یعنی میں نے انہیں چھوڑ دیا۔ قاموس میں ہے مراغمہ کا معنی چھوڑنا، دور ہونا اور مراغم کا معنی راستہ، بھاگنے کی جگہ، قلعہ اور حرکت ہے۔ (3)

؎ رزق اور زندگی میں آسانی یعنی میں وسعت، امن، خوف کے زوال اور دین کے اظہار میں سہولت مراد ہے۔ بغوی نے کہا روایت کیا گیا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو بنی لیث کے ایک بزرگ اور مریض آدمی نے اسے سنا جسے جندع کہتے۔ اس نے کہا اللہ کی قسم میں ان لوگوں میں سے نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس حکم سے مستثنیٰ کیا۔ بے شک میرے پاس تدبیر بھی ہے، میرے پاس اتنا مال ہے جو مجھے مدینہ طیبہ اور اس سے دور جگہ تک پہنچا سکتا ہے۔ اللہ کی قسم میں آج مکہ میں رات نہیں گزاروں گا۔ مجھے یہاں سے لے چلو۔ اس کے گھر والے اسے چارپائی پر اٹھا کر نکل پڑے، یہاں تک کہ مقام تنعیم تک پہنچے تو اسے موت آ گئی۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر مارا۔ پھر اس نے کہا اے اللہ یہ تیرے لیے ہے اور یہ تیرے رسول کے لیے ہے۔ میں ان امور میں تیری بیعت کرتا ہوں جن پر تیرے رسول نے تیری بیعت کی۔ پھر وہ مر گیا اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی۔ صحابہ نے کہا اگر وہ مدینہ طیبہ پہنچ جاتا تو اس کا اجر مکمل ہوتا۔ مشرکین اس پر ہنسے۔ انہوں نے کہا جو اس نے طلب کیا تھا اس نے نہ پایا (4) ابن ابی حاتم اور ابو یعلیٰ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابن

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 138 (فکر)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 139 (فکر)
3۔ القاموس المحیط، جلد 2، صفحہ 1469
4۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 139 (فکر)

عباس سے نقل کیا ہے کہ ضمرۃ بن جندب اپنے گھر سے ہجرت کی غرض سے نکلے۔ اس نے گھر والوں سے کہا مجھے اٹھاؤ اور مشرکین کے علاقہ سے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلو تو وہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے سے پہلے ہی مر گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔(1)

ے مہاجراً یخرج کی ضمیر سے حال ہے

ے یعنی جہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے جانے کا حکم دیا۔

ے جہاں وہ ہجرت کر کے جانا چاہتا تھا وہاں پہنچنے سے پہلے ہی موت نے آ لیا۔ یدرک کا عطف یخرج پر ہے۔ آیت میں لفظ وقع وجوب کے معنی میں ہے۔ یہ کلمہ اس معنی سے بطور مجاز استعمال ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے ساتھ اجر کے حاصل ہونے میں تاکید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے ابوحمزہ زرقی سے جنہیں آنکھ میں تکلیف تھی، وہ مکہ مکرمہ میں ہی تھے کہ مستضعفین والی آیت نازل ہوئی۔ انہوں نے کہا مجھے یہ حکم پہنچ چکا ہے جبکہ میں تدبیر بھی کر سکتا ہوں، تو اس نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے تیاری کی، تو تنعیم کے مقام پر اسے موت نے آ لیا، تو یہ آیت نازل ہوئی(2) ابن جریر نے اسی کی مثل سعید بن جبیر، عکرمہ، قتادہ، سدی، ضحاک سے نقل کیا ہے اور دوسرے محدثین نے بعض روایات میں اس کا نام ضمرہ بن عیص، بعض میں عیص بن ضمرہ، بعض میں جندب بن ضمرہ جندعی، بعض میں ضمری، بعض میں بنی ضمرہ کا ایک آدمی، بعض میں خزاعہ کا ایک آدمی، بعض میں بنی لیث کا ایک آدمی، بعض میں بنی کنانہ اور بعض میں بنی بکر کا ایک آدمی ذکر کیا ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں یزید بن عبداللہ بن قسیط سے نقل کیا ہے کہ جندع بن ضمرہ ضمیری جندعی مکہ مکرمہ میں تھا۔ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا مجھے مکہ مکرمہ سے نکال لے چلو، اس غم نے مجھے مار ڈالا ہے۔ بیٹوں نے پوچھا کہاں لے چلیں؟ اس نے مدینہ طیبہ کی طرف اشارہ کیا۔ مراد ہجرت تھی۔ وہ اس کو لے کر چلے جب وہ اضاۃ بنی غفارہ میں پہنچا تو وہ فوت ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔

ابن ابی حاتم، ابن مندہ اور باوردی نے صحابہ میں ہشام بن عروہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا کہ زبیر بن عوام نے کہا کہ خالد بن حرام نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو راستہ میں سانپ نے اسے ڈس لیا تو اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔(3) اموی نے مغازی میں عبدالملک بن عمیر سے نقل کیا ہے کہ اکثم بن صیفی کو حضور ﷺ کی ہجرت کی خبر پہنچی تو اس نے آپ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا تو ان کی قوم نے اجازت نہ دی۔ انہوں نے کہا میرے پاس دو آدمی آئے جو آپ تک میرا پیغام پہنچائے اور مجھے آپ کا پیغام پہنچائے۔ دو آدمی اس کے لیے تیار ہو گئے۔ وہ دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی ہم اکثم بن صیفی کے قاصد ہیں۔ وہ آپ سے پوچھتا ہے آپ کون ہیں آپ کی صفات کیا ہیں اور آپ کیا پیغام لائے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں محمد بن عبداللہ ہوں میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الآیۃ پھر وہ دونوں اکثم کے پاس آئے اور اسے یہ پیغام بتایا تو اکثم نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم بے شک وہ تو مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔ اس معاملہ میں سردار بن جاؤ، اس کی دُم میں نہ بنو۔ مدینہ طیبہ کے ارادہ سے اپنے اونٹ پر سوار ہوا۔ راستہ میں ہی مر گیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ یہ مرسل ہے، اس کی سند ضعیف ہے۔ ابوحاتم نے کتاب المعمرین میں دو سندوں سے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ان سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ اکثم بن صیفی کے حق میں نازل ہوئی۔ عرض کی گئی پھر

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 69-368 (علمیہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 369 (علمیہ) 3۔ ایضاً، صفحہ 370

لیثی کہاں گیا؟ فرمایا یہ لیثی سے قبل کا واقعہ ہے۔ یہ آیت سبب نزول کے اعتبار سے خاص اور حکم کے اعتبار سے عام ہے۔(1)

فائدہ: علماء نے کہا طلب علم' حج' جہاد اور ایسے شہر کی طرف فرار کے لیے ہجرت جس میں اللہ تعالیٰ کی طاعت' قناعت' زہد اور پاکیزہ رزق کی تلاش میں زیادتی ہو تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت ہو گی جسے راستہ میں موت آ گئی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ واللہ اعلم

ابن جریر نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ بنی نجار کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، عرض کی یا رسول اللہ ہم جب مسافر ہوں تو کیسے نماز پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(2)

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا ﴿١٠١﴾

"اور جب تم سفر کرو زمین میں تو نہیں تم پر کچھ حرج اگر تم قصر کرو نماز میں [1] اگر ڈر و تم اس بات سے کہ تکلیف پہنچائیں گے تمہیں کافر [2] بے شک کافر تو تمہارے کھلے دشمن ہیں [3]"

[1] إِذَا ضَرَبْتُمْ یعنی جب تم مسافر ہو جناح کا معنی گناہ ہے۔ اَنْ مصدریہ سے پہلے فی صرف جار محذوف ہے، یعنی چار رکعتوں والی نماز میں قصر کرو، اسے دو پڑھو نہ کہ دو یا تین رکعتوں والی نماز میں۔ اس پر اجماع ہے۔ سیبویہ کے نزدیک جار مجرور محذوف موصوف کی صفت ہے جو شیئا ہے اور اخفش کے نزدیک لفظ صلٰوۃ تقصروا کا مفعول ہے اور مِن زائدہ ہے۔

البحث الاول: سفر کی مسافت کی مقدار جو قصر میں رخصت کا باعث ہے۔ یہ بحث سورۂ بقرہ میں وہاں گزر چکی ہے جہاں روزوں کے افطار کی رخصت کا ذکر تھا۔

البحث الثانی: کیا سفر میں مکمل نماز پڑھنا جائز ہے یا کہ نہیں؟

امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے بعض اصحاب نے کہا یہ جائز نہیں۔ امام بغوی نے کہا یہی حضرت عمر' حضرت علی' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت جابر اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری' عمر بن عبدالعزیز' قتادہ اور مالک سے بھی یہی مروی ہے۔ امام شافعی اور امام احمد اور امام مالک کا بھی مشہور مذہب یہی ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ امام بغوی نے کہا یہی حضرت عثمان اور حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے۔ امام شافعی کی دلیل اس آیت کا ظاہر ہے کیونکہ جناح کی نفی رخصت میں کی جاتی ہے نہ کہ قطعی امر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کہ نبی کریم ﷺ سفر میں قصر کرتے تھے اور مکمل نماز بھی پڑھتے تھے۔ روزہ افطار بھی کرتے تھے اور روزہ رکھتے بھی تھے(3) اسے امام شافعی' ابن ابی شیبہ' بزار اور دار قطنی نے روایت کیا۔ دار قطنی نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ یہ مغیرہ بن زیاد کی عطاء بن ابی رباح کی روایت ہے۔ امام احمد نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابوزرعہ نے کہا اس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ لیکن ابن جوزی نے عمر بن سعید کی سند سے، انہوں نے عطا سے نقل کیا مغیرہ بن زیاد کو وکیع اور یحییٰ بن معین نے ثقہ قرار دیا ہے۔ عبدالرحمن بن اسود کی حدیث جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان شریف میں عمرہ کے لیے سفر پر روانہ ہوئی۔ آپ نے روزہ افطار کیا میں نے روزہ رکھا۔ آپ

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 368-369 (علمیہ)　2۔ ایضاً، صفحہ 372 (علمیہ)　3۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 2، صفحہ 206

نے نماز قصر ادا کی جبکہ میں نے مکمل نماز پڑھی۔ میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ نے روزہ افطار کیا جبکہ میں نے روزہ رکھا۔ آپ نے نماز قصر ادا کی، میں نے مکمل نماز ادا کی۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ تو نے اچھا کیا(1) اسے دار قطنی اور نسائی نے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا۔ بیہقی نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔ اس پر اعتراض کیا گیا کہ عبد الرحمن بن اسود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے جبکہ وہ ابھی چھوٹے تھے۔ جبکہ انہوں نے حضرت عائشہ سے روایات نہیں سنیں۔ دار قطنی نے کہا وہ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ وہ قریب البلوغ تھے۔ امام بخاری کی تاریخ اور دوسری کتابوں میں ایسی چیزیں ہیں جو اس کی تائید کرتی ہیں۔ دار قطنی نے اس حدیث کو عبد الرحمن بن اسود سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے۔ دار قطنی کا قول اس میں مختلف فیہ ہے۔ سیر میں کہا اس کی سند حسن ہے۔ علل میں کہا مرسل کو صحیح کے مناسب قرار دیا ہے۔ اس روایت کے اوپر یہ اعتراض بھی ہے کہ سیرت نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رمضان شریف میں عمرہ نہیں کیا۔ لیکن دار قطنی کی روایت میں رمضان کے عمرہ کا ذکر ہے جبکہ دوسری روایت میں یہ موجود نہیں واللہ اعلم۔

امام ابو حنیفہ نے یعلی بن امیہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، کہا میں نے عمر بن خطاب سے سوال کیا اور یہ آیت پڑھی لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا..... جبکہ اب لوگ امن میں ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا میں بھی اس سے متعجب ہوا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا اس کا صدقہ قبول کرو۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔(2)

قبیلہ عبد اللہ بن کعب کا ایک آدمی جس کا نام انس بن مالک تھا۔ نبی کریم ﷺ سے اس کے سوا اس کی کوئی روایت نہیں۔ اس نے کہا ہم پر رسول اللہ ﷺ کے شاہسواروں نے حملہ کیا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ کو کھانا کھاتے ہوئے پایا، فرمایا قریب ہو جا اور کھانا کھا۔ میں نے عرض کی میں روزے دار ہوں، فرمایا قریب ہو جا، میں تمہیں روزے کے متعلق بات بتاؤں، فرمایا اللہ تعالیٰ نے مسافر سے روزہ کو اور نماز کا ایک حصہ ساقط کر دیا ہے۔ اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت سے بھی روزے کو ساقط کر دیا ہے ہائے افسوس میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا تناول کیوں نہ کیا۔ اسے ابن جوزی نے امام ترمذی کی سند سے روایت کیا۔ امام شافعی نے اسی حدیث سے اپنے مذہب کے حق میں استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے روزے کو نماز کے ساتھ ملایا ہے، روزے کے افطار میں مسافر کے لیے رخصت بالاجماع اختیاری ہے۔

امام ابو حنیفہ کے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ حدیث طیبہ میں لفظ وضع کا معنی اسقاط ہے۔ لیکن اس کا روزے کی رخصت میں استعمال اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں اس سے مراد تخییر ہے، اگرچہ مجازاً ہی کیوں نہ ہو۔ حقیقت اور مجاز کے درمیان جمع کرنا جائز نہیں ہوتا کہ یہ کہا جائے کہ روزے کے حق میں یہ تخییر کے معنی میں ہے اور نماز کے حق میں اسقاط کے لیے ہے۔

امام ابو حنیفہ کی یعلی بن امیہ کی حدیث سے استدلال کی دلیل یوں ہے کہ ایسی چیز کا صدقہ جو تملیک کا احتمال نہ رکھے یہ محض ساقط کرنا ہوتا ہے، اگرچہ صدقہ کرنے والا ایسا ہو جس کی اطاعت لازمی نہ ہو جس طرح قصاص کا ولی جب معاف کر دے تو جس کی اطاعت لازمی ہو اس کا صدقہ بدرجہ اولیٰ اسقاط ہوگا۔ حدیث طیبہ میں قبول صدقہ کا امر وجوب کے لیے ہے۔

امام ابو حنیفہ نے حضرت عمر بن خطاب کے اثر سے استدلال کیا ہے، فرمایا سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں، عید الاضحیٰ کی نماز کی دو رکعتیں

1۔ معرفۃ السنن والآثار للبیہقی، 6068 (العلمیہ)
2۔ صحیح مسلم، جلد 5، صفحہ 167 (علمیہ)

ہیں' عیدالفطر کی نماز کی دو رکعتیں ہیں، جمعہ کی نماز کی دو رکعتیں ہیں۔ یہ مکمل ہیں ان میں قصر نہیں۔ حضور ﷺ کی زبان پر یوں ہی جاری ہے(1) اسے امام نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔

حضرت ابن عباس کے اثر استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی پر حالت اقامت میں چار رکعتیں، سفر میں دو رکعتیں اور خوف میں ایک رکعت فرض کی۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔(2) نیز حضرت عائشہ کے اثر سے استدلال کیا فرمایا نماز دو رکعت فرض کی گئی۔ سفر میں اپنی حالت پر برقرار رکھی گئی اور حالت اقامت میں زائد کر دی گئی۔ متفق علیہ۔(3) ایک میں الفاظ یہ ہیں زہری نے کہا میں نے عمران سے پوچھا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کیا ہو گیا کہ وہ سفر میں نماز مکمل پڑھتی تھیں۔ عروہ نے کہا انہوں نے اس کی تاویل کی جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاویل کی۔

بخاری کے الفاظ میں ہے نماز دو دو رکعت فرض کی گئی۔ جب نبی کریم ﷺ نے ہجرت کی تو چار رکعتیں فرض کر دی گئیں اور سفر کی نماز اپنی اصلی حالت پر رکھی گئی۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث سے امام ابو حنیفہ نے استدلال کیا کہ سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ ہوتا تھا۔ آپ نے دو رکعتوں سے زیادہ کبھی نماز نہیں پڑھی، یہاں تک کہ آپ نے پردہ فرمایا۔ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہا، آپ نے بھی سفر میں موت آنے تک دو سے زیادہ رکعت نماز ادا نہیں فرمائی۔ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہا، آپ نے بھی موت آنے تک سفر میں دو سے زیادہ رکعت ادا نہیں فرمائی۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ ہے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔

صحیحین میں ان الفاظ کے ساتھ روایت ہے میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہا، آپ سفر میں دو سے زیادہ رکعات ادا نہیں فرماتے تھے۔ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا معاملہ بھی یہی تھا۔(4)

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے منیٰ میں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خلافت کے ابتدائی سالوں میں اسی طرح کیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد کے دور میں چار رکعت نماز ادا فرمائی۔

امام احمد نے جو روایت کی اس سے بھی استدلال کیا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت نماز ادا فرمائی۔ لوگوں نے اسے ناپسند کیا تو آپ نے فرمایا اے لوگو جب سے میں مکہ مکرمہ آیا ہوں میں نے اسے گھر بنا لیا ہے۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے سن رکھا ہے، آپ فرماتے تھے جو کسی شہر میں اپنا گھر بنا لے تو وہ مقیموں والی نماز پڑھے۔

استدلال کی صورت یہ ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مکمل نماز پر لوگوں کا اعتراض اور آپ کا مکہ مکرمہ کے رہائشی ہونے کا عذر اسی امر پر واضح دلیل ہے کہ مکمل نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اگر یہ جائز ہوتا تو لوگ انکار نہ کرتے اور نہ ہی آپ عذر پیش کرتے بلکہ آپ یہ کہتے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

ان تمام آثار کا جواب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے یہ دیا گیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہنا کہ سفر کی نماز

1۔ سنن نسائی، جلد 3، صفحہ 118 (الحدیث)
2۔ صحیح مسلم، جلد 5، صفحہ 167 (علمیہ)
3۔ صحیح بخاری: 1087 (فکر)
4۔ صحیح بخاری: 99-1098 (فکر)

دو رکعتیں اجر میں مکمل ہیں یعنی اس کی نماز میں کوئی کمی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس میں کوئی قصر نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا یہ آیت اس کی قصر میں صریح اور واضح ہے۔ اخبار آحاد اگرچہ مرفوع ہوں نص کے مقابلہ میں ساقط ہیں تو موقوف کا کیا حال ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر بالا تفاق متروک ہے کیونکہ فقہاء میں سے کوئی بھی اس طرف نہیں گیا کہ صلوٰۃ خوف ایک رکعت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اثر پر عمل کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ راوی کا ذاتی عمل جب روایت کے خلاف ہو تو یہ حدیث میں جرح کا باعث ہوتا ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سفر میں مکمل نماز پڑھتی تھیں اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے تخییر نقل کی۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان کے قول تو کت صلوٰۃ المسفر علی الاولیٰ کو اس پر محمول کیا جائے کہ جو دو رکعتیں پسند کرے تو گویا اس کے حق میں نماز پہلی حالت پر چھوڑ دی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث یا اس کی نفی پر شہادت نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث اس کے اثبات پر شہادت ہے جو بہتر ہے یا یہ کہا جائے گا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ عموماً دو سے زیادہ رکعتیں نہیں پڑھتے تھے۔ نیز ابن عمر نے یہ بھی ذکر کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے پہلے سالوں میں دو رکعات پڑھیں۔ بعد میں چار اور اس میں لوگوں کے انکار کا ذکر نہیں کیا، یہ بھی تخییر کی دلیل ہے۔ نیز یہ ارشاد لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اولیٰ ہونے پر دلالت کرتا ہے وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔ نیز لوگوں کا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز پر اعتراض اور ان کا عذر پیش کرنا یہ اولیٰ کو ترک کرنے پر ہو۔

احناف نے عقلی دلیل سے بھی استدلال کیا ہے کہ دوسری دو رکعتوں کی قضا نہیں ہوتی (اگر نہ پڑھی جائیں تو دوسرے ائمہ کے نزدیک بھی اس کی قضا نہیں) اور انہیں چھوڑنے کی وجہ سے وہ گنہگار بھی نہیں ہوگا۔ یہ نفل کی علامت ہے۔ روزے کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اس کی قضا کی جاتی فقیر پر حج فرض ہونے کا معاملہ بھی مختلف ہے کیونکہ جب وہ میقات میں داخل ہو جاتا ہے تو اس پر بھی حج فرض ہو جاتا ہے واجبات میں اختیار دونوں امروں میں کسی نہ کسی سہولت کی وجہ سے ہوتا ہے جس طرح مسافر کے لیے روزے کا حکم ہے کیونکہ لوگوں کے ساتھ روزہ رکھنے میں ایک قسم کی سہولت ہے جبکہ اکیلے رکھنے میں وہ سہولت نہیں، دو اور چار میں ایسا معاملہ نہیں کیونکہ دو میں آسانی یقینی ہے۔ رہا مسافر کے لیے نماز جمعہ اور ظہر کی نماز تو ان میں سے ایک نماز کی ایک جنس ہے اور ہر ایک میں ایک قسم کی سہولت ہے کیونکہ نماز جمعہ میں ایسی شرطیں ہیں جو ظہر کی نماز میں نہیں مکلف کے لیے آسانی کی رعایت کے بغیر تخییر شان عبودیت کے منافی ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ قلیل اور کثیر کے درمیان تخییر فائدہ مند ہے کیونکہ قلیل کا اختیار آسانی کے لیے ہے اور کثیر کا اختیار اجر کی زیادتی کے لیے ہے۔ چار میں اجر کی زیادتی دو میں کمی کو ثابت نہیں کرتی اس کی مثال نماز میں قرأت ہے کیونکہ نمازی کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ کم از کم اتنی قرأت کرے جس کے ساتھ نماز جائز ہو۔ اس وقت اس کی نماز میں کوئی کمی نہیں ہوتی یا وہ ایک رکعت میں قرآن پڑھ لے، جب کبھی بھی وہ نماز میں قرآت کرے تو تمام قرآن بھی بطور فرض ہی ثابت ہوگا کیونکہ یہ بھی مامور بہ کے افراد میں سے ایک فرد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ تمہاری یہ تقریر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مسافر کے لیے مکمل نماز قصر نماز کی نسبت افضل اور اجر و

ثواب کے اعتبار سے مکمل ہے جس طرح نماز میں قرأت کی زیادتی بالا جماع افضل ہے جبکہ مسنون مقدار سے زیادہ قرأت کرنا لوگوں کی رعایت کرتے ہوئے امام کے لیے مکروہ ہے۔ جب آدمی اکیلے نماز پڑھ رہا ہو یا قوم طویل قرأت میں رغبت رکھتی ہو تو امام کے لیے بالا جماع مکروہ نہیں لیکن بالاتفاق سفر میں قصر کرنا مکمل نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ امام شافعی سے جو ایک قول روایت کیا گیا ہے کہ مکمل نماز پڑھنا افضل ہے اس سے امام شافعی نے رجوع کر لیا تھا۔

احناف نے امام شافعی کے استدلال کا اس آیت سے جواب دیا ہے کہ لوگ مکمل نماز پڑھنے سے مانوس تھے۔ اس کا امکان تھا کہ لوگوں کے دلوں میں یہ وسوسہ پیدا ہو نماز میں قصر کرنے سے ان کے اجر میں کمی واقع ہوگی تو قصر کے بارے میں انہیں اطمینان دلانے کے لیے ان سے گناہ کی نفی کر دی۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا۔ اس استدلال کو رد کیا گیا ہے کہ اس میں تو آیت کے ظاہر کا بلاوجہ ترک لازم آتا ہے جو جائز نہیں واللہ اعلم۔(1)

تیسری بحث: امام ابو حنیفہ کے نزدیک سفر معصیت بھی قصر کو واجب کرتا ہے کیونکہ یہ آیت عام ہے۔ ائمہ ثلاثہ نے کہا سفر معصیت قصر کو ثابت نہیں کرتا تاہم ان کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جس پر اعتماد کیا جا سکے۔

چوتھی بحث: جب مسافر شہر کے مکانات سے باہر نکل جائے تو چاروں ائمہ کے نزدیک دو رکعت نماز ادا کرے۔ امام مالک سے ایک اور روایت ہے کہ جب وہ شہر سے تین میل آگے نکل جائے تب قصر نماز ادا کرے۔ حارث بن ربیعہ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے سفر کا ارادہ کیا تو اپنے گھر میں ہی لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی نماز میں شریک لوگوں میں اسود کے علاوہ بھی عبداللہ کے اصحاب تھے۔ مجاہد سے مروی ہے جب وہ دن کے وقت سفر پر نکلتے تو اس وقت تک قصر نہ کرتے یہاں تک کہ رات آ جاتی، اگر رات کو سفر پر نکلتے تو اس وقت تک قصر نہ کرتے یہاں تک کہ دن طلوع نہ ہو جاتا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اقامت شہر میں داخل ہونے کے ساتھ متعلق اور سفر شہر سے باہر نکلنے کے ساتھ متعلق ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیر خدا سے روایت کیا ہے کہ وہ بصرہ سے چلے تو شہر کے مکانات سے تجاوز کرنے سے قبل ظہر کی چار رکعت ادا کیں، پھر فرمایا اگر ہم اس قلعہ سے آگے نکل گئے تو ہم دو رکعت ادا کریں گے(2) اس طرح جب سفر سے واپس ہوئے اور شہر میں داخل ہونے کا ارادہ کیا اور ابھی شہر میں داخل نہ ہوئے تھے تو دو رکعتیں ادا کیں۔ جب مکانات کی حدود کے اندر آ گئے تو بالاتفاق چار رکعت ادا کیں۔ امام بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیر خدا شہر سے نکلے تو دو رکعات پڑھیں، کہا جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیر خدا شہر سے نکلے ابھی مکانات نظر آ رہے تھے تو آپ نے قصر نماز ادا کی۔ جب آپ واپس ہوئے تو آپ سے عرض کی گئی یہ کوفہ ہے۔ فرمایا نہیں یہاں تک کہ ہم اس میں داخل ہو جائیں۔ مراد یہ تھی کہ آپ نے دو رکعت نماز ادا کی جبکہ کوفہ آپ کے سامنے تھا۔ عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ ہمیں ثوری نے ورقاء بن ایاس اسدی سے روایت کیا کہ ہم حضرت علی شیر خدا کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے۔ ہم کوفہ کو دیکھ رہے تھے کہ آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر ہم پلٹے تو آپ نے دو رکعت نماز ادا کی جبکہ آپ بستی کو دیکھ رہے تھے۔ ہم نے عرض کی کیا ہم چار رکعت نماز ادا نہ کریں۔ فرمایا نہیں یہاں تک کہ ہم اس میں داخل ہو جائیں۔(3)

1۔ بدایہ اولین، صفحہ 167 (شرکت)　　2۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 2، صفحہ 204 (الزمان)
3۔ مصنف عبدالرزاق: 4321 (اسلامی)

پانچویں بحث: سفر کے دوران جب وہ کسی شہر یا دیہات میں آنے اور اس سے روانہ ہونے کے دو دنوں کے علاوہ چار دن مقیم رہنے کی نیت کرلے تو امام مالک اور شافعی کے نزدیک چار رکعات نماز پڑھنے کی نیت کرے۔

امام احمد سے روایت مروی ہے اگر اس نے اتنی مدت ٹھہرنے کی نیت کی جس میں وہ بیس نماز پڑھ سکتا ہے تو مکمل نماز پڑھے گا۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا شہر یا دیہات میں جب تک پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کرے گا مکمل نماز نہیں پڑھے گا۔ صحرا یا خیموں میں ٹھہرنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ ہماری دلیل وہ صحیح روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر اتوار کے روز ذی الحجہ کی چار تاریخ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، جب آٹھویں ذی الحجہ کو یوم ترویہ ہوا تو آپ منیٰ کی طرف تشریف لے گئے۔ نویں ذی الحجہ کو سورج کے طلوع ہونے کے بعد آپ عرفات کی طرف تشریف لے گئے۔ جب آپ حج سے فارغ ہوئے تو آپ نے ایام حج کی چوتھی رات محصب میں گزاری۔ پھر آپ نے طواف وداع صبح سے پہلے سحری کے وقت پڑھی۔ آپ مکہ مکرمہ سے چودھویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تو دس دن مکمل ہو گئے۔ آپ مکہ مکرمہ میں آٹھویں ذی الحجہ تک مکمل چار روز مقیم رہے۔ اس طرح امام مالک اور امام شافعی کا قول باطل ہو گیا جبکہ امام احمد کا قول باطل نہ ہوا کیونکہ حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ میں صرف بیس نمازیں ادا فرمائیں۔

امام ابوحنیفہ نے آثار سے استدلال کیا ہے۔ امام طحاوی نے ابن عباس اور ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ دونوں نے فرمایا جب تو مسافر ہونے کی حیثیت سے کسی شہر میں آئے، تیرے دل میں یہ ارادہ تھا کہ تو پندرہ دن قیام کرے گا تو اپنی نماز کو مکمل کر، اگر تو یہ نہیں جانتا کہ کب کوچ کرو گے تو نماز میں قصر کرو۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ابن عمر جب کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرتے تو اپنی نماز مکمل کرتے۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کیا ہے ہمیں امام ابوحنیفہ نے بیان کیا، انہیں موسیٰ بن مسلم نے بیان کیا انہوں نے مجاہد سے روایت کیا، انہوں نے ابن عمر سے روایت کیا جب تو مسافر ہو اور تو پندرہ ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو نماز مکمل کر، اگر تو یہ نہیں جانتا کہ کب تو کوچ کرے گا تو نماز میں قصر کر۔(1)

مسئلہ: اگر کوئی آدمی کسی شہر میں داخل ہوا وہ یہ ارادہ رکھتا تھا کہ آئندہ کل یا اگلے روز چلا جائیگا۔ اس نے مدت اقامت کی نیت نہ کی یہاں تک کہ کئی سال تک وہاں مقیم رہا تو ہمیشہ کے لیے وہ قصر کرے گا۔ جمہور علماء نے یہی کہا ہے۔ امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ چودہ دن تک قصر کرے گا۔ آپ کا راجح قول یہ ہے کہ سترہ دن قصر کرے گا اور اٹھارویں دن مکمل نماز پڑھے گا کیونکہ حضرت ابن عباس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر فرمایا۔ آپ نے سترہ دن دو رکعت نماز ادا کی۔ حضرت ابن عباس نے کہا ہم سترہ دنوں تک دو دو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ جب اس سے زیادہ کسی جگہ قیام کرتے تو چار رکعت نماز ادا کرتے(2) اسے امام ترمذی نے روایت کیا، کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ اتنی مدت میں اتفاقی قیام ہوا۔ ظاہر بات یہ ہے کہ اگر یہ مدت اقامت زیادہ بھی ہوتی تو آپ قصر ہی کرتے۔ امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ تبوک میں بیس دن تک مقیم رہے تو آپ نماز میں قصر ہی کرتے رہے۔ عبدالرزاق نے اپنی سند سے روایت کیا کہ عبداللہ بن عمر آذربائیجان میں چھ ماہ تک مقیم رہے اور نماز میں قصر ہی کرتے رہے(3) امام بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ اسے روایت کیا۔ امام بیہقی نے اپنی سند سے

1۔ مصنف ابن ابی شیبہ، 8217 (الزمان) 2۔ جامع ترمذی، 549، جلد 3، صفحہ 21 (علمیہ)
3۔ معرفۃ السنن والآثار للبیہقی، 6140 (الوفاء)

عبداللہ بن عمر سے روایت کیا کہ ہم آذر بائیجان میں تھے کہ میں مجاہدین کے ساتھ تھا۔ برف نے ہمیں چھ ماہ تک روکے رکھا۔ وہاں ہم دو رکعتیں ہی ادا کرتے تھے (1) اس میں یہ صراحت بھی ہے کہ آپ کے ساتھ دوسرے صحابہ بھی یہی کرتے تھے۔ عبدالرزاق نے حسن سے روایت کیا ہے کہ ہم عبدالرحمٰن بن سمرہ کے ساتھ فارس کے شہروں میں کئی سالوں تک رہے۔ وہ کسی جگہ قیام کی نیت نہ کرتے تھے اور نہ ہی دو رکعت سے زائد نماز ادا کرتے (2) حضرت انس بن مالک سے روایت نقل ہے کہ وہ عبدالملک بن مروان کے ساتھ شام میں دو ماہ تک رہے اور وہ دو رکعت نماز ادا کرتے رہے۔

مسئلہ: جب ملاح کشتی میں سفر کرے جبکہ اس کشتی میں اس کے گھر والے اور مال بھی ہو۔ اسی طرح ایسا ملازم یا مزدور جو ہمیشہ سفر پر رہتا ہے تو تینوں ائمہ کے نزدیک وہ نماز میں قصر کرے گا۔ امام احمد نے کہا وہ قصر نہیں کرے گا۔

مسئلہ: خانہ بدوشوں کی اقامت کی نیت صحیح نہیں ہوتی جبکہ صحیح قول یہی ہے کہ وہ مقیم ہوتے ہیں کیونکہ اقامت اصل ہے اور ایک چراگاہ سے دوسرے چراگاہ کی طرف منتقل ہونے سے باطل نہیں ہوتی۔

مسئلہ: جب کوئی مسافر کسی مقیم کی نماز کے کسی حصہ میں اقتداء کرے تو جمہور علماء کے نزدیک چار رکعت پڑھے گا۔ امام مالک نے کہا جب پوری رکعت جماعت کے ساتھ پڑھی تو مکمل نماز پڑھے گا ورنہ مکمل نہیں پڑھے گا۔ اسحاق بن راھویہ نے کہا مسافر مقیم کی اقتداء میں بھی قصر کرے گا۔ امام احمد نے موسیٰ بن سلمہ سے روایت کیا کہ ہم مکہ مکرمہ میں ابن عباس کے پاس تھے۔ میں نے کہا جب ہم تمہارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو چار رکعت ادا کرتے ہیں۔ جب واپس اپنی رہائش میں جاتے ہیں تو دو رکعت ادا کرتے ہیں، تو ابن عباس نے فرمایا یہی حضور ﷺ کی سنت ہے۔

مسئلہ: جس کی حالت اقامت میں نماز فوت ہوگئی اس نے سفر میں نماز قضاء کی تو مکمل نماز قضاء کرے، ابن منذر نے کہا میں اس میں علماء کے اختلاف سے آگاہ نہیں مگر وہ قول جو حسن اور مزنی سے مروی ہے کہ وہ قصر کرے، اگر سفر میں اس کی نماز فوت ہو جائے پھر وہ حالت اقامت میں اس کی قضا کرے تو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق وہ قصر کرے گا (3) امام احمد کے نزدیک وہ نماز مکمل کرے گا۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اصح قول ہے۔

مسئلہ: اگر مسافر مقیم افراد کو جماعت کرائے تو وہ دو رکعت نماز ادا کرے گا اور مقیم اپنی نماز کو مکمل کریں گے۔ اس پر اجماع ہے عمران بن حصین سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کیا اور فتح مکہ کے موقع پر بھی آپ کے ساتھ حاضر تھا۔ آپ مکہ مکرمہ میں اٹھارہ دن ٹھہرے۔ ہم دو رکعت نماز ہی ادا کرتے۔ حضور ﷺ اہل مکہ کو فرماتے اے مکہ والو تم چار رکعت ادا کرلو، بے شک ہم مسافر ہیں۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ (4)

یعنی اگر تمہیں خوف ہو کہ تمہیں کفار کوئی ناپسندیدہ امر پہنچائیں جیسے قتل کرنا، زخمی کرنا، گرفتار کرنا اور مال چھیننا وغیرہ۔ یہ شرط ہے جو سابقہ جملے کی وجہ سے جزاء سے مستغنی ہے، یعنی اگر تمہیں کفار کی جانب سے فتنہ کا خوف ہو تو نماز میں قصر کرو۔ اس نص کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز قصر کے جواز کے لیے خوف شرط ہے۔ خوارج کا یہی قول ہے، جبکہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ خوف شرط نہیں بلکہ یہ کلام عمومی صورتحال کی وجہ سے ہے کیونکہ حضور ﷺ کے عمومی سفر خوف کی حالت میں ہی تھے۔ اس لیے اس شرط کا کوئی حکم نہیں جس طرح

1۔ معرفۃ السنن والآثار: 6148 (الوفاء)
2۔ مصنف عبدالرزاق: 4352 (اسلامی)
3۔ ہدایہ اولین، صفحہ 167 (شرکت)
4۔ جامع ترمذی: 550، جلد 3، صفحہ 22 (علمیہ)

رب العالمین کے اس ارشاد میں ہے وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا تم اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامنی (۱) کا ارادہ کریں کیونکہ حالت امن میں نماز کے قصر کرنے کی بے شمار احادیث ایک دوسرے کی موید ہیں، جس طرح ہم نے یعلی بن امیہ کی حدیث حضرت عمر سے ذکر کی۔ امام شافعی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان حالت امن میں سفر کیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں تھا۔ اس سفر میں بھی آپ دو رکعت نماز ادا فرماتے۔

حارثہ بن وہب خزاعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی۔ اتنی تعداد اور امن پہلے کبھی نہ تھا۔ متفق علیہ (1) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان خفتم مابعد کے ساتھ متصل ہے اور ماقبل سے منفصل ہے، اگرچہ یہ نظم کے اعتبار سے بعید ہے لیکن معنی کے اعتبار سے قریب ہے کیونکہ صلوٰۃ خوف میں خوف بالاجماع لازمی شرط ہے اس کے مابعد میں شرط ذکر نہیں کی گئی۔

امام بغوی نے جو کچھ کہا وہ اس کی تائید کرتی ہے کہ ابو ایوب انصاری سے مروی ہے کہ پہلے فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ نازل ہوا۔ پھر ایک سال بعد صحابہ نے صلوٰۃ خوف کے بارے میں سوال کیا تو اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمْ .... وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ نازل ہوئی (2) امام بغوی نے کہا اس کی مثل قرآن حکیم میں بے شمار امثلہ ہیں پہلے ایک مکمل خبر آتی پھر دوسری خبر اس کے ساتھ ملا دی جاتی۔ ظاہر میں یہ متصل ہوتی جبکہ حقیقت میں منفصل ہوتی۔ جس طرح یہ آیت کریمہ ہے اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ...... لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ یہ عزیز مصر کی بیوی کے قول کی حکایت ہے اور یہ فرمان لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ یوسف علیہ السلام کے قول کی حکایت ہے (3) ابن جریر نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بنی نجار کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، عرض کی یا رسول اللہ ہم زمین میں سفر کرتے ہیں تو ہم کیسے نماز پڑھیں، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ ...... مِنَ الصَّلٰوةِ پھر وحی منقطع ہو گئی۔ جب اس کے بعد ایک سال گزر گیا تو نبی کریم ﷺ غزوہ پر تشریف لے گئے۔ آپ نے ظہر کی نماز ادا کی مشرکوں نے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان کے صحابہ نے تمہیں پشت کی جانب سے حملے کا موقع دیا، کیا تم ان پر شدید حملہ نہیں کرو گے تو انہیں میں سے ایک نے کہا ان کے پیچھے اسی کی مثل موجود ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے دونوں نمازوں کے درمیان اس آیت کو نازل فرمایا اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا...... عَذَابًا مُّهِيْنًا (4)

میں یہ کہتا ہوں اس صورت میں شرط کی جزاء محذوف ہو گی مابعد کلام جس پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی اگر تمہیں کافروں کی جانب سے فتنہ کا خوف ہو تو تم نماز کی حالت میں بھی احتیاط اور جہاد کو نہ چھوڑو۔

بے شک کافر تمہارے واضح دشمن ہیں۔ امام احمد اور حاکم نے نقل کیا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ بیہقی نے دلائل میں ابو عیاش زرقی سے نقل کیا کہ ہم عسفان میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو مشرک ہمارے سامنے آ گئے جن پر خالد بن ولید امیر تھے۔ وہ ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی۔ انہوں نے کہا مسلمان ایسی حالت میں تھے کاش ہم ان کی غفلت میں ان پر حملہ کر دیتے۔ پھر خود ہی کہنے لگے ابھی ان پر پھر نماز کا وقت آنے والا ہے جو انہیں اپنی اولاد اور جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہے تو جبرائیل ظہر اور عصر کے درمیان یہ آیت لے کر نازل ہوئے وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ۔ جب نماز کا وقت ہوا حضور ﷺ نے

1۔ صحیح بخاری: 1080 (فکر) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 142 (فکر) 3۔ ایضاً
4۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 372 (علمیہ)

(۱) اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ پاکدامنی کا ارادہ نہ کریں تو بدکاری پر مجبور کرنا جائز ہے بلکہ یہ شرط عمومی حالت کی بناء پر ہے۔

انہیں حکم دیا، انہوں نے اسلحہ لیا کہا ہم نے آپ کے پیچھے دو صفیں بنالیں۔ آپ نے رکوع کیا، ہم سب نے بھی رکوع کیا۔ پھر آپ اٹھے ہم سب بھی اٹھے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے اس صف کے ساتھ سجدہ کیا جو آپ کے پیچھے تھی جبکہ دوسری صف کے لوگ کھڑے حفاظت کر رہے تھے۔ جب انہوں نے سجدہ کر لیا اور کھڑے ہو گئے تو دوسری صف کے لوگ بیٹھ گئے اور سجدہ کیا۔ پھر یہ لوگ ان کی صف کی جگہ آ گئے اور وہ ان کی صف کی جگہ آ گئے۔ کہا پھر نبی کریم ﷺ نے رکوع کیا تو سب نے رکوع کیا پھر آپ نے سر اٹھایا تو سب نے سر اٹھایا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے سجدہ کیا۔ پھر آپ نماز سے فارغ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے صلوٰۃ خوف دو دفعہ پڑھائی۔ ایک دفعہ عسفان میں اور ایک دفعہ بنی سلیم کے علاقہ میں (1) امام مسلم نے نبی کریم ﷺ سے اسی کی مثل حضرت جابر کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ۪ وَ لْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةًؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْۚ وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾

"اور (اے حبیب ﷺ) جب آپ ان میں موجود ہوں [1] اور قائم کریں آپ ان کے لیے نماز تو چاہیے کہ کھڑا ہو ایک گروہ ان سے آپ کے ساتھ [2] اور وہ پکڑے رکھیں اپنے ہتھیار [3] پس جب سجدہ کر چکیں [4] تو وہ ہو جائیں تمہارے پیچھے [5] اور آ جائے دوسرا گروہ جس نے (ابھی) نماز نہیں پڑھی [6] پس (اب) وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ [7] اور لیے رہیں اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار [8] تمنا کرتے ہیں کافر اگر تم غافل ہو جاؤ اپنے اسلحہ سے اور اپنے ساز و سامان سے تو وہ ٹوٹ پڑیں تم پر یکبارگی [9] اور نہیں کوئی حرج تم پر اگر ہو تمہیں تکلیف بارش کی وجہ سے یا ہو تم بیمار تو اتار دو اپنے ہتھیار [10] مگر (دشمن کی نقل و حرکت سے) ہوشیار رہو [11] بے شک اللہ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے عذاب رسوا کرنے والا [12]"

[1] اے محمد ﷺ جب آپ ان میں حاضر تھے جبکہ تمہیں دشمن کا خوف ہو۔ ہم نے یہاں دشمن سے خوف کی قید ذکر کی ہے کیونکہ تمام علماء کا اجماع ہے کہ حکم اس قید کے ساتھ مقید ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فرمان ان خفتم مابعد کے ساتھ متصل ہو، جس طرح ایک قول کیا گیا تو یہ اس تقیید پر قرینہ ہوگا۔ اس بناء پر یہ بھی جائز ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ان خفتم پر معطوف ہو۔ شرط دو امروں کا مجموعہ ہے کہ خوف بھی ہو اور حضور ﷺ بھی تشریف فرما ہوں۔ حضور ﷺ کے موجود ہونے کی شرط جس پر آیت کا ظاہر بھی دلالت کرتا ہے۔ امام ابو یوسف نے کہا کہ نماز خوف صرف حضور ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھی، آپ کے بعد مشروع نہیں۔ جبکہ عام علماء کی رائے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد بھی یہ حکم ثابت ہے کیونکہ ائمہ ہر زمانہ میں حضور ﷺ کے نائب ہیں۔

1۔ معرفۃ السنن والآثار: 6752 (الوفاء)

اس لیے خطاب تمام ائمہ کو شامل ہے یہ قرآن کے اسی اسلوب پر ہے کہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہوتا ہے، اگرچہ مقصود تمام امت ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے لَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ۔

نبی کریم ﷺ کے اس جہان فانی سے پردہ فرمانے کے بعد بھی نماز خوف کے جواز پر یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کے بعد بھی نماز خوف پڑھی جبکہ ان میں سے کسی نے کسی دوسرے پر اعتراض نہیں کیا، پس یہ اجماع بن گیا۔ ابوداؤد نے روایت کیا کہ انہوں نے عبدالرحمن بن سمرہ کی معیت میں کابل کے جہاد میں حصہ لیا۔ آپ نے ہمیں نماز خوف پڑھائی۔(1)

حضرت علی شیر خدا کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے یوم صفین کو یہ نماز پڑھی۔ رافعی نے ذکر کیا کہ آپ نے حریری کی جنگ کے موقع پر مغرب کی نماز صلوٰۃ خوف کی صورت میں پڑھی۔ پہلے طائفہ کو ایک رکعت اور دوسرے طائفہ کو دو رکعتیں پڑھائیں۔ امام بیہقی نے کہا وہ جعفر بن محمد سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے حریری کی جنگ کے موقع پر مغرب کی نماز صلوٰۃ خوف کی صورت میں پڑھی(2) امام شافعی نے کہا حضرت علی شیر سے اس بات کو یاد رکھا گیا ہے کہ آپ نے حریر(1) کی جنگ کے موقع پر نماز خوف پڑھی جس طرح صالح بن خوات نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا۔ امام بیہقی نے قتادہ کے واسطہ سے ابوالعلاء سے، انہوں نے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا۔ امام بیہقی نے قتادہ کے واسطہ سے، ابوالعلاء سے انہوں نے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا کہ انہوں اصفہان میں صلوٰۃ خوف پڑھی۔ امام بیہقی نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا کہ آپ نے طبرستان میں مجوسیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے موقع پر نماز خوف ادا کی، جبکہ ان کے ساتھ حسن بن علی حذیفہ بن یمان اور عبداللہ بن عمرو بن عاص تھے(3) ابوداؤد اور نسائی نے ثعلبہ بن زہدم کے واسطہ سے روایت کیا کہ ہم سعید بن عاص کے ساتھ تھے۔ انہوں نے پوچھا تم میں سے کس نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز خوف پڑھی تھی۔ حضرت حذیفہ نے کہا میں نے پڑھی۔ آپ نے انہیں ایک رکعت پڑھائی اور انہیں ایک رکعت پڑھائی۔(4)

ؔ یعنی مجاہدین کے دو حصے کرو ان میں سے ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو، آپ انہیں نماز پڑھائیں۔

ؔ امام مالک نے فرمایا نماز خوف میں اسلحہ اٹھانا واجب ہے۔ امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے۔ اکثر علماء نے فرمایا یہ امر استحباب کیلئے ہے۔

ؔ یعنی جب نمازی امام کے ساتھ ایک رکعت مکمل کرلیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی یہ ہو جب وہ نماز پڑھ لیں۔ یہاں لفظ سجود ذکر کیا مراد نماز لی۔ یہ اس طرح ہے جس طرح جز بول کر کل مراد لیا جاتا ہے۔

ؔ جو نماز پڑھ رہے تھے وہ دشمن کے سامنے چلے جائیں۔

ؔ لم یصلوا یہ طائفہ کی صفت ہے۔ اس کے اصحاب کا عمل وہی ہوگا جو طائفہ کا ہے۔

ؔ پھر دوسرا طائفہ نماز پڑھے۔ یہاں صلوٰۃ سے مراد مکمل نماز بھی ہوسکتی ہے اور دوسری رکعت بھی ہوسکتی ہے۔

ؔ یہاں حذر سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ دشمن کے شر سے بچا جاسکتا ہے جس طرح زرہ ڈھال اور اسلحہ جس کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے۔

یہ بات ذہن میں رکھو کہ نبی کریم ﷺ سے نماز کئی انداز میں مروی ہے۔ ایک صورت وہ ہے جو ہم نے ابوعیاش زرقی اور حضرت جابر کی حدیث میں عسفان کے مقام پر حضور ﷺ کی نماز قصر ذکر کیا جب دشمن مسلمانوں اور قبلہ کے درمیان میں حائل تھا۔

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 177 (وزارت تعلیم) 2۔ معرفۃ السنن والآثار: 6720 (الوفاء) 3۔ ایضاً: 6737 (الوفاء)
4۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 177 (وزارت تعلیم) (1) یہاں خارجیوں کے ساتھ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جنگ ہوئی تھی۔

دوسری صورت وہ ہے جو شیخین نے صحیحین میں حضرت جابر کی حدیث سے روایت کی ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ آگے بڑھے۔ جب ہم ذات رقاع میں تھے وہاں آپ نے ایک جماعت کو دو رکعتیں پڑھائیں اور دوسری جماعت کو بھی دو رکعتیں پڑھائیں، اس طرح رسول اللہ ﷺ کی چار رکعتیں ہوگئیں اور قوم کی دو رکعتیں متفق علیہ(1) یہ حدیث دو وجوہ کا احتمال رکھتی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے ایک سلام کے ساتھ چار رکعات ادا کیں اور ہر جماعت نے آپ کے ساتھ دو دو رکعت ادا کیں، دوسری یہ کہ حضور ﷺ نے ہر جماعت کو دو رکعتیں پڑھائیں اور ہر دو رکعتوں کے آخر میں سلام پھیرا۔ یہی چیز حضرت جابر کی حدیث میں صراحت کے ساتھ واقع ہوئی ہے کہ نبی کریم ﷺ خوف کی صورت میں بطن نخل میں ظہر کی نماز پڑھاتے، آپ نے ایک جماعت کو دو رکعات پڑھائیں پھر آپ نے سلام کیا پھر دوسرا طائفہ آیا، آپ نے انہیں بھی دو رکعات پڑھائیں(2) اسے امام بغوی نے امام شافعی کی سند سے روایت کیا ہے۔ امام شافعی کا شیخ مجہول ہے لیکن امام شافعی نے اس کی توثیق کی ہے، کہا مجھے ایک ثقہ ابو علیہ اور دوسرے لوگوں نے یونس سے، انہوں نے حسن سے، انہوں نے جابر سے روایت کیا۔ ابن جوزی نے اسے دار قطنی کے واسطہ سے عنبسہ سے انہوں نے حسن سے انہوں نے جابر سے روایت کیا۔ ابن جوزی نے کہا یہ صحیح نہیں۔ یحییٰ بن معین نے کہا عنبسہ کچھ بھی نہیں۔ نسائی نے کہا یہ متروک ہے۔ ابو حاتم نے کہا وہ حدیث وضع کیا کرتا تھا۔ اس حدیث کو ابو داؤد، ابن حبان، حاکم اور دار قطنی نے ابو بکرہ کی حدیث سے روایت کیا۔ ابو داؤد اور ابن حبان کی روایت میں ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی۔ دار قطنی کی روایت میں ہے کہ یہ مغرب کی نماز تھی۔ ابن قطان نے اسے معلل قرار دیا ہے کیونکہ ابو بکرہ صلوٰۃ خوف کے حکم کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ حافظ نے کہا یہ معلل کی علت نہیں بن سکتی کیونکہ یہ صحابی کی مرسل ہے۔

صلوٰۃ خوف کی تیسری صورت وہ ہے جو شیخین نے یزید بن رومان سے، انہوں نے صالح بن خوات سے، انہوں نے اس صحابی سے روایت کی جس نے حضور ﷺ کے ساتھ ذات الرقاع میں صلوٰۃ خوف پڑھی تھی۔ امام بخاری نے ایک اور سند سے صالح بن خوات سے، انہوں نے سہل بن ابی حثمہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ایک جماعت نے آپ کے پیچھے صف باندھی اور ایک طائفہ نے دشمن کے سامنے صف آرائی کی۔ آپ نے اس جماعت کو ایک رکعت پڑھائی جو آپ کے ساتھ تھی۔ پھر آپ کھڑے رہے۔ انہوں نے اپنی نماز کو مکمل کیا۔ پھر وہ جماعت چلی گئی اور دشمن کے سامنے صف آراء ہوگئی۔ پھر دوسری جماعت آگئی۔ آپ نے انہیں ایک رکعت پڑھائی جو حضور ﷺ کی نماز کی رہتی تھی۔ پھر آپ بیٹھے رہے۔ انہوں نے اپنی نماز کو مکمل کیا۔ پھر ان کے ساتھ سلام پھیر دیا۔(3)

چوتھی صورت وہ ہے جو امام ترمذی اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ ضجنان اور عسفان کے درمیان اترے۔ مشرکوں نے کہا ان کی نماز انہیں والدین اور بیٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے، وہ عصر کی نماز ہے۔ پس تم اپنی قوت مجتمع کرلو اور ایک ہی بار ان پر حملہ کردو۔ جبرئیل امین حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اپنے صحابہ کو دو حصوں میں تقسیم کردیں، ایک جماعت کو آپ نماز پڑھائیں اور دوسری جماعت ان کے پیچھے کھڑی ہو۔ اپنی احتیاطی تدابیر اور اسلحہ کو لازم پکڑیں۔ ہر جماعت کے لیے ایک رکعت ہوئی جبکہ حضور ﷺ کے لیے دو رکعات ہوگئیں۔ اسے امام ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔ اسی طرح امام بغوی نے کہا کہ حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صلوٰۃ الخوف میں ایک جماعت کو ایک رکعت اور دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھائی اور انہوں نے اس کی قضا نہ کی(4) امام بغوی نے کہا اسے زید بن ثابت نے بھی روایت کیا اور

1۔ صحیح مسلم: 311، صفحہ 6، جلد 112 (علیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 145 (فکر)
3۔ صحیح مسلم: 310، جلد 6، صفحہ 111 (علیہ) 4۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 145 (فکر)

کہا کہ ہر جماعت کے لئے ایک ایک رکعت ہوگی اور نبی کریم ﷺ کے لئے دو رکعات ہوگئیں۔ ایک قوم نے اسے انتہائی خوف کے عالم میں نماز پڑھنے پر محمول کیا ہے اور کہا اس حالت میں فرض ایک رکعت ہے۔(1)

پانچویں صورت وہ ہے جو امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت سالم سے، وہ اپنے باپ حضرت عمر سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے نجد کے علاقہ میں حضور ﷺ کے ساتھ ایک جنگ میں شرکت کی۔ ہم نے دشمن کے مقابلہ میں صف بندی کی۔ رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ ایک جماعت آپ کے پیچھے کھڑی ہوگی اور دوسری جماعت دشمن کے سامنے صف آراء رہی۔ رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا، دو سجدے کیے پھر یہ جماعت اس جماعت کی جگہ چلی گئی جس نے ابھی نماز نہ پڑھی تھی۔ دوسری جماعت آ گئی رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ ایک رکوع اور دو سجدے کیے پھر آپ نے سلام پھیر دیا ان میں سے ہر ایک اٹھ کھڑا ہوا اس نے خود ایک رکوع اور دو سجدے کیے(2) حضرت نافع نے بھی اسی کی مثل روایت کیا اور یہ زائد کہا کہ اگر خوف اس سے بھی زیادہ ہو تو پیدل یا سوار ہو کر نماز ادا کرو قبلہ کی طرف منہ ہو یا نہ ہو۔ حضرت نافع نے کہا کہ حضرت ابن عمر نے اسے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عمر کی روایت میں یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کس جماعت نے پہلے نماز مکمل کی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صلوٰۃ خوف کی اس آخری صورت کو پسند کیا ہے، باقی کو جائز قرار نہیں دیا۔ فرمایا دوسرا طائفہ امام کے سلام کے بعد دشمن کے سامنے چلا جائے۔ پھر پہلا طائفہ آ جائے۔ وہ پہلے اپنی نماز مکمل کرے۔ پھر دوسرا طائفہ آئے نماز مکمل کرے اور سلام پھیرے اس کی دلیل وہ روایت ہے جو امام محمد نے کتاب الآثار میں امام ابوحنیفہ سے حضرت عباس کا قول نقل کیا ہے۔ اس میں موقوف قول مرفوع کی طرح ہوتا ہے۔ آپ نے اس کے علاوہ صورتوں کو جائز قرار نہیں دیا۔

دوسری صورت بطن نخل میں حضور ﷺ کی نماز ہے جو فرض پڑھنے والے کی نفل پڑھنے والے کی اقتداء کو مستلزم ہے۔ امام طحاوی نے کہا یہ طریقہ اس وقت تھا جب فرض دو دفعہ پڑھے جاتے پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ اگر فرضوں میں تکرار جائز ہوتا تو منافی کی موجودگی میں نماز خوف کے مشروع کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔

تیسری صورت پر حضور ﷺ کی ذات رقاع میں نماز دلالت کرتی ہے۔ وہ اس بات کو مستلزم ہے کہ مقتدی امام سے قبل رکوع و سجود کرے جو معروف نہیں۔ امام کا مقتدی کی انتظار کرنا امامت کے تقاضا کے خلاف ہے۔

چوتھی صورت حضور ﷺ کی ضجنان اور عسفان کے درمیان نماز ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ لوگوں نے صرف ایک رکعت ادا کی جس پر عمل بالاجماع متروک ہے کیونکہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز خوف رکعات کو کم نہیں کرتی۔

پہلی صورت حضور ﷺ کی عسفان کی مقام پر نماز ہے۔ جب دشمن آپ کے اور قبلہ کے درمیان حائل تھا۔ یہ کتاب اللہ کے حکم کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ۔ پس چاہیے کہ ان میں سے ایک طائفہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو جبکہ اس صورت میں دونوں جماعتیں آپ کے ساتھ کھڑی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا اور دوسری جماعت آئے جس نے نماز نہیں پڑھی۔ اس صورت میں سب نے نماز پڑھ لی ہے۔

امام شافعی، امام احمد اور امام مالک نے کہا نماز خوف کی جتنی صورتیں حضور ﷺ سے مروی ہیں سب قابل حجت ہیں۔ اختلاف

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 145 (فکر) 2۔ صحیح بخاری: 939 (فکر)

صرف راجح اور مرجوح میں ہے۔امام احمد بن حنبل نے کہا میں اس بات میں صرف ایک حدیث کو صحیح جانتا ہوں۔امام شافعی نے مذکورہ صورتوں میں سے چار کو پسند کیا۔امام احمد نے تین صورتوں کو پسند کیا۔

اگر دشمن مسلمانوں کے لشکر اور قبلہ کی جانب ہو تو دونوں ائمہ کے نزدیک پہلی صورت پسندیدہ ہے جو آپ نے عسفان کے مقام پر نماز پڑھی۔ اگر دشمن قبلہ کی سمت میں نہ ہو تو امام شافعی کے نزدیک پسندیدہ دوسری صورت ہے جو آقائے دو عالم ﷺ نے بطن نخل میں نماز پڑھی۔امام شافعی کے نزدیک فرض پڑھنے والے کی نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز صحیح ہوتی ہے جبکہ امام احمد کے نزدیک صحیح نہیں۔

تیسری صورت حضور ﷺ کی ذات رقاع میں نماز ہے۔امام احمد کے نزدیک یہی پسندیدہ صورت ہے۔علماء نے کہا یہ صورت قرآن حکیم کے ظاہر کے زیادہ موافق' نماز کے لیے زیادہ احتیاط اور دشمنوں سے حفاظت میں زیادہ موثر ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب وہ سجدہ کر لیں وہ پیچھے چلے جائیں، یعنی جب نماز پڑھ لیں۔ پھر فرمایا دوسری جماعت آجائے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی۔سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ پہلی جماعت نے نماز پڑھ لی ہے اور فرمایا پس وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں۔اس کا مقتضا یہ ہے کہ وہ مکمل نماز پڑھیں اس کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ ہر جماعت اپنی نماز مکمل کر کے امام کو چھوڑے۔اس میں نماز کے بارے میں احتیاط اس اعتبار سے ہے کہ اس طرح نماز میں عمل' جانا اور آنا زیادہ نہیں ہوتا۔ جنگ کے بارے میں احتیاط اس اعتبار سے ہے کہ جب وہ نماز میں نہ ہوں گے تو ضرورت کے وقت جنگ کرنے اور بھاگ جانے پر زیادہ قدرت رکھیں گے۔

امام شافعی کے نزدیک چوتھی صورت وہ ہے جو امام احمد کے نزدیک تیسری صورت ہے کہ جب جنگ زوروں پر ہو تو جس طرح ممکن ہو وہ نماز پڑھیں سوار ہوں یا پیدل اور ضرورت کی وجہ سے وہ قبلہ کو ترک کرنے اور اعمال کثیرہ کرنے میں وہ معذور ہوں گے۔اگر وہ رکوع و سجود سے عاجز ہوں تو اشاروں سے انہیں ادا کریں، جبکہ سجدہ کا اشارہ پست ہونا چاہیے۔

امام ابو حنیفہ نے کہا جنگ کی حالت میں چلتے ہوئے نماز پڑھنا جائز نہیں۔آپ کے نزدیک جنگ اور عمل کثیر نماز کو توڑ دیتا ہے۔ تاہم سوار ہو کر اشاروں سے نماز پڑھنا جائز ہے یا ایک جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے۔یہ مسئلہ سورۂ بقرہ میں اس آیت فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

فائدہ: حافظ ابن حجر نے کہا نبی کریم ﷺ سے صلوٰۃ خوف چودہ صورتوں میں مروی ہے جنہیں ابن حزم نے ایک الگ جزء میں نقل کیا ہے۔ان میں سے بعض صحیح مسلم میں ہیں اور اکثر سنن ابن داؤد میں ہیں حاکم نے ان میں سے آٹھ کا ذکر کیا اور ابن حبان نے نو کا ذکر کیا۔

مسئلہ: جمہور علماء کے نزدیک حالت اقامت میں صلوٰۃ خوف پڑھنا جائز ہے جبکہ امام مالک اس کے خلاف ہیں۔امام ہر جماعت کو دو رکعت پڑھائے گا اور مغرب کی نماز میں پہلی جماعت کو دو رکعتیں اور دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھائے گا۔

ۓ کفار تمنا کرتے ہیں۔فیمیلون کا عطف تغفلون پر ہے جس سے مراد یہ ہے کہ وہ تم پر یکبارگی پر حملہ کر دیں۔لو کا کلمہ تمنی کے لیے ہے اور یہ جملہ ودوا کا بیان ہے۔یہ بھی جائز ہے کہ لو مصدریہ ہو اور جملہ محل نصب میں ہو کیونکہ یہ ودوا کا مفعول ہوگا۔یہ اس علت کا بیان ہے جس کی وجہ سے انہیں مسلح ہونے اور اس کیفیت میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

کلبی نے ابو صالح سے، انہوں نے ابن عباس سے نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے محارب اور بنی انمار پر حملہ کیا۔صحابہ نے پڑاؤ ڈالا جبکہ دشمنوں میں ایک فرد بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔صحابہ نے اپنا اسلحہ اتار دیا۔رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے

گئے، جبکہ آپ نے اسلحہ اتارا ہوا تھا۔ آپ چلتے گئے یہاں تک کہ وادی کی دوسری طرف تشریف لے گئے۔ آسمان سے بارش نازل ہو رہی تھی جس کی وجہ سے وادی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے درمیان حائل ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ ایک درخت کے سائے میں تشریف فرما ہوئے تو غورث بن حارث محاربی نے آپ کو دیکھ لیا، کہا اگر میں انہیں قتل نہ کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے ہلاک کر دے۔ پھر وہ پہاڑ سے نیچے اترا۔ اس کے پاس تلوار تھی جو اس نے نیام سے نکالی ہوئی تھی، کہا اے محمد ﷺ آج تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ۔ پھر حضور نے دعا کی اے اللہ غورث بن حارث کے لیے میری طرف سے جس طرح چاہے کافی ہو جا۔ اس نے وار کرنے کے لیے تلوار حضور ﷺ کی طرف کھینچی تو کندھوں کے درمیان شدید درد اٹھنے کی وجہ سے منہ کے بل گر پڑا۔ تلوار ہاتھ سے گر پڑی۔ رسول اللہ ﷺ اٹھے تلوار ہاتھ میں لی۔ فرمایا اے غورث اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ کہا کوئی بھی نہیں۔ فرمایا کلمہ شہادت پڑھ، میں تجھے تیری تلوار دے دوں گا۔ کہنے لگا میں نہیں پڑھوں گا لیکن میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے ساتھ کبھی جنگ نہیں کروں گا۔ اور نہ ہی آپ کے خلاف دشمنوں سے جنگ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے تلوار دے دی۔ غورث نے کہا قسم بخدا آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہاں، میں اس اخلاق کا زیادہ حقدار تھا۔ غورث اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا۔ ساتھیوں نے کہا تجھ پر افسوس، کس نے تجھے قتل کرنے سے روکا۔ اس نے کہا میں نے حملہ کرنے کے لیے تلوار کھینچی، اللہ تعالیٰ کی قسم میں نہیں جانتا کس نے میرے کندھے کے درمیان شدید ضرب لگائی اور میں منہ کے بل گر پڑا۔ پھر سب واقعہ ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

۱۰؎ اگر بارش سے اسلحہ کے تر ہونے کی پریشانی ہو یا مریض ہونے کی وجہ سے اسلحہ نہیں اٹھا سکتے کیونکہ اسلحہ وزنی ہے۔ ان تضعوا سے پہلے فی حرف جار محذوف ہے۔ یہاں شرط ایسے جملے کے درمیان واقع ہے جو جزاء بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لیے جزاء کو کلام سے حذف کر دیا کیونکہ اس کی ضرورت نہیں۔ تقدیر کلام یوں ہو گی: وَاِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بارش اور مرض میں میں اسلحہ اتارنے کی رخصت دی۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی کہ سابقہ آیت میں اسلحہ لینے کا حکم وجوب کے لیے ہے جس طرح امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا یہ استحباب کے لیے نہیں۔ (1)

۱۱؎ قلعہ یا دوسری محفوظ پناہ گاہ کے اندر پناہ میں رہا کرو۔ اس قسم کے حالات میں احتیاط لازم پکڑنے کا حکم ہے تا کہ دشمن ان پر حملہ آور نہ ہو جائے کیونکہ جانوں کا بے فائدہ ضیاع سے بچاؤ ضروری ہے جو جہاد لاعزاز اعلاء کلمۃ الحق کی طرف لے جاتا ہے۔

یہ جملہ یعنی اس قسم کے حالات میں احتیاط کرنا، آیت کو اس شان نزول کے ساتھ موافقت حاصل ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو حکم دیا کہ دشمن سے خوف کی صورت میں لشکر سے دور نہ جائیں۔

۱۲؎ دنیا میں قتل اور گرفتاری کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے عذاب تیار کر رکھا ہے اور آخرت میں آگ کی صورت میں۔ اس میں مومنوں کو احتیاط کے حکم کے بعد کفار کے خلاف مدد کا وعدہ ہے تا کہ ان کے دل مضبوط ہوں اور انہیں علم ہو کہ احتیاط کا حکم ان کی کمزوری اور دشمن کے غلبہ کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ حکم اس لیے دیا کیونکہ عام ضابطہ کے اسباب سے فائدہ اٹھانا، نیز اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کے ساتھ ہوشیاری اور تدبیر کے ساتھ اپنی حفاظت کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔ پھر کلبی نے مذکورہ روایت میں کہا وادی پرسکون ہو گئی (پانی بہنا ختم ہو گیا) تو رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لے آئے۔ تمام واقعہ سنایا اور یہ آیت انہیں سنائی۔ امام

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 147 (فکر)

بخاری نے حضرت ابن عباس سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمن بن عوف کے حق میں نازل ہوئی۔ آپ زخمی تھے (1) یعنی انہیں زخمی ہونے کی وجہ سے اسلحہ اتارنے کی رخصت دی گئی۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ ۚ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾

"جب تم ادا کر چکو نماز[1] تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے[2] پھر جب مطمئن ہو جاؤ (دشمن کی طرف سے) تو ادا کرو نماز (حسب دستور)[3] بے شک نماز مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اپنے اپنے مقرر وقت پر[4]"

1۔ یعنی جب تم نماز خوف سے فارغ ہو جاؤ۔

2۔ یعنی تم ہمیشہ تسبیح، تحمید، تہلیل، تکبیر کی صورت میں اس کا ذکر کرتے رہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے (2) آیت اور حدیث سے ظاہر یہ ہے کہ ہر حال میں حضور قلب حاصل ہو۔ کیونکہ زبان سے دائمی ذکر نہیں ہو سکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے جب تم نماز خوف سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو یعنی حالت صحت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور حالت مرض، اپاہج ہونے کے دور میں، زخمی ہونے کی صورت میں یا کمزوری کی حالت میں بیٹھ کر یا پہلو کے بل لیٹ کر جیسا ممکن ہو، نماز پڑھو یا اس سے مراد یہ ہے کہ نماز خوف میں اگر تم قیام کرنے سے عاجز ہو تو بیٹھ کر اگر بیٹھنے سے عاجز ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھ لو۔

3۔ یعنی خوف کے زائل ہونے کے سبب تمہارے دل پرسکون ہو جائیں تو نماز کو تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کرو، نماز کے ارکان اور اس کی شرطوں کی حفاظت کا اہتمام کرو۔ حالت امن میں نماز ادا کرتے وقت وہ چیزیں جائز تھیں جو حالت خوف میں جائز نہیں۔

4۔ کتاب سے مراد مکتوب ہے، یعنی فرض ہے اور موقوت سے مراد اوقات میں محدود ہے۔ جہاں تک ممکن ہو نماز کو اس کے اوقات سے باہر نکالنا جائز نہیں۔ گویا یہ حالت خوف اور عذر کی صورت میں بیٹھ کر اور لیٹ کر نماز پڑھنے کے حکم کی علت بیان کی جا رہی ہے حالت جنگ اور گھڑ دوڑ میں نماز پڑھنے کے جواز پر اس آیت میں کوئی دلیل نہیں جس طرح امام شافعی نے کہا ہے۔

امام بیضاوی نے اس آیت سے امام شافعی کے خلاف استدلال کیا ہے کہ اگر گھڑ دوڑ کی صورت میں نماز پڑھنا جائز ہوتا تو حضور ﷺ اس کا ذکر فرماتے جس طرح آپ نے بیٹھ کر یا پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھنے کا ذکر فرمایا ہے۔ جب آپ نے ذکر نہیں کیا تو اصل کے اعتبار سے اس طرح نماز پڑھنا جائز نہیں۔ یہ آیت اوقات کے اعتبار سے مجمل ہے جن کا بیان سنت سے ثابت ہے۔ (3)

مسئلہ: علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ظہر کا وقت زوال شمس کے بعد عصر کے وقت تک ہے اور عصر کا وقت عصر سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک ہے مگر اس پر علماء کا اجماع ہے کہ سورج کی روشنی کے زرد ہونے کے بعد نماز پڑھنا بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک عصر کا پسندیدہ وقت یہ ہے کہ اسے کسی چیز کے سایہ کے دو مثل ہونے سے مؤخر نہ کیا جائے اور نماز مغرب کا وقت سورج کے غروب ہونے کے بعد کا ہے۔

1۔ صحیح بخاری: 4323 (ابن کثیر) 2۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی: 3384 (علمیہ) 3۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ کازرونی، جلد 2، صفحہ 248 (فکر)

نماز عشاء کا وقت شفق کے غائب ہونے سے لے کر طلوع فجر تک ہے۔ لیکن بالاجماع پسندیدہ امر یہ ہے کہ عشاء کی نماز کو نصف لیل سے موخر نہ کیا جائے اور صبح کی نماز کا وقت طلوع فجر ثانی سے لے کر طلوع شمس تک ہے۔ ظہر اور مغرب کے آخری وقت میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ ظہر کا وقت سایہ اصلی کے علاوہ ہر ایک چیز کا سایہ ایک مثل ہونے تک ہے اور مغرب کا آخری وقت شفق کے غائب ہونے تک ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ نے ظہر کے آخری وقت میں علماء سے اختلاف کیا ہے اور فرمایا ظہر کا آخری وقت سایہ کے دو مثل ہونے تک ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے ایک قول میں مغرب کے آخری وقت میں اختلاف کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا مغرب کی نماز کو سورج کے غروب ہونے سے موخر نہ کیا جائے۔ اس باب میں اصل امامت جبرائیل والی حدیث ہے جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل امین نے بیت اللہ شریف کے پاس مجھے دو دفعہ امامت کرائی۔ آپ نے پہلے روز ظہر کی نماز مجھے اس وقت پڑھائی جب سایہ تسمہ کی مقدار میں تھا۔ پھر عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر ایک چیز کا سایہ ایک مثل تھا۔ پھر آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی جب سورج غروب ہو چکا تھا اور روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے۔ پھر آپ نے عشاء کی نماز پڑھائی جب شفق غائب ہو چکی تھی پھر آپ نے فجر کی نماز پڑھائی جب فجر ظاہر ہو چکی تھی اور روزے دار پر کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ دوسری دفعہ آپ نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر شے کا سایہ ایک مثل ہو چکا تھا جس طرح پہلے روز عصر کے وقت میں سایہ تھا پھر آپ نے عصر کی نماز پڑھائی جبکہ ہر ایک چیز کا سایہ دو مثل ہو چکا تھا۔ پھر آپ نے مغرب کی نماز پہلے وقت میں ادا کی اور عشاء کی نماز اس وقت پڑھی جب رات کا تیسرا حصہ گزر چکا تھا۔ پھر صبح کی نماز پڑھائی جب زمین خوب روشن ہو چکی تھی۔ پھر جبرئیل امین میری طرف متوجہ ہوتے کہا اے محمد ﷺ یہی آپ سے پہلے انبیاء کا وقت تھا۔ آپ کے لیے ان کے درمیان نماز کے اوقات ہیں (1) اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا یہ حسن صحیح ہے۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا۔ حاکم نے اسے روایت کیا اور کہا یہ صحیح الاسناد ہے۔ لیکن اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن حرث ہے جسے امام احمد، نسائی، ابن معین اور ابو حاتم نے ضعیف قرار دیا۔ ابن سعد اور ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ اس کی متابعت بھی کی گئی۔ عبدالرزاق نے عمری سے انہوں نے عمرو بن نافع بن جبیر بن مطعم سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے ابن عباس سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ ابن دقیق عید نے کہا یہ اچھی متابعت ہے۔ ابوبکر بن عربی اور ابن عبدالبر نے اسے صحیح قرار دیا۔ امامت جبرئیل والی حدیث کئی صحابہ سے مروی ہے جن میں سے جابر نے اسی معنی میں روایت کی۔ اس روایت میں یہ ہے آپ نے دوسرے روز عشاء کی نماز پڑھی۔ جب رات کا نصف گزر چکا تھا۔ یا یہ کہا کہ رات کا تیسرا حصہ گزر چکا تھا امام بخاری نے کہا نماز کے اوقات میں سب سے صحیح روایت حضرت جابر کی حدیث ہے۔ حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے وقت کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا یہ دو روز ہمارے ساتھ نماز پڑھو۔ جب سورج زوال پذیر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا۔ حضرت بلال نے اذان دی پھر آپ نے حکم دیا تو حضرت بلال نے ظہر کی نماز کے لیے اقامت کہی۔ پھر آپ نے حکم دیا تو حضرت بلال نے عصر کی نماز کے لیے اقامت کہی، جبکہ سورج ابھی بلند اور صاف روشنی والا تھا۔ پھر آپ نے حکم دیا تو حضرت بلال نے مغرب کی نماز کے لیے اقامت کہی جبکہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ پھر آپ نے حکم دیا تو حضرت بلال نے عشاء کی نماز کے لیے اقامت کہی جب شفق غائب ہو چکی تھی۔ پھر آپ نے حکم دیا تو حضرت بلال نے فجر کی نماز کے لیے اقامت کہی جب فجر صادق طلوع ہو چکی تھی جب دوسرا دن آیا آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ ظہر کی نماز

1۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، 149 (علمیہ)

ٹھنڈی کر کے پڑھو۔ حضرت بلال نے اسے ٹھنڈا کیا حضور ﷺ نے ظہر کو خوب ٹھنڈا کر کے پڑھا۔ آپ نے عصر کی نماز پڑھی جبکہ سورج ابھی بلند تھا لیکن پہلے دن سے مؤخر کیا۔ آپ نے مغرب کی نماز شفق کے غائب ہونے سے پہلے پڑھی۔ آپ نے عشاء کی نماز رات کا تیسرا حصہ گزرنے کے بعد پڑھی۔ آپ نے فجر کی نماز پڑھی جبکہ اسے خوب روشن کیا۔ پھر پوچھا نماز کے وقت کے بارے میں پوچھنے والا کہاں ہے؟ آدمی نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں۔ فرمایا نماز کا وقت اس کے درمیان درمیان ہے جو تم نے دیکھا ہے(1) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے حضرت ابوہریرہ کی مثل مروی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دوسرے روز مغرب کی نماز کو مؤخر کیا یہاں تک کہ شفق غائب ہونے والی تھی۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا جب سورج زوال پذیر ہو جائے تو ظہر کا وقت ہو جاتا ہے۔ اور ظہر کا وقت ہی رہتا ہے جب ہر ایک چیز کا سایہ اس کی لمبائی کے برابر ہو جائے پھر عصر کا وقت ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت سورج کے زرد ہونے تک رہتا ہے اور مغرب کا وقت شفق کے غائب ہونے تک رہتا ہے، عشاء کا وقت رات کے نصف اول تک رہتا ہے فجر کا وقت طلوع فجر سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک رہتا ہے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے(2)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے مغرب کا اول وقت سورج کے غروب ہونے سے شروع ہوتا ہے اور اس کا آخری وقت جب افق (شفق) غائب ہو جائے، عشاء کا وقت جب افق (شفق) غائب ہو جائے، اس کا آخری وقت جب رات نصف ہو جائے، فجر کا اول وقت طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے اور آخری وقت سورج کے طلوع ہونے سے ہوتا ہے(3) اسے امام ترمذی نے محمد بن فضیل کی حدیث سے، وہ اعمش سے، وہ ابوصالح سے اور وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری نے اسے مرفوع ذکر کرنے میں تسامح کیا ہے۔ یہ احادیث امام مالک اور امام شافعی کے خلاف جمہور کی حجت ہیں کہ مغرب کا آخری وقت شفق کے غائب ہونے تک رہتا ہے۔ عصر کا آخری وقت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے سمجھا جا رہا ہے: اِذْ عُرِضَ عَلَیْهِ بِالْعَشِیِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ ۝ فَقَالَ اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ۔ نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے: جس نے سورج کے طلوع ہونے سے پہلے صبح کی ایک رکعت پالی، اس نے صبح کی نماز پالی جس نے سورج کے غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی۔ اس نے عصر کی نماز پالی یہ روایت متفق علیہ ہے(4) اور حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔ عشاء کے آخری وقت کے طلوع فجر تک رہنے کے بارے میں صحیح یا ضعیف احادیث نہیں پائی جاتیں، تاہم اس کے آخری وقت کے بارے میں صحیح احادیث مختلف ہیں جن میں سے حضرت ابن عباس، ابوموسیٰ اشعری اور ابوسعید خدری کی روایات یہ ہیں کہ حضور ﷺ نے رات کے تیسرے پہر تک اسے مؤخر کیا حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس سے مروی ہے کہ آپ نے اسے رات کے نصف تک مؤخر کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے روایت کیا کہ آپ نے رات کے دو ثلث تک مؤخر کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی، یہاں تک کہ رات کا اکثر حصہ گزر گیا۔ یہ سب احادیث صحیح میں ہیں۔ امام طحاوی نے کہا ان احادیث کا مجموعی مفہوم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ تمام رات اس کا وقت ہے لیکن اس کے تین مراتب ہیں۔ پہلا ثلث افضل ہے، نصف تک اس سے کم مرتبہ ہے اور اس کے بعد اس سے کم ہے۔ پھر آپ نے نافع بن جبیر تک سند ذکر کی کہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری کی طرف خط لکھا، فرمایا عشاء کی نماز رات کے جس

1۔ صحیح مسلم: 176، جلد 5، صفحہ 97 (علمیہ)
2۔ صحیح مسلم: 173، جلد 5، صفحہ 95 (علمیہ)
3۔ جامع ترمذی: 151 (علمیہ)
4۔ صحیح مسلم: 163، جلد 5، صفحہ 89 (علمیہ)

حصہ میں جا ہو پڑھو اور اس سے غافل نہ ہو۔ امام مسلم کے ہاں لیلۃ التعریس کے قصہ میں حضرت ابوقتادہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا نیند میں تفریط (کوتاہی) نہیں۔ تفریط یہ ہے کہ ایک آدمی نماز کو مؤخر کرے یہاں تک کہ دوسرا وقت داخل ہو جائے۔ یہ بھی اس پر دال ہے کہ عشاء کا وقت طلوع فجر تک ہے۔

تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب کافر مسلمان ہو یا حائضہ پاک ہو یا بچہ بالغ ہو جبکہ رات کا کچھ حصہ باقی ہو تو اس پر عشاء کی نماز واجب ہوگی۔ رہی جبرائیل امین کی امامت اور سائل کے سوال کرنے پر حضور ﷺ کی امامت تو یہ مستحب وقت پر محمول ہے جس میں کوئی کراہت نہیں۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ مغرب کی نماز اول وقت سے مؤخر کرنا مکروہ تنزیہی ہے تحریمی نہیں کیونکہ یہ حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے مغرب کی نماز کو شفق کے غائب ہونے تک مؤخر کیا اور عشاء کی نماز کی تاخیر بھی حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ عصر کی نماز سورج کی روشنی کے زرد ہونے تک مکروہ تحریمی ہے۔ عصر کی نماز روشنی کے زرد ہونے تک مؤخر کرنا سخت مکروہ ہے کیونکہ اس وقت میں نماز پڑھنے کے بارے میں نہی وارد ہے اور اسے شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ جو امامت جبرئیل والی حدیث میں عصر کا آخری وقت قرار دیا گیا ہے کہ ہر ایک چیز کا سایہ اس کی دو مثل ہو جائے تو یہ آقائے دو عالم ﷺ کے اس ارشاد کے ساتھ منسوخ ہے کہ عصر کا وقت سورج کی روشنی کے زرد ہونے تک ہے۔ ظہر کا وقت کا مثل اول کے بعد بھی باقی رہنے کے بارے میں نہ صحیح حدیث ہے۔ نہ ضعیف حدیث ہے اسی وجہ سے صاحبین نے امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی ہے اور جمہور علماء کی موافقت کی۔ امام ابوحنیفہ نے حضرت بریدہ کی مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب دوسرا دن آیا تو حضور ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ ظہر کو ٹھنڈا کرو حضرت بلال نے ٹھنڈا کیا۔ حضور ﷺ نے اسے خوب ٹھنڈا کر کے پڑھا۔ نیز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی لپٹوں میں سے ایک ہے[1] اسے چھ ائمہ نے نقل کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا جزیرہ عرب اسی وقت زیادہ گرمی ہوتی ہے جب ہر ایک چیز کا سایہ ایک مثل ہوتا ہے۔ یہ حدیث امامت جبرئیل والی حدیث کے لیے ناسخ ہے کیونکہ وہ اس باب کی اولین احادیث میں سے ہے جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہونے کے بعد ظہر کا وقت باقی رہنا اور اس کا امامت جبرئیل والی حدیث کے لیے ناسخ ہونا ثابت ہو گیا تو عصر کے اول وقت کے بارے میں بھی امامت جبرئیل والی حدیث منسوخ ہو جائیگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر نماز کے لیے علیحدہ وقت ہو۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تفریط یہ ہے کہ وہ نماز کو اتنا مؤخر کرے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت داخل ہو جائے لیکن دوسرے روز جبرئیل امین کا عصر کی نماز کی امامت اس وقت کرانا جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ اس کے بعد عصر کا وقت ہے یہ منسوخ نہیں ہوا اور اس وقت تک ظہر کا وقت ہوگا۔ یہ استدلال بہت ضعیف ہے۔ ٹھنڈا کر کے نماز پڑھنے والی حدیث کا مثل اول کے بعد بھی ظہر کے وقت جاری رہنے پر دلالت درست نہیں بلکہ یہ ٹھنڈا کرنا امر اضافی ہے۔ نیز گرمی کی شدت بوقت زوال کے وقت ہوتی ہے اور مثل اول سے تھوڑا پہلے ٹھنڈک حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر ان علاقوں میں مثل اول کے وقت گرمی زیادہ ہوتی ہے تو پھر ٹھنڈا کرنے سے مراد نماز کو اول وقت میں ادا کرنا ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ: جمہور کے نزدیک شفق سے مراد حمرۃ (سرخی) ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ امام ابوحنیفہ سے مشہور یہ ہے کہ آپ کے نزدیک شفق سے مراد سرخی کے بعد سفیدی ہے کیونکہ یہ لفظ سرخی اور سفیدی میں مشترک ہے۔ شک کی وجہ سے مغرب کا وقت ختم نہیں

1۔ سنن ابن ماجہ: 678 (علمیہ)

ہوتا۔ اور عشاء کا وقت داخل نہیں ہوتا کیونکہ اسی میں احتیاط ہے کیونکہ وقت سے پہلے نماز جائز نہیں وقت کے بعد نماز جائز ہے۔ جمہور علماء نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے۔ شفق سرخی کو کہتے ہیں، جب شفق غائب ہو جائے تو عشاء کی نماز واجب ہو جاتی ہے(1) اسے ابن عساکر نے امام مالک کی غرائب میں روایت کیا ہے۔ یہ روایت عتیق بن یعقوب سے وہ امام مالک سے وہ حضرت نافع سے وہ حضرت ابن عمر سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں۔ ابن عساکر نے اسے ابوحذافہ سے انہوں نے امام مالک سے روایت کیا، کہا عتیق کی حدیث سند کے اعتبار سے بہترین ہے۔ امام بیہقی نے اس کی موقوف کو صحیح قرار دیا۔ حاکم نے مدخل میں ابوحذافہ کی حدیث ذکر کی ہے اور اسے اس امر کی مثال قرار دیا ہے کہ جسے محدثین نے موقوف روایت کو مرفوع روایت بنا کر ذکر کیا۔ ابن خزیمہ نے اسے اپنی صحیح میں محمد بن یزید واسطی کی حدیث سے روایت کیا وہ شعبہ سے وہ قتادہ سے وہ ایوب سے اور وہ حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں۔ وہ اسے مرفوع روایت کی صورت میں نقل کرتے ہیں کہ مغرب کا وقت اس وقت تک ہے یہاں تک کہ شفق کی سرخی جاتی رہے۔ ابن خزیمہ نے کہا اگر یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ صحیح ہو تو یہ تمام روایات سے غنی کر دے گی۔ لیکن اس کی روایت میں محمد بن یزید متفرد ہے۔ اس میں شعبہ کے اصحاب نے حمرۃ الشفق کی جگہ ثور الشفق کا لفظ ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا محمد بن یزید صدوق ہے۔ بیہقی نے کہا یہ حدیث حضرات عمر، علی، ابن عباس، عبادہ بن صامت، شداد بن اوس اور ابوہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے، جبکہ ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔

امام بغوی نے ذکر کیا کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی جب غزوہ احد کے موقع پر لوٹے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے پیچھے ایک جماعت بھیجی، انہوں نے زخمی ہونے کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(2)

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

"اور نہ کمزوری دکھاؤ (دشمن) قوم کی تلاش میں اگر تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو انہیں بھی دکھ پہنچتا ہے جیسے تمہیں دکھ پہنچتا ہے اور تم تو امید رکھتے ہو اللہ تعالیٰ سے اس (ثواب) کی جس کی وہ امید نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔"

ل امام بغوی نے جو ذکر کیا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ آیت غزوہ حمراء الاسد کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ دلالت کرتا ہے۔ امام بیضاوی نے کہا یہ آیت بدر صغریٰ کے متعلق نازل ہوئی(3) جبکہ اس پر کوئی دلیل موجود نہیں اصحاب سیر نے ان دونوں غزوات میں سے کسی کے بارے میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق نہیں لکھا۔ اس پر سیاق کلام بھی دلالت نہیں کرتا بلکہ انہوں نے اس بارے میں اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ سورۂ آل عمران کی آیت ہے، کا ذکر کیا ہے۔

امام ترمذی، حاکم اور دوسرے محدثین نے قتادہ بن نعمان سے روایت کیا ہے کہ ایک کنبہ تھا جنہیں بنوابیرق کہتے۔ یہ بشر، بشیر اور مبشر تین بھائی تھے۔ بشیر منافق آدمی تھا۔ یہ اشعار میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی ہجو کرتا۔ پھر ان شعروں کی نسبت کسی عرب کی طرف کر دیتا، کہتا یہ فلاں فلاں نے کہا۔ یہ کنبہ دور جاہلیت اور دور اسلام دونوں میں فقیر اور مفلوک الحال تھا۔ ان دنوں میں اہل مدینہ کی خوراک چھوہارے اور جو تھی۔ میرے چچا رفاعہ بن زید نے آٹے کی ایک بوری خریدی اور اپنی کٹیا میں رکھ دی جس میں اسلحہ، زرہ اور

1۔ سنن صغیر بیہقی:270 (الدراسات) 2۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ کازرونی، جلد 2، صفحہ 248 (فکر)
3۔ جامع ترمذی:3036 (علمیہ)

تلوار بھی تھی۔ ان پر ظلم کیا گیا کنیا میں نقب لگایا گیا۔ کھانا اور اسلحہ چرا لیا گیا۔ جب صبح ہوئی تو میرے چچا میرے پاس آئے کہا اے بھتیجے آج کی رات ہم پر ظلم کیا گیا۔ ہماری کنیا میں نقب لگائی گئی اور ہمارا اسلحہ اور کھانا چرا لیا گیا۔ ہم نے اردگرد گھروں میں تلاش کی اور لوگوں سے پوچھا ہمیں بتایا گیا کہ ہم نے بنوابیرق کے گھر میں رات کے وقت آگ جلتے ہوئے دیکھی ہمارا خیال یہی ہے کہ تمہارا کھانا پکانے کے لیے ہی آگ جلائی گئی بنوابیرق نے کہا ہم نے محلہ والوں سے پوچھا ہے، ہمارا خیال ہے تمہارا چور لبید بن سہل ہے جو ہم میں سے بڑا نیک مسلمان تھا۔ جب لبید نے یہ بات سنی، اپنی تلوار نکال لی۔ کہا کیا میں چوری کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم یہ تلوار تمہارے جسموں میں داخل ہوگی یا تم اس چوری کے بارے میں بتاؤ گے۔ بنوابیرق نے کہا اے انسان ہم سے دور رہو۔ تم چور کب ہو ہم نے محلہ والوں سے پوچھا اب ہمیں یقین ہو گیا کہ چور بنوابیرق ہیں میرے چچا نے مجھے کہا اے بھتیجے کاش تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کی خدمت میں عرض کرتے۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی ہمارے پڑوسیوں میں سے کسی نے ہم پر ظلم کیا۔ انہوں نے میرے چچا کے گھر میں نقب لگائی۔ وہاں سے اسلحہ اور کھانا لے لیا۔ ہمارا اسلحہ ہمیں واپس دلایا جائے، کھانے کی ہمیں حاجت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس بارے میں سوچوں گا۔ جب بنوابیرق نے اس بارے میں سوچا۔ وہ اپنے قریبی کے پاس آئے جسے اسیر بن عروہ کہتے۔ اس کے متعلق اس سے بات چیت کی۔ اس کے بارے میں محلے کے بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ قتادہ بن نعمان اور اس کے چچا نے ہمارے مسلمان اور نیک لوگوں کے بارے میں بغیر شہادت کے چوری کا الزام لگایا۔ قتادہ کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا تو نے ان لوگوں پر چوری کا الزام لگایا، جن کے مسلمان ہونے اور نیک ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ابھی ہم وہاں ہی تھے کہ لفظ عَظِيْمًا تک آیات نازل ہوئیں۔ (1)

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾

"بے شک ہم نے نازل کی ہے آپ کی طرف یہ کتاب[1] حق کے ساتھ تا کہ فیصلہ کریں آپ لوگوں میں اس کے مطابق جو دکھا دیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے اور نہ بنئے بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے"

[1] جب قرآن حکیم نازل ہوا تو اسلحہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ آپ نے اسلحہ رفاعہ کو واپس کر دیا اور بشیر مشرکین کی طرف بھاگ گیا اور سلافہ بنت سعد کے پاس پناہ لے لی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَمَن يُشَاقِقِ ٱلرَّسُولَ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ ٱلْهُدَىٰ...... ضَلَٰلًۢا بَعِيدًا۔

حاکم نے کہا یہ روایت مسلم کی شرائط پر صحیح ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں اپنی سند سے محمود بن لبید سے نقل کیا ہے کہ بشیر بن حارث نے رفاعہ بن زید جو قتادہ بن نعمان کے چچا تھے، کی کنیا میں نقب لگائی وہاں سے کھانا اور زرہیں ان کے متعلقہ سامان کے ساتھ لے لیں۔ قتادہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے بارے میں خبر دی۔ حضور ﷺ نے بشیر کو بلایا اور اس نقب کے بارے میں پوچھا۔ اس نے انکار کر دیا اور لبید بن سہل پر الزام لگا دیا جو اسی محلہ کے رہنے والے تھے اور بڑے معزز فرد تھے۔ قرآن کی یہ آیات بشیر کی تکذیب اور لبید کی برأت کے بارے میں نازل ہوئیں (2) جب بشیر کے بارے میں قرآن حکیم نازل ہو گیا اور اس کی حرکت پر

1۔ جامع ترمذی: 3036 (علیہ)
2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 283 (علیہ)

اطلاع ہوگئی تو وہ مرتد ہو کر مکہ مکرمہ بھاگ گیا اور سلافہ بنت سہل کے پاس جا کر پناہ لے لی اور وہاں حضور ﷺ اور مسلمانوں کے بارے میں ہجو کرتا۔ اس کے بارے میں قرآن حکیم کی آیات نازل ہوئیں اور حضرت حسان بن ثابت نے اس کی ہجو کی۔ پھر وہ لوٹ آیا۔ یہ واقعہ ہجرت کے چوتھے سال ربیع الثانی کے مہینے میں ہوا۔ امام بغوی نے کہا کلبی نے ابو صالح سے، انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ ابن جریر نے آپ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئی جس کا نام طعمہ بن ابیرق تھا، جو بنی ظفر سے تعلق رکھتا تھا اس نے اپنے پڑوسی قتادہ بن نعمان کی ایک زرہ چرالی زرہ ایک بوری میں تھی جس میں آٹا تھا۔ آٹا بوری کے سوراخ سے گرتا رہا، یہاں تک کہ گھر تک اس کے نشانات بن گئے۔ پھر طعمہ نے اسے ایک یہودی کے پاس چھپا دیا جسے زید السمین کہتے۔ زرہ کے بارے میں طعمہ سے پوچھا گیا۔ اس نے قسم اٹھا دی اللہ کی قسم نہ اس نے خود چوری کی اور نہ ہی اس کے بارے میں اسے علم ہے۔ زرہ کے مالک نے کہا ہم نے آٹے کے آثار تیرے گھر تک دیکھے جو یہودی کے گھر تک آگئے اور اس یہودی کو پکڑ لیا۔ یہودی نے کہا یہ زرہ طعمہ بن ابیرق میرے پاس رکھ گیا ہے۔ بنو ظفر جو طعمہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، عرض کی کہ آپ یہودی کے مقابلہ میں ہمارے ساتھی کی حمایت کریں۔ ساتھ ہی عرض کی اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو ہمارا ساتھی ذلیل و رسوا ہو جائیگا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودی کو سزا دینے کا ارادہ فرمایا[1] امام بغوی نے کہا حضرت ابن عباس سے ایک روایت بھی مروی ہے کہ طعمہ نے ایک زرہ چرائی جو ایک بوری میں تھی، جس میں چھان تھا۔ بوری میں سوراخ تھا جس وجہ سے تمام راستہ میں چھان گرتا رہا جو زید سمین کے گھر تک آپہنچا۔ اس نے بوری کو باہر چھوڑا اور زرہ گھر میں اٹھا لے گئے صبح کو زرہ کا مالک اس چھان کے نشانات پر زید سمین کے گھر تک آپہنچا زید کو پکڑا اور حضور ﷺ کی خدمت میں لے آیا۔ حضور ﷺ نے یہودی کے ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا۔ مقاتل نے کہا زید سمین نے زرہ طعمہ کے پاس امانت رکھی تھی۔ طعمہ نے اس کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(2)

لے امر نہی اور علوم حقہ کے ساتھ۔

سے امام بیضاوی نے کہا یہاں رؤیت علم کے معنی میں نہیں ورنہ یہ تین مفعولوں کا تقاضا کرتا(3) یہاں رؤیت کو ابصار (آنکھ سے دیکھنا) کے معنی میں کرنا ظاہراً درست نہیں۔ اس کا معنی یہ ہوگا اس کے باعث کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہچان کرادی اور تیری طرف وحی کی بعض فضلاء نے کہا یہاں علم کا معنی کرنا بھی درست ہے۔ اس صورت میں اس کا مفعول ثانی اور ثالث حذف ہوگا، یعنی اس کے باعث کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو علم عطا کیا ہے وہ حق ہے۔ اسی کے مطابق لوگوں میں فیصلہ کرو، اگرچہ اس میں حذف کی زیادتی کی ضرورت ہوگی تاکہ مجاز کے استعمال سے بچ جائیں گے۔

میں کہتا ہوں ظاہر بات یہ ہے کہ یہ رؤیت علم کے معنی میں ہے اور ما موصولہ سے مراد وہ مضمون جملہ ہے، علم جس کے متعلق ہے وہ ضمیر جو اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہے وہ محذوف ہے اور مذکور کے حکم میں ہے جو دونوں مفعولوں سے بے نیاز کر رہی ہے کیونکہ مضمون جملہ ان دونوں کے قائم مقام ہے۔ گویا یہ ارشاد فرمایا گیا کہ آپ لوگوں کے درمیان یوں فیصلہ کریں کہ طعمہ چور ہے، لبید اور زید بری ہے۔ اس آیت میں یہ بھی دلیل موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ ظن پر عمل نہیں کرتے تھے لیکن نبی کریم ﷺ سے اجتہاد کی نفی نہیں کی جاتی کیونکہ نبی کریم ﷺ کو جب اجتہاد کے ساتھ ظن حاصل ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اسی حال پر رہنے دیا اور آپ کو خطا پر مطلع نہ کیا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 150-51 (فکر)　　2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 151 (فکر)

3۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شہاب، جلد 2، صفحہ 345 (علمیہ)

تو آپ کو یقیناً یہ معلوم ہو گیا کہ یہی حق ہے۔ مجتہد کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جو عمرو بن دینار سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمر سے یہ کہا اس کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم سکھایا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا ٹھہر جا، یہ تو صرف نبی کریم ﷺ کا خاصا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ حکم عام ہو یہ بھی کہا جاتا ہے۔ مجتہد کے پاس دلیل ظنی یعنی خبر واحد یا قیاس سے حکم ظاہر ہو جائے تو اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ یہ دلائل قطعیہ یعنی کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ مجتہد کے نزدیک اپنے اجتہاد کے خلاف دلیل راجح ظاہر نہ ہو تو پوری کوشش صرف کرنے کے بعد مجتہد کے نزدیک حکم ظنی واجب العمل ہوگا۔ اگرچہ مجتہد کو یہ معلوم نہ ہو کہ امر حقیقت میں بھی اسی طرح ہے۔

شیخ ابو منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ نازل شدہ اصول میں اللہ تعالیٰ نے جو نظر و فکر کا تجھے الہام کیا ہے اس کے مطابق فیصلہ کرو فرمایا۔ اس میں آپ کے لیے اجتہاد کے جواز کی دلیل ہے۔

ج قول کے محذوف ہونے کے ساتھ اس کا عطف انزلنا پر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی وقلنا لا تکن یا اس کا عطف کتاب پر ہے کیونکہ وہ بھی نازل شدہ ہے پھر معنی یہ ہوگا ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی اور ہم نے آپ کی طرف یہ حکم نازل کیا کہ آپ نہ ہو جائیں۔

ھ آپ خیانت والوں کے لیے اور ان کا دفاع کرنے کے لیے بری لوگوں سے جھگڑا نہ کریں۔ خائنین سے مراد بنی ابیرق ہیں اور بری سے مراد لبید بن سہل اور زید سمین یہودی ہے۔

وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿۱۰۶﴾

"اور مغفرت طلب کیجئے اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ لے"

لے آپ نے قتادہ بن نعمان سے جو فرمایا ہے اس پر استغفار کریں۔ امام ترمذی اور امام حاکم کے نزدیک قتادہ سے اسی کی مثل روایت ہے۔ امام بغوی نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے یہودی کو جو سزا دینے کا ارادہ کیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں۔ مقاتل نے کہا کہ آپ نے طعمہ کی جو وکالت کی ہے اس پر اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہوں(1) کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طالب ہو اس کے لیے وہ غفور رحیم ہے۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۚ﴿۱۰۷﴾

"اور مت جھگڑیں آپ ان کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے لے بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا اسے جو بڑا بد دیانت (اور) بدکار ہے ج"

لے یعنی جو اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں ان کی خیانت کا وبال انہیں کی طرف پلٹے گا، یا نافرمانی کو اپنے نفس کے ساتھ خیانت قرار دیا جس طرح نافرمانی کو ظلم قرار دیا گیا۔ جمع کی ضمیر بنی ابیرق اور اس جیسے لوگوں کے لیے ہے یا اس کے لیے اور اس کی قوم کے لیے ہے کیونکہ وہ بھی اس کے ساتھ گناہ میں شریک ہو گئے تھے۔ انہوں نے ہی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حمایت کرنے کا سوال کیا تھا۔

ج لا یحب سے مراد بغض رکھتا ہے۔ خوانا سے مراد خیانت میں مبالغہ کرنے والا اور اس پر اصرار کرنے والا ہے۔ اثیم اس لیے ہے کیونکہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 157 (فکر)

حق کا انکار کیا جھوٹ بولا اور بری آدمی پر چوری کی تہمت لگائی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ خطاب حضور ﷺ کو ہے اور مراد دوسرے لوگ ہیں جس طرح اس ارشاد میں ہے فَإِن كُنتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ۔

امام بغوی نے فرمایا انبیاء کے حق میں استغفار تین میں سے ایک صورت میں ہوتی ہے۔ اس گناہ کے استغفار کے لیے جو اعلان نبوت سے پہلے ہوا۔ امت کے گناہوں پر یا قریبی لوگوں کے گناہوں پر یا کسی مباح امر پر جس کے بارے میں شرع میں حرمت کا حکم نازل ہوا تو نبی کریم ﷺ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اس صورت میں استغفار کا معنی شرع کے حکم کو سننا اور اس کی اطاعت ہوگا۔

يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾

"وہ چھپا سکتے ہیں (اپنے ارادے) لوگوں سے[1] لیکن نہیں چھپا سکتے اللہ تعالیٰ سے[2] اور وہ تو (اس وقت بھی) ان کے ساتھ ہوتا ہے[3] جب راتوں کو مشورہ کرتے ہیں[4] ایسی باتوں کا جو پسند نہیں اللہ کو[5] اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے گھیرے ہوئے ہے[6]"

[1] حیا اور شرمندگی کے خوف سے چھپنا چاہتے ہیں یعنی ابیرق کی قوم۔

[2] اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں کرتے جبکہ وہ حیاء کیے جانے کا زیادہ حقدار ہے اور اس کا زیادہ سزاوار ہے کہ اس کے سامنے شرمندگی سے ڈرا جائے یا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے چھپنا ممکن نہیں۔

[3] اللہ تعالیٰ پر ان کا کوئی راز مخفی نہیں اور اس کے ساتھ معاملہ کرنے کا اس کے سوا کوئی طریقہ نہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ قبیح جانے یا اس پر مؤاخذہ کرے اس کو چھوڑ دیا جائے۔

[4] رات کے وقت وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اس کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔

[5] امام بغوی نے کہا قول سے مراد وہ مشورہ ہے جو طعمہ کی قوم نے باہم کیا تھا کہ ہم معاملہ کو حضور ﷺ کی خدمت میں لے جاتے ہیں۔ آپ طعمہ کی بات اور قسم کی طرف متوجہ ہوں گے کیونکہ یہ مسلمان ہے۔ یہودی کا قول نہیں سنیں گے کیونکہ وہ کافر ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو پسند نہیں کیا۔(1)

[6] یعنی اس سے کوئی چیز چھوٹ نہیں سکتی۔

هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَن يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَم مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿١٠٩﴾

"سنتے ہو تم وہ لوگ ہو[1] کہ جھگڑتے ہو[2] ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں[3] پس کون جھگڑے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی طرف سے قیامت کے دن[4] یا کون ہوگا (اس روز) ان کا وکیل[5]"

[1] انتم مبتدا اور ھؤلاء منادی ہے جس کا حرف ندا محذوف ہے اور اس کا مابعد مبتدا کی خبر ہے یا ھؤلاء مبتدا کی خبر ہے۔

[2] یہ جملہ آخر تک اولاء کا بیان ہے جس نے ھؤلاء کو اسم موصول بنایا اس کے نزدیک یہ جملہ صلہ ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 158 (فکر)

۳؎ ھم ضمیر سے مراد ابن ابیرق اس کی نسل اور اس کی قوم ہے۔ جدال سخت جھگڑا کرنے کو کہتے ہیں جو جدل سے مشتق ہے جس کا معنی سخت بٹنا ہے۔ گویا وہ مد مقابل کو دلائل کے ذریعے اس کے مذہب سے موڑنا چاہتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا جدال جدالہ سے مشتق ہے جس کا معنی زمین ہے۔ گویا دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو زمین پر گرانا چاہتا ہے۔

۴؎ جب اللہ تعالیٰ ابن ابیرق جیسے لوگوں کو عذاب دینا چاہے گا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی بھی جھگڑا کرنے والا نہ ہوگا۔

۵؎ وکیلا سے مراد حامی جو ان کی حمایت کرے اور اللہ تعالیٰ کا عذاب ان سے دور کرے کیونکہ جو آدمی اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے اس جیسے مقامات جہاں ام کے بعد حرف استفہام ہو جیسے اَمْ مَا ذَا كُنْتُمْ یا اَمْ كَيْفَ تو اس وقت نہ یہ متصلہ ہوتا ہے نہ منقطعہ بلکہ یہ بل کے معنی میں ہوتا ہے۔ ہاں تاویل کی صورت میں کسی ایک معنی میں کرنا درست ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾

"اور جو شخص کر بیٹھے برا کام یا ظلم کرے اپنے آپ پر پھر مغفرت مانگے اللہ تعالیٰ سے تو پائیگا اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا۱؎"

۱؎ سوء سے مراد ایسا قبیح عمل ہے جس کے ذریعے وہ کسی دوسرے کے ساتھ زیادتی کرتا ہے اور اپنے آپ پر ظلم کرنے سے مراد ایسا برا عمل ہے جو اسی کے ساتھ خاص ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا سوء سے مراد ایسا گناہ جو شرک سے کم ہو اور ظلم سے مراد شرک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا سوء سے مراد گناہ صغیرہ اور ظلم سے مراد گناہ کبیرہ ہے۔ استغفار سے مراد توبہ کرنا اور مظالم کو ختم کرنا ہے، جو ایسا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو گناہ بخشنے والا اور فضل و احسان کرنے والا پائے گا۔ اس آیت میں ابن ابیرق اور اس کی قوم کو استغفار پر برانگیختہ کیا گیا ہے۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾

"اور جو کمائے گناہ کو تو وہ کماتا ہے اسے اپنے لیے اور اللہ تعالیٰ علیم (و) حکیم ہے۱؎"

۱؎ اثما سے مراد چھوٹا بڑا گناہ ہے جو ایسا کرے گا تو اس کی ذات اس کا دکھ اٹھائے گی۔ اس کا وبال کسی دوسرے کو نہیں پہنچے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کو جانتا بھی ہے اور جزا دینے میں حکمت سے کام لیتا ہے۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾

"اور جو شخص کمائے کوئی خطا یا گناہ پھر تہمت لگائے اس سے کسی بے گناہ کو تو اس نے اٹھالیا (بوجھ) بہتان کا اور کھلے گناہ کا۱؎"

۱؎ یہاں خطیہ سے مراد گناہ صغیرہ ہے یا جس میں ارادہ نہ ہو اور اثما سے مراد گناہ کبیرہ یا جو ارادہ سے ہو جو گناہ کرے پھر بری آدمی پر تہمت لگائے جس طرح ابن ابیرق نے لبید یا زید یمین پر تہمت لگائی یہاں واحد کی ضمیر صرف اَوْ کی وجہ سے ہے بہتانا سے مراد ایسا جھوٹ ہے جس سے مقتول مبہوت ہو جائیں۔ اثما مبینا سے مراد واضح گناہ ہے جس کا سبب بری پر تہمت لگانا اور گناہ گار انسان کو بری قرار دینا ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝

"اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل آپ پر[1] اور اس کی رحمت[2] تو تہیہ کر لیا تھا ایک گروہ نے ان سے[3] کہ غلطی میں ڈال دیں گے آپ کو[4] اور نہیں غلطی میں ڈال رہے مگر اپنے آپ کو[5] اور نہیں ضرر پہنچا سکتے آپ کو کچھ بھی[6] اور اتاری ہے اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت[7] اور سکھا دیا آپ کو[8] جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے[9] اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے[10]"

[1] یعنی اے نبی۔

[2] یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت اور ان کے راز پر اطلاع کی مہربانی نہ ہوتی۔

[3] طائفہ سے مراد بنو ظفر ہیں۔

[4] یعنی جھوٹ بول کر تمہیں فیصلہ میں گمراہ کر دیں اور معاملہ کو آپ پر خلط ملط کر دیں، یہاں تک کہ آپ ابن ابیرق کا دفاع کرنے لگیں۔ یہ جملہ لولا کا جواب ہے۔ یہاں مقصود ان کے ارادہ کی نفی نہیں بلکہ اس کی تاثیر کی نفی ہے۔ گویا ان کے ارادہ کے وجود کو تاثیر نہ ہونے کی وجہ سے عدم کے قائم مقام کر دیا۔

[5] کیونکہ ان کے گمراہ کرنے کا وبال انہیں کی طرف لوٹے گا۔

[6] اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی وجہ سے وہ آپ کو کچھ نقصان بھی نہ پہنچا سکیں گے۔ من شیء محل نصب میں ہے اور مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی شَيْئًا مِّنَ الضَّرَرِ۔ ظاہر کا تقاضا یہ تھا وَمَا اَضَلُّوْا اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا اَضَرُّوْكَ مِنْ شَيْءٍ، تاہم حال کی حکایت کرنے کی وجہ سے اسے مضارع کی طرف عدول کیا گیا۔

[7] کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد وحی غیر متلو ہے۔

[8] یعنی آپ کو اسرار غیب کے علوم سکھائے۔ قتادہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا و آخرت کے حلال و حرام کے علوم سکھا دیے تا کہ اس کے ساتھ مابعد کی صحت کا استدلال کیا جا سکے۔

[9] انزل اللّٰہ اور علمک دونوں جملہ حالیہ ہیں۔ ان سے پہلے لفظ قد مقدر ہے اور تنازع فعلین (۱) کے قاعدہ کے مطابق ان کا تعلق مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ کے ساتھ ہے۔

[10] کیونکہ نبوت سے بڑھ کر کوئی فضل نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

"نہیں کوئی بھلائی ان کی اکثر سرگوشیوں میں[1] بجز ان لوگوں کے جو حکم دیں صدقہ دینے کا[2] کا یا نیک کام کا[3] یا صلح

(۱) جب فعل (عامل) دو ہوں اور معمول ایک ہو تو اس کو تنازع فعلین کہتے ہیں۔

کرانے کا لوگوں میں ہے اور جو شخص کرے یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضا مندیاں حاصل کرنے کے لیے تو ہم عطا فرمائیں گے اسے اجر عظیم "

1۔ نجویٰ کا معنی راز ہے۔ اسی طرح قاموس میں ہے(1) ناجیتہ یعنی میں نے اس سے سرگوشی کی۔ صحاح میں کہا اس کی اصل یہ ہے کہ بلند جگہ میں تو اس کے ساتھ اکیلا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ نجات سے مشتق ہے۔ یعنی اس کی ایسے معاملہ میں مدد کرنا جس میں اس کی نجات ہو۔ بغوی نے کہا نجویٰ سے مراد تدبیر کو خفیہ رکھنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ نجویٰ کا معنی یہ ہے کہ کوئی قوم تنہا تدبیر کرے، خواہ مخفی طریقے سے یا اعلانیہ۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس کی تائید کرتا ہے وَاَسَرُّوا النَّجْوَى۔ آیت کا معنی یہ ہوگا جو وہ آپس میں جھوٹ بولتے ہیں اس میں کوئی بھلائی نہیں(2) یہ بھی جائز ہے کہ مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہو، اس سے مراد سرگوشیاں کرنے والے لوگ ہوں جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے۔ واذھم نجوی ضمیر مجرور ابن ابیرق کی قوم کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ وہی لوگوں سے چھپاتے تھے کیونکہ وہی راتوں کو ایسی باتوں کا مشورہ کرتے تھے جس سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا۔ مجاہد نے کہا یہ آیت عام ہے جو تمام لوگوں کے حق میں ہے(3) جب اسے ابن ابیرق کی قوم کی طرف لوٹایا جائے تو ما بعد ارشاد مستثنیٰ منقطع ہوگا۔

2۔ کیونکہ جو لوگ صدقہ کرنے کا حکم دیتے ہیں وہ ان لوگوں میں داخل ہی نہیں۔ جب ضمیر تمام لوگوں کی طرف لوٹے گی تو پھر مذکورہ ضمیر سے وہ مستثنیٰ متصل ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ کثیر من نجویٰ سے مستثنیٰ ہے۔ اگر نجویٰ اسم فاعل کے معنی میں ہو تو اس میں کوئی خفا نہیں۔ اگر مصدر کے معنی میں ہو تو مستثنیٰ میں مضاف کو مقدر ماننا جائے گا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اِلَّا نَجْوٰى مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ استثناء جائز نہیں کیونکہ یہ اس کی مثل ہے جَاءَ نِيْ كَثِيْرٌ مِّنَ الرِّجَالِ اِلَّا زَيْدًا کیونکہ کثیر میں زید کے داخل ہونے اور نہ ہی اس کے خارج ہونے کا یقین ہے۔ اس لیے نہ اسے مستثنیٰ متصل قرار دے سکتے ہیں اور نہ ہی مستثنیٰ منقطع قرار دے سکتے ہیں۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس سے مراد یہ ہے ان میں سے کسی کے ساتھ زیادہ سرگوشیاں کرنے میں کوئی فائدہ نہیں مگر اس کی سرگوشی جو صدقہ کا حکم دے۔ یہ جواب اسی وقت بنتا ہے جب نجویٰ کو اسم فاعل کے معنی میں نہ لیا جائے کیونکہ اس کلام کا کوئی معنی نہیں لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ مُّتَنَاجِيْ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ ظاہر بات یہ ہے کہ یہاں الا صفت ہو اور غیر کے معنی میں ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔

3۔ یعنی ایسے نیکی کے اعمال جن کا حسن شرع سے پہچانا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں معروف سے مراد قرض، مظلوم کی مدد، نفلی صدقہ اور صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہوگی۔

4۔ اس کا عطف معروف پر ہے۔ یہاں عام کے بعد خاص کو ذکر کیا گیا ہے۔ مقصود زیادہ اہتمام کرنا ہے یا یہ کہا جاتا ہے کہ لوگوں کے درمیان صلح کے لیے ایسا امر بھی مباح ہوتا ہے جو دوسرے موقع پر معروف نہیں ہوتا جیسے جھوٹ بولنا۔ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط سے مروی ہے یہ ان افراد میں شامل تھیں جنہوں نے پہلے پہل ہجرت کی تھی، کہا رسول اللہ نے فرمایا کذاب وہ نہیں جو لوگوں کے درمیان مصالحت کرائے، اپنی طرف سے کوئی اچھی بات کرے یا اچھی بات دوسروں تک پہنچائے۔ متفق علیہ۔(4)

حضرت ابو درداء سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں روزے، صدقہ اور نماز سے افضل چیز کے بارے میں نہ

1۔ القاموس المحیط، جلد 2، صفحہ 1725 (التراث العربی) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 155 (الفکر)
3۔ ایضاً 4۔ صحیح مسلم: 2605، جلد 16، صفحہ 129 (علمیہ)

اس ارشاد کا بھی یہی معنی ہے۔

1۔ مفروض سے مراد مقدر ہے۔ یعنی وہ حصہ جو میرے لیے مقدر کیا گیا ہے۔ حسن بصری نے کہا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم میں اور ایک جنت میں جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ بعث النار والی حدیث میں اس طرح آیا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ ایسا حصہ جو دوسروں سے الگ کیا گیا ہے۔ یعنی بدبختوں کی جماعت سعادت مندوں سے ممتاز ہوگی۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ

1۔ القاموس المحیط، جلد 1، صفحہ 283 (التراث العربی)

بتاؤں؟ ہم نے عرض کی کیوں نہیں۔ فرمایا جن میں اختلاف و جدائی ہو ان میں مصالحت کرانا سب سے افضل ہے اور جن میں پہلے سے جدائی ہو ان میں مزید فساد ڈالنا یہ نیکیوں کو مطلق ختم کر دیتا ہے(1) اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

اسماء بنت یزید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جھوٹ حلال نہیں ہوتا مگر تین مواقع پر مرد کا عورت کے سامنے جھوٹ بولنا تاکہ اسے راضی کرے جنگ میں جھوٹ بولنا اور لوگوں کے درمیان مصالحت کے لیے جھوٹ بولنا(2) اسے امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔

ﮯ ذلک کا مشار الیہ امر ہے یا احد هذه الاشياء ہے۔ یعنی جس نے ان مذکورہ اشیاء میں سے کسی چیز کا مشورہ دیا یا جس نے مذکورہ اشیاء یعنی صدقہ، معروف اور لوگوں کے درمیان مصالحت کرائی۔ ظاہر پہلی تعبیر ہے۔ امام بیضاوی نے دوسری تعبیر کو پسند کیا، کہا کلام امر پر مبنی ہے اور جزاء کو فعل پر مرتب کیا گیا تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ جب مشورہ دینے والا پسندیدہ لوگوں میں داخل ہوگا تو عمل کرنے والا بدرجہ اولی ان میں داخل ہوگا کیونکہ اصل مقصود فعل ہے اور امر و مشورہ تو اس تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔

ﯩ فعل کو اس قید کے ساتھ مقید کیا کیونکہ جس نے ریاکاری کے طور پر عمل کیا تو وہ اجر کا مستحق نہیں ہوگا کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے(3) یہ حضرت عمر سے مروی مرفوع حدیث ہے۔

ﮯ حمزہ اور ابو عمرو نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے باقی قراء نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔

ﮮ اس کے مقابلہ میں دنیاوی مال و متاع حقیر ہیں۔ شیخین نے صحیحین میں اور امام احمد نے ابو شریح خزاعی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کرے یا خاموش رہے(4) امام بیہقی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو بات کرے تو فائدے کی کرے یا خاموش رہے تو محفوظ رہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اچھے لوگ جنہیں ماقبل کے حکم سے خارج کیا تھا ان کی جزاء کا ذکر کر لیا تو اس کے بعد ان لوگوں کی جزاء کا ذکر کیا جو استثناء کے بعد شریر باقی بچ گئے تھے۔

وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ۝۱۱۵

اور جو شخص مخالفت کرے ۱ (اللہ کے) رسول کی اس کے بعد کہ روشن ہو گئی اس کے لیے ہدایت کی راہ ۲ اور چلے اس راہ پر جو الگ ہے مسلمانوں کی راہ سے ۳ تو ہم پھرنے دیں گے اسے جدھر وہ خود پھرا ہے ۴ اور ڈال دیں گے اسے جہنم میں اور یہ بہت بری پلٹنے کی جگہ ہے ۵

۱ یعنی جو مخالفت کرتا ہے۔ یہ شق سے مشتق ہے۔ گویا دونوں اختلاف کرنے والے ایک دوسرے سے مختلف حصہ میں ہوتے ہیں۔

۲ یعنی دلیل قطعی کے ساتھ امر ثابت ہونے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے ظاہر ہونے کے بعد اس کے ساتھ اسے مقید اس لیے کیا گیا تاکہ ان افراد کو اس حکم سے خارج کر دیا جائے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت تو کی لیکن اسے رسول اللہ کا حکم نہیں پہنچا تھا

1۔ جامع ترمذی: 2508 (علمیہ)
2۔ جامع ترمذی: 1939 (علمیہ)
3۔ صحیح مسلم: 155، جلد 13، صفحہ 47 (اخفیہ)
4۔ صحیح مسلم: 74، جلد 2، صفحہ 16 (علمیہ)

اس سند سے حکم پہنچا تھا جس کے بعض راویوں پر تہمت لگائی گئی تھی، یا مجتہد نے پوری کوشش صرف کرنے کے بعد بھی اس کی مراد سمجھنے میں غلطی کی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ خالف الرسول سے مراد ارتداد اختیار کرنا ہے جو توحید اور معجزات کے ساتھ رسول کی صداقت کے ظاہر ہونے کے بعد واقع ہوا جس طرح طعمہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے۔

سے یعنی جس اعتقاد اور عمل پر سب مومن متفق ہیں اس سے مختلف راہ کی اتباع کرتا ہے۔ بعض کی مخالفت سے کوئی حرج نہیں جبکہ وہ بعض کی موافقت کرتا ہو کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

سے یعنی دنیا میں اس نے جو گمراہی اختیار کی ہم اسے اختیار کرنے دیں گے، اس کے اور اس کے پسندیدہ کفر کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ڈالیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہم آخرت میں اسے اسی کے سپرد کر دیں گے جس پر اس نے دنیا میں بھروسہ کیا، جس طرح صحیحین میں ہے حضرت ابو سعید خدری اور عبداللہ بن عمرو بن عاص سے ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا روز ہوگا ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ ہر جماعت جس کی عبادت کرتی تھی اس کے پیچھے پیچھے چلے تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ جو بھی کسی بت کی پوجا کرتا تھا وہ جہنم میں گر پڑے گا۔

ھے یعنی جہنم (1) برا ٹھکانہ ہے۔ یا حق سے اعراض کرنا برا ٹھکانا ہے بغوی نے کہا یہ آیت طعمہ بن ابیرق کے حق میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ بنی جب اس کی چوری واضح ہو گئی تو اسے ہاتھ کاٹنے اور ذلت و رسوائی کا خوف ہوا تو مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ گیا اور دین سے مرتد ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ (1) یہ آیت اجماع کی مخالفت کے حرام ہونے پر دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور مومنوں کے علاوہ کسی اور راہ اپنانے پر وعید کو مرتب کیا۔ ان میں سے ایک کو دوسرے کے بغیر سبب قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ورنہ دوسرے کے ذکر کی کوئی وجہ نہ تھی اور نہ ہی دونوں کو مجموعی طور پر سبب قرار دینے کی کوئی وجہ ہے کیونکہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اکیلے بھی حرام ہے تو اسی سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ ان میں سے ہر ایک وعید کا سبب ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مومنوں کے علاوہ دوسروں کی اتباع بھی حرام ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مومنوں کے طریقہ کی اتباع واجب ہے کیونکہ انسان کو کوئی نہ کوئی راہ تو اپنانی ہوتی ہے۔ امام بیہقی اور امام ترمذی نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ کی تائید جماعت کو حاصل ہے جو الگ ہوا اسے جہنم میں ڈال دیا جائیگا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

امام بغوی نے کہا کہ طعمہ بن ابیرق مکہ مکرمہ کے ایک رہائشی بنی سلیم کے ایک آدمی کے پاس ٹھہرا جسے حجاج بن علاط کہتے۔ طعمہ نے اس کے گھر میں بھی نقب لگائی تو اس پر ایک پتھر گر پڑا جس وجہ سے وہ اس کے گھر میں داخل ہو سکا نہ باہر نکل سکا یہاں تک کہ صبح ہو گئی تو حجاج نے اسے قتل کرنے کے لیے پکڑا تو وہاں کے لوگوں میں سے ہی کسی ایک نے کہا اسے چھوڑ دو کیونکہ اس نے تمہارے پاس پناہ لی

1۔ جامع ترمذی: 2167 (علمیہ)

(1) امام مالک سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء نے سنتیں قائم کی ہیں۔ ان کا اپنانا کتاب اللہ کی تصدیق، اس کی اطاعت میں کمال اور اللہ تعالیٰ کے دین میں قوت نصیب کرتا ہے۔ کسی کو بھی انہیں بدلنے کا حق نہیں اور نہ اس کی مخالفت میں غور و فکر کا حق ہے۔ جس نے ان کی اقتداء کی وہ ہدایت پا گیا۔ جس نے ان سے مدد چاہی وہ منصور ہوا اور جس نے ان کی مخالفت کی۔ اس نے مومنوں کے راستے کے خلاف راہ انتخاب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جانے دیا جس طرف اس نے منہ کیا اور اسے جہنم میں داخل کر دیا جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔ از مؤلف رحمہ اللہ۔

تھی تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور مکہ مکرمہ سے نکال دیا۔ وہ قضاعہ کے تاجروں کے ساتھ شام کی طرف نکل پڑا۔ انہوں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا تو اس نے کچھ سامان چوری کیا اور بھاگ گیا لوگوں نے اسے تلاش کیا اور پکڑ لیا۔ اسے پتھر مارتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے اسے قتل کر دیا تو اس کی قبر وہ پتھر ہی بن گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ جدہ کی طرف جانے کے لیے کشتی پر سوار ہوا تو اس نے کشتی میں ہی ایک تھیلی چوری کر لی جس میں دینار تھے تو اسے سمندر میں پھینک دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ بنی سلیم کے ہاں اترا وہ ان کے بت کی پوجا کرتا تھا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں آیت کو نازل کیا۔(1)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾

" بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس (جرم عظیم) کو کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے اس کے ماسوا جتنے جرائم ہوں جس کیلئے چاہتا ہے اور جو شریک ٹھہرائے (کسی کو) اللہ کے ساتھ تو وہ گمراہ ہوا اور گمراہی میں دور نکل گیا۔ "

1۔ اللہ تعالیٰ گناہ صغیرہ اور کبیرہ تو بہ اور بغیر توبہ کے بخش دیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو واجب الوجود یا مستحق عبادت ہونے میں شریک ٹھہراتا ہے، وہ صراط مستقیم سے زیادہ ہی بھٹک چکا ہے، اس کے لیے نجات اور مغفرت کو پانا ممکن نہیں۔ امام بغوی نے کہا ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سابقہ آیت ایک بدو شیخ کے بارے میں نازل ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی اے اللہ کے نبی میں بوڑھا ہوں اور گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں مگر جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا ہے اور اس پر ایمان لایا ہوں تو میں نے اس کے ساتھ شرک نہیں کیا اور اس کے سوا کسی کو دوست بھی نہیں بنایا اور اللہ تعالیٰ پر جری بنتے ہوئے گناہوں میں بھی نہیں پڑا اور نہ ہی میں نے یہ گمان کیا کہ بھاگ کر اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکتا ہوں۔ میں نادم ہوں، توبہ کرنے والا ہوں اور بخشش کا طالب ہوں تو میرا کیا حال ہوگا۔ ثعلبی نے بھی آپ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ بغوی نے کہا اہل مکہ کے حق میں یہ حکم نازل ہوا۔(2)

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا ۚ وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ﴿١١٧﴾

" نہیں عبادت کرتے یہ مشرک 1۔ اللہ کے سوا مگر دیویوں کی 2۔ اور نہیں عبادت کرتے مگر شیطان سرکش کی 3۔ "

1۔ یعنی وہ عبادت نہیں کرتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دعا بھی عبادت ہے۔ پھر فرمایا اور تمہارا رب فرماتا ہے مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا(3) اور اسے امام احمد اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کیا۔ کیونکہ جو کسی کی عبادت کرتا ہے وہ اپنی ضروریات اور مصالح کے لیے دعا کرتا ہے۔

2۔ اکثر مفسرین نے کہا اس کا معنی ہے مگر بتوں کو اناث کہنے کی وجہ یہ ہے کہ عرب انہیں مونث ہی سمجھتے تھے اور عورتوں کے نام رکھتے تھے جیسے لات، عزیٰ، منات وہ یہ بھی کہتے ابنۃ بنی فلاں، انثی بنی فلاں۔ کیونکہ عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ الا اناثا کا معنی کیا ہے کہ جنیہ کے بت کے ساتھ (4) یا اس بناء پر کہ ان کے ناموں کے علاوہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 147 (علمیہ)　　2۔ ایضاً
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 208 (وزارت تعلیم)　　4۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 393 (علمیہ)

ان کی کوئی حقیقت نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم عبادت نہیں کرتے مگر ناموں کی جو تم نے خود رکھے ہیں تو ان کے مونث ناموں کی وجہ سے انہیں مونث سمجھا جانے لگا یا اس لیے کیونکہ بت جمادات سے بنے ہوتے تھے اور لغت میں اناث کا اطلاق جمادات پر بھی ہوتا تھا۔ قاموس میں ہے اناث انثی کی جمع ہے(1) جس طرح اناثی جمع آتی ہے اور اناثی بے جان چیزوں کو بھی کہتے ہیں جیسے پتھر، درخت اور چھوٹے ستارے۔ یہ لغوی استعمال ہے۔ اس میں کسی قسم کا مجاز نہیں جس طرح کتب نحو میں کہا گیا کہ الف، تا، واو اور نون جمع اصل میں غیر عقلاء کی جمع کے لیے آتے ہیں، جس طرح کہا جاتا ہے سفن جاریات اور نخل باسقات اور صرون الایام لیالی عورتوں کی جمع الف تاء سے آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں غیر عقلاء کے قائم مقام رکھا گیا کیونکہ وہ ناقصات عقل ہیں حسن اور قتادہ نے کہا کہ الا اناثا کا معنی موا تا ہے جس میں روح نہ ہو۔ ان کا نام اناثا اس لیے رکھا کیونکہ یہ بت موات کی جس طرح خبر دیتے ہیں۔ اسی طرح اناث کی خبر دیتے ہیں یا اس لیے انہیں اناث کہا گیا ہے کیونکہ یہ مذکروں کے مقابلہ میں ادنیٰ جنس ہیں جس طرح مردہ زندہ سے ادنیٰ ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں پر اس لفظ کا اطلاق مجازی ہے۔ ابن عباس کی یہ قرأت ہے الا اثنا جو وثان کی جمع ہے۔ اور او ثان وثن کی جمع ہے۔ واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا۔ ضحاک نے کہا اناث سے مراد فرشتے ہیں کیونکہ وہ فرشتوں کے بارے میں کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ العیاذ باللہ۔

ے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر بت میں ایک شیطان ہوتا جو پجاریوں اور کاہنوں کو دکھائی دیتا وہ ان سے بات بھی کرتا جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد ابلیس ہے کیونکہ ابلیس نے ہی انہیں عبادت کا حکم دیا تھا۔ پس ان بتوں کی عبادت حقیقت میں شیطان کی عبادت اور طاعت ہے۔ مارد اور مرید اسے کہتے ہیں جس کا خیر سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اس ترکیب کا اصل معنی چکنا پن اور ملائم ہونا ہے۔ اسی سے صرح ممرد (چکنا محل) اور غلام امرد بولتے ہیں۔ یہاں مرید سے مراد سرکش اور اللہ تعالیٰ کی طاعت سے نکل جانے والا ہے۔

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾

"لعنت کی ہے اس پر اللہ نے ل اور اس نے کہا تھا ۲ کہ میں ضرور لوں گا تیرے بندوں سے (اپنا) حصہ مقرر ۳"

ل یہ شیطان کی صفت ثانیہ ہے۔

۲ اس کا عطف لعن پر ہے، یعنی ایسا سرکش شیطان جو اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس قول کو جمع کرنے والا ہے جو لوگوں سے اس کی حد درجہ عداوت پر دال ہے۔ اس قول کے ساتھ اس کی توصیف اس بات پہ دلالت کرتی ہے کہ یہاں شیطان سے مراد ابلیس ہے کیونکہ ابلیس نے جب حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت کی تو شیطان نے کہا تیری عزت و جلال کی قسم میں بنی آدم کو اس وقت تک گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں روحیں موجود ہوں گی۔ صحیح حدیث میں یہی مضمون آیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بھی یہی معنی ہے۔

۳ مفروض سے مراد مقدر ہے، یعنی وہ حصہ جو میرے لیے مقدر کیا گیا ہے۔ حسن بصری نے کہا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم میں اور ایک جنت میں جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ بعث النار والی حدیث میں اسی طرح آیا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ ایسا حصہ جو دوسروں سے الگ کیا گیا ہے، یعنی بدبختوں کی جماعت سعادت مندوں سے ممتاز ہو گی۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ

1۔ القاموس المحیط، جلد 1، صفحہ 263 (التراث العربی)

خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾

"اور میں ضرور انہیں گمراہ کروں گا [1] اور میں ضرور انہیں جھوٹی امیدوں میں رکھوں گا [2] اور میں ضرور حکم دونگا انہیں پس وہ ضرور چیریں گے جانوروں کے کان [3] اور میں انہیں حکم دونگا تو وہ ضرور بدل ڈالیں گے اللہ کی تخلیق کو [4] اور جو شخص بنا لے شیطان کو (اپنا) دوست اللہ کو چھوڑ کر [5] تو نقصان اٹھایا اس نے کھلا نقصان [6]"

[1] یعنی ان کے دلوں میں وسوسہ ڈال کر اور شہوات کو مزین صورت میں پیش کر کے انہیں حق سے گمراہ کر دوں گا۔ گمراہ کرنے کی نسبت جو شیطان کی طرف کی گئی وہ بطور مجاز ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان تمہارے پاس آتا ہے، کہتا ہے فلاں کو کس نے پیدا کیا یہاں تک کہ وہ یہ بھی کہہ دیتا ہے تیرے رب کو کس نے پیدا کیا۔ جب وہ یہاں پر پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو اور اس وہم سے رک جاؤ، متفق علیہ۔ (1)

[2] انہیں باطل آرزویں دلاؤں گا کہ موت کے بعد دوبارہ اٹھنا نہیں عذاب وغیرہ کچھ نہیں زندگی بڑی لمبی ہے اور معاصی کے ساتھ بھی انسان آخرت میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان انسان کے اندر اس طرح چلتا ہے جس طرح خون، متفق علیہ (2) حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسان کو ایک چوکا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور ایک چوکا فرشتے کی جانب سے ہوتا ہے۔ شیطان کا چوکا برائی پر ابھیختہ کرنا اور حق کی تکذیب کرنا ہے اور فرشتے کا چوکا بھلائی کی طرف ترغیب اور حق کی تصدیق ہے، جس نے اس کو پالیا وہ جان لے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے، جو دوسری صورت پائے وہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ چاہے۔ شیطان تمہیں فقر سے دھمکاتا ہے اور فحشاء کا حکم دیتا ہے (3) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[3] بتک کا معنی کاٹنا اور پھاڑنا ہے۔ باب تفعیل کثرت اور تکرار پر دلالت کرے گا، یعنی وہ ضرور کاٹیں گے اور پھاڑیں گے۔ اس سے مراد وہ عمل ہے جو وہ بحیرہ کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ قتادہ اور سدی نے کہا وہ اونٹنیوں کے کان اپنے بتوں کے لیے کاٹتے تھے۔ قاموس میں ہے بحر کا معنی پھاڑنا ہے (4) اسی طرح کان پھاڑنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی سے بحیرہ کا لفظ ہے جب کوئی اونٹنی دس دفعہ بچہ جنتی تو اس کے کان پھاڑ دیتے اور اسے چرنے کے لیے چھوڑ دیتے۔ جب وہ مرتی تو اس کا گوشت عورتوں پر حرام کرتے، صرف مرد کھاتے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حلال کیا ہے اس کو حرام قرار دینا اور اللہ تعالیٰ نے جسے بالفعل یا بالقوہ کامل تخلیق کیا اس میں نقص پیدا کرنا۔

[4] یہ تبدیلی صورت (ا) کے اعتبار سے ہو یا حالت (ب) کے اعتبار سے اس میں نرکی ایک آنکھ پھوڑنا، غلاموں کو خصی کرنا، گودنا (ج)

1۔ صحیح بخاری: 3102 (ابن کثیر) 2۔ ایضاً: 3107 (ابن کثیر) 3۔ جامع ترمذی: 2988 (علیہ) 4۔ القاموس المحیط، جلد 1، صفحہ 496

(ا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے گودنے والیوں، گدوانے والیوں، سفید بال نوچنے والیوں اور خوبصورتی کے لئے دانتوں میں کشادگی پیدا کرنے والیوں اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی کرنے والیوں پر لعنت کی ہے۔ اسے امام احمد اور شیخین نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے۔ امام احمد اور شیخین نے ابن عمر سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بال جوڑنے والیوں، بال جڑوانے والیوں، گودنے والیوں اور گدوانے والیوں پر لعنت کی ہے۔ امام احمد نے حضرت عائشہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ گودنے والی، گدوانے والی، بال جوڑنے والی اور جڑوانے والی پر لعنت فرماتے ہیں۔

(ب) حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب چوپاؤں کو خصی کرنے سے روکتے تھے اور فرماتے تھے یہ موتی تو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دانتوں کو تیز کرنا (د) مثلہ کرنا' لواطت' عورتوں کا آپس میں بدفعلی کرنا' سورج' چاند اور پتھروں کی پوجا کرنا کیونکہ یہ چیزیں اس کے لیے نہیں بنائی گئیں۔

اور اعضاء اور قوتوں کو ایسے کاموں میں استعمال کرنا جو نفس کے کمال کا باعث نہ ہوں۔ فطرۃ اللہ سے مراد اسلام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر بچے کو فطرت سلیمہ پر پیدا کیا جاتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی' نصرانی اور مجوسی بناتے ہیں جس طرح چوپایا بچے کو مکمل (ہ) جنم دیتا ہے کیا تم اسے کٹے اعضاء (و) والا دیکھتے ہو پھر آپ اس آیت کی تلاوت فرماتے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ متفق علیہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تبدیلی نہ کرو یہ بھی جائز ہے کہ یہ پانچوں جملے شیطان کے اپنے افعال کا بیان ہو۔ اس صورت میں یہ قول ابلیس کے ساتھ خاص نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ شرک انتہاء کی گمراہی ہے کیونکہ تم جنہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔ یہ جمادات ہیں جو نقصان پہنچاتے ہیں اور نہ نفع پہنچاتے ہیں بلکہ یہ وہ اسماء ہیں جو تم نے اپنی طرف سے عورتوں کے نام سے رکھے ہوئے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں اور شرک کرنا شیطان کی اطاعت ہے جو سرکش ہے شر و ضلال میں منہمک ہے، وہ خیر و ہدایت کے ساتھ کچھ تعلق نہیں رکھتا، وہ اپنی گمراہی کی وجہ سے ملعون ہے، اس کی اطاعت لعنت اور گمراہی کو لائے گی اور شیطان انسان کا سخت دشمن ہے اور ہر وقت انہیں ہلاک کرنے کے درپے ہے جس کی یہ شان ہو اس سے دوستی کرنا عقل سے دور ہے، حد درجہ کی گمراہی ہے چہ جائیکہ اس کی عبادت کی جائے۔ پھر بعد میں اس کا ذکر کیا جو سابقہ دلیل کے نتیجہ کی طرح ہے۔

شے ولیا کا معنی رب ہے جس کی وہ اطاعت کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے جو حکم دیا ہے اس پر دوسروں کی دعوت کو ترجیح دیتا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے شرک کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اللہ تعالیٰ کے ہاں غیر مقبول ہے بلکہ اس صورت میں وہ غیر اللہ کی عبادت ہوگی۔ غیر اللہ کی عبادت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت جمع نہیں ہوسکتی۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں شرکاء کے شرک سے غنی ہوں جس نے کوئی عمل کیا جس میں میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کیا، میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے میں اس سے بری ہوں، وہ عمل اس کے لیے ہی ہے جس کے لیے اس نے عمل کیا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔(1)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نر میں ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نر جانور کو خصی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہدایہ میں اسی طرح ہے۔ عبدالرزاق اور عبد بن حمید نے حضرت حسن بصری سے اسی طرح روایت کیا۔ لیکن ابن ابی شیبہ بیہقی اور ابن منذر نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب چوپاؤں کو خصی کرنے سے منع کرتے تھے۔ ابن منذر اور بیہقی نے ابن عباس سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ صبر روح (حمل گرانا) اور چوپاؤں کو خصی کرنے سے منع کرتے تھے۔ ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑوں اور چوپاؤں کو خصی کرنے سے منع کرتے تھے۔ ابن ابی شیبہ اور دوسرے محدثین نے ابن عباس سے نقل کیا کہ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ۔ ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی اللہ تعالیٰ کے دین کو بدلنا ہے۔

(ج) وشم کا معنی بدن میں سوئی کا ڑنا اور اس میں کال بھرنا تا کہ نام یا تصویر نظر آئے۔

(د) الوشیر۔ عورت کا اپنے دانت تیز کرنا اور گڑنے کے ساتھ انہیں باریک کرنا۔

(ہ) جمعاء کا معنی عیوب سے محفوظ اور کامل و مکمل اجزاء والا۔

(و) جدعاء: جس کے اعضاء کٹے ہوں یا ایک عضو کٹا ہو۔ جدع کا معنی ناک، کان اور ہونٹ کا کٹنا۔

1۔ صحیح مسلم: 46، جلد 18، صفحہ 90 (علمیہ)

۱؎ کیونکہ اس نے اپنا راس المال ضائع کر دیا اور جنت کے بدلے میں آگ کو حاصل کیا۔

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾

"شیطان (جھوٹے) وعدے کرتا ہے ان سے ۱؎ اور (غلط) امیدیں دلاتا ہے ۲؎ انہیں اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر فریب کا ۳؎"

۱؎ فاسد اوہامات کے ذریعے ڈراتا ہے یا اپنے دوستوں کے ذریعے ایسے وعدہ کرتا ہے جو پورے ہونے والے نہیں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ ایک انسان کی صورت اختیار کرے اور ان کے ساتھ وعدہ کرے جس طرح اس نے یوم بدر کو کیا: اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ۔

۲؎ انہیں باطل آرزوئیں دلاتا ہے جنہیں وہ پانہ سکیں گے جیسے لمبی عمر دنیا کا حصول وغیرہ۔

۳؎ غرور سے مراد باطل ہے، یعنی جس میں نقصان ہوتا ہے اس میں نفع ظاہر کرتا ہے، جس میں نفع ہوتا ہے اس میں نقصان ظاہر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے اور صلہ رحمی کرنے سے وہ فقر سے ڈراتا ہے اور برائی کا حکم دیتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۘ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾

"یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور نہ پائیں گے اس سے بچ نکلنے کی جگہ۔"

محیص کا معنی بھاگنا یا بھاگنے کی جگہ ہے۔ قاموس میں ہے حاص یحیص حیصا و حیصة و محیصا کا معنی پھرنا اور بھٹکنا ہے(1) عنھا محیصا سے حال ہے۔ یہ اس کا صلہ نہیں کیونکہ یہ اسم مکان ہے یا مصدر ہے جو اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

"اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے داخل کریں گے ہم انہیں ان باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے (یہ) اللہ کا سچا وعدہ ہے اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے بات کرنے میں۔"

من تحتھا سے مراد اس کے محلات اور بلند و بالا کمروں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وعد اللہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور حقا بھی مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی۔ وَعَدَ اللّٰهُ وَعْدًا وَحَقَّ ذٰلِكَ حَقًّا۔ پہلا مفعول مطلق اپنے ہی فعل کی تاکید کے لیے ہے کیونکہ جملہ اسمیہ کا مضمون ایک وعدہ ہے جس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا اور دوسرا مفعول مطلق غیر کی تاکید کرتا ہے (یعنی وعدہ کی) اسم موصول کو محل نصب میں پڑھنا بھی جائز ہے جس کا فعل محذوف ہے جس کی تفسیر مابعد فعل کر رہا ہے اور وعد اللہ یہ سندخلھم کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ اس کا معنی یہ بنتا ہے ہم ان سے جنت میں داخل ہونے کا پختہ وعدہ کرتے ہیں اس صورت میں یہ مصدر سے حال ہوگا۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ یہ جملہ تاکید کا معنی دیتا ہے اور تاکید میں انتہائی بلیغ ہے۔ آیت سے مقصود یہ ہے کہ شیطان اپنے ساتھیوں سے جو جھوٹے وعدہ کرتا ہے۔ ان کا اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے ساتھ معارضہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کرتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ معترضہ ہو اور اس کا فائدہ تاکید ہو یا اس کا عطف محذوف پر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی صَدَقَ اللّٰهُ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ

1۔ القاموس المحیط، جلد 2، صفحہ 838 (التراث العربی)

اللّٰہِ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف خالدین پر ہو اور قول یہاں مقدر ہے۔

ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے نقل کیا کہ یہود و نصاریٰ نے کہا جنت میں ہمارے بغیر کوئی داخل نہیں ہوگا۔ قریش نے کہا ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائیگا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔(1)

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ ۗ مَنْ يَعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾

"(نجات کا انحصار) نہ تمہاری جھوٹی امیدوں پر ہے [1] اور نہ اہل کتاب کی جھوٹی امیدوں پر ہے [2] (بلکہ) جو عمل کرے گا برے [3] اسے سزا ملے گی اس کی اور نہ پائے گا [4] اپنے لیے اللہ کے بغیر کوئی دوست اور نہ مددگار [5]"

[1] یعنی امر تمہاری خواہشات کے تابع نہیں، اے اہل مکہ تم یہ کہتے ہو نہ دوبارہ اٹھنا ہے اور نہ ہی حساب و کتاب اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے شفیع ہیں اور تم یہ کہتے ہو کہ اگر معاملہ اسی طرح ہے جس طرح حضور ﷺ کے صحابہ گمان کرتے ہیں تو ہم تم سے بہتر ہوں گے۔ آیت کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خطاب اہل مکہ کو ہے۔

[2] اور نہ ہی معاملہ اہل کتاب کی خواہشات کے تابع ہے کیونکہ وہ یہ کہتے ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں اور وہ یہ بھی کہتے کہ جنت میں صرف یہودی اور نصرانی داخل ہوں گے اور ہمیں آگ صرف چند روز چھوئے گی بلکہ نجات و ثواب اور ان کی ضد کا معاملہ ایمان اعمال صالحہ اور اس کی ضد پر منحصر ہے۔ پھر جملہ کی وضاحت کی اور فرمایا۔

[3] سوء سے مراد کفر اور معاصی ہے۔

[4] جو اس تک خیر پہنچائے اور نہ ہی ایسا مددگار جو ان سے شر کو دور کرے۔ من کا کلمہ عام ہے جو مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے، اگرچہ سبب نزول خاص ہے، میری مراد کفار مکہ اور اہل کتاب کی آرزوئیں ہیں کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے خصوص سبب کا نہیں ہوتا۔ امام بغوی نے حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر اور دوسرے علماء کا قول ذکر کیا کہ یہ آیت عام ہے اور ہر عامل کے بارے میں ہے(2) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان یجز بہ یہ مغفرت نہ ہونے کے ساتھ مقید ہے جس طرح دوسری وعید اور جزا کی آیات ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ بخشے تو دنیا و آخرت میں پہنچنے والے عذاب کو عام ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبکہ آپ کے اردگرد صحابہ بیٹھے ہوئے تھے، مجھ سے بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولادوں کو قتل نہیں کرو گے، اپنی طرف سے گھڑ کر کسی پر بہتان نہیں لگاؤ گے اور نیکی کے معاملہ میں نافرمانی نہیں کرو گے۔ جس نے تم میں سے وعدہ پورا کیا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے اور جس نے کوئی برا عمل کیا اور دنیا میں ہی اسے سزا دی گئی وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا اور جس نے کوئی برا عمل کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ پوشی فرمائی وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، چاہے تو معاف کر دے چاہے سزا دے۔ ہم نے ان چیزوں پر آپ ﷺ کی بیعت کی متفق علیہ۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ حکم کفار کے ساتھ خاص ہے اور نہ ہی مومنوں کو نقصان دیتا ہے کیونکہ مومنوں کا مولیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو بہترین دوست اور مدد کرنے میں کافی ہے۔ اگر اللہ

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 400 (علمیہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 161 (فکر)

تعالیٰ چاہے گا تو انہیں بخش دے گا ملائکہ انبیاء اور صالح لوگ اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی کو ولی اور مددگار نہیں پائیں گے نہ رب کفار وہ ان سے حمایت اور مدد طلب کریں گے جن کی وہ عبادت کرتے رہے تھے مگر نہ حمایتی پائیں گے اور نہ ہی مددگار۔ اس آیت کے عموم پر سیدنا صدیق اکبر سے مروی روایت بھی دلالت کرتی ہے، انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو یہ آیت مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر کیا میں تمہیں وہ آیت پڑھ کر نہ سناؤں جو مجھ پر نازل کی گئی؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں۔ تو آپ نے یہ آیت مجھے پڑھ کر سنائی تو میری کمر ٹوٹنے لگی۔ میں نے اسے سیدھا کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر تمہیں کیا ہوا؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، ہم میں سے کون ہے جس نے برا عمل نہ کیا ہو جبکہ ہمیں ہر برے عمل پر سزا دی جائیگی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اور تیرے مومن ساتھیوں کو دنیا میں ہی بدلہ دے دیا جائیگا، یہاں تک کہ تم اللہ تعالیٰ سے ملو گے تو تمہارے ذمہ کوئی گناہ نہ ہوگا۔ دوسرے لوگوں کے برے اعمال کو جمع کیا جاتا رہے گا یہاں تک کہ انہیں قیامت کے روز بدلہ دیا جائیگا۔(1) اسے امام بغوی نے اپنی سند سے امام ترمذی عبد بن حمید اور ابن منذر نے روایت کیا۔ امام احمد ابن حبان اور حاکم نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے حضرت ابوبکر نے عرض کی اس کے ساتھ کوئی نجات پائے گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تو حزن میں مبتلا نہیں ہوتا، کیا تو مریض نہیں ہوتا، تجھے مصیبت نہیں پہنچتی۔ عرض کی ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا وہ گناہوں کا بدلہ ہی تو ہے۔ امام احمد اور امام بخاری نے اپنی تاریخ' ابو یعلیٰ اور بیہقی نے اسی کی مثل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو مومنوں پر شاق (ا) گزری۔ عرض کی یا رسول اللہ آپ کے سوا ہم میں سے کون ہے جس نے گناہ نہیں کیا تو پھر جزاء کا کیا حال ہوگا۔ آپ نے فرمایا اس جزاء میں سے کچھ دنیا میں مل جاتی ہے، جو آدمی نیکی کرتا ہے اس کے لیے دس نیکیاں ہیں، جسے برے عمل پر جزاء دے دی گئی تو دس میں سے ایک نیکی کم ہو جائیگی اور نو باقی رہ جائیں گی۔ پس اس آدمی کے لیے ہلاکت ہے جس کی ایک ایک برائی دس دس نیکیوں پر غالب آجائے۔ جہاں تک آخرت میں بدلہ کا معاملہ ہے تو نیکیوں اور برائیوں میں مقابلہ ہوگا۔ ہر برائی کے برابر نیکی رکھی جائیگی پھر زیادتی کو دیکھا جائیگا (جس کی نیکیاں زیادہ ہونگی) اسے جنت دے دی جائیگی اور ہر زیادتی والے کو فضل (ب) سے نوازا جائیگا(2) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 161 (فکر) | 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 161 (فکر)

(ا) محمد بن منتشر سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا جب مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا والی آیت نازل ہوئی تو ہمیں کھانا پینا کوئی نفع نہ دیتا تھا یہاں تک کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا اور رخصت دے دی وَمَنْ يَّعْمَلْ .... يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

(ب) ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید سے روایت کیا کہ ان دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا مومن کو خرابی، دکھ، بیماری اور حزن پہنچتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ صحیحین اور دوسری احادیث میں ہے، حضرت عائشہ صدیقہ سے اسی طرح مروی ہے۔ ابن ابی دنیا اور بیہقی نے بریدہ اسلمی سے نقل کیا ہے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا مسلمان کو کرنے سے جو تکلیف پہنچتی ہے یا اس سے زیادہ یہاں تک کہ آپ نے کانٹا چبھنے کا ذکر کیا تو دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہوتی ہے یا تو اس کا وہ بخش دیا جاتا ہے جو معاف ہونے والا نہیں تھا یا کرامت کے ایسے مرتبہ کو پالیتا ہے جس تک وہ کسی دوسری صورت میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ابن سعد اور بیہقی نے ابی فاطمہ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ مومن کو آزمائش میں ڈالتا ہے وہ اسے آزمائش میں نہیں ڈالتا مگر اسے عظمت عطا کرنے کے لئے۔ بندے کا جنت میں ایسا درجہ ہے وہ اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ دکھ میں مبتلا نہ ہو۔ اسے امام بیہقی نے ابو ہریرہ سے اسی کی مثل روایت کیا۔

میں کہتا ہوں ہم نے ابن ابی حاتم کی حضرت ابن عباس سے جو روایت اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں نقل کی ہے وہ روایت و درایت کے اعتبار سے ظاہر ہے لیکن اس کا ایک اور سبب بھی روایت کیا گیا۔ ابن جریر نے مسروق سے مرسل روایت نقل کی ہے اور اس کی مثل قتادہ، ضحاک، سدی اور حضرت ابن عباس سے عوفی کی سند سے مروی ہے کہ مذکورہ آیت انصار اور مسلمانوں کے باہمی فخر کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک میں یوں الفاظ ہیں اہل ادیان نے باہم فخر کیا۔ یہودیوں کی ایک جماعت، نصاریٰ کی ایک جماعت اور مسلمانوں کی ایک جماعت بیٹھی۔ انہوں (یہودیوں) نے کہا ہم افضل ہیں، نصاریٰ نے کہا ہم افضل ہیں، مسلمانوں نے کہا ہم افضل ہیں(1) بغوی نے کہا اہل کتاب نے کہا ہمارا نبی تمہارے نبی سے، ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے تھی، ہم تمہاری نسبت اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہیں۔ مسلمانوں نے کہا ہمارے نبی خاتم النبیین ہیں، ہماری کتاب سب کتابوں پر غالب ہے۔ ہم تمہاری کتاب پر ایمان لائے جبکہ تم ہماری کتاب پر ایمان نہ لائے پس ہم تم سے بہتر ہیں(2) اس صورت میں خطاب مومنوں کو ہوگا اس وقت اللہ تعالیٰ کے فرمان مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا کے عموم میں کوئی خفا نہیں۔

ابن جریر نے مسروق سے نقل کیا ہے، اسی طرح امام بغوی نے اعمش سے، انہوں نے ابن ضحیٰ سے نقل کیا ہے کہ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو اہل کتاب نے کہا ہم اور تم سب برابر ہیں تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔(3)

وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓىٕكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا ۝

"اور جس نے عمل کیے اچھے[1] مرد ہو یا عورت[2] بشرطیکہ وہ مومن ہو[3] سو وہی لوگ داخل ہوں گے جنت میں[4] اور نہ ظلم کیے جائیں گے تل بھر[5]"

[1] یعنی کچھ بھی نیکی کرے گا۔ اس میں مِن تبعیضیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ اس کے تبعیضیہ ہونے پر دلیل ہے۔

[2] مِنْ ذَكَرٍ اور اُنْثٰى یہ یعمل میں موجود ضمیر سے حال ہے اور مِن بیانیہ ہے یا یہ صالحات سے حال ہے اور مِن ابتدائیہ ہے اور او دونوں تاویلوں میں مَن یعمل کے عموم کے لیے تاکید ہوگا۔ بعض فضلاء نے یہ فرمایا یہاں عامل کی وضاحت مذکر و مونث دونوں صورتوں میں کرنے سے مشرکوں کو اس عمل پر شرمندہ کرنا ہے جو وہ عورتوں کو ہلاک کر کے کیا کرتے تھے۔

[3] یہ یعمل میں موجود ضمیر سے حال ہے۔ حسنات کی جزاء کو ایمان کی شرط کے ساتھ مقید کیا ہے اور سیئات کی جزاء کو کفر کی شرط کے ساتھ مشروط نہیں کیا کیونکہ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اس کے بارے میں نہی وارد ہے۔ اگر اسے بخشا نہ جائے تو سزا کا تقاضا کرتا ہے۔ اس لیے وعید مومن اور کافر دونوں کو عام ہے۔ نیکیوں کی اس وقت تک کوئی حیثیت نہیں ہوتی جب تک ایمان کے ساتھ شامل نہ ہوں کیونکہ کفار کے اعمال اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے خاص نہیں ہوتے۔ اور جو عمل محض اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہو وہ شرک و معصیت ہے وہ نیکی نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ کہا جائے اس قید کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ صالحات کا عنوان اس سے غنی کر دیتا ہے کیونکہ کفار کے اعمال صالحات میں سے نہیں۔ ہم کہتے ہیں بات اسی طرح ہے لیکن محض وضاحت کے لیے ایسا کیا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ کفار کے اس وہم

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 99-398 (علمیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 160 (فکر) 3۔ ایضاً، صفحہ 162 (فکر)

کو ختم کیا گیا کہ ان کے اعمال نیکیاں ہیں جیسے مال خرچ کرنا صلہ رحمی کرنا اور اس طرح کے دوسرے اعمال۔

یعنی اگر چہ وہ فاسق ہوں تو بہ کے بغیر مرے ہوں خواہ گناہوں کی بخشش کی صورت میں یا سیئات کی جزاء کے بعد ابن کثیر، ابوجعفر اور ابوعمرو نے اسے یدخلون مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ اسی طرح سورۂ مریم اور حم مومن میں بھی ابوعمرو نے سورۂ فاطر میں یدخلو نھا میں حاء کو زائد ذکر کیا ہے۔ باقی قراء نے اسے معروف پڑھا ہے۔

ے نقیر کی مقدار ظلم نہ کیا جائیگا۔ نقیر سے مراد وہ نشان ہے جو کھجور کی گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے۔ یہ آیت عبارۃ النص سے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مطیع کے ثواب میں کمی نہ کی جائیگی اور دلالت النص سے عاصی کے عذاب میں اضافہ نہ کرنے پر دلالت ہے کیونکہ عذاب میں زیادتی ثواب میں کمی کرنے کی نسبت زیادہ شدید ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کمی پر راضی نہیں تو زیادہ شدید پر کیسے راضی ہوگا۔ بعض فضلاء نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَن يَعْمَلْ سُوءًا میں قید کے ترک کرنے کے بارے میں فرمایا کہ کافر کو شرک سے نفرت دلانے کے لیے تہدید کا مقام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اسے یہاں ترک کیا جائے اور مومن کو عمل صالح کی ترغیب اور اطاعت پر مواظبت کا مقام اس کے یہاں ذکر کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا کا معنی یہ ہے کہ اس کی طاعت کے ثواب میں کمی نہیں کی جائیگی اور برائی کے عقاب میں اضافہ نہیں کیا جائیگا جب اللہ تعالیٰ کا فرمان وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ تمام صالح اور فاسق مومنوں کو شامل ہے کیونکہ فاسق عمل صالح سے خالی نہیں کم از کم اس نے یہ گواہی تو دی ہے لا الہ الا اللہ جبکہ وہ ایمان کا سب سے ذی شان جزو ہے اس آیت میں مومنوں کی دونوں جماعتوں کے لیے بشارت ہے وہ مطیع مومن ہوں یا گناہگار نہ ان کے حق میں ثواب کی کمی ہوگی اور نہ ہی عذاب میں زیادتی ہوگی۔ رہا اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان وَمَن يَعْمَلْ سُوءًا اگر چہ مومنوں کی دونوں جماعتوں اور کفار کو شامل ہے اور مومنوں میں سے فاسق دونوں آیتوں میں داخل ہیں لیکن جب کفار کی سیئات کی جزا غیر متناہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے کی قباحت غیر متناہی ہے۔ اس وجہ سے کفار کی سیئات پر عذاب کی زیادتی کا تصور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ غیر متناہی پر زیادتی محال ہے یا یہ کہا جاتا ہے کفار کے گناہوں پر عذاب کی زیادتی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا اس وجہ سے یہاں اس جملہ کا ذکر نہیں کیا گیا تاکہ یہ کفار کے لیے بشارت نہ ہو۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ظلم قبیح ہے اگر چہ وہ کفار کے حق میں ہو جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات قبائح سے پاک ہے تو پھر کفار کے حق میں عذاب کی زیادتی کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ظلم کا معنی غیر کی ملک میں تصرف کرنا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مالک الملک ہے، وہ اپنی ملک میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے، اگر وہ تمام جہان والوں کو جرم کے بغیر بھی عذاب دے تو وہ ظالم نہیں کہلائے گا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان لَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ یہ حقیقی معنی پر محمول نہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرے گا اگر چہ وہ غیروں کے ساتھ وہ سلوک کرے جسے ظلم شمار کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

امام بغوی نے مسروق سے ذکر کیا کہ جب آیت لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ نازل ہوئی تو اہل کتاب نے کہا ہم اور تم برابر ہیں تو پھر یہ آیت نازل ہوئی وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ جس طرح پہلے ذکر کیا جاچکا ہے اور یہ آیت بھی نازل ہوئی۔ (1)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 162 (فکر)

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾

"اور کون بہتر ہے دینی لحاظ سے اس شخص سے جس نے جھکا دیا ہوا پنا چہرہ اللہ کے لیے ¹ اور وہ احسان کرنے والا ہو ² اور پیروی کی ملت ابراہیم کی ³ اس حال میں کہ وہ ہر باطل سے منہ موڑے ہوئے ہو ⁴ اور بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل ⁵"

¹ جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کیا اس طرح کہ اس کا کسی غیر کے ساتھ نہ علمی تعلق تھا اور نہ محبت کا رشتہ تھا اس کی ذات، اس کا دل اور جسم سب اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنے والے تھے اور منہیات سے رکنے والے تھے اس کے لیے دائرہ امکان میں اس کا اپنا وجود اور غیر کا وجود حقیقت میں ثابت نہیں تھا تو پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ کسی کو اپنا معبود یا محبوب اور مستقل وجود والا مانے۔ اس استفہام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں تک کمال کی انتہا ہے۔

² وہ نیکی کرنے والا برائی چھوڑنے والا دائمی حضور اور اخلاص سے متصف ہے۔ حضور ﷺ نے حدیث جبریل کے سوال احسان کیا ہے میں فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اپنے رب کی عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے، متفق علیہ (1) یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

³ یہاں حضرت ابراہیم کا خصوصی ذکر فرمایا جبکہ تمام انبیاء کا دین ایک ہی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی ذات، اعضاء اور قوتوں کو ظاہراً اور باطناً اللہ تعالیٰ کی رضا میں صرف کرنا، اسی میں مشغول رہنا اور غیر سے اعراض کرنا ہے۔ اس اختصاص کی وجہ یہ ہے کہ تمام امتوں کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ نبی برحق ہیں ہر دین میں محمود ہیں۔ اس اختصاص کی وجہ یہ بھی ہے کہ دین اسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے موافق ہے جس طرح کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا، اس کا طواف کرنا، حج کے عبادات، ختنہ کرنا، مہمان نوازی اس کے علاوہ دوسرے امور جن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کا امتحان لیا جو آپ نے پورا کیا۔

⁴ یہ ابراھیم، ملۃ یا اتبع میں جو پوشیدہ ضمیر ہے اس سے حال ہے یعنی صراط مستقیم پر قائم باطل طریقوں سے منہ موڑنے والے۔ حضرت ابراہیم کی یہ صفت اس لیے ذکر کی کیونکہ وہ اسلام پر مستقیم رہے اور بتوں کی عبادت سے الگ تھلگ رہے جبکہ ان کی قوم اس پر جمی ہوئی تھی۔

⁵ خلیل سے مراد ایسا دوست جس کی دوستی خالص ہو۔ یہ خلال سے مشتق ہے۔ یہ ایسی محبت ہوتی ہے جو نفس کے ساتھ خلط ملط ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ خلل سے مشتق ہے کیونکہ دونوں دوستوں میں ہر ایک دوسرے کی کمی کو دور کرتا ہے۔ زجاج نے کہا خلیل وہ ہوتا ہے جس کی محبت میں کوئی خلل خرابی نہ ہو یا یہ خل سے مشتق ہے۔ یہ دیت میں راستہ ہوتا ہے کیونکہ وہ دونوں خصائل میں موافقت کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ خلت سے مشتق ہے جس کا معنی حاجت ہے کیونکہ دونوں دوستوں میں سے ہر ایک کا دوسرا ساتھی محتاج ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضرت ابراہیم کو خلیل اس لیے نام دیا گیا کہ آپ نے اپنے فقر و فاقہ (ا) کو اللہ تعالیٰ کے لیے بنایا

1۔ صحیح بخاری: 50، جلد 1، صفحہ 84 (فکر)

(ا) آپ عطا فرماتے کسی سے کچھ نہ لیتے اور نہ ہی غیر کی طرف متوجہ ہوتے۔ امام بیہقی نے شعب میں عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے جبریل اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل کیوں بنایا؟ کیونکہ آپ لوگوں کو کھانا کھلاتے اے محمد ﷺ۔ ابن منذر نے ابن ابزی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے ملک الموت سے پوچھا میرے رب نے کس وجہ سے مجھے اپنا خلیل بنایا۔ اس نے عرض کی آپ عطا کرنا پسند (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضور ﷺ سے روایت کی گئی ہے جب آپ کو آگ میں پھینکا گیا تو جبرئیل امین آئے عرض کی کیا کوئی حکم ہے؟ آپ نے فرمایا تم سے کوئی کام نہیں۔ حضرت جبرئیل امین نے عرض کی اپنے رب سے سوال کرو۔ آپ نے فرمایا میرے حال کے بارے میں اس کا علم میرے سوال کرنے سے کافی ہے۔(1)

سوال: اگر یہ سوال کیا جائے یہ معنی درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا یہ جانبین سے خلت کا تقاضا کرتا ہے جبکہ دونوں جانب سے حاجت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

جواب: ہم اس کا جواب دیں گے آپ کتاب کی ابتداء میں پہچان چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات غایت کے اعتبار سے ہیں مبادی کے اعتبار سے نہیں ہوتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہے جو دونوں رحمت سے مشتق ہیں جس کا معنی رقت قلب ہے جو فضل و احسان کا تقاضا کرتا ہے۔ ان دونوں الفاظ کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لیے بطور فضل و احسان ہوتا ہے رقت قلب کے اعتبار سے نہیں ہوتا کیونکہ وہ قلب اور اس کی رقت سے منزہ ہے پس اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے جب لفظ خلت استعمال ہوگا تو مراد خالص محبت ہوگی جو حاجت کا نتیجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس چیز سے پاک ہے کہ وہ کسی کا محتاج ہو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا یہ جملہ معترضہ ہے اس کا اعراب میں کوئی محل نہیں اس کا فائدہ یہ ہے کہ آپ کی ملت کی اتباع کے واجب ہونے کی تاکید ہے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا مقام پالے کہ اللہ تعالیٰ اسے دوست بنا لے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا خلیل وہ دوست ہوتا ہے جس پر ایک انسان اپنے محب اور محبوب کے اسرار پیش کرتا ہے۔

عبدالرزاق، ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفاسیر میں زید بن اسلم سے روایت کیا کہ زمین میں پہلا جابر حکمران نمرود تھا۔ لوگ اس کے پاس کھانا لینے کے لیے جاتے۔ ایک دفعہ حضرت ابراہیم بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ جب لوگ اس کے پاس کھانا لینے کے لیے پہنچتے وہ پوچھتا تمہارا رب کون ہے۔ وہ لوگ کہتے تو۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم اس کے پاس پہنچے۔ اس نے پوچھا تیرا رب کون ہے۔ فرمایا میرا رب وہ ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے۔ کہنے لگا میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا اللہ تعالیٰ مشرق سے سورج طلوع کرتا ہے تو اسے مغرب سے لے آ۔ تو کافر مبہوت ہو گیا۔ تو نمرود نے کھانے کے بغیر ہی آپ کو واپس کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام گھر واپس لوٹے۔ آپ پیلی ریت کے پاس سے گزرے۔ کہنے لگے کیا میں اس سے کچھ نہ لوں اور گھر والوں کے لیے لے جاؤں۔ جب میں گھر والوں کے پاس جاؤں گا تو ان کے دل خوش ہوں گے۔ آپ نے وہ ریت لے لی اور گھر تشریف لے آئے۔ آپ نے اپنی چیزیں رکھیں پھر سو گئے۔ آپ کی بیوی اٹھی، اسے کھولا تو کیا دیکھتی ہیں کہ وہ بہترین غلہ ہے۔ اس سے آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے کھانا تیار کیا اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ کو علم تھا کہ گھر والوں کے پاس کھانے پینے کو کوئی چیز نہیں۔ پوچھا یہ کھانا کہاں سے آیا؟ فرمایا اسی سے جو آپ لائے تھے تو آپ پہچان گئے کہ اللہ تعالیٰ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کرتے ہیں لیتے کچھ نہیں۔ دیلمی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند کمزور ہے۔ زبیر بن بکار سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی طرف وحی کی کیا تو جانتا ہے کہ میں نے تجھے کیوں خلیل بنایا؟ عرض کی اے میرے رب نہیں۔ فرمایا میں تیرے دل پر مطلع ہوا میں نے پایا کہ تو عطا پسند کرتا ہے لینا پسند نہیں کرتا۔

1۔ روح المعانی، جلد 17، صفحہ 68 (التراث العربی)۔

انہیں رزق بہم پہنچایا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی۔(1)

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں ابو صالح سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام غلہ لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ غلہ حاصل نہ کر سکے۔ آپ سرخ ریت کے پاس سے گزرے۔ آپ نے وہ ریت لے لی۔ پھر گھر لوٹ آئے۔ پوچھنے لگے یہ کیا ہے؟ فرمایا سرخ گندم۔ گھر والوں نے اسے کھولا تو اسے سرخ گندم پایا۔ اگر اس میں سے کوئی چیز کاشت کی جاتی تو اس سے ایک ایسا خوشہ نکلتا جو ابتداء سے آخر تک دانوں سے بھرا ہوتا۔(2)

امام بغوی نے ذکر کیا ہے کہ کلبی نے ابو صالح سے، انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے۔ آپ کا گھر راستے پر تھا، جو بھی وہاں سے گزرتا آپ اس کی مہمان نوازی کرتے۔ لوگوں کو قحط نے آ لیا اور لوگ کھانا طلب کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ اسلام کے دروازے پر جمع ہو گئے۔ آپ کے لیے غلہ کی رسد مصری دوست کے پاس سے ہر سال آتی تھی۔ آپ نے اپنے غلام مصر میں دوست کے پاس بھیجے۔ آپ کے مصری دوست نے آپ کے غلاموں سے کہا اگر حضرت ابراہیم اپنے لیے غلہ چاہتے تو ہم بھیج دیتے۔ ہمیں بھی دوسرے علاقے کے لوگوں کی طرح قحط نے آ لیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ اسلام کے غلام واپس پلٹے اور ایک وادی کے پاس سے گزرے۔ کہنے لگے کاش ہم اس وادی سے بوریاں بھر لیتے۔ بے شک ہمیں شرم آتی ہے کہ لوگوں کے پاس سے اس حال میں گزریں کہ ہمارے اونٹ فارغ ہوں۔ انہوں نے بوریاں مٹی سے بھر لیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ اسلام کے پاس حاضر ہوئے اور تمام صورتحال عرض کی جبکہ حضرت سارہ سو رہی تھیں۔ دروازے پر لوگوں کے اجتماع کی وجہ سے آپ پریشان تھے۔ آپ کو نیند آ گئی اور آپ سو گئے۔ حضرت سارہ اٹھیں جبکہ دن چڑھ چکا تھا۔ کہا سبحان اللہ غلام نہیں آئے۔ لوگوں نے بتایا وہ آ گئے ہیں۔ پوچھا وہ کچھ نہیں لائے۔ لوگوں نے بتایا وہ لائے ہیں۔ آپ بوریوں کی طرف تشریف لے گئیں۔ انہیں کھولا تو ان میں بڑا عمدہ آٹا نکلا۔ آپ نے روٹی پکانے والوں کو حکم دیا، انہوں نے روٹی پکائی اور لوگوں کو کھلائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیدار ہوئے اور کھانے کی خوشبو پائی۔ پوچھا اے سارہ یہ کہاں سے کھانا آیا؟ عرض کی آپ کے مصری دوست کے پاس سے آیا۔ فرمایا میرے خلیل جو اللہ ہے اس کے پاس سے آیا ہے۔ فرمایا اس روز سے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل بنا لیا۔(3)

فائدہ: جب ہمارے نبی جو سید الانبیاء ہیں۔ آپ کا درجہ خلت کے مقام سے بلند ہے کیونکہ آپ خالص محبوبیت کے مقام پر فائز ہیں۔ مقام خلت سے آپ کا گزر اس طرح ہوا جس طرح ایک مسافر گزرتا ہے تو آپ نے گزرنے کی وجہ سے اپنا نام خلیل رکھا کیونکہ آپ نے فرمایا اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو حضرت ابو بکر صدیق کو خلیل بناتا۔ لیکن وہ میرا بھائی اور ساتھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے نبی کو خلیل بنا لیا ہے(4) اسے امام مسلم نے ابن مسعود کی حدیث سے روایت ہے اور کہا اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی کو خلیل بناتا تو میں حضرت ابو بکر صدیق کو خلیل بناتا، متفق علیہ(5) حضرت ابو سعید خدری کی حدیث سے مروی ہے، فرمایا خبردار تمہارا نبی اللہ تعالیٰ کا خلیل ہے(6) اسے امام ترمذی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے اسے جندب سے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو وصال سے پہلے ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اپنا خلیل بنا لیا جس طرح حضرت ابراہیم کو خلیل بنا لیا۔(7)

1۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 191 (الامیریہ)
2۔ مصنف ابن ابی شیبہ: 31819 (الزمان)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 163 (الفکر)
4۔ صحیح مسلم، 3، جلد 15، صفحہ 124 (العلمیہ)
5۔ مشکوٰۃ المصابیح: 6019 (الفکر)
6۔ جامع ترمذی: 3681 (العلمیہ)
7۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 407 (العلمیہ)

طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا اور تمہارا نبی بھی اللہ تعالیٰ کا خلیل ہے بے شک (حضرت) محمد ﷺ قیامت کے روز تمام بنی آدم کے سردار ہوں گے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔ عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا(1) لیکن آپ اپنی علوشان کی وجہ سے اس مقام پر ہی محدود نہ رہے اور یہ شان محبوبیت کا تقاضا بھی نہ تھا کیونکہ آپ اس سے بہت بلند مقام پر فائز ہو چکے تھے۔ مگر آپ اپنے بعض متبعین کے لیے اس مقام کے خواستگار تھے تاکہ یہ تفصیل بھی آپ کا کمال شمار ہو کیونکہ متبعین کے کمالات بھی متبوع کا کمال شمار ہوتے ہیں۔

علماء اہلسنت نے بالا جماع اصول دین کی کتب میں اولیاء کی کرامات کو ان کے نبی کا معجزہ قرار دیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے اچھے عمل کی بنیاد رکھی اسے اس کا اجر ملے گا اور جس نے اس پر عمل کیا ان کا اجر بھی ملے گا مگر عمل کرنے والے کے ذاتی اجر میں کمی واقع نہ ہوگی۔(1) حضور ﷺ کا فرمان ہے بھلائی کی طرف راہنمائی کرنے والا عمل کرنے والے کی طرح ہے(2) جو کچھ ہم نے روایت کیا ہے وہ تیری اس بارے میں راہنمائی کرتا ہے کہ امت کے اعمال اور کمالات نبی کریم ﷺ کے اعمال اور کمال میں داخل ہیں، اپنے لیے اور اپنے غلاموں کے لیے۔ اس تفصیل کے حصول کے لیے حضور ﷺ نے دعا ماثورہ میں فرمایا اللھم صل علی محمد وال محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو قبول کیا اور ایک ہزار سال بعد حضرت مجدد الف ثانی کو خلت کا مقام عطا کیا آپ مقام خلت میں متمکن رہے اور اس کی تفصیل سے متصف ہوئے۔ آپ سے قبل کسی کو یہ مقام نصیب نہ ہوا یا تو اس لیے کہ بعض سابقین اس سے بلند مقام پر فائز تھے۔ جس طرح اکابر صحابہ اور ائمہ اہل بیت جو حضور ﷺ کی تبع میں خالص مقام محبوبیت پر فائز رہے یا اس مقام تک پہنچ ہی نہ سکے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ

حضور ﷺ نے فرمایا میری امت کی مثال بارش جیسی ہے۔ یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا پہلا حصہ بہترین ہے یا آخری(3) یا باغ کی مانند ہے جو ایک سال ایک جماعت کو رزق بہم پہنچاتا ہے اور دوسرے سال دوسری جماعت کو رزق بہم پہنچاتا ہے۔ ممکن ہے دوسرے سال والے رزق میں زیادہ وسیع زیادہ خوشحال اور زیادہ اچھی حالت میں ہوں۔ اسے رزین نے روایت کیا جو جعفر بن محمد سے مروی ہے۔

یہ امر کشف صحیح سے ثابت ہے اگر کوئی انکار کرتا ہے تو ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ ہماری گفتگو ان لوگوں سے ہے جو قول سنتے ہیں، اس کی اچھی طرح اتباع کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور یہی دانش مند ہیں۔ میں نے یہ بحث اس لیے ذکر کی کیونکہ بعض کوتاہ اندیش حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کلام پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور گمان کرتے ہیں کہ یہ محال اور کفر ہے جبکہ

1۔ صحیح مسلم:15، جلد16، صفحہ 184 (العلمیہ) 2۔ معجم اوسط طبرانی، جلد3، صفحہ 196 (المعارف)
3۔ مجمع الزوائد:16708 (الفکر)

(1) امام ترمذی اور ابن مردویہ نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں وہ اسی طرح ہیں، مگر میں اللہ کا حبیب ہوں۔ یہ کوئی اظہار فخر نہیں کرتا۔ بے شک میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی، یہ کوئی فخر کی بات نہیں۔ سب سے پہلے میں جنت کی زنجیر ہلاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ اسے کھول دے گا اور مجھے اس میں داخل کرے گا۔ میرے ساتھ مومن فقراء ہوں گے، یہ فخر نہیں کر رہا۔ میں قیامت کے روز اولین و آخرین میں معزز ترین ہوں گا۔ یہ فخر نہیں کر رہا۔ ابن جریر اور طبرانی نے ابن عباس سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل بنایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے لیے منتخب کیا اور حضور ﷺ کو دیدار کے لیے منتخب کیا۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ

انسان جس چیز سے ناواقف ہوتا ہے اس کا دشمن ہوتا ہے۔ جو کچھ ہم نے آپ کے لیے ذکر کیا تو اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ امر ممکن کا دعویٰ ہے اور اکابر کے بارے میں حسن ظن اس کے قول کا تقاضا کرتا ہے یا اس سے خاموش رہنے کا تقاضا کرتا ہے لوگوں میں سے تو ایسے بھی تھے جو یہ کہتے کہ قرآن حکیم ان بستیوں میں سے کسی عظیم آدمی پر کیوں نازل نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کیا وہ تیرے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں۔ لوگوں میں سے ایسے بھی تھے جو یہ کہتے کیا ہمارے درمیان اس پر قرآن نازل ہوا بلکہ یہ تو جھوٹا اترانا والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کل تم جان لو گے کون جھوٹا اور اترانا والا ہے۔ بعض اکابر صحابہ اور ائمہ اہل بیت کا خالص محبوبیت کے مقام پر فائز ہونے سے ان کی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر فضیلت ثابت نہیں کیونکہ صحابہ اور ائمہ کی محبوبیت کے مقام تک رسائی تبعاً اور وراثۃً ہوتی ہے جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے جو مقام تھا وہ اصل کی بناء پر تھا۔ ان دونوں کے درمیان بہت فرق ہے۔ ہم نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق جو مقام علت پر فائز ہونے کا ذکر کیا ہے یہ اس مقام سے آگے ترقی کے منافی نہیں اور نہ ہی تبعاً اور وراثۃً مقام محبوبیت کی طرف سیر کرنے کے منافی ہے کیونکہ سیر اور عبور استقرار مقام سے مختلف ہے۔ اللہ اعلم

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿١٢٦﴾

"اور اللہ کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے[1] اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرے میں لینے والا ہے[2]"

[1] تخلیق اور ملکیت کے اعتبار سے سب اسی کا ہے۔ یہاں ظرف کو جو مقدم کیا گیا ہے، وہ حصر کے لیے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی کو بھی ممکنات کی تخلیق اور اس کی ملکیت میں عمل دخل نہیں۔ یہاں مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کو خصوصاً ذکر کیا کیونکہ یہ ظاہر ہیں۔ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ساتھ متصل ہے وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ یعنی جب تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہیں تو پھر ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرے یا یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ متعلق ہے وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا یعنی زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا ہے، اس میں سے جو جس کے لیے چاہتا ہے پسند کر لیتا ہے یا یہ اعمال کے ذکر کے ساتھ متصل ہے جو اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ زمین و آسمان والوں پر اس کی اطاعت واجب ہے اور اعمال پر انہیں جزا دینے پر کمال قدرت رکھتا ہے۔

[2] ایسا احاطہ جس کی کوئی کیفیت نہیں، یعنی ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی مستقل نہیں بلکہ ہر چیز اس کے وجود کی وجہ سے موجود ہے، اپنی ذات، صفات اور افعال میں اس کی مہربانیوں اور فضل کا محتاج ہے۔ پس کسی کے لیے بھی جائز نہیں کہ اس کی ذات کے سوا کسی کے سامنے اپنے آپ کو جھکائے، ایک قول یہ کیا گیا احاطہ سے مراد علم و قدرت کا احاطہ ہے۔ پس انہیں ان کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔ اگر اعمال اچھے ہوں گے تو اچھا بدلہ دے گا۔ اگر اعمال برے ہوں گے تو برا بدلہ دے گا۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اہل جاہلیت بچوں کو وارث اس وقت تک نہ بناتے جب تک وہ بڑے نہ ہو جاتے اور نہ ہی عورتوں کو وارث بناتے جب اسلام آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔(1)

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَاۗءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَ

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 408 (العلمیہ)

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

"اور فتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے [1] عورتوں کے بارے میں [2] آپ فرمایئے اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے تمہیں ان کے بارے میں اور وہ آیتیں جو پڑھی جاتی ہیں تم پر اس کتاب (قرآن میں) [3] (ان میں احکام ہیں) ان یتیم بچیوں کے متعلق [4] جنہیں تم نہیں دیتے ہو جو (حق) مقرر کیا گیا ان کے لیے [5] اور خواہش کرتے ہو کہ خود نکاح کر لو ان کے ساتھ [6] (ان کا مال دبوچنے کے لیے) اور (قرآن میں احکام ہیں) کمزور بچوں کے متعلق [7] اور وہ یہ کہ قائم رہو یتیموں کے معاملہ میں انصاف پر [8] اور جو کرو گے بھلائی (کے کاموں) سے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے [9]"

[1] یعنی آپ سے پوچھتے ہیں۔ صحاح میں ہے فتویٰ سے مراد مشکل احکام کا جواب ہے۔

[2] ابن منذر نے سعید بن جبیر سے نقل کیا کہ مرد بچے اور عورت کو وارث نہیں بناتے تھے۔ جب سورۂ نساء میں میراث کے احکام نازل ہوئے تو یہ لوگوں پر بڑے شاق گزرے۔ کہنے لگے بچہ اور عورت بھی مرد کی طرح وارث ہوں گے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (1) اس طرح عبد بن حمید اور ابن جریر نے مجاہد سے نقل کیا ہے۔

امام بغوی نے کہا کلبی نے ابو صالح سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ام کحہ کی بیٹیوں اور ان کے اپنے والد سے وارث بننے کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ قصہ سورت (ا) کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ سے اس آیت کے متعلق روایت کیا ہے۔ آیت میں وہ مرد مراد ہے جس کی پرورش میں ایک یتیم بچی ہوتی جس کا یہ ولی اور وارث ہوتا اور وہ بچی اس کے مال میں بھی شریک ہوتی تو اس پر معاملہ بڑا مشکل ہو جاتا (2) وہ اس سے شادی کرنے سے بھی اعراض کرتا اور کسی اور سے شادی کرنا بھی ناپسند کرتا کہ کہیں دوسرا فرد اس کے مال میں داخل نہ ہو جائے۔ وہ اس عورت کو اپنے پاس ہی روکے رکھتا یہاں تک کہ وہ مر جاتی۔ پھر وہ اس کا وارث بن جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس امر سے منع کیا (3) حضرت عائشہ سے ہی ایک اور روایت ہے کہ آیت میں وہ بچی مراد ہے جو مرد کی زیر پرورش ہوتی وہ مرد اس کا ولی ہوتا۔ جب وہ خوبصورت اور مالدار ہوتی تو اس کے مہر سے کم پر اسی سے نکاح کر لیتا۔ جب مال اور جمال کی کمی کی وجہ سے اس میں رغبت نہ رکھتا تو اسے چھوڑ دیتا۔

[3] اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے واضح فرماتا ہے۔ اسم موصول ما کا عطف لفظ جلالت اللہ پر ہے یا یُفْتِيْكُمْ میں موجود پوشیدہ ضمیر پر ہے، فاصلہ کی وجہ سے یہ جائز ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: يُفْتِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْهِنَّ وَ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ كِتَابُهٗ (ب) مراد آیت میراث ہے یا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً اور اسی طرح کی دوسری آیت یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ معترضہ ہو۔ مقصود ان آیات کی عظمت بیان کرنا ہے جو ان پر تلاوت کی جاتی ہیں اس شرط پر کہ اسم موصول مبتدا ہوا اور فی الکتب اس کی خبر ہو کتاب

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 408 (العلمیہ) — 2۔ صحیح بخاری: 4324 (ابن کثیر) — 3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 164 (الفکر)

(ا) قاضی اسماعیل نے احکام القرآن میں عبد الملک سے روایت کیا کہ عمرہ بنت حزم سعد بن ربیعہ کے عقد میں تھیں جو غزوۂ احد میں شہید ہو گئے۔ آپ کی ایک بیٹی جو حضور ﷺ کی خدمت میں اپنے باپ کی میراث لینے کے لئے حاضر ہوئی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(ب) امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عائشہ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا کہ اس میں مَا يُتْلٰى سے اشارہ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى کی طرف ہے۔

سے مراد لوح محفوظ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہو۔ معنی یہ ہوگا جو تم پر تلاوت کیا جاتا ہے اس کی وضاحت کردے یا قسم کی وجہ سے محل جر میں ہو۔ گویا کلام یوں کی گئی جو تم پر تلاوت کی جاتی ہے میں اس کی قسم اٹھاتا ہوں۔

۳ یہ یتٰمی کے متعلق ہے۔ اگر اسم موصول کو ماقبل پر عطف کیا جائے یا اسم موصول منصوب یا مجرور ہو۔ یعنی ان کے متعلق جو تم پر تلاوت کی جاتی ہیں یا یہ یفتیکم کا دوسرا صلہ ہے۔ وہ یتیم عورتوں کے سبب سے ان عورتوں کے متعلق پوچھتا ہے جس طرح حضور ﷺ کے اس ارشاد میں ہے ایک عورت بلی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی۔ یا اضافت بیانیہ ہے کیونکہ مضاف الیہ مضاف کی جنس سے ہے۔

۴ یعنی میراث، مہر اور اس کے علاوہ دوسرے حقوق میں سے جو ان کے لیے فرض کیے گئے۔

۵ جب خوبصورت ہوں تو ان سے نکاح میں رغبت رکھتے ہیں جب بدصورت ہوں تو ان سے نکاح کرنے میں اعراض کرتے ہیں۔ ابن منذر نے حضرت حسن اور ابن سیرین سے اس آیت کے متعلق روایت کیا ہے کہ ایک نے کہا اس کا معنی ہے کہ تم ان میں رغبت رکھتے ہو اور دوسرے نے کہا اس کا معنی ہے کہ تم ان سے اعراض کرتے ہو(1) ابن ابی شیبہ نے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ تم ان سے اعراض کرو واؤ یا تو عطف کے لیے ہے یا حال کے لیے ہے۔

۶ اس کا عطف یتامی النساء پر ہے کیونکہ وہ انہیں وارث نہیں بناتے تھے، جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا اور ان کے مال کھا جاتے تھے، یعنی تم پر یتیموں کے بارے میں جو تلاوت کیا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ۔

۷ اس سے مراد میراث اور اموال میں انصاف کرنا ہے۔ اس کا عطف بھی یتمی النساء پر ہے، یعنی تم پر تلاوت کیا جاتا ہے کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف کرو۔ یہ معنی کرنا اس وقت درست ہوگا جب یتمی النساء یتلی کے متعلق ہو۔ اگر تو اسے بدل بنائے تو پھر فیهن کے محل پر عطف کرنے کی وجہ سے منصوب پڑھنا مناسب ہوگا۔ ان تقوموا کو فعل کے مضمر ماننے کے ساتھ بھی نصب دینا جائز ہے، یعنی اے ائمہ یا اے اولیاء اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم یتیموں کے ساتھ عدل و انصاف کرو۔

۸ یعنی عورتوں، یتیموں اور دوسروں کے حقوق کی ادائیگی میں جو تم بھلائی کرو گے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے تو وہ تمہیں ضرور ثواب دے گا۔

امام بخاری، ابوداؤد اور حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، امام ترمذی نے اسی کی مثل حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت سودہ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ نبی کریم ﷺ اس سے مفارقت اختیار کرلیں گے۔ جب وہ بوڑھی ہوگئیں تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میری باری بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(2)

وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَ الصُّلْحُ خَیْرٌ ؕ وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۲۸﴾

"اور اگر کوئی عورت ۱ خوف کرے اپنے خاوند سے ۲ (اس کی) زیادتی ۳ یا روگردانی کی وجہ سے ۴ تو نہیں کوئی حرج ان دونوں پر کہ صلح کرلیں ۵ آپس میں ۶ اور صلح ہی (دونوں کے لیے) بہتر ہے ۷ اور موجود رکھا گیا ہے نفسوں میں بخل ۸ اور اگر تم احسان کرو ۹ اور متقی بنو ۱۰ تو بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے ۱۱"

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 410 (العلمیہ)
2۔ صحیح بخاری: 4325 (ابن کثیر)

1۔ یہ مرفوع ہے جس کا فعل محذوف ہے۔ اس فعل محذوف کی تفسیر مابعد فعل کر رہا ہے۔

2۔ یہ جائز ہے کہ خافت امراۃ کی صفت ہو فعل مقدر کانت ہو۔ تقدیر کلام یوں ہو وان کانت امراۃ خافت یعنی اسے توقع ہو۔

3۔ عورت کو خاوند کی طرف سے محبت سے اعراض کا خوف ہو کیونکہ خاوند اسے پسند نہیں کرتا، یعنی عورت کو خوف ہوا کہ خاوند سے طلاق دے دے گا کیونکہ یہ چیز اس کے لیے نشانیوں سے ظاہر ہوئی۔

4۔ یا خاوند نے اس سے اپنا رخ پھیر لیا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ اٹھنا بیٹھنا، بات چیت کم ہو گئی۔ اس نے حقوق ادا کرنا چھوڑ دیا جبکہ عورت یہ ارادہ رکھتی ہے کہ وہ اسے طلاق نہ دے۔

5۔ اس کی اصل یتصالحا ہے۔ اس کی تاء کو صاد سے بدلا گیا اور صاد کو صاد میں مدغم کر دیا گیا۔ اکثر قراء نے اسے اسی طرح پڑھا ہے۔ کوفیوں نے اسے یصلحا پڑھا ہے یہ اصلح سے مشتق ہے۔

6۔ عورت کچھ مہر یا تمام مہر یا تمام نفقہ یا اپنی باری یا اپنی طرف سے کوئی چیز خاوند کو ہبہ کر دے جس کے ذریعے وہ خاوند کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہو۔

امام بغوی نے کہا خاوند اپنی بیوی کو کہتا ہے تو بوڑھی ہو چکی ہے، میں ایک نوجوان اور خوبصورت عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں جسے میں تجھ پر دن اور رات میں ترجیح دوں گا۔ اگر تو اس پر راضی ہو تو میرے پاس ہی رہ، اگر تو اسے ناپسند کرے تو میں تجھے آزاد کر دیتا ہوں۔ اگر وہ راضی ہو جائے تو وہ احسان کرنے والی ہو گی، اسے اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اگر وہ حق کے بغیر راضی نہ ہو تو خاوند پر لازم ہو گا کہ اس کی باری اور نفقہ کے بارے میں اس کا حق پورا کرے یا اچھے طریقے سے اسے آزاد کر دے۔ اگر خاوند اسے طلاق نہ دے اور اس کا حق پورے کا پورا ناپسندیدگی کے باوجود دیتا رہے تو مرد محسن ہو گا۔

مقاتل بن حبان نے کہا اس کی صورت یہ ہے کہ مرد کے عقد نکاح میں ایک بڑی عمر کی عورت ہو جس کی موجودگی میں وہ ایک نوجوان عورت سے شادی کر لیتا ہے۔ وہ بوڑھی بیوی سے کہتا ہے میں اپنے مال میں سے تجھے حصہ دیتا ہوں تا کہ باری میں جتنا تیرا حصہ بنتا ہے اس سے زیادہ اسے حصہ دوں گا جس چیز پر وہ باہم مصالحت کرتے ہیں۔ وہ عورت اس پر راضی ہے تو ٹھیک ہے اگر اس پر راضی ہونے سے انکار کر دے تو خاوند پر باری کے معاملہ میں عدل کرنا لازم ہو گا۔

اس آیت کے متعلق حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت خاوند کے عقد میں ہو خاوند اس کی خست یا زیادہ عمر کی وجہ سے اکتا چکا ہو، عورت اس سے جدائی کو ناپسند کرتی ہے۔ اگر عورت خاوند کو اپنا مال دے دے تو یہ بھی خاوند کے لیے حلال ہے۔ اگر وہ اپنی باری دوسری عورت کو دے دے تو یہ بھی حلال ہے(1) بینھما کے لفظ سے اشارہ یہ ملتا ہے کہ تیسرے آدمی کی مداخلت کے بغیر وہ صلح کر لیں تو زیادہ پسندیدہ ہے تا کہ کوئی دوسرا فرد ان دونوں کی کسی ایسی چیز پر مطلع نہ ہوں جس کی وجہ سے ان پر عیب لگایا جا سکے۔ صلحا یہ مفعول مطلق ہے اور بینھما یہ مفعول بہ ہے یا مفعول بہ محذوف ہے۔

اعتراض: صلحا کو مفعول مطلق بنانا اس وقت درست ہو سکتا ہے اگر صلح کو اصلاح یا تصالح کے معنی میں لیا جائے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ صلح بھی اصلاح کا ایک فرد ہے اسے مفعول مطلق بنانے کے لیے یہی کافی ہے کہ مفعول مطلق مذکورہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 166، (الفکر)

فعل کے مصدر کے علاوہ بھی ہو سکتا ہے جس طرح رب العالمین کے اس ارشاد میں ہے اَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا۔

دوسری قرأت کی صورت میں یہ بھی جائز ہے کہ صلحاً مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو اس صورت میں اسی معنی کا ارادہ کرنا ہوگا کہ وہ آپس میں ایسی صلح کریں جو فساد سے خالی ہو اس آیت سے دلالت النص کے ذریعے یہ معنی بھی سمجھ آتا ہے اگر مرد کو عورت کی طرف سے حکم عدولی کا خوف ہو تو پھر بھی مصالحت میں کوئی حرج نہیں۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہو۔

یعنی جدائی، جھگڑے اور برے معاملہ سے صلح بہتر ہے یا معنی یہ ہوگا کہ صلح تمام بھلائیوں میں سے بہترین بھلائی ہے جس طرح خصومت تمام برائیوں میں سے بدترین برائی ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے اور کراہت کے اس وہم کو دور کرنے کے لیے ہے جو لا جناح سے سمجھا رہا تھا کیونکہ یہ گناہ کی نفی کے لیے ذکر کیا گیا ہے اور اس لیے بھی کیونکہ عورت کا خاوند کو اپنا حق دینا رشوت کے مشابہ ہے۔ یہ آیت اگرچہ میاں بیوی کے درمیان میں مصالحت کے بارے میں وارد ہوئی تاکہ حقوق نکاح کے متعلق واقع ہونے والی خصومت کو دور کیا جائے لیکن یہ لفظ عام ہے جو ہر ایسی صلح کو شامل ہو سکتا ہے جو صحیح دعویٰ کے بعد واقع ہو۔ اس کی تین قسمیں ہیں (1) اقرار کی صورت میں صلح (2) سکوت کی صورت میں صلح (3) انکار کی صورت میں صلح۔ یہ تینوں قسمیں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہیں کیونکہ یہ آیت مطلق ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نقطہ نظر یہ ہے دعویٰ کے انکار اور اس پر خاموشی کی صورت میں صلح کرنا جائز نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کے درمیان واقع ہونے والی ہر صلح جائز ہے مگر ایسی صلح جائز نہیں جو حرام کو حلال کر دے یا حلال کو حرام کر دے اور مسلمانوں کو باہم ہر شرط لگانا جائز ہے مگر ایسی شرط جو حلال کو حرام کر دے (1) اسے امام حاکم نے کثیر بن عبداللہ بن عوف سے، انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے۔

اس استدلال کی دلیل یہ ہے کہ یہ عوض دینے والے پر تو حلال تھا لینے والے پر حرام تھا صلح کے بعد معاملہ (ا) الٹ ہو جائیگا اور اس لیے بھی کہ مدعی علیہ اپنا مال اسی لیے دیتا ہے تاکہ خصومت کو ختم کرے یہی تو رشوت (ب) ہے۔

ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل) نے کہا یہ حدیث تو ہماری دلیل ہے، ہمارے خلاف دلیل نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا یہ فرمان کل صلح جائز مطلق ہے اور حضور ﷺ کا فرمان اِلَّا صُلۡحًا اَحَلَّ حَرَامًا سے مراد یہ ہے جو بالذات حرام ہو اس کو حلال کرنے کی صلح جیسے شراب پر صلح کی جائے۔ یا جو بالذات حلال ہو اس کو حرام کرنے کی صلح جس طرح کہ وہ اپنی عورت سے اس شرط پر صلح کرتا ہے کہ وہ اس کی سوکن سے حقوق زوجیت ادا نہیں کرے گا۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ جب کوئی خاوند اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کرے عورت مرد سے اس شرط پر صلح کرتی ہے کہ وہ اسے طلاق نہ دے اور وہ اپنی باری اپنی سوکن کو دے دی گی تو یہ صلح بالاتفاق جائز ہے کیونکہ اس نے اپنا حق ساقط کیا ہے جبکہ خاوند کے لیے اپنے طور پر کسی عورت کو باری میں ترجیح دینا حرام ہے جبکہ اب باہم رضامندی کے بعد یہ حلال ہے۔ دعویٰ پر خاموشی اور انکار کی صورت میں دعویٰ صحیح کے بعد صلح شمار ہوگی جو جائز ہونے کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ مدعی اپنے گمان کے مطابق اپنے حق کے عوض پر صلح کرتا ہے یہ جائز ہے اور مدعی علیہ خصومت سے اپنی جان چھڑانے کے لیے صلح کرتا ہے یہ بھی جائز ہے کیونکہ جان کو بچانے

1۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، 1352 (العلمیہ)

(ا) جب مال اس نے مدعی کے حوالے کر دیا تو اس کے لئے حلال ہو جائے گا جبکہ اصل میں ایسا نہ تھا۔

(ب) رشوت دینا جائز نہیں، اس لئے یہ صلح بھی جائز نہیں۔

کے لیے مال دینا اور ظلم ختم کرنے کے لیے رشوت دینا۔ یہ بھی جائز ہے مگر جو یہ جانتا ہے کہ مدعی کا اس پر حق ہے اور یہ مدعی کے لیے اقرار نہیں کرتا جس کی وجہ سے مدعی اپنا حق ثابت کرنے سے عاجز رہتا ہے اور وہ اپنے بعض حق پر مصالحت کر لیتا ہے، مدعی علیہ کے لیے عنداللہ یہ حلال نہیں۔ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کیونکہ اس نے مدعی کا حق غصب کیا ہے مگر جب وہ اسے جانتا ہی نہیں اور اس پر دعویٰ کر دیا گیا تو تینوں ائمہ کے نزدیک یہ صلح جائز ہے جبکہ امام شافعی نے اس سے منع کیا ہے۔

مسئلہ: اگر صلح اقرار کی صورت میں ہو تو اس میں انہیں چیزوں کا اعتبار کیا جائیگا جو بیع وشراء میں معتبر ہوتی ہیں۔ اگر صلح مال کے بدلے مال سے ہو اس میں بیع کے غیر منقولہ ہونے کی صورت میں شفع ہو سکے گا عیب کی وجہ سے اسے لوٹایا جا سکے گا، اس میں خیار رؤیت اور خیار شرط ثابت ہوگا، بدل کی جہالت اس صلح کو باطل کر دے گی لیکن متنازع فیہ چیز کی جہالت اس صلح کو فاسد نہ کرے گی کیونکہ وہ تو ساقط ہو جائیگی جو تنازع کا باعث نہ ہوگی اس میں بدل کو سپرد کرنے کی قدرت بھی شرط ہے۔ اگر یہ صلح مال کے بدلے منافع سے ہو تو اس میں اجارہ کا اعتبار کیا جائیگا۔ اس میں وقت کی تعیین شرط ہوگی۔ مدت کے اندر ایک فریق بھی ہلاک ہو گیا تو یہ صلح ختم ہو جائیگی۔

مسئلہ: مدعی علیہ کی طرف سے دعویٰ کے بارے میں خاموشی اور انکار کی صورت میں جس مال پر صلح کی جائیگی وہ قسم کا فدیہ ہوگا اور مدعی کے حق میں اس کے دعویٰ کا معاوضہ ہوگا۔ اگر دعویٰ ایک گھر کے بارے میں تھا اور مدعی علیہ نے قسم سے بچنے کے لیے کسی مال پر صلح کی تو اس گھر پر شفعہ نہ کیا جا سکے گا مگر جب مدعی علیہ نے مدعی کو کوئی گھر دے کر صلح کی اس گھر پر شفعہ کیا جا سکے گا۔

مسئلہ: اگر مدعی نے ایک گھر پر دعویٰ کیا تو مدعی علیہ نے اسی گھر کا ایک حصہ دے کر صلح کر لی تو صلح صحیح نہیں ہوگی کیونکہ اس نے جس چیز پر قبضہ کیا وہ تو اس کے حق میں سے ہی ہے وہ ابھی اپنے دعویٰ پر باقی رہے گا۔ ہاں یہ صورت ہو سکتی ہے کہ بدل صلح کے طور پر کچھ درہم بھی دے یا وہ باقی ماندہ دعویٰ سے برات کا اظہار کر دے۔

مسئلہ: عمداً (ا) یا خطاً (ب) کوئی جنایت کی ہے تو پھر بھی صلح کرنا صحیح ہے کیونکہ وہ بھی ایک حق ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ۔ اگر مرد کی طرف سے نکاح کا دعویٰ ہو تو عورت کی جانب سے جو مال دیا جائیگا وہ خلع کا بدل تصور کیا جائیگا۔ اگر کسی کی طرف سے دوسرے آدمی پر غلام کے مالک ہونے کا دعویٰ ہو اور غلام کی جانب سے مال پر صلح ہو تو اسے مال کے بدلے میں آزادی پر محمول کیا جائیگا۔

مسئلہ: اگر صلح قرض کے دعویٰ پر ہو تو اسے بعض حق وصول کرنے اور بعض کو ساقط کرنے پر محمول کیا جائیگا جس نے ہزار عمدہ دراہم کے دعویٰ پر پانچ سو کھوٹے مؤجل دراہم کے عوض صلح کی تو یہ صلح درست ہوگی کیونکہ اس نے بعض حق قدر و وصف کے اعتبار سے کر دیا ہے اور باقی ماندہ کی مدت معین کر دی ہے۔ اگر دعویٰ ہزار کھوٹے دراہم کا ہو اور صلح عمدہ پانچ سو دراہم پر ہو تو یہ جائز نہیں کیونکہ عمدہ دراہم پر اس کا حق نہیں تھا۔ یہ وصف کے اعتبار سے دعویٰ پر بڑھ کر ہیں تو یہ ہزار کا پانچ سو دراہم کا معاوضہ ہوگا اور ساتھ ہی وصف کی زیادتی ہوگی۔ یہی سود ہے۔ اگر دراہم کے دعویٰ پر دنانیر سے صلح ہو تو جدائی سے پہلے دیناروں پر قبضہ شرط ہے کیونکہ یہ بیع صرف کی صورت ہے۔ واللہ اعلم۔

سعید بن منصور رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت محمد بن مسلم کی بیٹی حضرت رافع بن

(ا) جان بوجھ کر (ب) غیر ارادی طور پر

خدیج کے عقد میں تھیں حضرت رافع نے ان کی کسی بات کو ناپسند کیا وہ بڑھاپا تھا یا کوئی اور حضرت رافع نے اسے طلاق دینے کا ارادہ کیا تو ان کی بیوی نے کہا مجھے طلاق نہ دو جو تم مناسب سمجھو میرا حصہ مقرر کردو تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(1) اس روایت کے کئی اور شواہد بھی ہیں۔ امام حاکم نے سعید بن مسیب کی سند سے انہوں نے رافع بن خدیج سے نقل کیا ہے۔

امام بغوی نے کہا یہ آیت عمرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اسے خولیہ بنت محمد بن مسلم بھی کہتے۔ ان کے خاوند کا نام اسعد بن ربیع تھا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے وہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے اس عورت سے اس وقت شادی کی جب وہ جوان تھیں۔ جب یہ بوڑھی ہوگئیں تو انہوں نے ایک نوجوان عورت سے شادی کی دوسری بیوی کو ترجیح دی اور محمد بن مسلم کی بیٹی پر ظلم کیا۔ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئیں اور اپنی شکایت پیش کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔(2)

امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اس آدمی کے بارے میں نازل ہوئی جس کی ایک بیوی نے اس کے کئی بچے جنے۔ اب اس نے بیوی بدلنے کا ارادہ کیا اس کی بیوی اس پر راضی ہوگئی کہ وہ اسی خاوند کے پاس رہے گی جبکہ خاوند اس کے لیے کوئی باری نہ رکھے گا۔

امام بغوی نے کہا حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک مرد کی بیوی تھی جو بوڑھی ہوگئی، اس کے کئی بچے تھے۔ اس مرد نے بیوی کو طلاق دینے اور دوسری شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ عورت نے کہا مجھے طلاق نہ دو، مجھے میرے بچوں کے پاس رہنے دو۔ اگر چاہو تو دو ماہ میں ایک باری میرے لیے متعین کر دو اگر چاہو تو میرے لیے کوئی بھی باری نہ رکھو۔ مرد نے کہا اگر تو اس پر مصالحت کرلے تو یہ مجھے زیادہ محبوب ہے۔ وہ صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اپنا معاملہ ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(3)

ابن جریر نے حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایک عورت آئی اور اس نے کہا میں چاہتی ہوں کہ تم میرا خرچہ متعین کر دو جبکہ پہلے وہ نفقہ چھوڑنے پر راضی ہوگئی تھی کہ وہ اسے طلاق نہ دے اور اس کے پاس بھی نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے بعد والی آیت کو نازل فرمایا۔(4)

۵ یعنی فطرتاً بخل اس کے لیے حاضر کیا گیا جو اس سے کسی صورت میں غائب نہیں ہوتا۔ شح سے مراد لالچ کے ساتھ بخل ہے۔ صحاح اور قاموس میں اسی طرح ہے(5) یعنی بخل عموماً انسان سے غائب نہیں ہوتا۔ عورت بھی اس معاملہ میں سخاوت نہیں کرتی۔ نہ خاوند اس سے اعراض کرے اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرے، اور نہ ہی مرد اس معاملہ میں سخاوت کرتا ہے کہ وہ عورت کو اپنے پاس ہی رکھے اور مناسب حقوق بھی ادا کرے جبکہ وہ اس عورت کو ناپسند کرتا ہو اور کسی اور کو محبوب جانتا ہو۔ یہ جملہ بھی جملہ معترضہ ہے۔ پہلا جملہ مصالحت کی ترغیب کے لیے تھا اور یہ جملہ اپنے حق پر اڑے رہنے کے عذر کی تمہید کے لیے ہے کیونکہ یہ دونوں جملے جملہ معترضہ ہیں۔ اس لیے دونوں جملوں کا مختلف ہونا قابل معافی ہے۔ پہلا جملہ اسمیہ اور دوسرا فعلیہ ہے۔

۶ اگر تم حسن معاشرت کا اظہار کرو، یعنی خاوند بیویوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ عدل و انصاف قائم کرنے میں اچھا طرز عمل اپنائیں اگر وہ عورتوں کو ناپسند کرتے ہوں اور عورتیں مردوں کے حقوق کی ادائیگی میں اچھا رویہ اپنائیں جبکہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 411 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 166 (الفکر) 3۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 411 (العلمیہ)
4۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 200 (الامیریہ) 5۔ القاموس المحیط، جلد 1، صفحہ 342 (التراث العربی)

۱۰؎ نافرمانی' اعراض اور حق میں کمی کرنے سے بچیں۔

۱۱؎ یعنی جو تم احسان یا تکلیف پہنچاتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے آگاہ ہے تو وہ تمہیں اس پر ضرور جزا دے گا یہاں اعمال سے آگاہی کو انہیں بدلہ دینے کی جگہ رکھا گیا ہے جو حقیقت میں جواب شرط ہے یہ اس طرح ہے جس طرح سبب کو مسبب کے قائم مقام رکھ دیا جاتا ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٢٩﴾

''اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ پورا پورا انصاف کرو اپنی بیویوں کے درمیان ۱؎ اگرچہ تم اس کے بڑے خواہشمند بھی ہو ۲؎ تو یہ نہ کرو کہ جھک جاؤ (ایک بیوی کی طرف) بالکل ۳؎ اور چھوڑ دو دوسری کو جیسے وہ (درمیان میں) لٹک رہی ہو ۴؎ اور اگر تم درست کرلو (اپنا رویہ) اور پرہیزگار بن جاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۵؎''

۱؎ اے لوگو تم عورتوں کے درمیان عدل اور عورتوں میں سے کسی ایک کی طرف کسی وجہ سے بھی زیادہ میلان نہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہ بہت ہی مشکل ہے جبکہ وہ عورت اسے محبوب ہو۔ مکمل عدل یہ ہے کہ وہ باری' نفقہ' وقت گزارنا' دیکھنا' متوجہ ہونا' شیریں کلامی اور ہنسی مذاق وغیرہ میں برابری ہو۔ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج میں باری معین فرماتے اور مساوات قائم رکھتے تو پھر بھی کہتے اے میرے اللہ جس کا میں مالک ہوں وہ میری یہ تقسیم ہے جس کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں(1) یعنی محبت اس پر میرا مؤاخذہ نہ کرنا۔ اسے امام احمد چاروں سنن والوں' ابن حبان اور حاکم رحمہما اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا۔ امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور سنن اربعہ کے مصنفین اور دارمی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسے نقل کیا ہے۔

۲؎ یعنی اگر تم اسے تلاش کرنے میں مبالغہ سے کام لو۔

۳؎ یعنی باری بنانے اور نفقہ دینے میں تم مبغوض پر مکمل ظلم نہ کرو یعنی اپنے افعال کو خواہشات کے تابع نہ بنا دو۔

۴؎ کہ تم ناپسندیدہ بیوی کو عضو معطل بنا دو۔ یہ وہ عورت ہوتی ہے جسے نہ طلاق ہوئی ہو اور نہ ہی خاوند والی ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس کی دو بیویاں ہوں وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو جائے تو وہ قیامت کے روز یوں آئیگا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوگا(2) اسے سنن اربعہ کے مصنفین اور دارمی نے نقل کیا ہے۔

۵؎ یعنی تم اپنے امور میں سے جسے خراب کرتے رہے اگر اسے درست کرو اور آنے والے وقت میں بچتے رہو تو اللہ تعالیٰ تمہارے سابقہ گناہ بخش دے گا۔

وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿١٣٠﴾

''اور اگر دونوں (میاں بیوی) جدا ہو جائیں تو غنی کر دیگا اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنی وسیع بخشش سے اور اللہ تعالیٰ وسیع بخشش والا حکمت والا ہے ۱؎''

۱؎ یعنی اگر میاں بیوی طلاق کی وجہ سے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت اور قدرت کے ساتھ ایک کو دوسرے سے غنی کر دے گا یعنی عورت کو کوئی دوسرا خاوند اور مرد کو کوئی دوسری عورت عطا فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر

1۔ سنن ابن ماجہ: 1971 (العلمیہ) 2۔ سنن ابن ماجہ: 1969 (العلمیہ)

اور وسیع فضل و رحمت والا ہے یا وہ ایسی قدرت اور وسعت والا ہے جس کی کوئی کیفیت نہیں کیونکہ ہر چیز اور وجود اللہ تعالیٰ کی خیرات اور وجود کا پرتو ہے وہ حکیم ہے کیونکہ وہ اپنے افعال اور احکام کو مضبوط بنانے والا ہے۔

مسئلہ: اس آیت اور سنت کے نتیجہ میں خاوند پر واجب ہے کہ وہ باری میں عورتوں کے درمیان برابری کرے۔ اگر اس نے باری میں مساوات کو ترک کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو اس پر مظلومہ کے حق میں فیصلہ ہوگا۔ شرط رات گزارنے میں برابری کرنا ہے جماع ضروری نہیں کیونکہ اس کا دارومدار چستی پر ہے جو اس کے بس میں نہیں۔ اگر اس کے عقد میں ایک آزاد اور ایک لونڈی ہو تو باری میں آزاد کے لیے دو حصے اور لونڈی کے لیے ایک حصہ ہوگا۔ اثر بھی اس طرح وارد ہوا ہے۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہی فیصلہ کیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے استدلال کیا۔ ابن حزم کا منہال بن عمرو اور ابن ابی لیلیٰ کے واسطہ سے ضعیف قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ یہ دونوں ثقہ اور حافظ تھے۔

جب کسی مرد نے نئی عورت سے شادی کی تو پرانی اور نئی بیوی باری میں برابر حق رکھتی ہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے کیونکہ مذکورہ حدیث مطلق ہے۔ جبکہ باقی تینوں ائمہ کے نزدیک نئی بیوی اگر باکرہ ہو تو سات دن اس کے پاس گزارے، اگر ثیبہ ہو تو تین دن گزارے، پھر سب میں مساوات کرے۔ پرانی بیویوں کے لیے ان راتوں کی قضا نہیں ہوگی کیونکہ ابوقلابہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سنت یہ ہے کہ جب مرد نے ثیبہ کے اوپر باکرہ سے شادی کی تو اس کے پاس سات دن قیام کرے پھر ان میں باری معین کرے، اگر وہ ثیبہ سے شادی کرے تو اس کے پاس تین دن رہے پھر باری معین کرے۔ ابوقلابہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اگر میں چاہوں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً نقل کیا ہے یہ روایت متفق علیہ ہے۔(1)

جب مرد سفر کا ارادہ کرے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سفر میں ان کی باری کا کوئی حق نہیں۔ ان میں سے جس کے ساتھ چاہے وہ سفر کرے۔ تاہم مناسب یہ ہے کہ ان کے درمیان قرعہ ڈالے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں جس طرح دونوں مذہب ہیں۔

اگر مرد نے قرعہ اور رضامندی کے بغیر سفر کیا تو امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک مرد پر ان کے حق میں قضا لازم ہوگی، جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک قضا واجب نہیں ہوگی۔

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو آپ اپنی بیویوں میں قرعہ ڈالتے جس کا قرعہ نکلتا اسے ساتھ لے جاتے۔ متفق علیہ۔(2)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضور ﷺ کی طرف سے یہ عمل سکون قلب کے لیے تھا جو مستحب ہے واجب نہیں کیونکہ مرد جب سفر پر ہو تو عورت کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی ساتھ نہ لے جائے۔ اس طرح اسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو سفر پر ساتھ لے جائے۔

اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ سب کو ترک کرنا غیرت اور اذیت کا باعث نہیں ہوتا مگر جب وہ ان میں سے ایک کو ترجیح دے تو

1۔ صحیح بخاری: 4916 (ابن کثیر) 2۔ صحیح بخاری: 4913 (ابن کثیر)

معاملہ مختلف ہو جاتا ہے۔

اگر بیویوں میں سے ایک دوسری بیوی کے لیے اپنی باری چھوڑ دے تو یہ جائز ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث طیبہ ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب بوڑھی ہوگئیں، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دی ہے حضور ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو باریاں رکھتے۔ ایک آپ کی اپنی اور دوسری حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ یہ روایت متفق علیہ ہے(1) اسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ اس سے رجوع کرے کیونکہ اس نے اس حق کو ساقط کیا جو ابھی تک ثابت نہ تھا۔

امام بغوی نے کہا سلیمان بن یسار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے لَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا کی تفسیر میں فرمایا۔ اگر عورت اپنے حقوق میں سے باری اور نفقہ کے بارے میں صلح کرے تو جس پر وہ راضی ہوئی تو یہ جائز ہوگا، اگر صلح کے بعد اس نے انکار کر دیا تو یہ اس کے لیے جائز ہے اور اس کا حق اسی کے لیے ہوگا۔(2)

مسئلہ: عورت کی مرضی کے بغیر مرض کی وجہ سے باری کا ترک کرنا جائز نہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ مرض وصال میں دریافت کرتے میں کل کہاں ہوں گا؟ سوال سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دن ہوتا تو آپ کی ازواج مطہرات نے آپ کو اجازت دے دی کہ جہاں آپ چاہیں آپ رات گزاریں تو پھر آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں رہے یہاں تک کہ آپ نے وہیں وصال فرمایا۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔(3)

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝

"اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے [1] اور بے شک ہم نے حکم دیا ان لوگوں کو جنہیں دی گئی کتاب [2] تم سے پہلے [3] اور حکم دیا تمہیں بھی [4] کہ ڈرو اللہ تعالیٰ سے [5] اور اگر کفر کرو [6] تو بے شک اللہ کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے [7] اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور ہر تعریف کا مستحق ہے [8]"

1۔ یعنی پیدا کرنے اور ملکیت کے اعتبار سے اسی کا ہے۔ یہ اس کی کمال وسعت اور کمال قدرت پر تنبیہ ہے۔

2۔ اس سے مراد یہود و نصاریٰ اور ان سے قبل جو امتیں ہو گزری ہیں۔ یہاں الکتاب سے مراد جنس کتاب ہے۔

3۔ مِنْ قَبْلِكُمْ کا تعلق وَصَّيْنَا کے ساتھ ہے یا اوتوا کے ساتھ ہے۔

4۔ اِيَّاكُمْ کا عطف الَّذِيْنَ پر ہے۔

5۔ یہ ان مفسرہ ہے کیونکہ وَصَّيْنَا قول کے معنی میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ان مصدریہ ہو اور اس سے پہلے حرف جار محذوف ہو اور تقویٰ سے مراد شرک سے بچنا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کی دلیل ہے۔

6۔ یہ بھی جائز ہے کہ تقویٰ سے مراد معاصی کو ترک کرنا ہو اور کفر سے مراد اطاعت کو ترک کرنا اور احکام کی اطاعت نہ کرنا ہو یا تقویٰ سے

1۔ صحیح بخاری: 4914 (ابن کثیر) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 166 (اکثر) 3۔ صحیح بخاری: 4919 (ابن کثیر)

مراد دل کو غیر اللہ میں مشغول ہونے سے روکنا اور کفر سے مراد غیر اللہ میں مشغول ہونا ہے۔ وان تکفر وا کا قول وَصَّيْنَا پر معطوف ہوگا اس صورت میں قول مقدر ہوگا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی وَقُلْنَا لَهُمْ وَلَكُمْ إِنْ تَكْفُرُوا

ہے وہ جس طرح چاہے تمہیں سزا دینے پر قادر ہے، اس کی سزا سے تمہیں بچانے والا کوئی نہیں۔ یا یہ کہا جائیگا کہ زمین و آسمان کے فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہیں وہ تم سے زیادہ اس کے مطیع ہیں۔ یا یہ کہا جائیگا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے غنی ہے، وہ تمہاری عبادت سے نفع حاصل نہیں کرتا اور نہ ہی تمہارے کفر سے اسے کوئی نقصان ہوتا ہے۔ نفع اور نقصان تمہاری طرف ہی لوٹتا ہے، جو کچھ وہ تمہیں حکم دیتا ہے اور جس سے تمہیں روکتا ہے وہ اس کا تمہارے اوپر فضل و احسان ہوتا ہے۔ اس صورت میں مابعد جملہ ماقبل جملہ کے لیے بیان اور تاکید ہوگا۔

۵ یعنی وہ مخلوق اور اس کی اطاعت سے غنی ہے اور وہ بالذات محمود ہے مخلوق اس کی حمد کرے یا نہ کرے۔

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَفٰى بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿۱۳۲﴾

"اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز۔ لے"

لے اس جملہ کو تیسری بار ذکر فرمایا تا کہ اس امر پر دلالت ہو کہ وہ اس بات کا اہل ہے کہ امور اسی کے سپرد کیے جائیں۔ یہ کفٰی باللہ کی تمہید ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کفٰی باللہ والے جملے کا تعلق یغنی اللہ والی آیت کے ساتھ ہو کیونکہ وہ ارشاد اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کفایت کا ذمہ لے لیا ہے اور بطور کارساز انہیں کافی ہے۔

إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيرًا ﴿۱۳۳﴾

"اگر چاہے تو لے جائے تمہیں اے لوگو اور لے آئے دوسروں کو اور اللہ تعالیٰ اس بات پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ لے"

لے یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہاری فنا چاہتا تو وہ تمہیں فنا کر دیتا کیونکہ تمہیں نیست و نابود کرنے میں اس کی مشیت کافی ہے اور تمہیں ناپید کر کے ایک اور قوم لے آئے جو تم سے زیادہ اطاعت شعار ہو یا انسانوں کی جگہ کوئی اور مخلوق لے آئے اللہ تعالیٰ اس کی فنا اور تخلیق پر قادر ہے۔ یہ آیت بھی اس کی شان استغناء اور قدرت کی وضاحت کر رہی ہے جس نے اس کا انکار کیا اور اس کے حکم کی مخالفت کی اس کے لیے دھمکی ہے۔

سعید بن منصور، ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی پشت پر مارا، فرمایا وہ یہ قوم ہے۔ اس صورت میں یہ آیت اس آیت کے معنی میں ہوگی: وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ۔(1)

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۂ جمعہ نازل ہوئی جب یہ آیت نازل ہوئی وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ تو حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ یہ کون لوگ ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رکھا۔ پھر فرمایا اگر ایمان ثریا میں ہوا تو ان کی قوم کے افراد اسے پالیں گے(2) انہیں سے مروی روایت امام ترمذی کے پاس بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ

1۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 205 (الامیریہ) 2۔ صحیح بخاری: 4615 (ابن کثیر)

وَّمَا غَيْرَكُمْ تلاوت کی تو لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ران پر مارا، فرمایا یہ اور اس کی قوم، اگر دین (1) ثریا میں بھی ہوا تو فارس کے لوگ اسے حاصل کر لیں گے (1) انہیں سے مروی ایک روایت امام ترمذی کے ہاں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں عجمیوں کا ذکر کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ان سب پر یا فرمایا ان میں سے بعض پر تم سب پر یا تم میں سے بعض پر زیادہ اعتماد رکھتا ہوں۔(2)

میں یہ کہتا ہوں کہ شاید یہاں ماوراء النہر کے مشائخ کی طرف اشارہ ہو جیسے بہاؤ الدین نقشبند اور ان جیسے لوگ کیونکہ وطن کے اعتبار سے عجمیوں میں یہی لوگ زیادہ معزز ہوئے اگرچہ نسب کے اعتبار سے وہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی اولاد میں سے تھے۔ ان مشائخ نے سنتیں مٹ جانے کے بعد ان کو زندہ کیا اور یہ لوگ بدعت پر راضی نہ ہوئے، اگرچہ وہ بدعت حسنہ ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت جامی نے کیا ہی خوب فرمایا۔ "سکہ کہ در یثرب و بطحا زدند نوبت آخر بہ بخارا زدند" یہ بھی ممکن ہے کہ اشارہ ماوراء کے علماء کی طرف ہو جس طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین و فقہاء۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿١٣٤﴾

"جو شخص ارادہ کرتا ہو صرف ثواب دنیا کا [1] (تو یہ اس کی اپنی کم نظری ہے) اللہ کے پاس تو دنیا و آخرت (دونوں) کا ثواب ہے [2] اور اللہ تعالیٰ ہر بات سننے والا ہر چیز دیکھنے والا ہے [3]"

1۔ جس طرح اعمال میں ریاکاری کرنے والا اور مال غنیمت کے لیے جہاد کرنے والا۔

2۔ تقدیر کلام یوں ہو گی کہ اس نے نقصان اٹھایا اور طلب میں خطا کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دونوں جہانوں کا ثواب ہے۔ پس اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہی اسے طلب کرنا چاہیے اور وہ یہ عرض کرے اے ہمارے رب ہمیں دنیا و آخرت میں بہترین چیز عطا فرما یا ان میں سے جو زیادہ محترم ہے اس کا مطالبہ کرے کیونکہ جس نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کیا اس کا مال غنیمت ضائع نہیں ہو گا اور آخرت میں اسے جو بدلہ ملے گا دنیا کا اجر اس کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہے۔

3۔ یعنی وہ اغراض سے واقف ہے وہ ہر کسی کو اس کی نیت کے مطابق بدلہ دے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کی ہجرت اس کی دنیا کے لیے ہو تا کہ اسے حاصل کرے یا عورت کے لیے ہو جس سے وہ نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے (3) اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

ابن ابی حاتم نے سدی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں ایک غنی اور ایک فقیر نے اپنا جھگڑا پیش کیا آپ کا جھکاؤ فقیر کی طرف تھا کیونکہ آپ کا خیال یہ تھا کہ فقیر غنی پر ظلم نہیں کر سکتا تو یہ آیت نازل ہوئی۔(4)

1۔ جامع ترمذی: 3260 (العلمیہ) 2۔ جامع ترمذی: 3932 (العلمیہ)
3۔ صحیح بخاری: 54 (الفکر) 4۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 414 (العلمیہ)

(1) شیخ محمد بن یوسف صالحی نے کہا کہ شیخ جلال الدین سیوطی نے کہا کہ اس حدیث کا مصداق امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب ہیں کیونکہ فارس کے لوگوں میں سے کوئی بھی علم میں ان کے مقام تک نہیں پہنچا۔ سلمان فارسی امام ابوحنیفہ کے جد اعلیٰ تھے۔ از مؤلف

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

"اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر[1] گواہی دینے والے[2] محض اللہ کے لیے[3] چاہے گواہی دینا پڑے تمہیں اپنے نفسوں کے خلاف[4] یا اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف[5] (جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے) وہ دولتمند ہو یا فقیر[6] پس اللہ زیادہ خیر خواہ ہے دونوں کا[7] تو نہ پیروی کرو خواہش نفس کی انصاف کرنے میں[8] اور اگر تم ہیر پھیر کرو[9] یا منہ موڑو[10] تو بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے[11]"

[1] یعنی عدل کو قائم کرنے میں اپنی تمام صلاحیتیں صرف کرنے والے قیام پر مواظبت اختیار کرنے والے قاضی پر لازم ہے کہ دونوں فریقوں کو بٹھانے اور متوجہ ہونے میں برابری کا لحاظ رکھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کو قاضی بنایا جائے تو بیٹھنے اشارہ کرنے اور دیکھنے میں دونوں فریقوں کے درمیان برابری کرے۔ دونوں فریقوں میں سے کسی پر بھی اپنی آواز بلند نہ کرے (1) اسے اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اور دار قطنی نے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

[2] شہداء دوسری خبر ہے یا حال ہے۔

[3] یعنی محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر گواہی دو۔

[4] اگرچہ شہادت اپنی ذات کے خلاف ہو وہ کسی کے حق کا اقرار کرنا ہے۔

[5] یعنی اگر شہادت اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہو تب بھی نہ چھپاؤ حق بات کو، غنی کی دولت کی وجہ سے خوفزدہ نہ ہو اور فقیر کے فقر کی وجہ سے اس پر رحم نہ کرو۔ امام بیہقی اور دوسرے محدثین نے اسی طرح نقل کیا ہے۔

(6) تم شہادت دینے سے نہ رکو اور تم میلان یا رحم کی وجہ سے حد سے تجاوز نہ کرو۔

(7) اگر شہادت ان کے حق میں یا ان کے خلاف مصلحت کا باعث نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ گواہی دینے کا حکم ہی نہ دیتا جواب کی علت کو جواب کے قائم مقام کر دیا ہے۔

سوال: بہما میں ضمیر واحد ہونی چاہیے تھی کیونکہ او تردید کے لیے ہے۔ اس لیے مذکور غنی یا فقیر میں سے ایک ہوگا۔

جواب: تثنیہ کی ضمیر اس وجہ سے ہے کہ مرجع ان کی دونوں کی جنس ہے۔ ظاہر سے عدول کرنے کی وجہ اولویت کا عموم (1) اور اختصاص کے توہم کو دور کرنا ہے۔ علامہ تفتازانی نے یہی ذکر کیا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ یہاں واحد تو معین ہی نہیں تو پھر وہم کیسا تو رضی نے کہا ضمیر جب مذکور کی طرف راجع ہو جس میں

1۔ کنز العمال: 34-15033 (التراث الاسلامی)

(1) اللہ تعالیٰ کا قرب اور شفقت دونوں کو حاصل ہے۔ یہ نہیں کہ کسی ایک کو حاصل ہو جو واحد کی ضمیر لانے میں وہم ہو سکتا ہے۔

سے بعض کو بعض پر عطف کیا جائے تو اس میں یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر واحد لائی جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ متعدد مذکور کے مطابق ہو تو یہ مراد یہ کے اعتبار سے ہوگی۔

میں یہ کہتا ہوں یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر کا مرجع مشہود لہ (مدعی) ہو یا مشہود علیہ (مدعی علیہ) ہو اگرچہ یہ صراحۃً مذکور نہیں۔ تاہم سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے، یعنی شہادت کی مشروعیت دونوں کے مفاد میں ہے مدعی کے لیے تو فوری فائدہ کا باعث ہے اور مدعی علیہ کے لیے آخرت کے فائدہ کے اعتبار سے تاکہ وہ لوگوں کے حقوق کی ذمہ داریوں سے بری ہو جائے۔ اس آیت کا یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی صفات کمال، اس کی کتابوں، رسولوں اور احکام کی حقانیت کی شہادت، دو اگرچہ یہ شہادت تمہاری ذاتوں، والدین اور قریبیوں کے خلاف ہو، وہ اس طرح کہ تمہیں قتل کر دیا جائے تمہارے مالوں کو چھین لیا جائے وہ اس طرح کہ شاہد غنی ہو اور یہ شہادت اس کی غنا کو نقصان پہنچائے یا وہ فقیر ہو اور یہ شہادت اس کی حاجت کے پورا ہونے میں رکاوٹ ہو، اللہ تعالیٰ ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب اور شفیق ہے۔ یہی مناسب بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر ترجیح دیں۔

۵ یعنی کہ تم حق سے اعراض کر دیا ان تعدلوا سے پہلے کراہۃ لفظ محذوف ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ عدل کو ناپسند کرتے ہوئے خواہش نفس کی پیروی نہ کرو۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ خواہشات کی پیروی نہ کرو تا کہ تم عادل بن جاؤ۔

۹ ابن عامر اور حمزہ نے اسے لام کے ضمہ اور واؤ کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اگر تم گواہی دینے کی شہادت کی ذمہ داری لو۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کی اصل تلووا ہے جس طرح جمہور کی قرأت ہے، ایک واؤ تخفیف کے طور پر حذف کر دی گئی اور واؤ کی حرکت لام کو دی گئی، یعنی اگر تم شہادت میں تحریف کرو اور حق کی شہادت دینے سے زبانوں کو موڑ لو۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم اپنی شہادت غیر کے تابع کرو گے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ حکام سے خطاب ہے کہ اگر تم مدعی یا مدعی علیہ میں سے ایک کی طرف مائل ہو جاؤ۔

۱۰ یا تم سچی شہادت اور عدل کے فیصلہ سے اعراض کرو گے۔

۱۱ وہ تمہیں اس پر جزا دے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝

"اے ایمان والو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر [1] اور اس کتاب پر جو نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر [2] اور اس کتاب پر جو نازل کی اس سے پہلے [3] اور جو کفر کرے اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت کے ساتھ [4] تو وہ گمراہ ہوا اور گمراہی میں دور نکل گیا [5]"

۱ یعنی حقیقی ایمان اور ایمان کامل لاؤ وہ یہ ہے کہ انسان بصیرت سے اس چیز کو پہچانے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی وجود میں اصل ہے۔ اعراض و جواہر میں سے ہر چیز کی خالق ہے، نفع پہنچانے والا بھی وہی اور نقصان پہنچانے والا بھی وہی ہے، اس کے سوا کوئی چیز بھی حسن و کمال سے متصف نہیں مگر اسے اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہوگا، اس کے دل کا علم اور محبت کا تعلق صرف اسی ذات کے ساتھ باقی ہے۔ اور

اس محبت کے رشتہ کی وجہ سے اس کی ذات کا ان اوامر کو بجالانا جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور ان نواہی سے رکنا جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا اس کی فطرت میں داخل ہو گیا، یہاں تک کہ اس سے نافرمانی کا صدور آگ میں داخل ہونے سے بھی زیادہ ناپسندیدہ ہے۔

امام بغوی نے کہا ابوالعالیہ اور ایک جماعت نے کہا یہ مومنوں کو خطاب ہے اور فرمایا اے مومنو! ایمان پر ثابت قدم رہو(1) اس تفسیر کا مرجع وہی ہے جو میں نے کیا ان شاء اللہ۔ ضحاک نے کہا اس خطاب سے مراد ہے یہود و نصاریٰ ہیں۔ معنی یہ ہوگا اے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لانے والو تم حضرت محمد ﷺ اور قرآن پر ایمان لاؤ۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد منافقین ہیں معنی یہ ہوگا اے زبان سے ایمان لانے والو دل سے بھی ایمان لاؤ۔(2)

ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ اس سے مراد مشرک ہیں معنی یہ ہوگا اے لات وعزیٰ پر ایمان لانے والو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ یہ اقوال انتہائی کمزور ہیں کیونکہ کفار یہودیوں نصاریٰ اور مشرکوں کو الذین امنوا کے نام سے خطاب نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح منافقوں کو بھی اس طرح خطاب نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ ایمان زبان کی صفت کے لیے مجازاً استعمال ہوتا ہے جب تک حقیقت پر عمل ممکن ہو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

امام بغوی نے کہا کلبی نے ابوصالح سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، اسی طرح ثعلبی نے آپ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام، اسد اور اسید جو کعب کے بیٹے تھے، ثعلبہ بن قیس، سلام جو عبداللہ بن سلام کے بھانجے تھے۔ سلمہ جو ان کے بھتیجے تھے اور یامین بن یامین کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ اہل کتاب میں سے مومن تھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا ہم آپ پر، آپ کی کتاب پر، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، تورات پر، حضرت عزیر علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے علاوہ جو کتابیں اور رسول ہیں ان کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ رسول سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔(3)

1؎ کتاب سے مراد قرآن حکیم ہے۔

2؎ قبل سے مراد قرآن حکیم سے پہلے یعنی تورات، انجیل، زبور، دوسری کتابیں اور صحیفے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا یعنی سب پر ایمان لاؤ(4) کوفہ کے قراء اور نافع نے دونوں فعلوں کو معروف اور باقی قراء نے دونوں فعلوں کو مجہول پڑھا ہے۔

3؎ یعنی ان میں سے کسی کا انکار کیا۔

4؎ یعنی وہ مقصد سے اتنا دور چلا گیا کہ اب وہ سیدھی راہ کی طرف پلٹنے والا نہیں کیونکہ ان چیزوں میں سے ہر ایک کا ایمان دوسرے کو لازم ہے۔ ان میں سے کسی کا کفر اللہ تعالیٰ سے دوری اور صراط مستقیم سے گمراہی ہے تو تمام کا انکار تو بدرجہ اولیٰ گمراہی ہے۔

میں یہ کہتا ہوں بلکہ اس کی صفت کا انکار بھی کفر ہے جس طرح معتزلہ نے کہا ہے، اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے، بندوں کے افعال کا خالق ہونے کا انکار کیا اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ بعض افعال کا ارادہ کرتا ہے۔ لیکن وہ فعل متحقق نہیں ہوتا تو اس سے اللہ تعالیٰ کا اپنے ارادہ کو پورا کرنے سے عجز لازم آتا ہے تو اس طرح اللہ تعالیٰ کی شان کا انکار لازم آئیگا۔

بعض اکابر نے کہا معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ بندے خود اپنے افعال کے خالق ہیں اور اللہ تعالیٰ بندوں کا خالق ہے، وہ بندوں کے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 173 (الفکر)
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 508-507 (التجاریہ)
4۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 414 (العلمیہ)

افعال کے خلق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بالواسطہ کرتے ہیں۔ عام لوگوں کی حالت معتزلہ سے بھی بری ہے کیونکہ وہ افعال کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے سے مطلقاً غافل ہیں، وہ نفع اور نقصان کی نسبت صرف بادشاہوں چوروں زہر اور تریاق کی طرف کرتے ہیں۔ صوفیاء کا دامن پکڑ کر اس غفلت کو ختم کرنا ضروری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز بصیرت سے ساقط ہو جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿۱۳۷﴾

"بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر بڑھتے گئے کفر میں [1] نہیں ہے سنت الٰہی ان کے متعلق کہ بخش دے انہیں اور نہ (یہ) کہ پہنچائے انہیں راہ (راست) تک [2]"

[1] قتادہ نے کہا اس سے یہودی مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے پھر بچھڑے کی عبادت کر کے کفر کیا پھر تورات پر ایمان لائے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کفر کیا پھر حضور ﷺ کا انکار کر کے کفر میں اضافہ کیا(1) ایک قول یہ کیا گیا اس سے تمام اہل کتاب مراد ہیں جو اپنے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے۔ پھر ان کا انکار کر دیا جو کتاب ان پر نازل کی گئی اس پر ایمان لائے۔ پھر اس سے کفر کیا ان کے کفر سے مراد کتاب پر عمل نہ کرنا ہے۔ پھر انہوں نے حضور ﷺ کا انکار کر کے اپنے کفر میں اضافہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ مرتدین کے بارے میں ہے جو ایمان لائے، پھر مرتد ہوئے، پھر ایمان لائے، پھر مرتد ہو گئے، پھر ایمان لائے، پھر مرتد ہو گئے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایسے آدمی کی توبہ قبول نہ فرماتے۔(2)

[2] لیکن اجماع اس پر ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائیگی۔ مجاہد نے کہا کہ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا کا معنی یہ ہے کہ وہ کفر پر ہی مر گئے(3) ایک قول یہ کیا گیا ہے اس جملہ اور مابعد جملہ کا معنی یہ ہے کہ ان سے یہ امر مستبعد ہے کہ وہ کفر سے توبہ کریں اور ایمان پر ثابت قدم رہیں۔ کیونکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ چکا ہے اور ان کی آنکھیں حق دیکھنے سے اندھی ہو چکی ہیں۔ لیغفر لھم اور لیھدیھم میں لام جحود ہے یعنی نفی کی تاکید کے لیے ہے۔ فعل ان مصدریہ کی تقدیر کے ساتھ مصدر کی تاویل میں ہو کر اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ کلام پھر اس طرح بنے گی لَمْ يَكُنِ اللَّهُ غَافِرًا لَهُمْ وَلَا هَادِيَهُمْ سَبِيلًا۔ ایک قول یہ کیا گیا کان کی خبر محذوف ہے۔ یہ لام اپنے مجرور کے ساتھ اس کے متعلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی لَمْ يَكُنِ اللَّهُ مُرِيدًا لِيَغْفِرَ لَهُمْ اس مذکورہ آیت کے بعد اس آیت کا آنا ان لوگوں کے قول کی تائید کرتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت مرتدین کے بارے میں نازل ہوئی۔

بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۳۸﴾

"خوشخبری سنا دو منافقوں کو کہ بلا شبہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے [1]"

[1] منافقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو جب آپ سے ملتے ہیں یا کسی مخلص مومن سے ملتے ہیں تو ظاہر میں ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں اور جب اپنے ساتھیوں سے ملتے ہیں تو کفر کرتے ہیں۔ پھر نفاق پر اصرار اور فساد برپا کرنے پر کمربستہ ہو کر کفر میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہاں انذر کی جگہ بشر کا لفظ بطور استہزاء ذکر کیا ہے۔ یہ زجاج کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ بشارت ہر ایسی خبر کو کہتے ہیں جس سے چہرے کا رنگ بدل جائے خواہ وہ خوش کن ہو یا خوش کن نہ ہو۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 508 (التجاریہ)　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ﴿۱۳۹﴾

"وہ منافق جو بناتے ہیں کافروں کو (اپنا) دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا وہ تلاش کرتے ہیں ان کے پاس عزت؟ تو (وہ سن لیں) عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے سب کی سب [1]"

[1] الَّذِيْنَ ذم کی وجہ سے محل نصب میں ہے یا محل رفع میں ہے نصب کی صورت میں ارید فعل محذوف ہوگا۔ رفع کی صورت میں ہم ضمیر محذوف ہوگی یا یہ المنافقین سے بدل ہے یا اس کی صفت ہے۔

کافرین سے مراد یہودی ہیں اولیاء سے مراد مددگار اور رازدان ہیں کیونکہ منافق یہودیوں کو قوی گمان کرتے تھے۔ یبتغون کا معنی طلب کرنا ہے۔ عندھم میں ضمیر سے مراد کفار ہیں۔ العزۃ سے مراد حضور ﷺ کے خلاف قوت اور غلبہ ہے، یعنی وہ یہودیوں کی مدد اور دوستی سے غلبہ چاہتے ہیں۔ یہاں ایبتغون میں حرف استفہام انکار یا استہزاء یا تعجب کے لیے ہے۔ ان تینوں کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا کیونکہ وہی غالب ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ غلبہ عطا فرمائے اللہ تعالیٰ نے قوت و غلبہ مومنوں کے حق میں لکھ دیا ہے کیونکہ اس کا فرمان ہے: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ﴿۱۴۰﴾

"اور تحقیق اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر (یہ حکم) کتاب میں [1] کہ جب تم سنو اللہ کی آیتوں کو کہ انکار کیا جا رہا ہے ان کا اور مذاق اڑایا جا رہا ہے ان کا [2] تو مت بیٹھو ان (کفر و استہزاء کرنے والوں) کے ساتھ [3] یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی دوسری بات میں [4] ورنہ تم بھی انہیں کی طرح ہو گئے [5] بے شک اللہ تعالیٰ اکٹھا کرنے والا ہے سب منافقوں اور سب کافروں کو جہنم میں [1]"

[1] کتاب سے مراد قرآن ہے۔ عاصم نے نزل کو باب تفعیل سے معروف کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر نازل فرمایا اور باقی قراء نے اسے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس کا نائب الفاعل مابعد کلام ہے۔

[2] ان مثقلہ سے مخففہ ہے۔ اصل کلام یوں تھی انہ دونوں فعل آیات سے حال ہیں مقصد ان کی مجلس میں بیٹھنے سے نہی میں تاکید پیدا کرنا ہے۔

[3] ھم ضمیر سے مراد کافر اور استہزاء کرنے والے ہیں۔

[4] یعنی استہزاء کے علاوہ کسی اور بات میں شروع ہو جائیں کیونکہ اس صورت میں ضرورت کے وقت ان کے ساتھ بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ضرورت نہ ہو تو ان کے ساتھ بیٹھنا مطلقاً مکروہ ہے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا ان کے ساتھ بیٹھنا جائز نہیں، اگرچہ وہ کوئی اور بات ہی کر رہے ہوں (1) اس آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے جو کہ مکہ مکرمہ میں سورۂ انعام میں نازل ہو چکا تھا وَاِذَا رَاَيْتَ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 509 (التجاریہ)

الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ...... ضحاک نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں قیامت تک دین میں نئی باتیں گھڑنے والے اور سب بدعتی آجاتے ہیں۔(1)

۵ کم ضمیر سے مراد مومن ہیں۔ یعنی جب تم ان لوگوں کے پاس بیٹھو گے جو کفر کرتے ہیں اور آیات کا مذاق اڑاتے ہیں اور تم اس پر راضی ہو گئے تو تم بھی ان کی طرح کافر ہو جاؤ گے مگر جب زبان سے کفر پر رضا کا اظہار نہ کیا جائے تو اسے نفاق کہتے ہیں۔ یہاں مثل کے کلمہ کو مفرد ذکر کیا کیونکہ یہ مصدر کی طرح ہے یا کیونکہ یہ جمع کی طرف مضاف ہے۔ اس لیے جمع لانے کی ضرورت نہیں۔

۶ جو کفار کے پاس بیٹھتے ہیں کفر اور استہزاء کرنے پر راضی ہیں۔ کافرین سے مراد استہزاء کرنے والے اور قرآن کا تمسخر اڑانے والے ہیں۔ جس طرح وہ دنیا میں کفر اور مجلس میں اکٹھے ہوئے اسی طرح جہنم میں اکٹھے ہوں گے۔

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۫ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾

"وہ جو انتظار کر رہے ہیں تمہارے (انجام) کا ۱ تو اگر ہو جائے تمہیں فتح اللہ کی طرف سے ۲ (تو) کہتے ہیں کیا نہیں تھے ہم بھی تمہارے ساتھ ۳ اور اگر ہو کافروں کے لیے کچھ حصہ ۴ (کامیابی سے) کہتے ہیں کیا نہیں غالب آ گئے تھے ہم تم پر ۵ اور (اس کے باوجود) کیا نہیں بچایا تھا ہم نے تم کو مومنوں سے ۶ پس (اے اہل نفاق) اللہ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن ۷ اور ہرگز نہیں بنائے گا اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مسلمانوں پر (غالب آنے کا) راستہ ۸"

۱ فعل کا مفعول بہ محذوف ہے جو تمہارے بارے میں مصائب کا انتظار کرتے ہیں۔ یہ الذین یخلطون سے بدل ہے یہ مذمت کے طور پر محل نصب میں ہے یا محل رفع میں ہے۔ یا مبتدا ہے اور اس کی خبر مابعد جملہ ہے۔

۲ کم ضمیر سے مراد مومن ہیں فتح سے مراد کامیابی یا غنیمت ہے۔

۳ انہوں نے تم سے کہا کیا ہم تمہارے دین پر نہیں تھے یا تمہارے ساتھ جہاد میں نہ تھے۔ اس لیے غنیمت میں سے ہمارے لیے بھی حصہ نکالو۔

۴ یعنی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف کفار کو غلبہ نصیب ہو۔

۵ تو وہ کافروں سے کہتے ہیں کیا ہم مومنوں کے ساتھ مل کر تم پر غالب نہیں آئے تھے اور تمہیں چھوڑ نہیں دیا تھا۔

۶ ہم نے تمہیں مومنوں کے حملہ سے محفوظ نہیں رکھا تھا کہ ان سے الگ ہو کر انہیں تم سے دور نہیں کر دیا تھا، ان کی خبریں تم تک پہنچائیں۔ مبرد نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم تم پر رائے میں غالب نہیں آ گئے تھے اور تمہیں مسلمان ہونے سے روکا نہیں تھا۔

۷ کم ضمیر سے مراد منافق ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مومنوں کو جنت میں اور کفار کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔ شیخین نے صحیحین میں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 509 (التجاریہ)

اور حاکم نے حضرت ابوسعید خدری سے ایک طویل حدیث میں بیان کیا ہے جب قیامت کا روز ہوگا، ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا، ہر قوم اپنے معبودوں کی طرف چلی جائے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اے لوگوں تمام جماعتیں اپنے معبودوں کی طرف چلی گئیں جبکہ تم اسی طرح کھڑے ہو۔ وہ عرض کریں گے ہم اپنے رب کا انتظار کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق پنڈلی سے پردہ ہٹائے گا۔ تمام مومن سجدے میں گر پڑیں گے مگر جس نے ریاء کاری کے طور پر اسے سجدہ کیا ہوگا۔ جب وہ سجدہ کرنے لگے گا تو اس کی پشت تختہ کی مانند ہو جائیگی۔ حاکم نے یہ زائد ذکر کیا ہے جب بھی وہ سجدہ کا ارادہ کرے گا تو وہ گدی کے بل گر پڑے گا(1) حدیث طویل ہے۔

۵ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یعنی آخرت میں ان کے لیے کوئی راہ نہ ہوگی(2) اسے ابن جریر نے روایت کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے اور یہی معنی ظاہر ہے۔ اسے ابن جریر نے روایت کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے اور یہی معنی ظاہر ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہاں سبیلاً سے مراد حجت ہے(3) ابن جریر اور عبد بن حمید نے سدی سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مسلمانوں پر غلبہ پانے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ جہاں تک اس زمانے میں کفار کے مسلمانوں پر غلبہ پانے کی وجہ ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایمان کمزور ہے گناہ بہت زیادہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مسلمانوں کو مطلقاً ختم کرنے کی کوئی راہ نہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی کافر مسلمان غلام خریدے تو اس کی بیع فاسد ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عقد تو صحیح ہوگا کیونکہ عقد ان سے صادر ہوا جو اس کی اہلیت رکھتا ہے۔ تاہم کافر کو یہ غلام بیچنے پر مجبور کیا جائیگا تاکہ دونوں کی رعایت ہو جائے۔ اس آیت سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ اگر کسی آدمی کے عقد میں مسلمان عورت ہو اور مرد مرتد ہو جائے تو ارتداد کے ساتھ ہی وہ عورت اس سے جدا ہو جائیگی۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾

"بے شک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں اس دھوکہ بازی کی اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر (وہ بھی عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ) لوگوں کو دکھانے کے لیے اور نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا مگر تھوڑی دیر۔"

لے منافق جب مومنوں کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں تو بوجھل دل کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں، جس طرح ایک آدمی کو فعل پر مجبور کیا جا رہا ہو وہ اس سے ثواب کی امید نہیں رکھتے اور اس کے ترک کرنے پر عذاب کا خوف نہیں رکھتے۔ وہ نمازوں میں ریاء کاری کرتے ہیں تاکہ ان کے بارے میں یہ گمان کیا جائے کہ وہ مومن ہیں اور وہ تھوڑا ذکر کرتے ہیں۔ قلیلا یہ مفعول مطلق ہوگا یا مفعول فیہ ہوگا۔ یہاں ذکر سے مراد نماز ہے۔ اس تقلیل کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسی وقت یہ عمل کرتا ہے جب کوئی اسے دیکھ رہا ہو یہ کم ہی ہوتا ہے۔ یراءون والا جملہ قاموا کے فاعل سے حال ہے جس طرح کسالی حال ہے ولا یذکرون یراءون پر معطوف ہے یا یہ یراءون کی ضمیر سے حال ہے۔

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ

1۔ ماخوذ از صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 102 (قدیمی) 2۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 214 (الامیریہ) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 510 (التجاریہ)

تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

" ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں کفر و ایمان کے درمیان [1] نہ ادھر کے [2] اور نہ ادھر کے [3] اور جس کو گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لیے ہدایت کا راستہ [4] "

[1] یہ یذبذبون یا یراءون کے فاعل سے حال ہے، یعنی وہ یاد کیے بغیر دکھلاوا کرتے ہیں۔ یا یہ دونوں سے تنازع فعلین کے قاعدہ پر حال ہے، بطور ذم منصوب ہے۔ معنی یہ ہے کہ ایمان و کفر کے درمیان متردد ہیں۔ یہ ذبذبہ سے مشتق ہے۔ معنی یہ ہوگا شے کو مضطرب بنا دیا، اس کی اصل ذب ہے جس کا معنی دھتکارنا اور دور کرنا ہے۔ مذبذب اسے کہتے ہیں جسے دونوں طرف سے دھکا دیا جائے وہ کسی جانب بھی قرار پذیر نہ ہو سکے۔

[2] نہ مومنوں کے ساتھ ظاہر اور باطن میں مطمئن ہیں کہ انہیں آخرت میں اجر دیا جائے۔

[3] نہ ہی مکمل طور پر کفار کے ساتھ ہیں، یہاں تک کہ ان کے ساتھ دنیا میں وہ معاملہ کیا جائے جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

[4] یعنی اللہ تعالیٰ جس کے بارے میں راہ راست سے بھٹک جانا مقدر کر دے اے مخاطب تو اس کے لیے راہ راست پر آنے کی کوئی راہ نہیں پائے گا۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ منافق کی مثال دو ریوڑوں میں آنے جانے والی بکری کی سی ہے، کبھی ایک ریوڑ کی طرف بھاگ کر جاتی ہے اور کبھی دوسری طرف جاتی ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔(1)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾

" اے ایمان والو نہ بناؤ کافروں کو اپنا دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ بنا دو اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے خلاف واضح دلیل [1] "

[1] کافروں کی دوستی سے اس لیے منع کیا کیونکہ ان کی دوستی نے ہی منافقوں کو ہلاک کیا اور انہیں نفاق کی طرف لے جانے والی چیز بھی یہی دوستی تھی پھر تم ان سے بچ کر رہو۔ کیا تم ان سے دوستی رکھ کر اپنے عذاب کے لیے واضح دلیل (ا) قائم کرنا چاہتے ہو۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾

" بے شک منافق سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے دوزخ (کے طبقوں) سے [1] اور ہرگز نہ پائیگا تو ان کا کوئی مددگار [2] "

[1] کوفہ کے قراء نے الدرک راء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے اسے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، اس میں یہ دونوں لغتیں ہیں۔ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا الدرکات سے مراد طبقات اور منازل ہیں۔ درکات نچلی منزلوں کے ساتھ خاص ہے اور اوپر والی منزلوں کو درجات کہتے ہیں۔ ابن مبارک نے حضرت ابن مسعود رضی سے اس آیت کے حوالے سے روایت کیا ہے جہنم کے نچلے گڑھے میں لوہے کے صندوق ہوں گے جن میں یہ منافق بند ہوں گے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 370 (قدیمی)

(ا) ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ قرآن حکیم کی ہر دلیل حجت ہے۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ

آگ میں لوہے کے بند صندوق ہو نگے (1) امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تابوت ہو نگے (2) جو ان پر بند کر دیے جائیں گے جن کے نیچے اور اوپر آگ جل رہی ہوگی (3) ابن وہب نے کعب احبار رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، فرمایا بے شک جہنم میں ایک کنواں ہوگا اس کنوئیں کو بند کرنے کے بعد اسے نہیں کھولا گیا۔ جہنم ہر روز اس کی گرمی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی ہے۔ یہی جہنم کا سب سے نچلا درجہ ہے۔ منافق جہنم کے سب سے نچلے درجے کے مستحق اس لیے بنے ہیں کیونکہ وہ کافروں میں سے خبیث ترین ہیں۔ کیونکہ انہوں نے کفر کے ساتھ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ اسلام مسلمانوں سے دھوکہ کرنے کو ملایا ہے۔ وہ دنیا میں تلوار اور جزیہ سے محفوظ رہے۔ اسی لیے بطور عدل وہ جہنم کے سب سے نچلے درجے کے مستحق بن گئے۔

ے اے مخاطب تو ان کا مددگار نہیں پائے گا جو انہیں جہنم سے نکال سکے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٤٦﴾

" مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ کا (دامن رحمت) اور خالص کر لیا اپنا دین اللہ کے لیے تو یہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں اور عطا فرمائے گا اللہ تعالیٰ مومنوں کو اجر عظیم لے "

لے مگر وہ منافق جنہوں نے نفاق سے توبہ کر لی اور ایمان لے آئے، اپنے اعمال کو درست کیا، اللہ تعالیٰ پر اعتماد کیا اور اس کے دین کو مضبوطی سے پکڑا اور اپنے دین کو ریاء سے پاک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کیا۔ وہ ایمان اور اعمال سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کرتے ہیں۔ ابن عساکر نے ابوادریس سے روایت کیا ہے کہ کوئی آدمی اخلاص کی حقیقت تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کیے ہوئے عمل پر لوگوں کی تعریف کو ناپسند نہ کرے (4) ابن ابی شیبہ اور امام احمد نے ابی ثمامہ رحمہم اللہ سے روایت کیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا یا روح اللہ مخلص کون ہے؟ فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر عمل کرتا ہے، وہ اس پر لوگوں کی تعریف کو پسند نہیں کرتا (5) حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اخلاص سے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ اخلاص کیا ہے؟ فرمایا یہ کلمہ منہیات سے اسے باز رکھے (6) حاکم نے اسے نقل کیا اور اس کی تصحیح کی اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب انہیں رسول اللہ ﷺ نے یمن کی طرف بھیجا تو میں نے عرض کی مجھے نصیحت فرمائیں۔ فرمایا دین میں اخلاص پیدا کرو، تیرا تھوڑا عمل تجھے کافی ہو جائیگا (7) ابن ابی الدنیا نے اخلاص اور بیہقی رحمہما اللہ نے شعب میں ثوبان سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرمایا مخلصین کو مبارک ہو۔ یہی لوگ ہدایت کے چراغ ہیں۔ ان سے تاریک فتنہ چھٹ جاتا ہے۔

یہاں مومنین سے مراد وہ مخلصین ہیں جو ایمان اور اخلاص کی وجہ سے جنت میں ان سے پہلے چلے گئے۔ فراء نے کہا یہاں مع من

1۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 1، صفحہ 646-645 (الفکر) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 511 (التجاریہ) 3۔ ایضاً
4۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 420 (العلمیہ) 5۔ شعب الایمان، جلد 5، صفحہ 348 (العلمیہ)
6۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 420 (العلمیہ) 7۔ شعب الایمان، جلد 5، صفحہ 342 (العلمیہ)

کے معنی میں ہے۔یؤت کے آخر سے لفظ کی اتباع کرتے ہوئے کتابت میں یاء کو حذف کر دیا گیا۔اور اجرِ عظیم سے مراد جنت اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کے مراتب ہیں۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ⁽¹⁴⁷⁾

"کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر اگر تم شکر کرنے لگو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔[1]"

[1] یہاں ما یفعل میں استفہام انکار اور تقریر کے لیے ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ شکر گزار مومن کو عذاب نہیں دے گا کیونکہ بندوں کو عذاب دینے سے اس کے ملک میں اضافہ نہیں ہوتا اور عذاب کے ترک کرنے سے اس کی بادشاہت میں کمی نہیں ہوتی۔اس کا عذاب نفع کے حصول اور اپنی ذات سے ضرر کو دور کرنے کے لیے نہیں ہوتا۔وہ نفع و نقصان سے بے نیاز اور اس سے بالا ہے۔وہ بندوں کو عذاب اس قانون کے مطابق دیتا ہے کہ سبب عادی پر سبب عادی مرتب ہو جس طرح مزاج میں خرابی بیماری کی طرف لے جاتی ہے۔جب اس دلی امراض یعنی کفر و نفاق کو ایمان اور شکر کے ساتھ دوا پیش زائل کر دیا اور اپنے آپ کو پاک کر لیا تو وہ اس کے برے انجام سے بھی بچ جاتا ہے۔

امام بغوی نے کہا اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔تقدیر کلام یوں ہو گی اِنْ اٰمَنْتُمْ وَ شَكَرْتُمْ (1) میں کہتا ہوں اس قول کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ واؤ صرف جمع کے لیے آتی ہے،اس میں ترتیب نہیں ہوتی۔ایک قول یہ کیا گیا کہ شکر کو مقدم اس لیے کیا گیا کہ نظر کرنے والا نعمت کو پہلے دیکھتا ہے اور مبہم سا شکر ادا کرتا ہے۔پھر گہری نظر سے دیکھتا ہے یہاں تک کہ منعم کو پہچان لیتا ہے پھر اس پر ایمان لے آتا ہے۔

میں کہتا ہوں شاید یہاں شکر کفر کی ضد ہے یعنی ایمان مجازی اور ایمان سے مراد ایمان حقیقی ہے۔اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ تمہیں شکر کا بدلہ عطا فرماتا ہے وہ تھوڑی چیز قبول کرتا ہے اور بڑی چیز عطا فرماتا ہے اور وہ تمہارے ایمانوں کی حقیقت سے بھی واقف ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ⁽¹⁴⁸⁾

"نہیں پسند کرتا اللہ تعالیٰ کہ برملا کی جائے بری بات مگر (اس سے) جس پر ظلم ہوا اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔[1]"

[1] یعنی اللہ تعالیٰ بلند آواز سے کسی کی برائی کرنے کو پسند نہیں کرتا،اسی طرح غیر اعلانیہ برائی کرنے کو بھی پسند نہیں کرتا لیکن بلند آواز سے برائی کرنا زیادہ برا ہے۔یہاں واقعہ کی مطابقت سے اعلانیہ برائی کرنے کا ذکر کیا مگر مظلوم (1) کے لیے اجازت ہے کہ وہ ظالم کے

1۔تفسیر بغوی،جلد 1،صفحہ 511 (التجاریہ)

(1) ابن جریر،ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرتا کہ کوئی ایک دوسرے کے حق میں بددعا کرے مگر جب وہ مظلوم ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ظالم کے حق میں بددعا کی اجازت دی۔اس کا صبر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ابن ابی شیبہ اور ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ظالم کے حق میں بددعا کی اس نے انصاف کیا۔ابن جریر اور ابن منذر نے حسین سے روایت کیا ایک آدمی دوسرے پر ظلم کرے تو اس کے حق میں بددعا نہ کرے بلکہ یہ کہے اے اللہ اس کے خلاف میری مدد کر،میرا حق اس سے نکال،میرے اور اس کے ارادہ کے درمیان حائل ہو جا۔از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ

لیے بددعا کرے اور اس کی برائی کا ذکر کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ جہر بالسوء سے مراد گالی دینا ہے۔ جب اس پر ظلم کیا جائے تو صورتحال مختلف ہوگی کیونکہ اگر اس نے اس طرح کی گالی دی جس طرح اسے گالی دی گئی تھی تو اس پر کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ الآیہ حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو گالیاں دینے والوں کا وبال اس پر ہے جس نے سب سے پہلے گالی دی جب تک مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔(1)

امام بغوی نے ہا یہ حکم مہمان کے متعلق ہے جب وہ کسی قوم کے ہاں بطور مہمان ٹھہرا انہوں نے اس کی ضیافت نہ کی اس کے لیے جائز ہے کہ وہ شکایت کرے اور جو کچھ اس نے کیا(2) اس کا ذکر کرے ھناد نے کتاب الزہد میں مجاہد سے ذکر کیا کہ ایک آدمی نے مدینہ طیبہ میں کسی کو بطور مہمان ٹھہرایا اور اس کی خدمت نہ کی۔ مہمان چلا گیا۔ بعد میں اس نے اس کے سلوک کا ذکر کیا تو اسے رخصت دی گئی کہ جیسا اس نے سلوک کیا تھا اس طرح ذکر کرے۔(3) تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کو عبدالرزاق، عبد بن حمید اور ابن جریر نے اسی طرح نقل کیا ہے کہ ایک آدمی کسی کے پاس مہمان ٹھہرا انہوں نے مہمان کو کھانا نہ کھلایا مہمان نے ان لوگوں کا شکوہ کیا تو ایسے شخص پر ناراضگی کا اظہار کیا گیا عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمیں بھیجتے ہیں اور ہم ایک ایسی قوم کے پاس ٹھہرتے ہیں جو ہماری مہمان نوازی نہیں کرتی تو ایسے لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم کسی قوم کے پاس ٹھہرو، اگر وہ تمہارے لیے اس چیز کا کہیں جو مہمان کے لیے مناسب ہوتا ہے تو اسے قبول کرلو، اگر وہ تمہارے لیے ایسی چیز کا نہ کہیں تو جو مہمان کا حق ہوتا ہے اتنا لے لو۔ متفق علیہ۔

اللہ تعالیٰ کی ذات مظلوم کی دعا اور شکوی کو سنتا ہے اور ظالم کے عمل کو جانتا ہے۔

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝

"اگر تم ظاہر کرو کوئی نیکی 1 یا پوشیدہ رکھو اسے 2 یا درگزر کرو (کسی کی) برائی سے 3 تو بے شک اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا قدرت والا ہے 4"

1۔ خیر سے مراد طاعت اور نیکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ برائی کے اظہار کی بجائے اگر تم ظالم کے ساتھ بھلائی کا اظہار کرو تو تم برائی کو نیکی کے ساتھ مٹا رہے ہو۔

2۔ یعنی بھلائی مخفی طریقے سے کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا خیر سے مراد مال ہے یعنی اگر تم صدقہ ظاہر یا مخفی طریقے سے کرو۔

3۔ سوء سے مراد ظلم ہے اور تم اپنے دل سے اسے مٹا دو۔ اگرچہ تم ظالم کے ساتھ اچھائی نہیں کر سکتے۔ امام بیضاوی اور دوسرے علماء نے فرمایا اس کلام سے اصل مقصود مظلوم کی طرف سے ظالم کو معاف کرنا ہے(4) بھلائی کو ظاہر کرنا یا اس کو مخفی رکھنا محض تمہید اور تعارف کے لیے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

4۔ انتقام پر قادر ہونے کے باوجود وہ نافرمانوں کو معاف کر دیتا ہے۔ تمہیں تو بدرجہ اولی معاف کرنا چاہیے کیونکہ یہ تمہارے حق میں تو تجارت ہے۔ مکارم اخلاق پر قائم کرنے کے لیے یہ آیت مظلوم کو معاف کرنے پر ابھارتی ہے جبکہ اسے بدلہ لینے کی بھی رخصت ہے

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 321 (قدیمی)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 512 (التجاریہ)
3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 81 (قدیمی)
4۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 133 (فراس)

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا میں خادم کو کتنی دفعہ معاف کروں فرمایا دن میں ستر بار(1) اسے ابو داؤد ترمذی اور ابو یعلی نے روایت کیا۔ واللہ اعلم۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾

"بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ فرق کریں اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان اور کہتے ہیں ہم ایمان لائے بعض رسولوں پر اور ہم کفر کرتے ہیں بعض کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ اختیار کر لیں کفر و ایمان کے درمیان کوئی (تیسری) راہ"

امام بغوی نے کہا یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ جب انہوں نے حضور ﷺ قرآن حکیم، حضرت عیسیٰ اور انجیل کا انکار کیا تو انہوں نے سب انبیاء کا انکار کر دیا کیونکہ ان میں سے بعض بعض کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ جب انہوں نے آیات کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ کا انکار کیا۔(2)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں تفریق کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں رسولوں پر ایمان نہ لائیں جس طرح مشرک کرتے ہیں۔ اور یہودیوں کی طرح تفریق کرتے ہیں کہ وہ اپنے گمان کے مطابق اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ دوسرے رسولوں اور قرآن و انجیل کا انکار کیا۔ اس تفریق کا وہ اعلانیہ اظہار بھی کرتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿١٥١﴾

"یہی لوگ کافر ہیں حقیقت میں اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے عذاب رسوا کر نے والا۔"

یعنی وہ کامل کافر ہیں کیونکہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی واسطہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان اس وقت مکمل ہوتا ہے جب وہ تمام رسولوں پر ایمان لائے اور جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا ہے۔ اس کی اجمال اور تفصیل کی صورت میں تصدیق کرے۔ حق ایک ہی ہے جو تمام ادیان میں مشترک ہے۔ حق کے علاوہ گمراہی ہی گمراہی ہے۔ حقاً ترکیب کلام میں مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہو گی حق ذلک الامر حقاً اور کافرین کے مصدر کی صفت ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہو گا انہوں نے یقیناً کفر کیا تمام کفار کے لیے عذاب تیار کیا گیا ہے جن میں یہود بھی شامل ہیں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٥٢﴾

"اور جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور اس کے (تمام) رسولوں کے ساتھ اور نہیں فرق کیا انہوں نے کسی میں ان سے یہی لوگ ہیں دے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کے اجر اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔"

1۔ جامع ترمذی، صفحہ 288 (وزارت تعلیم)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 512 (التجاریہ)

ترکیب کلام میں اسم موصول مبتدا ہے۔ ظاہر میں اس کی خبر اولئک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کی خبر محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے اولئک هم المومنون حقا یا تقدیر کلام یوں ہے اضدادهم و مقابلو هم اس قول کی دلیل یہ ہے کہ یہ آیت سابقہ کلام کے طریقہ پر ہو جائے۔

سوال: بین کے لفظ کو احد پر داخل کیا جبکہ بین متعدد امور کا تقاضا کرتا ہے۔

جواب: یہاں احد عموم پر دلالت کرتا ہے کیونکہ وہ نفی کے تحت داخل ہے۔

یوتیهم کو حفص نے واحد مذکر غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ جبکہ باقی قراء نے جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے۔ اجور سے مراد اجر ہیں جن کا وعدہ کیا گیا۔ یوتیهم سے پہلے سوف کو اس لیے ذکر کیا تاکہ وعدہ کی تاکید ہو جائے۔ ساتھ ہی ساتھ اس امر دلالت ہو جائے کہ یہ امر ہو کر رہے گا خواہ دیر سے ہو۔ وہ غفور رحیم ہے اس لیے مومنوں سے جو لغزشیں ہوں گی ان کو معاف فرماتا ہے اور ان پر احسانات کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔

ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی سے نقل کیا ہے کہ کچھ یہودی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہنے لگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے تختیاں لائے تھے، آپ بھی تختیاں لے آئیں، ہم آپ کی تصدیق کریں گے۔(1)

امام بغوی نے ان یہودیوں کے نام بھی ذکر کیے ہیں وہ کعب بن اشرف اور فخاص بن عازوراء تھے انہوں نے یہ بات کہی تھی۔(2)

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝

"مطالبہ کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب کہ آپ اتروا دیں ان پر کتاب آسمان سے[1] سو وہ تو سوال کر چکے ہیں موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے بھی بڑی بات کا[2] انہوں نے کہا تھا (اے موسیٰ) دکھا دو ہمیں اللہ کھلم کھلا[3] تو پکڑ لیا تھا انہیں بجلی کی کڑک نے بسبب ان کے ظلم کے[4] پھر بنا لیا انہوں نے بچھڑے کو (اپنا معبود)[5] اس کے بعد کہ آ چکی تھیں ان کے پاس کھلی دلیلیں[6] پھر بھی ہم نے بخش دیا ان کا یہ (سنگین) جرم بھی اور ہم نے عطا فرمایا موسیٰ کو واضح غلبہ[8]"

1۔ یہ سوال بصورت اطاعت نہ تھا بلکہ گستاخانہ اور دل آزادی کے طور پر تھا اللہ تعالیٰ ایسے سوال پر آیات نازل نہیں فرماتا۔

ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یسئلک اهل الکتب تا بهتانا عظیما نازل ہوا تو ایک یہودی آپ کی خدمت میں دوزانو ہو کر بیٹھ گیا اور عرض کیا اللہ تعالیٰ نے نہ آپ پر نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نہ ہی کسی اور پر کوئی نازل فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل ہوئی وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ......(3)

2۔ جمع کی ضمیر اہل کتاب کی طرف لوٹ رہی ہے حکم کی نسبت ان سب کی طرف کی اس حوالے سے کہ سوال ان میں سے ایک سے صادر ہوا۔ وہ کل ستر افراد تھے جنہیں لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام جبل طور کی طرف تشریف لے گئے۔ اس میں فاء سببیہ ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی ان سے اس سوال کو بڑا نہ جانو کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ فاء جزائیہ ہے

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 8 (الامیریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 513 (التجاریہ) 3۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 177 (الامیریہ)

اور شرط مقدر ہے جو انہوں نے آپ سے سوال کیا ہے، اگر تم اسے بڑا جانو تو ان کے اسلاف نے بھی سوال کیا تھا۔
انہوں نے جو فضول سوال کیا ہے۔ یہ ان کی پہلی جہالت نہیں۔

۳ اس سوال کی وضاحت ہے جہرۃً یا تو ارائنا یا رؤیۃ کی صفت ہے، یعنی یہ مفعول مطلق ہے جو مذکورہ فعل کے مصدر کے الفاظ سے نہیں یا یہ مجاہرین کے معنی میں ہے اور حال ہے ابو عبیدہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے انہوں نے بلند آواز سے کہا اے اللہ ہمیں دکھا۔

۴ تو آسمان سے نازل ہونے والی آگ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اس سبب سے کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ وہ ان کی سرکشی اور ایسا سوال کرنا ہے جو عادت اور حکمت کے خلاف ہے۔ یہ آیت رؤیت کے ممتنع ہونے کا تقاضا نہیں کرتی۔

۵ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا۔ یہ ان کی دوسری جنایت ہے جس کا ارتکاب ان کے پہلے لوگوں نے کیا۔

۶ بینات سے مراد واضح معجزات ہیں۔

۷ ہم نے انہیں معاف کر دیا اور انہیں نیست و نابود نہیں کیا۔ یہ انہیں توبہ کی دعوت ہے، یعنی جب ان کے پہلوؤں نے توبہ کی تو انہیں معاف کر دیا۔ پس تم بھی توبہ کرو تا کہ تمہیں معاف کر دیں۔

۸ یعنی واضح غلبہ عطا کیا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے آپ کو قتل کریں یا اس سے مراد غالب دلیل ہے۔ یہ آپ کے نو معجزات تھے جو آپ کے مخالفین پر غلبہ کے لیے عطا کیے گئے۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِيثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝

"اور ہم نے بلند کیا ان کے اوپر طور کو ان سے پختہ وعدہ لینے کے لیے ۱ اور ہم نے فرمایا انہیں ۲ کہ داخل ہو جاؤ اس دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے ۳ اور ہم نے فرمایا انہیں ۴ کہ حد سے نہ بڑھنا سبت میں ۵ اور ہم نے لیا تھا ان سے پختہ وعدہ ۶"

۱ یہاں باء سببیہ ہے، ان کے وعدہ کی وجہ سے حتیٰ کہ وہ اسے قبول کریں۔
۲ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر انہیں فرمایا جبکہ طور ان پر سایہ کیے ہوئے تھا۔
۳ بیت المقدس کے دروازے سے سر جھکاتے ہوئے داخل ہو جاؤ۔

۴ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان پر یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ یہ قول بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر ہے جب پہاڑ ان پر سایہ کیے ہوا تھا کیونکہ سبت کے بارے میں حکم نازل ہوا تھا۔ لیکن اس بارے میں حدود سے تجاوز اور اس کی سزا مسخ کرنا یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی۔

۵ ورش نے لا تعدوا کو عین کے فتحہ اور دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ قالون نے عین کی حرکت میں اخفاء اور دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اصل میں یہ تعتدوا تھا تا کو دال میں مدغم کر دیا گیا۔ قالون سے ایک نص عین کے سکون کے ساتھ آئی ہے۔ باقی قراء کے نزدیک قراءت عین کے سکون اور دال کی تخفیف کے ساتھ ہے۔ یعنی تم مچھلیاں قتل کر کے اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

۶ یعنی تورات کا حکم قبول کرنے اور ہفتہ کے روز خلاف ورزی نہ کرنے کے بارے میں پختہ وعدہ کیا، یہاں تک کہ انہوں نے کہا ہم

نے حکم سنا اور اس کی اطاعت کی۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾

"(ان پر پھٹکار کی) وجہ یہ تھی کہ انہوں نے توڑ دیا اپنے وعدہ کو[1] اور انہوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا[2] اور انہوں نے قتل کیا انبیاء کو ناحق اور انہوں نے یہ گستاخانہ بات کہی کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہیں[3] (یوں نہیں) بلکہ مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر بوجہ ان کے کفر کے[4] سو وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑی سی تعداد[5]"

[1] اس میں ما زائدہ ہے جو کلام کے مضمون کی تاکید کے لیے ہے۔ جار مجرور محذوف کے متعلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی فَخَالَفُوْا حُكْمَ التَّوْرَاةِ وَنَقَضُوا الْمِيْثَاقَ فَفَعَلْنَا بِهِمْ مَا فَعَلْنَا وَلَعَنَّاهُمْ بِسَبَبِ نَقْضِهِمْ ۔انہوں نے تورات کے حکم کی مخالفت کی اور وعدہ کو توڑا ہم نے جو چاہا ان کے ساتھ سلوک کیا اور ان کے وعدہ توڑنے کے باعث انہیں اپنی رحمتوں سے دور کر دیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حرمنا کے متعلق ہو اور اللہ تعالیٰ کا فرمان فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا فَبِمَا نَقْضِهِمْ سے بدل ہے لیکن اس صورت میں فاء کا تکرار لازم آئیگا۔ یہ بھی جائز ہے فاء عاطفہ ہو۔ اس صورت میں اسے بدل بنانے کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فَبِمَا نَقْضِهِمْ ظرف مستقر ہو اور مبتدا محذوف کی خبر ہو اور باء فی کے معنی میں ہو۔ تقدیر کلام یوں ہوگی فَهُمْ فِيْ نَقْضِهِمْ وہ وعدہ جو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔

[2] یعنی یہ آیات جو تورات میں نبی کریم ﷺ کی نعت کے بارے میں وارد تھیں اور اس سے مراد قرآن انجیل اور دوسری کتب بھی ہو سکتی ہیں۔

[3] یعنی ان کا نبی کریم ﷺ کو کہنا وہ علوم کے برتن ہیں یا جس کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو اس سے ہمارے دل پردے میں ہیں، حقیقت اس طرح نہ تھی۔

[4] بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور اسے علم سے حجاب میں رکھ دیا ہے، یا آیات میں تدبر کی توفیق سے محروم کر دیا ہے

[5] ایک صورت میں قلیلاً مفعول مطلق ہے اور ایمان کی صفت ہے، یعنی ایسا ایمان جس کا کوئی شمار نہیں۔ یہ کتاب کے کچھ حصے اور بعض رسولوں پر ایمان ہے، یا اس کا معنی ہے ان میں سے بہت تھوڑے ایمان لائیں گے جس طرح عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے وہ تھوڑا یا زیادہ ایمان نہیں لائیں گے مراد مطلق نفی ہے۔

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾

"اور ان کے کفر کے باعث اور مریم علیہا السلام پر بہتان عظیم باندھنے کے باعث۔"

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار کرنے کی وجہ سے بقولهم کا عطف بکفرهم پر ہے۔ یہاں باء کو مکرر اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ معطوف اور معطوف علیہ میں جدائی ثابت کی جائے۔ مطلق کفر طبیعت کے اسباب میں سے ہے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنا۔ یہ ایک شے کا اس کی ذات پر عطف نہیں کیونکہ پہلا کفر عام ہے اور یہ کفر خاص ہے یا اس معطوف اور معطوف علیہ کے

مجموعے کا عطف کفرھم پر ہے۔ جس طرح یہ قول ہے قَالَ الْاِمَامُ وَسَائِرُ النَّاسِ۔ یا اس کا عطف فَبِمَا نَقْضِهِمْ پر ہے اور کفر کے ذکر کا تکرار اس بات سے آگاہ کرنے کے لیے ہے کہ ان سے کفر بار بار صادر ہوا کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضور ﷺ کا انکار کیا۔ یا یہ کہا جائے کہ مجموعہ کلام کا مجموعہ کلام پر عطف ہے۔ اس لیے کوئی تکرار نہیں۔ بہتان عظیم سے مراد ان کا حضرت مریم کی طرف بدکاری کی نسبت کرنا ہے۔

وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ

"اور ان کے اس قول سے کہ ہم نے قتل کر دیا ہے مسیح عیسیٰ علیہ السلام فرزند مریم کو جو اللہ کا رسول ہے۔ لے حالانکہ نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ اسے سولی چڑھا سکے بلکہ مشتبہ ہو گئی ان کے لیے (حقیقت) ۲ے اور یقیناً جنہوں نے اختلاف کیا ان کے بارے میں وہ بھی شک و شبہ میں ہیں ۳ے ان کے متعلق نہیں ان کے پاس اس امر کا کوئی صحیح علم بجز اس کے کہ وہ پیروی کرتے ہیں گمان کی ۴ے اور نہیں قتل کیا انہوں نے اسے یقیناً ۵ے"

لے وہ اپنے گمان کے مطابق یہ کہتے ہیں اور فخر کرتے ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے یہ کلام (ا) استہزاء کے طور پر کی ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ لفظ رسول اللہ بطور مدح منصوب ہو اور جملہ مستانفہ ہو۔ یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو یا اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکر قبیح کی جگہ ذکر حسن رکھ دیا تا کہ قاتلین ذم کے مستحق ہو جائیں۔

۲ے ایک روایت میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ ماجدہ کو گالیاں دیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بندروں اور خنزیروں کی صورت میں مسخ کر دیا تو یہودیوں نے آپ کو قتل کرنے پر اتفاق کر لیا اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ تجھے آسمان کی طرف اٹھا لے گا جس کا ذکر سورۂ آل عمران میں ہو چکا ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ میری شبیہ اس پر ڈال دی جائے پھر اسے قتل کر دیا جائے، سولی پر لٹکایا جائے اور جنت میں داخل کیا جائے، آپ کے اصحاب میں سے ایک آدمی اٹھا اللہ تعالیٰ نے اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈالی۔ اسے قتل کر دیا گیا اور سولی پر لٹکا دیا گیا۔ امام نسائی نے حضرت ابن عباس سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ امام بغوی نے یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شبیہ اس خادم پر ڈالی تھی جس نے یہودیوں کو آپ کے متعلق بتایا تھا(1) ہم سورۂ آل عمران میں کلبی کی ایک روایت ذکر کر چکے ہیں جو انہوں نے ابو صالح سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے نقل کی کہ یہودیوں کے رئیس یہودا نے آپ کے ساتھیوں میں سے ایک کو حکم دیا جس کا نام طیطانوس تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہو کر قتل کر دے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ اس طیطانوس پر ڈال دی۔ جب وہ باہر نکلا تو یہودیوں نے یہ گمان کیا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اسے پکڑ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 514 (التجاریہ)

(ا) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ کہنا بطور استہزاء ہو کیونکہ یہودی آپ کو رسول اللہ نہیں مانتے تھے۔

لیا گیا اور سولی پر لٹکا دیا گیا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک کمرہ میں بند کر دیا اور نگہبان مقرر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ اس محافظ پر ڈال دی جسے یہودیوں نے قتل کر دیا۔

ت فیہ سے مراد آپ کا قتل ہے۔ شک منہ سے مراد آپ کے قتل کرنے میں انہیں تردد ہے۔ کلبی نے کہا اس میں ان کا اختلاف یہ ہے کہ یہودی کہتے ہم نے آپ کو قتل کر دیا ہے۔ نصاریٰ میں سے ایک جماعت کہتی ہے ہم نے آپ کو قتل کیا۔ نصاریٰ میں سے ہی ایک جماعت کہتی ہے نہ انہوں نے آپ کو قتل کیا اور نہ ان لوگوں نے آپ کو قتل کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان کی طرف اٹھا لیا جبکہ ہم آپ کو دیکھ رہے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ طیطانوس کے چہرے پر ڈالی تھی۔ آپ کے جسم پر نہیں ڈالی تھی۔ اس وجہ سے انہوں نے اختلاف کیا۔ بعض نے کہا ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا کیونکہ چہرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ بعض نے کہا ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا کیونکہ یہ جسم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نہیں۔

سدی نے کہا ان کا اختلاف یہ تھا کہ اگر یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو ہمارا ساتھی کہاں ہے اور اگر یہ ہمارا ساتھی ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ الذین اختلفوا فیہ میں ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں اختلاف کیا تھا کیونکہ انہی میں سے بعض نے یہ کہا یہ جھوٹا تھا، اسے قتل کرنا صحیح ہے اور دوسرے لوگوں کو تردد ہوا جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سن رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں آسمان کی طرف اٹھا لے گا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان کی طرف اٹھا لیا۔

ت یعنی انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل ہونے اور قتل نہ ہونے کے بارے میں قطعی علم نہیں بلکہ وہ گمان کے ہی پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔

ۓ یہ امر یقینی (1) ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے اپنے گمان کے مطابق بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا یقینی نہیں۔ یا اس کا معنی یہ ہے یہ یقین کرتے ہوئے قتل نہیں کیا کہ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ فراء نے یہی کہا ہے۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

"بلکہ اٹھا لیا ہے اسے اللہ نے اپنی طرف اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا۔"

اس میں ان کے قتل کا رد اور انکار ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کا اثبات ہے۔ عزیز اس اعتبار سے ہے کہ یہودیوں سے انتقام لینے میں غالب ہے وہ جس چیز کا ارادہ کرے کوئی اس کے ارادہ پر غالب نہیں آ سکتا اور حکیم اس اعتبار سے کہ اس نے یہودیوں کے خلاف لعنت اور غضب کا حکم دیا ان پر طیطوس بن اسپیانوس رومی کو مسلط کر دیا جس نے ان میں سے بے شمار لوگوں کو قتل کیا یا وہ حکیم اس اعتبار سے ہے کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تدبیر کی۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 299 (التجاریہ)

(1) پہلے معنی کی صورت میں یقیناً شبہ فعل محذوف متیقن کا مفعول مطلق ہوگا۔ دوسری صورت میں یہ مصدر محذوف قتلا کی صفت ہوگا۔ تیسری صورت میں ماقتلوا کے فاعل سے ہوگا۔

وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾

"اور کوئی ایسا نہیں ہو گا اہل کتاب سے مگر وہ ضرور ایمان لائے گا مسیح پر ۱؎ اُن کی موت سے پہلے ۲؎ اور قیامت کے دن وہ ہوں گے ان پر گواہ ۳؎"

۱؎ تقدیر کلام یوں ہے اِلَّا مَنْ لَیُؤْمِنَنَّ۔ یہ جملہ خبریہ ہے جو جملہ انشائیہ کی تاکید بیان کر رہا ہے، جو اس مستثنیٰ کی صفت ہے، جو مفرغ اور مقدر ہے۔ بہ ضمیر سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اکثر مفسرین عام علماء کی یہی رائے ہے۔ عکرمہ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ ضمیر حضرت محمد ﷺ سے کنایہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ نتیجہ ایک ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانا اس وقت تک قابل توجہ نہیں ہوتا جب تک وہ تمام رسولوں پر ایمان نہ لائے اور حضور ﷺ پر ایمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کو مستلزم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا حضور ﷺ پر ایمان لانے کو مستلزم ہے۔

۲؎ ضمیر سے وہ شخص ہے جو اہل کتاب میں سے ہے کہ جب وہ اپنی موت کے وقت عذاب کے فرشتے دیکھے گا تو وہ ایمان لے آئے گا جبکہ اس وقت کا ایمان اسے نفع نہ دے گا۔ یہ روایت علی بن طلحہ سے مروی ہے جو وہ حضرت ابن عباس سے نقل کرتے ہیں، کہا حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا اگر وہ مکان کی چھت سے گر پڑے تو آپ نے فرمایا وہ ہوا میں اس کا تکلم کرے گا۔ آپ سے پوچھا گیا اگر اس کی گردن اڑا دی گئی تو جواب دیا اس کی زبان لڑکھڑاتے ہوئے یہ کلام کرے گی(۱) خلاصہ یہ ہے کوئی کتابی نہیں مرے گا یہاں تک کہ وہ ایمان لائے گا اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا کتابی کسی لحہ ضرور ایمان لائے گا، اگرچہ عذاب کو دیکھ کر ایمان لائے۔ میں کہتا ہوں شائد یہ اس لیے ہے کیونکہ کتابی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور تورات کو پہچانتا ہے۔ دونوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل حضرت داؤد علیہ السلام اور زبور حضور ﷺ اور قرآن کے حق ہونے پر گواہی دیتی ہیں۔ وہ محض تعصب اور انکار کی وجہ سے اس کا انکار کرتا تھا۔ بعض اوقات وہ انصاف سے کام لیتا ہے اور اپنے دل میں اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ حضور ﷺ حق ہیں جس کی شہادت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات پہلے ہی دے چکی ہے۔ اگر یہ کھٹکا اس کے دل میں نہ ہوتا تو بھی اس میں کوئی شک نہیں کہ جب وہ عذاب کے فرشتے دیکھے گا تو گمان کرے گا کہ حضور ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ حق ہے۔ یہ آیت وعید کے معنی میں ہے اور حالت اضطراری سے پہلے ایمان لانے کی رغبت دلاتی ہے جب کہ حالت اضطراری میں انہیں ایمان کوئی نفع نہ دے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا دونوں ضمیریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہیں۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے تو تمام امتوں کے لوگ آپ پر ایمان لائیں گے کسی بھی دین کا پیروکار ایسا نہ ہوگا جو ایمان نہ لائے یہاں تک کہ ایک ہی ملت رہ جائیگا جو ملت اسلام ہے۔ یہ تاویل حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے قریب ہے کہ تم میں حضرت عیسیٰ بن

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 427 (العلمیہ)

مریم ایک عادل حاکم کی حیثیت سے اتریں آپ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کو ختم کریں گے، مال کی سخاوت کریں گے یہاں تک کہ اسے کوئی قبول نہیں کرے گا، یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔(1)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر چاہو تو قرأت کرو وان من اھل الکتب.........الایۃ(2) بعض روایات میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے تین دفعہ دہراتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہے، فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تمام ملتیں ہلاک ہو جائیں گی مگر اسلام(3) ابن جریر اور حاکم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا کہ اہل ادیان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا مگر وہ آپ پر ایمان لائے گا۔(4)

میں کہتا ہوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت سے پہلے نزول حق ہے اور آپ کے زمانہ میں اسلام کے علاوہ تمام ادیان کا ختم ہونا یہ بھی حق اور ثابت ہے جو مرفوع احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن اس کو اس آیت سے سمجھنا اور ضمیر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹانا درست نہیں۔ یہ صرف حضرت ابوہریرہ کا گمان ہے۔ اس ضمن میں کوئی مرفوع حدیث نہیں۔ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے جبکہ ان من اھل الکتب کا حکم ان تمام افراد کو شامل ہے جو حضور ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے خواہ ان کے ساتھ خاص ہو یا نہ ہو کیونکہ کلام کا زمانہ حال کے لیے حقیقت ہے۔ اس سے یہ مراد لینے کی کوئی دلیل نہیں کہ اس سے اہل کتاب کی وہ جماعت مراد لی جائے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت پائی جائے گی۔ صحیح تاویل پہلی ہے جس کی تائید ابی بن کعب کی قرأت کرتی ہے۔ ابن منذر نے ابوہاشم اور عروہ سے نقل کیا کہ دونوں نے کہا کہ مصحف کعب میں موتہ کی جگہ موتہم کے الفاظ تھے۔

ےیکون کی ھو ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت محمد ﷺ یا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، جس طرح لیؤمنن بہ میں ضمیر کا مرجع بنایا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر انبیاء اپنی امتوں پر اور حضور ﷺ انبیاء پر گواہ ہوں گے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾

" سو بوجہ ظلم ڈھانے یہود کے ہم نے حرام کر دیں ان پر وہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان کے لیے اور بوجہ روکنے یہود کے اللہ کے راستے سے بہت لوگوں کو۔ "

لے اس ظلم عظیم کے سبب جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ انہوں نے وعدہ توڑا اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا انبیاء کو قتل کیا حضرت مریم پر بہتان لگایا اور فخریہ انداز میں یہ کہا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا۔

ےیعنی جو چیزیں پہلے حلال تھیں انہیں حرام کر دیا جن کا ذکر سورۃ انعام میں ہو چکا ہے: وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا......وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ اس سے مراد جنت کی طیبات ہوں۔ اس کے مناسب اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ہے وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ۔ یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے دنیا میں پاکیزہ رزق مراد ہوں اور تحریم سے مراد انہیں محروم کرنا اور تکوینی امر کے ذریعے انہیں ان چیزوں سے پھیر

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 87 (قدیمی) 2۔ ایضاً
3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 516 (تجاریہ) 4۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 15 (الامیریہ)

دینا لیا جائے۔ اس کے باوجود کہ دنیا میں ان کے پاس پاکیزہ رزق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس چیز سے محروم کر دیا وہ صرف حرام اور خبیث رزق ہی کھاتے ہیں یہاں تک کہ جہنم کی آگ ان کے زیادہ مناسب ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر گوشت جو حرام سے بنا ہے آگ اس کے زیادہ مناسب ہے۔

۲؎ سبیل سے مراد ایمان اور حضور ﷺ کی اطاعت ہے۔ کثیرا یا تو مفعول بہ ہوگا یعنی انہوں نے بے شمار لوگوں کو روکا یا مفعول مطلق ہے اور مصدر محذوف کی صفت ہے۔

وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۶۱﴾

"اور بوجہ ان کے سود لینے کے حالانکہ منع کیے گئے تھے اس سے اور بوجہ ان کے کھانے کے لوگوں کے مال ناحق اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لیے ان میں سے عذاب دردناک۔"

یعنی انہیں تورات میں سود کھانے سے منع کیا گیا تھا اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ نہی حرمت کو واجب کرتی ہے۔

باطل طریقے سے مال کھانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ رشوت، دھوکہ، غصب اور دوسرے حرام طریقوں سے مال کھاتے تھے۔ بصدھم اپنے معطوف سے مل کر بظلمهم کا معطوف ہے جو حرمنا کے متعلق ہے اور اعتدنا کا جملہ حرمنا پر معطوف ہے۔ اور عَذَابًا اَلِیْمًا سے مراد جہنم کی آگ ہے۔ جب سابقہ کلام اس امر کا وہم دلاتی ہے کہ یہ حکم تمام اہل کتاب کو شامل ہے۔ اس وہم کے ازالہ کے لیے یہ ارشاد فرمایا۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ سَنُؤْتِیْهِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۶۲﴾

"لیکن جو پختہ ہیں علم میں ان سے ۱؎ (وہ بھی) اور (جو) مسلمان ہیں ۲؎ ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے ۳؎ اور صحیح ادا کرنے والے نماز کے ۴؎ اور دینے والے زکوٰۃ کے ۵؎ اور ایمان لانے والے اللہ اور روز آخرت کے ساتھ ۶؎ یہی ہیں جنہیں عنقریب ہم دیں گے اجر عظیم ۷؎۔"

۱؎ ہم ضمیر سے اہل کتاب ہے اور راسخون سے مراد عبداللہ بن سلام اور اس کے ساتھی ہیں جو اہل کتاب سے مومن ہوئے اور کتاب کے علم کا جو تقاضا تھا اس پر ثابت قدم رہے۔

۲؎ یعنی نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے انصار و مہاجرین یا مومنون سے مراد بھی اہل کتاب کے مومن ہیں اور راسخون و مومنون سے مراد ایک ہی ہے۔ ترکیب کلام میں الراسخون مبتدا ہے اور اس کی خبر یومنون ہے۔

۳؎ ما انزل الیک سے مراد قرآن اور وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ سے مراد تمام نازل شدہ کتابیں ہیں۔

۴؎ امام بغوی نے کہا حضرت عائشہ اور ابان بن عثمان سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ کاتب سے غلطی ہوئی۔ اسے والمقیمون الصلوٰۃ لکھنا چاہیے تھا۔ اسی طرح سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے الصٰبئون اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ان هذان لسٰحرٰن۔ انہوں نے کہا یہ کاتب

کی غلطی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا مصحف میں کچھ غلطیاں ہیں جسے عرب اپنی زبانوں سے درست کر دیں گے۔ آپ سے عرض کی گئی کیا آپ اسے بدل نہیں دیتے۔ آپ نے کہا اسے رہنے دو کیونکہ یہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کرتیں۔(1)

صحیح بات یہ ہے کہ یہ قول کرنے والوں کی طرف سے سہو ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔ تمام علما کا اجماع ہے کہ کتابت میں جو ہے وہ صحیح ہے۔ علماء کا اس کی توجیہ میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ المقیمین بطور مدح منصوب ہے۔ مقصود نماز کی فضیلت بیان کرنا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے امدح المقیمین ایک قول یہ کہا گیا کہ اعنی فعل کی وجہ سے منصوب ہے۔ یہی لوگ زکوۃ دینے والے بھی تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ توہم کی وجہ سے یہ منصوب ہے۔ یہی لوگ زکوۃ دینے والے بھی تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ توہم کی وجہ سے یہ منصوب ہے کیونکہ سابقہ (معطوف علیہ) لکن مشکلہ کی جگہ ہے جسے مشدد کی جگہ رکھا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا محل جر کا ہے کیونکہ اس کا عطف ما انزل الیک ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا اور انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ مقیمین سے مراد انبیاء ہیں۔

ے اس کا عطف الراسخون پر ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر اولئک ہے۔

لے اس کا عطف المؤتون پر ہے انبیاء اور کتب پر ایمان لانا اور نماز و زکوۃ میں سے جو ایمان کی تصدیق کرتے ان کا ذکر پہلے کیا کیونکہ آیت لانے کا مقصود یہی تھا کیونکہ اہل کتاب اپنے گمان کے مطابق اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ انہیں ایسے امور پر برانگیختہ کیا جائے جو ان کے نزدیک ایمان میں سے نہ تھے وہ تمام انبیاء اور تمام کتابوں پر ایمان لانا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ پہلے ایمان سے مراد ایمان مجازی اور دوسرے ایمان سے مراد حقیقی ہو جو ایمان مجازی اور شریعت کے احکام بجالانے پر مبنی ہوتا ہے۔

ے حمزہ نے اسے سیؤتیہم پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا اور باقی قراء نے جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے۔

ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ عدی بن زید نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی بشر پر کوئی چیز نازل کی ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(2)

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ وَإِسْحَـٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَـٰرُونَ وَسُلَيْمَـٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾

"بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح علیہ السلام کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح علیہ السلام کے بعد آئے اور (جیسے) وحی بھیجی ہم نے ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان علیہم السلام کی طرف اور ہم نے عطا فرمائی داؤد کو زبور۔"

سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا کیونکہ آپ بھی حضرت آدم علیہ السلام کی مثل ابو البشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُۥ هُمُ ٱلْبَاقِينَ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ انبیاء شریعت میں سے پہلے ہیں اور شرک سے ڈرانے والے بھی پہلے ہیں۔ یہی پہلی ہستی ہیں جن کی دعوت کو رد کرنے کی بناء پر ان کی امت کو عذاب کا سامنا کرنا پڑا اور آپ کی دعا کی وجہ سے زمین والوں کو ہلاک کیا گیا۔ آپ ہی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 517 (التجاریہ)   2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 435 (العلمیہ)

انبیاء میں سے سب سے طویل عمر پانے والے تھے اور آپ کا معجزہ آپ کی ذات میں رکھا گیا۔ آپ ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم میں رہے، نہ آپ کا کوئی دانت گرا، نہ کوئی بال سفید ہوا، نہ قوت کم ہوئی۔ آپ نے ساری عمر اپنی قوم کی اذیتوں پر صبر کیا۔ آپ کے بعد والے انبیاء سے مراد حضرت ادریس، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب اور دوسرے انبیاء ہیں۔ اسباط سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہے یا تو آپ کے بارہ بیٹے مراد ہیں یا ان کی اولاد میں سے انبیاء بنی اسرائیل ہیں۔ حضرت عیسیٰ، حضرت ایوب، حضرت یونس، حضرت ہارون اور حضرت سلیمان کا ذکر ان کی فضیلت کے لیے کیا ہے، اگرچہ یہ بھی انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہی ہیں۔

اٰتینا داؤد زبورا کا اوحینا پر عطف ہے۔ اعمش اور حمزہ نے زبور کو زاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی۔ امام بغوی نے کہا اس میں تحمید، تمجید اور اللہ تعالیٰ کی ثناء تھی حضرت داؤد علیہ السلام جنگل کی طرف نکل جاتے اور کھڑے ہو کر زبور پڑھتے۔ آپ کے ساتھ علماء بنی اسرائیل کے علاوہ بھی کھڑے ہو جاتے وہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوتے اور عام لوگ علماء کے پیچھے کھڑے ہوتے۔ جن و جن بدرجہ لوگوں کے پیچھے کھڑے ہوتے۔ پہاڑوں میں رہنے والے جانور آتے جو زبور سن کر تعجب کرتے ہوئے آپ کے سامنے کھڑے ہو جاتے اور پرندے ان کے سروں پر پر پھیلائے (i) ٹھہر جاتے۔(1)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کاش تم مجھے گزشتہ رات اس وقت دیکھتے جب میں تیری قرأت سن رہا تھا۔ تجھے آل داؤد کی سروں میں سے سر دی گئی۔(2) حضرت ابو موسیٰ نے عرض کی یا رسول اللہ اللہ کی قسم اگر میں جانتا ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں اسے مزید حسین بناتا۔(3) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب آپ کو دیکھتے تو فرماتے اے ابو موسیٰ ہمیں کچھ نصیحت کرو تو حضرت ابو موسیٰ آپ کو قرآن حکیم پڑھ کر سناتے۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝

"اور (جیسے وحی بھیجی) دوسرے رسولوں پر ۱؎ جن کا حال بیان کر دیا ہے ہم نے آپ سے اس سے پہلے ۲؎ اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر ہم نے اب تک آپ سے نہیں کیا ۳؎ اور کلام فرمایا اللہ نے موسیٰ سے خاص کلام ۴؎"

۱؎ رُسُلًا فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس پر اوحینا دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی سو اَرْسَلْنَا رُسُلًا۔

۲؎ یعنی اس دن سے پہلے ہم نے بیان کیا مثلاً حضرت آدم علیہ السلام، حضرت شیث، حضرت ادریس، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت ذوالکفل اور دوسرے انبیاء۔

۳؎ حضرت ابوذر سے مروی ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ سب سے پہلے نبی کون تھے؟ فرمایا حضرت آدم۔ میں نے عرض کی وہ نبی تھے؟ فرمایا ہاں، ان سے کلام کیا گیا۔ میں نے عرض کی کتنے رسول تھے فرمایا تین سو تیرہ کی ایک بڑی جماعت۔ حضرت ابو امامہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ انبیاء کی کل کتنی تعداد ہے؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار، ان میں سے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 519 (التجاریہ)　　2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 268 (قدیمی)　　3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 519 (التجاریہ)

(i) یو فرف الطائر بجناحیہ سے مراد یہ ہے کہ جس چیز پر پرندہ منڈلا رہا ہوتا تھا تو اس پر گرنے کے لئے وہ پھر پھیلا لیتا تا کہ ٹھیک اسی چیز پر گرے۔

رسول تین سو پندرہ کی ایک بڑی جماعت تھی(۱) اسے امام احمد اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا۔ امام حاکم نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا۔ نیز ابو یعلیٰ اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت انس سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار انبیاء مبعوث فرمائے، چار ہزار بنی اسرائیل میں سے(2) اور چار ہزار (۱) دوسرے لوگوں میں سے۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انبیاء کی بعینہٖ معرفت ایمان کی صحت کے لیے شرط نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ تمام انبیاء پر ایمان لایا جائے۔ اگر تمام کی معرفت شرط ہوتی تو اللہ تعالیٰ سب کا ہم پر ذکر کر دیتا۔

۳؎ براہ راست کلام وحی کا انتہائی مرتبہ ہے۔ انبیاء بنی اسرائیل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منتخب فرمایا جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مزید فضیلت دی اور درجات کو بلند کیا جس کا ذکر اس آیت میں ہے ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى..... حضور ﷺ کو وہ تمام فضائل عطا کیے جو دوسرے انبیاء کو دیے گئے تھے جبکہ مزید عظمتوں سے نوازا۔ فراء نے کہا عرب ہر ایسی چیز کو کلام کہہ دیتے ہیں جو دوسرے انسان تک پہنچے کا ذریعہ ہو لیکن مصدر کے ساتھ اس کی تاکید نہیں لاتے۔ جب مصدر سے تاکید لائی جائے تو اس سے حقیقی کلام ہی مراد ہوتی ہے۔ بطور مجاز یہ کہنا تو درست ہے اراد الجدار ان ينقض لیکن یہ کہنا درست نہیں ارادالجدار۔(3)

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

”(بھیجے ہم نے یہ سارے) رسول ۱؎ خوشخبری دینے کے لیے اور ڈرانے کے لیے ۲؎ تا کہ نہ رہے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر رسولوں کے (آنے کے) بعد ۳؎ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے (کوئی تسلیم نہ کرے تو اس کی مرضی) ۴؎ ۔“

۱؎ یہ بطور مدح منصوب ہے یا اس سے پہلے ارسلنا فعل مضمر ہے۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یا رسلا مابعد کی تمہید ہے۔

۲؎ لام جار یا تو ارسلنا کے متعلق ہے یا مبشرین اور منذرین کے متعلق ہے۔

۳؎ یعنی رسولوں کو ان کی طرف بھیجنے کے بعد کوئی حجت نہ رہے۔ حجة کان کا اسم ہے اور للناس اس کی خبر ہے یا علی اللہ اس کی خبر ہے اور دوسرا جار مجرور حال ہے۔ اس کو حجۃ کے متعلق کرنا درست نہیں کیونکہ حجۃ مصدر ہے اور بعد یہ مصدر کی ظرف ہے یا اس کی صفت ہے۔ معنی یہ ہوگا تا کہ لوگ یہ نہ کہیں اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف رسول کیوں مبعوث نہیں کیا تا کہ ہم اس کی اتباع کرتے۔

حضرت مغیرہ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ نے کہا اگر میں کسی مرد کو اپنے عورت کے ساتھ دیکھ لوں تو میں اسے تلوار کی دھار

1۔ الدرالمنثور، جلد 2، صفحہ 436 (العلمیہ) 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 519 (التجاریہ)

(۱) ابن حبان نے اپنی صحیح، حاکم، ابن عساکر اور حکیم ترمذی نے نوادر الاصول اور عبد بن حمید نے ابوذر سے روایت کیا ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ انبیاء کتنے تھے؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ان میں سے رسول کتنے تھے؟ فرمایا تین سو تیرہ کی ایک بڑی جماعت۔ پھر فرمایا چار ان میں سے بائی ہیں۔ حضرت آدم، حضرت شیث، حضرت نوح اور حضرت خنوخ۔ یہی حضرت ادریس ہیں۔ یہی وہ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے قلم سے لکھا۔ چار عربوں میں سے ہیں حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب اور آپ کے پیارے نبی۔ بنی اسرائیل میں سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے اور آخری حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام تھے اور سب سے آخری آپ کے نبی ہیں۔

سے قتل کر دونگا۔ یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی۔ فرمایا تم سعد کی غیرت سے خوش ہوتے ہو اللہ تعالیٰ کی قسم میں سعد بن عبادہ سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیور ہے (1) اللہ تعالیٰ نے اپنی غیرت کی وجہ سے ہی ظاہر اور مخفی فواحش کو حرام کیا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ہاں عذر کرنے والے سے بڑھ کر محبوب نہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ڈرانے والے اور خوشخبری دینے والے مبعوث کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی مدح کو پسند نہیں کرتا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا اسے امام بخاری اور دوسرے محدثین نے روایت کیا۔

امام بغوی نے کہا اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کی بعثت سے پہلے مخلوق کو عذاب نہیں دیتا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔

احناف نے کہا اللہ تعالیٰ شرعی اوامر اور نواہی پر عذاب نہیں دیتا مگر اسی وقت جب اللہ رسولوں کو مبعوث فرما دے۔ رہا توحید کا واجب ہونا یہ بعثت رسول پر موقوف نہیں کیونکہ آفاقی اور انفسی دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں اور عقل کا ادراک اس میں کفایت کر جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

2 جس چیز کا وہ ارادہ کرے اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور نبوت کی جو اس نے تدبیر کی ہے۔ اس میں حکمت ہے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خاص وحی، معجزہ اور فضل کے ساتھ خاص کیا ہے۔ حضور ﷺ کو تمام مخلوقات کی طرف مبعوث کرنے اور تا قیامت بعثت کی وجہ سے تمام انبیاء کے کمالات سے نوازا۔

ابن اسحاق اور ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم تم جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں وہ کہنے لگے ہم تو اس کو نہیں جانتے۔ (2)

امام بغوی نے کہا مکہ مکرمہ کے رؤساء حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے، کہنے لگے اے محمد ﷺ ہم نے تمہارے اور تمہاری صفات کے متعلق یہودیوں سے سوال کیا تو انہوں نے کہا وہ آپ کو نہیں جانتے تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیت کو نازل فرمایا۔ (3)

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝

"لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اس کتاب کے ذریعہ جو اس نے آپ کی طرف اتاری 1 کہ اس نے اسے اتارا ہے اپنے علم سے 2 اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ تعالیٰ بطور گواہ 3"

1 اللہ تعالیٰ قرآن حکیم کے ذریعے آپ کی نبوت کی گواہی دیتا ہے جو نظم و معنی کی وجہ سے معجز ہے اور آپ کی نبوت پر دلالت کرتا ہے۔

2 اپنے علم خاص کے ساتھ نازل فرمایا، وہ ماضی اور مستقبل کے مغیبات کا علم ہے اور قرآن کی تالیف کا علم جس کی چھوٹی سی چھوٹی سورت کی مثل لانے سے غیر عاجز رہے یا ان لوگوں کا علم جو نبوت اور کتاب کے منزل بننے کے اہل تھے۔ اس کے اسی علم کے باعث لوگ اپنی دنیا اور آخرت کی اصلاح کے لئے اسی کے محتاج ہوئے۔ پہلی دونوں صورتوں میں جار اور مجرور فاعل سے حال ہے اور تیسری صورت میں مفعول سے حال ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ مفعول مطلق ہو۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اَنْزَلَهٗ اِنْزَالًا مُتَلَبِّسًا بِعِلْمِهٖ۔ یہ جملہ ما قبل کی تفسیر کی طرح ہے۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1012 (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 22 (الامیریہ) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 520 (التجاریہ)

سے فرشتے بھی آپ کی نبوت کی شہادت دیتے ہیں کیونکہ وہ ظاہر ہو کر جنگ میں آپ کی مدد کے لئے آتے ہیں جس طرح غزوہ بدر میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت پر جو دلائل قائم کیے وہ کافی ہیں، غیر سے استشہاد کی ضرورت نہیں یا اس کا مطلب یہ ہے کہ مومنوں اور کافروں کی جزاء آخرت میں اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے وہ خود گواہ ہی کافی ہے کیونکہ ایک عادل حاکم جب خود جانتا ہو اور گواہ ہو تو اسے کسی اور کی گواہی کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۶۷﴾

"بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکا (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے وہ گمراہ ہوئے اور گمراہی میں بہت دور نکل گئے۔[1]"

[1] یہاں سبیل اللہ سے مراد حضور ﷺ پر ایمان لانا ہے۔ انہوں نے تورات میں موجود حضور ﷺ کی صفات کو چھپایا۔ اس میں تحریف کی اور لوگوں کو آپ کی اتباع سے روکا۔ اس طرح وہ حق سے بہت دور نکل گئے کیونکہ انہوں نے گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کو جمع کیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ ظَلَمُوْا لَمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ طَرِیْقًا ﴿۱۶۸﴾

"بے شک جنہوں نے کفر کیا اور ظلم کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ بخش دے انہیں اور نہ یہ کہ دکھائے انہیں (سیدھی) راہ۔[1]"

[1] جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا اور سب کچھ جانتے ہوئے حضور ﷺ کی نبوت کا انکار کر کے آپ پر ظلم کیا۔ یا جس چیز میں لوگوں کی بھلائی تھی لوگوں کو اس سے روک کر لوگوں پر ظلم کیا اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ انہیں بخش دے یا ہدایت سے نوازے۔

اِلَّا طَرِیْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ﴿۱۶۹﴾

"بجز جہنم کی راہ کے ہمیشہ رہیں گے اس میں ابد تک اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل آسان ہے۔[1]"

[1] جب وہ جہنم میں داخل ہوں گے تو ان کے لئے جہنم میں ہمیشہ رہنا مقدر ہے، انہیں جہنم میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ پر مشکل نہیں۔ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں ہے جن کے بارے میں یہ حکم ہو چکا ہے کہ وہ کفر پر ہی مریں گے۔ واللہ اعلم۔

جب اللہ تعالیٰ نے نبوت کے معاملہ کو واضح کر دیا اور اس راستہ کی وضاحت کر دی جو اس کے علم تک پہنچانے والا ہے، جو اس کا انکار کرے اس کے لئے یہ وعید ہے۔ اب لوگوں سے عام دعوت کے ساتھ خطاب فرمایا۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّكُمْ ؕ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۷۰﴾

"اے لوگو! تحقیق آ گیا ہے تمہارے پاس رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے پس تم ایمان لاؤ یہ بہتر ہے تمہارے لئے اور اگر تم انکار کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا۔[1]"

[1] الرَّسُوْلُ سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے اور حق سے مراد قرآن اور دین حق ہے۔ خیرا یا ایمانا کی صفت ہو کر مفعول مطلق ہے یا امرا کی صفت ہو کر فعل محذوف کا مفعول بہ ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: او انتوا امرا خیرا لکم۔ امام بغوی نے کہا تقدیر کلام یوں ہوگی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 521 (التجاریہ)

یَکُنِ الْاِیْمَانُ خَیْرًا لَّکُمْ) جبکہ بصریوں نے اس سے منع کیا، انہوں نے کہا کَانَ کو اپنے اسم کے ساتھ اس وقت حذف کیا جا سکتا ہے جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو۔ نیز یہ شرط اور جواب کے حذف کی طرف لے جاتا ہے۔ کَانَ کے اپنے اسم کے ساتھ حذف کے عدم جواز کو اس مثال سے رد کیا گیا ہے کہ عربوں کا قول ہے اَلنَّاسُ مُجْزِیُّوْنَ بِاَعْمَالِھِمْ اِنْ خَیْرًا فَخَیْرًا۔ (یہاں خیراً خبر ہے اور کان اپنے اسم کے ساتھ حذف ہے)

اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے غنی ہے، تمہارا کفر اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاتا، جس طرح تمہارا ایمان اسے کوئی نفع نہیں پہنچاتا۔ تمہارے ایمان کا نفع اور تمہارے کفر کا نقصان تمہاری طرف ہی پلٹتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے غنی ہونے پر اس ارشاد کے ساتھ آگاہ فرمایا کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے پیدا کرنے اور مالک ہونے کے اعتبار سے اسی کا ہے۔

اللہ تعالیٰ مومنوں کو جانتا ہے اور جو ایمان نہیں لائے انہیں بھی جانتا ہے، وہ دونوں کو جزا میں برابر نہیں رکھتا۔

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْیَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ ٘ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚ۫ وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَیْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا۠ (۱۷۱)

"اے اہل کتاب نہ غلو کرو اپنے دین میں [1] اور نہ کہو اللہ تعالیٰ کے متعلق مگر سچی بات [2] بے شک مسیح عیسیٰ پسر مریم [3] تو صرف اللہ کے رسول ہیں [4] اور اس کا کلمہ [5] جسے اللہ نے پہنچایا تھا مریم کی طرف اور ایک روح تھی اس کی طرف سے [6] پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر [7] اور نہ کہو تین (خدا ہیں) [8] باز آ جاؤ (ایسا کہنے سے) [9] یہ بہتر ہے تمہارے لیے [10] بے شک اللہ تو معبود واحد ہی ہے [11] پاک ہے وہ اس سے کہ ہو اس کا کوئی لڑکا [12] اسی کا (ملک) ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے [13] اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز [14]"

[1] ایک قول یہ کیا گیا کہ خطاب یہود و نصاریٰ دونوں جماعتوں کو ہے یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان کو کم کرنے کے لیے غلو سے کام لیا یہاں تک کہ ان کی تکذیب کی اور آپ کی والدہ پر سب و شتم کیا۔ نصاریٰ نے آپ کی شان کو بلند کرنے کے لیے غلو سے کام لیا یہاں تک کہ آپ کو خدا بنا لیا غلو کا اصل معنی حد سے تجاوز کرنا ہے۔

امام بغوی نے کہا یہ آیت نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان کے چار گروہ تھے: یعقوبیہ، ملکائیہ، نسطوریہ اور مرقوسیہ۔ یعقوبیہ اور ملکائیہ نے تو یہ کہا عیسیٰ ہی اللہ ہے۔ نسطوریہ نے کہا عیسیٰ ابن اللہ ہے۔ مرقوسیہ نے کہا وہ تین میں سے تیسرے ہیں۔ یہ بھی قول کیا جاتا ہے ملکائیہ کہتے عیسیٰ اللہ ہے۔ یعقوبیہ کہتے وہ ابن اللہ ہے۔ نسطوریہ کہتے وہ تین میں سے تیسرے ہیں (1) انہیں یہ تعلیم ایک یہودی نے دی تھی جسے بولس کہتے جس کا ذکر سورۂ توبہ میں آئیگا۔

[2] یعنی تم اللہ تعالیٰ کے شریک، بیوی اور بیٹے اور جسم ہونے سے پاکی بیان کرو کہ وہ کھانے پینے کا محتاج ہے۔

[3] عیسیٰ المسیح سے عطف بیان ہے اور ترکیب کلام میں بدل کر مبتدا ہے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 521 (التجاریہ)

ے رسول اللہ مبتدا کی خبر ہے، یعنی بات اس طرح نہیں جس طرح نصاریٰ نے کہا کہ وہ ابن اللہ ہے اور نہ اس طرح ہے جس طرح یہودیوں نے کہا کہ وہ کذاب ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔

ہ یعنی آپ کلمہ کن کا اثر ہیں، آپ بغیر باپ کے انسان ہوئے۔

لے قد کے مقدر ماننے کے ساتھ یہ حال ہے۔ روح منہ کا عطف رسول اللہ پر ہے، یعنی ایسی روح والے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس طرح پیدا فرمایا جس طرح دوسرے حیوانات کو پیدا فرمایا تو اس کا الٰہ ہونا ممکن نہیں۔ اس روح کی نسبت اپنی ذات کی طرف محض شرف کے اظہار کے لیے کی آپ کو روح اس لیے فرمایا کیونکہ آپ مردوں اور بمردہ دلوں کو زندہ فرماتے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس روح سے مراد وہ پھونک ہے جو حضرت جبرئیل امین نے حضرت مریم کے گریبان میں پھونکی تھی اور حضرت مریم اللہ تعالیٰ کے حکم سے حاملہ ہو گئیں۔ اس پھونک کو روح اس لیے کہا گیا کیونکہ یہ وہ ہوا ہے جو روح سے نکلی تھی۔ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے کی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے صادر ہوئی۔ اس میں مادہ کا کچھ داخل نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ روح منہ سے مراد اس کی طرف سے رحمت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کے لیے سراپا رحمت تھے، جنہوں نے آپ کی اتباع کی اور آپ پر ایمان لائے۔ ایک قول یہ کیا گیا روح سے مراد حضرت مریم کی طرف بشارت کی وحی جبرائیل امین کی طرف پھونکنے کی وحی اور حضرت عیسیٰ کی طرف کن (ہو جا) کی وحی کی۔ پس وہ ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا روح سے مراد جبرئیل امین ہیں۔ اس کا عطف اس پوشیدہ ضمیر پر ہے جو القاہا میں ہے۔ درمیان میں کیونکہ فاصلہ آ چکا ہے۔ اس لیے اس ضمیر متصل (۱) پر عطف کرنا جائز ہے۔ اس فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا اس لیے درست ہے کیونکہ وہ امر ہے جبرئیل امین کی طرف اس لیے درست ہے کیونکہ وہ فاعل ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے کرنا درست ہے کیونکہ وہ خالق ہے جبرئیل امین کی طرف اس لیے کیونکہ وہ کاسب ہے۔

حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں جس نے لا الہ الا اللہ اور محمد عبدہ ورسولہ کی گواہی دی اور یہ گواہی کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اس کے رسول اس کا کلمہ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو القاء کیا اور اس کی روح ہیں اور یہ گواہی دی کہ جنت حق ہے نار حق ہے۔ اس کا جو بھی عمل ہو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ متفق علیہ۔ (1)

ے انہیں میں سے ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

ہ یہ نہ کہو اللہ مسیح اور مریم تین خدا ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس مفہوم پر دلالت کرتا ہے أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ اقانیم ثلاثہ کا قول اس طرح کرتے اللہ عیسیٰ اور جبرئیل اور ان کے نام یوں رکھتے اب ابن اور روح القدس۔ وہ یہ کہتے ایک ذات کے لیے علم اور حیات وصف تھے۔ اس کی صفت علم منتقل ہوئی۔ اس نے غلبہ پایا اور جسم ہو گئی۔ اسی کا نام عیسیٰ رکھا گیا اور صفت حیات منتقل ہوئی تو اس کا نام جبرئیل رکھا گیا۔

ہ اس عقیدہ تثلیث سے رک جاؤ یا ایسا کام کرو۔

ے جس پر تم ہو اس سے بہتر ہو یا خیرا مصدر انتہاء کی صفت ہو کر مفعول مطلق ہے یا تقدیر کلام یوں ہو گی یکن الانتہاء خیر الکم۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 488 (وزارت تعلیم)

(۱) نحوی قاعدہ یہ ہے کہ جب اسم ظاہر کا عطف اسم ضمیر پر کیا جائے تو مرفوع منفصل کے ساتھ تاکید لگانا ضروری ہوتا ہے اور جب فاصلہ آ جائے تو بغیر تاکید کے عطف کرنا بھی درست ہوتا ہے۔

تمہارا رک جانا بہتر ہے۔

۱؎ یہ مبتدا خبر ہو کر جملہ اسمیہ ہے۔ واحد الہ کی صفت ہے جو تاکید کا فائدہ دے رہی ہے، یعنی اس میں کسی اعتبار سے بھی تعدد نہیں۔

۲؎ سبحانہ مفعول مطلق ہے ولد اسی کا ہو سکتا ہے جس کی مثل متصور ہو اور جس پر فناء طاری ہو سکے۔ اسی وجہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس قول کو اپنے حق میں گالی کا نام دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ابن آدم نے مجھے جھٹلایا جبکہ یہ اس کا حق نہ تھا۔ اس نے مجھے گالی دی جبکہ یہ اسے زیبا نہ تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانے سے مطلب یہ ہے کہ اس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اسے نہیں لوٹائے گا جس طرح اس نے پیدا کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لیے پہلی دفعہ پیدا کرنا دوبارہ زندہ کرنے سے زیادہ آسان نہیں۔ انسان کا مجھے گالی دینے سے مطلب اس کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنالیا حالانکہ میں احد اور بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ ہی مجھے جنا گیا اور نہ ہی کوئی میرا شریک ہے (1) حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے اس کا یہ قول کہ میرا بیٹا ہے مجھے گالی دینا ہے میری ذات اس سے پاک ہے، میں کسی کو بیوی اور بیٹا بناؤں۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ (2)

۳؎ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ ہر چیز ملک اور تخلیق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو کون اس کا مماثل ہو سکتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کا بیٹا تصور کیا جائے۔ گویا یہ جملہ سابقہ کلام کے لیے تعلیل کی طرح ہے۔

۴؎ وکیل سے مراد حفاظت کرنے والا اور تدبیر کرنے والا ہے پس اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے کیونکہ بچے کو حاجت اس لیے ہوتی ہے تا کہ وہ باپ کا وکیل بنے اور اس کے قائم مقام ہو۔

امام بغوی نے کہا جبکہ واحدی نے اسباب النزول میں اسے کلبی کی طرف منسوب کیا ہے کہ نجران کے وفد نے حضور ﷺ سے کہا اے محمد ﷺ تم ہمارے نبی پر عیب لگاتے ہو۔ آپ نے فرمایا میں ان کے بارے میں کیا کہتا ہوں؟ انہوں نے کہا تم یہ کہتے ہو کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے کوئی عار کی بات نہیں۔ (3)

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝

"ہرگز عار نہ سمجھے گا ۱؎ مسیح (علیہ السلام) کہ وہ بندہ ہو اللہ کا ۲؎ اور نہ ہی مقرب فرشتے (اس کو عار سمجھیں گے) ۳؎ اور جسے عار ہو اس کی بندگی سے اور وہ تکبر کرے ۴؎ تو اللہ جلد ہی جمع کریگا ان سب کو اپنے ہاں ۵؎"

۱؎ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہرگز ناک نہیں چڑھائیں گے اور نہ ہی اپنے آپ کو بڑا سمجھیں گے۔ استنکاف کا معنی ناک چڑھاتے ہوئے تکبر کرنا ہے۔ یہ نکفت الدمع سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو اپنی انگلی سے آنسو پونچھ دے تا کہ اس کا اثر آپ کو نظر نہ آئے۔

۲؎ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بندگی تو بندے کے لیے شرف اور کمال ہے جس پر وہ فخر کرتا ہے کیونکہ یہی تمام کمالات کی اصل ہے کیونکہ ممکنات میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت کے بغیر کمال سے متصف ہو سکے، جبکہ ممکن کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبودیت کے

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 744 (وزارت تعلیم) 2۔ ایضاً، صفحہ 644 (وزارت تعلیم) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 523 (التجاریہ)

سوا کوئی نسبت نہیں ذلت اور نا گواری تو غیر اللہ کی عبادت میں ہوتی ہے کیونکہ وہ غیر بھی تو اس کی طرح ممکن ہے۔

یہ اس کا عطف المسیح پر ہے، یعنی مقرب فرشتے بھی اس امر پر نا گواری کا اظہار نہیں کرتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جو فرشتوں کی انسانوں پر فضیلت کا گمان رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کیونکہ ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے کہا جاتا ہے فلاں اس سے نفرت نہیں کرتا اور نہ ہی وہ جو درجے سے اس سے اعلیٰ ہے یہ نہیں کہا جاتا زید اس سے نفرت نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا غلام۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کی طور پر یہ کلام نہیں فرمائی تا کہ ان کی منازل کی بلندی کا اظہار ہو بلکہ فرشتوں کے پرستاروں کا رد فرمایا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پرستاروں کا رد فرمایا۔ یا یہ کہا جائے کہ عطف سے مراد کثرت کے اعتبار سے مبالغہ ہے، مقام و مرتبہ کے اعتبار سے نہیں جس طرح تیرا یہ قول امیر یوں ہو گیا کہ نہ کوئی رئیس اس کی مخالفت کرتا ہے اور نہ ہی رعایا۔

امام بیضاوی نے کہا اگر اس سے مراد مقام و مرتبہ کی بڑائی ہے تو پھر اس کا مقصود مقرب فرشتوں کی فضیلت ہے وہ کروبین ہیں جو عرش الٰہی کے ارد گرد ہوتے ہیں یا ان میں سے جو بڑی شان رکھتے ہیں، ان کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فضیلت کا اظہار ہے۔ تاہم یہ اس بات کو مستلزم نہیں کہ دونوں جنسوں میں ایک دوسرے پر مطلقاً فضیلت رکھتی ہے جبکہ نزاع تو اسی میں ہے۔(1)

بعض فضلاء نے یہ کہا کہ اس اعتراض کو ختم کرنے میں زیادہ مناسب یہ جواب ہے کہ ترقی فرشتوں کی عار محسوس کرنے کی نفی میں ہے کیونکہ وہ اس نا گواری کے زیادہ حقدار تھے نہ کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنی فضیلت یعنی زیادہ ثواب کے مستحق ہیں بلکہ وہ آپس میں بندگی کا تصور نہیں رکھتے جبکہ بندوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے کیونکہ ان میں باہم بندگی کا تصور عام ہے۔

میں کہتا ہوں میرے نزدیک زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ ترقی فرشتوں کی انبیاء پر کلی فضیلت ظاہر کرنے کے لیے نہیں بلکہ ان کی من وجہ اور جزوی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی نزاع نہیں۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ انسان اپنی ذات اور نوع کی بقاء کے لیے کھانے، پینے، جماع کرنے اور دوسری چیزوں کا محتاج ہے۔ اس کی پیدائش کا زمانہ قریب ہے اس کی عمر تھوڑی ہے اور فناء کا وقت قریب ہے تو وہ اپنے رب کی عبادت سے کیسے عار محسوس کر سکتا ہے۔ اور وہ کیسے اپنے لیے الوہیت کا دعویٰ کر سکتا ہے جبکہ فرشتے اپنے مجرد ہونے، محتاج نہ ہونے، عمروں کے طویل ہونے، زبردست طاقت رکھنے، امراض، مصائب اور شدائد کا شکار نہ ہونے کے باوجود وہ الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نفرت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اس میں ساتھ ہی ساتھ یہ اشارہ بھی ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں افراط سے کام لیا۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ آپ باپ کے بغیر پیدا ہوئے آپ مادر زاد اندھوں کو، کوڑھیوں کو درست کر دیتے ہیں، مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں آپ لوگوں کو وہ بتا دیتے ہیں جو وہ کھاتے ہیں اور جو گھروں میں ذخیرہ کرتے ہیں تو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بندگی سے ہی بری کر دیا تو انہیں کہا جائیگا یہ اوصاف تو فرشتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ مکمل انداز میں پائے جاتے ہیں جبکہ فرشتے تو اللہ تعالیٰ کی بندگی سے تکبر نہیں کرتے۔ نیز اس میں فرشتوں کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فضیلت کی طرف اشارہ ہے، اگرچہ کسی ایک وجہ سے ہی یہ کلام نصاریٰ کے جواب کے طور پر آئی ہے، جب انہوں نے آپ کی شان میں افراط سے کام لیا، یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو وہ

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 138 (فراس)

مقام دیا جو آپ کے لیے نہ تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کی فضیلت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت پر قیاس کیا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا گیا کیا آپ سے بڑھ کر بھی کوئی عالم ہے؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہمارا بندہ خضر تم سے زیادہ عالم ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا لَآ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا اور حضرت خضر علیہ السلام سے کہا هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔

ع استکبار (ا) استنکاف (ب) سے درجہ میں کم ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کا عطف استنکاف پر کیا یہاں استکبار۔ کا استعمال کیا گیا کیونکہ یہ اس کا استحقاق نہیں تھا جبکہ تکبر میں بعض اوقات استحقاق ہوتا ہے۔

ھ میں انہیں جزا دوں گا۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ یَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ۬ وَّ لَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا ﴿۱۷۳﴾

"پھر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ا؎ تو اللہ تعالیٰ پورا پورا دے گا انہیں ان کے اجر ۲؎ اور زیادہ بھی دیگا انہیں اپنے فضل و کرم سے ۳؎ لیکن جنھوں نے عار سمجھا (بندہ بننے کو) اور تکبر کیا تو عذاب دے گا انہیں دردناک عذاب اور نہ پائیں گے اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار ۴؎"

ا؎ جیسے حضرت مسیح علیہ السلام ملائکہ اور مومن۔

۲؎ اپنے وعدہ کے مطابق انہیں پورا پورا اجر دیگا۔

۳؎ یعنی جو چاہے گا خواہ وہ اجر میں کئی گنا اضافہ کرتا ہو، مقام قرب اور دیدار الٰہی کے معاملات ہوں جسے کسی آنکھ نے نہ دیکھا، نہ کان نے سنا اور نہ ہی کسی کے دل میں وہ کھٹکا طبرانی اور دوسرے محدثین نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ سے مراد اس آدمی کے حق میں شفاعت ہے جس کے لیے جہنم کی سزا ثابت ہو چکی تھی یہ شفاعت ان لوگوں کی طرف سے ہوگی جن کے ساتھ اس نے دنیا میں نیکی کی ہوگی۔

۴؎ اگر آپ یہ کہیں تفصیل اجمال کے مطابق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَسَیَحْشُرُهُمْ میں ضمیر منصوب من یَسْتَنْكِفْ کی طرف لوٹ رہی ہے پھر مجمل تو مُسْتَنْكِفِیْنَ کا ذکر ہوگا جبکہ تفصیل میں فریقین کا ذکر ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا یہ کلام منطوق کی تفصیل نہیں بلکہ کلام کا جو معنی ہے اس کی تفصیل ہے۔ گویا کلام یوں کی گئی اللہ تعالیٰ تمام ان لوگوں کو جمع کریگا جو عبادت سے تکبر کرتے ہوئے نفرت کا اظہار کرتے تھے جس دن اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو اٹھائے گا تو انہیں جزا بھی دے گا پس جو لوگ ایمان لائے ہونگے...... یا یوں کہا جائے کہ اہل استنکاف کے مد مقابل لوگوں کو اچھا بدلہ دینا تو اہل استنکاف کو غم اور حسرت کا عذاب دینا ہے۔ گویا مُسْتَنْكِفِیْنَ کے عذاب کی وضاحت دو طرح سے کی ہے۔

تفتازانی نے کہا یہ جواب درست نہیں کیونکہ اما کا لفظ دونوں جماعتوں پر داخل ہوا صرف مستنکفین کی جزاء پر داخل نہیں ہوا (1)

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 440 (العلمیہ)　　(ا) غرور کے ساتھ انکار کرنا ناک چڑھانا۔ (ب) اپنے آپ کو غلط طور پر بڑا سمجھنا۔

صاحب کشاف نے مجمل کلام میں یہ کلام مقدر کی ہے فَسَيَحْشُرُهُمْ وَالْمُؤْمِنِيْنَ کیونکہ تفصیلی کلام اس کا تقاضا کرتی ہے یا دو متقابل چیزوں میں سے ایک دوسرے کے ذکر پر دلالت کرتی ہے۔

میں یہ کہتا ہوں دونوں جماعتوں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے غیر مُسْتَنْكِفِيْنَ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ضمن میں تھا لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ اور مُسْتَنْكِفِيْنَ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں تھا وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ ..... تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کی جزاء کی وضاحت کر دی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝

"اے لوگو! آ چکی ہے تمہارے پاس ایک (روشن) دلیل تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہم نے اتارا ہے تمہاری طرف نور درخشاں۔"

برہان سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضور ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے رب کی جانب سے واضح دلیل آ چکی ہے یعنی حضور ﷺ اور نور مبین سے مراد قرآن ہے کیونکہ اس کے ساتھ حق اسی طرح منکشف ہو جاتا ہے جس طرح اشیاء نور کے ساتھ منکشف ہو جاتی ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝

"تو جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ (کی رسی) کو تو عنقریب داخل کریگا انہیں اپنی رحمت اور فضل میں اور پہنچائے گا انہیں اپنی طرف لے جانے والی سیدھی راہ پر۔"

رحمت سے مراد جنت اور ثواب ہے جو ایمان اور عمل کے مقابلہ میں بطور رحمت مقدر کیا گیا۔ یہ کوئی اس حق کو پورا کرنے کے لیے نہیں جو اللہ تعالیٰ پر واجب تھا جبکہ معتزلہ اس سے اختلاف کرتے ہیں۔

فضل سے مراد وعدہ سے زائد حسان ہے جیسے دیدار اور قرب کے درجات۔ اور یھدیھم الیہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ راستہ ہے جو محض اس کی ذات تک پہنچانے والا ہے جو کم و کیف سے پاک ہے۔ صراط مستقیم سے مراد اسلام' طاعت' دنیا میں صوفیاء کے راستے پر چلنا' جنت کا راستہ' مقام دیدار اور آخرت میں قرب کے مقامات ہیں۔ صراطا ترکیب میں محذوف مضاف سے حال ہے جو الیہ میں ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی الی صراطہ یا یہ کہا جائیگا تقدیر کلام یہ ہے یھدیھم مقربین الیہ یا مقربا یا ھم الیہ اس صورت میں مقربین یا مقربا اسم فاعل یا اسم مفعول سے حال ہوگا اور صراطا مفعول ثانی ہوگا یا یہ کہا جائیگا کہ صراطا مستقیما الیہ سے بدل ہوگا واللہ اعلم۔

ابن مردویہ نے حضرت عمر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ کلالہ کی وراثت کیسے تقسیم کی جائیگی تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا۔(1)

يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗۤ

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 441 (العلمیہ)

أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٧٦﴾

"(اے میرے رسول) فتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے آپ فرمایئے اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے تمہیں کلالہ (کی میراث) کے بارے میں ۱؎ اگر کوئی ایسا آدمی ۲؎ فوت ہو جائے نہ ہو جس کی کوئی اولاد ۳؎ اور اس کی ایک بہن ہو ۴؎ تو بہن کا نصف حصہ ہے اس کے ترکہ سے اور وہ وارث ہوگا اپنی بہن کا ۵؎ اگر نہ ہو اس بہن کی کوئی اولاد ۶؎ پھر اگر دو بہنیں ہوں ۷؎ تو ان دونوں کو دو تہائی ملے گا اس سے جو اس نے چھوڑا ۸؎ اور اگر وارث ہوں بہن بھائی ۹؎ مرد بھی اور عورتیں بھی ۱۰؎ تو مرد (بھائی) کا حصہ دو عورتوں (بہنوں) کے حصہ کے برابر ہے ۱۱؎ صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے (اپنے) احکام تاکہ گمراہ نہ ہو جاؤ ۱۲؎ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۱۳؎"

۱؎ کلالہ کا معنی سورت کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

امام نسائی نے ابی الزبیر کے واسطہ سے حضرت جابر سے روایت کیا ہے میں بیمار ہوا تو حضور ﷺ تشریف لائے، میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں اپنی بہنوں کے لیے تیسرے حصے کی وصیت کر دوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان کے ساتھ احسان کرو۔ میں نے عرض کی میں نصف کی وصیت کر دوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان کے ساتھ احسان کرو۔ پھر آپ تشریف لے گئے۔ پھر کچھ وقت کے بعد تشریف لائے۔ فرمایا میرا خیال نہیں کہ تم اس مرض میں فوت ہو گے۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے اور تیری بہنوں کے درمیان فیصلہ فرما دیا ہے، وہ دو ثلث ہے۔ حضرت جابر کہا کرتے تھے یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی (1) حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا یہ حضرت جابر کا دوسرا قصہ ہے جو سورت کے آغاز میں گزر رہا وہ اور تھا۔

فائدہ: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت حقیقی بھائیوں اور بہنوں کے بارے میں ہے جس طرح ہم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سورت کے آغاز میں نقل کیا ہے حقیقی بہن بھائی نہ ہونے کی صورت میں باپ کی طرف سے بھائیوں کو بھی ان پر قیاس کیا جائیگا۔ یہی اجماع ہے۔

۲؎ یہ مفسر فعل کی وجہ سے مرفوع ہے جس کی تفسیر مابعد فعل کرتا ہے۔

۳؎ لیس له ولد امرء کی صفت ہے یا هلک میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہے۔ ولد مذکر اور مونث دونوں کو عام ہے، یعنی اس کا کوئی بچہ یا بچی نہیں ہوتا۔

۴؎ یعنی ماں باپ کی طرف سے صرف ایک ہی بہن ہے۔ یہ جملہ حال اور عطف دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔

۵؎ وہ بہن اس کے نصف مال کی وارث ہوگی اور وہ بھائی اپنی بہن کے تمام مال کا وارث ہوگا اگر حقیقی بہن ہلاک ہو گئی۔

۶؎ اگر فوت ہونے والی کا بچہ یا بچی نہ ہو کلالہ کے مفہوم سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس کا باپ اور دادا موجود نہیں۔

۷؎ اگر بہنیں دو یا زیادہ ہوں اور ساتھ مذکر نہ ہو تو تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ دو سے زیادہ کا حکم وہی ہے جو دو کا ہے۔

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 443 (العلمیہ)

۸ تو ان کے بھائی نے جو ترکہ چھوڑا ہے اس کے دو ثلث ان کے لیے ہونگے۔
۹ اگر وارث بہن بھائی ہوں وراثت کے باب میں وہ کا حکم وہی ہوتا ہے جو جمع کا ہوتا ہے۔
۱۰ یعنی مرد عورتیں ملے جلے حق تو یہ تھا کہ کلام یوں ہوتی وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً وَّ اَخَوَاتٍ رِّجَالًا وَّنِسَآءً لیکن مذکر کو غلبہ دیا گیا۔
۱۱ تو ان میں سے مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے یعنی اگر دو عورتوں یا زیادہ کے ساتھ ایک مذکر یا زیادہ مذکر ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو اسی کی مثل دیا جائیگا جتنا دو عورتوں کو دیا جاتا ہے۔ دلالۃ النص سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مرد ایک ہو یا زیادہ ہوں۔ اگر عورت ایک ہو تو اسے مرد کے مقابلہ میں نصف دیا جائیگا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر مذکر کو دو حصے اور ہر مونث کو ایک حصہ دیا جائیگا۔
مسئلہ: تمام علماء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ ایک بہن کے لیے نصف اور دو یا زیادہ بہنوں کے لیے دو ثلث کی شرط کے لیے بچہ نہ ہونے کی جو شرط ہے اسی طرح پوتا یا اس سے نیچے لڑکا نہ ہونے کی بھی شرط ہے۔ اگر ایک بچہ ہو یا پوتا ہو تو بہنوں اور بھائیوں کے لیے کوئی حصہ نہ ہوگا ایک بچی ہو یا زیادہ بچیاں ہوں۔ تو بھائی بہنوں کے لیے وہ مذکر ہوں یا مونث ہوں، ایک ہو یا زیادہ ہوں تو بچی کا نصف یا دو یا زیادہ ہوں تو دو ثلث دینے کے بعد باقی انہیں دیا جائیگا۔ بھائیوں کو اس لیے دیا جائیگا کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے فرائض (معین حصے) ان کے مستحقین کو دو جو چیز باقی بچے تو سب سے قریبی مذکر کا حصہ ہے(1) یہ روایت حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور متفق علیہ ہے۔
اسی طرح بہن کا حصہ ایک ہو یا زیادہ ہوں، انہیں بھی ایک بچی یا زیادہ کے ساتھ حصہ ملے گا کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے۔ بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بنالو۔

ہذیل نے حضرت شرحبیل سے حدیث نقل کی ہے کہ ایک آدمی حضرت ابوموسیٰ اشعری اور سلیمان بن ربیعہ کے پاس آیا ان سے ایک ایسے آدمی کے متعلق سوال کیا جو فوت ہوا تو اس کی ایک بیٹی ایک پوتی اور حقیقی بہن رہ گئی۔ دونوں نے کہا بیٹی کو نصف اور بہن کو نصف ملے گا۔ اب حضرت ابن مسعود کے پاس جاؤ، وہ بھی ہماری موافقت کرے گا۔ وہ حضرت ابن مسعود کے پاس آیا۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا اگر میں بھی ایسا ہی کہوں تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ میں تو اس طرح فیصلہ کروں گا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا۔ بیٹی کے لیے نصف؛ پوتی کے لیے چھٹا، اس طرح دو ثلث مکمل ہو جائیں گے اور باقی ماندہ ثلث (ا) بہن کے لیے ہوگا۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔(2)
مسئلہ: تمام علماء کا اس باب پر اجماع ہے کہ حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی (صرف باپ کی طرف سے بھائی) وارث نہیں ہوتے کیونکہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی ہے کہ اخیافی بھائی (ماں کی طرف سے بھائی) تو وارث ہوتے ہیں۔ لیکن باپ کی طرف سے بھائی وارث نہیں ہوتے ایک شخص کا حقیقی بھائی وارث ہوتا ہے۔ علاتی بھائی وارث نہیں ہوتا(3) اسے امام ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے حرث کی حدیث سے روایت کیا جو حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں جبکہ حرث ضعیف ہے۔ امام ترمذی نے کہا اس کی (اس مسئلہ) پہچان اس کی حدیث سے ہوئی، لیکن عمل اسی پر ہے۔ وہ علم فرائض

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 34 (قدیمی)، صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 998 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 997 (وزارت تعلیم)
3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 30 (وزارت تعلیم)

(ا) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے تھے کہ بیٹی کی موجودگی میں بہن کو کچھ نہیں ملتا جو باقی بچے گا وہ عصبہ کا ہوگا۔ وہ ارشاد فرماتے تم اس کا حصہ کتاب اللہ اور سنت رسول میں نہیں پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور مذکورہ آیت تلاوت کی لیکن جو کچھ ہم نے کہا وہ سنت سے ثابت ہے اسی پر اجماع ہے۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ۔

سے آگاہ تھا امام نسائی نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام ترمذی کا یہ کہنا کہ عمل اسی پر ہے یہ اجماع کی حکایت ہے۔

مسئلہ: تمام علماء کا اس پر بھی اجماع ہے کہ علاتی بہن ایک ہو یا زیادہ ایک حقیقی بہن کی موجودگی میں چھٹے حصے کی مستحق ہوگی تاکہ دو ثلث مکمل ہو جائیں اس مسئلہ کو اس مسئلہ پر قیاس کیا گیا پوتی ایک ہو یا زیادہ ہوں، ایک حقیقی بیٹی کے ساتھ چھٹے حصے کی مستحق ہوتی ہے۔ دو حقیقی بہنوں کی موجودگی میں وہ وارث نہ ہوگی کیونکہ دو تہائی پہلے ہی دو بہنوں کو مل چکا ہے۔ ہاں ایک صورت ہے کہ ان کے ساتھ کوئی مرد بھی ہو تو وہ سب عصبہ بن جائیں گے اور باقی مال میں سے مرد کو عورت سے دوگنا ملے گا یا نصف مال، ان میں اسی حساب سے تقسیم کیا جائیگا جبکہ حقیقی بہن ایک ہو تو پہلے اسے نصف دیا جائیگا۔

مسئلہ: تمام علماء کا اس پر بھی اجماع ہے کہ علاتی بھائیوں کا حکم وہی ہوگا جو حقیقی بھائیوں کا ہوتا ہے بشرطیکہ حقیقی بھائی نہ ہوں یا تو اس آیت سے حکم ثابت ہوگا۔ جب ہم یہ تسلیم کرلیں کہ اخ اور اخت کا لفظ ان علاتی بھائیوں کو بھی شامل ہے۔ تاہم حقیقی بھائیوں کو علاتی بھائیوں پر ترجیح سنت سے ثابت ہے۔ لیکن یہاں ایک خرابی یہ لازم آئیگی کہ مشترک کے دو معنوں کو جمع کرنا لازم آئیگا مگر خبر مشہور سے یہ ثابت ہے کہ ایک بہن کے لیے نصف اور دو اور زیادہ کے لیے دو ثلث ہونگے اکیلے مذکر کے لیے سارا مال بھی جائز ہے۔ جب مذکر اور مونث دونوں شامل ہوں تو مذکر کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ تاہم ان سب بھائیوں کو بیٹا، پوتا، باپ اور دادا کی وراثت سے محروم کردے گا۔ اگر میت کی ایک بیٹی یا متعدد ہوں تو علاتی کا حکم وہی ہوگا جو بیٹیوں کی موجودگی میں حقیقی کا ہوتا ہے۔

۲۱۲۔ اللہ تعالیٰ تمہاری گمراہی کو کھول کر بیان کرتا ہے کیونکہ جب تمہیں آزاد چھوڑ دیا جائے تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ یہی تمہاری طبیعت ہے اس وضاحت کی حکمت یہ ہے کہ تم اس سے بچو اور اس کے برعکس کو اختیار کرو یا اللہ تعالیٰ تمہارے لیے حق اور صواب کی وضاحت کرتا ہے۔ یہ ناپسند کرتے ہوئے کہ تم گمراہ ہو جاؤ۔ کوفیوں نے کہا تقدیر کلام یوں ہے لِئَلَّا تَضِلُّوْا تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ یہاں لا نافیہ محذوف ہے۔

۲۱۳۔ اللہ تعالیٰ زندگی اور موت دونوں صورتوں میں بندوں کی مصلحت کو خوب جانتا ہے واللہ اعلم۔

حضرت براء بن عازب سے مروی ہے سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت سورۂ براءت ہے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت سورۂ نساء کی آخری آیت ہے، متفق علیہ۔(1)

امام بغوی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت سود والی آیت ہے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت سورۂ نصر ہے۔ آپ سے ہی یہ بھی مروی ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت اِتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ہے۔ یہ بھی روایت کی گئی کہ سورۂ نصر کے نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ ایک سال تک زندہ رہے اور سورۂ براءت اس کے بعد نازل ہوئی۔ یہ وہ آخری سورت ہے جو مکمل انداز میں نازل ہوئی۔ اس کے بعد آقائے دو عالم ﷺ چھ ماہ تک اس دنیا میں رہے۔ پھر حجۃ الوداع کے راستہ میں سورۂ نساء کی آخری آیت نازل ہوئی تو اس کا نام آیت صیف رکھا گیا۔ پھر جب آپ وقوف عرفہ کیے ہوئے تھے تو اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپ اکیاسی دن تک اس دنیا میں رہے۔ پھر اس کے بعد ربا والی آیت نازل ہوئی پھر اس کے بعد یہ آیت اِتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپ صرف اکیس دن دنیا میں رہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔(2)

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 662 (وزارت تعلیم)　　2۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 525 (التجاریہ)

آپ کے قول کہ سورۂ براءت کے بعد حضور ﷺ دنیا میں چھ ماہ تک رہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ یہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب حضور ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حج کا امیر بنا کر روانہ کر چکے تھے۔ یہ سن نو ہجری کا واقعہ ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورۂ براءت کی پہلی چالیس آیات دے کر بھیجا تھا کہ وہ لوگوں کو پڑھ کر سنائیں۔ اس کے بعد آقائے دو عالم ﷺ چندرہ ماہ اور کچھ دن دنیا میں رہے۔ شاید راوی نے سولہ ماہ کا ذکر کیا ہو اور ایام کو پورا مہینہ شمار کر لیا ہو۔ اور عشر کا لفظ رہ گیا۔ اسی طرح ان کا یہ قول کہ حضور ﷺ سورۂ نصر کے نازل ہونے کے بعد ایک سال تک رہے۔ اس میں بھی اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ جب نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے تو آپ سورۂ نصر کی تلاوت کر رہے تھے جس طرح سورۂ نصر کی تفسیر میں ذکر کیا گیا۔ فتح مکہ حضور ﷺ کے پردہ فرمانے سے تیس ماہ پہلے نازل ہوئی۔ واللہ اعلم (۱)

سورۃ النساء کی تفسیر 11 رجب المرجب 1198ھ کو مکمل ہوئی۔

---

(۱) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس نے سورۂ بقرہ، سورہ نساء اور سورۂ آل عمران پڑھی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حکماء میں لکھا جاتا ہے۔ از مؤلف رحمہ اللہ